إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ أَقْوَمُ

بلاشبہ یہ قرآن نہایت سیدھی راہ دکھاتا ہے

تفسیر

ہدایت القرآن

ان شاء اللہ یہ تفسیر آپ کو قرآنِ کریم سے بہت قریب کردے گی

جلد اوّل

تالیف

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

تفصیلات

نام کتاب : ہدایت القرآن جلد اول

تالیف : حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

تاریخ طباعت : باراول ذوالقعدہ ۱۴۳۸ ہجری مطابق اگست ۲۰۱۷ عیسوی

کاتب : مولوی حسن احمد پالن پوری فاضل دارالعلوم دیوبند 09997658227

پریس : ایچ، ایس پرنٹرس، ۱۴، ۱۷ چاندنی محل، دریا گنج دہلی (011-23244240)

ملحوظہ : یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں مکمل ہے، شروع کی تین جلدیں اور پارۂ عم حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ کی لکھی ہوئی بھی ہیں، پارۂ عم جو آٹھویں جلد میں شامل ہے وہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نے بھی لکھا ہے، اب شروع کی تین جلدیں بھی حضرت لکھ رہے ہیں کیونکہ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است!

یہ پہلی جلد ہے، آگے کی دو جلدیں حضرت اور لکھیں گے، مولانا کاشف رحمہ اللہ کی تفسیر بھی مل سکتی ہے اور یہ جلد بھی۔

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارن پور۔ (یو، پی)

فہرست مضامین

سورۃ الفاتحہ

سورۃ البقرۃ

توحید کا بیان

رسالت کا بیان

آخرت کا بیان

آدم علیہ السلام کی خلافتِ ارضی

اہل کتاب اور مشرکین کے مسلمانوں کے ساتھ معاملات

تحویلِ قبلہ کا حکم:

۸-حج کے احکام

احکام میں مصالح ومفاسد کی رعایت کی جاتی ہے

جہاد کا بیان

رسالت کا بیان

آخرت کا بیان

توحید کا بیان (آیت الکرسی کی تفسیر)

دستاویز لکھنے کا بیان

سورۃ آلِ عمران

غزوۂ احد کا بیان

سورۃ النساء

احکامِ میراث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب

الحمد لله الذی بتوفيقه تتم الصالحات، والصلاة والسلام علی سيد الكائنات، وعلی آله وصحبه زبدة الموجودات، أما بعد:

کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ آپ نے یہ تفسیر کیوں لکھی؟ عربی، فارسی اور اردو میں تفسیروں کی کمی نہیں، پھر آپ نے دخل در معقولات کیوں کیا؟ جواب: میں نے تفسیر نہیں لکھی، مجھ سے لکھوائی گئی ہے! اگر مجھ سے نہ لکھوائی جاتی تو شاید میں ہمت نہ کرتا، من آنم کہ من دانم!

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آج سے پچاس سال پہلے جب میں دارالعلوم دیوبند میں طالب علم تھا: حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ نے ہدایت القرآن شروع کی تھی، انھوں نے پہلے آخری پارہ لکھا، وہ مقبول ہوا تو انھوں نے شروع سے لکھنا شروع کیا، بیس سال میں نو پارے لکھے اور چھاپے، خود ہی چھاپتے تھے اور خود ہی خریداروں کو بھیجتے تھے، پھر مہینوں آرام کرتے تھے، پھر اگلا پارہ لکھتے تھے۔

۱۹۷۴ء میں جب میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہوکر آیا تو مکتبہ حجاز کے مالک میرے ساتھی جناب مولانا قاضی محمد انوار صاحب تھے، مولانا کاشف صاحبؒ لکھتے تھے اور قاضی صاحب چھاپتے تھے، انھوں نے مکتبہ حجاز خرید لیا تھا، اور مولانا کاشف صاحب مدرسہ اصغریہ میں مدرس ہوگئے تھے، مگر وہ اتنی دیر میں پارہ لکھتے تھے کہ قاضی صاحب کا نقصان ہوتا تھا، خریدار ٹوٹ جاتے تھے۔

جب میں مدرس ہوکر آیا تو قاضی صاحب نے دوستی کے ناتے اصرار کیا کہ میں تفسیر لکھوں اور وہ چھاپیں، میں لکھنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا، مگر وہ شب و روز اصرار کرتے رہے پس میں نے قلم پکڑا اور دسواں پارہ لکھا، جب وہ مولانا کاشف صاحب رحمہ اللہ کو پہنچا تو انھوں نے پڑھ کر تبصرہ کیا: ''پیوند کچھ برا تو نہیں!'' اس سے ہمت بڑھی۔

پھر میں وقفہ وقفہ سے لکھتا رہا، استعداد بھی ناقص تھی اور زبان بھی پھس پھسی تھی، جب قاضی صاحب سر ہوجاتے تو لکھتا، پھر جب پارہ چھپتا تو میں سو جاتا، تا آنکہ ایک سال بارش بہت ہوئی اور قاضی صاحب کے گھر کا ایک حصہ گر گیا، ان کو مرمت کے لئے پیسوں کی ضرورت تھی اور ہاتھ تنگ تھا، انھوں نے اصرار کیا کہ میں مکتبہ حجاز خرید لوں، میں نے خیال کیا

کہ جب مکتبہ میرا ہو جائے گا تو کام میں تیزی آئے گی، مگر معاملہ برعکس ہوا، مزید سستی پیدا ہوگئی، بلکہ پارہ اٹھارہ آدھا لکھنے کے بعد کام بالکل ہی رک گیا، میں دوسرے کاموں میں لگ گیا، مگر تفسیر کی تکمیل کا فکر ہمیشہ سوار رہا۔

ایک خواب: جس زمانہ میں میں خود وقفہ وقفہ سے تفسیر لکھتا تھا اور چھاپتا تھا: ایک سال فیملی کے ساتھ عید الاضحیٰ کی تعطیل میں وطن گیا، اور مئو کے ایک طالب علم مولوی فیاض سلمہ کو مکان سونپ گیا، وہ اب بڑے عالم ہیں، وہ میری بیٹھک میں لیٹے تھے، انھوں نے خواب دیکھا: نبی ﷺ میری جگہ تشریف فرما ہیں، طلبہ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں، آپ نے طلبہ سے فرمایا: ''سعید سے کہنا......... پوری کرے'' ان کی آنکھ کھل گئی، وہ بھول گئے کونسی کتاب پوری کرنے کے لئے فرمایا تھا، مگر میں اس زمانہ میں ہدایت القرآن کا کوئی پارہ لکھ رہا تھا۔

دوسرا خواب: پھر ایک عرصہ کے بعد سہارن پور سے کسی خاتون کا خط آیا، وہ لڑکیوں کا مدرسہ چلاتی ہیں، انھوں نے خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا اور پوچھا کہ وہ طالبات کو کیا پڑھائیں؟ آپ نے فرمایا: ''ہدایت القرآن پڑھاؤ'' ـــــ اس کے باوجود میری ناقص استعداد مانع بنی رہی اور کام میں کوئی تیزی نہیں آئی۔

پھر اتفاق یہ ہوا کہ ۱۴۱۸ھ میں تکمیلِ علوم کے طلبہ نے پورے سال کی حجۃ اللہ البالغہ کی تقریر ٹیپ کی، اور کاغذ پر منتقل کر کے مجھے دی کہ میں اس پر نظر ثانی کروں، چنانچہ ۱۴۱۹ھ میں جب سبق شروع ہوا تو میں نے اس تقریر پر نظر ثانی شروع کی، مگر وہ تقریر چوتھے مبحث پر ختم ہوگئی، کیونکہ درس میں کتاب اتنی ہی پڑھائی جاتی تھی، اس لئے مجبوراً کام آگے بڑھانا پڑا، اور ۱۹ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ کو حجۃ اللہ البالغہ کی شرح رحمۃ اللہ الواسعہ پانچ ضخیم جلدوں میں پوری ہوئی، اس عرصہ میں تفسیر کا کوئی پارہ نہیں لکھ سکا۔

پھر تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی کا کام شروع ہو گیا، یہ شرح آٹھ جلدوں میں شعبان ۱۴۳۰ھ میں تکمیل پذیر ہوئی، پھر فوراً تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری کا کام شروع ہو گیا، یہ شرح بارہ جلدوں میں جمادی الاخری ۱۴۳۶ھ میں پوری ہوئی، پھر بلا توقف تفسیر شروع کی اور ۱۴۳۷ھ کے ختم تک سورۃ النور سے آخر تک تفسیر مکمل کی، اب شروع سے لکھنا شروع کیا ہے، شروع کا حصہ اگرچہ مولانا کاشف الہاشمی قدس سرہ لکھ چکے ہیں، اور وہ مطبوعہ اور مقبول بھی ہے، اور اس کو میں ہی چھاپ رہا ہوں اور چھپتا رہے گا، تاہم میں بھی لکھ رہا ہوں، میرے دل پر اس کا شدید تقاضا ہے، اسی کو میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے تفسیر لکھی نہیں، مجھ سے لکھوائی گئی!

❁ ❁ ❁

حضرت مولانا کاشف الہاشمی رحمہ اللہ عوام کو پیش نظر رکھ کر تفسیر لکھتے تھے، اس لئے اس میں وعظ و نصیحت کے مضامین کا غلبہ ہوتا تھا، میں نے بھی شروع میں یہ بات پیشِ نظر رکھی تھی، اور ساتھ ہی قرآنِ کریم کی تفہیم بھی ملحوظ رکھی تھی، اور آیات

اور آیات کے مشمولات میں ارتباط کا بھی خیال رکھا تھا، پھر جلد ہفتم سے عنوانات بھی بڑھائے ہیں، اس لئے میری لکھی ہوئی تفسیر کی عبارت تو اسی طرح آسان ہے مگر مضامین ذرا بلند ہیں، چنانچہ مولانا رحمہ اللہ کی تفسیر عوام کے لئے بہت مفید ہے، اور میری لکھی ہوئی تفسیر خواص کے لئے خاصہ کی چیز ہے، اس میں مشکل الفاظ کے معانی حاشیہ میں دیئے ہیں، اور ضرورت کی جگہ ترکیب کی طرف بھی اشارے کئے ہیں، جس سے خواص استفادہ کرسکتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

جاننا چاہئے کہ آیاتِ پاک میں اور آیات کے اجزاء میں ربط وتعلق ہے یا نہیں؟ اس میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں:

ایک رائے: یہ ہے کہ ارتباط نہیں ہے، جو بات بندوں کی مصلحت کی ہوتی ہے وہ بیان کی جاتی ہے، یہ لوگ اس کی مثال دیتے ہیں: باپ بیٹا ساتھ کھا رہے ہیں، باپ بیٹے کو سمجھا رہا ہے کہ تعلیم میں دلچسپی لینی چاہئے، اس کے یہ اور یہ فائدے ہیں، اچانک باپ نے دیکھا کہ بیٹے نے بڑا سا لقمہ منہ میں رکھا، اس نے سلسلۂ کلام روک کر سمجھانا شروع کیا کہ بڑا لقمہ نہیں لینا چاہئے، وہ اچھی طرح نہیں چبے گا، اور اچھی طرح ہضم نہیں ہوگا، پھر سابقہ نصیحت شروع کی، تو کلام میں بے ربطی ہوگی، مگر بیٹے کی مصلحت کا یہی تقاضا ہے۔

دوسری رائے: یہ ہے کہ آیات میں اور آیات کے اجزاء میں نہ صرف ربط ہے، بلکہ غایتِ ارتباط ہے، اس لئے کہ حکیم کا کلام بے ربط نہیں ہوسکتا، اور اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہیں ان کا کلام بے ربط کیسے ہوسکتا ہے؟ ترتیبِ نزولی میں تو پہلی بات صحیح ہوسکتی ہے، مگر لوحِ محفوظ کی ترتیب میں بے ربطی نہیں ہوسکتی، اس لئے یہی رائے صحیح ہے، اسی لئے مفسرین عظام نے ہر زمانہ میں ربط بیان کیا ہے، اور متعدد محنتیں وجود میں آئی ہیں، بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، میں نے بھی تفسیر میں ٹوٹی پھوٹی محنت کی ہے، شاید کسی کو پسند آئے، البتہ آمد اور آورد میں فرق ہے، باہر سے ربط داخل کرنا آورد ہے اور آیات سے ربط نکالنا آمد ہے، میں نے کوشش کی ہے کہ ربط آیات ہی سے نکلے، باہر سے داخل نہ کیا جائے۔ چنانچہ میں نے عبارت النص پیش نظر رکھ کر تفسیر کی ہے، باقی تین استدلالات فائدے کی صورت میں بیان کئے ہیں۔

❁ ❁ ❁

نص فہمی کے مفید یقین طریقے صرف چار ہیں:

۱- عبارۃ النص سے استدلال: جب کوئی شخص گفتگو کرتا ہے تو کسی نہ کسی مضمون کی ادائیگی مقصود ہوتی ہے، یہ مقصدی مضمون اور مرکزی نقطۂ نظر: عبارت میں پائی جانے والی دوسری باتوں سے یقیناً زیادہ اہم ہوتا ہے، اسی کو اصطلاح میں عبارۃ النص کہتے ہیں، جیسے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ سے حمد باری مقصود ہے، اسی معنی کی ادائیگی کے لئے

عبارت لائی گئی ہے۔

۲- اشارۃ النص سے استدلال: یعنی عبارت ایک معنی کے لئے نہیں لائی گئی لیکن الفاظ اپنے لغوی معنی یا عرفی مراد یا لازمی معنی کے طور پر کسی بات پر دلالت کرتے ہیں، اور وہ بات متکلم کے مقصد کے خلاف بھی نہیں تو یہ اشارۃ النص سے استدلال ہے، جیسے مذکورہ آیت سے توحید الوہیت اور توحید ربوبیت پر استدلال کرنا اشارۃ النص سے استدلال ہے۔

۳- دلالۃ النص سے استدلال: یعنی ایک بات نص کے ترجمۂ لغوی سے تو ثابت نہیں ہوتی، مگر ترجمۂ لغوی سے بدرجۂ اولیٰ اس کو سمجھا جاسکتا ہے، اس کو دلالۃ النص سے استدلال کرنا کہتے ہیں، جیسے: ﴿ وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ﴾: بوڑھے والدین سے اف مت کہو، اس سے معلوم ہوا کہ سب وشتم اور ضرب بدرجہ اولیٰ ممنوع ہیں، کیونکہ ان سے اف کہنے سے زیادہ تکلیف پہنچتی ہے۔

۴- اقتضاء النص سے استدلال: یعنی نص میں جو بات کہی گئی ہے، اس کا صحیح ہونا یا اس پر عمل کرنا عقلاً یا شرعاً کسی امر زائد کے مان لینے پر موقوف ہو تو اس امر زائد کو مقدر ماننا اقتضاء النص سے استدال کرنا کہلاتا ہے، جیسے حدیث میں ہے: **رُفع عن أمتي الخطأ و النسیان**: میری امت سے بھول چوک اٹھادی گئی ہے، حالانکہ امت سے بھول چوک ہوتی ہے، اس لئے عقلاً وشرعاً تصحیح کلام کے لئے ضروری ہے کہ 'گناہ' مقدر مانا جائے یعنی بھول سے کوئی شخص کوئی کام کرے یا چوک جائے اور کوئی کام کرلے تو اس کا گناہ نہیں ہوگا، رہا احکام کا مرتّب ہونا تو وہ دوسری بات ہے۔

ان کے علاوہ اخذ واستنباط کے اور طریقے بھی ہیں، جیسے مفہوم مخالف سے استدلال کرنا، مگر وہ صدفی صد صحیح نتیجہ نہیں دیتے، اس لئے احناف نے ان کا نصوص میں اعتبار نہیں کیا، اور اصولِ فقہ کی کتابوں میں ان کو وجوہِ فاسدہ کے عنوان سے بیان کیا ہے، میں نے تفسیر میں عبارت النص ہی کو پیشِ نظر رکھا ہے، اس لئے ارتباط خود بخود نکل آتا ہے۔

❁ ❁ ❁

ایک خاص بات یہ ہے کہ عربی تفسیروں میں نص قرآنی کو علمائے نحو کے مرتب کردہ قوانین کے تابع کیا جاتا ہے، جبکہ ان میں بعض قواعد میں اختلاف بھی ہے۔ مفسرین اس کی رعایت سے ترکیبی احتمالات بیان کرتے ہیں، مگر ہمارے اکابر ایسے احتمالات بیان نہیں کرتے، اس لئے کہ نحو کے قواعد زبان سے اخذ کئے گئے ہیں، اور بعض قواعد میں ائمہ نحو میں اختلاف بھی ہے، اس لئے اللہ کے کلام کو ان قواعد کے تابع نہیں کرنا چاہئے، سیاقِ کلام سے جو ترکیب ہم آہنگ ہو وہ متعین ہے اور اسی کو پیشِ نظر رکھ کر مراد خداوندی بیان کرنی چاہئے۔

یہ چند ضروری باتیں تھیں جو عرض کی گئیں، ان کے علاوہ علوم قرآنی کے موضوع پر علمائے کرام بہت کچھ لکھ چکے ہیں، ان سے استفادہ کیا جائے۔

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

اللہ کی پناہ مانگتا ہوں مردود شیطان سے!

قاعدہ: مستعاذ بہ (جس کی پناہ چاہی گئی) پر باء اور ترجمہ میں 'کی' آتا ہے، اور مستعاذ منہ (جس سے پناہ چاہی گئی) پر مِنْ اور ترجمہ میں 'سے' آتا ہے، طالب علم اس میں کبھی غلطی کر جاتا ہے، جو خطرناک غلطی ہوگی۔

تعوذ سنت ہے: مومن بھی شیطان سے متاثر ہوسکتا ہے اس لئے تلاوت سے پہلے تعوذ سنت ہے، اور تعوذ صرف تلاوت کے وقت مسنون ہے، اور کتاب پڑھتے وقت مسنون نہیں، تعوذ کا حکم سورۃ النحل (آیت ۹۸) میں ہے، اور جمہور کے نزدیک امر استحباب کے لئے ہے۔

استعاذہ کی حکمت: تلاوت سے پہلے استعاذہ کی حکمت یہ ہے کہ جو شخص سمجھ کر تلاوت کرتا ہے شیطان اس کو بہکانے کی اور اس کی فکر وفہم کو غلط راہ پر ڈالنے کی پوری کوشش کرتا ہے، اس لئے اللہ کی پناہ لینی ضروری ہے، تا کہ اللہ تعالیٰ فکر وفہم کو گمراہی سے بچائیں، اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھیں، اگر قاریِ قرآن ایسا کرے گا تو امید ہے کہ وہ قرآن کی باتوں کو صحیح سمجھے گا، ورنہ شکوک وشبہات میں مبتلا ہوسکتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حدیث میں ہے کہ جو بھی اہم کام اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہو جاتا ہے، اور تلاوتِ قرآن اہم کام ہے، پس تعوذ کے بعد تسمیہ چاہئے، اور حدیث میں ہے کہ دروازہ بھیڑو تو بسم اللہ کہہ کر بند کرو، چراغ گل کرو تو بسم اللہ کہو، برتن ڈھانکو تو بسم اللہ پڑھ کر ڈھانکو، غرض: کھانا کھانے، پانی پینے، وضو کرنے، سواری پر سوار ہوتے وقت اور اترتے وقت بسم اللہ پڑھنا چاہئے، یہ سنت ہے، واجب نہیں۔

بسم اللہ ہر سورت کا جزء ہے یا قرآن کی مستقل آیت ہے؟

سورۂ نمل میں جو بسم اللہ ہے وہ بالیقین قرآن کا جزء ہے، اس کا منکر کافر ہے اور اس پر اجماع ہے۔ اس کے علاوہ سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لئے جو ۱۱۳ جگہ بسم اللہ لکھی گئی ہے اس کے بارے میں تین نظریے ہیں:

پہلا نظریہ: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بسم اللہ نہ تو قرآن کا جزء ہے، نہ مستقل آیت ہے اور نہ کسی سورت کا جزء ہے ـــــ شاید ان کے خیال میں سورۂ نمل کی آیت ہی کو ہر سورت کے شروع میں لکھا گیا ہے۔

دوسرا نظریہ: احناف کے نزدیک سورۂ نمل کی بسم اللہ کے علاوہ ایک اور بسم اللہ قرآن کی مستقل آیت ہے اور وہ فصل کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے۔ دورِ عثمانی میں جب مصحف تیار ہوا تو صحابہ کے مشورہ سے اسی بسم اللہ کو ہر سورت کے شروع میں لکھا گیا۔ اسی لئے احناف کے نزدیک تراویح میں کم از کم ایک جگہ بسم اللہ جہراً پڑھنا ضروری ہے ورنہ قرآن ناقص رہے گا۔

تیسرا نظریہ: امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے میں یہ قرآن کی ۱۱۳ آیتیں ہیں یعنی سورتوں کے شروع میں جتنی بسم اللہ ہیں وہ سب آیاتِ قرآنیہ ہیں۔ پھر یہ مستقل آیتیں ہیں یا مابعد سورت کا جزء ہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فاتحہ کے شروع میں جو بسم اللہ ہے وہ تو شوافع کے نزدیک بالاجماع فاتحہ کا جزء ہے وہ فاتحہ کی پہلی آیت بسم اللہ ہی کو قرار دیتے ہیں اور صراط الذین سے آخر تک ایک آیت شمار کرتے ہیں اور باقی بسم اللہ کے بارے میں شوافع کے مختلف اقوال ہیں، راجح قول یہ ہے کہ ہر بسم اللہ مابعد سورت کا جزء ہے ـــــ اور امام احمد رحمہ اللہ کے اس مسئلہ میں تین قول ہیں، تینوں مذاہب کے موافق۔ غرض یہ مسئلہ منصوص نہیں اجتہادی ہے اور اس پر اجماع ہے کہ ان اختلاف کرنے والوں میں سے کسی کو نہ تو ایمان سے خارج کیا جائے گا نہ گمراہ قرار دیا جائے گا۔

سورۃ الفاتحہ

یہ قرآنِ کریم کی پہلی اور نہایت اہم سورت ہے، اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کے متعدد نام ہیں، جو چیز مختلف کمالات کا مجموعہ ہوتی ہے اور زبان میں کوئی ایک لفظ ایسا نہیں ہوتا جو سب کمالات پر دلالت کرے تو متعدد ناموں سے ان خوبیوں کو واضح کرتے ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے بے شمار اسمائے حسنیٰ ہیں، کیونکہ ان میں کمالات بے حساب ہیں، اور اسی وجہ سے نبی ﷺ کے بہت سے صفاتی نام ہیں، اور اسی وجہ سے ایک شخص کو مولوی، مولانا، حافظ، قاری، مفتی، قاضی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ سورۃ الفاتحہ کے درج ذیل نام ہیں:

۱- سورت الصلاۃ: نماز کی سورت: یہ سورت نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، اس کو پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی، اس لئے ایک حدیثِ قدسی میں اس کو الصلاۃ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میں نے نماز کو یعنی سورۃ الفاتحہ کو اپنے اور بندے کے درمیان آدھا آدھا بانٹا ہے، ساڑھے تین آیتوں میں اللہ کی صفات کا بیان ہے، اور ساڑھے تین آیتوں میں بندے کی دعا ہے، یہ حدیث مسلم شریف میں ہے (مشکات ح:۸۲۳)

۲-سورت الحمد: وہ سورت جس کا پہلا کلمہ ﴿ اَلْحَمْدُ ﴾ ہے، اور جس میں اللہ کی بھرپور تعریف ہے، توحیدِ الوہیت اور توحیدِ ربوبیت کا بیان ہے، یعنی معبود وہی اکیلے ہیں اور وہی کائنات کے پالنہار ہیں۔

۳-فاتحۃ الکتاب: یعنی قرآنِ کریم کا دیباچہ، پیش لفظ، فتح کے معنی ہیں: کھولنا، اور فاتحہ کے معنی ہیں: ہر چیز کا آغاز، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآنِ کریم کی پہلی سورت کا نام فاتحۃ الکتاب دو وجہ سے ہے: ایک: یہ سورت قرآن میں سب سے پہلے لکھی گئی ہے۔ دوم: نماز میں قراءت اسی سورت سے شروع کی جاتی ہے (امام بخاریؒ کی بات پوئی ہوئی) اسی لئے اس کو کسی پارے میں شامل نہیں کیا، پہلا پارہ آلٓمّٓ یعنی سورۃ بقرہ سے شروع ہوتا ہے، اگر فاتحہ کو پہلے پارے میں شامل کرتے تو وہ اسی کا پیش لفظ ہو کر رہ جاتا، حالانکہ وہ پورے قرآن کا مقدمہ ہے۔

۴-ام الکتاب: قرآن کی ماں، یعنی اصل، ماں سے اولاد متفرع ہوتی ہے، اس سورت میں پورے قرآن کے مضامین کا خلاصہ آگیا ہے، اور اس سورت کے مضامین پورے قرآن میں پھیلائے گئے ہیں، آگے جب اس سورت کے مضامین کا خلاصہ بیان کروں گا تو یہ بات سمجھ میں آئے گی، اور اسی نام کے ہم معنی اس سورت کا نام ام القرآن بھی ہے۔

۵-الشفاء، الرقیہ (منتر) الکافی اور الوافی بھی اس سورت کے نام ہیں، حدیث میں ہے کہ سورۃ الفاتحہ ہر بیماری کی شفاء ہے، اس سورت کے ذریعہ عام بیماریوں کو اور خطرناک بیماریوں زہر وغیرہ کو جھاڑا جاسکتا ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس سورت کے ذریعہ ایک سانپ کاٹے کو جھاڑا تھا اور وہ شفایاب ہوگیا تھا، میں بھی ہر بیماری کو اس سورت سے جھاڑتا ہوں، اور باذن اللہ شفاء ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں: اس کے نام المثانی (بار بار پڑھنے کی سورت)، القرآن العظیم اور الاساس (بنیاد) بھی ہیں۔

سورۃ الفاتحہ کے فضائل

سورۃ الفاتحہ کے ناموں کی کثرت اس کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، علاوہ ازیں: احادیث میں اس کے اور بھی فضائل آئے ہیں:

۱-نبی ﷺ نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا: ”سورت الفاتحہ جیسی سورت: تورات، زبور، انجیل اور قرآن میں نازل نہیں کی گئی، یہی وہ بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں اور قرآنِ عظیم ہے، جو میں دیا گیا ہوں“ (رواہ الترمذی حدیث ۲۸۸۴)

۲-ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، اچانک آسمان سے ایک آواز آئی، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اوپر نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا کہ آج آسمان کا ایک ایسا دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا، اس دروازہ سے ایک فرشتہ اترا، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کو مبارک باد دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں، آپ کو

دو ایسے نور دیئے گئے ہیں جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے، ایک سورۂ فاتحہ، دوسرے سورۂ بقرۃ کی آخری آیتیں، آپ اُن کو پڑھیں گے تو ان میں جو دعائیں ہیں وہ قبول ہونگی (رواہ مسلم مشکات ۲۱۲۴)

۳-آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ سورۂ فاتحہ موت کے علاوہ ہر بیماری کے لئے شفاء ہے۔ اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سورۂ فاتحہ دو تہائی قرآن کے برابر ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ بیماری کے لئے اس سورت کو پڑھ کر دم کرنا چاہئے۔

(ہدایت القرآن کاشفی)

۴-حدیثِ قدسی میں ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "میں نے سورۂ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کیا ہے، آدھی سورت کا تعلق مجھ سے ہے اور آدھی کا تعلق بندے سے، اس میں بندے کی دعا ہے، اور بندہ جو چیز مانگتا ہے میں اس کو وہ چیز دیتا ہوں" (رواہ مسلم، مشکات ۸۲۳)

تشریح: الحمد للہ بہترین دعا اس لئے ہے کہ دعا کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ جن سے دل و دماغ عظمتِ خداوندی سے لبریز ہو جائیں اور دل میں نیاز مندی کی کیفیت پیدا ہو۔ دوم: وہ جن کے ذریعہ دنیا و آخرت کی خیر طلب کی جائے اور شر سے حفاظت کی درخواست کی جائے، اور ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ جب بندہ کہتا ہے کہ ستائشوں کے سزاوار اللہ تعالیٰ ہیں تو اس کا دل نیاز مندی اور عاجزی سے بھر جاتا ہے۔ اور الحمد للہ کلمۂ شکر بھی ہے۔ اور شکر سے نعمت بڑھتی ہے۔ پس حمد کرنے والا دارین کی سعادتوں سے مالا مال کر دیا جاتا ہے، اور شرور و فتن سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں توحید، آخرت اور رسالت کا اثبات ہے اور سارے دین کی طرف اشارہ ہے

پہلے دو باتیں سمجھ لیں:

۱-اسلام کے بنیادی عقائد تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت، اور ان میں ترتیب بھی یہی ہے، مگر کبھی قرآنِ کریم بیانِ عقائد میں کسی خاص وجہ سے ترتیب بدلتا ہے، اس سورت میں پہلے توحید کا، پھر آخرت کا، پھر رسالت کا بیان ہے، اور ایسا خاص وجہ سے کیا ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۲-قرآنِ کریم عام طور پر بات قریب سے بیان کرتا ہے، مگر کبھی دور سے لیتا ہے، توحید اور آخرت کو تو راست بیان کیا ہے، مگر رسالت کے مسئلہ کو مؤمنین کی ہدایت کی دعا کی صورت میں ذکر کیا ہے۔ آدھی سورت میں مؤمنین کو ایک دعا کی تعلیم دی ہے کہ وہ اللہ سے ہدایت طلب کریں، اور ہدایت (دینی راہ نمائی) اللہ تعالیٰ رسولوں کے ذریعہ کرتے ہیں، اس طرح رسالت کا مسئلہ زیر بحث آگیا، پھر ہدایت عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے، اور اس کے لئے تذکیر و موعظت ضروری ہے، انبیاء کے

اور ان کی قوموں کے واقعات اسی مقصد سے ذکر کیے ہیں، نیز پند ونصائح بھی ضروری ہیں، اس طرح رسالت، دلیلِ رسالت (قرآنِ کریم) اور اس کے تمام مشمولات کی طرف اشارہ ہوگیا، اور سورۃ الفاتحہ: ام الکتاب اور ام القرآن بن گئی۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ میں توحیدِ الوہیت کا بیان ہے، الف لام استغراقی ہیں یعنی ہر حمد اللہ کے لئے ہے! اور حمد کے معنی ہیں: کسی کے ذاتی (خانہ زاد) کمالات (خوبیوں) کو تعظیم کے طور پر قول سے یا فعل سے سراہنا، اور ہر کمال کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، دوسروں کو جو بھی کمال حاصل ہوا ہے وہ اللہ کی دَین ہے، پس کسی کی کوئی تعریف نہیں، تعریف صاحبِ کمال کی ہوتی ہے، اور تمام کمالات کا مرجع اللہ کی ذات ہے، اور کمالات میں سب سے بڑا کمال معبود ہونا ہے، یہ کمال بھی دیگر کمالات کی طرح اللہ کے ساتھ خاص ہے، قابلِ پرستش وہی ہیں، یہی توحید الوہیت ہے۔

اور ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ میں توحیدِ ربوبیت کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ ہی سارے جہانوں کے پالنہار ہیں، ربّ کے معنی ہیں: کسی چیز کو وجود بخشنا، نیست سے ہست کرنا، پھر اس چیز کی بقاء کا سامان کرنا، تاکہ وہ وجود میں آکر ختم نہ ہوجائے، پھر اس کو آہستہ آہستہ بڑھا کر منتہائے کمال تک پہنچانا، یہ تین کام اللہ کے سوا کون کرسکتا ہے؟ پس کائنات کے پروردگار بھی وہی ہیں، اور یہی توحید ربوبیت ہے۔

اور دونوں توحیدوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتیں، چولی: کرتے کا بالائی حصہ اور دامن: زیریں حصہ، دونوں ساتھ ساتھ ہوتے ہیں، ایک کے بغیر دوسرا نہیں ہوتا، پس جو معبود ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بندوں کو پالے، اور جو پالنہار ہے وہی قابلِ پرستش ہے، دوسرا کوئی معبود نہیں ہوسکتا، کیونکہ پالے کوئی اور سرِ نیاز خم کرے دوسرے کی چوکھٹ پر: اس سے زیادہ نامعقول بات کیا ہوسکتی ہے؟

پھر جاننا چاہئے کہ رحمان: رحیم سے عام ہے، کیونکہ رحمان میں پانچ حروف ہیں، اور رحیم میں چار، اور کثرتِ مبانی کثرتِ معانی پر دلالت کرتی ہے، پس ﴿ الرَّحْمٰنِ ﴾ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: دنیا میں کافر بھی ہیں، اللہ تعالیٰ ان باغیوں کو کیوں پالتے ہیں؟

جواب: وہ رحمان ہیں، بے حد مہربان ہیں، اس دنیا میں ان کی رحمت ہر کسی کے لئے عام ہے، اس لئے کفار کو بھی روزی دیتے ہیں۔

پھر ﴿ الرَّحِيْمِ ﴾ بطور استثناء آیا ہے، رحیم: خاص ہے، آخرت میں اللہ کی مہربانی صرف مؤمنین کے لئے ہوگی، رحمت کا عموم اس جہاں کی حد تک ہے۔

پھر ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ خصوصیت کی دلیل کے طور پر آیا ہے، آخرت میں رحمت مؤمنین کے ساتھ خاص اس لئے ہوگی کہ اس دن تنہا اللہ ہی مالک ہونگے، کسی کی مجازی ملکیت بھی نہیں ہوگی، اس دنیا میں مجازی ملکیتیں ہیں، پس جب

کافر کے گھر میں گیہوں بھرا ہوا ہے، اور وہ اس کا مجازی مالک بھی ہے، پھر بھی وہ بھوکا مر جائے: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لئے اس دنیا میں اللہ سب کو رزق پہنچاتے ہیں، اور آخرت میں کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ ہی اس دن مالک ہونگے، پس وہ وفاداروں کو نوازیں گے، اور غداروں کو محروم کریں گے، اس طرح آخرت کا مسئلہ رسالت کے مسئلہ سے پہلے زیر بحث آگیا۔

نیز آخرت کے مسئلہ کی تقدیم کی اور رسالت کے مسئلہ کی تاخیر کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہدایت طلبی کا جواب سورۃ البقرۃ کے شروع میں ہے، اس لئے اس سے اتصال کے لئے بھی رسالت کے مسئلہ کو مؤخر کیا ہے۔

اس کے بعد آیت کریمہ: ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ گریز کی آیت ہے، گریز: شاعری کی اصطلاح ہے، قصیدہ میں تمہید اور مقصد کے درمیان جو شعر آتا ہے وہ گریز کا شعر کہلاتا ہے، اس کا من وجہٍ تمہید سے تعلق ہوتا ہے، اور من وجہٍ مقصد سے، پس ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ کا تعلق ماسبق سے ہے، جب معبود اللہ ہی ہیں تو بندگی بھی انہی کے لئے ہے، اور ﴿ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ گویا سوال ہے، اور آگے ہدایت کا سوال آرہا ہے، پس یہ آگے کی تمہید ہے۔

پھر ﴿ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴾ میں بندوں کو ہدایت طلبی کی دعا سکھلائی ہے، یہ بندوں کی سب سے بڑی حاجت ہے، اللہ تک اور جنت تک پہنچنے کی راہ معلوم ہوجائے تو زہے نصیب! اور چونکہ ہر شخص پڑھا لکھا نہیں ہوتا، اس لئے جو راہ قرآن بتائے گا اس کو ہر شخص نہیں جان سکتا، اس لئے مثبت و منفی پہلوؤں سے محسوس مثالوں سے صراطِ مستقیم کو مشخص کیا ہے، جن بندوں پر اللہ نے فضل فرمایا ہے: ان کا راستہ سیدھا راستہ ہے، وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، نبوت کا دور تو ختم ہوگیا باقی تین ہر زمانہ میں موجود ہوتے ہیں، اور قرآن وحدیث میں انبیاء کی سیرت موجود ہے، ان کے حالات پڑھے اور موجودین کی راہ پر گامزن ہو تو وصلِ حبیب نصیب ہوگا اور منزلِ مقصود تک پہنچے گا۔

اور منفی پہلو سے مغضوب علیہم اور ضالین کی راہ سے بچے، جو صراطِ مستقیم سے ذرا ہٹا ہے وہ گمراہ ہے، اور جو ﴿ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴾ ہے یعنی گمراہی میں دور تک نکل گیا ہے وہ مغضوب علیہ ہے، اس کے سایے سے بھی بچے، نزولِ قرآن کے وقت مسلمانوں میں ان کی مثالیں نہیں تھیں، اس لئے مغضوب علیہم کا مصداق یہود کو اور ضالین کا مصداق نصاریٰ کو بتایا، مگر اب گھر میں مثالیں موجود ہیں، جو فرقے اہل السنہ والجماعہ کے طریقہ سے تھوڑے ہٹے ہوئے ہیں وہ گمراہ ہیں، اور جو اتنا ہٹ گئے ہیں کہ دائرۂ اسلام سے بھی نکل گئے ہیں وہ مغضوب علیہم ہیں۔

یہ سورۃ الفاتحہ کا خلاصہ ہے، پھر اگلی سورت قرآنِ کریم کے تذکرہ سے شروع ہوگی، قرآن ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے، اور فاتحہ میں ہدایت کی دعا مؤمنین نے کی ہے، اس لئے ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴾ میں پرہیزگاروں کی تخصیص کی ہے، ورنہ قرآن ﴿ هُدًى لِّلنَّاسِ ﴾ ہے۔

تنبیہ: ہدایت (دینی راہ نمائی) کے لئے عقائد کا بیان بھی ضروری ہے اور احکام کا بھی، ترغیب وترہیب بھی ضروری ہے اور پند وموعظت بھی، اس طرح ہدایت طلبی کی دعا میں قرآنِ کریم کے سارے مضامین کی طرف اشارہ آ گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝۶ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷

ع ۱

بِسْمِ (۱)	نام سے	مٰلِكِ	مالک	صِرَاطَ (۶)	راہ
اللّٰهِ	اللہ کے	يَوْمِ	روز	الَّذِيْنَ	(ان کی) جو
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	الدِّيْنِ	جزاء کے	اَنْعَمْتَ	فضل فرمایا آپ نے
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	اِيَّاكَ (۵)	آپ ہی کی	عَلَيْهِمْ	ان پر
اَلْحَمْدُ (۲)	ہر تعریف	نَعْبُدُ	بندگی کرتے ہیں ہم	غَيْرِ (۷)	نہ
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	وَاِيَّاكَ	اور آپ ہی سے	الْمَغْضُوْبِ	غضبناک ہوا گیا
رَبِّ (۳)	(جو) پالنہار ہیں	نَسْتَعِيْنُ	مدد چاہتے ہیں ہم	عَلَيْهِمْ	ان پر
الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے	اِهْدِنَا	دکھلائیں ہمیں	وَلَا (۸)	اور نہ
الرَّحْمٰنِ (۴)	نہایت مہربان	الصِّرَاطَ	راہ	الضَّآلِّيْنَ	گم راہوں کی راہ
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	الْمُسْتَقِيْمَ	سیدھی	(آمِيْن)	(الٰہی! قبول فرما!)

(۱) باءحرفِ جر کا متعلَّق أقرأُ یا أتلو محذوف ہے (۲) الحمد میں الف لام استغراقی ہے اس کا ترجمہ ہے: ہر (۳) رب: اللہ کی صفت ہے (۴) الرحمن الرحیم بھی اللہ کی صفتیں ہیں (۵) إیاك: مفعول بہ مقدم حصر کے لئے ہے (۶) صراطَ: الصراطَ سے بدل ہے، یا پہلی صفت ہے (۷) غیرِ: الذین مع صلہ (مضاف مضاف الیہ) سے بدل ہے اور مابعد کی طرف مضاف ہے یا الصراط کی دوسری صفت ہے (۸) لا بمعنی غیر ہے اور مابعد کی طرف مضاف ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں پورے قرآن کا خلاصہ آ گیا ہے

۱- سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کے پالنہار ہیں — الحمد: اسم جنس ہے، قلیل وکثیر پر صادق آتا ہے، اور اس پر الف لام استغراقی ہیں، اور حمد کے معنی ہیں: کسی کی ذاتی خوبیوں کو سراہنا، یہ مدح سے خاص ہے، مدح میں کمالات کا ذاتی ہونا ضروری نہیں، دوسرے کی دین پر بھی تعریف ہوسکتی ہے، جیسے تاج محل کی خوبی: کاریگر کی مہارت کی دین ہے، اور کاریگر کا کمال: اللہ کی دین ہے، پس تاج محل یا اس کے کاریگر کی تعریف مدح ہے، اور اس کی خوبی پر اللہ کی تعریف حمد ہے۔ پس حمد حقیقۃً اللہ کے علاوہ کی نہیں ہوسکتی، کیونکہ اربابِ کمال کو ہر کمال اللہ نے دیا ہے، پس ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ میں توحید الوہیت کا اثبات ہے، کیونکہ معبود ہونا سب سے بڑا کمال ہے، جو اللہ کے لئے خاص ہے، اگر معبودیت اللہ کے لئے خاص نہیں ہوگی تو ہر تعریف اللہ ہی کے لئے کہاں ہوگی؟

اور ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ میں توحید ربوبیت کا اثبات ہے، تمام جہانوں کے پالنہار اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اور مجموعۂ مخلوقات کو عالم کہتے ہیں، اس لئے اس کی جمع نہیں لاتے، مگر آیت میں جمع اس لئے لائے ہیں کہ ہر ہر جنس ایک عالم ہے، انسانوں کا عالم، فرشتوں کا عالم اور جنات کا عالم الگ الگ ہیں، وقس علیٰ ہذا اور سب عالموں کے پالنہار اللہ تعالیٰ ہی ہیں، یہی توحیدِ ربوبیت ہے۔

اور یہ دونوں توحیدیں ساتھ ساتھ ہیں، جو معبود ہوتا ہے وہی اپنے بندوں کو پالتا ہے، اور جو روزی رساں ہے وہی معبود ہوتا ہے، دوسرا کوئی معبود نہیں ہوسکتا۔

۲- جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں — رحمان اور رحیم: دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، اور رحمان: رحیم سے عام ہے، کیونکہ اس میں حروفِ ہجا کی زیادتی ہے، اس لئے اس میں معنی بھی زائد ہیں، اللہ تعالیٰ اس عالم میں سب کو روزی پہنچاتے ہیں، وفاداروں کو بھی اور باغیوں کو بھی، پھر رحیم کے ذریعہ تخصیص کی ہے کہ رحمت کا یہ عموم اس دنیا کی حد تک ہے، آخرت میں ان کی رحمت مؤمنین کے لئے خاص ہوگی، وہی مہربانی کے مورد ہونگے، پس رحیم: رحمان سے بمنزلۂ استثناء ہے، اور اس کی دلیل اگلی آیت ہے۔

۳- وہ روزِ جزاء کے مالک ہیں — یعنی قیامت کے دن وہی تنہا ہر چیز کے مالک ہونگے، کسی اور کی مجازی ملکیت بھی نہیں ہوگی، قیامت کے دن سوال ہوگا: ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ﴾! آج کس کی حکومت ہے؟ کوئی جواب دینے والا نہیں ہوگا، خود ہی جواب دیں گے: ﴿ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾: آج ایک غالب اللہ کی حکومت ہے (سورۂ مؤمن ۱۶) اور یہ آیت قیامت کے دن رحمتِ خاصہ کی دلیل کے طور پر آئی ہے، اور اس میں آخرت کا اثبات ہے۔

۴-ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں —— پہلے جملہ میں اللہ کی تعریف ہے، اور دوسرا جملہ سوال کی تمہید ہے، پس یہ آیت نصفا نصف ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے اللہ کے علاوہ کی عبادت جائز نہیں اس کے سوا کسی سے مدد مانگنا بھی جائز نہیں، البتہ یہ بات امورِ غیر عادیہ کی حد تک ہے، امورِ غیر عادیہ: وہ کام ہیں جو اللہ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا، جیسے ہدایت (دینی راہ نمائی کرنا) اولاد دینا، شفاء بخشنا وغیرہ، اور روز مرہ کے کام جو اور بھی کرسکتے ہیں، جیسے کسی کے لئے کوئی چیز خرید لانا، یا بوجھ اٹھوا دینا: ان میں مدد طلب کرسکتے ہیں اور مدد کرنا مطلوب بھی ہے متفق علیہ حدیث ہے: من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته: جو اپنے مسلمان بھائی کا کام کرتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کا کام بناتے ہیں۔

تنبیہ: اور فوائد شیخ الہندؒ میں جو ہے کہ ''ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانتِ ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے'' —— یہ توسّل کا مسئلہ ہے، اس کو استعانت مجازاً کہا ہے، یہ بات نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں کو اعتراض کا موقع مل گیا۔

توسّل کی تین صورتیں ہیں: (۱) اپنے اعمالِ صالحہ کا توسل کرنا: یہ بالاجماع جائز ہے (۲) کسی زندہ نیک آدمی کا توسل کرنا: یہ بھی بالاتفاق جائز ہے (۳) وفات پائے ہوئے کسی نیک آدمی کا توسل کرنا: یہ مختلف فیہ ہے، غیر مقلدین اس کو ناجائز کہتے ہیں، اور اہل السنہ والجماعہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے یہی مسئلہ بیان کیا ہے، مگر مجازاً لفظ استعانت استعمال کیا اس لئے لوگوں کو اعتراض کا موقع مل گیا، وہ تو اسی تاک میں رہتے ہیں!

۵-۷-(الٰہی!) ہمیں سیدھا راستہ دکھا —— جو آپ تک اور جنت تک پہنچتا ہے —— ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے فضل فرمایا —— یہ مثبت پہلو سے صراطِ مستقیم کو محسوس مثال سے مشخص کیا ہے —— ان لوگوں کا راستہ نہیں جو آپ کے غصہ کا مورد بنے، اور نہ ان کا جو راہ سے بھٹکے —— یہ منفی پہلو سے محسوس مثال کے ذریعہ صراطِ مستقیم کو مشخص کیا (الٰہی ہماری دعا قبول فرما!) یہ آمین کا مطلب ہے، سورۃ الفاتحہ کے ختم پر آمین کہنا سنت ہے، نماز میں بھی اور خارج نماز میں بھی، لوگ خارج نماز میں غفلت برتتے ہیں۔

نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

تین اماموں کے نزدیک: نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یہ فاتحہ کے نماز سے تعلق کا مسئلہ ہے، مقتدی کے فاتحہ کا مسئلہ نہیں، وہ مسئلہ الگ ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فاتحہ واجب ہے، اگر بھول سے رہ جائے اور سورت پڑھ لے تو سجدۂ سہو کرے نماز ہو جائے گی، اور بالقصد چھوڑ دے تو وقت میں نماز کا اعادہ

واجب ہے، سجدۂ سہو سے کام نہیں چلے گا۔

جاننا چاہئے کہ اس اختلاف کا مفاد کچھ نہیں، کیونکہ سبھی مسلمان ہر رکعت میں فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر خواہ اس کو فرض کہیں یا واجب: کیا فرق پڑتا ہے؟ ہاں بھول کی صورت میں اختلاف کا اثر ظاہر ہوگا، مگر وہ نادر صورت ہے۔

نیز جاننا چاہئے کہ نماز میں فاتحہ پڑھنے کا حکم قرآن میں نہیں ہے، قرآن میں مطلق قراءت کا حکم ہے، پس وہ رکن ہے، اور فاتحہ کا حکم اعلیٰ درجہ کی خبر واحد میں ہے: لاصلاۃ إلا بفاتحة الكتاب: سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی خبر واحد سے فرضیت ثابت ہوسکتی ہے، اس لئے انھوں نے فاتحہ کو فرض قرار دیا، اور احناف کے نزدیک فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی، اس کے لئے قطعی دلیل ضروری ہے، اس لئے احناف نے اسی حدیث سے وجوب ثابت کیا ہے۔

اور مقتدی کے لئے فاتحہ کی فرضیت کے صرف شوافع قائل ہیں، دوسرے تین ائمہ مقتدی پر فاتحہ کو فرض نہیں کہتے، بلکہ احناف کے نزدیک تو مکروہ ہے، اور اس مسئلہ میں ترمذی میں صرف ایک حدیث ہے، جو صرف حسن ہے اور فرضیت کے باب میں صریح بھی نہیں، اور دیگر بہت سی صحیح حدیثوں میں مقتدی کو قراءت سے منع کیا ہے، اور فاتحہ پڑھنا بھی قراءت ہے، اس لئے مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں۔

جہری نمازوں میں جب امام سورۃ الفاتحہ ختم کرتا ہے تو امام بھی اور مقتدی بھی سراً / جہراً آمین کہتے ہیں، یہ مسئلہ دلیل ہے کہ مقتدی پر فاتحہ نہیں، جب اس نے امام کی درخواست پر دستخط کردیئے تو اب الگ سے درخواست دینے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تحصیلِ حاصل ہے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرۃ

نمبر شمار ۲ نزول کا نمبر ۸۷ نزول کی نوعیت مدنی رکوع ۴۰ آیات ۲۸۶

ربط: سورۂ فاتحہ کا آخری مضمون صراطِ مستقیم کی راہ نمائی کی درخواست تھی، یہ سورت اس کے جواب سے شروع ہو رہی ہے، درحقیقت پورا قرآن صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرتا ہے، جو شخص سیدھے راستہ پر چلنا چاہے وہ قرآنِ کریم کی پیروی کرے، ان شاء اللہ منزلِ مقصود تک پہنچے گا۔

جاننا چاہئے کہ ہدایت (راہ نمائی) پورے قرآن ہی کا وصف نہیں، اس کے اجزاء کا بھی وصف ہے، یعنی قرآن کا بعض حصہ بھی ہدایت ہے، کہیں سے کوئی مکمل مضمون پڑھا جائے تو وہ بھی ہدایت ہے، اس لئے نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد پورے قرآن میں سے بڑی ایک آیت یا چھوٹی تین آیتیں پڑھنا یعنی سورت ملانا واجب ہے، تاکہ سورۂ فاتحہ کی درخواست کا جواب ہو جائے، چھوٹی تین آیتوں میں مضمون مکمل ہو جاتا ہے۔

زمانۂ نزول: سورۂ بقرۃ قرآنِ کریم کی سب سے بڑی سورت ہے، اور مدینہ منورہ میں ہجرت کے فوراً بعد اس کا نزول ہوا ہے، اس کا نزول کا نمبر ۸۷ ہے، مکی سورتیں ۸۵ ہیں، یہ پوری سورت ایک ساتھ نازل نہیں ہوئی مختلف آیتیں مختلف زمانوں میں نازل ہوئی ہیں، یہاں تک کہ حرمتِ سود کی آیات فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی ہیں، اور آیتِ کریمہ ﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا ﴾ تو قرآن کی بالکل آخری آیت ہے، اس کے تین ماہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ہے، اور ہمیشہ کے لئے وحی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔

سورت کے فضائل:

۱- ترمذی شریف میں حدیث (نمبر ۲۸۸۵) ہے: "جس گھر میں سورۃ البقرۃ پڑھی جاتی ہے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا"

۲- ترمذی شریف میں حدیث (۲۸۸۶) ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر چیز کے لئے کوہان ہے یعنی اس کا ایک اعلی اور افضل حصہ ہے، اور قرآن کی کوہان سورۃ البقرۃ ہے، اور اس میں ایک آیت ہے (آیت الکرسی) جو قرآن کی آیتوں کی سردار ہے"

۳- مسلم شریف کی حدیث ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ’’زہراوین (دو خوبصورت سورتوں) کو پڑھو یعنی بقرۃ اور آلِ عمران کو، وہ دونوں قیامت کے دن آئیں گی گویا وہ دونوں دو بادل ہیں یا پرندوں کی دو ڈاریں ہیں، وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑیں گی‘‘ (مشکات ح ۲۱۲۰) (تحفۃ الالمعی ۷: ۴۳۳ میں ہے)

سورت کے مضامین: یہ سورت گوناگوں مضامین پر مشتمل ہے، تمام مضامین کی تفصیل سورت پڑھے بغیر بے فائدہ ہوگی، البتہ خلاصہ سمجھا جاسکتا ہے اور وہ خلاصہ فہرستِ مضامین سے معلوم ہوجائے گا۔
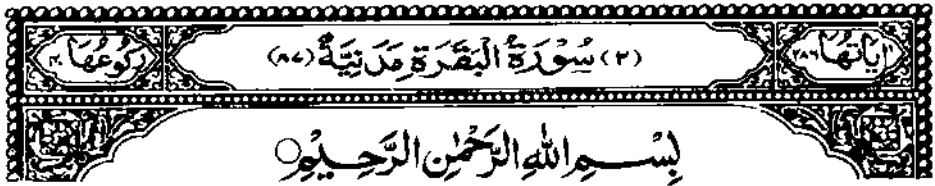
الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلٰي هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۤ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

الٓمّٓ	الف، لام، میم	فِيْهِ	اس میں	يُؤْمِنُوْنَ	ایمان لائے ہیں
ذٰلِكَ (۱)	یہ (عظیم)	هُدًى (۲)	راہ نما ہے	بِالْغَيْبِ (۴)	ان دیکھی چیزوں پر
الْكِتٰبُ	کتاب	لِلْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کے لئے	وَيُقِيْمُوْنَ	اور قائم کرتے ہیں وہ
لَا رَيْبَ	کچھ شک نہیں	الَّذِيْنَ (۳)	جو	الصَّلٰوةَ	نماز کو

(۱) ذلك: بمعنی ھذا ہے، تعظیم کے لئے اسم اشارہ بعید استعمال کرتے ہیں، جیسے مفرد کے لئے بطور تعظیم جمع کی ضمیر استعمال کرتے ہیں: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا﴾ ترکیب: ذلك الكتاب: مبتدا، لاریب فیه: پہلی خبر، هُدًى للمتقين: دوسری خبر...... لاریب فیه: لائے نفی جنس کا، ریب: اسم، فیه: خبر، جیسے لا رجلَ فی الدار (۲) هُدًى: مصدر، اصل میں هُدَیٌ تھا، یاء پر ضمہ تھا پھر تنوین یعنی نونِ ساکن تھا، اس طرح: هُدَيُنْ پھر یاء پر ضمہ ثقیل تھا، حذف کیا تو دو ساکن (ی اور تنوین) اکٹھا ہوئے۔ یاء گر گئی اور نون ساکن کو دال کے زبر کے ساتھ جوڑ دیا، پس هُدَنْ ہوگیا، مگر رسم الخط میں ی بھی لکھتے ہیں، مگر پڑھتے نہیں، یا یہ کہیں کہ یاء متحرک ماقبل مفتوح، یاء کو الف سے بدلا تو دو ساکن اکٹھا ہوئے پس الف گر گیا، اور تنوین کو دال کے زبر کے ساتھ جوڑ دیا۔ (۳) الذین: صلہ کے ساتھ: المتقین کی صفت ہے (۴) غیب: پسِ پردہ جو حقیقتیں ہیں۔

وَمِمَّا (۱)	اور کچھ اس میں سے جو	اُنْزِلَ	اتاری گئی ہے	يُوْقِنُوْنَ	یقین رکھتے ہیں
رَزَقْنٰهُمْ	بطور روزی ہم نے ان	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
	کو دیا ہے	وَمَآ	اور ان (کتابوں) پر جو	عَلٰى هُدًى	ہدایت پر ہیں
يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں	اُنْزِلَ	اتاری گئی ہیں	مِّنْ رَّبِّهِمْ	ان کے پروردگار کی جانب سے
وَالَّذِيْنَ (۲)	اور جو	مِنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	وَاُولٰٓئِكَ	اور یہی لوگ
يُؤْمِنُوْنَ	ایمان رکھتے ہیں	وَبِالْاٰخِرَةِ	اور آخرت پر (بھی)	هُمُ	وہ
بِمَآ	اس (کتاب) پر جو	هُمْ	وہ	الْمُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہیں

اللہ کے نامِ پاک سے شروع کرتا ہوں، جو بے حد مہربان نہایت رحم والے ہیں

ہدایت (دینی راہ نمائی) قرآنِ کریم میں ہے

سورۂ فاتحہ میں اللہ کے نیک بندوں نے دعا کی تھی: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ (الٰہی!) ہمیں سیدھا راستہ دکھا، اس کے جواب سے یہ سورت شروع ہو رہی ہے کہ ہدایت قرآنِ کریم میں ہے، یہ کتاب اسی غرض سے اتاری گئی ہے، یہ کتاب منزل من اللہ ہے، اس میں ذرا شک نہیں، کسی جگہ کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا کہ یہ بات خلافِ واقعہ ہے، یہ کتاب نیک بندوں (متقیوں) کی راہ نمائی کرتی ہے کہ ان کو کس راہ پر چلنا چاہئے کہ وہ کامیابی سے ہم کنار ہوں۔

سوال (۱): قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شک کرنے والے تو ہمیشہ رہے ہیں، پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ اس میں ذرا شک نہیں؟

جواب: شک کی دو صورتیں ہیں: ایک: کلام میں خلل ہو، دوم: دماغ میں فتور ہو، یہاں اول کی نفی ہے، اور ثانی کا علاج آیات (۲۳و۲۴) میں آرہا ہے۔

سوال (۲): قرآنِ کریم تو سب لوگوں کے لئے راہ نما کتاب ہے، آگے (آیت ۱۸۵) میں ہے: ﴿ هُدًى لِّلنَّاسِ ﴾ پھر متقین کی تخصیص کیوں کی؟

---

(۱) مِمّا: میں مِن: تبعیضیہ ہے، اور مما: ينفقون سے متعلق ہے (۲) الذین یہ المتقین کی دوسری صفت ہے اور واو مطلق جمع کے لئے ہے، اور واو عاطفہ بھی ہو سکتا ہے، اور دوسرے الذین کا پہلے الذین پر عطف ہو تو من وجہ مغائرت ہوگی، پس پہلے الذین سے مراد مشرکین ہونگے جنھوں نے ایمان قبول کیا اور دوسرے الذین سے اہل کتاب مراد ہونگے، جنھوں نے ایمان قبول کیا، یہ تفسیر حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (روح)

جواب: اگر متقین کے معنی ہیں: اللہ سے ڈرنے والے تو متقین عام ہے، جو بھی اللہ سے ڈرتا ہے قرآن اس کو راستہ دکھاتا ہے، چاہے وہ ایمان لایا ہو یا نہ لایا ہو، اسی کو طاعت کا فکر اور معصیت کا ڈر ہوگا۔ اور وہی قرآن کی باتوں پر کان دھرے گا اور ایمان لائے گا، ہاں نڈر لوگ نکل جائیں گے، نکل جانے دو ان کو! ان سے کسی چیز کی امید ہی نہیں!

اور اگر متقین سے نیک مؤمنین مراد ہیں تو پھر اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کی کتابوں کی راہ نمائی سے کوئی مستغنی نہیں، انبیاء اور اولیاء بھی اللہ کی راہ نمائی کے محتاج ہیں، کیونکہ دنیا بھول بھلیاں ہے، بڑے شہر کے رہنے والے کو بھی شہر میں گھومنے کے لئے گائڈ بک کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح متقی بھی قرآن کی راہ نمائی کے محتاج ہیں۔

اور الٓمّٓ کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں، یہ بھید ہیں، بوجہ مصلحت ان کے معانی کھولے نہیں گئے، اور بعض اکابر نے جو ان کے معانی بیان کئے ہیں وہ تاویل ہیں، اور متشابہات کی تاویل جائز ہے، مگر اس کو مراد خداوندی نہیں کہیں گے۔

﴿ الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: الف، لام، میم! اس کتاب میں کوئی شک نہیں، اللہ سے ڈرنے والوں کو راہ بتلانے والی ہے!

پرہیزگاروں کے پانچ اوصاف

اللہ سے ڈرنے والوں میں پانچ باتیں ہوتی ہیں:

۱—وہ پسِ پردہ جو حقائق ہیں ان کا مشاہدہ کئے بغیر محض مخبر صادق کی اطلاع سے مانتے ہیں۔

۲—وہ نماز قائم کرتے ہیں یعنی ہمیشہ رعایتِ حقوق کے ساتھ وقت پر نماز ادا کرتے ہیں۔

۳—وہ اللہ کے بخشے ہوئے مال میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں یعنی زکات نکالتے ہیں اور دوسری خیراتیں کرتے ہیں۔

۴—وہ اللہ کی تمام کتابوں کو بشمولِ قرآنِ کریم مانتے ہیں کہ سب اللہ کی کتابیں برحق ہیں، کیونکہ وہ سب ایک چشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، البتہ وہ عمل قرآن پر کرتے ہیں، کیونکہ سابقہ کتابیں منسوخ ہوچکی ہیں۔

۵—وہ آخرت کو بھی مانتے ہیں کہ اس دنیا کے بعد دوسری دنیا آئے گی، جس میں جزا وسزا ہوگی۔

جن لوگوں میں یہ پانچ باتیں پائی جاتی ہیں وہ ہدایت یافتہ اور کامیاب ہیں، اور جو نعمتِ ایمان اور اعمالِ حسنہ سے محروم ہیں ان کی دنیا وآخرت دونوں برباد ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

غیب کیا ہے؟ غیب: باب ضرب کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: پوشیدہ ہونا، غائب ہونا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: بے دیکھی ہوئی چیزیں، اور مراد وہ امور ہیں جو حواسِ خمسہ ظاہرہ وباطنہ کی دسترس سے باہر ہیں، جن کا علم انبیاء علیہم السلام کے بتلانے سے ہوتا ہے، ان میں اصل اور سب سے اہم اللہ کی ذات وصفات ہیں، پھر باقی امور ہیں، جیسے جنت

ودوزخ اور ان کے احوال، قیامت اور آخرت میں پیش آنے والے واقعات، فرشتے، آسمانی کتابیں اور سابقہ انبیاء علیہم السلام سب امور غیب ہیں۔

آیاتِ کریمہ: (متقی وہ لوگ ہیں:) جو بن دیکھی چیزوں کو مانتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو بطور رزق دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں، اور جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپؐ کی طرف اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر جو آپؐ سے پہلے اتاری گئی ہیں، اور آخرت کا بھی ان کو یقین ہے، پس یہی لوگ ان کے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت پر ہیں، اور یہی لوگ کامیاب ہیں!

﴿ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ﴾ کی قید کا فائدہ

یہ قید قضیةٌ قیاساتُها معها کے قبیل سے ہے، یعنی ایک بات جس کی دلیل اس کے ساتھ ہے، یعنی انفاق کا حکم اس لئے ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ نے اس کو بطور روزی دیا ہے، حقیقی مالک نہیں بنایا، پس جو اس کی روزی سے بچ رہے اس کو غریبوں پر خرچ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ غریبوں کا رزق مالداروں کے واسطے سے بھی دیتے ہیں، اور سورۃ الحدید (آیت ۷) میں ہے: ﴿ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ﴾: اور جس مال میں اللہ تعالیٰ نے تم کو قائم مقام بنایا ہے کچھ اس میں سے خرچ کرو، یعنی انسان اپنے مال میں منیجر ہے مالک نہیں، پس مالک جو حکم دے اس کی تعمیل کرنی چاہئے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ الآیۃ کی دوسری تفسیر

جمہور مفسرین کے نزدیک دوسرا الذین بھی المتقین کی صفت ہے، پہلے الذین پر معطوف نہیں، اور ایک موصوف کے اوصاف کے درمیان واؤ آتا ہے، اور وہ مطلق جمع کے لئے ہوتا ہے، پس پانچوں اوصاف متقین (مؤمنین صالحین) کے ہونگے، یہی تفسیر اوپر کی ہے۔

اور اس آیت کی ایک دوسری تفسیر حضرات ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کی ہے کہ دونوں الذین کے مصداق الگ الگ ہیں، پہلے الذین میں ان مشرکین کا حال بیان کیا ہے جنھوں نے ایمان قبول کیا، یعنی اہل مکہ، اور دوسرے الذین میں اہل کتاب (یہود ونصاری) کا حال بیان کیا ہے جو مشرف باسلام ہوئے، اس صورت میں دوسرے الذین کا پہلے الذین پر عطف ہوگا، پھر معطوف معطوف علیہ مل کر المتقین کی صفت ہونگے، اور واو کے ذریعہ عطف کی صورت میں من وجہٍ مغائرت ہوتی ہے۔

آیت ختم نبوت کی صریح دلیل ہے

اس آیت میں گذشتہ کتابوں اور نبیوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے، آئندہ کا ذکر نہیں، پس یہ دلیل ہے کہ اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، نہ کوئی نئی کتاب نازل ہوگی، اگر نبوت جاری ہوتی تو آئندہ آنے والے نبی پر اور اس کی کتاب پر ایمان لانے کا تذکرہ ہوتا، جبکہ قرآن میں کسی جگہ اس کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی نہیں، پس قادیانی وغیرہ جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ متنبّی (جھوٹے نبی) ہیں، اور وہ جو بالآخرۃ کی تاویل بالنبوۃ الآخرۃ سے کرتے ہیں وہ محض سخن سازی ہے!

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ع

إِنَّ	بے شک	أَمْ لَمْ	یا نہ	وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ	اور ان کے کانوں پر
الَّذِينَ (۱)	جن لوگوں نے	تُنْذِرْهُمْ	ڈرائیں	وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ	اور ان کی آنکھوں پر
كَفَرُوا	(اسلام کا) انکار کیا	لَا يُؤْمِنُونَ	وہ ایمان نہیں لائیں گے	غِشَاوَةٌ	پردہ ہے
سَوَاءٌ (۲)	یکساں ہے	خَتَمَ	مہر کردی ہے	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے
عَلَيْهِمْ	ان پر	اللَّهُ	اللہ نے	عَذَابٌ	سزا ہے
أَأَنْذَرْتَهُمْ	خواہ آپ اُن کو ڈرائیں	عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ	ان کے دلوں پر	عَظِيمٌ	بھاری

ربط: قرآنِ کریم کا یہ اسلوب ہے کہ ایک فریق کے بعد دوسرے فریق کا ذکر کرتا ہے، متقیوں کا حال بیان کیا کہ وہ کامیاب ہیں، اب منکرین کا تذکرہ کرتے ہیں، منکرین کی دو قسمیں ہیں: مُجاہر اور منافق، یعنی کھلے کافر اور دل میں کفر چھپائے ہوئے اور زبان سے کلمہ پڑھنے والے، یہ کافر آستین کے سانپ ہیں، ان کو پہچاننا ضروری ہے، اس لئے اب دو آیتوں میں کھلے کافروں کا اور تیرہ آیتوں میں اعتقادی منافقوں کا ذکر ہے۔

جب منکر انکار کی آخری حد کو چھولیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایمانی صلاحیت ختم کردیتے ہیں

یہ بات معلوم ہے کہ انسان مکلّف ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو غیر معمولی اختیار دیا ہے، جب وہ کسی اچھے یا برے کام کا

(۱) الذين كفروا: إن کا اسم ہے، اور خبر لايؤمنون ہے، اور جملہ سواء معترضہ ہے (۲) سواءٌ: مبتدا اور ء أنذرتهم أم لم تنذرهم: بتاویل مفرد ہو کر خبر ہے أى الإنذار وعدمه۔

کسب کرتا ہے، یعنی ابتدائی مقدمات اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کرتے ہیں، خالق ہر چیز کے اللہ تعالیٰ ہیں، ان کے سوا کوئی خالق نہیں، پس جو لوگ اسلام کا انکار کرتے کرتے آخری حد تک پہنچ جاتے ہیں ان کی ایمانی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے، اب ان کو سمجھانا نہ سمجھانا برابر ہے، وہ ایمان لانے والے نہیں، وہ دولتِ ایمان سے ہمیشہ کے لئے محروم کردیئے گئے، جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ۔ اب وہ حق بات کو نہیں سمجھیں گے، ان کے دلوں پر ڈاٹ لگ گئی، وہ سچی دعوت کو متوجہ ہوکر نہیں سنیں گے، ان کے کان بوجھل ہوگئے اور وہ راہِ حق کو نہیں دیکھیں گے، ان کی آنکھوں پر پردہ پڑگیا، اب وہ کافر ہی مریں گے، اور اپنے کفر کی سزا آخرت میں بھگتیں گے!

فائدہ: یہ بات ہر کافر کے تعلق سے نہیں، منکرین تو ایمان لاتے ہی رہتے ہیں، ان کو سمجھانا مفید بھی ہوتا ہے، یہ بات ان کفار کے تعلق سے ہے جو انکار کی آخری حد کو چھو لیتے ہیں، جہاں سے وہ واپس نہیں لوٹ سکتے، اس کو مہر کرنے اور پردہ پڑنے سے تعبیر کیا ہے۔ انبیاء کو جب اس کی اطلاع کردی جاتی ہے تو وہ کفار کی ہلاکت کی دعا کرتے ہیں، سورۃ ہود کی (آیت ۳۶) ہے: ﴿وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝﴾: اور نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ آپ کی قوم میں سے ان لوگوں کے سوا جو ایمان لاچکے اور کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا، پس وہ (آپ کے ساتھ) جو کچھ کرتے ہیں ان کا غم نہ کھایئے، یہ اطلاع ملی تب آپ نے قوم کی کلی ہلاکت کی دعا کی، ایسی اطلاع کے بغیر نبی دعا کرتا ہے تو اس کو وحی سے روک دیا جاتا ہے، سورۃ آلِ عمران کی (آیت ۱۲۸) ہے: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝﴾: آپؐ کا کچھ اختیار نہیں یا اللہ ان پر توجہ فرمائیں یا سزا دیں، اس لئے کہ وہ ظالم ہیں، نبی ﷺ نے غزوۂ احد میں کفار کے لئے بددعا کی تھی، پس آپؐ کو روک دیا گیا، کیونکہ وہ کفار اس اسٹیج پر نہیں پہنچے تھے، ان کے ایمان کی امید تھی، چنانچہ وہ بعد میں ایمان لائے اور دوست بن گئے۔

آیات کا ترجمہ: جن لوگوں نے انکار کیا —— یکساں ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں —— یعنی سمجھائیں یا نہ سمجھائیں —— وہ ایمان نہیں لائیں گے، اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کردی، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، اور ان کے لئے بڑی بھاری سزا ہے۔

فائدہ: دل میں آنے والا خیال ہر سمت سے آتا ہے، اسی طرح کان میں آواز بھی ہر سمت سے آتی ہے، پس ان کی بندش جبھی ہوسکتی ہے کہ ان پر مہر کردی جائے، ڈاٹ لگادی جائے، اور آنکھ صرف سامنے کی چیز کا ادراک کرتی ہے اس لئے جب اس پر پردہ پڑجائے تو ادراک ختم ہوجائے گا، مہر لگانے کی ضرورت نہیں (مظہری)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۞ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۞ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۞

وَمِنَ النَّاسِ	اور بعض لوگ	اللّٰهَ	اللہ کو	فَزَادَهُمُ	پس بڑھایا ان کا
مَنْ يَّقُوْلُ	جو کہتے ہیں	وَ الَّذِيْنَ	اور ان کو جو	اللّٰهُ	اللہ نے
اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	مَرَضًا(۱)	روگ
بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَمَا يَخْدَعُوْنَ	اور نہیں دھوکہ دیتے وہ	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے
وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن پر	اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ	مگر اپنی ذاتوں کو	عَذَابٌ	سزا ہے
وَمَا هُمْ	اور نہیں ہیں وہ	وَمَا يَشْعُرُوْنَ	اور نہیں شعور رکھتے وہ	اَلِيْمٌ	دردناک
بِمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے	فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں	بِمَا كَانُوْا	اس وجہ سے کہ تھے وہ
يُخٰدِعُوْنَ	دھوکہ دیتے ہیں وہ	مَّرَضٌ	روگ ہے	يَكْذِبُوْنَ	جھوٹ بولتے

منافقین کا تذکرہ

کھلے کافروں کے بعد اب اعتقادی منافقوں کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، **منافق**: باب مفاعلہ سے اسم فاعل واحد مذکر ہے، نفاق اور منافقت اصطلاح میں دورخی کا نام ہے، بظاہر آدمی زبان سے مؤمن ہونے کا اقرار کرے، دکھانے کے لئے نماز بھی پڑھے، لیکن دل میں کافر ہو، اسلام کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو، اسی کو منافق کہا جاتا ہے، اور اگر عقیدہ مؤمنانہ ہو اور عمل کافرانہ تو وہ بھی دورخی کی ایک شکل ہے، مگر اس کو منافق نہیں کہا جاتا، بلکہ فاسق اور عاصی کہا جاتا ہے۔

(شرح عقائد نسفی)

مکی دور میں منافقوں کا وجود نہیں تھا، اس لئے مکی سورتوں میں ان کا تذکرہ نہیں، اور مدنی زندگی میں ان کی ایک پوری جماعت بن گئی تھی، انھوں نے بظاہر اسلام قبول کیا تھا، مسلمانوں کے ساتھ شریک کار تھے، مگر حقیقت میں کافر تھے، زبان سے کلمہ پڑھتے تھے، عمل سے دکھاوا بھی کرتے تھے، مگر ان کا دل کافروں کے ساتھ تھا، ایسے لوگ اعتقادی منافق کہلاتے ہیں، مگر ان کا پتہ نہیں چل سکتا، کیونکہ دلوں کا حال اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، پس حالات وعلامات سے کسی پر منافق ہونے کا حکم

(۱) مرضًا: زاد کا مفعول ثانی ہے، زاد: متعدی بدو مفعول ہے۔

نہیں لگانا چاہئے، دورِ نبوی میں تو وحی سے ان کا پتہ چلتا تھا، اب ان کو جاننے کی کوئی صورت نہیں، البتہ جن کے حالات ومعاملات مشکوک ہوں ان سے ملت کو محتاط رہنا چاہئے۔

منافقین کے معاملات

۱-منافق بے ایمان ہیں: —— اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں: ''ہم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے!'' —— حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے! —— یعنی دل سے ایمان نہیں لائے جو حقیقت میں ایمان ہے، صرف زبان سے فریب دینے کے لئے اظہارِ ایمان کرتے ہیں (فوائد)

۲-منافق فریب کرتے ہیں: —— وہ (اپنے خیال میں) اللہ کے ساتھ اور مؤمنین کے ساتھ فریب کرتے ہیں —— اللہ کا ذکر تو مؤمنین کی تسکین کے لئے ہے، کیونکہ اللہ کے ساتھ کوئی فریب نہیں کرسکتا، وہ عالم الغیب ہیں، جیسے مصارفِ غنیمت وفیٔ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر باقی مصارف کی تسکین کے لئے ہے، حقیقت میں منافقین مؤمنین کے ساتھ فریب کرتے ہیں —— اور وہ اپنے آپ ہی کے ساتھ فریب کررہے ہیں، لیکن وہ سمجھتے نہیں: —— یعنی ان کا فریب انہیں پر الٹ پڑے گا، ان کی دھوکہ بازی کا ضرر انہیں کو پہنچے گا، اللہ تعالیٰ مؤمنین کو ان کی حرکتوں سے واقف کردیں گے، اور وہ ضرر سے بچ جائیں گے، مگر منافق یہ بات سمجھتے نہیں!

ملحوظہ: بابِ مفاعلہ میں ہمیشہ اشتراک نہیں ہوتا، جیسے: عاقبتُ اللِّصَّ: میں نے چور کو سزادی، اس میں مشارکت نہیں، پس مؤمنین کی طرف سے کوئی دھوکہ نہیں، منافقین ہی فریب کرتے ہیں۔

۳-نفاق دل کا بڑا روگ ہے: —— ان کے دلوں میں بڑا روگ ہے —— نفاق: کفر سے بدتر بدعقیدگی ہے —— پس اللہ نے ان کا روگ اور بڑھایا —— اسلام کی ترقی دیکھ کر ان کے دل کباب ہورہے ہیں —— اور (آخرت میں) ان کے لئے دردناک سزا ہے، اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے —— ہر دن ایمان کا جھوٹا دعوی کرتے تھے، اس کی سزا ملے گی۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ⑪ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ⑫ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ⑬ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ

مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

وَاِذَا قِيْلَ	اور جب کہا جاتا ہے	قَالُوْٓا	(تو) جواب دیتے ہیں	اِنَّا مَعَكُمْ	بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں
لَهُمْ	ان سے	اَنُؤْمِنُ	کیا ایمان لائیں ہم	اِنَّمَا نَحْنُ	اس کے سوا نہیں کہ ہم
لَا تُفْسِدُوْا	نہ بگاڑ پھیلاؤ	كَمَآ اٰمَنَ	جس طرح ایمان لائے	مُسْتَهْزِءُوْنَ	ٹھٹھا کرنے والے ہیں
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	السُّفَهَاۗءُ	بے وقوف لوگ	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
قَالُوْٓا	(تو) جواب دیتے ہیں وہ	اَلَآ اِنَّهُمْ	سنو! بے شک وہ	يَسْتَهْزِئُ	ہنسی اڑاتے ہیں
اِنَّمَا نَحْنُ	اس کے سوا نہیں کہ ہم	هُمُ	ہی	بِهِمْ	ان کی
مُصْلِحُوْنَ	اصلاح کرنے والے ہیں	السُّفَهَاۗءُ	بے وقوف ہیں	وَيَمُدُّهُمْ	اور ڈھیل دیتے ہیں
اَلَآ اِنَّهُمْ	سنو! بے شک وہ	وَلٰكِنْ	مگر	فِيْ طُغْيَانِهِمْ	ان کی سرکشی میں
هُمُ	ہی	لَّا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں	يَعْمَهُوْنَ (۱)	وہ حیران ہیں
الْمُفْسِدُوْنَ	خرابی پھیلانے والے ہیں	وَاِذَا لَقُوا	اور جب ملاقات کرتے ہیں	اُولٰۗىِٕكَ	یہی لوگ ہیں
وَلٰكِنْ	مگر	الَّذِيْنَ	ان سے جو	الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا	جنھوں نے خریدی
لَّا يَشْعُرُوْنَ	سمجھتے نہیں	اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہیں	الضَّلٰلَةَ	گمراہی
وَاِذَا قِيْلَ	اور جب کہا جاتا ہے	قَالُوْٓا	کہتے ہیں	بِالْهُدٰى	ہدایت کے بدل
لَهُمْ	ان سے	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	فَمَا رَبِحَتْ	پس نہیں سودمند ہوئی
اٰمِنُوْا	ایمان لاؤ	وَاِذَا خَلَوْا	اور جب تنہا ہوتے ہیں	تِّجَارَتُهُمْ	ان کی تجارت (بزنس)
كَمَآ اٰمَنَ	جس طرح ایمان لائے	اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ	اپنے شریروں کے پاس	وَمَا كَانُوْا	اور نہیں تھے وہ
النَّاسُ	دوسرے لوگ	قَالُوْٓا	کہتے ہیں	مُهْتَدِيْنَ	راہ پانے والے

منافقوں کے ظاہری احوال

۱- دورُخے آدمی کی حرکتوں سے ہمیشہ فساد پھیلتا ہے، منافقین اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے تھے، اور احکام کی تعمیل

(۱) عَمِهَ (ف) عَمَهًا: راستہ بھٹک کر پریشان ہونا کہ کہاں جائے، جملہ حالیہ ہے۔

میں سست تھے، مسلمانوں اور کافروں: دونوں کے پاس آتے جاتے تھے اور اپنی قدر ومنزلت بڑھانے کے لئے ایک کی باتیں دوسرے کو پہنچاتے تھے، اور ہر ایک کے سامنے ایسی باتیں کرتے تھے کہ وہ دوسرے سے بدظن ہو جائے، اور کفار کے ساتھ مداہنت ومدارات سے پیش آتے تھے، اور ان کے اعتراضات وشبہات کمزور مسلمانوں کے سامنے نقل کرتے تھے تاکہ وہ تذبذب کا شکار ہوں، اور جب ان سے کہا جاتا تھا کہ ایسی حرکتیں مت کرو، اس سے بگاڑ پھیلتا ہے تو وہ جواب دیتے: ہم اصلاح کی کوشش کرتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ آپسی تناؤ ختم ہو، اور سب شیر وشکر ہو کر رہیں، حالانکہ ایسا ممکن نہیں تھا، حق اور باطل ایک ساتھ کیسے ہو جائیں گے؟ مگر وہ اس بات کو سمجھتے نہیں، اصلاح کی صورت یہی ہے کہ دینِ حق کا غلبہ ہو، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ دین کے معاملہ میں کسی کی موافقت ومخالفت کی پرواہ نہ کی جائے، سب مسلمان متحد ہو کر رہیں، اور ملت کا کوئی راز فاش نہ کریں۔

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝۱۱ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲ ﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے: زمین میں بگاڑ مت پھیلاؤ! تو وہ جواب دیتے ہیں: ہم اصلاح کرنے والے ہی ہیں، سنو! وہی مفسد ہیں، مگر وہ سمجھتے نہیں!

۲— سچے مسلمان اسلام پر دل وجان سے فدا تھے، لوگوں کی مخالفت کی اور اس کے نتائج کی ان کو پرواہ نہیں تھی، اور منافق دونوں طرف بنائے رکھتے تھے، تاکہ دونوں کے ضرر سے بچیں، پس جب ان سے کہا جاتا کہ مخلص مسلمانوں کی طرح ایمان لاؤ، یعنی ایک طرف کے ہو کر رہو تو وہ جواب دیتے: یہ لوگ بے وقوف ہیں، عواقب سے ناواقف ہیں، مخالفت کی آندھی تیز ہے، اور اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا اس کا پتہ نہیں، پس احتیاط ضروری ہے، ایسا طریقہ اپنانا چاہئے کہ رام بھی راضی اور رحیم بھی!

اس کا جواب دیتے ہیں کہ بے وقوف تو منافق ہیں، وہ نقد نفع دیکھ رہے ہیں، موجودہ حالات ان کے سامنے ہیں، کل کیا ہونے والا ہے اس کی ان کو خبر نہیں، کل جب اسلام کا بول بالا ہوگا تو منافقین کی بری گت بنے گی، وہ مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو کر رہ جائیں گے۔

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ ﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اور لوگوں کی طرح ایمان لاؤ! تو وہ جواب دیتے ہیں: کیا ہم احمقوں کی

طرح ایمان لائیں! ــــ سنو! وہی احمق ہیں، مگر جانتے نہیں!

۳- منافقین دوغلہ پالیسی بنائے ہوئے ہیں، مسلمانوں سے ملتے ہیں تو اسلام کا اظہار کرتے ہیں، اور جب اپنے گروگھنٹالوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تمہارے ساتھ ہیں، اور ہم نے مسلمانوں کے سامنے جو اسلام کا اظہار کیا ہے وہ ہم نے ان کا الو بنایا ہے، تم اس کا کچھ خیال نہ کرو! ــــ جواب: اللہ تعالیٰ ان کی ہنسی اڑاتے ہیں، یعنی ان کی حرکت کی ان کو سزا دیں گے، اور وہ گمراہی میں منافقین کی رسّی ڈھیلی کرتے رہیں گے، جس میں وہ ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے اور موت ان کو آدبوچے گی، پھر دیکھنا ان کی کیسی گت بنتی ہے!

﴿ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب منافقین ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لائے ہیں! اور جب تنہائی میں اپنے شریر سرداروں کے پاس پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم بالیقین تمہارے ساتھ ہیں! ہم تو مسلمانوں کا بس الّو بناتے ہیں ــــ اللہ تعالیٰ ان کی ہنسی اڑاتے ہیں، اور ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتے جارہے ہیں، دراں حالے کہ وہ تذبذب کا شکار ہیں۔

۴- منافقین نے بظاہر اسلام قبول کیا، اور بباطن کافر رہے، پس وہ کافر ہی رہے، کیونکہ اعتبار دل کا ہے، زبان کا اعتبار نہیں، یہی انھوں نے ہدایت کے بدل گمراہی خریدی، یہ گھاٹے کا سودا ہے، ان کو نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم! ﴿ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴾: دنیا میں خوار ہوئے اور آخرت میں خراب! سچے دل سے مسلمان ہوتے تو دارین میں سرخ رُو ہوتے، موجودہ حالت میں وہ راہ یاب نہیں، پس سعادتِ دارین سے محروم رہے!

﴿ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدل گمراہی خریدی، پس ان کی تجارت سودمند نہیں ہوئی، نہ انھیں ہدایت کا راستہ نصیب ہوا!

مَثَلُھُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْـتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَھَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِھِمْ وَتَرَكَھُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ۝ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَھُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَھُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ

حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝

مَثَلُهُمْ	ان کا حال	بُكْمٌ	گونگے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
كَمَثَلِ (۱)	جیسا حال	عُمْیٌ	اندھے ہیں	مُحِیْطٌ	گھیرنے والے ہیں
الَّذِی	اس کا جس نے	فَهُمْ	پس وہ	بِالْکٰفِرِیْنَ	کافروں کو
اسْتَوْقَدَ	جلائی	لَا یَرْجِعُوْنَ	نہیں لوٹیں گے	یَکَادُ (۴)	قریب ہے
نَارًا	کوئی آگ	اَوْ کَصَیِّبٍ	یا جیسے زور کی بارش	الْبَرْقُ	بجلی
فَلَمَّآ	پس جب	مِّنَ السَّمَآءِ	بادل سے (برسے)	یَخْطَفُ	اچک لے
اَضَآءَتْ	روشن کردیا آگ نے	فِیْهِ (۲)	اس میں	اَبْصَارَهُمْ	ان کی آنکھوں کو
مَا حَوْلَهٗ	اس کے آس پاس کو	ظُلُمٰتٌ	اندھیریاں	کُلَّمَآ	جب جب
ذَهَبَ	لے گئے	وَّرَعْدٌ	اور گرج	اَضَآءَ (۵)	روشنی ہوتی ہے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَّبَرْقٌ	اور بجلی ہے	لَهُمْ	ان کے لئے
بِنُوْرِهِمْ	ان کی روشنی	یَجْعَلُوْنَ	گردانتے ہیں وہ	مَّشَوْا	چلتے ہیں وہ
وَتَرَکَهُمْ	اور چھوڑ دیا ان کو	اَصَابِعَهُمْ	اپنی انگلیاں	فِیْهِ	اس میں
فِیْ ظُلُمٰتٍ	اندھیریوں میں	فِیْٓ اٰذَانِهِمْ	اپنے کانوں میں	وَاِذَآ	اور جب
لَّا یُبْصِرُوْنَ	نہیں دیکھتے وہ	مِّنَ الصَّوَاعِقِ (۳)	کڑاکوں کی وجہ سے	اَظْلَمَ (۶)	اندھیرا چھا جاتا ہے
صُمٌّ	بہرے	حَذَرَ الْمَوْتِ	موت کے ڈر سے	عَلَیْهِمْ	ان پر

(۱) مثل: مابعد کی طرف مضاف ہے (۲) فیه: کی ضمیر السماء کی طرف عائد ہے اور السماء سے مراد السحاب ہے، اس لئے مذکر کی ضمیر لوٹائی ہے (۳) من الصواعق: میں مِن اجلیہ ہے، اور حذر الموت: یجعلون کا مفعول لہ ہے (۴) یکاد: یخطف پر داخل ہے، اور وہ محل اثبات میں فعل کی نفی کرتا ہے یعنی آنکھیں اچکی نہیں، قریب تھا کہ اچک لی جائیں (۵) أضاء: لازم اور متعدی ہے (۶) أظلم: بھی لازم اور متعدی ہے۔

قَامُوْا	کھڑے ہوجاتے ہیں	لَذَهَبَ	تو لے جائیں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہیں	بِسَمْعِهِمْ	ان کے کان	عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ	ہر چیز پر
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَاَبْصَارِهِمْ	اور ان کی آنکھیں	قَدِيْرٌ	پوری قدرت والے ہیں

قرآنِ کریم کا تمثیل کا طریقہ

تمثیل کے معنی ہیں: تشبیہ دینا، کسی چیز کی محسوس مثال بیان کرنا، قرآنِ کریم کا تمثیل کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مثال بیان کرتے کرتے ممثّل لہٗ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اس لئے تطبیق کی ضرورت نہیں رہتی، جیسے سورۃ النور (آیت ۳۹) میں ایک تمثیل ہے کہ کفار کے اعمالِ صالحہ آخرت میں رائگاں ہونگے، ان کا کچھ صلہ نہیں ملے گا، بلکہ لینے کے دینے پڑجائیں گے، ارشادِ پاک ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ﴾: اور جن لوگوں نے اسلام کا انکار کیا، ان کے (اچھے) اعمال کی مثال: جیسے چٹیل میدان میں چمکتی ریت، جس کو پیاسا پانی خیال کرتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس (سراب) کے پاس پہنچا تو اس کو کچھ بھی نہیں پایا (یہاں تک مثال ہے) اور اس (سراب) کے پاس اللہ تعالیٰ کو پایا، پس اللہ نے اس کا پورا پورا حساب چکایا (یہ کلام مثال سے ممثّل لہٗ کی طرف منتقل ہوگیا)

اسی طرح یہاں پہلے مثلهم کی ضمیر منافقین کی طرف لوٹتی ہے، وہ مشبّہ ہیں، پھر الذین: مفرد ہے، جو مشبّہ بہ ہے، اور استوقد اور حولہ کی ضمیریں اس کی طرف لوٹتی ہیں کیونکہ الذی مفرد ہے، اور حولہ تک مثال ہے، پھر ذہب اللہ سے کلام ممثّل لہٗ کی طرف منتقل ہوا ہے، اس لئے اب سب جمع کی ضمیریں منافقین کی طرف لوٹیں گی۔

اسی طرح أو کصیب کی مثال برق تک ہے، اور یجعلون سے کلام ممثّل لہٗ کی طرف منتقل ہوا ہے، اس لئے اب جمع کی ضمیریں منافقین کی طرف لوٹیں گی ـــــ لیکن مثال بھی در پردہ چلتی رہے گی، جس کو تقریر میں واضح کیا ہے۔

نفاق کی تاریخ اور منافقین کی دو قسمیں

جب نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مدینہ میں تین قومیں تھیں:

(۱) مسلمان: جو آٹے میں نمک کے برابر تھے (۲) مشرکین: جن کی نفری تعداد سب سے زیادہ تھی (۳) یہود: جن کی اقتصادی حالت مضبوط تھی، نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد معاً ایک فیڈریشن (وفاقی جماعت) بنایا، جس سے تینوں قومیں ایک ہوگئیں، پھر مکہ والوں نے مسلمانوں پر چڑھائی کی سوچی تو ان کا مقابلہ ضروری ہوا، چھوٹی جھڑپوں کے بعد پہلی بڑی

جنگ بدر میں ہوئی، جس میں مسلمانوں کو واضح کامیابی ملی، مشرکوں کے ستّر سورما مارے گئے اور ستّر قید میں آئے، پھر بدر سے لوٹ کر نبی ﷺ نے یہود کے قبیلہ بنو قینقاع کو شہر بدر کیا تو مدینہ کے مشرکین ہل گئے، ان کا سردار عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) تھا، ہجرت سے پہلے اس کی تاج پوشی کی تیاری کرلی گئی تھی، مگر ہجرت نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا اور اس کی تاج پوشی رک گئی، مگر بہرحال وہ تھا مشرکین کا بڑا، غزوۂ بدر کے بعد اس نے اپنے لوگوں سے کہا: **إن هذا الأمر قد توجَّه**: اسلام تو بڑھ چلا! اب اس کے جھنڈے تلے پناہ لینی ضروری ہے، اس طرح عبداللہ کی پارٹی بظاہر مسلمان ہوئی اور بباطن کافر رہی، اور نفاق وجود میں آیا۔

یہ منافقین دو قسم کے تھے: ایک: دل میں کٹّر کافر تھے، مگر کلمۂ اسلام پڑھتے تھے، اور خود کو مسلمان کہتے تھے، پہلی مثال ان کی ہے، ان کو بالکل اندھیریوں میں رہ جانے والوں کے مانند قرار دیا ہے، دوسری قسم: کے منافق وہ تھے جو نفاق میں ڈھیلے تھے، جب وہ کسی غزوہ میں مسلمانوں کی کامیابی دیکھتے تو اسلام کی طرف لپکتے، اور ان کو اسلام کے حق ہونے کا خیال آتا، اور غزوۂ احد میں بظاہر ناکامی ہوئی تو انھوں نے قدم پیچھے ہٹا لیا، اور اسلام کے بارے میں بدظن ہوگئے، دوسری مثال ان لوگوں کی ہے۔

منافقوں کے باطنی احوال

کٹّر منافقوں کی مثال: ایک شخص خطرناک جنگل میں ہے، اس نے خطرات سے بچنے کے لئے شب تار میں آگ جلائی، جب ماحول روشن ہوگیا اور وہ خطرات سے مامون ہوگیا تو یکدم آگ بجھ گئی اور وہ گھپ اندھیرے میں رہ گیا، یہی حال کٹّر منافقوں کا ہے، وہ بظاہر ایمان لائے، یہ انھوں نے آگ روشن کی اور مسلمانوں کی گرفت سے بچ گئے، یہ ماحول روشن ہوگیا کہ وحی نے ان کا بھانڈا پھوڑ دیا، یہ آگ بجھ گئی، اب وہ کفر کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں، ان کو کچھ سوجھائی نہیں دیتا کہ کیا کریں، وہ بہرے ہیں، سچی بات نہیں سنتے، گونگے ہیں، مصیبت میں کسی کو پکار نہیں سکتے، اندھے ہیں، ان کو اپنا نفع نقصان نظر نہیں آتا، اب ان سے ہرگز توقع نہیں کہ وہ گمراہی سے حق کی طرف لوٹیں، مدینہ میں ایسے کٹّر منافق بارہ رہ گئے تھے، جن کے نام نبی ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتائے تھے۔

﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۝ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: ان کا حال اس شخص کے حال جیسا ہے جس نے کوئی آگ جلائی، پس جب آگ نے اس کے ماحول کو روشن کردیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی بجھادی، اور ان کو اندھیریوں میں چھوڑ دیا، وہ کچھ نہیں دیکھتے! وہ بہرے، گونگے،

اندھے ہیں، اب وہ نہیں لوٹیں گے!

ڈھیلے منافقوں کی مثال: ایک شخص لق ودق جنگل (سنسان بیابان) میں چل رہا ہے کہ زور کا مینہ برسنے لگا، تاریکیاں ہی تاریکیاں: تہ بہ تہ بادل، بارش موسلا دھار اور رات کا گھپ اندھیرا، اور ساتھ ہی غضب کی کڑک اور چمک، کڑک ایسی کہ موت کے ڈر سے آدمی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لے اور چمک ایسی کہ خطرہ ہے آنکھیں نہ چلی جائیں، جب روشنی ہوتی ہے تو وہ چند قدم چلتا ہے اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو وہ کھڑا رہ جاتا ہے۔

یہی حال مذبذب منافقوں کا ہے، رحمت الٰہی کی موسلا دھار بارش ہورہی ہے، اس میں ترہیبات اور وعیدیں بھی ہیں، اور کافروں اور منافقوں کو کھڑکھڑایا جارہا ہے، جن کے سننے کی ان میں تاب نہیں، وہ جب اسلام میں اپنا کوئی مفاد دیکھتے ہیں تو آگے بڑھتے ہیں اور دوسری صورت میں اپنی جگہ کھڑے رہ جاتے ہیں، وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ چاہیں تو دنیا میں منافقین کو اندھا بہرہ کردیں، وہ سب کچھ کرسکتے ہیں، یہ لوگ بعد میں سچے پکے مسلمان ہوگئے تھے۔

﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: یا جیسے آسمان سے موسلا دھار بارش، اس میں اندھیریاں، گرج اور چمک ہے —— گرج کا حال: —— وہ کڑاکوں کی وجہ سے موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونستے ہیں —— اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والے ہیں —— وہ ان وعیدوں سے کہاں بچ سکتے ہیں! —— اور بجلی کا حال: —— بجلی قریب ہے کہ ان کی آنکھوں کو اچک لے، جب جب ان کے لئے روشنی ہوتی ہے تو وہ اس میں چلتے ہیں، اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں کو اچک لیں، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

فائدہ: بارش کے ساتھ تین چیزیں ہیں: تاریکی، بادل کی گرج اور بجلی کی چمک، تینوں غیر معمولی تھیں، تاریکی کی شدت ﴿ ظُلُمٰتٌ ﴾ جمع لاکر بتائی، اور کڑک کی شدت ﴿ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ ﴾ سے بیان کی ہے، اور برق کی شدت ﴿ يَكَادُ الْبَرْقُ ﴾ سے بیان کی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

یَاَیُّهَا	اے	الَّذِیْ[1]	جس نے	فَاَخْرَجَ	پس نکالی
النَّاسُ	لوگو	جَعَلَ	بنایا	بِهٖ	اس کے ذریعہ
اعْبُدُوْا	عبادت کرو	لَكُمُ	تمہارے لئے	مِنَ الثَّمَرٰتِ[2]	پھلوں سے
رَبَّكُمُ	اپنے اس رب کی	الْاَرْضَ	زمین کو	رِزْقًا	روزی
الَّذِیْ	جس نے	فِرَاشًا	بچھونا	لَّكُمْ	تمہارے لئے
خَلَقَكُمْ	تم کو پیدا کیا	وَّالسَّمَآءَ	اور آسمان کو	فَلَا تَجْعَلُوْا	پس نہ بناؤ تم
وَالَّذِیْنَ	اور ان کو جو	بِنَآءً	چھت	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے
مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے ہوئے	وَّاَنْزَلَ	اور اتارا	اَنْدَادًا	ہم سر (مقابل)
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	وَّاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم
تَتَّقُوْنَ	متقی بنو	مَآءً	پانی	تَعْلَمُوْنَ	جانتے ہو

توحید کا بیان

اللہ کی بندگی کرو، اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کی جسمانی وروحانی ضرورتوں کا انتظام کیا ہے

﴿ یَاَیُّهَا النَّاسُ ﴾ عام خطاب ہے، مگر قرآن اس سے غیر مسلموں کو مخاطب بناتا ہے، پہلے کھلے اور چھپے کافروں کا ذکر آیا ہے، اب ان کو اسلام کے تین بنیادی عقائد سمجھاتے ہیں، ان دو آیتوں میں توحید کا بیان ہے، اور اس پر ربوبیت سے استدلال کیا ہے، پھر رسالت کا بیان ہے، اور اس کو آخرت پر مقدم اس لئے کیا ہے کہ رسالت ربوبیت کا ایک حصہ ہے، اس سے انسان کی روحانی ضرورت پوری ہوتی ہے۔

غیر مسلموں سے خطاب ہے کہ صرف اللہ کی بندگی کرو، کسی کو اس کا ہم سرمت بناؤ، کیونکہ موجودہ انسانوں کو اور ان کے اگلے باپ دادوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، کوئی اور خالق نہیں، پھر پیدا کرنے کے بعد انسان کی ضرورتوں کا انتظام کیا،

(۱) الذی: پہلے الذی سے بدل ہے (۲) من الثمرات: رزقًا کا حال مقدم ہے، ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو مقدم لاتے ہیں، أی رزقًا کائنا من الثمرات (۳) انداد: نِدّ کی جمع: مقابل، برابر۔

زمین کو فرش بنایا یعنی قابل رہائش بنایا، آسمان کو چھت بنایا، چھت کے بغیر کمرہ برا معلوم ہوتا ہے، اور چھت اوپر کے اثرات بھی روکتی ہے، اور آسمان سے پانی برسایا، اس سے پھل پیدا ہوئے، جو انسان کی روزی بنتے ہیں، پس اللہ ہی رب ہیں، لہٰذا اسی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو بندگی میں شریک مت کرو، کیونکہ انسان جانتا ہے کہ وہی پروردگار ہیں، پھر کوئی دوسرا معبود کیسے ہوسکتا ہے؟ اور انسان روح اور بدن کا مجموعہ ہے، اور دونوں کی ضرورتیں الگ الگ ہیں، جسمانی ضرورتوں کا ذکر آیا، اور روحانی ضرورت کی تکمیل کے لئے نبوت کا سلسلہ قائم کیا، اس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

آیاتِ پاک کا ترجمہ: اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی بندگی کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے والوں کو پیدا کیا، تاکہ تم متقی بنو ـــــ یہ تلمیح (اشارہ) ہے: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ کی طرف اور توحید الوہیت کے فائدہ کا بیان ہے ـــــ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا، اور آسمان کو چھت بنایا، اور آسمان سے پانی برسایا، پس اس کے ذریعہ تمہارے لئے پھلوں کی روزی پیدا کی، لہٰذا اللہ کا ہمسر مت بناؤ، درانحالیکہ تم جانتے ہو ـــــ کہ اور کوئی نہ خالق ہے نہ پروردگار!

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا شُهَدَاۗءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

وَاِنْ كُنْتُمْ	اور اگر ہو تم	مِّمَّا	اس کلام کے بارے میں جو	عَلٰى عَبْدِنَا	اپنے بندے پر
فِيْ رَيْبٍ	کسی شک میں	نَزَّلْنَا	اتارا ہم نے	فَاْتُوْا	پس لاؤ تم

بِسُوْرَةٍ	کوئی سورت (ٹکڑا)	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	وَّهُمْ فِيْهَا	اور وہ ان میں
مِّنْ مِّثْلِهٖ	اس جیسی	اَنَّ لَهُمْ	کہ ان کے لئے	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں
وَادْعُوْا	اور بلاؤ تم	جَنّٰتٍ	باغات ہیں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
شُهَدَآءَكُمْ[۱]	اپنے حمایتوں کو	تَجْرِيْ	بہتی ہیں	لَا يَسْتَحْيٖٓ	نہیں شرماتے
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے ورے	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے	اَنْ يَّضْرِبَ	کہ ماریں
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	الْاَنْهٰرُ	نہریں	مَثَلًا مَّا	کوئی بھی مثال
صٰدِقِيْنَ	سچے	كُلَّمَا	جب بھی	بَعُوْضَةً	مچھر کی
فَاِنْ لَّمْ	پس اگر نہ	رُزِقُوْا	دیئے جائیں گے وہ	فَمَا فَوْقَهَا	یا اس سے بڑھ کر
تَفْعَلُوْا	کرو تم	مِنْهَا	ان سے	فَاَمَّا الَّذِيْنَ	پس رہے جنھوں نے
وَلَنْ تَفْعَلُوْا	اور ہرگز نہیں کروگے تم	مِنْ ثَمَرَةٍ	کوئی پھل	اٰمَنُوْا	مان لیا
فَاتَّقُوا	تو بچو	رِّزْقًا	بطور روزی	فَيَعْلَمُوْنَ	تو وہ جانتے ہیں
النَّارَ	اس آگ سے	قَالُوْا	کہیں گے وہ	اَنَّهُ الْحَقُّ	کہ وہ مثال برحق ہے
الَّتِيْ	جو	هٰذَا الَّذِيْ	یہ وہ ہے جو	مِنْ رَّبِّهِمْ	ان کے رب کی طرف سے
وَقُوْدُهَا	اس کا ایندھن	رُزِقْنَا	کھانے کیلئے دیئے گئے ہم	وَاَمَّا الَّذِيْنَ	اور رہے جنھوں نے
النَّاسُ	لوگ	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے	كَفَرُوْا	انکار کیا
وَالْحِجَارَةُ	اور پتھر ہیں	وَاُتُوْا	اور لائے گئے وہ	فَيَقُوْلُوْنَ	وہ کہتے ہیں
اُعِدَّتْ	تیار کی گئی ہے	بِهٖ	پھل	مَاذَآ اَرَادَ	کیا مراد لی ہے
لِلْكٰفِرِيْنَ	نہ ماننے والوں کیلئے	مُتَشَابِهًا	ایک صورت کے	اللّٰهُ	اللہ نے
وَبَشِّرِ	اور اچھی خبر دیں	وَلَهُمْ فِيْهَآ	اور ان کے لئے ان میں	بِهٰذَا مَثَلًا[۲]	اس مثال سے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ان کو جنھوں نے مان لیا	اَزْوَاجٌ	بیویاں ہیں	يُضِلُّ	گمراہ کرتے ہیں
وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	مُّطَهَّرَةٌ	پاکیزہ	بِهٖ	اس کے ذریعہ

(۱) شہید: کے اصلی معنی ہیں: گواہ، مجازی معنی ہیں: حاضر، حال بتانے والا اور مددگار، کیونکہ گواہ میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔
(۲) مثلاً: تمیز ہے نسبت کے ابہام کو دور کرتی ہے۔

كَثِيْرًا	بہت سوں کو	الَّذِيْنَ	جو	بِهٖٓ	اس کے بارے میں
وَّيَهْدِيْ	اور راہ دکھاتے ہیں	يَنْقُضُوْنَ	توڑتے ہیں	اَنْ يُّوْصَلَ	کہ جوڑا جائے
بِهٖ	اس کے ذریعہ	عَهْدَ اللّٰهِ	اللہ کا پیمان (وچن)	وَيُفْسِدُوْنَ	اور بگاڑ پھیلاتے ہیں وہ
كَثِيْرًا	بہت سوں کو	مِنْۢ بَعْدِ	اس کو مضبوط باندھنے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
وَمَا يُضِلُّ	اور نہیں گمراہ کرتے	مِيْثَاقِهٖ	کے بعد	اُولٰۗىِٕكَ	یہی لوگ
بِهٖٓ	اس کے ذریعہ	وَيَقْطَعُوْنَ	اور کاٹتے ہیں	هُمُ	وہ
اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ	مگر حد اطاعت سے	مَآ اَمَرَ	اس رشتہ کو کہ حکم دیا ہے	الْخٰسِرُوْنَ	گھاٹے میں رہنے
	نکلنے والوں کو	اللّٰهُ	اللہ نے		والے ہیں

رسالت کا بیان

دور سے ربط: سورۃ البقرۃ کے شروع میں آیا ہے کہ قرآنِ کریم اللہ کی کتاب ہے، اس میں کچھ شک نہیں، شک دو وجہ سے ہوسکتا ہے: ایک: کلام میں کوئی بات قابلِ اعتراض ہو، ﴿ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ﴾ میں اس کی نفی کی ہے۔ دوم: فہم کی کمی یا عناد کی زیادتی سے شک ہو، اس کا بیان یہاں ہے۔

قریب سے ربط: قرآنِ کریم دلیلِ رسالت ہے، اور رسالت کا مضمون توحید کے مضمون سے اس اعتبار سے جڑا ہوا ہے کہ رسالت: مخلوقات کی روحانی چارہ سازی ہے، نبوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بندوں کی روحانی تربیت کرتے ہیں، پس رسالت: الوہیت کا تقاضا ہے، اس لئے توحید کے بیان کے بعد رسالت کا مضمون شروع ہوا ہے۔

اگر کسی کو قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے میں شک ہو تو ہمیں چوگاں ہمیں میداں!

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوتِ حق پر مامور ہوتے ہیں، ان کو اثباتِ دعویٰ کے لئے اور امت کو مائل وقائل کرنے کے لئے بطور حجت معجزات عطا کئے جاتے ہیں، پس دعوت وحجت دو علاحدہ علاحدہ چیزیں ہیں۔

پھر ہر پیغمبر کو اس کے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق معجزات عطا کئے جاتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا تو ان کو عصا اور ید بیضاء کے معجزات عطا ہوئے، اور عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ طب وحکمت کا زمانہ تھا تو ان کو اکمہ (مادر زاد نابینا) کو بینا کرنے اور ابرص (کوڑھی) کو چنگا کرنے کے معجزات دیئے گئے، اور ساتھ ہی اللہ کی کتابیں (تورات وانجیل)

بھی دی گئیں، جو دعوت پر مشتمل تھیں، وہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں تھیں، کلام نہیں تھیں، چنانچہ ان میں تحریف وتبدیلی ممکن ہوئی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے براہین قاسمیہ (جواب ترکی بہ ترکی) میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ تورات وانجیل وغیرہ کتب من جانب اللہ ہونے کے باوجود قرآنِ کریم کی طرح فصیح وبلیغ کیوں نہیں؟ فرماتے ہیں:

"ہاں خدا کی کتاب مثل تورات وانجیل اور زبانوں میں بھی نازل ہوئیں، مگر ظاہر ہے کہ کسی کی کوئی کتاب ہو تو یہ لازم نہیں کہ اس کا کلام بھی ہو، کیونکہ عربی زبان میں کتاب خط کو کہتے ہیں، اور خط اوروں سے بھی لکھوا سکتے ہیں، سو اگر مضمون الہامی ہو، اور عبارت ملائکہ کی ہو، یا فرض کرو کہ عبارت انبیاء کی ہو، جیسے اہلِ کتاب کا بہ نسبت تورات وانجیل خیال ہے تو تورات وانجیل کتاب اللہ تو ہونگی، پر کلام اللہ نہ ہونگی۔

شاید یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم میں جہاں تورات وانجیل کا ذکر ہے وہاں ان کو کتاب اللہ کہا ہے، کلام اللہ نہیں کہا، اور ایک آدھ جگہ (سورۃ البقرۃ آیت ۷۵) سوائے قرآن اور کلام کو 'کلام اللہ' کہا ہے تو وہاں نہ تورات کا ذکر ہے نہ انجیل کا، بلکہ بدلالتِ قرآن اس کلام کا ذکر معلوم ہوتا ہے، جو ہم راہیانِ موسیٰ علیہ السلام نے سنا تھا، اور پھر یہ کہا تھا: ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۵۵) یعنی فقط کلام سن کر ایمان نہ لائیں گے، خدا کو دیکھ لیں گے تو ایمان لائیں گے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اور کتابوں کے اعجاز بلاغت وفصاحت کا دعویٰ نہیں کیا گیا، یعنی خدا کا کلام ہوتیں تو وہ بھی معجزہ ہوتیں، کیونکہ ایک آدمی کے کلام کا ایک انداز ہوتا ہے" الیٰ آخرہ (براہین قاسمیہ ص: ۱۱۵)

پھر جب ہمارے نبی ﷺ کا دور آیا تو آپ کو معجزہ کے طور پر قرآنِ کریم عطا ہوا، کیونکہ عربوں میں فصاحت وبلاغت کا زور تھا، اور قرآن میں چیلنج دیا گیا ہے کہ ہمیں چوگاں ہمیں میداں، یہی مقابلہ کی جگہ ہے یہیں آزمائش ہو جائے، اگر تمہیں کچھ خلجان ہو اُس کتاب کی نسبت جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے تو تم بنا لاؤ ایک چھوٹا سا ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو، اور اپنے ان حمایتوں کو بھی بلا لو جو تم نے اللہ سے ورے تجویز کر رکھے ہیں، اگر تم (تکذیب میں) سچے ہو، لیکن اگر تم یہ کام نہ کر سکو، اور ہرگز نہیں کر سکو گے، تو پھر اُس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، جو کافروں کے لئے تیار کی ہوئی ہے (یہ سن کر کیسا کچھ جوش وخروش اور پیچ وتاب نہ آیا ہوگا، اور کوئی دقیقہ سعی کا کیوں اٹھا رکھا ہوگا؟ پھر عاجز ہو کر اپنا سا منہ لے کر بیٹھ رہنا قطعی دلیل ہے کہ قرآنِ مجید معجزہ ہے ۱۲ تھانوی قدس سرہ)

اور قرآنِ کریم میں دعوت وحجت دونوں جمع ہیں، وہ معنی کے لحاظ سے دعوت ہے، اور بلاغت وفصاحت کے لحاظ سے حجت ہے، یعنی اس کی حجیت اس کی ذات میں مضمر ہے، وہ اللہ کا کلام ہے، نہ اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے نہ اس میں تبدیلی ممکن ہے، وہ نبی ﷺ کا زندۂ جاوید (ہمیشہ ہمیش کے لئے) معجزہ ہے، اور وجوہ اعجاز بے شمار ہیں جو بڑی کتابوں میں مذکور

ہیں، اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی کتاب علوم القرآن میں اس پر مفصل بحث ہے جو قابل مراجعت ہے۔

﴿ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوۡا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر تم کسی شک میں ہو اس کتاب کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو تم بنا لاؤ کوئی ٹکڑا جو اس کے ہم پلّہ ہو، اور اپنے حمایتوں کو جو اللہ سے وَرے ہیں بلالو، اگر تم سچے ہو —— پھر اگر تم یہ کام نہ کرسکو —— اور ہرگز نہیں کرسکو گے —— تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، جو نہ ماننے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے!

—— جہنم کا ایندھن لوگ یعنی کافر اور پتھر یعنی ان کی مورتیاں ہیں، اور جہنم سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ کلامِ الٰہی پر ایمان لاؤ اور اس کے احکام کی تعمیل کرو تو جنت نصیب ہوگی۔

قرآنِ کریم کو کلامِ الٰہی ماننے والوں کے لئے اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے والوں کے لئے خوشخبری

قرآنِ کریم کا طریقہ ہے کہ کفار کو وعید سنانے کے بعد نیک مؤمنین کو خوش خبری سناتا ہے، مگر ﴿ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ کی قید کے ساتھ بشارت دیتا ہے، یعنی نیک مؤمنین جو احکامِ قرآن کی تعمیل کرتے ہیں ان کو خوش خبری سناتا ہے، پس بے عمل مسلمان ہوشیار ہوجائیں، جو لوگ عمل کئے بغیر جنت نشیں ہونا چاہتے ہیں وہ خام خیالی میں مبتلا ہیں، آج سنبھلنے کا موقع ہے کل جب وقت ہاتھ سے نکل جائے گا تو کفِ افسوس ملنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

جن لوگوں نے قرآنِ کریم کو اللہ کی کتاب تسلیم کیا، اور اس کے احکام پر عمل کیا، ان کو آخرت میں چار باتیں نصیب ہونگی:

۱- ان کو بہت سے باغات ملیں گے، جو سدا بہار ہونگے، کیونکہ ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں،

۲- جنت میں کھانے کے لئے جو پھل ملیں گے وہ ایک صورت کے ہونگے، صورتیں یکساں ہونگی مگر ذائقہ مختلف ہوگا، آم منگوایا امرود آیا، جنتی کہے گا: امرود تو ہم نے ابھی کھایا آم لاؤ! خادم کہے گا: کھا کر تو دیکھو! کاٹا اور کھایا تو آم تھا، مزہ آگیا!

۳- وہاں پاکیزہ بیویاں ملیں گی، حوریں بھی اور دنیا کی عورتیں بھی، سب آلائشوں سے پاک صاف ہونگی۔

۴- جنتی ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے، ایک دفعہ جا کر پھر نکلنا نہ پڑے گا، یہاں دنیا کی ہر نعمت کے ساتھ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں کب لے لی جائے؟ وہاں یہ خطرہ نہیں ہوگا۔

﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِىۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمۡ فِيۡهَآ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمۡ فِيۡهَا

خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اور خوش خبری سنائیں ماننے والوں کو، جنھوں نے نیک کام کئے کہ ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جب بھی وہ کوئی پھل کھانے کے لئے دیئے جائیں گے ان باغات میں سے تو کہیں گے: یہ تو وہی ہے جو اس سے پہلے کھانے کو دیا گیا تھا! اور لائے جائیں گے وہ پھل ملتا جلتا ـــــ یعنی وہ پہلا پھل نہیں ہوگا، اس کے ہم شکل ہوگا ـــــ اور ان کے لئے ان باغات میں ستھری بیویاں ہیں، اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

قرآن جیسی ایک سورت بھی نہ لا سکے تو لگے اس میں کیڑے نکالنے!

جب مشرکین قرآن جیسی ایک سورت بھی نہ لا سکے تو قرآن میں فیہ نکالنی شروع کی کہ اس میں مکھی، مچھر اور مکڑی کی مثالیں ہیں اللہ عظیم المرتبت کی کتاب میں ایسی حقیر اور معمولی چیزوں کا ذکر نہیں ہوسکتا، لامحالہ یہ انسان کا کلام ہے، انسان ہی ایسی معمولی چیزوں کا ذکر کرسکتا ہے!

جواب: مثالیں ممثّل لہٗ کے حسبِ حال ہوتی ہیں، جب مورتیوں کی بےبسی سمجھانی ہے تو یہی مثالیں ہونگی، مثالوں میں مضمون کا لحاظ ہوتا ہے، متکلم کی حیثیت کا لحاظ نہیں ہوتا، مگر جب ذوق خراب ہوجائے تو میٹھی چیز بھی کڑوی لگتی ہے، مؤمنین تو ان مثالوں کو برمحل سمجھتے ہیں، اور منکرین کے لئے یہ مثالیں پردہ بن گئیں، اس لئے کہ وہ اطاعت کے دائرہ سے باہر نکل گئے، اس لئے وہ خواہ مخواہ اعتراض کھڑا کرتے ہیں۔

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَأَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ إِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ ﴾

ترجمہ: بےشک اللہ تعالیٰ نہیں شرماتے اس سے کہ کوئی بھی مثال بیان کریں، خواہ مچھر کی ہو یا اس سے بڑی ـــــ یعنی مچھر سے حقارت اور چھوٹائی میں بڑی، جیسے مچھر کا پَر، دنیا کی یہ تمثیل ایک حدیث میں آئی ہے ـــــ اب رہے وہ لوگ جو ایمان لائے وہ تو جانتے ہیں کہ یہ مثالیں ان کے رب کی طرف سے برمحل ہیں، اور رہے وہ لوگ جنھوں نے نہیں مانا ـــــ یعنی قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم نہیں کیا ـــــ وہ کہتے ہیں: اس مثال سے اللہ کا کیا مقصد ہے؟ اللہ تعالیٰ ان مثالوں سے بہتوں کو گمراہ کرتے ہیں، اور بہتوں کو راہِ راست دکھاتے ہیں، اور ان مثالوں سے حدِ اطاعت سے نکلنے والوں ہی کو گمراہ کرتے ہیں!

حدِ اطاعت سے نکلنے والے تین شخص

ایک: وہ شخص ہے جس نے عہدِ الست میں اللہ کو ربوبیت کا پختہ وچن دیا ﴿ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ کے جواب میں ﴿ بَلٰى ﴾

کہا، ﴿ بَلٰى ﴾ میں نعم سے زیادہ تاکید ہے، پھر دنیا میں آکر اس عہد کو توڑ دیا اور ایمان نہیں لایا، وہ حد اطاعت سے نکل گیا۔
اس کا تعلق گذشتہ مضمون سے بھی ہے، اور آئندہ سے بھی، قرآنِ کریم کو جو اللہ کی کتاب نہیں مانتا وہ اللہ کو رب نہیں مانتا، کیونکہ اللہ کو رب مانے گا تو ماننا پڑے گا کہ اس نے انسان کی روحانی تربیت کا انتظام کیا ہے، اور اس مقصد سے اپنی کتاب نازل کی ہے ــــ اور آگے ہے: ﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ ﴾ یعنی جب تم عہد الست میں اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرچکے ہو تو اب اس کا انکار کیسے کرتے ہو؟

دوسرا: وہ شخص ہے جو قطع رحمی کرتا ہے، جبکہ اللہ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے ــــ اس کا تعلق گذشتہ مضمون سے ہے، قریش کے تمام قبائل جدّی رشتہ سے نبی ﷺ کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، مگر وہی اسلام کے کٹر مخالف تھے، اور طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتے تھے، ان کو جدّی رشتہ یاد دلایا ہے کہ اس کا کچھ تو لحاظ کرو (یہ مضمون سورۃ الشوریٰ آیت ۲۳ میں ہے، دیکھیں ہدایت القرآن ۷: ۲۸۰)

تیسرا: وہ شخص ہے جو خود تو ڈوبا دوسروں کو بھی ساتھ لے ڈوبا، قریش نے جب رسالت اور دلیلِ رسالت کا انکار کیا تو دوسرے عربوں نے بھی انکار کیا، وہ قریش کو دین کی کسوٹی سمجھتے تھے، اس لئے کہ وہ کعبہ پر قابض تھے، یہ انھوں نے زمین میں (عرب میں) فساد پھیلایا ــــ جن لوگوں میں یہ تین باتیں ہیں وہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔

﴿ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے معاہدہ کو مضبوط باندھنے کے بعد توڑتے ہیں، اور جو لوگ ان تعلقات کو توڑتے ہیں جن کی پاسداری کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ گھاٹے میں رہنے والے ہیں!

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ھُوَالَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۤ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَھُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

كَيْفَ	کیسے	وَكُنْتُمْ	جبکہ تھے تم	ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ	پھر ماریں گے تم کو
تَكْفُرُوْنَ	انکار کرتے ہو تم	اَمْوَاتًا	بے جان	ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ	پھر زندہ کریں گے تم کو
بِاللّٰهِ	اللہ کا	فَاَحْيَاكُمْ	پس زندہ کیا تم کو	ثُمَّ اِلَيْهِ	پھر ان کی طرف

تُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جاؤ گے تم	جَمِيْعًا	سارا	سَبْعَ سَمٰوٰتٍ	سات آسمان
هُوَ الَّذِىْ	وہی ہیں جنھوں نے	ثُمَّ اسْتَوٰى[1]	پھر قصد کیا	وَهُوَ	اور وہ
خَلَقَ لَكُمْ	تمہارے لئے پیدا کیا	إِلَى السَّمَاءِ[2]	آسمان کا	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
مَّا فِى الْأَرْضِ	جو زمین میں ہے	فَسَوّٰهُنَّ	پس ٹھیک بنایا ان کو	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

آخرت کا بیان

توحید ورسالت کی طرح آخرت بھی اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اب دوآیتوں میں اس کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے دوعالم بنائے ہیں، ایک آسمانوں کے نیچے، دوسرا آسمانوں کے اوپر، نیچے والا عالم دنیا کہلاتا ہے اور اوپر والا آخرت، دنیا کو عالم مشاهَد بھی کہتے ہیں، اور آخرت کو عالم غیب، اس میں جنت ودوزخ مع مشمولات، ملائکہ اور عرش وغیرہ ہیں، اور وراء الوراء اللہ کی ذات وصفات ہیں، یہ سب عالم غیب ہے، حواس اس کا ادراک نہیں کرسکتے، رسولوں کی خبر ہی سے اس کا علم ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ آدم کے بعد معاً وجود بخشا ہے، پھر سب سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا، پھر سب کو عالم ارواح میں رکھ دیا، جب کسی روح کے اس دنیا میں آنے کا وقت آتا ہے تو پہلے رحم مادر میں مٹی سے سات مراحل سے گذر کر جسم بنتا ہے، پھر فرشتہ اس میں روح لاکر ڈالتا ہے تو انسان اس عالم میں موجود ہوجاتا ہے، اس سے پہلے وہ اس عالم میں معدوم تھا، پھر اپنی حیاتِ دنیا پوری کرکے مرجاتا ہے، یعنی روح بدن سے الگ ہوکر عالم برزخ میں چلی جاتی ہے، اور بدن مٹی کے حوالے کردیا جاتا ہے، پھر قیامت کے دن اجسام مٹی سے دوبارہ نکلیں گے، اور ارواح ان میں واپس آئیں گی، اور نئی زندگی شروع ہوگی۔ پھر قیامت کے لمبے دن میں حساب کتاب ہوکر مکلّف مخلوق عالم آخرت میں منتقل کردی جائے گی، لوگ وہاں ہمیشہ رہیں گے، جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں —— جس اللہ نے یہ سب کچھ کیا اور کرے گا: انسان اس کا کیسے انکار کررہا ہے؟

﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: تم اللہ کا انکار کیسے کرتے ہو، حالانکہ تم (اس دنیا میں) معدوم تھے، پھر تم کو جاندار کیا، پھر تم کو بے جان کریں گے، پھر تمہیں زندہ کریں گے، پھر تم ان کی طرف لوٹائے جاؤ گے!

دونوں جہاں اللہ نے انسان کے لئے بنائے ہیں

اللہ تعالیٰ نے زیریں منزل (دنیا) بھی انسان کے لئے بنائی ہے اور بالائی منزل (آخرت) بھی اور بالائی منزل:

(۱) استوی إلیه: سیدھا رخ کرنا، قصد کرنا (۲) السماء: اسم جنس ہے، قلیل وکثیر پر اطلاق ہوتا ہے، اور مؤنث سماعی ہے۔

زیریں منزل سے بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کب انسان کو ایک منزل سے دوسری منزل میں منتقل کرنا ہے۔

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَھُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اسی نے تمہارے فائدے کے لئے وہ تمام چیزیں پیدا کیں جو زمین میں ہیں —— یہ زیریں دنیا ہے —— پھر اس نے آسمانوں کی طرف توجہ فرمائی اور ان کو سات درست آسمان بنایا —— اور ان کے اوپر عالم آخرت کو بنایا، جو انسانوں کا آخری مقام ہے —— اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں —— کہ کب تک انسان عالم زیریں میں رہے گا، اور کب اس کو عالم بالا میں منتقل کیا جائے گا۔

سوال: جب زمین کی تمام چیزیں انسان کے لئے پیدا کی ہیں تو سب چیزیں حلال ہونی چاہئیں، بعض چیزیں حرام کیوں ہیں؟

جواب: حلت وحرمت کا مدار نفع وضرر پر ہے، شکر انسانوں کے لئے بنتی ہے، مگر شکر والے کو ڈاکٹر شکر سے منع کرتے ہیں، مٹی کھانا حرام ہے، حالانکہ پاک ہے، سنکھیا (زہر) کوئی نہیں کھاتا، مگر دواؤں میں پڑتا ہے، پس اخلاقی خرابیوں سے یا جسمانی ضرر سے بچانے کے لئے شریعت نے بعض چیزیں حرام کی ہیں، مگر وہ بھی انسان کے لئے ہیں، گو ابھی اس کا نفع انسان کو معلوم نہ ہو۔

آدم علیہ السلام کی خلافتِ ارضی

ربطِ بعید: توحید کے بیان میں آیا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ (اللہ نے تم کو) اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے ہوئے (پیدا کیا) سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اس لئے اب ان کا تذکرہ شروع کرتے ہیں۔

ربطِ قریب: گذشتہ آیت میں ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾: زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ نے انسان کے لئے بنایا ہے، انسان کو ان کے جد امجد کے واسطہ سے زمین میں اپنا خلیفہ (نائب) بنایا ہے، تا کہ وہ زمین میں اور اس کی چیزوں میں جس طرح چاہے تصرف کرے، اس طرح آدم علیہ السلام کی خلافتِ ارضی کا بیان شروع ہوا۔

انسان کا وجود زمینی فرشتوں اور جنات کے بعد ہوا ہے: جب آسمان وزمین کا کارخانہ بن کر تیار ہوا تو پہلے زمینی فرشتوں کو پیدا کیا، ان کو عناصر سے پیدا کیا ہے، اور آسمانی فرشتوں (ملأ اعلی) کو نور سے پیدا کیا ہے، جب عناصرِ اربعہ کی بھاپ (اسٹیم) میں مزاج پیدا ہوا تو اس پر ارواح کا فیضان کیا، پس زمینی فرشتے وجود میں آئے، ان فرشتوں کے مزاج میں چونکہ کسی عنصر کا غلبہ نہیں، اس لئے ان میں اعتدال رہا، اور وہ شر وفساد سے بچے رہے، اور تسبیح وتحمید وتقدیس میں لگے رہے،

ان فرشتوں نے ہزاروں سال زمین کو آباد کیا، اور اب بھی وہ زمین میں موجود ہیں، ان ملائکہ کا بکثرت صحیح احادیث میں ذکر آیا ہے، مسلم شریف کی روایت ہے: لا یقعُد قومٌ یذکرون الله إلاحَفَّتْهُمُ الملائکۃُ: جہاں کچھ لوگ اللہ کا ذکر کرنے بیٹھتے ہیں تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور بخاری شریف کی روایت میں ہے: إن لله ملائکۃً یطوفون فی الطُّرُق یلتمسون أهل الذکر: اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں ذاکرین کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور اسی روایت میں مسلم شریف میں ہے: فُضُلاً یعنی یہ حفاظت کرنے والے فرشتوں کے علاوہ ہیں، یہی زمینی فرشتے ہیں۔

پھر ایک وقت آیا، جب اللہ تعالیٰ نے زمین میں جنات کے جد امجد جانّ کو پیدا کیا، ان کو عناصر کے آمیزہ سے پیدا کیا، ان کے خمیر میں آگ کا غلبہ تھا، اس لئے وہ 'ناری مخلوق' کہلائے، وہ مکلّف تھے، ان کو احکام دیئے، مگر وہ سرکش ہوئے، زمین کو شر وفساد سے بھر دیا، اور قتل وقتال کا بازار گرم کیا، تو فرشتوں نے ان کو جزیروں میں دھکیل دیا، جنات بھی ہزاروں سال زمین کو آباد کئے رہے، اور اب بھی ہیں، مگر اللہ نے زمین کی تمام چیزیں ان کے لئے نہیں بنائیں، اس لئے ان دونوں کو خلافت کے اعزاز سے سرفراز نہیں کیا گیا۔

آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا اور فرشتوں پر ان کا علمی تفوق ظاہر کیا

پھر انسانوں کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا وقت آیا، ان کو خلیفہ بنانا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ ملائکہ اور جنات پر ان کی علمی برتری ثابت کی جائے، اور ملائکہ: جنات سے افضل ہیں اس لئے ان پر تفوق ثابت کرنا کافی تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے یہ بات رکھی کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے جارہا ہوں، آخر میں یہ بات واضح ہوگی کہ یہ بات آدم علیہ السلام کی علمی برتری ظاہر کرنے کے لئے تھی، ورنہ اللہ تعالیٰ: ﴿ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴾ ہیں، ان کو کسی کام کے کرنے کے لئے کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

فرشتوں نے عرض کیا: یہ نئی مخلوق بھی پرانی مخلوق (جنات) کی طرح زمین میں فساد اور خوں ریزی کرے گی، اور ہم تسبیح وتحمید وتقدیس میں لگے ہوئے ہیں، نئی مخلوق کی کیا ضرورت ہے؟ بیان القرآن میں اس کی ایک مثال ہے: کوئی حاکم نیا کام کرنا چاہے، اور اس کے لئے نیا عملہ تجویز کرنے کا ارادہ قدیمی عملہ کے سامنے ظاہر کرے، اور وہ عرض کرے کہ ہمیں کسی طرح تحقیق ہوا ہے کہ نیا عملہ بخوبی کام انجام نہیں دے گا، بعض بخوبی انجام دیں گے، اور بعض کام بالکل ہی بگاڑ دیں گے اور ہم ہر وقت احکام عالی پر جان قربان کئے ہوئے ہیں، پس اگر یہ نئی خدمت بھی ہم غلاموں کو سپرد کی جائے تو کیا حرج ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو مصلحت میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے!'' فرشتے خاموش ہوگئے، پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، اور ان کو زمین کی سب چیزوں کے نام سکھائے، یہ سکھانا فطری تھا، آدم علیہ السلام نے اپنی خداداد

صلاحیت سے سب چیزوں کو سمجھ لیا، پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے روبرو پیش کیا، اور فرمایا: ان چیزوں کے نام (اور کام) بتاؤ، وہ عاجز رہ گئے، تب آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم فرشتوں کو بتاؤ، آدم علیہ السلام نے فرفر بتادیا، تب اللہ پاک نے فرمایا: یہ وہ مصلحت ہے جو میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے، یعنی نئی مخلوق زمینی چیزوں کو سمجھے گی، اور ان کو برتے گی، اور تمہارے دلوں میں ہے کہ ہم عبادت میں بڑھے ہوئے ہیں، یہ بات صحیح ہے، مگر کمال علمی کا مرتبہ کمال عملی سے بڑھا ہوا ہے، بدوں کمال علمی کے خلافت کا کام اور دنیا پر حکومت کیونکر ممکن ہے؟ اب فرشتے خوب سمجھ گئے کہ بدوں اس علم عام کے کوئی زمین میں کارِ خلافت نہیں کرسکتا، اس طرح انسان کی علمی برتری فرشتوں پر واضح ہوئی!

خلیفہ (نائب) کون ہوتا ہے؟ —— جس کو مالک اپنا قائم مقام بنائے وہ خلیفہ (نائب) ہوتا ہے، مالک اس کو ایک دستور دیتا ہے، جس کی تعمیل نائب کے لئے ضروری ہوتی ہے، مثلاً: بادشاہ نے کسی کو کسی علاقہ کا حاکم مقرر کیا، یا کسی نے کوئی بڑا کارخانہ بنایا، اور اس کا ایک منیجر مقرر کیا تو وہ بادشاہ کا اور مالک کا خلیفہ (نائب) ہوگا، اب بادشاہ اور مالک اس نائب کو ایک دستور دے گا، اس کے مطابق وہ حکومت کرے گا اور کارخانہ چلائے گا، اور خلیفہ اس قانون کو اپنی ذات پر بھی نافذ کرے گا اور دوسروں پر بھی۔

ایک واقعہ: انگریزوں کے دور میں ایک نیم سرکاری کارخانہ گھاٹے میں جارہا تھا، حکومت نے لندن سے منیجر بھیجا، اس نے ملازمین کو جمع کیا، اور کہا: ''کام کی کوئی پابندی نہیں، وقت پر آنا ضروری ہے، جو دیر کرے گا اس کی تنخواہ کٹے گی'' ملازمین نے سوچا: وقت پر آجایا کریں گے، اور بیٹھے رہیں گے۔ ایک ماہ کے بعد منیجر نے ایک دن اپنی گھڑی آدھ گھنٹہ پیچھے کرلی، اور اپنی گھڑی سے وقت پر دفتر آیا، اور دفتر دار سے کہا: دفتر کی گھڑی غلط ہے! چپڑاسی نے کہا: سرکار! گھڑی صحیح ہے، تحقیق ہوئی، معلوم ہوا کہ صاحب کی گھڑی غلط ہے، اس نے محاسبی کو حکم بھیجا کہ میں آدھ گھنٹہ دیر سے آیا ہوں، میری تنخواہ کاٹی جائے، سارا عملہ سہم گیا کہ جو خود کو نہیں بخشا وہ دوسروں کو کیا بخشے گا! سب سیدھے ہوگئے اور کارخانہ کا نظام صحیح ہوگیا۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً ۖ قَالُوْٓا أَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيْٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ أَنْۢبِئْهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ أَنْۢبَأَهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّيْٓ أَعْلَمُ غَيْبَ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٣٣﴾

وَاِذْ قَالَ	اور (یاد کرو) جب فرمایا	مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	جو تم نہیں جانتے	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے ہیں
رَبُّكَ	آپ کے رب نے	وَعَلَّمَ	اور سکھلائے	قَالَ	فرمایا
لِلْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں سے	اٰدَمَ	آدم کو	يٰٓاٰدَمُ	اے آدم
اِنِّىْ جَاعِلٌ	بیشک میں بنانے والا ہوں	الْاَسْمَآءَ	نام	اَنْۢبِئْهُمْ	بتادو ان کو
فِى الْاَرْضِ	زمین میں	كُلَّهَا	سارے	بِاَسْمَآئِهِمْ	ان چیزوں کے نام
خَلِيْفَةً	ایک نائب	ثُمَّ عَرَضَهُمْ[1]	پھر روبرو کیا ان چیزوں کو	فَلَمَّآ	پس جب
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں کے	اَنْۢبَاَهُمْ	بتادیئے اس نے ان کو
اَتَجْعَلُ	کیا آپ بنائیں گے	فَقَالَ	پس فرمایا	بِاَسْمَآئِهِمْ	ان چیزوں کے نام
فِيْهَا	اس میں	اَنْۢبِئُوْنِىْ	بتلاؤ تم مجھے	قَالَ	(تو) فرمایا
مَنْ يُّفْسِدُ	(اس کو) جو فساد کرے گا	بِاَسْمَآءِ	نام	اَلَمْ اَقُلْ	کیا نہیں کہا تھا میں نے
فِيْهَا	اس میں	هٰٓؤُلَآءِ	ان چیزوں کے	لَّكُمْ	تم سے
وَيَسْفِكُ	اور بہائے گا	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	اِنِّىْٓ اَعْلَمُ	بیشک میں جانتا ہوں
الدِّمَآءَ	خونوں کو	صٰدِقِيْنَ	سچے	غَيْبَ	چھپی چیزیں
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ	اور ہم پاکی بیان کرتے ہیں	قَالُوْا	کہا انھوں نے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کی
بِحَمْدِكَ	آپ کی خوبیوں کے ساتھ	سُبْحٰنَكَ	پاک ہے آپ کی ذات	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی
وَنُقَدِّسُ	اور ہم عظمت کا اقرار	لَا عِلْمَ لَنَآ	نہیں علم ہے ہمیں	وَاَعْلَمُ	اور میں جانتا ہوں
	کرتے ہیں	اِلَّا مَا	مگر جو کچھ	مَا تُبْدُوْنَ	جو تم ظاہر کرتے ہو
لَكَ	آپ کی	عَلَّمْتَنَا	سکھلایا آپ نے ہمیں	وَمَا كُنْتُمْ	اور جو تم ہو
قَالَ	فرمایا	اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی	تَكْتُمُوْنَ	چھپاتے
اِنِّىْٓ اَعْلَمُ	بیشک میں جانتا ہوں	الْعَلِيْمُ	خوب جاننے والے	۞	۞

(۱) عرضھم: میں ھم سے مسمیات (چیزیں) مراد ہیں، اور مذکر ضمیر ذوی العقول کو غلبہ دینے کی وجہ سے ہے۔

آیاتِ پاک مع تفسیر: اور (یاد کرو) جب آپؐ کے پروردگار نے (زمینی) فرشتوں سے فرمایا: ''میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں!'' —— فرشتوں کا ردِ عمل: —— فرشتوں نے کہا: کیا آپ زمین میں ایک ایسی مخلوق بنائیں گے جو اس میں فساد مچائے گی اور خون ریزی کرے گی —— سوال: فرشتوں کو اس کا پتہ کیسے چلا؟ جواب: جنات پر قیاس کرکے انھوں نے یہ بات جانی، جنات عناصر سے پیدا کئے گئے تھے، اور یہ نئی مخلوق بھی عناصر سے پیدا کی جائے گی، اور جب دونوں کا خمیر ایک ہوگا تو احوال بھی ایک ہونگے —— فرشتوں کی باقی بات: —— اور ہم آپ کی خوبیوں کے ساتھ پاکی بیان کرتے ہیں، اور آپ کی عظمت کا اقرار کرتے ہیں! —— پس ہم خلافت کے لئے زیادہ موزون ہیں! —— اللہ نے فرمایا: میں جو مصلحت جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے —— یعنی خلیفہ وہ ہوسکتا ہے جو سب چیزوں کو سمجھتا ہو، تاکہ ان کو برتے، اور ان پر حکومت کرے، اور تم میں یہ صلاحیت نہیں —— اس کی دلیل کہ فرشتوں میں یہ صلاحیت نہیں: —— اور اللہ نے آدم کو سارے ہی نام (مع مسمیات) سکھلائے —— یہ سکھلانا فطری تھا، انسان کی فطرت ایسی تھی کہ وہ خود سب کچھ سمجھ گیا —— پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے روبرو کیا، اور فرمایا: تم مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ، اگر تم سچے ہو —— اپنے اس خیال میں کہ تم خلافت کے لئے زیادہ موزون ہو —— انھوں نے کہا: آپ کی ذات پاک ہے! —— یعنی ہمارا خیال غلط ہے —— ہم نہیں جانتے مگر جو کچھ آپ نے ہمیں سکھلایا —— یعنی ہمیں ان چیزوں کا علم حاصل نہیں —— بے شک آپ ہی خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں! —— یعنی آپ نے اپنی حکمت کے تقاضے سے ہمیں ان چیزوں کا علم نہیں دیا۔

اللہ نے فرمایا: اے آدم! فرشتوں کو ان چیزوں کے نام (اور خواص) بتاؤ، پس جب آدم نے ان کو ان چیزوں کے نام (مع خواص) بتائے —— یہ نام آدم علیہ السلام نے خود رکھے تھے، جیسے اب بھی انسان چیزوں کے نام رکھتا ہے اور تحقیق وتجربہ سے خواص جانتا ہے —— پس اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے سربستہ راز جانتا ہوں —— یعنی کون مخلوق خلافت کے لائق ہے کون نہیں، یہ بات میں ہی جانتا ہوں —— اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کررہے ہو —— یعنی ﴿نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ —— اور جو تم چھپایا کرتے ہو —— یعنی تمہارا یہ خیال کہ تم خلافت کے لئے زیادہ موزون ہو!

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۤ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا

تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا
فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٣٦﴾
فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٣٧﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا
جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٩﴾ ع

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	اسْكُنْ	بس (رہ)	فَاَزَلَّهُمَا	پس پھسلا دیا دونوں کو
قُلْنَا	کہا ہم نے	اَنْتَ	تو	الشَّيْطٰنُ	سرکش نے
لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ	فرشتوں سے	وَزَوْجُكَ	اور تیری بیوی	عَنْهَا	جنت سے
اسْجُدُوْا	سجدہ کرو	الْجَنَّةَ	جنت میں	فَاَخْرَجَهُمَا	پس نکال دیا دونوں کو
لِاٰدَمَ	آدم کو	وَكُلَا	اور کھاؤ دونوں	مِمَّا كَانَا	اس سے جو تھے دونوں
فَسَجَدُوْٓا	پس سجدہ کیا انھوں نے	مِنْهَا	جنت سے	فِيْهِ	اس میں
اِلَّآ اِبْلِيْسَ (1)	مگر رحمت سے مایوس نے	رَغَدًا (2)	بافراغت	وَقُلْنَا	اور کہا ہم نے
اَبٰى	انکار کیا	حَيْثُ	جہاں سے	اهْبِطُوْا	اترو تم (تینوں)
وَاسْتَكْبَرَ	اور گھمنڈ کیا	شِئْتُمَا	چاہو تم دونوں	بَعْضُكُمْ	تمہارا ایک
وَكَانَ	اور تھا وہ	وَلَا تَقْرَبَا (3)	اور نہ نزدیک جانا دونوں	لِبَعْضٍ	دوسرے کا
مِنَ الْكٰفِرِيْنَ	منکروں میں سے	هٰذِهِ الشَّجَرَةَ	اس درخت سے	عَدُوٌّ	دشمن ہوگا
وَقُلْنَا	اور کہا ہم نے	فَتَكُوْنَا	پس ہوجاؤ گے تم دونوں	وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے
يٰٓاٰدَمُ	اے آدم	مِنَ الظّٰلِمِيْنَ	نقصان کرنے والوں میں سے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں

(۱) اِلّا: استثناء منقطع ہے، ابلیس فرشتہ نہیں تھا، سورۃ الکہف (آیت ۵۰) میں ہے: ﴿ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ﴾: وہ جنات میں سے تھا، پس اس نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی، آدم کو سجدہ کرنے کا حکم جنات کو بھی تھا، یہ آیت صریح ہے، اور صرف ملائکہ کا ذکر اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہ افضل مخلوق تھے۔ (۲) رغدا: مصدر بمعنی صفت مشبہ ہے، بافراغت یعنی جی بھر کر، خوب چھک کر (۳) یہ درخت متعین نہیں کیا، اگر متعین کیا جاتا تو بدنام ہو جاتا، اور اس کو کوئی نہ کھاتا۔

مُسْتَقَرٌّ	ٹھہرنا ہے	الرَّحِيْمُ	بڑا رحم کرنے والا ہے	عَلَيْهِمْ	ان پر
وَّمَتَاعٌ	اور فائدہ اٹھانا ہے	قُلْنَا	کہا ہم نے	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ
اِلٰى حِيْنٍ	ایک وقت تک	اهْبِطُوْا	اترو تم	يَحْزَنُوْنَ	غم گیں ہونگے
فَتَلَقّٰٓى (۱)	پس حاصل کئے	مِنْهَا	جنت سے	وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے
اٰدَمُ	آدم نے	جَمِيْعًا	سبھی	كَفَرُوْا	انکار کیا
مِنْ رَّبِّهٖ	اپنے رب سے	فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ	پس اگر پہنچے تمہیں	وَكَذَّبُوْا	اور جھٹلایا
كَلِمٰتٍ	چند الفاظ	مِّنِّيْ	میری طرف سے	بِاٰيٰتِنَآ	میری باتوں کو
فَتَابَ	پس توجہ فرمائی	هُدًى	راہ نمائی	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ
عَلَيْهِ	اس کی طرف	فَمَنْ تَبِعَ	پس جو پیروی کرے گا	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں
اِنَّهٗ	بے شک وہی	هُدَايَ	میری راہ نمائی کی	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں
هُوَ التَّوَّابُ	بڑا توبہ قبول کرنے والا	فَلَا خَوْفٌ (۲)	پس نہ ڈر ہوگا	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں

کارِ خلافت انجام دینے کے لئے اطاعت کی ضرورت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی خلافت میں کسی نے پوچھا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں اور آپ کی حکومت میں فرق کیوں ہے؟ ان کی حکومت میں کوئی خلفشار نہیں تھا، اور آپ کی حکومت میں خلفشار ہی خلفشار ہے! آپ نے جواب دیا: عمرؓ کی رعیت ہم تھے اور میری رعیت تم ہو! یعنی ہم خلیفہ کی اطاعت کرتے تھے، اور تم کوئی بات نہیں مانتے، پس فرق تو ہوگا ہی!

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا، فرشتوں پر ان کا علمی تفوق ظاہر کیا، اب کارِ خلافت انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ زمین میں موجود ذی عقل مخلوقات ان کی ماتحتی قبول کریں، ان کی اطاعت کریں، ان کے سامنے سرینڈر کریں، اس وقت زمین میں ذی عقل مخلوق فرشتے اور جنات تھے، اور فرشتے: جنات سے افضل تھے، اس لئے ان کا ذکر کیا، ورنہ دونوں کو حکم تھا کہ آدم کو سجدہ کرو، یہ رمزی سجدہ تھا، عبادت کا سجدہ نہیں تھا، چنانچہ فرشتوں نے تو سب نے سجدہ کیا، اور جنات نے بھی سجدہ کیا، مگر ایک خاص فرد (عزازیل) اینٹھ گیا، اس نے سجدہ نہیں کیا، اس نے انسان کی ماتحتی قبول

(۱) تلقّٰی تلقیا: کسی کو کوئی چیز پکڑانا، کیچ کرانا (۲) خوف: آگے کا ہوتا ہے اور غم: پیچھے کا، آگے آخرت ہے اور پیچھے دنیا ہے جو چھوٹ رہی ہے۔

نہیں کی، اس لئے وہ راندۂ درگاہ ہوا، وہ اللہ کے علم میں تو پہلے ہی سے کافر تھا، مگر اب اس کا کفر برملا ظاہر ہوا۔

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ڎ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں (اور جنات کو) حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، پس انھوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا، وہ (علم الٰہی میں) کافروں (حکم نہ ماننے والوں) میں سے تھا۔

آدم وحواء علیہما السلام کو زمین میں پیدا کرکے جنت میں بسایا اور وہاں ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع کیا

پہلے زمین میں مختلف حکومتیں تھیں، اسلامی بھی اور غیر اسلامی بھی، مگر حدود (باڈر) پاسپورٹ اور ویزا نہیں تھا، جو جہاں چاہے جاسکتا تھا، اسی طرح پہلے اللہ کی کائنات میں بھی حدود اور پابندیاں نہیں تھیں، زمینی فرشتے اور جنات آسمانوں کے اوپر جنت تک جاسکتے تھے، حدود بعد میں قائم ہوئیں اور پابندیاں بعد میں لگیں، اب زمینی فرشتے تو آسمانوں کے اوپر جاسکتے ہیں، مگر جنات اور انسان نہیں جاسکتے، پھر جنات آسمان کے قریب جاسکتے ہیں، انسان قریب بھی نہیں جاسکتے، کیونکہ انسان: جنات کی بہ نسبت کثیف ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ آدم وحواء علیہما السلام کو اللہ نے مٹی سے بنایا، اور ایک نفس ناطقہ کی دو ہم جنس صنفیں بنائیں، تاکہ ایک دوسرے سے اُنس حاصل کرے، پھر آدم علیہ السلام کا زمینی مخلوقات پر تفوق ظاہر کیا، پھر اطاعت وفرمانبرداری کا رمزی سجدہ کرایا، یہ سب کچھ زمین میں ہوا، پھر آدم وحواء علیہما السلام کو جنت میں بسایا، تاکہ وہ وہاں کا لطف اور مزہ چکھیں، اور اپنے اصلی وطن کو پہچانیں۔

وہاں ان کو ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع کیا، وہ درخت کچھ برا نہیں تھا، جنت کی کوئی چیز بری نہیں، اس درخت کو اطاعت وعدم اطاعت کا معیار بنایا تھا، جیسے طالوت کے لشکر کے لئے ایک خاص نہر کے پانی کو اطاعت وعدم اطاعت کا معیار بنایا تھا۔ جب تک آدم وحواء علیہما السلام اس درخت کو نہیں کھائیں گے جنت میں رہیں گے، اور حکم کی خلاف ورزی کریں گے تو باہر نکال دیئے جائیں گے، اور وہ اپنا نقصان کریں گے، اللہ کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔

﴿وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور دونوں جنت میں سے جہاں سے چاہو بافراغت (جی بھر کر) کھاؤ، اور اس درخت کے نزدیک مت جاؤ، ورنہ دونوں اپنا نقصان کروگے!

جنت میں پہلی بار شیطان کی عداوت ظاہر ہوئی

آدم وحواء علیہما السلام جنت میں رہتے رہے، وہ اس خاص درخت کے قریب نہیں جاتے تھے، اس پر ایک عرصہ گذر گیا پس شیطان نے دونوں کو ورغلایا، اور دونوں کو ان کے موقف سے پھسلایا، شیطان اب تک جنت میں جاتا تھا، اس پر پابندی نہیں لگی تھی ــــ اس نے جو پٹی پڑھائی اس کا ذکر سورۃ طٰہٰ (آیت ۱۲۰) میں ہے، اس نے کہا: اس درخت کے پھل میں یہ تاثیر ہے کہ جو اس کو کھائے گا اَمر ہو جائے گا، اور ہمیشہ اللہ کے پاس رہے گا، اور اس نے قسم کھا کر اپنی ہمدردی کا یقین دلایا، پس دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا، یعنی جنت کی زندگی اور قربِ حق کی حرص میں یہ اقدام کیا، اور دونوں سے یہ لغزش ہوگئی۔

جاننا چاہئے کہ وہ درخت اَمر نہیں تھا، بلکہ مَر تھا، اس کو کھاتے ہی جنت کا لباس اتر گیا، اور حکم ملا کہ سب یعنی آدم وحواء علیہما السلام اور شیطان زمین میں اتریں، اب تم ہمیشہ ایک دوسرے کے دشمن رہو گے، شیطان تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہے گا، اور تم دین پر مضبوط رہ کر اس کی ناک زمین میں رگڑتے رہو گے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اب تم زمین میں رہو گے، آسمانوں پر نہیں آسکو گے، اور زمین میں بھی ایک وقت تک رہو گے، پھر مرو گے اور زمین چھوڑو گے!

زلت اور معصیت میں فرق: انبیاء معصوم ہوتے ہیں، ان سے معصیت (گناہ) نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتے ہیں، البتہ زلّت (لغزش) ہوسکتی ہے۔ **معصیت:** گناہ کے ارادہ سے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کا نام ہے، اور **زلت:** ارادہ کے بغیر یا نیک ارادے سے غلطی ہو جانے کا نام ہے، آدم وحواء علیہما السلام سے قُربِ خداوندی کی لالچ میں غلطی ہوئی، پس وہ زلت تھی۔

﴿ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ﴾

ترجمہ: پس شیطان نے دونوں کو اس جگہ (جنت) سے پھسلایا، اور دونوں کو ان نعمتوں سے نکالا جن میں وہ تھے، اور ہم نے حکم دیا: نیچے اترو تمہارا ایک: دوسرے کا دشمن ہوگا، اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے!

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو توبہ کے الفاظ تلقین فرمائے

جب آدم علیہ السلام نے تہدید (دھمکی) آمیز خطاب سنا کہ نیچے اترو! تو وہ لرز گئے اور بے چین ہوگئے، اور سخت منفعل ہوئے، اتنے کہ معافی کے لئے الفاظ نہیں مل رہے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے خود ہی معافی کے لئے الفاظ تلقین فرمائے، جیسے غلام سے کوئی بھاری غلطی ہو جائے، اور وہ سخت نادم ہو کر، ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر آقا کے سامنے کھڑا ہو جائے اور کچھ بول

نہ سکے تو آقا کو رحم آتا ہے، وہ پوچھتا ہے: کیا کہنا چاہتا ہے؟ اب بھی بول نہیں سکا تو آقا کہتا ہے: کہہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا! غلام یہی الفاظ دہرادیتا ہے تو آقا معاف کردیتا ہے، ایسا ہی کچھ معاملہ آدم وحواء علیہما السلام کے ساتھ ہوا، جب ان کے دل رورہے تھے، اور زبان گنگ تھی: اللہ نے توبہ کے کلمات سکھلائے، دونوں نے کہا: ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾: اے ہمارے رب! ہم نے اپنا نقصان کیا، اور اگر آپ ہماری مغفرت نہیں کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہوجائے گا[الاعراف ۲۳] پس اللہ نے دونوں کی توبہ قبول کی، وہ بڑے توبہ قبول کرنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں!

﴿ فَتَلَقّٰىٓ اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾

ترجمہ: پس آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ حاصل کئے، پس اللہ نے ان کی طرف توجہ فرمائی، بے شک وہی بڑے توبہ قبول کرنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں!

توبہ قبول ہوئی، مگر زمین پر اترنے کا حکم برقرار رہا

دونوں کی توبہ تو قبول ہوئی، مگر حکم سابق برقرار رہا، آدم وحواء علیہما السلام کو بھی شیطان کے ساتھ زمین پر اترنا پڑا، ﴿ جَمِيْعًا ﴾ اسی لئے بڑھایا ہے، ان کے زمین پر اترنے میں مصلحتیں ہیں، وہ خلافتِ ارضی زمین پر پہنچ کر ہی انجام دیں گے، البتہ پیچھے سے اللہ تعالیٰ ہدایت بھیجیں گے، کتابیں نازل فرمائیں گے، جو اس کی پیروی کرے گا وہ بے خطر جنت میں واپس آئے گا، نہ اس کو آگے کا کوئی ڈر ہوگا نہ دنیا چھوڑنے کا غم! کیونکہ وہ بہتر دنیا میں پہنچ گیا، البتہ جو ہدایت کو درخور اعتناء نہیں سمجھے گا، اور اللہ کی باتوں کو جھٹلائے گا وہ جہنم کے کھڈے میں گرے گا، اور وہاں ہمیشہ رہے گا (نعوذ باللہ منہا!)

﴿ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: ہم نے کہا: سبھی جنت سے نیچے اترو! پھر اگر تمہیں میری طرف سے ہدایت پہنچے: تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا پس ان پر نہ کوئی ڈر ہوگا نہ وہ غمگیں ہونگے، اور جو انکار کرے گا اور ہماری باتوں کو جھٹلائے گا تو وہ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں!

بنی اسرائیل (یہود) کا تذکرہ

ربطِ عام (۱): سورۃ البقرۃ قرآنِ کریم کی حقانیت کے بیان سے شروع ہوئی ہے، پھر ضمنی مضامین بیان ہوئے ہیں،

اب بنی اسرائیل (یہود ونصاریٰ) کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، ان کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، یہود مدینہ شریف میں معاشی اور مذہبی حیثیت سے غالب تھے، مشرکین ان کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے، اس لئے اگر وہ ایمان لاتے تو مشرکین ان کی پیروی کرتے۔

ربطِ عام (۲): توحید کی دلیل میں (آیت ۲۱ میں) فرمایا ہے کہ اللہ نے موجودہ لوگوں کو اور پہلے والوں کو پیدا کیا، پہلے لوگوں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، ان کا تذکرہ ہوگیا، اب زمانی ترتیب سے حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ آنا چاہئے، مگر ان کی امتِ دعوت تو ہلاک ہوئی اور امتِ اجابت کی نسل نہیں چلی، صرف آپ کے تین بیٹوں کی نسل چلی، اس لئے وہ قابل لحاظ نہیں۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا نمبر آتا ہے، آپ کے آٹھ صاحبزادے تھے (قصص القرآن سیوہاروی) پلوٹھے (سب سے بڑے) حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، ان کی نسل جزیرۃ العرب میں پھیلی، اور ان میں حضرت خاتم النّبیین ﷺ مبعوث ہوئے، دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، پھر ان کے نامور صاحبزادے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، ان کا لقب اسرائیل تھا، اس کے معنی ہیں عبد اللہ (اللہ کا بندہ) پھر ان کے بارہ بیٹے ہوئے، ان کی نسل بنی اسرائیل کہلائی، ان میں یوسف علیہ السلام سے چار سو سال بعد موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں چار ہزار انبیاء مبعوث ہوئے، آخر میں عیسیٰ علیہ السلام آئے، اس لئے وہ خاتم انبیائے بنی اسرائیل کہلاتے ہیں، ان کے چھ سو سال بعد بنی اسماعیل میں نبی ﷺ مبعوث ہوئے۔

جاننا چاہئے کہ یہود ونصاریٰ ایک ملت ہیں، دونوں نسلی اور قومی مذاہب ہیں، سورۃ الصّف میں اس کی صراحت ہے، اس لئے اب جو بنی اسرائیل کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے: اس میں دونوں شامل ہیں، دونوں کو ایمان لانے کی دعوت دی جارہی ہے، ایک رکوع تک اجمالی تذکرہ ہے، پھر اگلے رکوع سے تفصیلی تذکرہ شروع ہوگا، جو (آیت ۱۲۳) تک چلے گا، پھر ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ شروع ہوگا، اور تقدیم وتاخیر کسی مصلحت سے کی ہے۔

ربطِ خاص: آدم علیہ السلام کو جب خلیفہ بنا کر زمین پر اتارا تو ان کو آگاہ کیا تھا کہ میں پیچھے سے ہدایت (راہ نمائی) بھیجونگا، جو اس کی پیروی کرے گا وہ بے خوف وخطر اپنے اِس وطن جنت میں واپس آئے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے سو سے زیادہ کتابیں نازل فرمائیں، ان میں اہمیت کے اعتبار سے پہلا نمبر قرآن کا ہے، کیونکہ وہ اللہ کا کلام ہے، اور وہ اللہ کی آخری کتاب ہے، پھر تورات کا نمبر ہے، اس کے ماننے والے (یہود) مدینہ میں بڑی تعداد میں تھے، اس لئے اب ان کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، یوں بنی اسرائیل (یہود ونصاریٰ) کا تذکرہ شروع ہوا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ
وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠
وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ
وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ
الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَي الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

ع ۵/۵

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
يٰبَنِيْٓ (۱)	اے بیٹو	فَارْهَبُوْنِ (۳)	پس ڈروتم	بِاٰيٰتِيْ	میری آیتوں کے بدل
اِسْرَاۗءِيْلَ	یعقوب کے	وَاٰمِنُوْا	اور ایمان لاؤ	ثَمَنًا قَلِيْلًا	تھوڑی قیمت (پونجی)
اذْكُرُوْا	یاد کرو	بِمَآ	اس کتاب پر جو	وَاِيَّايَ	اور مجھی سے
نِعْمَتِيَ (۲)	میرا احسان	اَنْزَلْتُ	اتاری میں نے	فَاتَّقُوْنِ	پس پوری طرح ڈرو
الَّتِيْٓ	جو	مُصَدِّقًا (۴)	(جو) سچ بتلانے والی ہے	وَلَا تَلْبِسُوْا	اور خلط ملط مت کرو
اَنْعَمْتُ	کیا میں نے	لِمَا	اس کتاب کو جو	الْحَقَّ	حق کو
عَلَيْكُمْ	تم پر	مَعَكُمْ	تمہارے پاس ہے	بِالْبَاطِلِ	باطل کے ساتھ
وَاَوْفُوْا	اور پورا کرو	وَلَا تَكُوْنُوْٓا	اور نہ ہو تم	وَتَكْتُمُوْا (۶)	اور چھپاؤ (مت)
بِعَهْدِيْٓ	میرا پکا وعدہ (عہد)	اَوَّلَ (۵)	پہلے	الْحَقَّ	حق بات کو
اُوْفِ	پورا کروں گا میں	كَافِرٍ	انکار کرنے والے	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم
بِعَهْدِكُمْ	تمہارا پکا وعدہ (عہد)	بِهٖ	اس کے	تَعْلَمُوْنَ	جانتے ہو
وَاِيَّايَ	اور مجھی سے	وَلَا تَشْتَرُوْا	اور نہ خریدو	وَاَقِيْمُوْا	اور اہتمام کرو

(۱) ابن کی جمع حالتِ نصبی میں بنین ہے، اضافت کی وجہ سے نون گرا ہے (۲) النعمةُ: للجنس، تُقال للقليل والكثير (مفردات) (۳) رہبت: تقوی کا مقدمہ ہے (مظہری) (۴) مصدقًا: حال ہے أنزلته کی ضمیر محذوف سے (۵) أولَ: خبر اور مضاف ہے۔ (۶) تکتموا سے پہلے لائے نہی محذوف ہے۔

الصَّلٰوةَ	نماز کا	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	اِلَّا	مگر
وَاٰتُوا	اور ادا کرو	تَتْلُوْنَ	پڑھتے ہو	عَلَى الْخٰشِعِيْنَ	عاجزی کرنے والوں پر
الزَّكٰوةَ	زکات	الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب	الَّذِيْنَ	جو
وَارْكَعُوْا	اور رکوع کرو	اَفَلَا	کیا پس نہیں	يَظُنُّوْنَ	خیال کرتے ہیں
مَعَ الرّٰكِعِيْنَ	رکوع کرنے والوں کے ساتھ	تَعْقِلُوْنَ	سمجھتے تم	اَنَّهُمْ	کہ وہ
اَتَاْمُرُوْنَ	کیا تم حکم دیتے ہو	وَاسْتَعِيْنُوْا	اور مدد طلب کرو	مُّلٰقُوْا	ملنے والے ہیں
النَّاسَ	لوگوں کو	بِالصَّبْرِ	صبر (برداشت) سے	رَبِّهِمْ	ان کے رب سے
بِالْبِرِّ	نیکی کے کاموں کا	وَالصَّلٰوةِ	اور نماز سے	وَاَنَّهُمْ	اور یہ کہ وہ
وَتَنْسَوْنَ	اور بھول جاتے ہو	وَاِنَّهَا	اور بے شک نماز	اِلَيْهِ	اس کی طرف
اَنْفُسَكُمْ	خود کو	لَكَبِيْرَةٌ	یقیناً بھاری ہے	رٰجِعُوْنَ	لوٹنے والے ہیں

بنی اسرائیل پر اللہ کے احسانات کا اجمالی تذکرہ

اور ان سے وفائے عہد کا مطالبہ

اللہ تعالیٰ پہلے یہود کو اپنے انعامات واحسانات یاد دلاتے ہیں، تاکہ ان کے لئے قرآن پر ایمان لانا آسان ہو، انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے، بھلا انسان احسان کی ناشکری نہیں کرتا، پھر وہ عہد و پیمان یاد دلایا ہے جو بندوں نے پروردگار سے باندھا ہے، اگر وہ عہد کی پابندی کریں اور ٹھیک سے حکم کی تعمیل کریں تو پروردگار ان کو نوازیں گے، پھر نصیحت کی ہے کہ اپنے عقیدت مندوں اور دنیوی مفادات سے مت ڈرو، مجھ سے ڈرو!

یہود پر اللہ کے احسانات: بے شمار ہیں، مثلاً: (۱) ان میں ہزاروں انبیاء بھیجے (۲) ان کو تورات وغیرہ کتابیں دیں (۳) ان کو فرعون کی غلامی سے نجات دی (۴) ان کے لئے منّ وسلویٰ اتارا (۵) ان کے لئے پتھر سے بارہ چشمے نکالے (۶) ان کو ملک شام میں بسایا (۷) ان کو اقوام عالم پر فضیلت (برتری) بخشی وغیرہ ان احسانات کا ذکر تفصیل سے اگلے رکوع سے شروع ہوگا۔

یہود سے عہد و پیمان: یہود سے تین مرتبہ اللہ نے عہد لیا ہے:

پہلی مرتبہ: عہدِ الست میں تمام انسانوں کے ساتھ یہود سے بھی ربوبیت والوہیت کا اقرار لیا ہے، اور جب انھوں نے اللہ کو رب مان لیا تو ان کے احکام کی پیروی ضروری ہے، اور ان کے احکام میں سے یہ بات ہے کہ وہ آخر میں مبعوث

ہونے والے پیغمبر پر اور ان کی کتاب پر ایمان لائیں۔

دوسری مرتبہ: بھی عہدِ الست میں خاص انبیاء سے ایک عہد لیا ہے، یہ عہد انبیاء کے واسطہ سے ان کی امتوں سے بھی لیا ہے، اس عہد کا ذکر سورۃ آلِ عمران (آیت ۸۱) میں ہے: ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ﴾ الآیۃ: یعنی اللہ نے سبھی انبیاء سے عہد لیا کہ اگر تم میں سے کسی کو بھی نبوت اور حکمت سے سرفراز کیا جائے، پھر اس کی موجودگی میں نبی آخر الزماں مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائے، اور ان کی مدد کرے، سب انبیاء نے اس کا اقرار کیا، اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: لو کان موسی حیًا لَمَا وَسِعَه إلا اتّباعِی: آج اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری پیروی کے سوا چارہ نہیں تھا، پس اب جو ان کی امت ہے اس پر لازم ہے کہ وہ آخری نبی پر اور ان کی کتاب پر ایمان لائے، اور ان کی مدد کرے۔

تیسری مرتبہ: موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ یہود سے اس وقت عہد لیا جب ان کو فرعون کے عذاب سے نجات دی، اس کا ذکر سورۃ المائدہ (آیت ۱۲) میں ہے، اور یہ آیت اہم ہے، اس میں اللہ کے وعدہ کا بھی ذکر ہے۔

﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝۱۲ ﴾

ترجمہ: اور اللہ نے بالتحقیق بنی اسرائیل سے عہد لیا، اور ہم نے ان پر بارہ سردار مقرر کئے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے، اور زکات دیتے رہو گے، اور میرے تمام رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے، اور ان کی مدد کرتے رہو گے، اور اللہ کو عمدہ قرض دیتے رہو گے، تو میں تم سے تمہارے گناہ ضرور دور کردوں گا، اور تم کو ایسے باغوں میں ضرور داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، پھر جو شخص اس کے بعد انکار کرے گا تو وہ یقیناً راہِ راست سے دور جا پڑا! —— یہی عہد و پیمان یہود کو یاد دلایا ہے۔

﴿ يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّاىَ فَارْھَبُوْنِ ۝۴۰ ﴾

ترجمہ: اے یعقوب کی اولاد! میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے، اور مجھ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کرو —— یعنی آخری نبی اور ان کی کتاب پر ایمان لاؤ —— میں بھی تم سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کروں گا —— یعنی تمہارے گناہ معاف کروں گا اور جنت میں داخل کروں گا —— اور صرف مجھ سے ڈرو! —— یعنی ایمان لانے سے مفادات پر

زد پڑے تو اس کی فکر مت کرو، میرے احکام کی خلاف ورزی سے بچو!

یہود کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت

تمہید کے بعد اب صاف حکم دیتے ہیں کہ قرآن پر ایمان لاؤ، کیونکہ یہ بھی تورات کی طرح میری نازل کی ہوئی کتاب ہے، اور تمہیں اس کتاب سے وحشت نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ یہ تمہاری کتاب کی تصدیق کرتی ہے، دونوں کی دعوت ایک ہے، دونوں ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، اور اگر تم قرآن کا انکار کرو گے تو تم پہلے منکر ٹھہرو گے، کیونکہ عرب کے امّی (ناخواندہ) تمہاری پیروی کریں گے، پس ان کا گناہ بھی تمہارے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا، اور تورات میں آیات ہیں جن میں قرآن پر ایمان لانے کا حکم ہے، ان کو دنیوی مفادات سے مت بدلو، اور پوری طرح مجھ سے ڈرو!

﴿ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے اتاری، جو سچا بتلانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے، اور تم سب سے پہلے اس کے منکر مت بنو، اور تم میرے ارشادات کے بدل حقیر معاوضہ مت لو، اور خاص مجھ سے پوری طرح ڈرو!

خود غرض احکام شرعیہ میں دو طرح تبدیلی کرتے ہیں

ایک: اگر قابو چلے تو اس کو ظاہر ہی نہیں ہونے دیتے، یہ کتمان ہے۔

دوم: اگر نہ چھپ سکے، ظاہر ہو ہی جائے تو اس میں خلط ملط کرتے ہیں، سہو کاتب بتلاتے ہیں، مجاز کا بہانہ بناتے ہیں یا محذوف ومقدر نکال دیتے ہیں، یہ لَبس ہے، حق تعالیٰ نے دونوں سے منع فرمایا ہے (بیان القرآن)

﴿ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور تم حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط مت کرو، اور حق کو مت چھپاؤ، درانحالیکہ تم جانتے (بھی) ہو — پس بھول چوک نکل گئی!

ایمان کے ساتھ اعمال بھی ضروری ہیں

بنیادی اعمال دو ہیں: بدنی عبادت نماز ہے، اور مالی عبادت زکات ہے، یہ دونوں عبادتیں یہود کی شریعت میں بھی تھیں، سورۃ المائدۃ کی (آیت ۱۲) میں اس کی صراحت ہے، یہ آیت ابھی گذری ہے، اس لئے حکم دیتے ہیں کہ ایمان لا کر اسلامی طریقہ پر نماز پڑھو، اسلام میں نماز باجماعت ہے اور اس میں رکوع ہے، یہود کی نماز میں رکوع نہیں تھا، اس سے نماز

اور جماعت کی اہمیت واضح ہوتی ہے، آج مسلمان بھی نماز نہیں پڑھتا یا با جماعت نہیں پڑھتا اور زکات سے غافل ہے، اور نجاتِ اوّلی کی امید رکھتا ہے، فَیَا لَلْعَجَبْ! ہائے تعجب!

﴿ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ﴾

ترجمہ: اور نماز کا اہتمام کرو ـــــ یعنی فرائض وشرائط کے ساتھ پابندی سے نماز پڑھو، اس سے حب جاہ کم ہوگی ـــــ اور زکات دو ـــــ اس سے حب مال کم ہوگی، یہود کی یہی دو بڑی بیماریاں تھیں ـــــ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ـــــ یعنی اسلامی طریقہ پر باجماعت نماز پڑھو!

عالم بے عمل کو ڈانٹ!

علمائے بنی اسرائیل کے بعض اقارب مسلمان ہو چکے تھے، ان سے جب دین ومذہب کی گفتگو آتی تو کہتے: اسلام سچا مذہب ہے، ہم کسی مصلحت سے اس کو قبول نہیں کر رہے، تم اس پر جمے رہو، اللہ تعالیٰ ایسے عالموں کو ڈانٹتے ہیں:

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾

ترجمہ: کیا تم لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو، درانحالیکہ تم اللہ کی کتاب پڑھتے ہو ـــــ اس میں بار بار ایسے علماء کی مذمت آئی ہے ـــــ کیا پس تم سمجھتے نہیں! ـــــ کیا سر بھیجے سے خالی ہو گیا ہے!

مسئلہ: اس سے یہ نہیں نکلتا کہ بے عمل کو واعظ بننا جائز نہیں، بلکہ یہ نکلتا ہے کہ واعظ کو بے عمل بننا جائز نہیں (بیان القرآن)

حبِّ جاہ اور حبِّ مال کا علاج

دو بری خصلتیں یہود کو ایمان نہیں لانے دیتی تھیں: ایک: مال کی محبت، دوسری: جاہ ومرتبہ کی محبت، انہیں دو سے حسد پیدا ہو گیا تھا، جو ایمان لانے میں رکاوٹ بن رہا تھا، اب دونوں بیماریوں کا علاج بتاتے ہیں، صبر (برداشت) سے مال کی محبت جائے گی، اور نماز سے حب جاہ کم ہوگی، مگر شرط یہ ہے کہ نماز حضور دل سے پڑھے، اور یہ بات کچھ آسان نہیں، البتہ جن بندوں میں تین باتیں ہوں ان پر کچھ بھاری نہیں: ایک: دل میں اللہ کی عظمت ہو، دوم: اللہ سے ملنے کی آرزو ہو، سوم: قیامت کے دن کا ڈر ہو۔

﴿ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ وَاِنَّهَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور صبر اور نماز سے مدد لو ـــــ یعنی ایمان لا کر صبر وہمت سے کام لو، آمدنی گھٹ جانے کی پرواہ مت کرو،

رفتہ رفتہ مال کی محبت ختم ہوگی، اور عاجزی کے ساتھ پابندی سے نماز پڑھو، آہستہ آہستہ بڑائی کا بھوت دماغ سے نکل جائے گا ـــــ اور (عاجزی اور پابندی کے ساتھ) نماز بے شک بھاری ہے، مگر جن کے دلوں میں اللہ کی عظمت ہے، جنہیں خیال ہے کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں ـــــ خیال ہے: یعنی امید رکھتے ہیں ـــــ اور وہ اسی کی طرف جانے والے ہیں ـــــ یعنی ان کو اس کا بھی خیال ہے، یہ تین باتیں جمع ہوں تو نماز سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں۔

بنی اسرائیل پر اللہ کے انعامات کا تفصیلی تذکرہ

پہلے چند باتیں جان لیں:

۱- اسلاف پر انعام سے اخلاف کو بھی حصہ ملتا ہے: کیونکہ اس انعام کا کچھ نہ کچھ فائدہ اولاد کو بھی پہنچتا ہے، جیسے آدم علیہ السلام کو خلافتِ ارضی سے نوازا گیا تو یہ شرف ان کی اولاد کو بھی حاصل ہوا، بنی اسرائیل کے اسلاف پر اللہ نے جو احسانات کئے وہ زمانۂ نبوی میں موجود یہود ونصاریٰ پر بھی ہونگے۔

۲- دینی فضائل اولاد کو اس وقت تک حاصل رہتے ہیں جب تک وہ دین پر باقی رہے، اولاد گمراہ ہوجائے یا بدعمل ہوجائے تو وہ فضائل باقی نہیں رہتے، جیسے آخری امت 'خیر امت' ہے، یہ فضیلت انہی لوگوں کے لئے ہے جو صحابہ کے عقائد واعمال پر ہیں، گمراہ فرقوں کے لئے اور عمل سے کورے مسلمانوں کے لئے یہ فضیلت نہیں، یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔

۳- بنی اسرائیل جب تک دین حق پر تھے وہی اقوام عالم میں افضل تھے، پھر جب انھوں نے اختلاف کرکے دین ضائع کردیا یا ان کا عمل بگڑ گیا تو ان کی برتری بھی ختم ہوگئی۔

۴- گذشتہ امتوں میں جب اختلافات ہوئے تو کوئی جماعت صحیح دین پر باقی نہیں رہی، اور اس امت میں اختلافات ہونگے تو ایک جماعت ہمیشہ دینِ حق کو مضبوط تھامے رہے گی، سب گمراہ نہیں ہوجائیں گے، اکہتر، بہتر اور تہتر فرقوں والی حدیث سے یہ بات واضح ہے۔

۵- ایک غلط فہمی لوگوں کو ہمیشہ ہوتی ہے کہ اولاد: آباء کے فضائل پر تکیہ کرتی ہے، بنی اسرائیل کو بھی یہ غلط فہمی ہوئی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم جو کچھ بھی کریں ہمیں عذاب نہیں ہوگا، ہمارے اسلاف ہمیں بخشوالیں گے، یہی غلط فہمی آج بزرگوں کی اولاد کو ہوتی ہے، وہ اپنے اسلاف کے فضائل کو اپنا استحقاق سمجھتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ

مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اے اولادِ یعقوب!	عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں پر	مِنْهَا	اس کی طرف سے
اذْكُرُوْا	یاد کرو	وَاتَّقُوْا	اور ڈرو	شَفَاعَةٌ	کوئی سفارش
نِعْمَتِيَ	میرے احسانات	يَوْمًا	اس دن سے	وَّلَا يُؤْخَذُ	اور نہیں لیا جائے گا
الَّتِيْٓ	جو	لَّا تَجْزِيْ	(کہ) کام نہیں آئے گا	مِنْهَا	اس کی طرف سے
اَنْعَمْتُ	کئے میں نے	نَفْسٌ	کوئی شخص	عَدْلٌ	کوئی بدلہ
عَلَيْكُمْ	تم پر	عَنْ نَّفْسٍ	دوسرے شخص کے	وَّلَا هُمْ	اور نہ وہ
وَاَنِّيْ	اور بے شک میں نے	شَيْئًا	کچھ بھی	يُنْصَرُوْنَ	مدد کئے جائیں گے
فَضَّلْتُكُمْ	برتری بخشی تم کو	وَّلَا يُقْبَلُ	اور نہیں قبول کی جائے گی	۞	۞

۱- اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اہلِ زمانہ پر برتری بخشی!

پہلی آیت میں پہلے تمہید لوٹائی ہے، پھر بنی اسرائیل پر اللہ کے سب سے بڑے احسان کا ذکر ہے، پھر دوسری آیت میں یہود کی ایک غلط فہمی دور کی ہے، ارشاد فرماتے ہیں: تم پر میرے جو انعامات ہیں ان کو یاد کرو، خاص طور پر میرا یہ احسان کہ میں نے تم کو دینی اعتبار سے اقوامِ عالم پر برتری بخشی، موسیٰ علیہ السلام تم میں مبعوث ہوئے، ان کو میں نے اپنی کتاب تورات عنایت فرمائی، اور جب تک تم میرے دین کو پکڑے رہے اقوامِ عالم پر چھائے رہے۔

پھر بعد میں تم غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے، تم نے سمجھ لیا کہ یہ فضیلت بنی اسرائیل کی میراث ہے، وہ چاہے کچھ کریں بخشے بخشائے ہیں، اور تم نے کہنا شروع کیا: ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ (یہود و نصاریٰ) نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں! [المائدۃ ۱۸] بیٹوں کو باپ کہاں سزا دیتا ہے؟ اور دلارا تو لاڈلا ہوتا ہے! حالانکہ تمہیں بھی قیامت کے دن بدکرداریوں کی سزا ملے گی، اور قیامت کا دن ایسا سخت دن ہے کہ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، نہ اس دن سفارش چلے گی، نہ کسی سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا، اور نہ کوئی لڑ جھگڑ کر چھڑا سکے گا، اس دن سے ڈرو، اور خناس دماغ سے نکالو!

فائدہ: کوئی کسی بلا میں پھنستا ہے تو اس کے رفیق تین طرح سے اس کی مدد کرتے ہیں: (۱) سفارش کر کے چھڑاتے ہیں (۲) تاوان (جرمانہ) بھر کر بچاتے ہیں (۳) ہاتھا پائی سے مدد کرتے ہیں، پہلے ﴿لَا يُغْنِيْ﴾ میں عام نفی کی کہ کوئی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا، پھر باقی تین صورتوں کی بالترتیب نفی کی۔

آیاتِ پاک کا ترجمہ: —— اے بنی اسرائیل! میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے (یہ تمہید لوٹائی ہے) اور بلاشبہ میں نے تم کو (دینی اعتبار سے) جہانوں پر —— یعنی اقوامِ عالم —— پر برتری بخشی! —— پھر تم غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے، تم نے اس فضیلت کو اپنا ذاتی کمال سمجھ لیا، اور قیامت کے محاسبہ سے بے خوف ہوگئے، پس سنو! ——
اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص دوسرے شخص کے کچھ کام نہیں آئے گا —— یہ عام نفی ہے —— اور نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس کی طرف سے کوئی بدلہ لیا جائے گا، اور نہ وہ (کسی اور طرح) مدد کئے جائیں گے —— پس اس ہولناک دن سے بچنے کے لئے قرآن پر ایمان لاؤ، اور اس کے مطابق عمل کرو۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

وَاِذْ (۱)	اور (یاد کرو) جب	يَسُوْمُوْنَكُمْ (۲)	چکھاتے ہیں وہ تم کو	وَيَسْتَحْيُوْنَ	اور زندہ رہنے دیتے ہیں
نَجَّيْنٰكُمْ	نجات دی ہم نے تم کو	سُوْٓءَ الْعَذَابِ	برا عذاب	نِسَآءَكُمْ (۳)	تمہاری عورتوں کو
مِّنْ اٰلِ	لوگوں سے	يُذَبِّحُوْنَ	ذبح کرتے ہیں	وَفِىْ ذٰلِكُمْ (۴)	اور اس میں
فِرْعَوْنَ	فرعون کے	اَبْنَآءَكُمْ	تمہارے بیٹوں کو	بَلَاۗءٌ	آزمائش ہے

(۱) إذ: ظرف کا عامل اذکر محذوف ہے (۲) یسومونکم: کا ترجمہ جلالین میں یذیقونکم کیا ہے، سَامَ الإنسانَ ذُلًّا: کا ترجمہ ہے: کسی کے ساتھ ذلت وحقارت کا برتاؤ کرنا (۳) نساءکم: ما یؤل کے اعتبار سے کہا ہے، لڑکیاں بڑی ہوکر عورتیں بنیں گی (۴) ذلکم: ضمیر کے مرجع کی طرح مشار الیہ بھی اقرب ہوتا ہے۔

مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	ظٰلِمُوْنَ	اپنا نقصان کرنے والے تھے	ظَلَمْتُمْ	ظلم کیا
عَظِيْمٌ	بڑی (بھاری)	ثُمَّ عَفَوْنَا	پھر درگذر کیا ہم نے	اَنْفُسَكُمْ	اپنی ذاتوں پر
وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	عَنْكُمْ	تم سے	بِاتِّخَاذِكُمُ	تمہارے بنانے کی وجہ سے
فَرَقْنَا	پھاڑا ہم نے	مِّنْۢ بَعْدِ	بعد	الْعِجْلَ	بچھڑا
بِكُمُ	تمہاری وجہ سے	ذٰلِكَ	اس کے	فَتُوْبُوْٓا	پس متوجہ ہوؤ
الْبَحْرَ	سمندر کو	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	اِلٰى بَارِىِٕكُمْ	تمہارے پیدا کرنے
فَاَنْجَيْنٰكُمْ	پس نجات دی ہم نے تم کو	تَشْكُرُوْنَ	احسان مانو		والے کی طرف
وَاَغْرَقْنَآ	اور ڈبا دیا ہم نے	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	فَاقْتُلُوْٓا	پس مار ڈالو
اٰلَ فِرْعَوْنَ	فرعون کے لوگوں کو	اٰتَيْنَا	دی ہم نے	اَنْفُسَكُمْ	اپنے لوگوں کو
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	مُوْسَى	موسیٰ کو	ذٰلِكُمْ	یہ بات
تَنْظُرُوْنَ	دیکھ رہے تھے	الْكِتٰبَ	تورات	خَيْرٌ لَّكُمْ	بہتر ہے تمہارے لئے
وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	وَالْفُرْقَانَ	اور فیصلہ کن کتاب	عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ	تمہارے پیدا کرنے
وٰعَدْنَا	وعدہ کیا ہم نے	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم		والے کے پاس
مُوْسٰٓى	موسیٰ سے	تَهْتَدُوْنَ	راہ پاؤ	فَتَابَ	پس توجہ فرمائی اس نے
اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً	چالیس راتوں کا	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	عَلَيْكُمْ	تمہاری طرف
ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ	پھر بنالیا تم نے	قَالَ مُوْسٰى	کہا موسیٰ نے	اِنَّهٗ هُوَ	بے شک وہی
الْعِجْلَ	بچھڑا	لِقَوْمِهٖ	اپنی قوم سے	التَّوَّابُ	بڑی توجہ فرمانے والے
مِنْۢ بَعْدِهٖ	موسیٰ کے بعد	يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	الرَّحِيْمُ	بڑے رحم کرنے والے
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	اِنَّكُمْ	بے شک تم نے		ہیں

۲۔ فرعون کی بلاخیزی سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دی

فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر نجومیوں نے یہ دی کہ اس سال بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا، جس کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت جائے گی، فرعون نے فوراً حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اس کو ذبح کردیا جائے، اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے تاکہ وہ بڑی ہوکر ماماگری (خدمت گاری) کریں، اسی سال موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، اور

اللہ کی حفاظت میں فرعون ہی کے گھر میں پلے بڑھے، پھر نجومیوں نے جو مدت مقرر کی تھی اس کے بعد قتلِ اولاد کا سلسلہ رک گیا، مگر ایک سال میں سینکڑوں لڑکے بے گناہ قتل کر دیئے گئے، یہ بنی اسرائیل کی سخت آزمائش تھی، امتحان جیسے خوش حالی سے ہوتا ہے بدحالی سے بھی ہوتا ہے، بہر حال اللہ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی اس بلا خیزی (مصیبت) سے نجات بخشی، یہ بنی اسرائیل پر اللہ کا بہت بڑا احسان تھا۔

﴿ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے —— پولس سے —— نجات دی، وہ تمھیں سخت عذاب چکھاتے تھے: تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے —— یہی سخت عذاب ہے —— اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے، اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑا امتحان تھا!

۳-سمندر پھٹا، بنی اسرائیل پار اتر گئے، اور فرعون کا لشکر ڈوبا!

اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چلے، کنعان کا ارادہ تھا، مگر راستہ بھول کر بحر احمر کے کنارے پہنچ گئے، پیچھے سے فرعون کا ٹھاٹھیں مارتا لشکر آ پہنچا، موسیٰ علیہ السلام نے بہ حکمِ الٰہی سمندر پر لاٹھی ماری، پانی پھٹ گیا، اور بارہ راستے نکل آئے، سب بنی اسرائیل بخیریت پار اتر گئے، اور پانی رکا رہا، فرعون نے اپنے لشکر سے کہا: ”پانی میرے حکم سے رکا ہوا ہے، تاکہ میں ان بھگوڑوں کو پکڑوں، ڈالو سمندر میں گھوڑے!“ جب لشکر منجدھار میں پہنچا موسیٰ علیہ السلام نے بہ حکمِ الٰہی پھر پانی پر لاٹھی ماری تو پانی مل گیا، اور فرعون کا لشکر مع فرعون لقمۂ اجل بن گیا، بنی اسرائیل دوسرے کنارے سے یہ منظر دیکھ رہے تھے، اس طرح بنی اسرائیل دشمن کی گرفت سے بچ گئے، سوچو! یہ کتنا بڑا احسان ہے، اگر بنی اسرائیل فرعون کے ہتھے چڑھ جاتے تو وہ تڑپا تڑپا کر مارتا!

﴿ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے تمہاری خاطر سمندر کو پھاڑا، پس تمھیں نجات دی، اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا درانحالیکہ تم یہ منظر دیکھ رہے تھے!

۴-بنی اسرائیل نے مصریوں جیسا شرک کیا، مگر اللہ نے ان کو معاف کیا

مصری گائے کو پوجتے تھے، بنی اسرائیل نے بھی بچھڑے کو پوجا، مگر اللہ نے ان کو مختصر سزا دے کر معاف کیا، سب کو

ہلاک نہیں کیا، یہ ان پر اللہ کا ایک احسان تھا، تاکہ وہ ممنونِ احسان ہوں، اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل سمندر سے پار اترے، اور وادی سینا میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو طور پر بلایا، تاکہ ان کو تورات عنایت فرمائیں، موسیٰ علیہ السلام قوم کو ہارون علیہ السلام کے حوالے کر کے جلدی طور پر چلے گئے، پیچھے سامری نے زیورات سے بچھڑا ڈھالا، اس ڈھانچہ میں سے گائے کی آواز آتی تھی، بنی اسرائیل اس پر فریفتہ ہوگئے، اور اس کو خدا بنا کر پوجنے لگے، یہ انھوں نے وہی حرکت کی جو فرعون کے لوگ کرتے تھے، مگر اللہ نے ان کو مختصر سزا دے کر معاف کیا، سب کو تباہ نہیں کیا، یہ ان پر اللہ کا احسان تھا۔

﴿ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے اور موسیٰ نے ایک دوسرے سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا ــــــ یعنی موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر آکر چالیس دن اعتکاف کریں تو انہیں تورات دی جائے گی ــــــ پھر تم نے ان کے بعد ــــــ یعنی ان کے طور پر جانے کے بعد ــــــ بچھڑے کو معبود بنالیا، درانحالیکہ تم حق تلفی کرنے والے تھے ــــــ ظلم کے معنی ہیں: حق تلفی کرنا، کسی کا حق مارنا۔ عبادت اللہ کا حق ہے، پس غیر اللہ کی عبادت کرنا اللہ کی بہت بڑی حق تلفی ہے ــــــ پھر اس کے بعد ــــــ یعنی شرک کا ارتکاب کرنے کے بعد ــــــ ہم نے تم کو معاف کیا، تاکہ تم ممنونِ احسان ہوؤ!

۵- بنی اسرائیل کو حق ناحق میں امتیاز کرنے والی کتاب تورات عنایت فرمائی

اللہ کی ہر کتاب فرقان ہوتی ہے، ہر کتاب حق کو ناحق سے جدا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے بنی اسرائیل کو تورات عنایت فرمائی، جو فرقان تھی، اللہ کی کتابوں میں قرآنِ کریم کے بعد تورات ہی کا نمبر ہے، یہ کتاب اس لئے عنایت فرمائی کہ بنی اسرائیل اس سے راہ نمائی حاصل کریں، پس یہ بھی ایک عظیم احسان ہے۔

سوال: تورات کا ذکر تو ﴿ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى ﴾ میں آگیا، پھر اس کو دوبارہ کیوں ذکر کیا؟

جواب: قرآنِ کریم کبھی واقعہ کو تقسیم کرتا ہے، اور کبھی واقعہ کے اجزاء کو مقدم ومؤخر کرتا ہے، اول کو آخر اور آخر کو اول کرتا ہے، اور وہ ایسا امتنان کو مستقل کرنے کے لئے کرتا ہے، ایک واقعہ میں دو احسان ہوتے ہیں، اگر واقعہ مسلسل بیان کیا جائے تو ایک احسان معلوم ہوگا، یہاں بھی تورات عنایت فرمانے کو مستقل انعام کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔

﴿ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو آسمانی کتاب اور حق وباطل کو جدا کرنے والی کتاب دی، تاکہ تم راہ راست پاؤ!

۶- کچھ گوسالہ پرستوں کو قتل کرنے کے بعد باقی لوگوں کو معاف کیا

موسیٰ علیہ السلام طور پر جاتے ہوئے ہارون علیہ السلام کو یہ ذمہ داری سونپ گئے تھے کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر طور پر پہنچیں، مگر پیچھے سامری نے زیورات سے بچھڑا ڈھالا، کچھ لوگ اس کو خدا مان کر پوجنے لگے، اکثر لوگ دین پر جمے رہے، مگر انھوں نے مداہنت سے کام لیا، نہ تو گمراہوں سے جہاد کیا نہ ان کا بائیکاٹ کیا، نہ ان سے جدا ہوئے، یہ ان کا قصور تھا، کیونکہ اصلاح حال کی کوشش کے بعد آدمی معذور ہوتا ہے، جب موسیٰ علیہ السلام لوٹے تو قوم سے کہا: تم نے بچھڑا بنا کر غضب ڈھایا، مگر توبہ کا دروازہ کھلا ہے، توبہ کرو! اور جنھوں نے بچھڑے کو نہیں پوجا وہ پوجنے والوں کو قتل کریں، یہ ان کے ارتداد کی سزا ہے، موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ارتداد کی یہی سزا تھی، چنانچہ مرتدین قتل کئے جانے لگے، جب کچھ لوگ قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف کر دیا، یہ اللہ کا ان پر احسان تھا۔

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۵۴ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! بلاشبہ تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا، پس تم اپنے خالق تعالیٰ سے گناہ کی معافی مانگو، اور اپنے لوگوں کو (مرتدین کو) قتل کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے خالق تعالیٰ کے نزدیک، چنانچہ ان کی توبہ قبول کی، بے شک وہی بہت معاف کرنے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۵۵ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۵۶ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۵۷ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۸ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۵۹ ع

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	عَلَيْكُمُ	تم پر	هٰذِهِ الْقَرْيَةَ	اس بستی میں
قُلْتُمْ	کہا تم نے	الْغَمَامَ	بادل کو	فَكُلُوْا مِنْهَا	پس کھاؤ اس سے
يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ	وَاَنْزَلْنَا	اور اتارا ہم نے	حَيْثُ شِئْتُمْ	جہاں سے چاہو
لَنْ نُّؤْمِنَ	ہم ہرگز یقین نہیں کریں گے	عَلَيْكُمُ	تم پر	رَغَدًا (۴)	بافراغت
لَكَ	آپ (کی بات) کا	الْمَنَّ (۲)	منّ	وَّادْخُلُوا	اور داخل ہوؤ
حَتّٰى نَرَى	یہاں تک کہ دیکھیں ہم	وَالسَّلْوٰى (۳)	اور سلوی (بٹیریں)	الْبَابَ	دروازے میں
اللّٰهَ	اللہ کو	كُلُوْا	کھاؤ تم	سُجَّدًا (۵)	عاجزی کرتے ہوئے
جَهْرَةً (۱)	عیاں (روبرو)	مِنْ طَيِّبٰتِ	ان ستھری چیزوں سے	وَّقُوْلُوْا	اور کہو
فَاَخَذَتْكُمُ	پس پکڑا تمہیں	مَا رَزَقْنٰكُمْ	جو روزی دی ہم نے تم کو	حِطَّةٌ (۶)	توبہ! توبہ!
الصّٰعِقَةُ	کڑک نے	وَمَا ظَلَمُوْنَا	اور نہیں نقصان کیا انھوں	نَّغْفِرْ	بخشیں گے ہم
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم		نے ہمارا	لَكُمْ	تمہارے لئے
تَنْظُرُوْنَ	دیکھ رہے تھے	وَلٰكِنْ كَانُوْٓا	بلکہ تھے وہ	خَطٰيٰكُمْ	تمہارے قصور
ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ	پھر اٹھایا ہم نے تم کو	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں کا	وَسَنَزِيْدُ	اور ابھی زیادہ دیں
مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ	تمہاری موت کے بعد	يَظْلِمُوْنَ	نقصان کرتے		گے ہم
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو
تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاؤ	قُلْنَا	کہا ہم نے	فَبَدَّلَ (۷)	پس بدل دیا
وَظَلَّلْنَا	اور سایہ فگن کیا ہم نے	ادْخُلُوْا	داخل ہوؤ	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جنھوں نے

(۱) جهرة: باب فتح کا مصدر ہے: آشکارا، روبرو، کھلم کھلا (۲) مَنّ: شبنمی گوند، جو وادی تیہ میں اسرائیلیوں کے کھانے کے لئے درختوں کے پتوں پر جم جاتا تھا، اسم ہے (۳) سلوی: بٹیر، تیتر کی قسم کا ایک چھوٹا پرندہ، اسم جنس ہے (۴) رغداً: ابھی آیت ۳۵ میں گذرا۔ (۵) سجدًا: ادخلوا کی ضمیر فاعل سے حال ہے، اور معروف سجدہ مراد نہیں، بحالت سجدہ داخل ہونا ممکن نہیں، بلکہ جھکتے ہوئے، عاجزی کرتے ہوئے داخل ہونا مراد ہے، جیسے آدم علیہ السلام کے واقعہ میں سرینڈر کرنا مراد ہے۔ (۶) حطة: کے معنی میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک: اترنے کی ہیئت کا نام ہے، حَطّ سے مشتق ہے، جس کے معنی: بلندی سے اترنے کے ہیں (۷) بَدَّل کے دو مفعول ہوتے ہیں، اور دونوں حرف جر کے بغیر بھی آتے ہیں۔

ظَلَمُوْا	ظلم کیا	فَاَنْزَلْنَا	پس اتارا ہم نے	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
قَوْلًا (۱)	بات کو	عَلَى الَّذِيْنَ	ان پر جنھوں نے	بِمَا كَانُوْا	بایں وجہ کہ تھے وہ
غَيْرَ الَّذِىْ (۲)	اس کے علاوہ سے جو	ظَلَمُوْا	نقصان کیا	يَفْسُقُوْنَ	حد اطاعت سے نکل
قِيْلَ لَهُمْ	کہی گئی تھی ان سے	رِجْزًا	عذاب		جاتے

۷- بنی اسرائیل کے ستّر آدمیوں کو ایک واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد زندہ کیا

بنی اسرائیل صاحبزادے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے، انھوں نے ہر چند نافرمانیاں کیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ہر بار ان پر احسان کیا، ان کے گناہوں کو معاف کیا، اور اپنا فضل ان کے شاملِ حال کیا۔ آئندہ چند واقعات میں یہ بات واضح ہوگی۔

واقعہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے تورات لے کر آئے، قوم سے کہا: اللہ نے یہ کتاب عنایت فرمائی ہے، اس پر عمل کرو، قوم کے نالائقوں نے کہا: ہم کیسے یقین کریں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے! آپ چالیس دن غائب رہے، ہوسکتا ہے آپ خود تصنیف کر لائے ہوں! موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آؤ! اللہ پاک سے کہلوادوں، لوگوں نے ستر آدمی منتخب کئے، انھوں نے اللہ کا کلام سنا، مگر کہنے لگے: ہم نے آواز سنی، مگر کون بولا یہ ہم نے نہیں جانا، اللہ پاک ہمارے روبرو آکر فرمائیں تو ہم مانیں، اس گستاخی کی ان کو یہ سزا دی گئی کہ زور کی بجلی چمکی اور کڑاکا گرا، جس سے سب ہارٹ فیل ہوگئے اور بجلی ان کی آنکھیں کھلی تھیں اور گری!

اب موسیٰ علیہ السلام کو فکر لاحق ہوئی: قوم کہے گی: تم نے خود کسی طرح ان کو ہلاک کیا، چنانچہ دعا فرمائی اور اللہ نے سب کو مرے پیچھے زندہ کیا، یہ اللہ کا بنی اسرائیل پر احسان تھا۔

﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز آپ کی بات نہیں مانیں گے —— کہ جو کلام ہم نے سنا ہے وہ اللہ کا کلام ہے —— تا آنکہ ہم اللہ کو کھلی آنکھوں دیکھ لیں —— یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے روبرو آکر فرمائیں کہ میں نے موسیٰ کو تورات دی ہے —— پس کڑک نے تمھیں پکڑ لیا، اور تم دیکھتے رہ گئے! —— پھر ہم نے تم کو زندہ کر دیا تمہارے مرنے کے لئے بعد تا کہ تم شکر بجالاؤ!

(۱) قولاً: مفعول اول ہے (۲) غیر الذی: مفعول ثانی ہے۔

۸و۹—میدانِ تیہ میں بنی اسرائیل پر بادل نے سایہ کیا، اور کھانے کے لئے اللہ نے منّ وسلوی اتارا

بنی اسرائیل کو چالیس سال کے لئے میدانِ تیہ میں محصور کردیا گیا تھا، وہاں ان کے خیمے پھٹ گئے اور دھوپ کی تپش ستانے لگی، اور کھانے کے بھی لالے پڑ گئے، تو اللہ نے ان پر کرم فرمایا، دن بھر بادل ان پر سایہ فگن رہتا، اور کھانے کے لئے منّ وسلوی ملنے لگا، منّ: میٹھا شبنمی گوند تھا جو پتوں پر جم جاتا تھا، اور سلوی: بٹیریں (چھوٹے تیتر) پڑاؤ کے پاس جمع ہوجاتے، بنی اسرائیل حلوی کھاتے اور کباب کا لطف اٹھاتے، اللہ نے فرمایا: یہ لطیف ولذیذ غذا کھاؤ، مگر ضرورت سے زائد مت لو، یہ نعمتیں ہمیشہ تمہیں ملتی رہیں گی، مگر انھوں نے حرص سے ذخیرہ کیا تو گوشت سڑنے لگا، یہ انھوں نے اپنا نقصان کیا، پھر جب انھوں نے مسور، ککڑی اور لہسن پیاز مانگی تو یہ نعمتیں بند ہوگئیں، یہ انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

﴿ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا، اور ہم نے تم پر منّ وسلوی اتارا، کھاؤ اس پاکیزہ روزی میں سے جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی، اور انھوں ہے (حکم کی خلاف ورزی کرکے) ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، بلکہ انھوں نے اپنے پیروں پر تیشہ زنی کی!

۱۰—اسارت کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو ایک بستی میں جانے کی اجازت ملی

برطانیہ میں ہلکے قیدیوں کو سال میں ہفتہ دو ہفتہ کے لئے گھر جانے کی چھٹی ملتی ہے، بنی اسرائیل کو بھی میدانِ تیہ کی اسارت کے زمانہ میں جب وہ منّ وسلوی کھاتے کھاتے اوب گئے تو ایک شہر میں جانے کی اجازت ملی، تاکہ وہاں جو چاہیں آسودہ ہوکر کھائیں، مگر ساتھ ہی حکم دیا کہ بستی میں عاجزی سے سر جھکاتے ہوئے داخل ہونا اور منہ سے توبہ توبہ پکارنا، ہم تمہاری خطائیں معاف کریں گے، اور نیکوکاروں کو اور نوازیں گے، مگر وہ ناہنجار سینہ تان کر گیہوں گیہوں! پکارتے داخل ہوئے، اس کی سزا میں ان پر پلیگ مسلط کیا گیا، جس سے ایک دن میں ستر ہزار آدمی مر گئے!

﴿ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے کہا —— یعنی اجازت دی کہ —— اس بستی میں جاؤ، اور وہاں سے جو چاہو

آسودہ ہوکر کھاؤ، اور دروازے میں سر جھکا کر ـــــ عاجزی اور تواضع سے ـــــ داخل ہوؤ، اور کہو: خطا معاف فرما! ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے، اور نیکوکاروں کو مزید نوازیں گے۔

پس ظالموں نے بات کو (یعنی حطۃ کو) بدلا اس کے علاوہ سے جس کا حکم دیا گیا تھا ـــــ یعنی حطۃ کے بجائے حنطۃ کہا ـــــ پس ہم نے ان ظالموں پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب اتار دیا!

فائدہ: بنی اسرائیل جب سمندر پار اترے، اور وادی سینا میں پہنچے، تو حکم ملا کہ اپنے آبائی وطن بیت المقدس کو جہاد کرکے فتح کرو، اور وہاں جابسو، مگر وہ عمالقہ کا ڈیل ڈول دیکھ کر گھبرا گئے، اور جہاد کرنے سے صاف انکار کردیا، اس کی سزا ان کو یہ ملی کہ چالیس سال کے لئے اس صحراء میں محصور کردیئے گئے، یہ واقعہ اس اسارت کے زمانہ کا ہے، ابھی ان کو بیت المقدس جانا نصیب نہیں ہوا، وہ تو موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد طالوت کے زمانہ میں جائیں گے۔ اس اسارت کے زمانہ میں بادل ان پر سایہ کرتا تھا، اور کھانے کے لئے منّ و سلوی ملتا تھا، مگر حکم تھا کہ وہ ذخیرہ نہ کریں، اور کوئی دوسری غذا طلب نہ کریں، مگر انھوں نے ذخیرہ کرنا شروع کیا، پس گوشت سڑنے لگا، اور منّ و سلوی ملنا بند ہوگیا، یہ انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اور منّ و سلوی کی جگہ مسور اور لہسن پیاز مانگی تو وہ بھی ان کو اسی بستی میں ملی، اس کا ذکر ایک آیت کے بعد آرہا ہے، اس بستی کا نام علماء اریحا بتاتے ہیں۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۶۰

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	بِّعَصَاكَ	اپنی لاٹھی	قَدْ عَلِمَ	بالتحقیق جانی
اسْتَسْقٰى	پانی مانگا	الْحَجَرَ (۱)	فلاں پتھر پر	كُلُّ اُنَاسٍ	سب لوگوں نے
مُوْسٰى	موسیٰ نے	فَانْفَجَرَتْ	پس بہہ پڑے	مَّشْرَبَهُمْ	اپنی گھاٹ
لِقَوْمِهٖ	اپنی قوم کے لئے	مِنْهُ	اس سے	كُلُوْا وَاشْرَبُوْا	کھاؤ اور پیو
فَقُلْنَا	پس کہا ہم نے	اثْنَتَا عَشْرَةَ	بارہ	مِنْ رِّزْقِ	روزی سے
اضْرِبْ	مار	عَيْنًا	چشمے	اللّٰهِ	اللہ کی

(۱) الحجر: میں الف لام عہدی ہے، خاص پتھر مراد ہے۔

وَلَا تَعْثَوْا[1]	اور مت پھیلو	فِي الْأَرْضِ	زمین میں	مُفْسِدِيْنَ	فساد مچاتے

۱۱۔میدانِ تیہ میں بنی اسرائیل کے لئے ایک پتھر سے بارہ چشمے نکلے

یہ قصہ بھی وادی تیہ کا ہے، وہاں من وسلوی تو ملنے لگا، مگر پانی نہیں تھا، موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، حکم ملا کہ فلاں پتھر پر اپنی لاٹھی مارو، فوراً ہی بارہ چشمے پھوٹ نکلے، بنی اسرائیل کے بارہ خاندان تھے، سب نے ایک ایک چشمہ لے لیا، اور اللہ نے فرمایا: من وسلوی کھاؤ، اور چشموں کا پانی پیو، اور زمین میں اودھم مت مچاؤ، سکون سے رہو، جب آدمی شکم سیر اور سیراب ہوتا ہے تو شرارت سوجھتی ہے، اس لئے اس کی ممانعت کی۔

سوال: پتھر سے چشمے کیسے پھوٹے: پتھر میں پانی کہاں؟

جواب: اللہ کی قدرت! زمزم کے کنویں میں پتھر سے چشمہ بہتا ہے، اور اتنا پانی نکلتا ہے کہ ایک دنیا سیراب ہوتی ہے، حجر اسود کی طرف سے تیز دھارا آتا ہے، مشین برابر پانی کھینچتی ہے، مگر لیول نیچے نہیں اترتا۔

﴿ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا: فلاں پتھر پر اپنی لاٹھی مارو، پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، بالتحقیق سب لوگوں نے اپنی گھاٹ جان لی (اور ہم نے حکم دیا:) اللہ کی روزی میں سے کھاؤ اور پیو، اور زمین میں فساد مت مچاؤ!

واقعات کا رنگ وآہنگ بدلتا ہے!

اب تک بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات کا ذکر تھا، اُن میں سے بعض واقعات میں ان کی شوخی ظاہر ہوئی، مگر اس سے درگذر کیا گیا، اب ایسے واقعات ذکر فرماتے ہیں جو شرارت اور خباثت کے قبیل سے ہیں، ان میں بنی اسرائیل پر عتاب نازل ہوا، کیونکہ وہ سنگین معاملات تھے، جیسے:

۱۔جن لوگوں نے اللہ کی نعمتِ من وسلوی کو ٹھکرایا، اور موسیٰ علیہ السلام سے ترکاری، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز مانگی، ان پر ذلت ومحتاجی کا ٹھپہ نہیں لگے گا تو اور کیا ہوگا!

۲۔جنھوں نے اللہ کی کتاب تورات کو قبول کرنے سے انکار کیا، ان کے سروں پر پہاڑ کیوں معلق نہیں کیا جائے گا!

---

(۱) لاتعثوا: باب نصر اور سمع سے عَثَا يَعْثُوْا عُثُوًّا: کے معنی ہیں: حسّی فساد مچانا، اور باب سمع سے عَثِيَ عِثِيًّا کے معنی ہیں: معنوی فساد مچانا، یہاں دونوں مراد ہیں۔

۳- جنھوں نے یوم سبت کی بے حرمتی کی، اور حیلہ کر کے مچھلیاں پکڑیں، ان کو سور بندر کیوں نہیں بنایا جائے گا!

شوخی اور گستاخی سے درگذر کیا جاسکتا ہے، شرارت اور خباثت کو معاف نہیں کیا جاسکتا!

ایک واقعہ دارالعلوم دیوبند کے ایک سفیر تھے، حضرت مدنی رحمہ اللہ سے ان کا عقیدت کا تعلق تھا، وہ حضرت کے لئے گھی لائے اور ایک استاذ کے کمرے میں رکھا، سفیر صاحب ان کے پاس ٹھہرتے تھے، سردی کا زمانہ تھا، استاذ نے اساتذہ کی کھچڑی کی دعوت کردی اور وہ گھی کھلا دیا، جب حضرت مدنی سفر سے لوٹے تو سفیر صاحب نے شکایت کی، حضرت نے فرمایا: ”آپ گھی میرے لئے تو لائے تھے، میں نے اس کو مباح کر دیا“ وہ منہ تکتے رہ گئے۔

دوسرا واقعہ دارالعلوم دیوبند کے ایک استاذ مجرد تھے، دل بہلانے کے لئے مرغیاں بکریاں پالتے تھے، طلبہ نے ان کا بکرا ذبح کر کے اساتذہ کی دعوت کردی، بکرے کے مالک استاذ بھی دعوت میں تھے، جب بکرا نہیں ملا تو تحقیق ہوئی، معلوم ہوا کہ اسی بکرے کی طلبہ نے دعوت کی تھی، حضرت مدنی رحمہ اللہ ناظم تعلیمات اور صدر المدرسین تھے، استاذ نے ان کے یہاں طلبہ کی شکایت کی، حضرت نے طلبہ کو بلایا اور فرمایا: ”آپ حضرات نے ان کا بکرا بے اجازت ذبح کر کے کھالیا!“ طلبہ نے عرض کیا: ”حضرت! گھی بھی اسی طرح کھالیا گیا تھا!“ حضرت مسکرائے اور فرمایا: ”حساب برابر ہوگیا!“

تیسرا واقعہ: طلبہ نے رات میں اعلان کیا کہ فلاں طالب علم کا انتقال ہوگیا، صبح جنازہ تیار کر کے احاطہ مولسری میں لائے، جب امام نے دو تکبیریں کہہ لیں تو مردہ اٹھ بیٹھا، بھگدڑ مچ گئی، بہت لوگ زخمی ہوئے، اس واقعہ میں ساٹھ طالب علموں کا اخراج ہوا، کیونکہ یہ شوخی نہیں تھی، شرارت اور خباثت تھی، دین کے ساتھ مذاق تھا، اس سے درگذر نہیں کیا جاسکتا تھا۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّاۗىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۶۱ ع

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ	عَلٰى طَعَامٍ	کھانے پر
قُلْتُمْ	کہا تم نے	لَنْ نَّصْبِرَ	ہرگز صبر نہیں کریں گے ہم	وَّاحِدٍ	ایک طرح کے

فَادْعُ لَنَا	پس دعا کیجئے ہمارے لئے	الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی	اس چیز کو جو معمولی ہے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کے
رَبَّكَ	اپنے رب سے	بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ	اس چیز سے جو وہ بہتر ہے	ذٰلِكَ (۳)	یہ بات
یُخْرِجْ لَنَا	نکالیں وہ ہمارے لئے	اِهْبِطُوْا	اترو	بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ ہے کہ وہ
مِمَّا	اس میں سے جو	مِصْرًا	کسی شہر میں	كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ	انکار کیا کرتے تھے
تُنْۢبِتُ	اگاتی ہے (اُس کو)(۱)	فَاِنَّ	پس بے شک	بِاٰیٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی نشانیوں کا
الْاَرْضُ	زمین	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَیَقْتُلُوْنَ	اور خون کیا انھوں نے
مِنْۢ بَقْلِهَا (۲)	اس کی ترکاری سے	مَّا سَاَلْتُمْ	وہ ہے جو مانگا تم نے	النَّبِیّٖنَ	نبیوں کا
وَقِثَّآئِهَا	اور اس کی ککڑی سے	وَضُرِبَتْ	اور ماری گئی	بِغَیْرِ الْحَقِّ	ناحق
وَفُوْمِهَا	اور اس کے گیہوں سے	عَلَیْهِمُ	ان پر	ذٰلِكَ بِمَا (۴)	یہ بات بایں وجہ ہے کہ
وَعَدَسِهَا	اور اس کے مسور سے	الذِّلَّةُ	رسوائی	عَصَوْا	نافرمانی کی انھوں نے
وَبَصَلِهَا	اور اس کی پیاز سے	وَالْمَسْكَنَةُ	اور محتاجی (لاچاری)	وَّكَانُوْا	اور حد سے تجاوز کیا
قَالَ	کہا (موسیٰ نے)	وَبَآءُوْ	اور لوٹے وہ	یَعْتَدُوْنَ	کرتے تھے وہ
اَتَسْتَبْدِلُوْنَ	کیا بدل کر لینا چاہتے ہو تم	بِغَضَبٍ	غصہ کے ساتھ	۞	۞

۱- بنی اسرائیل نے منّ وسلوی کو ٹھکرایا تو ان پر رسوائی اور محتاجگی کا ٹھپہ لگ گیا!

اُس واقعہ میں، جس کا ذکر ابھی ایک آیت پہلے آیا ہے کہ بنی اسرائیل کو اسارت کے زمانہ میں اریحا نامی بستی میں جانے کی اجازت ملی، اس واقعہ میں انھوں نے منّ وسلوی کی نعمت کو بھی ٹھکرایا تھا، جب وہ میدانِ تیہ میں منّ وسلوی کھاتے کھاتے اکتا گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے زمین میں ترکاری، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز اگائیں، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: عرش سے فرش پر بیٹھنا چاہتے ہو! بہتر کے بدل کم تر کو لینا چاہتے ہو! پہنچ جاؤ اس شہر میں، وہاں تمہیں یہ چیزیں مل جائیں گی، مگر اس ناقدر شناسی کے نتیجہ میں ان پر ذلت ورسوائی اور محتاجی اور لاچاری کا ٹھپہ لگ گیا اور اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہوگئے۔

---

(۱) اُس کو: اسم موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف کا ترجمہ ہے (۲) مؤنث کی تمام ضمیریں الأرض کی طرف لوٹتی ہیں۔
(۳) ذلك: کا مشار الیہ غضبِ الٰہی ہے، ضمیر کے مرجع کی طرح اسم اشارہ کا مشار الیہ بھی اقرب ہوتا ہے (۴) دوبارہ ذلك بطور تفنّن لائے ہیں، اور یہ اللہ کی ناراضگی کی آخری وجہ ہے۔

اللہ کی ناراضگی میں تین اور باتوں کا بھی دخل تھا

منّ وسلوی کی نعمت کو ٹھکرانے کے علاوہ اللہ کی ناراضگی میں تین اور باتوں کا بھی دخل تھا:

ایک: اللہ کی آیتوں کا انکار! جب انھوں نے تورات کو قبول نہیں کیا تو پہاڑ کو ان پر اٹھانا پڑا۔

دوم: بے گناہ متعدد انبیاء کا قتل! یسیعا نبی کو، یرمیاہ نبی کو، زکریا اور یحیٰ علیہم السلام کو قتل کیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا، جس میں وہ ناکام ہوئے۔

سوم: دیگر معاملات میں بھی حکم الٰہی قبول کرنے میں چوں چرا کرتے تھے، گائے ذبح کرنے کے معاملہ میں انھوں نے بہت لیت ولعل کیا، اس طرح حد اطاعت سے نکلنے کی کوششیں کرتے تھے، بار بار جوا گردن سے اتار پھینکتے تھے — ان وجوہ سے اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہوئے۔

﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّاۗىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ ھُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ ھُوَ خَيْرٌ ۭ اِھْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں کرسکتے، پس آپ ہمارے لئے اپنے رب سے — ہمارے رب سے: نہیں کہا! — دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے وہ چیزیں پیدا کریں جو زمین اگایا کرتی ہے، یعنی ترکاری، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز، موسیٰ نے کہا: کیا تم بہتر غذا (منّ وسلوی) کو ان چیزوں سے بدلنا چاہتے ہو جو معمولی ہیں؟ کسی شہر میں پہنچ جاؤ، وہاں تمہیں وہ چیزیں مل جائیں گی جو تم نے مانگی ہیں، اور ان پر رسوائی اور بے کسی کا ٹھپہ لگا دیا گیا، اور ان پر اللہ پاک سخت ناراض ہوئے!

یہ سخت ناراضگی اس وجہ سے تھی کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ بات ان کے نافرمانی کرنے اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہوئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـــِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اِنَّ الَّذِيْنَ	بےشک جولوگ	بِاللّٰهِ	اللہ پر	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس
اٰمَنُوْا	مسلمان ہوئے	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور آخری دن پر	وَلَا خَوْفٌ	اور کوئی ڈرنہیں
وَالَّذِيْنَ هَادُوْا	اور جولوگ یہودی ہوئے	وَعَمِلَ	اور کیا اس نے	عَلَيْهِمْ	ان پر
وَالنَّصٰرٰى	اور عیسائی	صَالِحًا	نیک کام	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ
وَالصّٰبِـِٕيْنَ	اور صابی	فَلَهُمْ	تو ان کے لئے	يَحْزَنُوْنَ	غمگین ہونگے
مَنْ اٰمَنَ (۱)	جو ایمان لایا	اَجْرُهُمْ	ان کا بدلہ ہے	❁	❁

آسمانی کتابیں ماننے والوں کے فضائل ایمان وعمل صالح کی حد تک ہیں

یہ اہم آیت ہے، اس میں بنی اسرائیل کی اور ساتھ ہی مسلمانوں کی ایک غلط فہمی دور کی ہے، اس آیت کو کما حقہ سمجھنے کے لئے پہلے تین باتیں عرض ہیں:

۱- کچھ لوگوں نے اس آیت سے 'وحدتِ ادیان' پر استدلال کیا ہے، جو غلط ہے۔ وحدتِ ادیان کا مطلب ہے: آسمانی کتابیں ماننے والوں کا اگر اپنی ملت پر ایمان ہے اور اس کے مطابق عمل ہے تو وہ ناجی ہونگے، نبی ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں، یہ خیال دلیل نقلی اور عقلی سے باطل ہے:

دلیلِ نقلی: مسلم شریف میں حدیث ہے: والذی نفسُ محمدٍ بیدہ! لا یَسْمَعُ بِیْ أحدٌ من هذه الأمة: یهودیٌّ ولا نصرانیٌّ، ثم یموت ولم یؤمن بالذی أُرسلتُ به إلا کان من أصحاب النار: اس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! موجودہ لوگوں میں سے کوئی بھی، یہودی ہو یا عیسائی: میری اطلاع ملنے کے بعد مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہیں لایا وہ جہنمی ہوگا (مسلم شریف، کتاب الایمان، باب ۷۰ حدیث ۲۴۰)

دلیلِ عقلی: امت کا اجماع ہے کہ سابقہ ادیان منسوخ ہیں، پس منسوخ پر ایمان وعمل سے نجات کیسے ہوسکتی ہے؟ اب بھی اگر اس سے نجات ہو تو نسخ کا فائدہ کیا؟

۲- آیت میں مسلمانوں کے ساتھ جن تین ملتوں کا ذکر ہے وہ تینوں بنی اسرائیل اور اہل کتاب ہیں، یہود ونصاریٰ کو تو سب جانتے ہیں: صابی زبور پڑھتے تھے، پس وہ بھی بنی اسرائیل اور اہل کتاب تھے، اب وہ نہیں رہے، اس لئے ان کا معاملہ مخفی ہوگیا، مشرکین ایمان لانے والے کو صابی کہتے تھے: وہ اسی معنی میں استعمال کرتے تھے کہ یہ شخص مورتی پوجا چھوڑ کر آسمانی کتاب کو ماننے لگا۔

(۱) مَن: موصولہ، متضمن معنی شرط مبتدا، فلهم خبر، پھر جملہ إن کی خبر۔

۳-سورۃ الحج میں ایک آیت (نمبر ۱۷) اس آیت سے ملتی جلتی ہے، اس میں مجوسی اور مشرکین کا بھی ذکر ہے، مگر اس آیت کا موضوع الگ ہے، اس کا موضوع ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾: اللہ تعالیٰ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کریں گے کہ کون صحیح تھا اور کون غلط؟ ابھی تو سب خود کو حق پر بتلاتے ہیں، پس وہ آیت اس آیت سے مختلف ہے، اس سے اشتباہ نہ ہو۔

اب زیر تفسیر آیت: کو سمجھیں، گذشتہ آیت میں بنی اسرائیل پر اللہ کی سخت ناراضگی کا ذکر ہے، یہاں کوئی سوال کرسکتا ہے کہ بنی اسرائیل کو تو اللہ نے جہانوں (اقوامِ عالم) پر برتری بخشی ہے: پھر اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض کیسے ہوسکتے ہیں؟ اس کا جواب اس آیت میں ہے کہ آسمانی کتابیں ماننے والے، خواہ مسلمان ہوں یا یہودی، عیسائی اور صابی: ان کی فضیلت ایمانِ صحیح اور عملِ صالح کی حد تک ہے، جب تک ان کا اپنے نبی پر اور اس کے لائے ہوئے دین پر صحیح ایمان رہا، اور اس کے مطابق ان کا عمل بھی رہا: ان کو فضیلت حاصل رہی، پھر جب ان کا ایمان صحیح نہیں رہا یا عمل غلط ہوگیا یا وہ شریعت منسوخ ہوگئی تو اب ان کے لئے وہ فضیلت باقی نہیں رہی، اگر وہ اب بھی خیال کرتے ہیں کہ ان کی برتری نسلی ہے تو ان کا یہ خیال غلط ہے، اور یہ بات مسلمانوں کے لئے بھی ہے، وہ خیر امت ہیں، مگر ان کو یہ فضیلت ایمانِ صحیح اور عملِ صالح کی حد تک حاصل ہے، جو فرقے گمراہ ہوگئے اور جو مسلمان بدعمل ہوگئے، وہ ہرگز خیر امت نہیں، اور یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے (ان کا ارشاد حیات الصحابہ باب سوم میں ہے، اور رحمۃ اللہ الواسعہ ۲:۵۲ میں اس کی شرح ہے)

فائدہ: یہی بات مفسرینِ کرام نے: علی أھلِ زمانِھم کے ذریعہ سے سمجھائی ہے، ان کے زمانے کے لوگوں پر: یعنی جب تک ان کی شریعت باقی تھی، اور اس پر ان کا صحیح ایمان اور اس کے مطابق نیک عمل رہا وہ اقوام عالم پر چھائے رہے، نزولِ قرآن کے زمانہ کے اہل کتاب کے لئے یہ فضیلت نہیں، یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ جب تک ان کی اکثریت کا ایمان اور عمل صحیح رہا وہ دنیا پر چھائے رہے، اور جب ان میں گمراہی پھیلی اور اہل حق بھی بے عمل بلکہ بدعمل ہوگئے تو ان پر زوال آگیا۔

آیتِ کریمہ کا ترجمہ: —— بے شک جو لوگ (رسول اللہ ﷺ پر) ایمان لائے، اور جو لوگ یہودی ہوئے، اور عیسائی اور صابی (جو اپنے اپنے انبیاء پر ایمان لائے، ان میں سے) جو بھی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا (یعنی اپنے زمانہ میں) اور اس نے اچھے کام کئے تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس —— یعنی آخرت میں —— ان کا صلہ ہے، اور ان کو نہ (آگے کا) کوئی ڈر ہوگا، نہ وہ (مافات پر) غمگیں ہونگے!

سوال: آیت میں رسول پر ایمان کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ رسالت کا عقیدہ بھی تو بنیادی عقیدہ ہے!

جواب: سب ملتوں کے انبیاء الگ الگ ہیں، اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا، علاوہ ازیں: ایمان باللہ میں ایمان بالرسول بھی داخل ہے، اسی لئے فرمایا: من کان آخر کلامه: لا إلٰه إلا الله دخل الجنة: اس لا إلٰه إلا الله میں ایمان بالرسول بھی شامل ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	مَآ اٰتَيْنٰكُمْ	جو کتاب ہم نے تم کو دی	مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ	اس کے (لینے) کے بعد
اَخَذْنَا	لیا ہم نے	بِقُوَّةٍ	مضبوطی سے	فَلَوْلَا فَضْلُ	پس اگر نہ ہوتا فضل
مِيْثَاقَكُمْ	تم سے قول وقرار	وَّاذْكُرُوْا (۲)	اور یاد کرو	اللّٰهِ	اللہ کا
وَرَفَعْنَا	اور اٹھایا ہم نے	مَا فِيْهِ	جو کچھ اس میں ہے	عَلَيْكُمْ	تم پر
فَوْقَكُمُ	تمہارے اوپر	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	وَرَحْمَتُهٗ	اور اس کی مہربانی
الطُّوْرَ (۱)	طور کو	تَتَّقُوْنَ	متقی بنو	لَكُنْتُمْ	تو ضرور ہوتے تم
خُذُوْا	(کہا:) لو تم	ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ	پھر روگردانی کی تم نے	مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ	گھاٹا پانے والے

۲- قول وقرار کے بعد بنی اسرائیل نے تورات کو ٹھکرا دیا!

بنی اسرائیل جب وادی سینا میں پہنچے، اور فرعون کی غلامی سے آزاد ہوئے تو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہمارے لئے کوئی آسمانی کتاب لایئے، تاکہ ہم اس پر عمل کریں، یہ انھوں نے قول وقرار کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو تورات دی، اس کو قبول کرنے میں ٹال مٹول کیا، کہنے لگے: ہم کیسے یقین کریں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؟ جب ستر منتخب آدمیوں نے براہِ راست اللہ پاک سے سن لیا تو کہنے لگے: اس کے احکام سخت ہیں، ہمارے لئے ان پر عمل کرنا مشکل ہے! پس اللہ نے ان کا مرغا بنایا، کوہِ طور کا ایک حصہ ان پر معلّق کیا، اور کہا: لو، ورنہ سب دب مروگے، مرتے کیا نہ کرتے! لیا، مگر بعد میں اس پر عمل نہیں کیا، تاہم اللہ پاک نے ان کو کوئی سزا نہیں دی، رحم وکرم کا معاملہ فرمایا، ورنہ سب تباہ وبرباد ہوجاتے۔

(۱) الطور: میں الف لام عہدی ہے، بعض حصہ مراد ہے (۲) ذکر سے مراد عمل ہے، کیونکہ گذشتہ کتابوں کو حفظ نہیں کیا جاتا تھا۔

فائدہ: یہ واقعہ سورۃ الاعراف (آیت ۱۷۱) میں بھی آیا ہے، وہاں الفاظ ہیں: ﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ﴾: اور (یاد کرو) جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اٹھایا، گویا وہ سائبان ہے، اور انھوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرے گا —— رفع کے معنی ہیں: اٹھانا، اور نَتَق کے معنی ہیں: اٹھا کر ہلانا، جیسے نَتَقَ الشیئَ (ن،ض) نَتْقًا: کسی چیز کو پھینکنے کے لئے اٹھانا، اور نَتَقَ الوعاءَ کے معنی ہیں: برتن کو خالی کرنے کے لئے اٹھا کر جھاڑنا، جھٹکنا، محض ہلانا اور کپکپانا اس کے معنی نہیں۔

اور یہ قدرتِ خداوندی کی نشانی ہے، جیسے سمندر کا پھٹنا اور اس میں راستوں کا نکل آنا، اسی کا نام معجزہ ہے، اور معجزہ خرقِ عادت اور مالوف (مانوس) سے بعید ہوتا ہے، پس جس طرح دیگر قدرت کی نشانیوں کو سمجھتے ہیں اس کو بھی سمجھنا چاہئے۔

سوال: پہاڑ سروں پر اٹھا کر تورات منوانا اکراہ فی الدین ہے، جبکہ دین میں اکراہ نہیں!

جواب: اذان سنت ہے اور ختنہ کرانا بھی سنت ہے، مگر کسی علاقہ کے مسلمان ان کو ترک کریں تو جنگ کر کے ان کو ان کاموں پر مجبور کیا جائے گا، اور یہ اکراہ فی الدین نہیں، اسی طرح بچوں کا مدرسہ میں داخلہ لینا اختیاری ہے، مگر جو داخل ہوگیا، وہ اگر سبق یاد نہیں کرے گا تو سزا پائے گا، یہ اکراہ فی التعلیم نہیں، اسی طرح بنی اسرائیل مؤمن تھے، انھوں نے خود تورات مانگی تھی، اب اگر نہیں لیں گے تو مجبور کیا جائے گا، پس یہ اکراہ فی الدین نہیں، دین میں اکراہ: دین کو قبول کرنے پر مجبور کرنے کا نام ہے، یہ دین پر عمل کرانے میں سختی کرنا ہے جو جائز ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝۶۵ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۶۶

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	لَهُمْ	ان سے	لِمَا	ان لوگوں کے لئے جو
عَلِمْتُمُ	جان لیا تم نے	كُوْنُوْا	ہو جاؤ تم	بَيْنَ يَدَيْهَا	اس بستی کے سامنے تھے
الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے	قِرَدَةً	بندر	وَمَا	اور جو
اعْتَدَوْا	زیادتی کی	خٰسِـِٕيْنَ	ذلیل	خَلْفَهَا	ان کے پیچھے تھے
مِنْكُمْ	تم میں سے	فَجَعَلْنٰهَا	پس بنایا ہم نے اس	وَمَوْعِظَةً	اور نصیحت
فِي السَّبْتِ	سنیچر کے دن میں		واقعہ کو	لِّلْمُتَّقِيْنَ	ڈرنے والوں کے لئے
فَقُلْنَا	پس کہا ہم نے	نَكَالًا	عبرت	۞	۞

۳-سنیچر کی حرمت پامال کرنے والوں کو بندر بنادیا!

سنیچر کو عربی اور عبرانی میں 'سبت' کہتے ہیں، یہود کے لئے یہ دن عبادت کے لئے مقرر تھا، اس دن میں ان کے لئے معاشی سرگرمیاں ممنوع تھیں، کہتے ہیں: حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں سمندر کے کنارے پر یہودیوں کی ایک بستی تھی وہ لوگ ماہی گیر تھے، مچھلیاں پکڑنا اور بیچنا ان کا دھندا تھا، اللہ نے ان کو آزمایا، سورۃ الاعراف (آیت ۱۶۳) میں اس کا ذکر ہے، ہفتہ کے دن مچھلیوں کی کثرت ہوتی، سطح دریا پر تیرتیں، دوسرے دنوں میں غائب ہوجاتیں، ان لوگوں نے حیلہ کیا، حوض بنائے اور ان کو سمندر سے جوڑ دیا، جمعہ کو دہانا کھول دیتے، مچھلیاں حوض میں آجاتیں اور اتوار کو پکڑ لیتے، اللہ نے ان کو سزا دی، ان کی صورتیں مسخ ہوگئیں، اور ذلیل بندر بن گئے اور تین دن کے بعد مر گئے، یہ واقعہ معاصرین اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت کا سامان بن گیا، اور جن لوگوں نے ان کو اس حیلہ سے روکا تھا ان کے لئے یہ واقعہ نصیحت بن گیا۔

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کو تو بالیقین جانتے ہو جنھوں نے تم میں سے سنیچر کے دن میں حد سے تجاوز کیا، پس ہم نے ان کو (تکوینی) حکم دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ! —— پس ہم نے اس واقعہ کو ان کے معاصرین کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے سامانِ عبرت اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت بنایا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

ع ۸

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	قَالَ مُوْسٰى	کہا موسیٰ نے	لِقَوْمِهٖٓ	اپنی قوم سے

عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَّلَا بِكْرٌ	اور نہ ہی بیاہی (بچھڑی)	رَبَّكَ	اپنے رب سے
يَاْمُرُكُمْ	حکم دیتے ہیں تمہیں	عَوَانٌۢ	درمیانی	يُبَيِّنْ	صاف بیان کریں
اَنْ تَذْبَحُوْا	کہ ذبح کرو	بَيْنَ ذٰلِكَ	ان کے درمیان	لَّنَا	ہمارے لئے
بَقَرَةً (۱)	کوئی گائے	فَافْعَلُوْا	پس کرو	مَا هِيَ	وہ گائے کیسی ہے؟
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	مَا تُؤْمَرُوْنَ	جو حکم دیے گئے تم	اِنَّ الْبَقَرَ	بے شک گائیں
اَتَتَّخِذُنَا	کیا بناتے ہیں آپ ہمارا	قَالُوا	کہا انھوں نے	تَشٰبَهَ عَلَيْنَا	مشتبہ ہوگئی ہیں ہم پر
هُزُوًا	ٹھٹھا	ادْعُ لَنَا	دعا کیجئے ہمارے لئے	وَاِنَّآ اِنْ	اور بے شک ہم اگر
قَالَ	کہا	رَبَّكَ	اپنے رب سے	شَآءَ اللّٰهُ	اللہ نے چاہا
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ	اللہ کی پناہ لیتا ہوں میں	يُبَيِّنْ لَّنَا	صاف بتائیں وہ ہمیں	لَمُهْتَدُوْنَ	ضرور راہ پانے والے ہیں
اَنْ اَكُوْنَ	(اس سے) کہ ہوؤں میں	مَا لَوْنُهَا	اس کا رنگ کیسا ہے؟	قَالَ	کہا
مِنَ الْجٰهِلِيْنَ	نادانوں میں سے	قَالَ	کہا	اِنَّهٗ يَقُوْلُ	بیشک وہ فرماتے ہیں
قَالُوا	کہا انھوں نے	اِنَّهٗ يَقُوْلُ	بیشک وہ فرماتے ہیں	اِنَّهَا بَقَرَةٌ	بیشک وہ ایک گائے ہے
ادْعُ لَنَا	دعا کیجئے ہمارے لئے	اِنَّهَا بَقَرَةٌ	بیشک وہ ایک گائے ہے	لَّا ذَلُوْلٌ	نہ محنت کش
رَبَّكَ	اپنے رب سے	صَفْرَآءُ	پیلی	تُثِيْرُ	جوتتی ہو وہ
يُبَيِّنْ لَّنَا	صاف بتائیں ہمیں	فَاقِعٌ (۳)	کھلنے والا ہے	الْاَرْضَ	زمین کو
مَا هِيَ	وہ گائے کیسی ہے؟	لَّوْنُهَا	اس کا رنگ	وَلَا تَسْقِي	اور نہ سینچتی ہو
قَالَ	کہا	تَسُرُّ	خوش کرتی ہے	الْحَرْثَ	کھیتی کو
اِنَّهٗ يَقُوْلُ	بیشک وہ فرماتے ہیں	النّٰظِرِيْنَ	دیکھنے والوں کو	مُسَلَّمَةٌ	بے عیب ہو
اِنَّهَا بَقَرَةٌ	بیشک وہ ایک گائے ہے	قَالُوا	کہا انھوں نے	لَّا شِيَةَ فِيْهَا (۴)	کوئی دھبہ نہ ہو اس میں
لَّا فَارِضٌ (۲)	نہ بوڑھی	ادْعُ لَنَا	دعا کیجئے ہمارے لئے	قَالُوا الْـٰٔنَ	کہا انھوں نے: اب

(۱) بقرۃ: گائے بیل (نر اور مادہ دونوں کے لئے) حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے 'بیل' ترجمہ کیا ہے، عام مفسرین 'گائے' ترجمہ کرتے ہیں (۲) فَرُضَ (ک) الحیوانُ: جانور کا بوڑھا ہونا (۳) فَقَعَ اللونُ (ف): رنگ کا صاف چمکدار ہونا، اصفر کے لئے مستعمل ہے۔ (۴) الشیۃ: نشان، دھبا، پورے جسم کے رنگ کے برخلاف کوئی رنگ، مادّہ وَشْیٌ۔

جِئۡتَ	لائے آپ	فَذَبَحُوۡهَا	پس ذبح کیا انھوں نے	وَمَا كَادُوۡا	اور نہیں قریب تھے وہ
بِالۡحَقِّ	ٹھیک بات		اس کو	يَفۡعَلُوۡنَ	(کہ) کرتے وہ

۴- گائے ذبح کرنے میں ٹال مٹول کی تو گائے مہنگی پڑی!

بنی اسرائیل میں ایک قتل ہوا، بھائی نے یا بھتیجوں نے میراث کی لالچ میں چچا کو جنگل میں لے جا کر قتل کر دیا، پھر لگے مگرمچھ کے آنسو بہانے! اور موسیٰ علیہ السلام کے سر ہوگئے کہ قاتل بتایئے! موسیٰ علیہ السلام نے بہ حکم الٰہی بتایا کہ ایک گائے/ بیل ذبح کرو، ناچنا نہیں آنگن ٹیڑھا، کہنے لگے: آپ ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں! موسیٰ علیہ السلام نے کہا: توبہ توبہ! نہ یہ میری شان، نہ یہ میرا کام! پھر انھوں نے گائے کے اوصاف پوچھنے شروع کیے، موسیٰ علیہ السلام وحی سے بتلاتے رہے، مگر معاملہ تنگ ہوتا گیا، آخر میں ایسی گائے ذبح کرنی پڑی جس کی کھال بھر کر سونا دینا پڑا، حدیث میں ہے کہ اگر وہ کوئی بھی گائے ذبح کرتے تو کام چل جاتا، مگر انھوں نے بال کی کھال نکالی تو یہ سزا ملی!

آیاتِ پاک کا ترجمہ: اور (یہ واقعہ بھی یاد کرو:) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتے ہیں کہ کوئی گائے/ بیل ذبح کرو! —— لوگوں نے کہا: کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں؟ موسیٰ نے کہا: اللہ کی پناہ اس سے کہ میں نادانوں میں سے ہوؤں!

لوگوں نے کہا: آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمیں صاف بتائیں کہ وہ گائے کیسی ہو؟ موسیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا، دونوں کے درمیان کی عمر کی ہو، پس کرو تم جو حکم دیئے جاتے ہو!

لوگوں نے کہا: آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمیں صاف بتائیں کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ گائے پیلی ہو، اس کا رنگ کھلا ہوا ہو، وہ دیکھنے والوں کو بھلی لگتی ہو!

لوگوں نے کہا: آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمیں صاف بتائیں کہ وہ گائے کیسی ہو؟ کیونکہ گائیں ہمیں یکساں لگ رہی ہیں! اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور اس کو حاصل کر لیں گے! موسیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ گائے/ بیل محنت کش نہ ہو، نہ ہل میں جُتی ہو، نہ اس نے کوس کھینچا ہو، بے عیب ہو، اس میں کوئی داغ دھبا نہ ہو! لوگوں نے کہا: اب آپ نے ٹھیک بات بتائی، پس ان لوگوں نے گائے ذبح کی، اور وہ ذبح کرتے ہوئے نظر نہیں آرہے تھے!

سوال: گائے تو دودھ کا جانور ہے، وہ ہل کوس نہیں کھینچتی؟ جواب: پھر آپ 'بیل' ترجمہ کرلیں، بقرۃ: دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ اور یہاں مغربی یوپی میں بیل/ بھینسے کے ساتھ بھینس کو بھی ہل اور بوگی میں جوڑتے ہیں، ممکن ہے بنی اسرائیل بھی گائے سے یہ محنت لیتے ہوں۔

فائدہ: گائے اور سنہری گائے کا انتخاب غالباً اس لئے فرمایا گیا کہ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل سونے کی خود ساختہ گائے ہی کی پرستش میں مبتلا ہوگئے تھے تو ایسی ہی گائے ان کے ہاتھوں ذبح کرائی گئی تا کہ گائے کی تقدیس ہمیشہ کے لئے ان کے دل سے نکل جائے (آسان تفسیر از مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی)

بلا وجہ غیر ضروری کھوج میں پڑنا ٹھیک نہیں، جو بات جتنی سادہ ہو اس پر اتنی ہی سادگی سے عمل کر لینا چاہئے (آسان ترجمہ قرآن مولانا تقی عثمانی صاحب)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	مُخْرِجٌ	نکالنے والے تھے	كَذٰلِكَ	اس طرح
قَتَلْتُمْ	تم نے مار ڈالا	مَّا كُنْتُمْ	اس کو جو تم	يُحْيِ اللّٰهُ	زندہ کریں گے اللہ
نَفْسًا	ایک شخص کو	تَكْتُمُوْنَ	چھپا رہے تھے	الْمَوْتٰى	مُردوں کو
فَادّٰرَءْتُمْ (۱)	پس جھگڑنے لگے تم	فَقُلْنَا	پس حکم دیا ہم نے	وَيُرِيْكُمْ	اور دکھلاتے ہیں تم کو
فِيْهَا	اس (واقعہ) میں	اضْرِبُوْهُ	مارو مُردے کو	اٰيٰتِهٖ	اپنی (قدرت کی) نشانیاں
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	بِبَعْضِهَا	ایک پارہ سے	لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ	تا کہ تم سمجھو

۵- ناحق قتل کیا، پھر الزام ایک دوسرے پر ڈالنے لگے!

گذشتہ آیات میں حکم شرعی میں ٹال مٹول کی قباحت سمجھائی تھی، اب اسی واقعہ میں چوری اور سینہ زوری دکھلاتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں عامیل نامی ایک شخص کا قتل ہوا، اس کا الزام ایک دوسرے پر دھرنے لگے، ایک تو ناحق قتل سنگین جرم تھا، پھر بے گناہ کو پھنسانا اس سے بھی بڑا جرم ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں، اس لئے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا، جب اس کا ایک ٹکڑا مقتول کے بدن سے لگایا تو وہ زندہ ہوا اور قاتل کا نام بتایا، پھر مر گیا، یہ ایک نظیر تھی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مُردوں کو اسی طرح زندہ کریں گے، یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانی دکھائی، تا کہ لوگ بوجھیں! مادرِ

(۱) اِدّٰرَءَ اصل میں تَدَارَءَ تھا، تاء کو دال بنا کر ادغام کیا، پھر ابتدا بالسکون کی دشواری کی وجہ سے ہمزہ وصل لائے، تَدَارُءٌ کے اصل معنی ہیں: تدافع یعنی بات ایک دوسرے پر ڈالنا، جلالین میں اس کا ترجمہ تخاصم کیا ہے۔

رحم میں جب جسم تیار ہوتا ہے تو فرشتہ عالم ارواح سے روح لا کر جسم سے لگاتا ہے تو جسم زندہ ہوجاتا ہے، اسی طرح قیامت کے دن اجسام زمین سے نکلیں گے، پھر روحیں برزخ سے لوٹ کران اجسام کو چھوئیں گی تو ابدان زندہ ہوجائیں گے، گائے ذبح کرا کر اس کا ایک پارچہ میت سے لگا کر اس کو زندہ کر کے یہ حقیقت سمجھانی مقصود تھی، اور یہ بات پہلے بیان کی ہے کہ قرآنِ کریم کبھی ایک واقعہ کو دوحصوں میں تقسیم کرتا ہے، اور کبھی ان میں تقدیم وتاخیر کرتا ہے، تا کہ ایک واقعہ سے دوسبق حاصل ہوں، یہاں ایسا ہی کیا ہے، تفصیل بیان القرآن میں ہے۔

آیتِ کریمہ: اور (یادکرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا، پھر ایک دوسرے پر اس کو ڈالنے لگے، اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والے ہیں اس کو جس کو تم چھپارہے تھے، اس لئے ہم نے حکم دیا کہ میت کو گائے کا کچھ حصہ لگاؤ، اس طرح اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کریں گے، اور دکھلاتے ہیں وہ تمہیں اپنی نشانیاں تا کہ تم سمجھو!

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

ثُمَّ قَسَتْ	پھر سخت ہوگئے	وَاِنَّ	اور بے شک	مِنْهُ الْمَآءُ	اس سے پانی
قُلُوْبُكُمْ	تمہارے دل	مِنَ الْحِجَارَةِ	بعضے پتھر	وَاِنَّ مِنْهَا	اور بے شک بعضے پتھر
مِنْۢ بَعْدِ	بعد	لَمَا يَتَفَجَّرُ (۳)	یقیناً پھوٹتی ہے	لَمَا يَهْبِطُ	یقیناً گرجاتے ہیں
ذٰلِكَ (۱)	اس کے	مِنْهُ	اس سے	مِنْ خَشْيَةِ	ڈر سے
فَهِيَ	پس وہ (قلوب)	الْاَنْهٰرُ	نہریں	اللّٰهِ	اللہ کے
كَالْحِجَارَةِ	پتھر جیسے ہیں	وَاِنَّ مِنْهَا	اور بے شک بعض پتھر	وَمَا اللّٰهُ	اور نہیں ہیں اللہ
اَوْ اَشَدُّ (۲)	یا زیادہ	لَمَا يَشَّقَّقُ	یقیناً پھٹ جاتے ہیں	بِغَافِلٍ	بے خبر
قَسْوَةً	سخت	فَيَخْرُجُ	پس نکلتا ہے	عَمَّا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو

(۱) ذلك: کا مشار الیہ وہ چار باتیں ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں (۲) أشد قسوة: اسم تفضیل ہے (۳) لَمَا: میں لام ابتداء ہے، اس کا ترجمہ: البتہ، یقیناً ہے، اور ما: موصولہ بمعنی الذی ہے، اور منه: کی ضمیر کا مرجع ما ہے، اور إِنَّ کے اسم پر لام ابتدا آتا ہے جب اس کی خبر مقدم ہو۔

شرارتوں سے دل پتھر ہوجاتا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت!

گناہوں سے دل سیاہ ہوجاتا ہے، حدیث میں ہے: جب آدمی گناہ کرتا ہے تو دل پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو مٹ جاتا ہے، اور اگر دوبارہ گناہ کرتا ہے تو پہلے کے پاس دوسرا سیاہ نقطہ لگتا ہے، اس طرح آہستہ آہستہ دل سیاہ ہوجاتا ہے، اور وہ اوندھی صراحی کی طرح ہوجاتا ہے، پھر اس میں کوئی خیر کی بات نہیں ٹھہرتی!

اور خباثتوں اور شرارتوں سے دل سخت ہوجاتا ہے، پتھر جیسا بلکہ اس سے بھی سخت ہوجاتا ہے، اوپر بنی اسرائیل کی چار بے عنوانیوں کا ذکر آیا ہے، اس قسم کے واقعات سے ان کے دل سخت ہوگئے، پس ان سے امید کرنا کہ وہ قرآن پر اور حاملِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے: فضول ہے۔

سوال: پتھر تو سب سے زیادہ سخت ہے، اس سے آگے سختی کا کیا تصور ہے؟

جواب: لوہا فولاد پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں، کیونکہ پتھر تین طرح کے ہیں:

(الف) بعض پتھروں سے نہریں نکلتی ہیں، زمزم: حجر اسود کی طرف سے بہہ کر آرہا ہے، اور جنوبی افریقہ میں صابری چشمہ پتھر سے نکل کر گرتا ہے۔

(ب) بعض پتھروں سے پانی رِستا ہے، تھوڑا تھوڑا نکلتا ہے، پھر جمع ہوکر گنگا جمنا بہتی ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے جس پتھر پر لاٹھی ماری تھی اس سے بھی بارہ جگہ سے پانی نکلنے لگا تھا، تاکہ بارہ قبائل میں پانی لینے میں نزاع نہ ہو۔

(ج) بعض پتھروں سے اگرچہ پانی نہیں نکلتا، مگر وہ اللہ کے ڈر سے گر جاتے ہیں، اور ایسا سمجھنا کہ پتھر جماد ہیں، ان میں خشیت کہاں؟ درست نہیں، جب وہ تسبیح اور نماز پڑھ سکتے ہیں تو ڈریں گے کیوں نہیں؟ سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۴۴) میں ہے: ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ﴾: ہر چیز اللہ کی خوبیوں کے ساتھ پاکی بیان کرتی ہے، گو تم نہ سمجھو! اور سورۃ النور (آیت ۴۱) میں ہے: "سب نے بالیقین اپنی نماز اور اپنی تسبیح جان لی" ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴾: اور اللہ سے سچی بات کس کی ہوسکتی ہے؟ کسی کی نہیں!

مگر بنی اسرائیل کے دل ان کی خباثتوں اور شرارتوں کی وجہ سے پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہوگئے، وہ حق کے سامنے کسی طرح نہیں پسیجے! جس کے مظاہر آگے آرہے ہیں، اور اللہ کو ان کے سب کرتوت معلوم ہیں، وہ ان کے احوال سے بے خبر نہیں!

آیاتِ پاک: —— پھر اُس کے بعد —— یعنی شرارتوں پر شرارتیں کرتے رہے، جن کے نتیجے میں —— تمہارے دل سخت ہوگئے، پس وہ پتھر جیسے ہیں یا اور زیادہ سخت! —— اور بعضے پتھر بالیقین ان سے نہریں پھوٹتی ہیں، اور بعضے پتھر بالیقین پھٹ جاتے ہیں، پس ان سے پانی رِستا ہے، اور بعضے پتھر بالیقین اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں، اور اللہ

تعالیٰ ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو!

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾ وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾

ع ۹ / ۱۱ / ۹

أَفَتَطْمَعُونَ (۱)	کیا پس امید رکھتے ہو تم	كَلَامَ اللهِ	اللہ کا کلام	يَعْلَمُونَ	جانتے ہیں
أَنْ يُؤْمِنُوا	کہ مان لیں گے وہ	ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ	پھر ردّوبدل کرتے ہیں	وَإِذَا لَقُوا	اور جب ملتے ہیں وہ
لَكُمْ (۲)	تمہاری بات		وہ اس میں	الَّذِينَ آمَنُوا	ان لوگوں سے جو ایمان لائے
وَقَدْ كَانَ (۳)	جبکہ تھی	مِنْ بَعْدِ	بعد	قَالُوا	کہتے ہیں
فَرِيقٌ مِّنْهُمْ	ان کی ایک جماعت	مَا عَقَلُوهُ	اس کو سمجھنے کے	آمَنَّا	ہم ایمان لائے
يَسْمَعُونَ	سنتی ہے وہ	وَهُمْ	اور وہ	وَإِذَا خَلَا	اور جب تنہا ہوتے ہیں

(۱) أفتطمعون: استفہام انکاری ہے یعنی امید رکھنا فضول ہے، وہ مانیں گے نہیں (۲) آمن به اور آمن له میں فرق ہے، باء صلہ کے ساتھ معنی ہیں: کسی پر ایمان لانا، تصدیق کرنا اور لام کے ساتھ معنی ہیں: کسی کی بات ماننا، مثلاً: اللہ پر ایمان لانا، اور مسلمانوں کی بات ماننا کہ قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے، یعنی بلا واسطہ اور بالواسطہ کا فرق ہے (۳) جملہ حالیہ ہے

بَعْضُهُمْ	ان کے بعض	اِلَّآ اَمَانِيَّ (۲)	البتہ آرزوئیں ہیں	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے
اِلٰى بَعْضٍ	بعض کی طرف	وَاِنْ هُمْ	اور نہیں ہیں وہ	لَنْ تَمَسَّنَا	ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو
قَالُوْٓا	کہتے ہیں	اِلَّا يَظُنُّوْنَ	مگر اٹکل باندھتے	النَّارُ	آگ
اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ	کیا بیان کرتے ہو تم ان سے	فَوَيْلٌ	پس بڑی کم بختی ہے	اِلَّآ اَيَّامًا	مگر دن
بِمَا	وہ باتیں جو	لِّلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے جو	مَّعْدُوْدَةً	گنتی کے
فَتَحَ اللّٰهُ	کھولی ہیں اللہ نے	يَكْتُبُوْنَ	لکھتے ہیں	قُلْ	پوچھو
عَلَيْكُمْ	تم پر	الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب	اَتَّخَذْتُمْ	کیا بنایا ہے تم نے
لِيُحَآجُّوْكُمْ (۱)	نتیجۃً وہ حجت قائم کریں	بِاَيْدِيْهِمْ	اپنے ہاتھوں سے	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس
	گے تم پر	ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ	پھر کہتے ہیں	عَهْدًا	کوئی قول وقرار
بِهٖ	اس کے ذریعہ	هٰذَا	یہ	فَلَنْ	پس ہرگز
عِنْدَ رَبِّكُمْ	تمہارے رب کے پاس	مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس سے ہے	يُّخْلِفَ	خلاف نہیں کریں گے
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	کیا پس تم سمجھتے نہیں	لِيَشْتَرُوْا	تاکہ مول لیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ	کیا اور وہ لوگ نہیں جانتے	بِهٖ	اس کے ذریعہ	عَهْدَهٗ	اپنے قول وقرار کے
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	ثَمَنًا قَلِيْلًا	تھوڑی قیمت	اَمْ تَقُوْلُوْنَ	یا کہتے ہو تم
يَعْلَمُ	جانتے ہیں	فَوَيْلٌ	پس بڑی کم بختی ہے	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
مَا يُسِرُّوْنَ	جو چھپاتے ہیں وہ	لَّهُمْ	ان کے لئے	مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	جو جانتے نہیں
وَمَا يُعْلِنُوْنَ	اور جو ظاہر کرتے ہیں وہ	مِّمَّا كَتَبَتْ	اس سے جس کو وہ لکھتے ہیں	بَلٰى	کیوں نہیں!
وَمِنْهُمْ	اور ان میں سے بعضے	اَيْدِيْهِمْ	اپنے ہاتھوں سے	مَنْ كَسَبَ	جس نے کمائی
اُمِّيُّوْنَ	بے پڑھے ہیں	وَوَيْلٌ	اور بڑی کم بختی ہے	سَيِّئَةً (۳)	بڑی برائی
لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے وہ	لَّهُمْ	ان کے لئے	وَّاَحَاطَتْ بِهٖ	اور گھیر لیا اس کو
الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب کو	مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ	اس سے جو وہ کماتے ہیں	خَطِيْٓـئَتُهٗ	اس کی غلطیوں نے

(۱) لام عاقبت ہے (۲) أماني: أُمنية کی جمع: آرزو، اور استثناء منقطع ہے (۳) سيئة کی تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی بڑی برائی یعنی شرک وکفر۔

فَاُولٰٓئِكَ	پس یہی لوگ	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	باغ والے ہیں
هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں
خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں

یہود کی قساوتِ قلبی کے مظاہر

اوپر یہ مضمون آیا ہے کہ یہود کے دل پتھر ہوگئے ہیں، اب اس کے مظاہر (نظر آنے والی صورتیں) بیان فرماتے ہیں:

۱- یہود قرآنِ کریم کو اللہ کا کلام نہیں مانتے!

نبی ﷺ نے اور مسلمانوں نے یہود سے کہا: قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے، اس کو مانو: وہ یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں، اور امید بھی نہیں! اللہ پاک فرماتے ہیں: وہ تمہاری یہ بات کیسے مان لیں گے، ان کی ایک جماعت نے تو اللہ کا کلام براہِ راست سنا تھا، پھر جانتے بوجھتے اس میں تحریف کی، وہ تمہاری بات کیسے مانیں گے؟ ان کے دل سخت پتھر ہوگئے ہیں!

تفصیل: جب موسیٰ علیہ السلام تورات لائے، اور قوم سے کہا: یہ اللہ کی کتاب ہے، اس کو مانو، تو انھوں نے اس میں: میکھ نکالی، کہنے لگے: ہمیں کیسے یقین آئے کہ یہ کتاب: اللہ کی ہے، آپ خود نہیں لکھ لائے! موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آؤ، اللہ تعالیٰ سے کہلوادوں! انھوں نے ستّر آدمی منتخب کئے، جنھوں نے طور پر اللہ کا کلام سنا، مگر قوم سے آکر بات نقل کی تو اس میں اضافہ کیا: ''جتنا کرسکو ان احکام پر عمل کرنا، ورنہ میں معاف کردوں گا'' —— یہ موجودہ یہود کے اسلاف کا عمل ہے، ان کے یہ اخلاف بھی تو انہی کی روش پر چلیں گے، نبی ﷺ نے اللہ کا کلام سنا، پھر آپؐ نے صحابہ کو بتایا، اب صحابہ ان کو بتاتے ہیں تو وہ یہ واسطہ در واسطہ والی بات کیسے مان لیں گے، انھوں نے تو بلا واسطہ سنی ہوئی بات نہیں مانی تھی، اس میں ہیرا پھیری کردی تھی۔

﴿ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا پس تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے —— کہ قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے —— جبکہ ان کی ایک جماعت نے اللہ کلام سنا، پھر اس میں سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر ردوبدل کردیا!

فائدہ: تورات وانجیل اللہ کی کتابیں ہیں، اللہ کا کلام نہیں، اللہ کا کلام صرف قرآنِ کریم ہے، اسی وجہ سے قرآنِ کریم

میں جہاں تورات وانجیل کا ذکر ہے وہاں ان کو 'کتاب اللہ' کہا ہے، کلام اللہ نہیں کہا، اور اس آیت میں کلام اللہ سے ستر آدمیوں نے جو کلام سنا تھا وہ مراد ہے ﴿ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ﴾ اس کا واضح قرینہ ہے، اور یہ بات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے براہین قاسمیہ ص ۱۱۵ میں اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے قرآنِ کریم کے حواشی میں بیان فرمائی ہے، اور جن حضرات نے ان کو اللہ کا کلام کہا ہے وہ مجازاً کہا ہے، کیونکہ وہ اللہ کی کتابیں تو ہیں!

۲- تورات میں نبی ﷺ کی جو صفات ہیں یہود ان کے اظہار کے روادار نہیں!

مدینہ میں منافقین کی بڑی تعداد تھی اور ان میں سے اکثر یہودی تھے، جب وہ مسلمانوں سے ملتے تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے، اور اپنی اعتباریت بڑھانے کے لئے بعض منافقین نبی ﷺ کی جو صفات تورات میں آئی ہیں مسلمانوں سے بیان کرتے، پھر جب منافقین تنہائی میں ملتے تو ان کے کٹّر: کمزوروں کو ڈانٹتے کہ تم مسلمانوں کو وہ باتیں کیوں بتلاتے ہو جو اللہ نے تم پر تورات میں کھولی ہیں، وہ قیامت کے دن تمہارے خلاف ان باتوں سے حجت قائم کریں گے کہ تم نبی آخر الزماں کو پہچانتے تھے، پھر بھی دل سے ایمان نہیں لائے تھے، پس تم کیا جواب دوگے؟ خدارا ایسامت کرو! یہ ڈانٹنے والوں کی قساوتِ قلبی ہے کہ جو باتیں اللہ نے ظاہر کرنے کے لئے اتاری ہیں وہ ان کے اظہار کے روادار نہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: کیا وہ لوگ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں، جو وہ چھپاتے ہیں اس کو بھی اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں اس کو بھی؟ منافقین تورات میں بیان کئے ہوئے سارے اوصاف بیان نہیں کرتے تھے، بعض بیان کرتے تھے اور بعض چھپاتے تھے، اللہ کو وہ سب معلوم ہیں، اللہ وہ اوصاف بھی مسلمانوں پر کھول دیں گے، اور تمہاری اخفاء کی کوشش کی سزا تم کو قیامت میں ملے گی۔

﴿ وَإِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا أَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ أَوَلَا يَعْلَمُوْنَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب وہ (منافق یہودی) مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: "ہم ایمان لائے" اور جب وہ تنہائی میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: "کیا تم مسلمانوں سے وہ باتیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ان باتوں سے قیامت کے دن تم پر حجت قائم کریں گے، کیا پس تم سمجھتے نہیں!" اللہ تعالیٰ اُن ڈانٹنے والوں کو ڈانٹتے ہیں: —— کیا وہ لوگ یہ بات نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو باتیں وہ چھپاتے ہیں اور جو باتیں وہ ظاہر کرتے ہیں۔

۳-عام یہودی جھوٹی آرزوؤں کا سہارا لئے ہوئے ہیں

ہر ملت کی اکثریت عوام پر مشتمل ہوتی ہے، اور عام لوگ دین سے ناواقف ہوتے ہیں، وہ دینی کتابیں براہِ راست نہیں پڑھ سکتے، بڑوں کی باتوں پر تکیہ کرتے ہیں، اور جب کسی ملت پر لمبا زمانہ بیت جاتا ہے تو بڑے بگڑ جاتے ہیں، وہ لوگوں کو غلط سلط باتیں بتاتے ہیں، وہی عوام کا دینی سرمایہ ہوتا ہے، اہل کتاب (یہود ونصاری) کے علماء بھی بگڑ گئے تھے، جیسا کہ اگلے عنوان کے تحت آرہا ہے، انھوں نے اپنے عوام کو بہت سی غلط باتیں پکڑا دی تھیں، مثلاً:

۱-انھوں نے اپنے عوام کو بتایا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا دین آخری دین ہے، اور تورات اللہ کی آخری کتاب ہے، وہ کبھی منسوخ نہیں ہوگی، آج بھی یہود یہی بات پکڑے ہوئے ہیں۔

۲-انھوں نے اپنے عوام کو بتایا تھا کہ کوئی یہودی جہنم میں نہیں جائے گا، کیونکہ وہ اللہ کے بیٹے، محبوب اور چہیتے ہیں، اس لئے ہر یہودی دوزخ سے بے خوف ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۳-عیسائیوں نے فدیہ کا عقیدہ چلایا ہے، وہ کہتے ہیں: اللہ کے بیٹے پھانسی پاکر عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، اس لئے وہ مطمئن ہیں: جو چاہیں کریں، وہ بخشے بخشائے ہیں۔

یہی جھوٹی باتیں اہل کتاب کے اَن پڑھوں کا سرمایہ ہیں، وہ ان پر تکیہ کئے ہوئے ہیں، ان کو صحیح بات بتائی جائے تو وہ کسی قیمت پر ماننے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ ان کے دل پتھر ہوگئے ہیں۔

﴿ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان میں سے ــــ یعنی اہل کتاب یہود ونصاری میں سے ــــ بعضے اَن پڑھ ہیں، وہ اللہ کی کتاب کو نہیں جانتے ــــ یعنی خود اللہ کی کتاب نہیں پڑھ سکتے، ان کے علماء جو بتا دیتے ہیں اس کو پکڑ لیتے ہیں ــــ البتہ کچھ آرزوئیں ہیں ــــ جو انھوں نے باندھ رکھی ہیں ــــ اور وہ بس اٹکل اڑا رہے ہیں ــــ یعنی وہ جھوٹی آرزوئیں ہیں، کبھی پوری نہیں ہونگی۔

۴-اہل کتاب کے علماء اللہ کی کتابوں میں تبدیلی کرتے ہیں، پھر اس سے دنیا کماتے ہیں

پہلے کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں، چھپتی نہیں تھیں، ہر شخص اپنا نسخہ تیار کرتا تھا، یہود ونصاری کے علماء اللہ کی کتابوں (تورات وانجیل) کا نسخہ تیار کرتے ہیں تو من مانی کرتے ہیں، عبارت میں حذف واضافہ یا تبدیلی کرتے ہیں، پھر اس کے مطابق رشوت لے کر فتوی دیتے ہیں، یہ حرکت وہی عالم کرتا ہے جس کا دل پتھر ہوگیا ہو، ایسے علماء کے لئے ڈبل سزا

ہے: ایک: اللہ کی کتاب میں تبدیلی کرنے کی وجہ سے، دوسری: رشوت کھانے کی وجہ سے۔

﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۚ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۚ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝۷۹ ﴾

ترجمہ: پس بڑی تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں ـــــ یعنی اپنا تورات کا نسخہ خود تیار کرتے ہیں، اور اس میں تحریف کرتے ہیں ـــــ پھر کہتے ہیں: یہ (محرّف عبارت) اللہ کے پاس سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ تھوڑی پونجی کمائیں ـــــ یعنی اس محرف عبارت کے مطابق رشوت لے کر فتوی دیتے ہیں ـــــ پس بڑی تباہی ہے ان کے لئے اس سے جو ان کے ہاتھ لکھتے ہیں ـــــ یعنی تحریف کرنے کی وجہ سے ـــــ اور بڑی تباہی ہے ان کے لئے اس سے جو وہ کماتے ہیں ـــــ یعنی گناہ ڈبل ہوگیا، اس لئے ڈبل تباہی ہے۔

۵- یہود و نصاری دوزخ کے عذاب سے نڈر ہوگئے ہیں

اللہ کے نیک بندے ہمیشہ دوزخ کے عذاب سے ڈرتے ہیں: ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝۲۷ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝۲۸ ﴾: نمازی بندے اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک ان کے رب کے عذاب سے کسی کو نڈر نہ ہونا چاہئے [المعارج ۲۷و۲۸]

مگر یہود کہتے ہیں: ہمیں دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں! اور اگر ہمیں دوزخ میں جانا پڑا تو گنتی کے چند دن دوزخ میں رہیں گے، جتنے دن ہمارے اسلاف نے بچھڑے کو پوجا ہے، پھر ہمارے بڑے ہمیں چھڑالیں گے اور عیسائی کہتے ہیں: اللہ کے بیٹے ہمارے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، اس لئے اب ہم جو کچھ کریں کوئی فکر نہیں۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: ان سے پوچھو: کیا تمہارا اللہ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ ضرور پورا کریں گے، یا تم بس یونہی بے پر کی اڑاتے ہو؟ ـــــ ظاہر ہے اللہ کے ساتھ ان کا کوئی معاہدہ نہیں، وہ محض گپ اڑاتے ہیں، ان کے دل سخت ہوگئے ہیں، اور وہ خود فریبی میں مبتلا ہیں۔

﴿ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے کہا: ہمیں ہرگز دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی، مگر گنتی کے چند دن! ـــــ پوچھو: کیا تم نے اللہ سے کوئی ایسا قول وقرار کرلیا ہے کہ اللہ اپنے قول وقرار کے خلاف ہرگز نہیں کریں گے یا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم جانتے نہیں؟ ـــــ یعنی اللہ کی طرف بے سند بات منسوب کرتے ہو!

جزاوسزا کا قاعدہ

یہود کی بات غلط ہے کہ وہ چندون ہی دوزخ میں رہیں گے، بلکہ وہ ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہیں گے، کیونکہ جزاوسزا کا ضابطہ یہ ہے کہ جس نے عظیم ترین گناہ (کفروشرک) کا ارتکاب کیا، اور ساتھ ہی دوسرے گناہ بھی کئے، جنھوں نے اس کو ہر طرف سے گھیر لیا وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہے گا، اور جولوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے، وہ ہمیشہ رہنے کے باغات میں عیش کریں گے۔

جاننا چاہئے کہ ﴿ سَيِّئَةً ﴾ کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، یعنی بہت بڑا گناہ کمایا، کفروشرک کا ارتکاب کیا، اور ساتھ ہی دوسرے گناہ بھی کئے، ان کو بھی کفروشرک کے ساتھ ملایا جائے گا، ان کی سزا بھی ان کو تا ابد بھگتنی ہوگی، اسی طرح جنت ایمان کا بدلہ ہے، اور ساتھ ہی جو نیک کام کئے ہیں، ان کو بھی ایمان کے ساتھ ملایا جائے گا، ان کا بدلہ بھی جنت میں ابد تک کے لئے ملے گا۔

﴿ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۤـئَتُهٗ فَاُولٰۤىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۤىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کیوں نہیں! ــــ یعنی ہمیشہ جہنم میں رہنا کیوں نہیں ہوگا؟ جزاوسزا کا ضابطہ سنو: ــــ جس نے بڑے گناہ (کفروشرک) کا ارتکاب کیا، اور اس کو اس کے گناہوں نے گھیر لیا تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ــــ اور جولوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے وہی لوگ باغ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے!

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل سے	وَبِالْوَالِدَيْنِ	اور (سلوک کرو) ماں
اَخَذْنَا	لیا ہم نے	لَا تَعْبُدُوْنَ (۱)	نہیں عبادت کرتے تم		باپ کے ساتھ
مِيْثَاقَ	قول وقرار	اِلَّا اللّٰهَ	مگر اللہ کی	اِحْسَانًا (۲)	اچھا سلوک کرنا

(۱) لاتعبدون: میں التفات ہے، مضارع منفی بمعنی فعل نہی ہے، أی لا تعبدوا: عبادت مت کرو (۲) عامل محذوف ہے أی أَحْسِنُوْا، اور إحسانا: مفعول مطلق ہے۔

وَذِي الْقُرْبٰى	اور کنبہ والوں کے ساتھ	حُسْنًا	اچھی بات	ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ	پھر روگردانی کی تم نے
وَالْيَتٰمٰى	اور یتیموں کے ساتھ	وَّاَقِيْمُوا	اور قائم کرو	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑوں نے
وَالْمَسٰكِيْنِ	اور محتاجوں کے ساتھ	الصَّلٰوةَ	نماز	مِّنْكُمْ	تم میں سے
وَقُوْلُوْا	اور کہو تم	وَاٰتُوا	اور دو	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم
لِلنَّاسِ	لوگوں سے	الزَّكٰوةَ	زکات	مُّعْرِضُوْنَ	روگردانی کرنے والے ہو

یہود کی دوسری برائیاں

یہود کی قساوتِ قلبی کے مظاہر بیان کر کے اب ان کے اسلاف کی دوسری برائیاں بیان فرماتے ہیں، اِن سے اخلاف کو یہ بتانا ہے کہ تمہارے اسلاف کا یہ حال تھا پس تمہارا حال ان سے مختلف کیسے ہوسکتا ہے؟

۱۔قول وقرار کر کے پھر جانا بنی اسرائیل کا شیوہ ہے!

جب موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی تو بنی اسرائیل سے اس پر عمل کرنے کا عہد لیا، پہلے تو انھوں نے قبول کرنے سے انکار کیا، مگر جب ان کے سروں پر پہاڑ لٹکایا تو قبول کئے بغیر چارہ نہ رہا، مگر بہت جلد کتّے کی دم ٹیڑھی ہوگئی، معدودے چند کے علاوہ بنی اسرائیل قول وقرار سے پھر گئے، اور تورات کے احکام پر عمل چھوڑ دیا، تورات میں ان کو پانچ اہم احکام دیئے گئے تھے: (۱) صرف اللہ کی عبادت کریں یعنی کسی اور کی نہ عبادت کریں نہ اس کو عبادت میں شریک کریں (۲) ماں باپ کے ساتھ اور کنبہ والوں کے ساتھ، اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ حسنِ سلوک کریں (۳) لوگوں سے سلیقہ سے بات کریں، اکھڑ پنے سے خطاب نہ کریں (۴) نماز کا اہتمام کریں (۵) زکات ادا کریں —— مگر معدودے چند کے علاوہ عام یہودیوں نے ان احکام پر عمل چھوڑ دیا، کیونکہ وعدے سے پھر جانا ان کا شیوہ ہے!

آیتِ پاک: —— اور (یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے قول وقرار لیا (اور تورات میں احکام دیئے کہ) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور غریبوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، اور لوگوں سے بھلے انداز سے بات کرو، اور نماز کا اہتمام کرو، اور زکات ادا کرو —— پھر تم نے روگردانی کی —— اور ان احکام پر عمل نہیں کیا —— اور تم تو ہو ہی وعدہ سے پھرنے والے لوگ!

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاۗءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ

وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝۸۴ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْھُمْ وَھُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۸۵ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۸۶

ع ۱۰

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	تَشْهَدُوْنَ (۱)	گواہی دے رہے تھے	عَلَيْهِمْ	ان پر
اَخَذْنَا	لیا ہم نے	ثُمَّ اَنْتُمْ	پھر تم	بِالْاِثْمِ (۴)	گناہ سے
مِيْثَاقَكُمْ	تم سے قول وقرار	هٰٓؤُلَاۗءِ (۲)	اے لوگو!	وَالْعُدْوَانِ	اور زیادتی سے
لَا تَسْفِكُوْنَ	نہیں بہاؤ گے تم	تَقْتُلُوْنَ	قتل کرتے ہو	وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ	اور اگر آتے ہیں وہ
دِمَاۗءَكُمْ	اپنے خونوں کو	اَنْفُسَكُمْ	اپنے لوگوں کو		تمہارے پاس
وَلَا تُخْرِجُوْنَ	اور نہیں نکالو گے تم	وَتُخْرِجُوْنَ	اور نکالتے ہو	اُسٰرٰى (۵)	قیدی بن کر
اَنْفُسَكُمْ	اپنے لوگوں کو	فَرِيْقًا	ایک جماعت کو	تُفٰدُوْھُمْ (۶)	فدیہ سے چھوڑتے
مِّنْ دِيَارِكُمْ	تمہارے گھروں سے	مِّنْكُمْ	تم میں سے		چھڑاتے ہو ان کو
ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ	پھر اقرار کیا تم نے	مِّنْ دِيَارِهِمْ	ان کے گھروں سے	وَھُوَ مُحَرَّمٌ (۷)	حالانکہ حرام کیا گیا ہے
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	تَظٰهَرُوْنَ (۳)	ہلہ بولتے ہو تم	عَلَيْكُمْ	تم پر

(۱) شہادت میں قسم کے معنی ہوتے ہیں (۲) ھٰؤلاء: منادی ہے، حرفِ ندا محذوف ہے، پھر حرفِ ندا اور منادی مل کر جملہ معترضہ ہے، اور أنتم: مبتدا اور تقتلون خبر ہے (۳) تظاھرون: میں ایک تاء محذوف ہے، اور باب تفاعل میں اشتراک کا خاصہ ہے (۴) بالإثم: میں باء سببیہ ہے (۵) أساریٰ: أسیر کی جمع، حال ہے (۶) تُفادوا: باب مفاعلہ میں بھی اشتراک کا خاصہ ہے، مُفاداۃ: چھوڑنا، چھڑانا۔ (۷) ھو: ضمیر شان ہے۔

اِخْرَاجُهُمْ	ان کا نکالنا	اِلَّا خِزْيٌ	سوائے رسوائی کے	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ
اَفَتُؤْمِنُوْنَ	کیا پس مانتے ہوتم	فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی میں	الَّذِيْنَ	وہ ہیں جو
بِبَعْضِ	کچھ	وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اور قیامت کے دن	اشْتَرَوُا	خریدتے ہیں
الْكِتٰبِ	کتاب کو	يُرَدُّوْنَ	لوٹائے جائیں گے وہ	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی کو
وَتَكْفُرُوْنَ	اور انکار کرتے ہوتم	اِلٰٓى اَشَدِّ	سخت عذاب کی طرف	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کے بدل
بِبَعْضٍ	کچھ کا	الْعَذَابِ		فَلَا يُخَفَّفُ	پس نہیں ہلکا کیا جائے گا
فَمَا جَزَآءُ	پس کیا سزا ہے	وَمَا اللّٰهُ	اور نہیں ہیں اللہ	عَنْهُمُ	ان سے
مَنْ يَّفْعَلُ	اس کی جو کرے	بِغَافِلٍ	بے خبر	الْعَذَابُ	عذاب
ذٰلِكَ	یہ کام	عَمَّا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ
مِنْكُمْ	تم میں سے		کرتے ہوتم	يُنْصَرُوْنَ	مدد کئے جائیں گے

۲- بنی اسرائیل نے تورات کے حصے بخرے کئے!

بنی اسرائیل کی برائیوں کا بیان ہے، جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی تو بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ وہ تورات کے سارے احکام پر عمل کریں گے، اور انھوں نے نہایت پختگی سے اس کا اقرار کیا، مگر بعد میں انھوں نے تورات کے احکام کے حصے بخرے کئے، بعض احکام پر عمل کیا اور بعض کو چھوڑ دیا۔

تورات میں ان کو تین احکام ایک ساتھ دیئے گئے تھے: (۱) ایک دوسرے کو قتل نہ کریں یعنی باہم نہ لڑیں (۲) ایک دوسرے کو بے خانماں نہ کریں یعنی جلاوطن نہ کریں (۳) کوئی اسرائیلی دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہوجائے تو اس کو فدیہ (بدلہ) دے کر چھڑالیں۔

مگر یہود باہم خوب لڑتے تھے: ﴿ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ﴾: ان کی لڑائی آپس میں سخت ہوتی ہے [الحشر] ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے اور گھروں سے نکالتے تھے، یعنی دو حکموں پر عمل نہیں کرتے تھے، مگر باہمی جنگ میں جو پکڑا جاتا اس کو فدیہ دے کر چھڑاتے تھے اور چھوڑتے بھی تھے، یعنی اس حکم پر ضرور عمل کرتے تھے، اور کہتے تھے: لڑنا اور قتل کرنا اور بے گھر کرنا تو مجبوری ہے، دشمن کو زیر تو کرنا ہوگا، اور اپنے قیدیوں کو چھڑانا اور چھوڑنا تورات کا حکم ہے، اس پر عمل کرنا ضروری ہے، یہ انھوں نے تورات کے احکام کے حصے بخرے کئے، اس کی دنیوی اور اخروی سزا بیان کرتے ہیں۔

تنبیہ: انصار کے قبائل اوس وخزرج اور یہود کے قبائل بنونضیر اور بنوقریظہ کے باہمی تعلقات اور ان کی باہمی جنگوں کو ان آیات کی تفسیر میں زیر بحث لانا ضروری نہیں، اس سے تفسیر پیچیدہ ہوجاتی ہے، یہ تو عام بات ہے، جب بھی یہود باہم لڑتے ہیں تو یہ صورت ہوتی ہے، دو حکموں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور ایک حکم پر عمل کرتے ہیں۔

آیاتِ پاک مع تفسیر: —— اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے قول وقرار لیا —— یہ قول وقرار اس وقت لیا تھا جب موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی تھی، پس یہ تمہید لوٹائی ہے —— تم اپنے لوگوں کا خون نہیں بہاؤگے —— یعنی اسرائیلی: اسرائیلی کو قتل نہیں کرے گا، بنی اسرائیل باہم نہیں لڑیں گے —— اور اپنے لوگوں کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالوگے —— یعنی ان کو بے خانماں نہیں کروگے —— پس تم نے اقرار کیا، گویا تم قسمیں کھا رہے تھے —— یہ قول وقرار کا تتمہ ہے، یعنی تم نے اللہ کے ساتھ مضبوط عہد باندھا تھا —— پھر تم —— اے لوگو! —— اپنے آدمیوں کو قتل کرتے ہو، اور اپنے کچھ لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو، گناہ اور زیادتی سے ایک دوسرے پر ہلّہ بولتے ہو —— یعنی دو حکموں پر عمل نہیں کرتے!

اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی بن کر آتے ہیں تو فدیہ لے دے کر چھوڑتے چھڑاتے ہو —— یعنی ایک حکم پر عمل کرتے ہو —— حالانکہ ان کا نکالنا —— اور ان کو قتل کرنا بدرجۂ اولیٰ —— تم پر حرام کیا گیا ہے، پس کیا تم تورات کے بعض احکام کو مانتے ہو، اور بعض کا انکار کرتے ہو؟

پس (بتلاؤ) اس شخص کی سزا کیا ہو جو تم میں سے یہ کام کرتا ہے، سوائے دنیا میں رسوائی کے؟ —— یعنی دنیا میں وہ ذلت ورسوائی سے دوچار ہوگا —— اور قیامت کے دن وہ سخت عذاب میں پہنچائے جائیں گے! اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو —— یعنی وہ ہر ایک کو واجبی سزا دیں گے!

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کی زندگی آخرت کے عوض مول لی، پس نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا، اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے —— یعنی کوئی اللہ تعالیٰ سے لڑ جھگڑ کر بھی ان کو بچا نہیں سکے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ؀

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	اٰتَيْنَا	دی ہم نے	مُوْسَى	موسیٰ کو	

الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	الْبَيِّنٰتِ	واضح معجزات	لَا تَهْوٰٓى	نہیں بھایا
وَقَفَّيْنَا [1]	اور پے بہ پے بھیجے ہم نے	وَاَيَّدْنٰهُ	اور قوی کیا ہم نے اس کو	اَنْفُسُكُمُ	تمہارے دلوں کو
مِنْۢ بَعْدِهٖ	ان کے بعد	بِرُوْحِ الْقُدُسِ	پاکیزہ روح کے ساتھ	اسْتَكْبَرْتُمْ	(تو) گھمنڈ کیا تم نے
بِالرُّسُلِ	رسولوں کو	اَفَكُلَّمَا	کیا پس جب بھی	فَفَرِيْقًا	پس ایک جماعت کو
وَاٰتَيْنَا	اور دیئے ہم نے	جَآءَكُمْ	آیا تمہارے پاس	كَذَّبْتُمْ	جھٹلایا تم نے
عِيْسَى	عیسیٰ	رَسُوْلٌ	کوئی رسول	وَفَرِيْقًا	اور ایک جماعت کو
ابْنَ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کو	بِمَا	ایسا حکم لے کر	تَقْتُلُوْنَ	قتل کرتے ہو تم

۳- یہود نے اسرائیلی انبیاء کی تکذیب کی اور ان کو قتل کیا

یہود کی قباحتیں بیان ہو رہی ہیں، یہ ان کی تیسری قباحت ہے، اس کے بعد گریز کی آیت ہے، پھر خاتم النّبیین ﷺ اور آپؐ کی امت کے تعلق سے یہود کی قباحتوں کا ذکر شروع ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد چار ہزار اسرائیلی انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، ان کے آخر میں عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، وہ خاتم انبیائے بنی اسرائیل ہیں، وہ واضح معجزات کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے، مُردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد اندھے اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا، غیب کی باتیں بتانا وغیرہ ان کے کھلے معجزات تھے، اور ان کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی پشت پناہی بھی حاصل تھی، تاکہ یہود باوجود کوشش کے ان کو قتل نہ کرسکیں۔

ان اسرائیلی انبیاء کے ساتھ یہود کا معاملہ کیا رہا؟ جب بھی کوئی رسول مبعوث ہوتا، اور وہ کوئی ایسا حکم لاتا جو یہود کو پسند نہ آتا تو وہ اینٹھ جاتے، اس کی تکذیب کرتے یا اس کو قتل کر دیتے، زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوئے، مگر اللہ نے ان کو بچالیا اور آسمان پر اٹھالیا، سوچو! یہ کیسی شرمناک حرکتیں ہیں!

آیاتِ پاک: —— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو تورات عطا فرمائی، اور ہم نے ان کے بعد پے بہ پے رسولوں کو بھیجا، اور —— اس سلسلہ کے آخری رسول —— مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے واضح معجزات عطا فرمائے، اور پاکیزہ روح —— جبرئیل علیہ السلام —— کے ذریعہ ان کو تقویت پہنچائی —— کیا پس جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول ایسا حکم لایا جو تمہارے دلوں کو نہیں بھایا تو تم اکڑ گئے! پس کچھ کو جھٹلایا اور کچھ کو تہ تیغ کرتے ہو!

(۱) قَفَّيْنَا: تَقْفِيَةٌ (بابِ تفعیل): پیچھے کرنا، قَفَا (گدی) سے بنا ہے، اور اس کے دو مفعول ہوتے ہیں، من بعده: مفعولِ اول کے قائم مقام ہے، أی قفيناه (موسیٰ کے پیچھے بھیجا) اور بالرسول: مفعول ثانی حرفِ جر کے ساتھ آیا ہے یعنی دوسرے رسولوں کو۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	كِتٰبٌ	عظیم الشان کتاب	فَلَمَّا جَآءَهُمْ (۴)	پس جب پہنچی ان کو
قُلُوْبُنَا	ہمارے دل	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (۳)	اللہ کے پاس سے	مَّا عَرَفُوْا	وہ کتاب جس کو پہچانا
غُلْفٌ (۱)	محفوظ ہیں	مُصَدِّقٌ	سچ بتانے والی		انھوں نے
بَلْ لَّعَنَهُمُ	بلکہ لعنت کی ان پر	لِّمَا مَعَهُمْ	اس کو جو ان کے پاس ہے	كَفَرُوْا بِهٖ	انکار کردیا انھوں نے
اللّٰهُ	اللہ نے	وَكَانُوْا	درانحالیکہ تھے وہ		اس کا
بِكُفْرِهِمْ	ان کے انکار کی وجہ سے	مِنْ قَبْلُ	اس کتاب کے آنے سے پہلے	فَلَعْنَةُ اللّٰهِ	پس اللہ کی پھٹکار ہو
فَقَلِيْلًا مَّا (۲)	پس بہت ہی کم	يَسْتَفْتِحُوْنَ	کامیابی مانگا کرتے تھے	عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	انکار کرنے والوں پر
يُؤْمِنُوْنَ	ایمان لاتے ہیں وہ	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر جنھوں نے	بِئْسَمَا (۵)	بری ہے وہ چیز جو
وَلَمَّا جَآءَهُمْ	اور جب پہنچی ان کو	كَفَرُوْا	انکار کیا	اشْتَرَوْا (۶)	خریدی/مول لی انھوں نے

(۱) غُلْف: أغلَف کی جمع: وہ چیز جو کسی غلاف میں بند ہو، لفافہ میں پیک ہو (۲) ما: زائدہ، قلت کی تاکید کے لئے ہے (۳) من عند اللہ: کتاب کی پہلی صفت، مصدق: دوسری صفت، اور لما کا جواب کفروا بہ محذوف، اور قرینہ اگلے لما کا جواب ہے۔ (۴) یہ دوسرا لما پہلے لما کی تکرار ہے (۵) بئس: فعل ذم، فاعل ضمیر مستتر، ما: نکرہ موصولہ تمیز، اور جملہ اشتروا: مخصوص بالذم (۶) بیع وشراء: اضداد میں سے ہیں: بیچنا خریدنا دونوں ترجمے ہیں، اور ان کے دو مفعول ہوتے ہیں اور ثمن پر باء آتی ہے، مگر بیع میں ثمن مرغوب فیہ ہوتا ہے، اور شراء میں مرغوب عنہ، جیسے بعتُ الکتابَ بمأۃ روبیۃ اور اشتریت الکتابَ بمأۃ روبیۃ، اول میں سو روپے مرغوب فیہ ہیں اور ثانی میں کتاب مرغوب فیہ ہے، اور سو روپے مرغوب عنہ، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ملا کر ترجمہ کیا ہے: 'اختیار کرنا' اور بہ کا مرجع ما ہے، اور اس کی تفسیر ان یکفروا ہے

بِهٖٓ	اس کے عوض	اَنْ يُّنَزِّلَ [۴]	اس پر کہ اتارتے ہیں	فَبَآءُوْ	پس لوٹے وہ
اَنْفُسَهُمْ [۱]	اپنی ذاتوں کے لئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	بِغَضَبٍ	بڑے غصہ کے ساتھ
اَنْ يَّكْفُرُوْا [۲]	یعنی انکار کرتے ہیں وہ	مِنْ فَضْلِهٖ	اپنے فضل سے	عَلٰى غَضَبٍ	بڑے غصہ پر
بِمَآ اَنْزَلَ	اس کتاب کا جس کو اتارا	عَلٰى مَنْ	جس پر	وَلِلْكٰفِرِيْنَ	اور انکار کرنے والوں
اللّٰهُ	اللہ نے	يَّشَآءُ	چاہتے ہیں		کے لئے
بَغْيًا [۳]	ضد میں	مِنْ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں میں سے	عَذَابٌ مُّهِيْنٌ	رسواکن عذاب ہے

۴- یہود تکذیب انبیاء کی جو وجہ بیان کرتے ہیں وہ مہمل ہے!

یہود: جب ان کے انبیاء کوئی ایسا حکم لاتے جو ان کو پسند نہ آتا تو انکار کرتے، اور وجہ بیان کرتے کہ ہمارے دل پیک ہیں، تمہاری بات دل میں نہیں اترتی، اس لئے ہم نہیں مانتے، وہ یہی بات نبی ﷺ اور قرآن کے تعلق سے بھی کہتے تھے، اللہ پاک ان کا رد کرتے ہیں کہ بات یہ نہیں، بلکہ تمہارے دل پتھر ہو گئے ہیں، اللہ نے تم کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، اس لئے تم حق بات قبول نہیں کرتے، دل تو کھلے ہیں، مگر بے بہرہ ہیں!

﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور یہود نے کہا: ہمارے دل پیک ہیں! —— بلکہ ان کو ان کی تکذیب کی وجہ سے اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، اس لئے وہ نہ جیسا ایمان لاتے ہیں!

۵- یہود قرآن کا انتظار کر رہے تھے، مگر جب قرآن اترا اور انھوں نے اس کو پہچان بھی لیا تو انکار کر دیا

مدینہ میں یہود کے تین قبائل آباد تھے، ان کی نفری کم تھی اور مشرکین کی زیادہ تھی، جب ان میں جنگ ہوتی اور یہودی مغلوب ہو جاتے تو وہ اللہ سے دعا مانگتے: ''الٰہی! ہم کو نبی آخر الزماں اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی ان کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما!'' مگر جب نبی آخر الزماں ﷺ مبعوث ہوئے، اور ان پر قرآنِ کریم نازل ہوا، اور اس نے تورات کی تصدیق کی، کیونکہ دونوں کتابیں ایک ہی چشمہ سے نکلی ہوئی نہریں تھیں، تو انھوں نے قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکار کر دیا، اور ملعون ہوئے!

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ

(۱) انفسھم: مفعولِ ثانی ہے (۲) أن: تفسیر یہ ہے، جملہ ما کی تفسیر ہے یعنی تکذیب وانکار (۳) بغیا: یکفروا کا مفعول لہٗ ہے (۴) اَن سے پہلے علیٰ مقدر ہے۔

كَفَرُوا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: اور جب ان کو (یہود کو) اللہ کی طرف سے وہ عظیم الشان کتاب پہنچی، جو اس کتاب کو سچا بتاتی ہے جو ان کے پاس ہے (یعنی تورات کو) درانحالیکہ وہ لوگ اس کتاب کے نازل ہونے سے پہلے (اس کے طفیل سے) کامیابی کی دعا کیا کرتے تھے، ان لوگوں کے خلاف جو اسلام کو نہیں مانتے ہیں، پھر جب پہنچی ان کو وہ کتاب جس کو انھوں نے پہچان (بھی) لیا تو اس کا انکار کردیا، سو لعنت ہو انکار کرنے والوں پر!

۶- یہود قرآنِ کریم کا انکار محض ضد اور ہٹ دھرمی سے کرتے ہیں!

بنی اسرائیل: حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے، وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں، اور عرب: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، اس لئے وہ ابنائے عم (چچازاد) ہیں، اور بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کئی ہزار انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، آخر دور میں خاتم النّبیین ﷺ مبعوث ہوئے، اور ان پر اللہ کی عظیم الشان کتاب نازل ہوئی تو یہود جل بھن گئے کہ یہ نعمت ہم سے کیوں نکل گئی، اور ہمارے چچازاد بھائیوں کو کیوں مل گئی! اس ضد اور جلن میں وہ قرآنِ کریم اور حاملِ قرآن پر ایمان نہیں لائے، جیسے ہندو کلکی اوتار (خاتم النّبیین) کا انتظار کررہے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ رسول ہندوؤں میں مبعوث ہونگے، مگر وہ عربوں میں مبعوث ہوئے، اس لئے وہ ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالیٰ ردّ فرماتے ہیں کہ نبوت ورسالت فضل خداوندی ہے، اور اللہ کا اختیار ہے کہ وہ جس کو چاہیں اس فضل سے بہرہ ور کریں، یہود کی اس پر اجارہ داری نہیں، پس یہ چیز ایمان کے لئے مانع نہیں بننی چاہئے، جو اس ضد میں ایمان نہیں لائے گا وہ اللہ کے غضب بالائے غضب کا مستحق ہوگا، اور آخرت میں وہ رسوا کن عذاب سے دوچار ہوگا!

﴿ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: بری ہے وہ چیز (تکذیب) جس کو اختیار کرکے وہ اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں، یعنی اس کتاب کا انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے (اور انکار بھی) محض ضد کی بنا پر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا کچھ فضل جس بندے پر ان کو منظور ہوتا ہے (کیوں) نازل فرماتے ہیں، سو وہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہوگئے، اور ان منکرین کے لئے رسوا کن عذاب ہے!

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عذاب ذلت کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ مسلمانوں کو جو ان کے معاصی پر عذاب ہوگا وہ ان کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہوگا، جیسے کپڑا میلا ہوجاتا ہے اور دھوبی کی بھٹی میں جاتا ہے تو وہ صفائی کے لئے

جاتا ہے، اور صافی جب گندی ہو جاتی ہے اور اس کو چولہے میں ڈالتے ہیں تو ہمیشہ کے لئے جلنے کے لئے ڈالتے ہیں، اسی طرح کافروں کو بغرض تذلیل عذاب دیا جائے گا (فوائد شیخ الہندؒ مع اضافہ)

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَیَکْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَہٗ ۚ وَھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِیَآءَ اللّٰہِ مِنْ قَبْلُ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَکُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا ۚ وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْعِجْلَ بِکُفْرِھِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُکُمْ بِہٖٓ اِیْمَانُکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۳﴾

وَاِذَا قِیْلَ	اور جب کہا جاتا ہے	مُصَدِّقًا	تصدیق کرنے والی ہے	الْعِجْلَ	بچھڑا
لَھُمْ	ان سے	لِّمَا مَعَھُمْ	اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے	مِنْۢ بَعْدِہٖ	ان کے جانے کے بعد
اٰمِنُوْا	ایمان لاؤ	قُلْ	پوچھو	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم
بِمَآ اَنْزَلَ	اس کتاب پر جو اتاری	فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ	پس کیوں قتل کرتے رہے	ظٰلِمُوْنَ	ناانصافی کرنے والے تھے
اللّٰہُ	اللہ نے	اَنْۢبِیَآءَ اللّٰہِ	اللہ کے نبیوں کو	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب
قَالُوْا	جواب دیتے ہیں وہ	مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں	اَخَذْنَا	لیا ہم نے
نُؤْمِنُ	ایمان رکھتے ہیں ہم	اِنْ کُنْتُمْ	اگر ہو تم	مِیْثَاقَکُمْ	تم سے قول وقرار
بِمَآ اُنْزِلَ	اس کتاب پر جو اتاری گئی ہے	مُّؤْمِنِیْنَ	ایماندار	وَرَفَعْنَا	اور اٹھایا ہم نے
		وَلَقَدْ	اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ	فَوْقَکُمُ	تمہارے اوپر
عَلَیْنَا	ہم پر	جَآءَکُمْ	آئے تمہارے پاس	الطُّوْرَ	طور پہاڑ کو
وَیَکْفُرُوْنَ	اور انکار کرتے ہیں وہ	مُّوْسٰی	موسیٰ	خُذُوْا	لو تم
بِمَا وَرَآءَہٗ	اس کے علاوہ کا	بِالْبَیِّنٰتِ	واضح معجزات کے ساتھ	مَآ اٰتَیْنٰکُمْ	جو دیا ہم نے تم کو
وَھُوَ الْحَقُّ	حالانکہ وہ برحق ہے	ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ	پھر بنایا تم نے	بِقُوَّۃٍ	مضبوطی سے

وَاسْمَعُوْا[1]	اور سنو تم	فِيْ قُلُوْبِهِمُ	ان کے دلوں میں	يَاْمُرُكُمْ	حکم دیتا ہے تم کو
قَالُوْا	کہا انھوں نے	الْعِجْلَ[3]	بچھڑا	بِهٖٓ	ان باتوں کا
سَمِعْنَا	سنا ہم نے	بِكُفْرِهِمْ[4]	ان کے کفر کی وجہ سے	اِيْمَانُكُمْ	تمہارا ایمان
وَعَصَيْنَا[2]	اور نافرمانی کی ہم نے	قُلْ	کہو	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
وَاُشْرِبُوْا	اور پلائے گئے وہ	بِئْسَمَا	بری ہیں وہ باتیں جو	مُّؤْمِنِيْنَ	سچے

۷- یہود کا تورات کے بارے میں غلط عقیدہ ایمان کی راہ کا روڑا بنا!

موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے بارے میں یہود کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام افضل الانبیاء ہیں، ان سے بڑا کوئی نبی نہیں، اور تورات اللہ نے ان کو املا کرائی ہے، تورات بدل نہیں سکتی، نہ اس میں حذف واضافہ کیا جاسکتا ہے، یہود اسی عقیدے کی وجہ سے انجیل اور قرآن کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم صرف تورات کو مانتے ہیں، اس کے علاوہ کسی کتاب کو نہیں مانتے، جبکہ انجیل: تورات کا ضمیمہ تھی، وہ تورات کی تصدیق کرتی تھی، اور اس میں حسب ضرورت تبدیلی کرتی تھی، اور وہ اللہ کی برحق کتاب تھی، اسی طرح قرآنِ کریم بھی اللہ کی برحق کتاب ہے، تورات کی تصدیق کرتی ہے، مگر یہود کا تورات کے بارے میں غلط اعتقاد ایمان کی راہ کا روڑا بنا ہوا ہے۔

الزامی جواب: اللہ پاک فرماتے ہیں: یہود سے تین باتیں پوچھو:

۱- اگر تمہارا تورات پر ایمان تھا تو تم نے اسرائیلی انبیاء (زکریا و یحییٰ علیہما السلام) کو قتل کیوں کیا؟ وہ تو تمہارے اعتقاد کے مطابق بھی سچے نبی تھے!

۲- جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تورات لینے گئے تو تم نے پیچھے بچھڑا کیوں بنایا؟ تم نے یہ کیا غضب ڈھایا! کیا نعمتِ تورات کے انتظار کا یہی تقاضا تھا؟

۳- جب موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے تو تم نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، یہاں تک کہ طور پہاڑ کا ایک

---

(۱) اسمعوا: سنو تم یعنی تورات کے احکام (۲) زبان سے تو 'سنا' کہا، اور دل میں تھا کہ عمل کون کرتا ہے؟ (۳) العجل: أی حبَّ العجل: بچھڑے کی محبت (۴) بکفرھم: یعنی پہلے جو اللہ کا انکار کیا اور بچھڑے کو معبود بنایا: یہ کفر دلوں سے پوری طرح نہیں نکلا تھا، جو مرتدین قتل سے بچ گئے تھے اور معاف کردیئے گئے تھے: ان کے دلوں میں بھی بچھڑے کی محبت رہ گئی تھی، زائل نہیں ہوئی تھی، اور جنھوں نے بچھڑے کو نہیں پوجا تھا، مگر خاموشی اختیار کی تھی انھوں نے مداہنت کی تھی، وہ جذبہ بھی دلوں میں باقی تھا۔

حصہ تمہارے سروں پرلٹکا کرقول وقرار لینا پڑا کہ تم اس پر مضبوطی سے عمل کروگے، پھر تم نے زبان سے تو 'ہاں' کہا، اور دلوں میں 'نا' تھا، اس طرح تم نے منافقانہ اقرار کیا، کیا یہی تورات پر ایمان ہے؟ —— دراصل اس منافقانہ اقرار کی وجہ یہ تھی کہ سابقہ کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت تمہارے دلوں میں پیوست ہوگئی تھی، وہ کسی طرح نکلی ہی نہیں! پس بری ہیں وہ باتیں جن کا تمہارا تورات پر ایمان تم کو حکم دیتا ہے!

آیاتِ پاک: —— اور جب ان (یہود) سے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب (قرآن) کو مانو جو اللہ نے اتاری ہے، تو وہ جواب دیتے ہیں: ہم صرف اس کتاب کو مانتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی ہے، اور وہ اس کے علاوہ (کتابوں) کا انکار کرتے ہیں، جبکہ وہ برحق کتاب ہے اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے۔

پوچھو: (۱) پھر تم قبل ازیں انبیاء کو کیوں قتل کرتے رہے، اگر تمہارا (تورات پر) ایمان تھا؟ —— (۲) اور موسیٰ تمہارے پاس واضح دلائل کے ساتھ آئے، پھر تم نے بچھڑا بنالیا، ان کے طور پر جانے کے بعد، درانحالیکہ تم غضب ڈھارہے تھے! —— (۳) اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے قول وقرار لیا، اور ہم نے تم پر طور پہاڑ کو معلق کیا (اور کہا:) مضبوطی سے لو اس کتاب کو جو ہم نے تم کو دی ہے، اور بات سنو (یعنی تورات کی باتوں پر عمل کرو) —— تو تم نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی —— یعنی زبان سے تو اقرار کیا، مگر دلوں میں نافرمانی کا جذبہ تھا —— اور ان کے دلوں میں بچھڑا پیوست کردیا گیا تھا ان کے کفر کی وجہ سے! —— یعنی بچھڑے کی محبت دلوں سے نکلی ہی نہیں!

کہو: بری ہیں وہ باتیں جن کا تمہارا (تورات پر) ایمان حکم دیتا ہے، اگر تم سچے ہو کہ تمہارا تورات پر ایمان ہے!

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰي حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ع ۱۱/۱۰

قُلْ	کہو	اِنْ كَانَتْ	اگر ہے	لَكُمُ (۱)	تمہارے لئے

(۱) لکم: کانت کی خبر مقدم ہے۔

الدَّارُ الْاٰخِرَةُ	آخرت کا گھر	قَدَّمَتْ	آگے بھیجے ہیں	اَحَدُهُمْ	ان کا ہر ایک
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے یہاں	اَيْدِيْهِمْ	ان کے ہاتھوں نے	لَوْ يُعَمَّرُ	کاش زندہ رہتا وہ
خَالِصَةً (1)	مخصوص	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اَلْفَ سَنَةٍ	ہزار سال
مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ	لوگوں کے سوا	عَلِيْمٌ	خوب جانتے ہیں	وَمَا هُوَ (4)	اور نہیں ہے وہ
فَتَمَنَّوُا	پس آرزو کرو	بِالظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں کو	بِمُزَحْزِحِهٖ (5)	اس کو دور کرنے والا
الْمَوْتَ	موت کی	وَلَتَجِدَنَّهُمْ	اور ضرور پائے گا تو ان کو	مِنَ الْعَذَابِ	عذاب سے
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	اَحْرَصَ (2)	زیادہ حریص	اَنْ يُّعَمَّرَ (6)	یعنی زندہ رہنا
صٰدِقِيْنَ	سچے	النَّاسِ	لوگوں میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ	اور ہرگز آرزو نہیں کریں	عَلٰى حَيٰوةٍ	زندگی پر	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں
	گے وہ اس کی	وَمِنَ الَّذِيْنَ (3)	اور ان لوگوں سے جنھوں نے	بِمَا يَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو وہ
اَبَدًا	کبھی بھی	اَشْرَكُوْا	شرک کیا		کر رہے ہیں
بِمَا	ان کاموں کی وجہ سے جو	يَوَدُّ	چاہتا ہے	۞	۞

۸- یہود کی یہ خوش فہمی بھی ایمان کے لئے مانع بنی کہ آخرت میں وہی اللہ کے پاس مزے لوٹیں گے!

یہودی کہتے ہیں: وہی آخرت میں (دوسرے عالم میں) اللہ کے پاس مزے سے رہیں گے، اس لئے ان کو قیامت کا کوئی ڈر نہیں، وہ اللہ کے لاڈلے، چہیتے بیٹے ہیں، یہ ان کی خوش فہمی تھی جو ایمان کی راہ کا روڑا بنی!

اللہ پاک ان سے تین باتیں فرماتے ہیں:

۱- اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو وصل حبیب کے لئے ریزرویشن کرالو، موت کی تمنا کرو، موت ہی وہ پُل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملاتا ہے۔

۲- پیشین گوئی سنو: یہودی ہرگز موت کی آرزو نہیں کریں گے، وہ جانتے ہیں کہ انھوں نے کیا لچھن کئے ہیں، ان کو

---

(۱) خالصة: الدار کا حال ہے (۲) أحرصَ: لتجدن کا مفعول ثانی ہے (۳) من الذين کا عطف الناس پر ہے، أی: وأحرص من الذين دوسرا ترکیبی احتمال یہ ہے کہ من الذين: خبر مقدم، اور جملہ یود: مبتدا مؤخر، اس لئے معانقہ بنایا ہے، مگر یہ احتمال صحیح نہیں (۴) ھو: ضمیر مبہم ہے، اس کی تفسیر ان یعمر ہے (۵) مُزحزح: اسم فاعل، زحزحه (رباعی مجرد): ہٹانا، دور کرنا (۶) أن: مصدریہ، برائے تفسیر أی تعمیرہ: اس کا زندہ رہنا۔

حساب کا دھڑ کا لگا ہوا ہے، اللہ پاک ان ظالموں کے احوال سے باخبر ہیں!

۳- وہ موت کی آرزو تو کیا کریں گے، وہ تو جینے کے انتہائی حریص ہیں، مشرکین سے بھی زیادہ جو آخرت کے قائل نہیں، آواگون کے قائل ہیں، ہر ایک یہودی ہزار سال جینا چاہتا ہے، پس کیا یہ لمبی زندگی اس کو دوزخ سے بچا لے گی؟ ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں کی ان کو ضرور سزا دیں گے۔

تنبیہ: دین سے جاہل (نادان) مسلمان بھی اسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم محبوب کی امت ہیں، اور اللہ غفور رحیم ہیں، ہم دوزخ میں کیسے جائیں گے؟ یہ لوگ بھی جنت کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں، اس لئے بدکردار ہیں، وہ موت کی تمنا کر کے دیکھیں! کبھی مرنے کے لئے تیار نہیں ہونگے!

آیاتِ پاک: ــــ (یہود سے) کہو: اگر آخرت کا گھر اللہ کے یہاں تمہارے لئے مخصوص ہے، بلا شرکتِ غیرے تو:

۱- موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو!

۲- اور وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے کبھی بھی، ان کے ان کاموں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں!

۳- اور آپ ضرور ان کو زندگی کا سب سے زیادہ حریص پائیں گے، اور مشرکین سے بھی! ان میں سے ہر ایک امیدوار ہے کہ کاش وہ ہزار سال زندہ رہے! اور وہ ہزار سالہ زندگی اس کو عذاب سے ہٹانے والی نہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں سے خوب واقف ہیں!

فائدہ: میں لندن میں جس مسجد میں قیام کرتا ہوں (مسجد قبا) اس کا آدھا محلّہ یہودیوں پر مشتمل ہے، مسلمانوں کا ان کے ساتھ ملنا جلنا ہے، انھوں نے مجھے بتایا کہ یہودی موت کا لفظ سننا بھی پسند نہیں کرتے، سہم جاتے ہیں، وہ موت کی تمنا کیا کریں گے؟

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٩٧ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝٩٨ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ إِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝٩٩ أَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٠٠ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۱

قُلْ	کہو:	وَجِبْرِيْلَ	اور جبرئیل کا	اَكْثَرُهُمْ	ان کے اکثروں نے
مَنْ كَانَ (۱)	جو ہے	وَمِيْكٰلَ	اور میکائیل کا	لَا يُؤْمِنُوْنَ	مانتا ہی نہیں
عَدُوًّا	دشمن	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ	وَلَمَّا	اور جب
لِّجِبْرِيْلَ	جبرئیل کا	عَدُوٌّ	دشمن ہیں	جَآءَهُمْ	پہنچے ان کے پاس
فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ	تو بے شک اس نے	لِّلْكٰفِرِيْنَ	نہ ماننے والوں کا	رَسُوْلٌ (۵)	عظیم الشان رسول
	اتارا ہے اس کو	وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
عَلٰى قَلْبِكَ	آپؐ کے دل پر	اَنْزَلْنَآ	ہم نے اتاری ہیں	مُصَدِّقٌ (۶)	تصدیق کرنے والے
بِاِذْنِ اللّٰهِ	بہ اذنِ الٰہی	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	لِّمَا	اس کتاب کی جو
مُصَدِّقًا (۲)	سچا بتانے والا	اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ	واضح آیتیں	مَعَهُمْ	ان کے پاس ہے
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ	اس کو جو اس کے سامنے ہے	وَمَا يَكْفُرُ	اور نہیں انکار کرتے	نَبَذَ	(تو) پھینک دیا
وَهُدًى (۲)	اور راہ نما	بِهَآ	ان کا	فَرِيْقٌ	ایک جماعت نے
وَّبُشْرٰى (۲)	اور خوش خبری	اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ	مگر نافرمان لوگ	مِّنَ الَّذِيْنَ	ان میں سے جو
لِلْمُؤْمِنِيْنَ	ماننے والوں کے لئے	اَوَكُلَّمَا (۳)	کیا اور جب بھی	اُوْتُوا	دیئے گئے
مَنْ كَانَ	جو ہے	عٰهَدُوْا	قول وقرار کیا انھوں نے	الْكِتٰبَ	کتاب
عَدُوًّا	دشمن	عَهْدًا	پختہ قول وقرار	كِتٰبَ اللّٰهِ	اللہ کی کتاب کو
لِّلّٰهِ	اللہ کا	نَّبَذَهٗ (۴)	(تو) پھینک دیا اس کو	وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ	اپنی پیٹھ کے پیچھے
وَمَلٰٓئِكَتِهٖ	اور اس کے فرشتوں کا	فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ	ان کی ایک جماعت نے	كَاَنَّهُمْ	گویا وہ
وَرُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں کا	بَلْ	بلکہ	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے ہی نہیں!

(۱) مَن: موصولہ، متضمن معنی شرط ہے، اور اس کا جواب محذوف ہے: أی فلا وجه لعداوته: تو ہوا کرے! (۲) نزله کے مفعول کے احوال ہیں (۳) استفہام انکاری ہے (۴) نبذه: كلما کا جواب ہے اور یہی استفہام انکاری کا محل ہے (۵) رسول کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، مراد نبی ﷺ ہیں (۶) مصدق: رسول کی صفت ہے۔

۹- یہود کی جبرئیل دشمنی بھی ایمان کے لئے مانع بنی!

یہود: حضرت میکائیل علیہ السلام کو پسند کرتے ہیں، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دشمنی رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میکائیل روزی، بارش اور خوش حالی اُتارتے ہیں، اور جبرئیل عذاب اتارتے ہیں، ہمارے بڑوں کو ان سے بہت تکلیفیں پہنچی ہیں، اس لئے ہم ان کی لائی ہوئی وحی نہیں مانتے، میکائیل وحی لاتے تو ہم مان لیتے۔

عبداللہ بن صوریا (یہودی عالم) نے نبی ﷺ سے پوچھا: آپؐ کے پاس وحی کون لاتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جبرئیل لاتے ہیں، اس نے کہا: "وہ ہمارے (بنی اسرائیل کے) دشمن ہیں، میکائیل وحی لاتے تو ہم مان لیتے!"

اس کا جواب یہ ہے کہ جبرئیل تو محض واسطہ ہیں، وہ بہ حکم الٰہی وحی اتارتے ہیں، ان کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا، اسی طرح وہ عذاب بھی اتارتے ہیں، پھر ان سے دشمنی کے کیا معنی؟ اور سن لو! جو اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہے: اللہ تعالیٰ اس کے دشمن ہیں، اور جس کا دشمن اللہ ہو اس کا انجام کیا ہوگا؟ خوب سوچ لو!

اور ملائکہ میں جبرئیل و میکائیل علیہما السلام بھی شامل ہیں، پھر ان کا ذکر 'تسویہ' کے لئے کیا ہے، یعنی دونوں سے دوستی اور دشمنی یکساں ہے، پس جب تم جبرئیل علیہ السلام کے دشمن ہو تو میکائیل علیہ السلام کے بھی دشمن ہوئے، **لافرق بینهما!**

اور درمیانِ کلام میں قرآنِ کریم کے تعلق سے چار باتیں بیان فرمائی ہیں:

۱- حضرت جبرئیل علیہ السلام بہ اذنِ الٰہی قرآنِ کریم کی وحی نبی ﷺ کے دل پر اتارتے ہیں، قرآنِ کریم کی وحی ہمیشہ جبرئیل علیہ السلام لاتے تھے، اور آپؐ کے سامنے پڑھتے تھے، آپؐ کو نازل کیا ہوا قرآن یاد ہو جاتا تھا، اور دل بوجھ لیتا تھا، جبرئیل کا پڑھنا صرف کان میں نہیں پڑتا تھا، کیونکہ کان میں پڑی ہوئی بات تو دوسرے کان سے نکل بھی جاتی ہے، اور جب بات دل میں اتر جائے تو نکلنے کا سوال نہیں!

۲- قرآنِ کریم سابقہ تمام سماوی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، کیونکہ سب ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، اس میں تورات کی تصدیق بھی آگئی، آیت تورات کی تصدیق کے ساتھ خاص نہیں۔ مَا: عام ہے۔

۳- قرآنِ کریم سبھی انسانوں کی راہ نمائی کے لئے نازل ہوا ہے: ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ہے، سب انسانوں کے لئے پیام رحمت ہے، یہ مسلمانوں ہی کی 'مبارک کتاب' نہیں، آج کل لوگوں کو ایسی غلط فہمی ہوگئی ہے۔

۴- قرآنِ کریم ان لوگوں کو خوش خبری سناتا ہے جو اس کی بات مان لیتے ہیں، یہ آدھا مضمون ہے، اور جو لوگ اس کی دعوت نہیں مانیں گے ان کو برے دن سے سابقہ پڑے گا!

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّ بُشْرَى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَإِنَّ اللهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾﴾

ترجمہ: کہو: جو شخص جبرئیل کا دشمن ہے (تو ہوا کرے!) کیونکہ انھوں نے قرآن کو آپؐ کے قلب پر بہ اذنِ الٰہی نازل کیا ہے (ان کا قرآن میں کچھ دخل نہیں) جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور راہ نما ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے مژدہ ہے! —— جو اللہ کا دشمن ہے، اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا، اور جبرئیل ومیکائیل کا تو اللہ (قرآن پر) ایمان نہ لانے والوں کے دشمن ہیں!

۱۰- نقضِ عہد کی خصلت بھی یہود کے لئے مانع ایمان بنی!

تمام امتوں سے ان کے انبیاء کے توسط سے عہد الست میں قول وقرار لیا گیا ہے کہ جب نبی آخر الزماں ﷺ مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں، اس عہد کا ذکر سورۃ آلِ عمران (آیت ۸۱) میں ہے، پس کیا بنی اسرائیل سے امید کی جائے کہ وہ اس پیمان کا لحاظ کر کے ایمان لائیں گے؟ نہیں! اس کی امید نہیں، وہ حد اطاعت سے نکلنے والے لوگ ہیں، وہ اس قول وقرار کا پاس ولحاظ نہیں کریں گے۔

اور نقضِ عہد ان کی پرانی عادت ہے، انھوں نے جب بھی اللہ سے کوئی عہد کیا ہے تو ان کی ایک جماعت نے اس کو پسِ پشت ڈال دیا ہے، اور زیادہ تر لوگوں نے تو اس کو قبول ہی نہیں کیا، مثلاً:

(۱) انھوں نے تورات کا مطالبہ کیا، یہ ایک عہد تھا کہ وہ اس کو قبول کریں گے مگر جب تورات دی گئی تو قبول کرنے سے انکار کر دیا، یہاں تک کہ ان کا مرغا بنانا پڑا تب قبول کیا، اور وہ بھی صرف زبانی، دل تو ان کے انکاری تھے۔

۲- جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تورات لینے گئے تو ان کی ایک جماعت ایمان سے پھر گئی، اور بچھڑے کو خدا بنالیا، جبکہ ایمان لانا ایک عہد تھا کہ وہ غیر اللہ کی پوجا نہیں کریں گے۔

۳- تورات قبول کرنے کے بعد مچھیروں نے سبت کی حرمت پامال کی تو ان کو بندر بنادیا، تاکہ مداہنت کرنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔

غرض: نقضِ عہد ان کی پرانی خصلت ہے، اب ان کے پاس عظیم الشان رسول آئے ہیں، اور قرآنِ کریم لائے ہیں، جس کی آیتیں واضح ہیں، اور وہ تورات کی تصدیق کرتی ہے، اور تورات میں نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے کا عہد ہے، مگر ان کی ایک جماعت نے اس کو پسِ پشت ڈال دیا، گویا وہ تورات کے اس حکم کو جانتے ہی نہیں، بس کچھ ہی خوش نصیب افراد ایمان لائے، باقی محروم رہے!

﴿ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾

ترجمہ: اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آپؐ کی طرف واضح آیتیں اتاری ہیں، جن کا انکار حد اطاعت سے نکلنے والے ہی کریں گے ــــ کیا ایسا نہیں ہے کہ جب بھی انھوں نے کوئی پختہ عہد کیا تو ان کی ایک جماعت نے ان کو پس پشت ڈال دیا؟ بلکہ ان کے اکثر نے تو اس کو (دل سے) مانا ہی نہیں! ــــ اور جب ان کے پاس عظیم الشان رسول: اللہ کی طرف سے پہنچے جو اس کتاب کی تصدیق کرتے ہیں جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب کی ایک جماعت نے اللہ کی کتاب (تورات) کو پس پشت ڈال دیا، گویا وہ اس کو جانتے ہی نہیں!

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾ ع ۱۲

وَاتَّبَعُوْا	اور پیروی کی انھوں نے	سُلَیْمٰنَ	سلیمان کی	كَفَرُوْا	کفر کیا
مَا	اس کی جس کو	وَمَا كَفَرَ (۲)	اور نہیں کفر کیا	يُعَلِّمُوْنَ (۳)	سکھلاتے ہیں وہ
تَتْلُوْا	پڑھتے تھے	سُلَیْمٰنُ	سلیمان نے	النَّاسَ	لوگوں کو
الشَّيٰطِيْنُ (۱)	شیاطین	وَلٰكِنَّ	بلکہ	السِّحْرَ	جادو
عَلٰى مُلْكِ	بادشاہت میں	الشَّيٰطِيْنَ	شیاطین نے	وَمَآ اُنْزِلَ (۴)	اور جو اتارا گیا

(۱) شیاطین سے شیاطین الجن والانس: دونوں مراد ہیں (۲) کفر: جادو پر کفر کا اطلاق کیا ہے، کیونکہ جادو کرنا کفر ہے (۳) یعلمون کی ضمیر فاعل کا مرجع شیاطین ہیں۔ (۴) وما أنزل: کا عطف السحر پر ہے، یہی اقرب معطوف علیہ ہے، اور مفسرین کرام نے عام طور پر ما تتلو اپر عطف مانا ہے، اور و اتبعوا سے جوڑا ہے، حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہے۔

عَلَى الْمَلَكَيْنِ	دو (زمینی) فرشتوں پر	وَزَوْجِهٖ	اور اس کی بیوی (کے	مِنْ خَلَاقٍ	کوئی حصہ
بِبَابِلَ	بابل شہر میں		درمیان)	وَلَبِئْسَ	اور البتہ برا ہے
هَارُوْتَ	ہاروت	وَمَا هُمْ	اور نہیں ہیں وہ (ساحر)	مَا شَرَوْا [1]	جو اختیار کیا انھوں نے
وَمَارُوْتَ	اور ماروت پر	بِضَآرِّيْنَ	نقصان پہنچانے والے	بِهٖ	اس کے عوض میں
وَمَا يُعَلِّمٰنِ	اور نہیں سکھلاتے ہیں	بِهٖ	اس (سحر) کے ذریعہ	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں کے لئے
	وہ دونوں	مِنْ اَحَدٍ	کسی کو بھی	لَوْ كَانُوْا	کاش ہوتے وہ
مِنْ اَحَدٍ	کسی کو بھی	اِلَّا بِاِذْنِ	مگر اجازت سے	يَعْلَمُوْنَ	جانتے
حَتّٰى يَقُوْلَآ	یہاں تک کہ کہتے ہیں	اللّٰهِ	اللہ کی	وَلَوْ اَنَّهُمْ	اور اگر وہ
	دونوں	وَيَتَعَلَّمُوْنَ	اور سیکھتے ہیں وہ	اٰمَنُوْا	ایمان لاتے
اِنَّمَا نَحْنُ	اس کے سوا نہیں کہ ہم	مَا يَضُرُّهُمْ	جو نقصان پہنچائے انکو	وَاتَّقَوْا	اور اللہ سے ڈرتے
فِتْنَةٌ	آزمائش ہیں	وَلَا يَنْفَعُهُمْ	اور نفع پہنچائے ان کو	لَمَثُوْبَةٌ	البتہ بدلہ
فَلَا تَكْفُرْ	پس تو کفر نہ کر	وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس
فَيَتَعَلَّمُوْنَ	پس سیکھتے ہیں وہ	عَلِمُوْا	جانتے ہیں وہ	خَيْرٌ	بہتر تھا
مِنْهُمَا	ان دونوں سے	لَمَنِ اشْتَرٰىهُ	البتہ جس نے خریدا اس	لَوْ	کاش
مَا يُفَرِّقُوْنَ	وہ جو جدائی کریں وہ		(سحر) کو	كَانُوْا	ہوتے وہ
بِهٖ	اس کے ذریعہ	مَا لَهٗ	نہیں ہے اس کے لئے	يَعْلَمُوْنَ	جانتے
بَيْنَ الْمَرْءِ	آدمی کے درمیان	فِى الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	۞	۞

۱۱- یہود کی لایعنی علم میں مشغولیت بھی ایمان کے لئے مانع بنی!

یہ دو آیتیں اہم ہیں، پہلی آیت میں ضمنی باتیں بھی ہیں، اس لئے پہلے چند باتیں عرض ہیں:

۱- یہود میں جادو کا بڑا زور رہا ہے، نبی ﷺ پر جادو ایک یہودی منافق نے کیا تھا، اور ان کا خیال ہے کہ ان کو یہ علم حضرت سلیمان علیہ السلام سے حاصل ہوا ہے، یہ افتراء ہے، قرآنِ کریم نے اس کی تردید کی ہے کہ جادو کفر ہے اور سلیمان

---

(۱) شَریٰ: اضداد میں سے ہے، بیچنا اور خریدنا: دونوں معنی ہیں، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے دونوں کو ملا کر 'اختیار کرنا' ترجمہ کیا ہے، اور بہ کا مرجع ما ہے، اور ما سے مراد جادو ہے۔

علیہ السلام پیغمبر تھے، وہ کفر کیسے کر سکتے ہیں؟

۲- یہود: حضرات داوٗد و سلیمان علیہما السلام کو نبی نہیں مانتے، صرف بادشاہ مانتے ہیں، انھوں نے سلیمان علیہ السلام کی طرف شرک (مورتی پوجا) کی بھی نسبت کی ہے، اور ان کی حکومت کی عالم گیریت کو جادو کا کرشمہ قرار دیا ہے، مگر زبور اور امثالِ سلیمان کو بائبل میں شامل بھی کیا ہے، بائبل تو ان کے نزدیک آسمانی کتابوں کا مجموعہ ہے!

۳- ہاروت و ماروت: زمینی فرشتے ہیں، ان کو رجال الغیب بھی کہا جاتا ہے، ان سے تکوینی امور متعلق کئے جاتے ہیں، اور تکوینی امور شریعت کے چوکھٹے میں نہیں آتے، حضرت خضر علیہ السلام نے جو زمینی فرشتے تھے ایک بے گناہ بچے کو مار ڈالا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر شریعت کی رو سے اعتراض کیا تھا، مگر حضرت خضر نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ قتل کی حکمت بیان کی، کیونکہ تکوینیات کا دائرہ الگ ہے اور تشریعیات کا الگ، چٹان گرتی ہے اور کوئی بے گناہ دب کر مر جاتا ہے تو کسی پر مقدمہ نہیں کیا جاتا، اسی طرح ہاروت و ماروت جو میاں بیوی میں جدائی کا افسوں سکھاتے تھے اس کو بھی شریعت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے، شرعاً ایسا تعویذ حرام ہے یہ بھی جادو ہے۔

۴- سلیمان علیہ السلام کا زمانہ تو بہت پہلے ہے، ان کا زمانہ موسیٰ علیہ السلام سے قریب ہے، ان کی حکومت چرند و پرند اور جن و انس پر تھی، دربارِ سلیمانی میں آدمیوں کے ساتھ جنات بھی بیٹھتے تھے، اس زمانہ میں انسان اور جنات رلے ملے تھے، چنانچہ آدمیوں نے جنات سے جادو سیکھا، یہ شیاطین الجن ہیں، پھر جن انسانوں نے سیکھا انھوں نے آگے سکھایا، یہ شیاطین الانس ہیں، یہ جادو نسل در نسل یہود میں چلا آ رہا ہے۔

۵- ۶۸۶ قبل مسیح میں جب بنی اسرائیل نے سرکشی کی تو بابل و نینوی کے تاجدار بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا، اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور ستر ہزار بنی اسرائیل کو قید کر کے بابل لے گیا، اور ان کو غلام بنالیا، وہاں وہ سو سال غلامی میں رہے۔ پھر ۵۵۹ قبل مسیح میں ایران کے بادشاہ دارائے اول نے حملہ کر کے بنی اسرائیل کو قید سے آزاد کرایا، اور ان کو لوٹ کر دوبارہ بیت المقدس آباد کرنے کی اجازت دی۔

اس اسارت کے زمانہ میں حضرت عزیر علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں، تورات ضائع ہوگئی تھی، اس کو انھوں نے اپنی یادداشت سے لکھوایا، اس لئے بعض نے ان کو اللہ کا بیٹا مان لیا، اُس غلامی کے دور میں بنی اسرائیل کے آقا ان پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے، چین سے سونے بھی نہیں دیتے تھے، اللہ نے ان پر رحم فرمایا، اور دو زمینی فرشتوں ہاروت و ماروت کو مقرر کیا کہ وہ گھر گھر جا کر بنی اسرائیل کو ایک افسوں سکھلائیں، جس سے سیٹھ اور سیٹھانی میں بجے اور نوکر آرام سے سوئے! یہ کام نبی سے نہیں لیا گیا: ایک تو یہ کام ان کے منصب کے خلاف تھا، دوم: جب وہ سکھانے جائیں گے تو سیٹھ دیکھے گا، اور رجال

الغیب متعلقہ شخص ہی کو نظر آتے ہیں، دوسرے کو نظر نہیں آتے، اس لئے وہ سکھا سکتے ہیں، مگر فرشتے افسوں سکھانے سے پہلے آگاہ کرتے تھے کہ یہ افسوں دو دھاری تلوار ہے، حسب ضرورت ہی استعمال کرنا، بے ضرورت یا بے محل استعمال کرے گا تو کفر ہوگا، یہ منتر بھی یہود میں نسل در نسل چلا آرہا تھا۔

آیتِ کریمہ کی تفسیر: عنوان پر ایک نظر ڈال لیں:

جب اللہ کے عظیم الشان رسول مبعوث ہوئے، اور وہ ایک نسخۂ کیمیا بھی ساتھ لائے، اور یہود نے ان کو خوب پہچان لیا تو چاہئے تھا کہ آپؐ پر ایمان لاتے اور آپؐ کی مدد کرتے، کیونکہ تورات میں ان سے یہ عہد لیا گیا تھا، مگر انھوں نے تورات کو پس پشت ڈال دیا، گویا وہ اس کو جانتے ہی نہیں، اور ایمان نہیں لائے، وہ ایک لایعنی علم (جادو) میں لگ گئے، جو عہد سلیمانی میں شیاطین نے انسانوں کو سکھایا تھا، اور یہود جو اس کی نسبت سلیمان علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں: وہ افتراء ہے، سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، وہ بھلا ایسا کفریہ عمل کیسے سکھا سکتے ہیں؟ جادو تو شیاطین نے لوگوں کو سکھایا ہے اور وہ افسوں بھی انھوں نے ہی لوگوں کو سکھایا ہے جو بابل شہر میں ہاروت وماروت نامی دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا۔ یہود اس لایعنی علم میں مشغول ہو گئے، وہ اس کے پیچھے پڑ گئے، اور تورات کے حکم کو نظر انداز کر دیا، اور ایمان نہیں لائے۔

فائدہ (۱): ہاروت وماروت جب کسی کو وہ تعویذ سکھاتے تھے تو پہلے کان کھول دیتے تھے کہ ہم دو دھاری تلوار ہی تیرے ہاتھ میں دے رہے ہیں، اس کو محل ہی میں استعمال کرنا، ورنہ کافر ہو جائے گا۔

وہ افسوں کیا تھا؟ وہ ایسا منتر تھا جس سے میاں بیوی میں تفریق ہو جاتی تھی، یہ ایک طرح کا جادو تھا۔

فائدہ (۲): جادو کے ذریعہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا، کیونکہ جادو ایک سبب ہے، اور اسباب کا سر امسبب الاسباب کے پاس ہے۔

فائدہ (۳): جادو سیکھنا سکھلانا حرام ہے، یہ علم سراسر ضرر رساں ہے، نفع بخش بالکل نہیں، جادوگر پیسوں کی لالچ میں جادو کرتے ہیں، جبکہ بنی اسرائیل اس بات سے خوب واقف تھے کہ جادوگروں کا جنت میں کوئی حصہ نہیں یعنی وہ جنت میں نہیں جائیں گے (یہ تہدید ہے) اور وہ لوگ جس جادو کے پیچھے خود کو تباہ کر رہے ہیں وہ بہت بری چیز ہے کاش وہ یہ بات سمجھتے!

یہود کو ایمان کی دعوت: دوسری آیت میں یہود کو ایمان کی دعوت دی ہے کہ اگر وہ ایمان لائیں، اور اللہ سے ڈریں، اور جادو چھوڑیں تو اللہ کے یہاں بہتر بدلہ پائیں گے، وہ دنیوی آمدنی کے بند ہو جانے کی فکر نہ کریں، کاش وہ سمجھ داری سے کام لیں!

ترجمہ: اور یہود نے اس علم کی پیروی کی جس کی عہد سلیمانی میں شیاطین تعلیم دیا کرتے تھے، اور سلیمان نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیاطین نے کفر کیا، وہ لوگوں کو سکھاتے ہیں جادو اور وہ افسوں جو بابل میں ہاروت و ماروت نامی دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا۔

فائدہ(۱): —— اور وہ دونوں کسی کو بھی وہ افسوں نہیں سکھاتے تھے جب تک اس سے کہہ نہیں دیتے تھے کہ ہم آزمائش ہی ہیں، پس تو کفر نہ کر بیٹھنا (یعنی بے ضرورت یا غیر محل میں یہ افسوں استعمال مت کرنا) پس وہ (بنی اسرائیل) ان دونوں سے سیکھتے تھے ایسا افسوں جس کے ذریعہ وہ میاں بیوی میں جدائی کر دیتے تھے۔

فائدہ(۲): —— اور جادوگر کسی کو بھی اذنِ خداوندی کے بغیر ضرر نہیں پہنچا سکتے،

فائدہ(۳): —— اور جادوگر ایسا علم سیکھتے ہیں جو ان کے لئے ضرر رساں ہے، نفع بخش بالکل نہیں، اور وہ (بنی اسرائیل) اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس نے جادو اختیار کیا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور بہت بری ہے وہ چیز (جادو) جس کے بدلے وہ اپنی جانیں بیچ رہے ہیں، کاش ان کو عقل ہوتی!

دعوتِ ایمان: —— اور اگر وہ ایمان لاتے اور اللہ سے ڈرتے تو اللہ کے یہاں (جادو کی آمدنی سے) بہتر بدلہ پاتے کاش وہ سمجھ داری سے کام لیں!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو! جو	وَقُوْلُوْا	اور کہو	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک سزا ہے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	انْظُرْنَا [2]	انظرنا	مَا يَوَدُّ	نہیں پسند کرتے
لَا تَقُوْلُوْا	مت کہو	وَاسْمَعُوْا	اور سنو	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	جنھوں نے انکار کیا
رَاعِنَا [1]	راعنا	وَلِلْكٰفِرِيْنَ	اور منکرین کے لئے	مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	اہل کتاب سے

(۱) رَاعِ: امر، واحد مذکر حاضر، نا: ضمیر جمع متکلم، مصدر: مُراعاۃ: رعایت کرنا، خیال کرنا (۲) اُنْظُرْ: امر، صیغہ واحد مذکر حاضر، نا: ضمیر جمع متکلم، باب نصر و سمع، نَظَرَ: نظر کرنا، دیکھنا، بصارت اور بصیرت دونوں طرح دیکھنے کے لئے ہے۔

وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ	اور نہ مشرکین	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	مَنْ يَّشَاۗءُ	جس کو چاہتے ہیں
اَنْ يُّنَزَّلَ (۱)	کہ اتاری جائے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
عَلَيْكُمْ	تم پر	يَخْتَصُّ	خاص کرتے ہیں	ذُوالْفَضْلِ	فضل والے ہیں
مِّنْ خَيْرٍ (۲)	کوئی بھلائی	بِرَحْمَتِهٖ	اپنی رحمت کے ساتھ	الْعَظِيْمِ	بڑا

اہل کتاب اور مشرکین کے مسلمانوں کے ساتھ معاملات

اب تک قرآنِ کریم اور نبی ﷺ کے ساتھ اہل کتاب: یہود ونصاریٰ کے معاملات کا ذکر تھا، اب مسلمانوں کے ساتھ ان کے معاملات کا تذکرہ شروع ہورہا ہے، بعض معاملات میں اہل کتاب کے ساتھ مشرکین بھی شریک ہیں۔

۱-یہود شرارت سے رَاعِنَا کہتے ہیں، مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے روک دیا

یہود کبھی نبی ﷺ کی مجلس میں آکر بیٹھتے تھے، اور دورانِ گفتگو بطور شرارت کہتے تھے: رَاعِنَا: ہمارا لحاظ کیجئے، یعنی بات ہمارے پلے نہیں پڑی، کچھ وضاحت کیجئے، اس لفظ کے معنی ان کی زبان میں 'احمق' کے بھی ہیں، اور زبان دبا کر بولتے تو رَاعِیْنَا ہوجاتا، جس کے معنی ہیں: ہمارا چرواہا! مسلمان ان کی یہ شرارت نہیں سمجھ سکے، اور وہ بھی یہ لفظ استعمال کرنے لگے، اس لئے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے منع کیا، اور فرمایا کہ ضرورت پیش آئے تو انظرنا کہو، اس کے بھی یہی معنی ہیں، ہمیں دیکھیے، یعنی ہماری رعایت کیجئے، بات کی کچھ وضاحت کیجئے، اور فرمایا کہ توجہ سے سنو تاکہ انظرنا کہنے کی نوبت نہ آئے، اور فرمایا: جو حکم نہیں مانے گا اور رَاعِنَا کہے گا اس کو دردناک سزادی جائے گی۔

فائدہ: ایسا لفظ جس میں غلط مفہوم کا احتمال ہو، یا اس سے کوئی غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہو: استعمال نہیں کرنا چاہئے، اسی طرح مقتدیٰ کو ایسا کام بھی نہیں کرنا چاہئے جو عوام کی گمراہی کا سبب بنے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! راعنامت کہو، اور انظرنا کہو، اور سنو، اور نہ ماننے والوں کے لئے دردناک سزا ہے!

۲-اہل کتاب اور مشرکین کو مسلمانوں کی ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی!

ہجرت کے بعد مسلمانوں کی ترقی شروع ہوئی، یہ بات مدینہ کے یہود کو اور مکہ کے مشرکین کو کھلتی تھی، وہ اسلام کو سرنگوں دیکھنا چاہتے تھے، آج بھی ان کا یہی حال ہے، مگر جسے اللہ بڑھائے اسے کون گھٹائے! اللہ کے فضل کو کوئی روک

(۱) أن: مصدریہ، أن ینزل: یود کا مفعول بہ (۲) خیر: کوئی بھی بھلائی، خوبی، نعمتِ قرآن کو بھی شامل ہے۔

نہیں سکتا ـــــ اور اللہ کا فضل بے اندازہ ہے، ہر شخص فضل خداوندی سے بہرہ ور ہوسکتا ہے، مگر شرط استحقاق پیدا کرنے کی ہے، بے استحقاق کوئی چیز نہیں ملتی۔

﴿مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۱۰۵﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے دین اسلام قبول نہیں کیا، خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین: نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل کی جائے، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتے ہیں ـــــ یعنی عنایت فرماتے ہیں ـــــ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں ـــــ ان کے فضل سے ہر کوئی حصہ لے سکتا ہے، شرط استحقاق کی ہے، ایمان لائے اور عمل صالح کرے تو وہ دارین میں سرخ رُو ہوگا۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰۶ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۰۷ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔـلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝۱۰۸

مَا نَنْسَخْ (۱)	جو ہٹاتے ہم	عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے وَرے
مِنْ اٰيَةٍ	کوئی آیت	قَدِيْرٌ	پوری قدرت والے ہیں	مِنْ وَّلِيٍّ	کوئی بھی کارساز
اَوْ نُنْسِهَا (۲)	یا بھلاتے ہیں اس کو	اَلَمْ تَعْلَمْ	کیا نہیں جانتا تو	وَّلَا نَصِيْرٍ	اور نہ کوئی مددگار
نَاْتِ	لاتے ہیں ہم	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	اَمْ تُرِيْدُوْنَ	کیا چاہتے ہو تم
بِخَيْرٍ مِّنْهَآ	اس سے بہتر	لَهٗ مُلْكُ	ان کے لئے سلطنت ہے	اَنْ تَسْـَٔـلُوْا	کہ سوال کرو
اَوْ مِثْلِهَا	یا اس کے مانند	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	رَسُوْلَكُمْ	اپنے رسول سے
اَلَمْ تَعْلَمْ	کیا نہیں جانتا تو	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	كَمَا سُىِٕلَ	جس طرح سوال کئے گئے
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	وَمَا لَكُمْ	اور نہیں ہے تمہارے لئے	مُوْسٰى	موسیٰ

(۱) ما ننسخ: ما: موصولہ شرطیہ، نأتِ: جزاء...... نسخ کے دو معنی ہیں: ہٹانا، منتقل کرنا: جیسے نَسَخَتِ الشمسُ الظلَّ: دھوپ نے سایے کو ہٹایا، اور نسختُ الکتابَ: میں نے کتاب نقل کی (۲) نُنْسِ: مضارع، جمع متکلم، مصدر إنساء: بھلانا۔

مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے	الْكُفْرَ	کفر کو	فَقَدْ ضَلَّ	تو یقیناً وہ بہک گیا
وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ	اور جو بدل کرلے گا	بِالْإِيْمَانِ	ایمان سے	سَوَآءَ السَّبِيْلِ	سیدھے راستہ سے

۳- یہود اور مشرکین نسخ کے مسئلہ کو لے کر مسلمانوں کو تشویش میں مبتلا کرتے تھے

نسخ کے لغوی معنی ہیں: ہٹانا، منتقل کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: ایک شریعت کو یا ایک حکم کو دوسری شریعت یا دوسرے حکم سے بدلنا، پس نسخ کی دو قسمیں ہیں: نسخ فی الشرائع اور نسخ فی الشریعہ:

۱- نسخ فی الشرائع: ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت نازل کرنا، آدم علیہ السلام کی شریعت کے بعد نوح علیہ السلام کی شریعت، پھر ابراہیم علیہ السلام کی شریعت، پھر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت، پھر عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت، اور آخر میں نبی ﷺ کی شریعت آئی، یہ نسخ فی الشرائع ہے۔ یہود اور برہمن اس نسخ کو نہیں مانتے، وہ اس طرح یہودیت اور برہمیت (ہندوازم) کی تأبید ثابت کرتے ہیں، تأبید کے معنی ہیں: ہمیشگی، دائمی بنانا، یعنی ان کے مذاہب قیامت تک کے لئے ہیں، حالانکہ یہود سابقہ شریعتوں کا شریعت موسوی سے نسخ مانتے ہیں، مگر آگے وہ نسخ کے قائل نہیں!

۲- نسخ فی الشریعہ: ہر شریعت میں پہلے ایک حکم آتا ہے، پھر جب احوال بدلتے ہیں تو دوسرا حکم آتا ہے، جیسے پہلے دو نمازیں تھیں، پھر شبِ معراج میں پانچ کی گئیں یا جیسے تحویلِ قبلہ کا معاملہ، اس طرح کی تبدیلی شریعت میں ہوتی ہے۔

یہود پہلے مسئلہ کو لے کر مسلمانوں کا ذہن خراب کرتے تھے کہ سابقہ شریعت میں کیا کیڑے پڑ گئے جو دوسری شریعت نازل کرنی پڑی؟ اور مشرکین دوسرے مسئلہ کو لے کر اعتراض کرتے تھے کہ یہ روز روز کی تبدیلی کیسی؟ کیا اللہ کو بھی بداواقع ہوتا ہے؟ ان کی بھی رائے بدلتی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا نبی خود ہی احکام بدلتا ہے!

قرآنِ کریم نے یہ مسئلہ دو جگہ بیان کیا ہے:

ایک: سورۃ الاعلیٰ (آیات ۶ و ۷) میں، فرمایا: ﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۭ ﴾: ہم آپ کو پڑھاتے ہیں یعنی آپ پر قرآن نازل کرتے ہیں، پس آپ بالیقین (نازل کیا ہوا قرآن) بھولیں گے نہیں، مگر اللہ کو جس کا بھلانا منظور ہو (کیونکہ یہ بھی نسخ کی ایک صورت ہے) بے شک اللہ تعالیٰ کھلے چھپے احوال سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ کونسا حکم ہمیشہ رہنا چاہئے، اور کونسا حکم احوال بدلنے کے بعد اٹھالینا چاہئے۔

دوم: یہاں بیان فرمایا ہے کہ احکام ہٹائے بھی جاتے ہیں یعنی شریعتیں بدلتی ہیں، اور احکام بھلائے بھی جاتے ہیں، یعنی شریعتیں مندرس بھی ہوجاتی ہیں، امتیں اپنی شریعتوں کو ضائع کردیتی ہیں، تو ان کی جگہ ان سے بہتر یا ان کے مانند احکام دیئے جاتے ہیں، اسی طرح احوال بدلنے سے شریعت کے احکام میں بھی تبدیلی کی جاتی ہے، کوئی حکم بدل دیا جاتا

ہے اور کوئی آیت بھلادی جاتی ہے، اور اس میں دو حکمتیں ہوتی ہیں:

ایک: اللہ قادر مطلق ہیں، ان کو احکام میں تبدیلی کا پورا اختیار ہے، تم بیچ میں ٹانگ اڑانے والے کون؟ یہ حاکمانہ حکمت ہے۔

دوم: کائنات پر حکومت اللہ کی ہے، اور بادشاہ اپنی مملکت میں حسبِ مصلحت تبدیلی کرسکتا ہے اور کرتا ہے، پس اگر اللہ تعالیٰ شریعتوں کو بدلتے ہیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ کیا تمہارا کوئی اور کارساز اور مددگار ہے؟ نہیں! غرض: دونوں نسخ بندوں کی کارسازی ہے، یہ حکیمانہ حکمت ہے۔

احوال بدلنے سے احکام بدلنے کی مثال: حکیم/ ڈاکٹر کا نسخہ بدلتا ہے، جب مریض کے احوال بدلتے ہیں تو دواؤں میں تبدیلی کی جاتی ہے، اس کو حکیم کی حماقت نہیں، دانش مندی سمجھا جاتا ہے۔

﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ ﴾

ترجمہ: ہم جو بھی آیت (حکم) بدلتے ہیں یا اس کو بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے مانند لاتے ہیں، کیا تجھے (اے معترض) معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں! کیا تجھے معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے؟ اور تمہارے لئے ان کے سوا کوئی کارساز ہے نہ مددگار!

۴- یہود و مشرکین مہمل مطالبات کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کا ذہن پراگندہ ہو

یہود کے چند سردار خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، اور مطالبہ کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو پورا قرآن یکبارگی لکھا ہوا آسمان سے اتاریں، جیسے موسیٰ علیہ السلام تورات لکھی ہوئی یکبارگی لائے تھے [سورۃ النساء آیت ۱۵۳] اور مشرکین کا مطالبہ تھا کہ آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے روبرو لائیں تو ہم ایمان لائیں [الاسراء آیت ۹۲]

ایسے مہمل مطالبے پورے تو نہیں کئے جاسکتے، مگر کچا ذہن متاثر ہوتا ہے کہ اگر مطالبہ پورا کردیا جاتا تو وہ ایمان لے آتے، اس لئے دونوں کو ڈانٹتے ہیں کہ ایسا مہمل مطالبہ تمہارے اسلاف موسیٰ علیہ السلام سے بھی کرچکے ہیں کہ ہم جب مانیں گے کہ اللہ تعالیٰ سامنے آکر کہیں [البقرۃ ۵۵] اور اس کا وبال بھی وہ چکھ چکے ہیں، پس ایمان لانا ہو تو سیدھے سیدھے لاؤ، ورنہ گمراہی میں بھٹکتے رہو!

﴿ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۔ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسا موسیٰ سے پہلے سوال کیا گیا؟ اور جو کفر کو ایمان سے بدل لے گا وہ بالیقین راہِ راست سے بہک گیا! —— نبی ﷺ کافروں کے لئے بھی رسول ہیں، وہ بھی آپ کی امتِ دعوت ہیں، اور کفر کو ایمان سے بدلنے کا مطلب ہے: ایمان نہ لانا۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمٰنِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾

وَدَّ (۱)	دل سے چاہتے ہیں	لَهُمُ الْحَقُّ	ان کے لئے ہدایت	الصَّلٰوةَ	نماز
كَثِيرٌ	بہت سے	فَاعْفُوا (۵)	پس معاف کرو	وَآتُوا الزَّكٰوةَ	اور دو زکات
مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ	اہل کتاب میں سے	وَاصْفَحُوا	اور در گذر کرو	وَمَا تُقَدِّمُوا	اور جو آگے بڑھاؤ گے
لَوْ يَرُدُّونَكُم (۲)	کاش پھیر دیں وہ تم کو	حَتّٰى يَأْتِيَ	یہاں تک کہ آئیں	لِأَنفُسِكُم	اپنی ذاتوں کے لئے
مِّنۢ بَعْدِ	بعد	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مِّنْ خَيْرٍ	کچھ بھی نیک کام
إِيمٰنِكُمْ	تمہارے مسلمان ہونے کے	بِأَمْرِهِ	اپنے حکم کے ساتھ	تَجِدُوهُ	پاؤ گے تم اس کو
كُفَّارًا	کفر میں	إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	عِندَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس
حَسَدًا	جلتے ہوئے	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم (۳)	اپنی طرف سے	قَدِيرٌ	قادر ہیں	بِمَا تَعْمَلُونَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو
مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ (۴)	واضح ہونے کے بعد	وَأَقِيمُوا	اور قائم کرو	بَصِيرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں

۵- یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو دین سے منحرف کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں

یہود و نصاریٰ مختلف تدبیروں سے، دوستی اور خیر خواہی کے پیرایہ میں مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے میں لگے ہوئے

(۱) فعل وَدَّ: متعدی بدو مفعول ہے، كثير من أهل الكتاب: فاعل ہے، اور جملہ لو يردونكم من بعد إيمانكم كفارا: مفعول ثانی کے قائم مقام ہے، اور حسدًا: مفعول لہٗ ہے (۲) يَرُدُّوْن کا پہلا مفعول کم ہے، دوسرا کفارا ہے (۳) من عند أنفسهم: حسدًا کی پہلی صفت ہے (۴) من بعد ما تبين لهم الحق: حسدًا کی دوسری صفت ہے (۵) عفو و صفح تقریباً مترادف ہیں۔

ہیں، اور یہ بات اس جلن کی وجہ سے ہے جو ان کے دلوں میں پنہاں ہے، جبکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اسلام ہی برحق مذہب ہے، آج بھی مستشرقین کا یہی مشن ہے، وہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں میں دین کے تعلق سے بے اعتمادی اور بے اعتباری پیدا کریں، اللہ پاک مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ ان کے مکروفریب سے بچیں!

مگر ابھی مدینہ کے یہود سے نمٹنے کا وقت نہیں آیا، اس لئے فرمایا کہ ابھی عفو ودرگذر سے کام لو، اور ان کے بارے میں اللہ کے حکم کا انتظار کرو، بعد میں حکم آیا، بنونضیر جلاوطن کئے گئے، اور غدار قبیلہ بنوقریظہ تہ تیغ کیا گیا، آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پورے قادر ہیں، وہ ایک دن ان کا زور ضرور توڑیں گے۔

اور مسلمان ابھی نیک کاموں میں لگے رہیں، نماز کا اہتمام کریں، زکات ادا کریں، اور دوسرے جو بھی نیک کام کریں گے ان کو اللہ کے پاس موجود پائیں گے، کوئی عمل ضائع نہیں ہوگا، اللہ بندوں کے اعمال سے خوب واقف ہیں!

آیاتِ پاک: ـــــ بہت سے اہل کتاب دل سے چاہتے ہیں کہ وہ تم کو مسلمان ہونے کے بعد مرتد کردیں، بربنائے حسد جو ان کے دلوں میں ہے، باوجودیکہ حق ان پر واضح ہو چکا ہے، سو عفو ودرگذر سے کام لو، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں! ـــــ اور نماز کا اہتمام کرو، اور زکات ادا کرو، اور جو بھی نیک کام اپنے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس موجود پاؤ گے، اللہ تعالیٰ بالیقین تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۤ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰي شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰي شَيْءٍ ۙ وَّھُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

وَقَالُوْا	اور انھوں نے کہا	اِلَّا مَنْ كَانَ	مگر جو ہے	تِلْكَ	یہ
لَنْ يَّدْخُلَ	ہر گز نہیں جائے گا	هُوْدًا	یہودی	اَمَانِيُّهُمْ	ان کی آرزوئیں ہیں
الْجَنَّةَ	جنت میں	اَوْ نَصٰرٰى	یا عیسائی	قُلْ	کہو

هَاتُوْا	لاؤ	عَلَيْهِمْ	ان پر	كَذٰلِكَ	اسی طرح
بُرْهَانَكُمْ	اپنی دلیل	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	قَالَ الَّذِيْنَ	کہا ان لوگوں نے جو
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	يَحْزَنُوْنَ	غم گین ہونگے	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے (آسمانی
صٰدِقِيْنَ	سچے	وَقَالَتِ	اور کہا		کتاب)
بَلٰى	کیوں نہیں؟	الْيَهُوْدُ	یہود نے	مِثْلَ قَوْلِهِمْ	ان کی سی بات
مَنْ اَسْلَمَ	جس نے تابع کر دیا	لَيْسَتِ النَّصٰرٰى	نہیں عیسائی	فَاللّٰهُ	پس اللہ تعالیٰ
وَجْهَهٗ	اپنا چہرہ	عَلٰى شَيْءٍ	کسی چیز پر	يَحْكُمُ	فیصلہ کریں گے
لِلّٰهِ	اللہ کے	وَّقَالَتِ	اور کہا	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
وَهُوَ مُحْسِنٌ	درانحالیکہ وہ نیکوکار ہے	النَّصٰرٰى	عیسائیوں نے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ	پس اس کے لئے اس	لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ	نہیں ہیں یہود	فِيْمَا كَانُوْا	اس بات میں کہ تھے وہ
	کا ثواب ہے	عَلٰى شَيْءٍ	کسی چیز پر	فِيْهِ	اس میں
عِنْدَ رَبِّهٖ	اس کے رب کے پاس	وَّهُمْ يَتْلُوْنَ	حالانکہ پڑھتے ہیں وہ	يَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے
وَلَا خَوْفٌ	اور کوئی ڈر نہیں	الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	۞	۞

٦- یہود مسلمانوں کو حیران کرنے کے لئے کہتے کہ جنت میں ہمیں جائیں گے!

یہود: مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ جنت میں یہودی ہی جائیں گے، یعنی مسلمان جنت میں نہیں جائیں گے، یہی بات عیسائی بھی کہتے تھے، ان کا مقصد مسلمانوں کو مایوس کرنا ہے، تا کہ وہ اسلام سے کنارہ کش ہو جائیں!

اللہ پاک فرماتے ہیں: جو یہ بات کہتا ہے وہ اپنی سند پیش کرے، اپنی کتابوں سے حوالہ لائے، تورات وانجیل میں یہ بات کہیں نہیں لکھی، یہ ان کی دل بہلانے کی باتیں ہیں، اور مسلمان جنت میں کیوں نہیں جائیں گے؟ ضرور جائیں گے!

معیار یہ ہے کہ جس نے اپنی ذات اللہ کو سپرد کر دی، اللہ کا ہر حکم مانتا ہے، اور نیکوکار بھی ہے: وہی جنت میں جائے گا، اور اس معیار پر مسلمان ہی پورے اترتے ہیں، یہود ونصاری پورے نہیں اترتے، یہود: عیسیٰ علیہ السلام، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور انجیل وقرآن کو نہیں مانتے، پس وہ مسلمان (خود کو اللہ کے سپرد کرنے والے) کہاں ہوئے؟ یہی حال عیسائیوں کا ہے، وہ بھی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کو نہیں مانتے، اس لئے وہ بھی اللہ کے منقاد نہیں ہیں، اور مسلمان اس معیار پر پورے اترتے ہیں، وہ سب انبیاء کو اور ان کی کتابوں کو مانتے ہیں، اس لئے وہی جنت میں جائیں گے، وہاں ان کو نہ آگے

کا کوئی ڈر ہوگا نہ پیچھے کا غم! پس مسلمان ان کی باتوں سے مایوس نہ ہوں!

﴿ وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۞ بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں نے (یہود ونصاریٰ نے) کہا: جنت میں ہرگز نہیں جائیں گے مگر جو یہودی ہے یا عیسائی ہے! یہ ان کی تمنائیں (دل بہلانے والی باتیں) ہیں — کہو: اپنی بات کی سند لاؤ اگر تم سچے ہو! کیوں نہیں! — یعنی مسلمان جنت میں کیوں نہیں جائیں گے، ضرور جائیں گے، معیار سنو: — جس نے اپنی ذات اللہ کو سپرد کردی، درانحالیکہ وہ نیکوکار بھی ہے تو اس کے لئے اس کے رب کے پاس اس کا ثواب ہے، اور ان کو نہ کوئی ڈر ہوگا، نہ وہ غمگیں ہونگے!

۷- یہود ونصاریٰ بلکہ ہندو بھی کہتے ہیں: ہمیں برحق ہیں.......... پردہ کل قیامت کو ہٹے گا!

یہودی خود کو حق پر اور عیسائیوں کو غلط قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک عیسائی مشرک ہیں، یورپ کے ایک بڑے پادری نے مجھ سے کہا: جب میں نے اس کو مسجد میں آنے کی دعوت دی کہ ہم مسجد میں تو آسکتے ہیں، چرچوں میں نہیں جاسکتے، میں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: وہاں شرک ہوتا ہے، مسجد میں شرک نہیں ہوتا یعنی عیسائی: عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، یہ شرک ہے۔

اور عیسائی بھی یہود کو غلط قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک یہود کافر ہیں، اس لئے کہ وہ خاتم انبیائے بنی اسرائیل اور ان کی کتاب انجیل کو نہیں مانتے۔

خیر ان دونوں کے پاس تو آسمانی کتابیں ہیں، ہندو جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ان کا مذہب ہی برحق ہے، اور قرآن کہتا ہے کہ اسلام اور مسلمان برحق ہیں، اب اس اختلاف کا عملی فیصلہ کل قیامت کو ہوگا، جس کو جنت میں بھیجا جائے گا وہ برحق تھے، اور جن کو جہنم میں ڈالا جائے گا وہ غلط تھے، رہا علمی فیصلہ تو وہ قرآن نے ابھی دنیا ہی میں کردیا ہے۔

اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہر مذہب والے خود کو حق پر سمجھتے ہیں، جبکہ مزعومات اور عقائد مختلف ہیں، اور ہر ایک کا قبلۂ توجہ (ڈائرکشن) بھی مختلف ہے، پھر سب ایک منزل (اللہ) تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ عرب کا ایک بدو اونٹ پر جارہا تھا، کسی نے پوچھا: کہاں جارہا ہے؟ اس نے کہا: مکہ! سائل نے کہا: تو کبھی مکہ نہیں پہنچ سکتا، جس راستہ پر تو چل رہا ہے وہ ترکستان کا راستہ ہے! یہودی جو موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر اٹک گئے، عیسائی جو عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل پر رک گئے، اور

ہندو جو بھگوان کو چھوڑ کر غیروں کی بھگتی میں لگ گئے وہ اللہ تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ ﴾

ترجمہ: اور یہود نے کہا: عیسائیوں کا مذہب باطل ہے، اور عیسائیوں نے کہا: یہود کا مذہب باطل ہے، جبکہ وہ لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں، ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی جو (اللہ کی کتاب) نہیں جانتے ـــــ یعنی مشرکین نے بھی کہی ـــــ پس اللہ تعالیٰ ان کے درمیان قیامت کے دن (عملی) فیصلہ کریں گے، اس بات میں جس میں وہ باہم مختلف ہیں ـــــ کہ کون حق پر ہے؟

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

وَمَنْ اَظْلَمُ	اور کون بڑا ظالم ہے	وَسَعٰى	اور کوشش کی اس نے	لَهُمْ	ان کے لئے
مِمَّنْ مَّنَعَ	اس سے جس نے روکا	فِيْ خَرَابِهَا	ان کو اجاڑنے کی	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں
مَسٰجِدَ اللّٰهِ	اللہ کی مسجدوں کو	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	خِزْيٌ	رسوائی ہے
اَنْ يُّذْكَرَ	(اس سے) کہ لیا جائے	مَا كَانَ لَهُمْ	نہیں تھا ان کے لئے	وَّلَهُمْ	اور ان کے لئے
فِيْهَا	ان میں	اَنْ يَّدْخُلُوْهَا	کہ داخل ہوں ان میں	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں
اسْمُهٗ	اللہ کا نام	اِلَّا خَآئِفِيْنَ	مگر ڈرتے ہوئے	عَذَابٌ عَظِيْمٌ	بڑا عذاب ہے

۸- مشرکین کیسے کہتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں، انھوں نے مسلمانوں کو عمرہ تو کرنے نہیں دیا

۶ ہجری میں نبی ﷺ پندرہ سو صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ عمرہ کرنے کے لئے جارہے تھے، کعبہ شریف سب لوگوں کی مشترک عبادت گاہ تھی، سب کو حج اور عمرہ کرنے کے لئے آنے کا حق تھا، مگر مشرکین مکہ (قریش) نے مسلمانوں کو حدیبیہ کے میدان میں روک دیا، وہ روادار نہیں ہوئے کہ مسلمان عمرہ کریں، مجبوراً احرام کھول کر لوٹنا پڑا، ان مشرکین کا کیا منہ ہے کہ کہیں: ہم ہی حق پر ہیں، مسجدوں کو اللہ کی یاد سے روکنا تو بہت بڑا ظلم ہے، مسجدیں تو اللہ کی یاد کے لئے ہیں، عبادت

کرنے والوں کو ان سے روکنا تو ان کو ویران کرنا ہے، مسجدوں میں تو ان لوگوں کو خوف وخشیت سے داخل ہونا چاہئے تھا جو یہ حرکت کرتے ہیں، وہ دنیا میں رسوا ہونگے، اور آخرت میں عذابِ عظیم سے دوچار ہونگے۔

آیت پاک: —— اور اس شخص سے بڑا ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روکے، اور اس کو ویران کرنے کے درپے ہو؟ ان کو تو چاہئے تھا کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے ہی ان میں داخل ہوتے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے!

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۱۱۵) وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (۱۱۶) بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (۱۱۷) وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۱۱۸) اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (۱۱۹)

وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہیں	وَقَالُوا	اور کہا انھوں نے	بَدِيْعُ[1]	انوکھے انداز سے پیدا
الْمَشْرِقُ	مشرق	اتَّخَذَ	بنائی		کرنے والے ہیں
وَالْمَغْرِبُ	اور مغرب	اللّٰهُ	اللہ نے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو
فَاَيْنَمَا	پس جدھر بھی	وَلَدًا	اولاد	وَالْاَرْضِ	اور زمین کو
تُوَلُّوْا	منہ پھیرو تم	سُبْحٰنَهٗ	وہ پاک ہیں	وَاِذَا قَضٰٓى	اور جب طے کرتے ہیں وہ
فَثَمَّ	پس اس جگہ	بَلْ لَّهٗ	بلکہ ان کے لئے ہیں	اَمْرًا	کسی بات کو
وَجْهُ اللّٰهِ	اللہ کا چہرہ ہے	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہیں	فَاِنَّمَا	تو اس کے سوانہیں کہ
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں ہیں	يَقُوْلُ	فرماتے ہیں
وَاسِعٌ	بڑی کشادگی والے	كُلٌّ لَّهٗ	سب اس کے لئے	لَهٗ	اس سے
عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	قٰنِتُوْنَ	تابعدار ہیں	كُنْ	ہوجا

(۱) بَدَعَه (ف) بَدْعا: بلا نمونہ نئی چیز بنانا، ایجاد کرنا۔

فَيَكُوْنُ	پس وہ ہو جاتی ہے	قَالَ	کہا	اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ	بے شک ہم نے آپ
وَقَالَ	اور کہا	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو		کو بھیجا ہے
الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	بِالْحَقِّ	سچے دین کے ساتھ
لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے	مِّثْلَ قَوْلِهِمْ	ان کی سی بات	بَشِيْرًا	خوش خبری دینے والا
لَوْلَا يُكَلِّمُنَا	کیوں نہیں بات کرتا ہم سے	تَشَابَهَتْ[1]	ایک سے ہو گئے ہیں	وَّنَذِيْرًا	اور ڈرانے والا
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	وَّلَا تُسْـَٔلُ	اور آپ سے نہیں پوچھا
اَوْ تَاْتِيْنَآ	یا (کیوں نہیں) آتی	قَدْ بَيَّنَّا	تحقیق بیان کی ہم نے		جائے گا
	ہمارے پاس	الْاٰيٰتِ	نشانیاں	عَنْ اَصْحٰبِ	دوزخیوں کے بارے
اٰيَةٌ	بڑی نشانی	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	الْجَحِيْمِ	میں
كَذٰلِكَ	اسی طرح	يُّوْقِنُوْنَ	(جو) یقین کرتے ہیں	۞	۞

۹- مسلمانوں کو مشرکین نے عمرہ نہیں کرنے دیا تو ان کا کیا بگڑا؟ اللہ کی عبادت تو ہر جگہ سے کی جاسکتی ہے!

ارشاد فرماتے ہیں: مشرق ومغرب کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اسی طرح شمال وجنوب کے بھی، کیونکہ یہ محاورہ ہے، مشرق ومغرب بول کر تمام جہتیں مراد لیتے ہیں —— اور خود اللہ پاک لا زمان ولا مکان ہیں، **العقائد النسفیۃ** میں ہے: **لا یتمکّن فی مکان، ولا یجری علیہ زمان**، زمان ومکان اور جہات مخلوق ہیں، اور خالق مخلوق میں نہیں ہوتا، ورنہ احتیاج لازم آئے گی۔

پس اللہ تعالیٰ کا ہر طرف رخ ہے، ان کی عبادت کسی بھی جانب رخ کرکے کی جاسکتی ہے، چنانچہ سفر میں جہتِ قبلہ معلوم نہ ہو تو تحری کرکے (سوچ کرکے) نماز پڑھ سکتا ہے، پھر اگر وقت میں یا وقت کے بعد غلطی ظاہر ہو تو اعادہ کی ضرورت نہیں، اسی طرح سفر میں سواری (اونٹ) پر نفل نماز پڑھ سکتا ہے، جدھر بھی سواری کا منہ ہو، قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں، اسی آیت کی وجہ سے: ﴿ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾: تم جدھر بھی منہ کرو اُدھر ہی اللہ کی ذات ہے!

اور فرض نمازوں میں عام حالات میں استقبالِ قبلہ کی شرط اور حج کے لئے کعبہ کی تعیین دو وجہ سے ہے:

۱- کعبہ شریف کو اسمبلی پوئنٹ مقرر کیا گیا ہے، وہ لوگوں کے اجتماع کی جگہ ہے تاکہ ساری دنیا کے مسلمان ایک جگہ جمع ہوں، ابھی (آیت ۱۲۵) میں آرہا ہے: ﴿ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ﴾: کعبہ کو لوگوں کے واسطے اجتماع کی جگہ بنایا ہے۔

---

(۱) تَشَابَهَ الشیئان: یکساں اور ہم شکل ہونا، فرق نہ رہنا۔

۲- نمازوں میں استقبالِ قبلہ کا حکم ملت کی شیرازہ بندی کے لئے ہے، تمام مساجد میں اور ساری دنیا میں مسلمان ایک رخ پر عبادت کریں، ان میں انتشار نہ ہو، ورنہ ہر بستی میں بلکہ ہر مسجد میں تماشا ہوگا۔

ورنہ حقیقت میں کعبہ شریف قبلہ نہیں، بلکہ 'قبلہ نما' ہے قبلہ اللہ کی ذات ہے، اور وہ وسعت والی ہے، ہر رخ سے اس کی عبادت کی جاسکتی ہے، مگر علیم بھی ہے، اس لئے لوگوں کی مصلحت سے عام حالات میں عبادت کے لئے کعبہ شریف کو پوئنٹ مقرر کیا ہے۔

اور یہاں کہنا یہ ہے کہ قریش نے مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دیا تو ان کا کیا نقصان ہوا؟ وہ تو ہر جگہ سے اللہ کی عبادت کر سکتے ہیں! بڑے ظالم تم ہی ٹھہرے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی مسجد سے روکا!

﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے لئے ہیں، پس تم جدھر بھی منہ پھیرو اسی جگہ اللہ کا رخ ہے! بے شک وہ بڑی وسعت والے خوب جاننے والے ہیں۔

۱۰- مشرکین اللہ کے لئے اولاد مانتے ہیں، پھر وہ کس منہ سے کہتے ہیں کہ ان کا دین ہی برحق دین ہے؟

مشرکینِ مکہ مسلمانوں سے کہتے تھے: ہمارا دھرم ہی سچا ہے، تمہارا دین باطل ہے، اللہ پاک ان کو جواب دیتے ہیں کہ تم نے تو اللہ کے لئے اولاد تجویز کر رکھی ہے، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے ہو، حالانکہ ان کی ذات اولاد سے پاک ہے، اور کائنات کا کوئی فرد اللہ کی اولاد ہو بھی نہیں سکتا، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت ہے، ان میں مالک و مملوک کا رشتہ ہے، اور اولاد مملوک نہیں ہوتی، آزاد ہوتی ہے، نیز کائنات اللہ کے احکام کی تابعدار ہے، اور اولاد کی یہ شان نہیں۔

اور اللہ کو اولاد کی کیا حاجت ہے؟ اولاد کی ضرورت بڑھاپے میں پڑتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی کی معاونت کے محتاج نہیں، وہ کائنات کے موجد ہیں، اکیلے ہی خالق ہیں، اور ان کی قدرت کن فیکونی ہے، پس ان کو اولاد کی کیا حاجت ہے؟

اور کہنا یہ ہے کہ تم جو شرک میں مبتلا ہو، اور اللہ کی شان میں اس سے بڑی کوئی گستاخی نہیں ہوسکتی: کس منہ سے کہتے ہو کہ تمہارا دھرم ہی سچا ہے؟ بلکہ سچے وہ لوگ ہیں جو ایک اللہ کے پرستار ہیں!

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے (مشرکین نے) کہا: اللہ نے اولاد اختیار کی ہے، ان کی ذات (اولاد سے) پاک ہے! بلکہ

ان کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب ان کے تابعدار ہیں —— وہ آسمانوں اور زمین کے موجد ہیں، اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرماتے ہیں تو بس 'ہو' کہتے ہیں، پس وہ ہوجاتی ہے —— 'ہو' کہنا: ارادہ کی تعبیر ہے۔

۱۱- مشرکین کہتے ہیں: اللہ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتے؟

یا ہماری مطلوبہ کوئی نشانی دکھائیں تو ہم مانیں!

مشرکین جن کے پاس آسمانی کتابوں کا کوئی علم نہیں دو باتیں کہتے ہیں:

۱- اللہ خود ہم سے کہیں کہ محمد میرے بھیجے ہوئے ہیں اور اسلام سچا مذہب ہے؟ تو ہم مان لیں —— اس کا جواب ﴿ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ میں ہے کہ ان کے پاس آسمانی کتابوں کا علم نہیں، اس لئے وہ یہ بات کہتے ہیں، تمام آسمانی کتابوں میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اس دنیا میں اللہ کا دیدار ممکن نہیں، پھر وہ خود کیسے ان سے کہیں گے؟

۲- ہم جن نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں، جن کا تذکرہ سورۃ الاسراء (آیات ۹۰-۹۳) میں ہے، ان میں سے کوئی نشانی دکھائیں تو ہم مان لیں۔ اللہ پاک ان کو جواب دیتے ہیں کہ یہی مطالبہ گذشتہ مشرک اقوام نے بھی اپنے رسولوں سے کیا ہے، یہ سب ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہیں، سب بدقماشوں کی ایک فطرت ہے، اس لئے ایک طرح کی باتیں کرتے ہیں، رہی نشانیاں تو ایک نہیں کئی ایک نشانیاں ہم دکھا چکے ہیں، مگر ان کو دیکھے وہ جس کے پاس دیدۂ بینا ہو! رہا مطلوبہ نشانی کا معاملہ: تو وہ اس لئے نہیں دکھائی جارہی کہ اگر اس پر قوم ایمان نہیں لائے گی تو ہلاک کی جائے گی، اور مشرکین مکہ کو ہلاک کرنا مقدر نہیں، ان کے ایمان کی امید ہے، اس لئے مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا جارہا، دوسری نشانیاں دکھائی جاتی ہیں۔

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں نے جن کے پاس آسمانی کتابوں کا علم نہیں: کہا: اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتے؟ یا ہمارے پاس کوئی (مطلوبہ) نشانی آتی (تو ہم مان لیتے!) —— ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی جو ان سے پہلے گذرے، سب کے دل ایک جیسے ہوگئے ہیں، بالتحقیق ہم نے یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں بیان کردی ہیں!

۱۲- مشرکین کا قصہ ایک طرف کیجئے، اور اپنا فرض منصبی ادا کیجئے

آیت ۱۱۳ میں آیا ہے کہ یہود کہتے ہیں: عیسائی کچھ نہیں، اور عیسائی کہتے ہیں: یہود کچھ نہیں، یہی بات مشرکین مکہ بھی کہتے ہیں، پھر مشرکین کا تذکرہ شروع ہوا ہے، جو اس آیت پر پورا ہورہا ہے، آگے بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) کا ذکر ہے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: مشرکین کا معاملہ ایک طرف کیجئے، وہ جہنم میں جانا چاہیں تو جائیں، آپؐ سے ان کے بارے میں کوئی سوال نہیں ہوگا کہ وہ جہنم میں کیوں گئے؟ آپؐ نے ان کو کیوں نہیں بچایا! آپؐ کو ہم نے سچے دین کے ساتھ اس لئے بھیجا ہے کہ ماننے والوں کو خوش خبری سنائیں اور نہ ماننے والوں کو وارننگ دیں، باقی اللہ اللہ خیر سلاّ!

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝١١٩﴾

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے آپؐ کو سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے، خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور آپؐ سے دوزخیوں کے بارے میں کوئی سوال نہیں ہوگا!

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَاۗءَھُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝١٢٠ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝١٢١ ع ١٤

وَلَنْ تَرْضٰى	اور ہرگز راضی نہیں ہونگے	هُوَ الْهُدٰى	وہی راہ نمائی ہے	مِنْ وَّلِيٍّ	کوئی کارساز
عَنْكَ	آپؐ سے	وَلَىِٕنِ	اور بخدا! اگر	وَّلَا نَصِيْرٍ	اور نہ کوئی مددگار
الْيَهُوْدُ	یہود	اتَّبَعْتَ	پیروی کی آپؐ نے	اَلَّذِيْنَ (۴)	وہ لوگ جن کو
وَلَا النَّصٰرٰى	اور نہ نصاریٰ	اَھْوَاۗءَھُمْ	ان کی خواہشات کی	اٰتَيْنٰھُمُ	دی ہم نے ان کو
حَتّٰى تَتَّبِعَ	تاآنکہ پیروی کریں آپ	بَعْدَ الَّذِيْ (۱)	بعد اس کے جو	الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب
مِلَّتَهُمْ	ان کے دین کی	جَاۗءَكَ	پہنچا آپؐ کو	يَتْلُوْنَهٗ	پڑھتے ہیں وہ اس کو
قُلْ	کہو	مِنَ الْعِلْمِ	علم سے	حَقَّ	جیسا حق ہے
اِنَّ هُدَى	بےشک راہ نمائی	مَا لَكَ (۲)	نہیں ہوگا آپ کیلئے	تِلَاوَتِهٖ	اس کے پڑھنے کا
اللّٰهِ	اللہ کی	مِنَ اللّٰهِ (۳)	اللہ کے عوض	اُولٰۗىِٕكَ	وہی لوگ

(۱) الذی: صلہ کے ساتھ بعد کا مضاف الیہ ہے، اور من العلم: الذی کا بیان ہے (۲) مالك: جوابِ قسم ہے (۳) من اللہ: من: عوض کا ہے، أی عوضًا من اللہ، جیسے دعا ہے: لاینفعُ ذَا الْجَدِّ منك الْجَدُّ: مالدار کے لئے آپ کے بالعوض مالداری نافع نہیں۔ (۴) الذین: مبتدا، أولئك: خبر، اور جملہ یتلونه: آتیناھم کے مفعول کا حال، اور حق: مفعول مطلق ہے

يُؤْمِنُوْنَ	مان لیتے ہیں	وَمَنْ يَّكْفُرْ	اور جس نے انکار کیا	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	وہی لوگ
بِهٖ	اسلام کو	بِهٖ (۱)	اسلام کا	الْخٰسِرُوْنَ	گھاٹے میں رہنے والے ہیں

۱۳- یہود و نصاریٰ تمہیں کافر کر کے چھوڑیں گے!

مشرکین بھی خود کو برحق دین پر کہتے تھے، ان سے گفتگو کے بعد اب یہود و نصاریٰ کا حال بیان کرتے ہیں، آیت ۱۱۴ میں گذرا ہے کہ یہ دونوں بھی خود کو حق پر مانتے ہیں، یہ دونوں بھی اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں، امر حق سے دونوں کو کوئی سروکار نہیں، پس وہ کبھی بھی دینِ اسلام قبول نہیں کریں گے، ان کی تو کوشش یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچیں، وہ مسلمانوں سے اسی وقت خوش ہونگے جب وہ یہودی یا عیسائی بن جائیں۔

﴿ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ﴾

ترجمہ: اور یہود و نصاریٰ آپؐ سے اس وقت تک خوش نہیں ہونگے جب تک آپؐ ان کے مذہب کی پیروی نہ کریں
—— خطاب پیغمبر سے ہے، مگر سنانا امت کو ہے۔

۱۴- ان سے ڈنکے کی چوٹ کہہ دو کہ اسلام ہی برحق مذہب ہے!

فرماتے ہیں: مسلمانوں کو چاہئے کہ یہود و نصاریٰ سے صاف صاف کہہ دیں کہ اللہ کی راہ نمائی ہی معتبر راہ نمائی ہے یعنی اسلام ہی سچا دین ہے تمہارا دین محرف اور منسوخ ہے، ہم اس کو کبھی قبول نہیں کر سکتے، ان کو مایوس کر دو۔

﴿ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ﴾

ترجمہ: کہہ دو! اللہ کی راہ نمائی ہی راہ نمائی ہے! —— اور وہ اسلام ہے!

۱۵- اگر کوئی مسلمان یہود و نصاریٰ کے چکمہ میں آگیا تو وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکے گا

یہودیت تو نسلی مذہب ہے، وہ تو کسی کو یہودی نہیں بناتے، وہ تو مسلمانوں کی تباہی چاہتے ہیں، اور عیسائی مذہب بھی دراصل بنی اسرائیل کے لئے تھا لیکن بعد میں پولس نے اس کو عالمی مذہب بنایا ہے، اور اب عیسائی پوری دنیا میں مشینری کا جال پھیلائے ہوئے ہیں، وہ لوگوں کو لالچ دے کر عیسائی بناتے ہیں، پس اگر کوئی مسلمان ان کے فریب میں آگیا، اور اس نے عیسائیت قبول کر لی تو وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکے گا، مرتد کی سزا اسلامی حکومت میں قتل ہے، اور آخرت میں جہنم کا جیل خانہ!

(۱) دونوں جگہ بہ: کا مرجع هُدٰى: اللہ کی راہ نمائی ہے یعنی اسلام۔

﴿ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی —— اور یہودیت یا عیسائیت کو اختیار کر لیا —— اُس علم کے بعد جو آپ کو پہنچ چکا ہے —— قرآن وحدیث مراد ہیں جو تعلیماتِ اسلام پر مشتمل ہیں —— تو اللہ کے بدل نہ کوئی آپ کا کارساز ہوگا نہ مددگار!

۱۶- یہود ونصاریٰ اگر کھلے ذہن سے اپنی کتابیں پڑھیں تو اسلام قبول کر لیں

اگر یہود ونصاریٰ کھلے ذہن سے، تعصب کی عینک اتار کر، تورات وانجیل پڑھیں، اور ساتھ ہی قرآنِ کریم کا مطالعہ کریں، مسلمانوں سے اسلامی معلومات حاصل کریں یا اسلامی کتابیں پڑھیں تو ضرور اسلام قبول کر لیں، ان کی کتابوں میں اسلام کی حقانیت کے دلائل اور نبی ﷺ کے اوصاف موجود ہیں، اور جب وہ اسلامی تعلیمات کے ساتھ اپنی تعلیمات کا موازنہ کریں گے تو اسلام کی خوبی ان کی سمجھ میں آجائے گی۔

اور واقعہ یہ ہے کہ یہود تو تعصب کا چشمہ چڑھا کر ہی تورات پڑھتے ہیں، اور قرآن میں کیڑے ڈھونڈھتے ہیں، اس لئے عام طور پر وہ ایمان سے محروم رہتے ہیں، مگر عیسائیوں کا معاملہ مختلف ہے، وہ کھلے ذہن سے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں، اور اسلامی کتابیں پڑھتے ہیں، پھر انجیل کی تعلیمات سے موازنہ کرتے ہیں، پس اسلام کی خوبی ان کی سمجھ میں آجاتی ہے، اور وہ مسلمان ہوجاتے ہیں، یورپ اور امریکہ میں اسلام قبول کرنے والے زیادہ تر عیسائی ہیں۔

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتاب (تورات اور انجیل) عطا فرمائی ہے، جو اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح اس کو پڑھنے کا حق ہے: وہ اللہ کی راہ نمائی (اسلام) کو مان لیتے ہیں، اور جو اللہ کی راہ نمائی (اسلام) کو نہیں مانیں گے وہی لوگ گھاٹے میں رہنے والے ہیں!

فائدہ: ﴿ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ﴾: اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح اس کو پڑھنے کا حق ہے: اس میں عظیم فائدہ ہے، اللہ کی تمام کتابوں کا، خاص طور پر قرآنِ کریم کا مطالعہ خالی ذہن سے کرنا چاہئے، پہلے سے نظریہ قائم کر کے قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق نہیں کرنا چاہئے، یہی تفسیر بالرای ہے، جو حرام ہے، گمراہ فرقے اور متجددین اسی طرح قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں، اور ظاہر بات ہے عینک جس رنگ کی ہوگی چیزیں ویسی ہی نظر آئیں گی اور شیشہ سفید ہوگا تو چیزیں اصلی حالت میں نظر آئیں گی، یہ عظیم فائدہ ہے، اہل کتاب اپنی کتابوں کا مطالعہ تعصب کا چشمہ لگا کر کریں گے تو

وہ حق کی راہ نمائی قبول نہیں کریں گے، اور قرآن کا مطالعہ نظریہ قائم کر کے کیا جائے گا تو گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	اے یعقوب کی اولاد	عَلَي الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں پر	وَّلَا يُقْبَلُ	اور نہیں قبول کیا جائیگا
اذْكُرُوْا	یاد کرو	وَاتَّقُوْا	اور ڈرو	مِنْهَا	اس کی طرف سے
نِعْمَتِيَ	میرا وہ انعام	يَوْمًا	اس دن سے	عَدْلٌ	کوئی بدلہ
الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ	جو کیا میں نے	لَّا تَجْزِىْ	نہیں کام آئے گا	وَّلَا تَنْفَعُهَا	اور نہیں کام آئیگی اسکے
عَلَيْكُمْ	تم پر	نَفْسٌ	کوئی شخص	شَفَاعَةٌ	کوئی سفارش
وَاَنِّىْ	اور یہ کہ میں نے	عَنْ نَّفْسٍ	دوسرے شخص کے	وَّلَا ھُمْ	اور نہ وہ
فَضَّلْتُكُمْ	برتری بخشی تم کو	شَـيْـــًٔـا	کچھ بھی	يُنْصَرُوْنَ	مدد کیے جائیں گے

بنی اسرائیل کے تفصیلی حالات جامع تمہید لوٹا کر پورے فرماتے ہیں

آیات ۴۷ و ۴۸ سے بنی اسرائیل کے احوال کا تفصیلی بیان شروع ہوا ہے، وہاں جو تمہید تھی اسی پر اختتام فرماتے ہیں، اس میں یہ سبق ہے کہ کسی چیز کا تفصیلی تذکرہ جامع تمہید سے شروع کرنا چاہئے، جیسے اصحابِ کہف کا تذکرہ جامع خلاصہ سے شروع کیا ہے، پھر اگر وہ مفصل تذکرہ تمہید لوٹا کر پورا کیا جائے تو لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

آیاتِ پاک: —— اے اولادِ یعقوب! میرے وہ احسانات یاد کرو جو میں نے تم پر کئے ہیں، اور (خاص طور پر) یہ انعام یاد رکھو کہ میں نے تم کو جہاں والوں پر برتری بخشی ہے —— یہ فضیلت اس وقت تک تھی جب تک وہ اپنے دین پر قائم تھے —— اور اس دن سے ڈرو جس میں کوئی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا —— قیامت کا دن مراد ہے —— اور نہ اس کی طرف سے کوئی بدلہ لیا جائے گا —— یعنی گناہ کا جرمانہ دے کر بھی سزا سے نہیں بچ سکے گا —— اور نہ اس کے لئے کوئی سفارش مفید ہوگی، اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے —— بلکہ وہ لامحالہ عذاب سے دوچار ہونگے!

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَـمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ

ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۲۴ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۱۲۵

وَاِذِ	اور (یادکرو) جب	قَالَ	فرمایا	مُصَلًّى	نماز کی جگہ
ابْتَلٰٓى	آزمایا (امتحان کیا)	لَا يَنَالُ	نہیں پہنچے گا	وَعَهِدْنَآ	اور قول وقرار کیا ہم نے
اِبْرٰهٖمَ	ابراہیم کو (کا)	عَهْدِي	میرا پیمان	اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ	ابراہیم سے
رَبُّهٗ	ان کے رب نے	الظّٰلِمِيْنَ	نافرمانوں کو	وَاِسْمٰعِيْلَ	اور اسماعیل سے
بِكَلِمٰتٍ	چند باتوں (احکام) سے	وَاِذْ	اور (یادکرو) جب	اَنْ طَهِّرَا	کہ پاک صاف رکھیں
فَاَتَمَّهُنَّ	پس پورا کیا اس نے ان کو	جَعَلْنَا	بنایا ہم نے		دونوں
قَالَ	فرمایا	الْبَيْتَ	بیت اللہ کو	بَيْتِيَ	میرے گھر کو
اِنِّيْ	بے شک میں	مَثَابَةً (۲)	جمع ہونے کی جگہ	لِلطَّآئِفِيْنَ	طواف کرنے والوں کیلئے
جَاعِلُكَ (۱)	بنانے والا ہوں آپ کو	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	وَالْعٰكِفِيْنَ	اور اعتکاف کرنے والوں
لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	وَاَمْنًا	اور امن کی جگہ		کے لئے
اِمَامًا	پیشوا	وَاتَّخِذُوْا	اور بناؤ تم	وَالرُّكَّعِ (۳)	اور رکوع کرنے والوں
قَالَ	عرض کیا	مِنْ مَّقَامِ	کھڑے ہونے کی جگہ کو		کے لئے
وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ	اور میری اولاد سے	اِبْرٰهٖمَ	ابراہیم کی	السُّجُوْدِ	سجدہ کرنے والوں کیلئے

بنی اسماعیل کا تذکرہ

بنی اسرائیل کے تذکرہ کے بعد اب بنی اسماعیل کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، اسماعیل علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے تھے، اسحاق علیہ السلام ان سے چھوٹے تھے، جن کے صاحبزادے یعقوب علیہ السلام ہیں، ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے، پس بنی اسماعیل کا تذکرہ پہلے آنا چاہئے تھا، مگر بنی اسرائیل کو نبوت سے پہلے سرفراز کیا

(۱) جاعل: اسم فاعل: بناؤں گا (۲) مثابة: ظرف مکان: لوٹنے کی جگہ، ثاب (ن) ثَوْبًا: لوٹنا (۳) الركع: الراكع کی جمع، السجود: الساجد کی جمع۔

ہے، اس لئے ان کا تذکرہ پہلے کیا، اور بنی اسماعیل کو آخر میں نبوت سے سرفراز کیا ہے اس لئے ان کا تذکرہ بعد میں کیا،

۱- ابراہیم علیہ السلام نے بنی اسماعیل کے لئے امامت (دینی پیشوائی) کی دعا کی جو قبول ہوئی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑے سخت حالات سے گذرنا پڑا ہے اور ان کو بعض سخت احکام بھی دیئے گئے ہیں، مثلاً:

۱- وطن میں ظالم حکومت (نمرود کی حکومت) اور جاہل عوام کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، باپ بھی سخت دشمن ہوگیا، سب نے مل کر آپ کو دہکتی آگ میں ڈالا، مگر اللہ نے بچالیا!

۲- بالآخر تنگ آ کر وطن چھوڑا، مصر پہنچے، وہاں جابر بادشاہ نے آپ کے حرم پر ہاتھ ڈالنا چاہا مگر اللہ نے ان کی عصمت کی حفاظت کی۔

۳- آخر میں فلسطین میں جا بسے، وہاں بڑی تمناؤں اور دعاؤں کے بعد صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، ابھی وہ شیر خوار تھے کہ وہ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت سارۃ رضی اللہ عنہا کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگے، چنانچہ ان کے مطالبہ پر ماں بیٹے کو ایک لق دق میدان میں چھوڑنا پڑا۔

۴- جب اسماعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہوئے تو ان کو قربان کرنے کا حکم ملا، جس کی ابراہیم علیہ السلام نے خوشی سے تعمیل کی، اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کو فدیہ دے کر بچالیا۔

۵- جب اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو کعبہ شریف کی تعمیر کا حکم ملا، باپ بیٹے نے بے سروسامانی کی حالت میں کعبہ شریف تعمیر کیا، باپ معمار تھا اور بیٹا مزدور!

۶- بڑی عمر میں ختنہ کا حکم ملا، اس کی بھی تعمیل کی، خود ہی اپنی ختنہ کی۔

ایسے ایسے کاموں سے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا، وہ امتحان میں کامیاب ہوئے تو صلہ ملا، وحی آئی کہ میں آپ کو تمام لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، چنانچہ آپ کے بعد نبی ﷺ تک تمام انبیاء ورسل آپ کے خاندان سے آئے، اور دنیا کے تینوں بڑے مذاہب (اسلام، عیسائیت اور یہودیت) آپ کی عظمت اور جلالتِ شان پر متفق ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا۔

جب یہ وحی آئی تو ابراہیم علیہ السلام نے موقع غنیمت جانا، اور دعا کی: الٰہی! یہ اعزاز میری کچھ اولاد کو بھی عطا فرمایا جائے، یہ دعا اسماعیل علیہ السلام کے حق میں قبول ہوئی، مگر ساتھ ہی بتلادیا کہ آپ کی اولاد میں سے جو نافرمان ہیں ان کو یہ منصب حاصل نہیں ہوگا۔

اس کی نظیر: فقہ کی کتابوں میں ہے کہ شبِ معراج میں جب نبی ﷺ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے تو اس طرح

سلام عرض کیا: التحیات للہ و الصلوات و الطیبات: تمام قولی، فعلی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں! پس بارگاہِ خداوندی سے جواب آیا: السلام علیك أیها النبی ورحمة الله وبرکاته، تو آپؐ نے موقع غنیمت جانا اور عرض کیا: السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین، یہ دعا قبول ہوئی، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب بندہ تشہد میں یہ کہتا ہے تو آسمان وزمین میں جو بھی نیک بندہ ہے اس کو سلام پہنچ جاتا ہے'' اسی طرح یہاں ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں استثناء فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ اصل دعا قبول فرمائی!

سوال: دعا میں تو لفظ ذریت ہے، جو عام ہے، بنی اسماعیل کے ساتھ خاص نہیں؟

جواب: بے شک عام ہے، مگر اس دعا کا تذکرہ اللہ پاک نے بنی اسماعیل کے تذکرہ میں کیا ہے، بنی اسرائیل کے تذکرہ میں نہیں کیا، یہ قرینہ ہے کہ یہ دعا خاص بنی اسماعیل کے حق میں قبول ہوئی ہے، چنانچہ خاتم النّبیین ﷺ کو ان کی اولاد میں مبعوث کیا، اور رہتی دنیا تک امامت کا تاج ان کی امت کو پہنایا۔

فائدہ: ﴿ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا: ینال عهدی الصالحین: فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دیا ہے، جیسے سورۃ احزاب (آیت ۷۲): ﴿ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴾ کا آدھا: إنه كان عدلاً علیماً: محذوف ہے، اور سورۃ آلِ عمران (آیت ۲۶) ﴿ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ﴾ کے بعد و الشر کو چھوڑ دیا ہے، سامع خود سمجھ لے گا کہ شر بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

﴿ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ابراہیمؑ کو ان کے پروردگار نے چند باتوں کے ذریعہ آزمایا، پس انھوں نے ان باتوں کو پورا کیا (تو) اللہ نے فرمایا: ''میں آپ کو تمام لوگوں کا پیشوا بناؤں گا!'' ابراہیمؑ نے عرض کیا: ''اور میری اولاد میں سے!'' اللہ نے فرمایا: ''میرے پیمان سے نافرمان لوگ استفادہ نہیں کریں گے!''

۲- بیت اللہ کی تولیت بنی اسماعیل کے سپرد ہوئی

بیت اللہ شریف انسانوں کے لئے پہلی عبادت گاہ ہے، وہ پہلی تجلی گاہِ ربانی ہے، وہ لوگوں کے لئے اسمبلی پوئنٹ (جمع ہونے کی جگہ) ہے، یہاں لوگ حج وعمرہ کے لئے ہر وقت آتے رہتے ہیں، وہ امن کی جگہ بھی ہے، اسی کی برکت سے اس کا صحن (حرم شریف) مامون ہے، جاہلیت میں بھی حرم میں کسی کو نہیں ستایا جاتا تھا، بیٹا: باپ کے قاتل سے ملتا تو کچھ تعرض نہ کرتا، اللہ کا یہ گھر بار بار تعمیر ہوا اور اجڑا، آخری مرتبہ اس کو حضرات ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا، اس کے بعد آج

تک نہیں اجڑا، عمارت کی تجدید ہوتی رہی مگر وہ ہمیشہ آباد رہا، وہاں مسلسل اللہ کی عبادت ہو رہی ہے۔

پس موجودہ بیت اللہ کے پہلے معمار حضرت ابراہیم ہیں، وہاں ان کی ایک خاص یادگار آج بھی موجود ہے، اور وہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو چنا، کہتے ہیں: جب کعبہ کی دیوار اتنی اونچی ہوگئی کہ پاڑ باندھنے کی ضرورت پیش آئی، اور اس کے لئے کوئی سامان نہیں تھا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ پتھر لائے، جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ چنا، یہ پتھر خود بخود اوپر نیچے ہوتا تھا، اور روایت میں ہے کہ حجر اسود کی طرح یہ پتھر بھی جنت سے لایا گیا تھا۔

یہ پتھر پہلے کعبہ شریف کے اندر رکھا ہوا تھا، پھر زمانۂ جاہلیت میں اس کو باہر نکال کر کعبہ شریف سے چند گز کے فاصلہ پر رکھا گیا، اس وقت سے آج تک وہ پتھر وہیں رکھا ہوا ہے، اس کے پاس طواف کا دوگانہ پڑھنا مسنون ہے۔

الحاصل: جب خانۂ کعبہ کی تعمیر مکمل ہوئی تو اس کی تولیت بنی اسماعیل کے سپرد ہوئی، جو بہت بڑی فضیلت ہے، اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹے سے قول و قرار کیا کہ وہ اللہ کے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے، اعتکاف کرنے والوں کے لئے، اور نماز پڑھنے والوں کے لئے تیار رکھیں، مسجد کو صاف رکھنا متولی کی ذمہ داری ہے، چنانچہ جب سے یہ نئی تعمیر ہوئی ہے، آج تک اس کی تولیت بنو اسماعیل کے پاس ہے۔

﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۖ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿١٢٥﴾﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور امن کی جگہ بنایا، اور تم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ، اور ہم نے ابراہیم واسماعیل سے قول و قرار کیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے، اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو!

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٢٦﴾

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	اِبْرٰهٖمُ	ابراہیم نے	اجْعَلْ	بنائیں
قَالَ	دعا کی	رَبِّ	اے میرے ربّ!	هٰذَا	اس کو

بَلَدًا اٰمِنًا [1]	امن والا شہر	بِاللّٰهِ	اللہ پر	قَلِيْلًا	تھوڑے دنوں
وَّارْزُقْ	اور روزی دیں	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن پر	ثُمَّ اَضْطَرُّهٗ [3]	پھر جبراً اسکو لے جاؤنگا
اَهْلَهٗ	اس کے لوگوں کو	قَالَ	فرمایا	اِلٰى عَذَابِ	عذاب کی طرف
مِنَ الثَّمَرٰتِ	پھلوں سے	وَمَنْ كَفَرَ	اور جس نے کفر کیا	النَّارِ	دوزخ کے
مَنْ اٰمَنَ	جو ایمان لایا	فَاُمَتِّعُهٗ [2]	پس فائدہ پہنچاؤں گا	وَبِئْسَ	اور بری ہے (وہ)
مِنْهُمْ	ان میں سے		میں اس کو	الْمَصِيْرُ	رہنے کی جگہ

۴۳-ابراہیم علیہ السلام نے بنی اسماعیل کے لئے پُر امن شہر اور روزی کی دعا فرمائی

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام: حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کے لق دق میدان میں چھوڑ کر واپس لوٹے تو پہاڑ کی اوٹ میں جا کر دو دعائیں کیں: الٰہی! یہ ویران جگہ پُر امن شہر بنے، اور یہاں کے لوگوں کو پھلوں کی روزی ملے، دونوں دعائیں قبول ہوئیں، وہاں جُرہم قبیلہ آ کر بسا، اور رفتہ رفتہ وہاں شہر مکہ وجود میں آیا، اور طائف وغیرہ سے بکثرت پھل آنے لگے، کسی چیز کا توڑا نہ رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں مسلمانوں کی تخصیص کی تھی، گذشتہ آیت میں آیا ہے کہ دینی امامت ظالموں کو نہیں ملے گی، اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے احتیاط برتی، مگر امامت اور دنیوی رزق کا معاملہ مختلف ہے، اللہ رحمان ہیں، دنیا میں ہر کسی کو روزی عنایت فرماتے ہیں، البتہ آخرت کے اعتبار سے رحیم ہیں، آخرت میں رحمت مؤمنین کے لئے خاص ہوگی، اس لئے وحی آئی کہ اس تخصیص کی ضرورت نہیں، دنیا میں چند دن روزی کافروں کو بھی ملے گی، البتہ آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے!

آیتِ پاک: اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے دعا کی: "اے میرے پروردگار! اس جگہ کو امن والا شہر بنا، اور اس کے باشندوں کو پھلوں سے روزی عنایت فرما، جو ان میں سے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے" —— اللہ نے فرمایا: "جو میرا دین قبول نہیں کرے گا اس کو بھی تھوڑے دنوں تک فائدہ پہنچاؤں گا، پھر اس کو کشاں کشاں دوزخ کے عذاب میں پہنچاؤں گا، اور وہ بری رہنے کی جگہ ہے!

(۱) یہ دعا شہر بسنے سے پہلے کی ہے، اس لئے بلدًا: نکرہ ہے، اور سورۃ ابراہیم (آیت ۳۵) والی دعا شہر بسنے کے بعد کی ہے، اس لئے وہاں البلد معرفہ ہے (۲) اُمَتِّعُ: تمتیع سے مضارع، واحد متکلم: تھوڑا بہت فائدہ پہنچانا (۳) اَضْطَرُّ: اِضطرار سے مضارع، واحد متکلم: مجبور کرنا۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	وَاجْعَلْنَا	اور بنا ہمیں	التَّوَّابُ	بہت توجہ فرمانے والے
يَرْفَعُ	اٹھا رہے تھے	مُسْلِمَيْنِ (۲)	دونوں کو حکم بردار	الرَّحِيْمُ	بڑے رحم فرمانے
اِبْرٰهٖمُ	ابراہیم	لَكَ	اپنا		والے ہیں
الْقَوَاعِدَ (۱)	بنیادیں	وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ	اور ہماری اولاد سے	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!
مِنَ الْبَيْتِ	بیت اللہ کی	اُمَّةً	ایک جماعت	وَابْعَثْ	اور مبعوث فرما
وَاِسْمٰعِيْلُ	اور اسماعیل	مُّسْلِمَةً	حکم بردار	فِيْهِمْ	ان میں
رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!	لَّكَ	آپ کی	رَسُوْلًا (۴)	عظیم رسول
تَقَبَّلْ	قبول فرما	وَاَرِنَا	اور دکھا ہمیں	مِّنْهُمْ	ان میں سے
مِنَّا	ہماری طرف سے	مَنَاسِكَنَا (۳)	ہمارے حج کے احکام	يَتْلُوْا	(جو) پڑھے
اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی		اور مقامات	عَلَيْهِمْ	ان پر
السَّمِيْعُ	خوب سننے والے	وَتُبْ	اور توجہ فرما	اٰيٰتِكَ	آپ کی آیتیں
الْعَلِيْمُ	سب کچھ جاننے والے ہیں	عَلَيْنَا	ہم پر	وَيُعَلِّمُهُمُ	اور سکھلائے ان کو
رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی	الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب

(۱) القواعد: القاعدۃ کی جمع: بنیادیں، دیوار کا وہ ابتدائی حصہ جو سطح زمین سے شروع ہو کر کچھ اوپر آجاتا ہے، جس پر پوری عمارت قائم ہوتی ہے، وہ چیز جس پر کوئی چیز قائم ہو، بیت اللہ کی بنیادیں پہلے سے ابھری ہوئی تھیں، ان پر عمارت اٹھائی گئی تھی (۲) مسلمین: تثنیہ، اسلام: سرافگندگی، انقیاد، حکم برداری (۳) مناسك: مَنسَك کی جمع، اسم ظرف: حج اور اس کے مقامات (۴) رسولاً: تنوین تعظیم کے لئے ہے

وَالْحِكْمَةَ (۱)	اور تہ کی باتیں	اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے ہیں
وَيُزَكِّيْهِمْ	اور ستھرا کرے ان کو	الْعَزِيْزُ	زبردست	۞	۞

۴- تعمیرِ کعبہ کے وقت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے چار دعائیں کیں

کعبہ شریف حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا، اور آپ نے اس کا حج بھی کیا تھا، سورۃ آلِ عمران (آیت ۹۶) میں ہے: ''سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے مقرر کیا گیا وہ کعبہ شریف ہے'' انسانوں کی ابتدا آدم علیہ السلام سے ہوئی ہے، پھر کعبہ شریف حوادث کا شکار ہو گیا، اور اس کی عمارے باقی نہ رہی اور حج کا سلسلہ بھی رک گیا، مگر اس کی بنیادیں باقی تھیں، برساتی نالے نے اس پر مٹی چڑھادی تھی، اور وہاں ٹیلہ بن گیا تھا۔

پھر جب جُرہم قبیلہ وہاں آ کر آباد ہوا، اور اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے، تو ملک شام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعمیرِ کعبہ کا حکم ملا، وہ مکہ آئے، اور اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ تعمیر کیا، روایات میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر بنیادوں کی نشاندہی کی، ٹیلہ ہٹایا گیا تو نیچے بھری ہوئی نیو نکلی، چنانچہ اس پر دیواریں اٹھائی گئیں، اس لئے فرمایا: ''وہ بیت اللہ کی دیواریں اٹھارہے تھے''

غرض: تعمیرِ کعبہ کے وقت دونوں حضرات نے چار دعائیں کیں:

(الف) قبولیتِ خدمت کی دعا ـــــ انبیاء علیہم السلام کبھی اپنے کسی کارنامہ پر ناز نہیں کرتے، وہ ہمیشہ اللہ کے سامنے سرِ نیاز خم کئے رہتے ہیں، نبی ﷺ کی سواری فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئی تو آپ کا سر مبارک کجاوے سے لگا ہوا تھا، اور اترتے ہی شکرانہ کی آٹھ رکعتیں پڑھیں۔

پھر آخر دعا میں عرض کیا ہے کہ آپ سمیع وعلیم ہیں، ہماری دعا سن رہے ہیں، اور ہمارے دلوں کی کیفیت جان رہے ہیں، ہم اخلاص سے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، اور اخلاص کی آپ کے یہاں قدر ہے، اس لئے ہماری یہ دعا قبول فرما!

(ب) اپنی اور اپنی اولاد کی اطاعت وفرمان برداری کی دعا ـــــ نیک بندے ہمیشہ اپنی اولاد کے دین کی فکر کرتے ہیں، اولاد ایماندار ہوگی تو ہی جنت میں ساتھ ہوگی، اس لئے اپنے ساتھ اپنی ذریت کے لئے بھی دعا کی ہے کہ ان کو بھی اپنا فرمان بردار بنا۔

سوال: حضرات ابراہیم واسماعیل علیہما السلام انبیاء تھے، اور پہلے سے پیکر طاعت تھے، پھر انھوں نے یہ دعا کیوں کی کہ ہمیں اپنا فرمان بردار بنا!

(۱) حکمت: تہ کی بات، دانشمندی کی بات، گر کی بات، مراد احادیث شریفہ ہیں۔

جواب: یہ دعا ایسی ہے جیسے نماز میں دعا کرتے ہیں: ﴿ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ﴾: (الٰہی!) ہمیں سیدھا راستہ دکھا، جبکہ وہ سیدھا راستہ دیکھے ہوئے ہیں، جبھی سر عبودیت خم کئے ہوئے ہیں، پس یہ استقامت کی دعا ہے، اسی طرح مذکورہ دعا مداومت کی دعا ہے۔

فائدہ: ذریت کے عموم میں نبی ﷺ کی پہلی امت پھر ساری امت شامل ہے، سورۃ الحج کی آخری آیت میں ہے: ﴿ هُوَ سَمّٰىكُمُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۙ مِنۡ قَبۡلُ ﴾: ابراہیم علیہ السلام قبل ازیں تمہارا نام امت مسلمہ رکھ چکے ہیں، اس آیت میں مذکورہ دعا کی طرف اشارہ ہے۔

(ج) حج کے مقامات بتانے کی اور اس کے احکام سکھانے کی دعا —— کعبہ شریف کی تعمیر حج کے لئے ہوئی ہے، چنانچہ تعمیر سے فارغ ہوتے ہی حکم ملا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کریں، سورۃ الحج (۲۷) میں اس کا ذکر ہے، چنانچہ حج کی عبادت شروع ہوگئی، جو آج تک چل رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قائم ودائم رکھے!

اور اس دعا کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تواب ورحیم ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ حج کی عبادت مغفرت کا ذریعہ ہے، حدیث ہے: **الحج یھدم ما کان قبلہ**: حج سابقہ گناہوں کو ڈھادیتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ جس نے حج کیا، اور رفث وفسوق وجدال نہیں کیا تو وہ ایسا گناہوں سے پاک صاف ہو کر لوٹتا ہے جیسا وہ بوقت ولادت تھا۔

البتہ توبہ شرط ہے، اور توبہ قولی بھی ہوتی ہے اور فعلی بھی، فعلی توبہ یہ ہے کہ زندگی کا ورق پلٹ دے، بری زندگی لے کر گیا تھا، اچھی زندگی لے کر لوٹے، تو یہ دلیل ہوگی کہ گناہ دھل گئے۔

(د) خاتم النّبیین ﷺ کی بعثت کی دعا —— نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا کا ظہور ہوں'' یعنی ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی یہ دعا نبی ﷺ کے لئے تھی —— پھر آپ نے نبی ﷺ کی بعثت کے چار مقاصد بیان کئے:

(الف) وہ لوگوں کو اللہ کی کتاب پڑھ کر سنائے —— چنانچہ نبی ﷺ لوگوں کو نمازوں میں، نزولِ وحی کے ساتھ، اور مسلموں اور غیر مسلموں کے اجتماعات میں قرآن سناتے تھے، اور وہ چونکہ اہل لسان تھے، اس لئے قرآن کی دعوت سمجھتے تھے۔

(ب) لوگوں کو قرآن سکھائے: —— قرآن کی بعض باتیں اہل لسان بھی نہیں سمجھ سکتے، جیسے قرآن میں نماز کا حکم ہے، مگر نماز کیا ہے؟ یہ قرآن میں نہیں، البتہ قرآن میں ارکانِ نماز کو متفرق جگہ بیان کیا ہے، نبی ﷺ نے ان کو جمع کر کے نماز کی ہیئتِ ترکیبی بنائی، اور پڑھ کر دکھائی، یہ قرآن کی تعلیم ہے۔

(ج) حکمت سکھائے: حکمت کے معنی ہیں: تہہ کی باتیں، قرآنِ کریم میں کچھ گہری باتیں ہیں، جو آیات کی تہہ میں

ہیں، ان کو سکھانا بھی نبی ﷺ کی ذمہ داری تھی، مثلاً: قرآن میں رضاعت کے تعلق سے دو رشتوں کی حرمت کا بیان ہے، ایک: رضاعی ماں کا، دوسری: رضاعی بہن کا، جبکہ رضاعت سے وہ ساتوں رشتے حرام ہوتے ہیں جو ناتے (نسب) سے حرام ہوتے ہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: **يَحْرُمُ من الرَّضاعة ما يحرم من الولادة** (رواہ البخاری) معلوم ہوا کہ قرآن میں دو رشتوں کا ذکر بطور مثال ہے، یہ حکمت کی تعلیم ہے۔

(د) تزکیہ کرے، ظاہر و باطن کو صاف کرے: —— اسلام میں ظاہری پاکی کی بھی اہمیت ہے، فرمایا: **الطهور شطر الإيمان**: پاکی آدھا ایمان ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے وضوء غسل اور پانی کی پاکی ناپاکی کے مسائل تفصیل سے بیان فرمائے —— اور جس طرح آدمی کا ظاہر صاف اور ناصاف ہوتا ہے باطن بھی صاف اور ناصاف ہوتا ہے، باطن کی پاکی اخلاقِ حسنہ ہیں اور ناپاکی اخلاقِ سیئہ، پس اللہ کے رسول کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ امت کو سنوارے، برے اخلاق سے پاک کرے اور عمدہ اخلاق سے آراستہ کرے، فرمایا: **بُعثتُ لأتمم مكارم الأخلاق**: میری بعثت اس لئے ہے کہ میں تمام اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دیدوں، اسی کو قرآن کی اصطلاح میں تزکیہ کہتے ہیں۔

پھر آخر آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زبردست اور حکیم ہیں، وہ چاہیں تو بنی اسرائیل میں خاتم النّبیین ﷺ کو مبعوث فرمائیں اور چاہیں تو بنی اسماعیل میں، البتہ وہ حکیم بھی ہیں، ان کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ خاتم النّبیین ﷺ کو بنی اسماعیل میں مبعوث فرمائیں۔

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بعثتِ نبوی کے جو چار مقاصد بیان کئے ہیں وہ اللہ پاک نے سورۃ آلِ عمران (آیت ۱۶۴) اور سورۃ الجمعہ (آیت ۲) میں بھی بیان فرمائے ہیں، وہاں بھی ان مقاصد کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

آیاتِ پاک: —— اور (یاد کرو) جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھارہے تھے —— یعنی بھری ہوئی نیو پر دیوار چن رہے تھے —— اور اسماعیل (بھی اور اس وقت دونوں دعا کررہے تھے:)

۱- اے ہمارے رب! ہماری طرف سے (یہ خدمت) قبول فرما! بے شک آپ ہی خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں!

۲- اے ہمارے رب! اور ہمیں اپنا فرماں بردار بندہ بنا، اور ہماری اولاد میں سے (بھی) اپنی ایک فرماں بردار جماعت بنا!

۳- اور ہمیں ہمارے مناسک (حج کے مقامات بتا اور احکام) سکھا، بے شک آپ ہی بڑے توجہ فرمانے والے، بڑے مہربان ہیں۔

۴- اے ہمارے رب! اور ان میں انہیں میں سے ایک عظیم رسول مبعوث فرما: (الف) جو ان کو آپ کی آیتیں پڑھ کر سنائے (ب) اور ان کو کتاب اللہ کی تعلیم دے (ج) اور حکمت کی باتیں سکھائے (د) اور ان کو ستھرا کرے ـــــ بے شک آپ ہی زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔

وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِي الدُّنۡيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى لَكُمُ الدِّيۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ؕ اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۴﴾

وَمَنۡ [1]	اور نہیں	فِي الدُّنۡيَا	دنیا میں	اَسۡلَمۡتُ	مسلمان (منقاد) ہوا میں
يَّرۡغَبُ	اعراض کرتا	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ	لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ	جہاں کے رب کیلئے
عَنۡ مِّلَّةِ	مذہب سے	فِي الۡاٰخِرَةِ	آخرت میں	وَوَصّٰى بِهَا	اور وصیت کی اس
اِبۡرٰهٖمَ	ابراہیم کے	لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ	یقیناً نیکوں میں سے ہے		(ملت) کی
اِلَّا مَنۡ	مگر جس نے	اِذۡ	(یاد کرو) جب	اِبۡرٰهٖمُ	ابراہیم نے
سَفِهَ [2]	نادان ٹھہرایا	قَالَ لَهٗ	فرمایا اس سے	بَنِيۡهِ	اپنے بیٹوں کو
نَفۡسَهٗ	اپنے آپ کو	رَبُّهٗۤ	اس کے رب نے	وَيَعۡقُوۡبُ	اور یعقوب نے
وَلَقَدِ	اور البتہ تحقیق	اَسۡلِمۡ	مسلمان (منقاد) ہو	يٰبَنِيَّ	اے میرے بیٹو!
اصۡطَفَيۡنٰهُ	برگزیدہ کیا ہم نے اس کو	قَالَ	جواب دیا اس نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ نے

(۱) مَن: برائے استفہام انکاری ہے، اس لئے 'نہیں' ترجمہ کیا ہے (۲) سَفِهَ نَفۡسَهٗ: بے وقوفی اور نادانی کا مرتکب ہونا، ذرا بھی عقل نہ ہونا۔

اصْطَفٰى	منتخب کیا ہے	لِبَنِيْهِ	اپنے بیٹوں سے	وَنَحْنُ لَهٗ	اور ہم اس کے لئے ہونگے
لَكُمُ	تمہارے لئے	مَا تَعْبُدُوْنَ	کس کی عبادت کروگے تم	مُسْلِمُوْنَ	مسلمان
الدِّيْنَ	ایک مذہب	مِنْ بَعْدِيْ	میرے بعد؟	تِلْكَ	وہ
فَلَا تَمُوْتُنَّ	پس ہرگز نہ مرنا تم	قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	اُمَّةٌ	ایک جماعت تھی
اِلَّا وَاَنْتُمْ	مگر درانحالیکہ تم	نَعْبُدُ	عبادت کریں گے ہم	قَدْ خَلَتْ	تحقیق گذر چکی
مُّسْلِمُوْنَ	مسلمان ہوؤ	اِلٰهَكَ	آپ کے معبود کی	لَهَا مَا	اس کے لئے ہے جو
اَمْ كُنْتُمْ	کیا تھے تم	وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ	اور آپ کے اسلاف	كَسَبَتْ	کمایا اس نے
شُهَدَآءَ	موجود		کے معبود کی	وَلَكُمْ مَّا	اور تمہارے لئے ہے جو
اِذْ حَضَرَ	جب قریب آئی	اِبْرٰهٖمَ	ابراہیم	كَسَبْتُمْ	کمایا تم نے
يَعْقُوْبَ	یعقوب کے	وَاِسْمٰعِيْلَ	اور اسماعیل	وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ	اور نہیں پوچھے جاؤ گے تم
الْمَوْتُ	موت	وَاِسْحٰقَ	اور اسحاق کی	عَمَّا كَانُوْا	ان کاموں سے جو وہ تھے
اِذْ قَالَ	جب پوچھا اس نے	اِلٰهًا وَّاحِدًا (۱)	ایک معبود کی	يَعْمَلُوْنَ	کرتے

۵- عظیم رسول کا مذہب اسلام ہے، وہی ابراہیمؑ اور ان کے دونوں صاحبزادوں کا مذہب تھا، اس کو اختیار کرو، اسی میں نجات ہے

جاننا چاہئے کہ صحیح یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چلی ہے، اور موجودہ یہودیت: معلوم نہیں کب بگڑی ہے؟ یہی حال عیسائیت کا ہے، صحیح عیسائیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چلی ہے، اور آج کی عیسائیت بعد میں لوگوں نے بگاڑی ہے، اور موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کا زمانہ یعقوب علیہ السلام کے بہت بعد ہے، اور بنی اسرائیل (یہود ونصاریٰ) یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا نام ہے، پس یعقوب علیہ السلام اور ان کے اسلاف کا مذہب یہودیت ونصرانیت نہیں تھا، ان کا مذہب اسلام تھا، یہی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے دونوں صاحبزادوں کا مذہب تھا، اسی مذہب کو عظیم الشان رسول ﷺ پیش کررہے ہیں، جن کی بعثت کے لئے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے بنائے کعبہ کے وقت دعا کی ہے، لہٰذا ان کے مذہب کو اختیار کرو، اسی میں نجات ہے، تمہارے اسلاف کے اعمال سے تمہاری نجات نہیں ہوگی!

یہ آیات کا خلاصہ ہے، اب جاننا چاہئے کہ ان آیات میں بالترتیب پانچ باتیں ہیں:

---

(۱) اِلٰها واحدًا: اِلٰهك سے بدل ہے۔

۱- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب سے جو روگردانی کرتا ہے وہ اپنی عقل کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑتا ہے ـــــ ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) کے جد امجد ہیں، عظیم پیغمبر ہیں، دنیا میں بھی اللہ نے ان کو مقتدیٰ بنایا ہے اور آخرت میں بھی وہ سرفراز ہونگے، ایسے پیغمبر کے مذہب سے جو منہ موڑتا ہے وہ پرلے درجہ کا نادان ہے، اس کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔

﴿ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور ابراہیمؑ کے مذہب سے وہی شخص اعراض کرتا ہے جس میں ذرا بھی عقل نہیں، اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس کو دنیا میں برگزیدہ کیا، اور وہ آخرت میں بالیقین نیکوں کے زمرہ میں ہے!

۲- ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اسلام تھا ـــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ اللہ کے دین کے سامنے سرافگندہ رہے، اسی کا نام اسلام ہے۔ مسلمان میں الف نون زائدتان ہیں، اور مسلم کے معنی ہیں: سرافگندہ، مطیع و فرمان بردار، جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے دین کو قبول کرے وہ مسلمان ہے، اور دین ہمیشہ اللہ کے یہاں سے اسلام ہی آیا ہے: ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾: بے شک دین اللہ کے پاس اسلام ہی ہے [آل عمران ۱۹] دیگر ادیان لوگوں کے بگاڑے ہوئے یا خود ساختہ ہیں۔

﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

ترجمہ: (یاد کرو) جب اس کو اس کے رب نے حکم دیا کہ مسلمان (منقاد) ہو! (تو فی الفور) اس نے جواب دیا: میں جہانوں کے پالنہار کا حکم بردار ہوں! ـــــ یعنی مسلمان ہوں، اور یہ انقیاد کی تعبیر ہے کہ ہمیشہ سے تابع فرمان ہوں، پس یہاں یہ سوال فضول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کب مسلمان ہوئے؟ اور اس سے پہلے کیا تھے؟ انبیاء پر بددینی (کفر و شرک) کا ایک لحہ بھی نہیں گذرتا!

۳- ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو اسلام ہی پر جینے مرنے کی وصیت کی ہے ـــــ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی جس چیز کو اپنے لئے پسند کرے اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرے: لایؤمن أحدُکم حتی یحبَّ لأخیہ ما یحبُّ لنفسہ (متفق علیہ) اور اولاد تو بھائی سے بھی قریب ہے، اس لئے دونوں بزرگوں نے اپنی اولاد کو اسلام کی رسّی مضبوط پکڑے رہنے کی وصیت کی تھی۔

﴿ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور اسی مذہب کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب نے بھی: اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہارے لئے ایک دین (اسلام) منتخب کیا ہے، پس تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ہونے کی حالت میں!

۴- یہود و نصاریٰ غلط کہتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہودیت یا نصرانیت کی وصیت کی تھی، نہیں، بلکہ انھوں نے مسلمان رہنے کی وصیت کی تھی ـــــ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ سے پوچھتے ہیں: کیا تم یعقوبؑ کی وفات کے وقت موجود تھے، جب انھوں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی؟ نہیں تھے! پھر تم یہ بات کیسے کہتے ہو؟ محض سنی سنائی اُڑا رہے ہو یا گھڑ کر چلا رہے ہو! ـــــ دیکھو! اللہ پاک اس وقت موجود تھے، وہ بتا رہے ہیں کہ جب یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آیا، تو انھوں نے سب بیٹوں کو بلایا، اور پوچھا: میرے بچو! میرے بعد تمہارا مذہب کیا رہے گا؟ سب نے کہا: اسلام ہمارا مذہب ہوگا جو آپ کا اور آپ کے جد امجد ابراہیم کا اور ان کے دونوں صاحبزادوں اسماعیل و اسحاق کا مذہب ہے، جس میں ایک اللہ کی عبادت کی جاتی ہے، اور ہم مسلمان مریں گے!

﴿ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَآئِكَ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ إِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴾

ترجمہ: کیا تم موجود تھے جب موت یعقوبؑ کے قریب آئی، جب اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا: "میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے؟" انھوں نے جواب دیا: "ہم آپ کے اور آپ کے اسلاف ابراہیم و اسماعیل و اسحاق کے ایک معبود کی عبادت کریں گے، اور ہم اس کے لئے فرماں بردار رہیں گے!"

سوال: یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادوں نے 'آباء' میں اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کیا ہے، جبکہ وہ یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے، باپ یا دادا نہیں تھے، نیز ان کا ذکر اسحاق علیہ السلام سے پہلے کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: آباء بمعنی اسلاف ہے، اور چچا بمنزلہ باپ ہوتا ہے، حدیث میں ہے: عَمُّ الرجلِ صِنْوُ أبِيْه: چچا اور باپ ایک جڑ سے نکلنے والے دو درخت ہیں، اور اسماعیل علیہ السلام: اسحاق علیہ السلام سے چودہ سال بڑے ہیں، اور بڑے کا حق بڑا ہے، اس لئے ان کا تذکرہ پہلے کیا ہے، اور دونوں صاحبزادوں کے تذکرہ میں اشارہ ہے کہ دونوں خانوادوں کا مذہب اسلام تھا، بعد میں بنی اسرائیل نے اپنی راہ الگ کرلی، اور بنی اسماعیل اپنی راہ پر رہے۔

۵- اسلاف کے مذہب کے صحیح ہونے سے گمراہ اخلاف کی بخشش نہیں ہوسکتی ـــــ یہود و نصاریٰ کا گمان ہے کہ چونکہ ان کے اسلاف جلیل القدر انبیاء ہیں، اس لئے وہ سفارش کر کے ان کو بخشوا لیں گے، ان کا یہ خیال غلط ہے، قیامت کے دن نہ تو کسی کی نیکیاں کسی کو ملیں گی نہ کسی کا گناہ کسی پر ڈالا جائے گا، اسلاف کی نیکیاں اسلاف کے لئے

ہیں اور اخلاف کی اخلاف کے لئے، اسی طرح اسلاف کے گناہ ان کے ذمہ ہونگے، اخلاف سے ان کے بارے میں سوال نہیں ہوگا، یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے کہ اخلاف کے گناہوں کی ذمہ داری انہی پر ہوگی، اسلاف ان کو نہیں ڈھوئیں گے، قرآنِ کریم میں چار پانچ جگہ ہے: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾: کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا [الانعام ۱۶۴]

فائدہ: اسلاف کی نیکیوں سے اخلاف کو فائدہ پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ مؤمن ہوں، گمراہوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور گناہ تو کسی کے کوئی نہیں ڈھوئے گا، یہ قاعدہ مؤمنین و کفار سب کے لئے عام ہے، رہی سفارش تو وہ دوسرا مسئلہ ہے۔

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ، لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ، وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ (اسلاف) ایک جماعت ہے جو گذر چکی، اس کے لئے مفید وہ (نیک عمل) ہے جو اس نے کیا، اور تمہارے لئے مفید وہ (نیک عمل) ہے جو تم نے کیا، اور تم سے ان کاموں (گناہوں) کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے ـــــ یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے: اور جو گناہ تم کر رہے ہو اس کے وہ (اسلاف) ذمہ دار نہیں، تمہیں خود ان کی جواب دہی کرنی ہوگی!

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا، قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا، وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۳۵ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ، لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۱۳۶ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا، وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ، فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ، وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۳۷ صِبْغَةَ اللّٰهِ، وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ز وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝۱۳۸ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ، وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ، وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝۱۳۹ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى، قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ، وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ، وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۰ تِلْكَ

اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع

وَقَالُوْا	اور انھوں نے کہا	وَاِسْمٰعِيْلَ	اور اسماعیل	فَقَدِ اهْتَدَوْا	تو یقیناً راہ پالی انھوں نے
كُوْنُوْا	ہوجاؤ	وَاِسْحٰقَ	اور اسحاق	وَاِنْ تَوَلَّوْا	اور اگر روگردانی کریں وہ
هُوْدًا	یہودی	وَيَعْقُوْبَ	اور یعقوب	فَاِنَّمَا هُمْ	تو اس کے سوانہیں کہ وہ
اَوْ نَصٰرٰى	یا عیسائی	وَالْاَسْبَاطِ (۴)	اور نبیروں پر	فِيْ شِقَاقٍ (۵)	ضد میں ہیں
تَهْتَدُوْا (۱)	راہ پالوگے تم	وَمَآ اُوْتِيَ	اور اس پر جو دیئے گئے	فَسَيَكْفِيْكَهُمُ (۶)	پس اب نمٹ لیں گے
قُلْ	کہو	مُوْسٰى وَعِيْسٰى	موسیٰ اور عیسیٰ		آپ کی طرف سے ان سے
بَلْ مِلَّةَ	بلکہ مذہب	وَمَآ اُوْتِيَ	اور اس پر جو دیئے گئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اِبْرٰهٖمَ	ابراہیم کا	النَّبِيُّوْنَ	انبیاء	وَهُوَ السَّمِيْعُ	اور وہ خوب سننے والے
حَنِيْفًا (۲)	یکسو ہونے والا	مِنْ رَّبِّهِمْ	ان کے رب کی طرف سے	الْعَلِيْمُ	ہر بات جاننے والے ہیں
وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا وہ	لَا نُفَرِّقُ	نہیں تفریق کرتے ہم	صِبْغَةَ اللّٰهِ (۷)	اللہ کا رنگنا!
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں میں سے	بَيْنَ اَحَدٍ	کسی کے درمیان	وَمَنْ اَحْسَنُ	اور کون اچھا ہے
قُوْلُوْٓا	کہو تم	مِّنْهُمْ	ان میں سے	مِنَ اللّٰهِ	اللہ سے
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ	ایمان لائے ہم اللہ پر	وَنَحْنُ لَهٗ	اور ہم اس کے	صِبْغَةً	رنگنے میں؟
وَمَآ اُنْزِلَ (۳)	اور اس پر جو اتارا گیا	مُسْلِمُوْنَ	منقاد ہیں	وَّنَحْنُ لَهٗ	اور ہم اسی کی
اِلَيْنَا	ہماری طرف	فَاِنْ اٰمَنُوْا	پس اگر ایمان لائیں وہ	عٰبِدُوْنَ	عبادت کرنے والے ہیں
وَمَآ اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا	بِمِثْلِ مَآ	اس طرح جس طرح	قُلْ	کہو
اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ	ابراہیم پر	اٰمَنْتُمْ بِهٖ	ایمان لائے ہو تم اس پر	اَتُحَآجُّوْنَنَا	کیا بحث کرتے ہو ہم سے

(۱) تهتدوا: جوابِ امر ہے (۲) حنیفا: ابراہیم کا حال ہے، حنیف: تمام باطل ادیان سے یکسو ہوکر دین حق کی طرف مائل ہونے والا، حَنَفَ (ض) حَنْفًا عن الشيئ: ایک طرف کو جھکنا (۳) وما: اللہ پر عطف ہے (۴) سِبط: پوتے نواسے، نبیرہ۔ (۵) شقاق: ضد، شدید اختلاف ...... اور بمثل میں مثل: تحسین کلام کے لئے زائد ہے (۶) اس میں مفعول کی دو ضمیریں ہیں: کاف اور هم، كفى يكفي: کافی ہونا (۷) صِبغة الله: فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، جس کا حذف واجب ہے أي صَبَغَنَا الله صِبْغَةً ...... اور صبغةً تمیز ہے

فِي اللهِ[1]	اللہ (کی رحمت) میں	وَيَعْقُوْبَ	اور یعقوب	عَمَّا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم
وَهُوَ رَبُّنَا	درانحالیکہ وہ ہمارا رب ہے	وَالْاَسْبَاطَ	اور پوتے نواسے		کرتے ہو
وَرَبُّكُمْ	اور تمہارا رب ہے	كَانُوْا هُوْدًا	تھے وہ یہودی	تِلْكَ اُمَّةٌ	وہ ایک جماعت ہے
وَلَنَآ اَعْمَالُنَا	اور ہمارے لئے ہمارے	اَوْ نَصٰرٰى	یا عیسائی	قَدْ	تحقیق
	کام ہیں	قُلْ	کہو	خَلَتْ	گذر گئی
وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے	ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ	تم زیادہ جانتے ہو	لَهَا مَا	اس کے لئے ہے جو
اَعْمَالُكُمْ	تمہارے کام ہیں	اَمِ اللهُ	یا اللہ تعالیٰ	كَسَبَتْ	کمایا اس نے
وَنَحْنُ لَهٗ	اور ہم اسی کے لئے	وَمَنْ اَظْلَمُ	اور کون بڑا ظالم ہے	وَلَكُمْ مَّا	اور تمہارے لئے ہے جو
مُخْلِصُوْنَ	اخلاص سے کام کرنے	مِمَّنْ كَتَمَ	اس سے جس نے چھپائی	كَسَبْتُمْ	کمایا تم نے
	والے ہیں	شَهَادَةً	اللہ کی گواہی	وَلَا تُسْئَلُوْنَ	اور نہیں پوچھے جاؤ گے تم
اَمْ تَقُوْلُوْنَ	کیا کہتے ہو تم	عِنْدَهٗ[2]	اس کے پاس	عَمَّا كَانُوْا	ان گناہوں کے بارے
اِنَّ اِبْرٰهٖمَ	بے شک ابراہیم	مِنَ اللهِ[3]	اللہ کی طرف سے		میں جو تھے
وَاِسْمٰعِيْلَ	اور اسماعیل	وَمَا اللهُ	اور نہیں ہیں اللہ	يَعْمَلُوْنَ	وہ کرتے
وَاِسْحٰقَ	اور اسحاق	بِغَافِلٍ	بے خبر	۞	۞

یہود ونصاریٰ مسلمان ہونے کے بجائے مسلمانوں کو اپنی طرف بلاتے ہیں!

یہود ونصاریٰ اپنے مذاہب کو برحق سمجھتے ہیں، اس لئے مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں: یہودی کہتے ہیں: ہمارا دین اختیار کرلو، یہی ہدایت کا راستہ ہے، یہی بات عیسائی بھی کہتے ہیں۔

قرآن کہتا ہے: ہدایت کا راستہ ابراہیم کا راستہ ہے، ابراہیم تمام باطل ادیان سے یکسو ہوکر اللہ کے دین کی طرف مائل تھے، لہٰذا ان کا دین اختیار کرو، وہی ہدایت کا راستہ ہے، اور ان کی ملت پر اب نبی آخر الزماں ﷺ مبعوث ہوئے ہیں، لہٰذا مسلمان ہوجاؤ، یہی برحق دین ہے، تمہارے ادیان ابراہیم کی ملت نہیں، اور مشرکین کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ہم ملتِ ابراہیم پر ہیں، ابراہیم مشرک کہاں تھے! وہ تو موحد ایک اللہ کے پرستار تھے۔

(۱) فی اللہ: مضاف محذوف ہے یعنی اللہ کی رحمت کے بارے میں۔ (۲) عندہ: اللہ کی پہلی صفت ہے (۳) من اللہ: اللہ کی دوسری صفت ہے۔

﴿ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے کہا: یہودیت اختیار کرلو یا عیسائیت راہ راست پالوگے! ـــــ بلکہ یکسو ہونے والے ابراہیم کی ملت (اختیار کرو وہی راہِ راست ہے) اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

ملتِ ابراہیم پر ایمان لانے کے لئے تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے

تمام انبیاء علیہم السلام اللہ کے نمائندے ہیں، سب پر اللہ کی طرف سے وحی آتی تھی، کتابیں بھی اللہ نے نازل فرمائی ہیں، پس مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ انبیاء کی وحی پر اور رسولوں کی کتابوں پر بلاتفریق ایمان لائے، رہا عمل کا معاملہ تو وہ ناسخ شریعت پر ہوگا، منسوخ شریعتوں پر عمل نہیں ہوگا، جیسے پارلیمنٹ وقتاً فوقتاً قانون بدلتی ہے، پس عمل آخری قانون پر ہوتا ہے، سابقہ قوانین پر نہیں ہوتا، اگرچہ وہ بھی برحق قوانین تھے۔

﴿ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾

ترجمہ: کہو: ہم ایمان لائے اللہ پر، اور اس کتاب پر جو ہماری طرف اتاری گئی، اور ان وحیوں پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے نبیروں پر ـــــ یعنی انبیائے بنی اسرائیل پر ـــــ اتاری گئیں، اور ان کتابوں پر جو موسیٰ اور عیسیٰ دیئے گئے، اور ان کتابوں پر جو دیگر انبیاء ان کے پروردگار کی طرف سے دیئے گئے، ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے، اور ہم اللہ کے احکام کے پابند ہیں!

اگر یہود ونصاریٰ تمہاری طرح ایمان نہ لائیں تو ان کے شر کا خوف مت کھاؤ

ایمان وہی معتبر ہے جس کا ذکر ابھی آیا، اگر یہود ونصاریٰ اس طرح ایمان لاتے ہیں تو وہ مسلمان ہیں، اور تمہارے بھائی ہیں، ورنہ وہ تمہارے کٹر دشمن ہیں، مگر تم ان کی دشمنی کا خوف مت کرو، اللہ ان کے شر سے تمہاری حفاظت کریں گے، وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اللہ تعالیٰ سب کچھ سن رہے ہیں، سب احوال سے باخبر ہیں۔

﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾

ترجمہ: پس اگر وہ اُس طرح ایمان لائیں جس طرح تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو یقیناً انھوں نے راہِ راست پالی، اور

اگر وہ روگردانی کریں تو وہی لوگ ضد میں ہیں ـــــ اور تم حق پر ہو ـــــ پس اب اللہ آپ کی طرف سے ان سے نمٹ لیں گے، اور وہ خوب سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں!

اللہ کے دین کا رنگ سب سے اچھا رنگ ہے!

عیسائی شیخی بگارتے ہیں، کہتے ہیں: ہمارے پاس ایک زرد پانی ہے، جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے یا کوئی ہمارے دین میں داخل ہوتا ہے تو ہم اس کو اس پانی میں غوطہ دیتے ہیں، جس سے وہ گناہوں سے پاک اور پکا نصرانی بن جاتا ہے، مسلمانوں کے پاس ایسا پانی نہیں!

اللہ پاک فرماتے ہیں: یہ محض رسم ہے، اس سے کیا ہوتا ہے؟ حقیقی رنگ اللہ کے دین کا رنگ ہے، اسے اپنے اوپر چڑھاؤ، اور صرف اللہ کی بندگی کرو، یہی کامیابی کا راستہ ہے، باقی سب رنگ بےکار ہیں۔

﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ کا رنگنا! اور اللہ سے اچھا رنگنے والا کون ہے؟ اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے ہیں!

یہود ونصاریٰ کہتے ہیں: ہم ہی اللہ کی رحمت کے حقدار ہیں

یہود ونصاریٰ: مسلمانوں سے جھگڑا کرتے ہیں، کہتے ہیں: ہم ہی اللہ کی رحمت کے حقدار ہیں، کیونکہ ہم ہی اللہ کے دین پر ہیں، مسلمانوں کا اللہ کی رحمت میں کوئی حصہ نہیں، ان کا دین اللہ کا دین نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان سے کہو: اللہ جیسا تمہارا رب ہے ہمارا بھی رب ہے، ایک وقت میں اللہ نے تم کو اپنا دین دیا، اب ہم کو دیا ہے، اور ہم جو اعمال کرتے ہیں خالص اللہ کے لئے کرتے ہیں، اور تم پرانی لکیر پیٹ رہے ہو، پھر کیا وجہ ہے کہ تمہارے اعمال تو مقبول ہوں اور ہمارے اعمال مقبول نہ ہوں؟

﴿قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کہو: کیا تم ہم سے اللہ (کی رحمت) کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ درانحالیکہ وہ ہمارا اور تمہارا رب ہے، اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں، اور ہم خالص اسی کے لئے کام کرتے ہیں!

یہود ونصاریٰ کہتے ہیں: ہمارے اسلاف یہودی یا عیسائی تھے

وہی مرغ کی ایک ٹانگ! یہود کہتے ہیں: ہمارے اسلاف یہودی تھے، یہی بات عیسائی بھی کہتے ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں: ان سے پوچھو! تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ پاک؟ اللہ پاک تو فرماتے ہیں: ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا

وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾: ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی، بلکہ یکسو ہونے والے مسلمان تھے، اور وہ مشرکوں میں سے بھی نہیں تھے [آل عمران ۶۷] کیونکہ یہودیت اور عیسائیت تو بہت بعد کے مذاہب ہیں، اصل دین تو اسلام ہے، سب انبیاء مسلمان تھے ـــــ اور یہ بات ان کی کتابوں میں بھی ہے، مگر وہ اس کو چھپاتے ہیں، پس اس سے بڑا ظالم (ناانصاف) کون جو اللہ کی بات جو ان کے پاس ان کی کتابوں میں ہے اس کو چھپائے؟ ظالمو! سن لو! اللہ تعالیٰ تمہاری حرکتوں سے بے خبر نہیں!

﴿ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾

ترجمہ: کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے نبیرے یہودی تھے یا نصرانی؟ پوچھو: تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اور اس سے بڑا ظالم کون جو اس شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے؟ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں!

بزرگ زادگی کام نہیں آئے گی!

بنی اسرائیل کے دل میں بزرگ زادگی کا خیال جم گیا تھا، وہ سمجھتے تھے کہ ان کے اعمال کیسے ہی برے ہوں: ان کے باپ دادا ان کو ضرور بخشوالیں گے، اس لئے سابقہ آیت کو مکرر لا کر گفتگو ختم فرماتے ہیں۔

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔــلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

ترجمہ: وہ (تمہارے اسلاف) ایک جماعت تھی جو بالتحقیق گذرگئی ـــــ اور تم علاحدہ جماعت ہو ـــــ اس (جماعت) کے لئے وہ ہے جو اس نے کیا، اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کیا ـــــ یعنی ہر ایک کی نیکی اس کے لئے ہے ـــــ اور تم سے ان گناہوں کا سوال نہیں ہوگا جو وہ کیا کرتے تھے ـــــ اسی طرح تمہارے گناہ وہ نہیں اوڑھیں گے، تمہیں ہی ان کی جواب دہی کرنی ہوگی۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

سَيَقُوْلُ	اب کہیں گے	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھی	الَّتِيْ كُنْتَ	جو تھے آپ
السُّفَهَآءُ	بے وقوف	وَكَذٰلِكَ	اور اس طرح	عَلَيْهَآ	اس پر
مِنَ النَّاسِ	لوگ	جَعَلْنٰكُمْ	بنایا ہم نے تم کو	اِلَّا لِنَعْلَمَ	مگر تا کہ جانیں ہم
مَا وَلّٰىهُمْ	کس چیز نے پھیر دیا ان کو	اُمَّةً	امت	مَنْ يَّتَّبِعُ	کون پیروی کرتا ہے
عَنْ قِبْلَتِهِمُ	ان کے اس قبلے سے	وَّسَطًا	معتدل (میانہ)	الرَّسُوْلَ	رسول کی
الَّتِيْ كَانُوْا	جو تھے وہ	لِّتَكُوْنُوْا	تا کہ ہو و تم	مِمَّنْ	اس سے (جدا کر کے) جو
عَلَيْهَا	اس پر	شُهَدَآءَ	گواہ	يَّنْقَلِبُ	پلٹ جاتا ہے
قُلْ	کہو	عَلَى النَّاسِ	لوگوں پر	عَلٰى عَقِبَيْهِ	اپنی ایڑیوں پر
لِّلّٰهِ	اللہ کے لئے ہیں	وَيَكُوْنَ	اور ہوں	وَاِنْ كَانَتْ (۲)	اور بیشک تھی (یہ بات)
الْمَشْرِقُ	مشرق	الرَّسُوْلُ	رسول	لَكَبِيْرَةً	البتہ بھاری
وَ الْمَغْرِبُ	اور مغرب	عَلَيْكُمْ (۱)	تمہارے لئے	اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ	مگر ان پر جن کو
يَهْدِيْ	دکھاتے ہیں	شَهِيْدًا	گواہ	هَدَى اللّٰهُ	راہ دکھائی اللہ نے
مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں	وَمَا جَعَلْنَا	اور نہیں بنایا ہم نے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھے
اِلٰى صِرَاطٍ	راہ	الْقِبْلَةَ	اس قبلہ کو	اللّٰهُ	اللہ

(۱) علیکم: مشاکلۃً فرمایا ہے، لکم کے معنی میں ہے (۲) إن: مخففہ ہے اس کا اسم ضمیر ہے جو محذوف ہے، اس کا مرجع الأمر (بات) ہے۔

لِیُضِیْعَ	کہ ضائع کرتے	اِنَّ اللّٰہَ	بے شک اللہ تعالیٰ	لَرَءُوْفٌ	یقیناً نہایت شفیق
اِیْمَانَکُمْ	تمہارے ایمان کو	بِالنَّاسِ	لوگوں پر	رَّحِیْمٌ	بڑے مہربان ہیں

۶- بنی اسماعیل کا اصلی قبلہ کعبہ شریف ہے، بیت المقدس عارضی قبلہ تھا، اور تحویل کی حکمتیں

بیت اللہ اور بیت المقدس: دونوں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کئے ہیں، اول کو بنی اسماعیل کے لئے اور دوم کو بنی اسرائیل کے لئے قبلہ بنایا ہے، اول: سارے عالم کے لئے قبلہ ہے اور دوم: صرف بنی اسرائیل کے لئے، سورۃ آلِ عمران (آیت ۹۶) میں بیت اللہ کے تعلق سے ہے: ﴿ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾: وہ سارے جہانوں کے لئے ہدایت ہے، مگر اس کا ظہور خاتم النّبیین ﷺ کے دور میں ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے بیت اللہ تعمیر کیا، پھر چالیس سال کے بعد بیت المقدس، متفق علیہ روایت میں ہے: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کونسی مسجد زمین میں سب سے پہلے رکھی گئی؟ آپؐ نے فرمایا: مسجدِ حرام! انھوں نے پوچھا: پھر کونسی؟ فرمایا: مسجدِ اقصیٰ! انھوں نے پوچھا: دونوں کے درمیان کتنی مدت تھی؟ فرمایا: چالیس سال (بخاری حدیث ۳۳۶۶ تحفۃ القاری ۶:۵۷۸)

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں لائے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ دونوں مسجدیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنائی ہیں، اور دونوں کے درمیان چالیس سال کا فصل ہے، اور یہ جو مشہور ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سلیمان علیہ السلام نے کی تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اس کو شاندار بنایا، جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبوی کو شاندار بنایا، مگر بیت المقدس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی ہے، اور اس کو اسحاق علیہ السلام اور ان کی اولاد کا قبلہ بنایا۔

شش جہات کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، جس جہت کو چاہیں قبلہ مقرر کریں

ہجرت سے پہلے قبلہ بیت اللہ تھا، پھر جب نبی ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا (یہ حکم وحی غیر متلو سے دیا تھا) چنانچہ مسلمان سولہ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے، اس کے بعد کعبہ شریف کی طرف منہ کرنے کا حکم آیا (یہ حکم وحی متلو سے آیا تھا) پس یہود نے اعتراض کیا کہ اب بیت المقدس میں کیا خرابی آ گئی جو اس سے منہ پھیر لیا؟ یہ محض مذہبی تعصب ہے، بیت المقدس انبیاء کا قبلہ ہے، اس کو چھوڑنا محض ہماری (یہود کی) عداوت وحسد کی وجہ سے ہے، حالانکہ ایسا نہیں تھا، ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کا قبلہ بیت اللہ تھا، اور نبی ﷺ ملت ابراہیمی اسماعیلی پر مبعوث فرمائے گئے تھے، اس لئے آپؐ کی امت کا قبلہ بیت اللہ

ہے، اور بیت المقدس کو عارضی طور پر قبلہ بنایا تھا، اور اس میں ایک مصلحت تھی، مگر اعتراض کرنے والوں کو تو اعتراض سے مطلب تھا، چنانچہ وہ کیا گیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کا حاکمانہ جواب دیا، فرمایا: "ابھی بے وقوف لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ تھے؟ آپ کہیں: مشرق و مغرب یعنی ساری جہات اللہ کے لئے ہیں، وہ جس کو چاہتے ہیں سیدھی راہ دکھاتے ہیں"

یہ حاکمانہ جواب ہے کہ شش جہات اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں، اور ان کو مالکانہ اختیار ہے کہ جس سمت کو چاہیں قبلہ مقرر کریں، کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے؟ اور وہ جس کو چاہتے ہیں سیدھی راہ دکھاتے ہیں اس میں بیت اللہ کی افضلیت کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾

ترجمہ: (جاہلانہ اعتراض:) اب بے وقوف لوگ کہیں گے: کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو پھیر دیا ان کے اس قبلہ سے جس پر وہ تھے؟ (یعنی بیت المقدس سے) (حاکمانہ جواب:) کہو: مشرق و مغرب اللہ ہی کے لئے ہیں، جسے چاہتے ہیں راہِ راست دکھاتے ہیں!

تحویل قبلہ پر اعتراض کے حکیمانہ جوابات

پہلی حکمت: بیت المقدس کو عارضی قبلہ اس لئے بنایا تھا کہ اس امت کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنا تھا

اس امت کا اصل قبلہ بیت اللہ ہے، مگر ہجرت کے بعد عارضی طور پر بیت المقدس کو قبلہ بنایا، تا کہ اس امت کے مزاج میں 'اعتدال' پیدا ہو تعصب و دشمنی دلوں سے نکل جائے، تا کہ وہ قیامت کے دن انبیاء کے حق میں اور ان کی امتوں کے خلاف گواہی دے سکیں ـــــ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کی بڑی تعداد بنی اسرائیل میں سے ہے، جن کا قبلہ بیت المقدس تھا، پس جب اس امت کے لئے عارضی طور پر بیت المقدس کو قبلہ بنایا تو اس امت کو بالیقین بیت المقدس سے لگاؤ ہو گیا، اور اس کے واسطہ سے بنی اسرائیل کے انبیاء کے ساتھ اور ان کی امتوں کے ساتھ بھی لگاؤ ہو گیا، ان کے ساتھ مذہبی تعصب اور دشمنی باقی نہیں رہی، جیسی دشمنی یہود و نصاریٰ کو نبی ﷺ سے ہے، کیونکہ آپؐ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، یہ بات اس امت میں انبیاء بنی اسرائیل اور ان کی امتوں کے تعلق سے نہیں ہے۔

اور اس امت کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے

دربار میں نبیوں کے اور ان کی امتوں کے مقدمات پیش ہونگے، اور یہ امت انبیاء کے حق میں اور ان کی امت دعوت کے خلاف گواہی دے گی، اور گواہوں کے لئے شرط ہے کہ مدعی سے اس کا غایت درجہ محبت کا تعلق نہ ہو، چنانچہ باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی معتبر نہیں، اور یہ بھی شرط ہے کہ مدعی علیہ سے بغض وعداوت بھی نہ ہو، چنانچہ اگر گواہ کے بارے میں مدعی علیہ ثابت کردے کہ اس کے اور گواہ کے درمیان بغض وعداوت چلی آرہی ہے تو اس مدعی علیہ کے خلاف اس گواہ کی گواہی معتبر نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس امت کو غایت درجہ محبت تو اپنے نبی سے ہے، اور دیگر انبیاء سے محض محبت و تعلق ہے، اس لئے ان کے حق میں اس امت کی گواہی معتبر ہوگی، اور ان کی امتوں سے بھی عداوت اور دشمنی نہیں، کیونکہ ان کے انبیاء کے ساتھ تعلق ہے، اس لئے ان کے خلاف بھی اس امت کی گواہی معتبر ہوگی، چنانچہ میدانِ قیامت میں امتیں جو گواہوں پر جرح کریں گی تو یہ کریں گی کہ یہ لوگ ہمارے زمانہ کے نہیں، ان کو ہمارے احوال کی کیا خبر؟ یہ نہیں کہیں گی کہ یہ امت ہماری دشمن ہے، اس لئے ان کی گواہی معتبر نہیں — یہ وہ حکمت ہے جس کے پیش نظر بیت المقدس کو عارضی طور پر قبلہ بنایا گیا تھا۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ﴾

ترجمہ: یوں ہم نے تم کو معتدل امت بنایا، تاکہ تم لوگوں کے خلاف گواہ بنو، اور رسول تمہارے لئے گواہ بنیں!

دوسری حکمت: بیت المقدس کو عارضی طور پر قبلہ بنانے سے مؤمنین کا امتحان مقصود تھا

اس امت کا اصل قبلہ کعبہ شریف تھا، اور ہجرت کے بعد چند روز کے لئے جو بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا گیا وہ امتحان کے لئے تھا کہ کون تابعداری پر قائم رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھرتا ہے؟ اور امتحان اس چیز کے ذریعہ ہوتا ہے جو نفس پر شاق ہو، روایات میں ہے کہ بعض لوگ مرتد ہوگئے، انھوں نے کہا: عربی نبی اور قبلہ یہود کا: یہ کیا بات ہوئی؟ اور یہود نے کہنا شروع کیا کہ محمد ہمارے دین کے قریب آرہے ہیں، وہ جلد یہودیت قبول کرلیں گے، اس سے بھی مسلمان پریشان ہوئے، مگر ان کی اکثریت سمعاً وطاعۃً کہہ کر بخوشی بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتی رہی!

﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ﴾

ترجمہ: اور نہیں بنایا ہم نے اس قبلہ کو جس پر آپؐ تھے مگر اس لئے کہ ہم جانیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے، اور بے شک یہ بات یقیناً بھاری تھی مگر ان لوگوں پر جن کو اللہ نے راہِ راست دکھائی!

فائدہ: ﴿ اِلَّا لِنَعْلَمَ ﴾ میں ایک مشہور اشکال ہے، اس سے علم باری کا حادث (نیا) ہونا سمجھ میں آتا ہے، جبکہ اللہ کا علم ازلی قدیم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علم: اللہ کی صفت ہے، اور اللہ کی تمام صفات متشابہات ہیں، صفاتِ ذاتیہ بھی متشابہات ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ بات بیان کی ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱: ۶۴۳) پس صفتِ علم بھی صفتِ متشابہ ہے، اور متشابہات کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے، پوری طرح ان کو نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ یہ درحقیقت بندوں کی صفات ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے بیان کے لئے اختیار فرمایا ہے، نیز بندوں کے محاورات کے مطابق استعمال کیا ہے، جیسے: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کائنات کو پیدا کرنے کے بعد تخت نشیں ہوئے، یہ بندوں کا محاورہ ہے کہ فلاں بادشاہ گذر گیا اور اس کا بیٹا تخت نشیں ہوا، یعنی اس نے ملک کا کنٹرول سنبھالا، اسی طرح: ﴿ لِنَعْلَمَ ﴾ بھی بندوں کے محاورات کے مطابق فرمایا ہے، پس حدوثِ علم کا شبہ نہ کیا جائے۔

یہود کے پیدا کئے ہوئے ایک خلجان کا جواب

جب بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف تحویل ہوئی تو یہود نے کمزور مسلمانوں کے ذہنوں میں وسوسہ ڈالا کہ جو لوگ بیت المقدس کے قبلہ مقرر رہونے کے بعد مسلمان ہوئے اور تحویلِ قبلہ سے پہلے وفات پاگئے یا شہید ہوگئے، اور انھوں نے ایک نماز بھی اصل قبلہ کی طرف نہیں پڑھی: ان کا کیا ہوگا؟ ان کی تو سب نمازیں ضائع ہوگئیں، پھر وہ جنت میں کیسے جائیں گے؟

آخر آیت میں اللہ پاک نے یہ خلجان دور کیا کہ جنت تو حقیقت میں ایمان کا صلہ ہے، نماز وغیرہ طاعات پر دخولِ جنت موقوف نہیں، پس:

اول: تو ان کی بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں محفوظ ہیں، کیونکہ اس وقت وہی قبلہ تھا، جیسے غزوۂ احد میں بعض صحابہ شراب پی کر میدان میں اترے اور شہید ہوگئے تو کوئی بات نہیں، شراب اس وقت حلال تھی۔

ثانیاً: اگر یہود کی بکواس مان لی جائے تو ان کے ایمان پر تو کوئی حرف نہیں آیا، ان کا ایمان تو محفوظ ہے، وہ کیسے ضائع ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ رؤف ورحیم ہیں، وہ ضرور ان کو جنت عطا فرمائیں گے۔

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کردیں، بے شک وہ لوگوں پر بڑے شفیق بڑے رحیم ہیں!

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىھَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

أُوتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَھُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

قَدْ نَرٰى	تحقیق ہم دیکھتے ہیں	فَوَلُّوْا	پس پھیرلو	بِكُلِّ اٰيَةٍ	ہرنشانی (دلیل) کے ساتھ
تَقَلُّبَ (۱)	باربار اٹھنا	وُجُوْهَكُمْ	اپنے چہرے	مَّا تَبِعُوْا	نہیں پیروی کریں گے وہ
وَجْهِكَ	آپ کے چہرے کا	شَطْرَهٗ	اس کی جانب	قِبْلَتَكَ	آپ کے قبلہ کی
فِي السَّمَاۗءِ	آسمان کی طرف	وَاِنَّ الَّذِيْنَ	اور بے شک جولوگ	وَمَآ اَنْتَ	اور نہیں ہیں آپ
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ (۲)	پس ضرور پھیریں گے	اُوْتُوا الْكِتٰبَ	دیئے گئے کتاب	بِتَابِعٍ	پیروی کرنے والے
	ہم آپ کو	لَيَعْلَمُوْنَ	البتہ جانتے ہیں	قِبْلَتَهُمْ	ان کے قبلہ کی
قِبْلَةً	اس قبلہ کی طرف	اَنَّهُ الْحَقُّ	کہ وہ برحق ہیں	وَمَا بَعْضُهُمْ	اور نہیں ہیں ان کے بعض
تَرْضٰىهَا (۳)	جس کو آپ پسند کرتے ہیں	مِنْ رَّبِّهِمْ	ان کے رب کی طرف سے	بِتَابِعٍ	پیروی کرنے والے
فَوَلِّ	پس پھیرلیں آپ	وَمَا اللّٰهُ	اور نہیں ہیں اللہ	قِبْلَةَ بَعْضٍ	بعض کے قبلہ کی
وَجْهَكَ	اپنا چہرہ	بِغَافِلٍ	بے خبر	وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ	اور بخدا اگر پیروی
شَطْرَ	جانب	عَمَّا يَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو		کریں آپ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	مسجد حرام کے	وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ	اور بخدا اگر آئیں آپ	اَهْوَاۗءَهُمْ	ان کی خواہشات کی
وَحَيْثُ مَا	اور جہاں بھی	الَّذِيْنَ اُوْتُوا	ان کے پاس جو دیئے گئے	مِّنْۢ بَعْدِ	بعد
كُنْتُمْ	ہو وتم	الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	مَا جَاۗءَكَ	آپ کے پاس آنے

(۱) تقلب (باب تفعّل): الٹنا پلٹنا، باربار پھرنا (۲) لنولین: مضارع، جمع متکلم، لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ، تَوْلِیَۃ مصدر، ک: ضمیر مفعول: ہم ضرور پھیریں گے (۳) جملہ ترضیٰ: قبلۃ کی صفت ہے۔

مِنَ الْعِلْمِ	علم کے	كَمَا يَعْرِفُوْنَ	جیسا پہچانتے ہیں وہ	يَعْلَمُوْنَ	جانتے ہیں
اِنَّكَ اِذًا	بے شک آپ تب تو	اَبْنَآءَهُمْ	اپنے بیٹوں کو	اَلْحَقُّ	حق بات
لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں سے ہونگے	وَاِنَّ فَرِيْقًا	اور بیشک ایک جماعت	مِنْ رَّبِّكَ	تیرے رب کی طرف
الَّذِيْنَ	جن کو	مِّنْهُمْ	ان میں سے		سے ہے
اٰتَيْنٰهُمُ	دی ہے ہم نے ان کو	لَيَكْتُمُوْنَ	البتہ چھپاتی ہے وہ	فَلَا تَكُوْنَنَّ (۲)	پس ہرگز نہ ہوتو
الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	الْحَقَّ	حق بات کو	مِنَ	شک کرنے والوں
يَعْرِفُوْنَهٗ (۱)	پہنچانتے ہیں وہ اس کو	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	الْمُمْتَرِيْنَ	میں سے

تحویلِ قبلہ کا حکم

اب آپؐ اور مسلمان ہر جگہ مسجدِ حرام کی طرف نماز پڑھیں

اس امت کا اصل قبلہ کعبہ شریف ہے، بیت المقدس کو عارضی قبلہ بنایا تھا، اس لئے نبی ﷺ چاہتے تھے کہ اصل قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم آئے، یہ بات عربوں کے ایمان کے لئے مفید تھی، اس لئے آپؐ شوق سے آسمان کی طرف دیکھتے تھے کہ شاید فرشتہ وحی لے کر آرہا ہو، جیسے آدمی کو کسی چیز کا انتظار ہوتا ہے تو بار بار اس کی راہ تکتا ہے، چنانچہ بنوسلمہ کی مسجد میں آپؐ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے، دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف پڑھا چکے تھے کہ تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا، اور آپؐ نمازیوں کے ساتھ کعبہ شریف کی طرف گھوم گئے، اور باقی دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف ادا کیں۔ کعبہ شریف بیت المقدس سے مخالف جانب میں تھا، پس رخ کی تبدیلی کے لئے نماز میں جو چلنا پڑا وہ تشریع (قانون سازی) کے وقت کی ترخیص (سہولت) تھی۔

فائدہ: کعبہ ہی دراصل مسجدِ حرام ہے، حرام بمعنی محترم ہے، پہلے کعبہ کے اندر نماز پڑھی جاتی تھی، وہی مسجد تھی، پھر قریش نے اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے کعبہ کا ایک دروازہ کر دیا، پہلے کعبہ کے آمنے سامنے دو دروازے تھے، اور اس ایک دروازہ کو بھی دو ڈھائی میٹر اونچا کر دیا، تاکہ جس کو چاہیں داخل ہونے دیں، پس لوگ باہر نماز پڑھنے لگے۔

﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ ﴾

(۱) یعرفونہ: ضمیر غائب کا مرجع نبی ﷺ ہیں، اور آپؐ کے اوصاف میں تحویل قبلہ کا ذکر بھی یہود کی کتابوں میں موجود تھا
(۲) لاتکونن: فعل نہی، صیغہ واحد مذکر حاضر، بانون تاکید ثقیلہ۔

ترجمہ: بے شک ہم بار بار آپؐ کا آسمان کی طرف منہ پھیرنا دیکھ رہے ہیں، پس ہم ضرور آپؐ کو اس قبلہ کی طرف پھیریں گے جس کو آپؐ پسند کرتے ہیں، پس (لیجئے) آپؐ اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیں، اور آپ لوگ جہاں کہیں ہوں اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیریں!

اہلِ کتاب تحویلِ قبلہ پر اعتراض کریں تو کرنے دیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ برحق قبلہ ہے

اہل کتاب کی کتابوں میں یہ بات موجود تھی کہ بنی اسماعیل کا قبلہ بیت اللہ ہے، ابراہیم علیہ السلام نے انہی کے لئے یہ گھر تعمیر کیا ہے، اور بیت المقدس بنی اسحاق کے لئے تعمیر کیا ہے، پھر بھی وہ تحویل کے حکم پر اعتراض کریں تو کرنے دیں، اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بے خبر نہیں!

اور آپؐ خواہ کتنے ہی دلائل سے کعبہ کی افضلیت ثابت کریں وہ تسلیم نہیں کریں گے، اور ایمان نہیں لائیں گے، پس آپؐ ان کے مفضول قبلہ کی پیروی کیوں کریں؟ یہود و نصاریٰ خود تو بیت المقدس کے قبلہ ہونے پر متفق نہیں، ایک اس سے مشرق کی طرف منہ کرتا ہے دوسرا مغرب کی طرف، پس اگر آپؐ ان کی خواہشات کی پیروی کریں اور بیت المقدس کی طرف نماز پڑھیں جبکہ آپؐ کے پاس وحی آچکی ہے تو اس سے بڑی ناانصافی کیا ہوگی؟

﴿ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جن لوگوں کو آسمانی کتاب دی گئی وہ بالیقین جانتے ہیں کہ وہ (تحویل) برحق ہے ان کے پروردگار کی جانب سے، اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان (حرکتوں) سے جو وہ کرتے ہیں!

اور بخدا! اگر لے آئیں آپؐ ان لوگوں کے سامنے جو آسمانی کتاب دیئے گئے ہیں سارے ہی دلائل (کعبہ کی افضلیت کے) پھر بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے ـــــ یعنی اسلام قبول نہیں کریں گے ـــــ اور نہ آپؐ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں ـــــ یہ ان کو مایوس کیا کہ اب پھر بیت المقدس کی طرف نماز میں رخ کرنے کا سوال ہی نہیں ـــــ اور نہ ان کے بعض بعض کے قبلہ کی پیروی کرتے ہیں ـــــ یعنی وہ اپنے گھر کی خبر لیں، وہ دونوں بیت المقدس کے قبلہ ہونے پر متفق نہیں!

اور بخدا! اگر آپؐ ان کی خواہشات کی پیروی کریں ـــــ اور بیت المقدس کی طرف رخ کریں ـــــ آپؐ کے پاس علم کے پہنچ جانے کے بعد ـــــ یعنی تحویلِ قبلہ کا حکم آنے کے بعد ـــــ تو یقیناً آپؐ ناانصافوں میں سے ہونگے

—— جس کی آپؐ سے قطعاً توقع نہیں!

اہل کتاب نبی ﷺ کو بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں

یہود ونصاری نبی ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح آدمی بہت سے لڑکوں میں اپنے لڑکے کو دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے، آپؐ کے اوصاف، جائے ولادت، مقام ہجرت اور آپؐ کے قبلہ کا ان کو بخوبی علم تھا، تورات وانجیل میں باوجود تحریفات کے اب تک یہ باتیں بکثرت موجود ہیں، کوئی انصاف پسند یہودی یا عیسائی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔

مگر اس امر حق کو بعض تو ظاہر کرتے ہیں، اور مسلمان ہوجاتے ہیں، اور بعض چھپاتے ہیں گویا وہ جانتے ہی نہیں! مگر ان کے اخفاء سے کیا ہوتا ہے؟ حق بات اللہ کی طرف سے آگئی ہے، قبلہ کا معاملہ کلیر کردیا ہے، پس مسلمانوں کو قبلہ کے معاملہ میں ذرا تردد نہیں ہونا چاہئے۔

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ؐ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۠ ﴾

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتاب دی ہے وہ ان کو پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچان لیتے ہیں، اور ان کی ایک جماعت حق بات کو چھپاتی ہے درانحالیکہ وہ جانتے ہیں (بیت اللہ کا قبلہ ہونا) برحق بات ہے، آپؐ کے پروردگار کی طرف سے ہے، پس آپؐ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں! —— یہ امت کو سنایا ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؐ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِیْ ۗ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَكِّیْكُمْ وَیُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

وَلِكُلٍّ	اور ہر ایک کے لئے ہے	شَطْرَ	طرف	لِئَلَّا يَكُوْنَ	تاکہ نہ ہو
وِّجْهَةٌ (1)	ایک جہت	الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	مسجدِ حرام کے	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے
هُوَ	وہ	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ	عَلَيْكُمْ	تم پر
مُوَلِّيْهَا	اس کی طرف منہ کرنے	لَلْحَقُّ	البتہ برحق ہے	حُجَّةٌ	کوئی حجت (جھگڑے
	والا ہے	مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی طرف سے		کا موقع)
فَاسْتَبِقُوا	پس سبقت لے جاؤ	وَمَا اللّٰهُ	اور نہیں ہیں اللہ	اِلَّا الَّذِيْنَ	مگر جن لوگوں نے
الْخَيْرٰتِ	نیکیوں میں	بِغَافِلٍ	بے خبر	ظَلَمُوْا	ناانصافی کی
اَيْنَ مَا	جہاں بھی	عَمَّا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو	مِنْهُمْ	ان میں سے
تَكُوْنُوْا	ہوؤ گے تم	وَمِنْ حَيْثُ	اور جہاں سے	فَلَا تَخْشَوْهُمْ	پس مت ڈرو ان سے
يَاْتِ بِكُمُ	لائیں گے تم کو	خَرَجْتَ	نکلیں آپ	وَاخْشَوْنِيْ	اور ڈرو مجھ سے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	فَوَلِّ	پس پھیریں	وَلِاُتِمَّ	اور تاکہ پوری کروں میں
جَمِيْعًا (2)	اکٹھا	وَجْهَكَ	اپنا رخ	نِعْمَتِيْ	اپنی نعمت
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	شَطْرَ	طرف	عَلَيْكُمْ	تم پر
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	مسجدِ حرام کے	وَلَعَلَّكُمْ	اور تاکہ تم
قَدِيْرٌ	پوری قدرت والے ہیں	وَحَيْثُ مَا	اور جہاں بھی	تَهْتَدُوْنَ	راہِ راست پاؤ
وَمِنْ حَيْثُ	اور جہاں سے	كُنْتُمْ	ہوؤ تم	كَمَآ اَرْسَلْنَا	جس طرح بھیجا ہم نے
خَرَجْتَ	نکلیں آپ	فَوَلُّوْا	پس پھیرو	فِيْكُمْ	تم میں
فَوَلِّ	پس پھیریں	وُجُوْهَكُمْ	اپنے چہرے	رَسُوْلًا	عظیم رسول
وَجْهَكَ	اپنا رخ	شَطْرَهٗ	اس کی طرف	مِّنْكُمْ	تم ہی میں سے

(۱) وِجهة اور جِهة ایک ہیں (۲) جمیعا: کم کا حال ہے۔

یَتۡلُوۡا	پڑھتا ہے وہ	الۡکِتٰبَ	اللہ کی کتاب	فَاذۡكُرُوۡنِیۡۤ	پس یاد کرو مجھے
عَلَیۡکُمۡ	تمہارے سامنے	وَالۡحِکۡمَةَ	اور دانشمندی کی باتیں	اَذۡكُرۡكُمۡ	یاد کروں گا میں تم کو
اٰیٰتِنَا	ہماری آیتیں	وَیُعَلِّمُکُمۡ	اور سکھلاتا ہے تم کو	وَاشۡکُرُوۡا لِیۡ	اور شکر بجالاؤ میرا
وَیُزَکِّیۡکُمۡ	اور ستھرا کرتا ہے تم کو	مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا	وہ باتیں جو تم نہیں	وَلَا تَکۡفُرُوۡنِ	اور ناشکری مت کرو
وَیُعَلِّمُکُمُ	اور سکھلاتا ہے تم کو	تَعۡلَمُوۡنَ	جانتے		میری

مستقل امت کے لئے مستقل قبلہ

بنی اسماعیل: بنی اسرائیل کی طرح مستقل امت ہیں، اور ہر مستقل امت کا قبلہ الگ ہوتا ہے، بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس تھا، پس بنی اسماعیل کے لئے مستقل قبلہ متعین کیا گیا تو اس میں قابلِ اعتراض کیا بات ہے؟ قبلہ کا معاملہ قربانی کے معاملہ کی طرح ہے، مسلمانوں کے لئے قربانی کا طریقہ اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا ہے، اس میں ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ پیش نظر رکھا ہے، اور اہل کتاب کے یہاں سوختنی قربانی کا طریقہ تھا، غرض ہر قوم کا قربانی کا طریقہ الگ ہے، سورۃ الحج (آیت ۳۴) میں ہے: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾: اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی (کا طریقہ) تجویز کیا ہے، یہی معاملہ قبلہ کا ہے، بنی اسرائیل کا قبلہ الگ ہے، بنی اسماعیل کا الگ، پس مسلمان نیک کاموں میں تگاپو کریں، کعبہ کی طرف نماز پڑھنے میں خوب محنت کریں، یہود و نصاریٰ کو اعتراض کرنے دیں، اللہ تعالیٰ تم کو اور ان کو میدانِ حشر میں اکٹھا کریں گے، وہ ہر چیز پر قادر ہیں، اس دن فیصلہ ہوگا، ابھی جھگڑا فضول ہے۔

﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴾

ترجمہ: اور ہر ایک (امت) کے لئے ایک جہت (قبلہ) ہے، وہ اس کی طرف منہ کرنے والی ہے، پس تم (اے مسلمانو!) نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، جہاں بھی ہوؤ گے تم لائیں گے تم کو اللہ تعالیٰ اکٹھا (کر کے میدانِ حشر میں) بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

اسفار میں بھی بیت اللہ قبلہ ہے

تحویلِ قبلہ کی آیت حضر میں نمازِ ظہر میں نازل ہوئی تھی، پس کوئی خیال کر سکتا تھا کہ یہ حکم حضر ہی کے لئے ہے، اس لئے فرماتے ہیں کہ اسفار کے لئے بھی یہی حکم ہے، ہر جگہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم برحق ہے، یہ حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، اس کی تعمیل کی جائے، اب تم کیا کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں!

﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جہاں سے بھی آپؐ (سفر میں) نکلیں اپنا رخ مسجدِ حرام کی طرف پھیریں، اور بے شک وہ (بیت اللہ کا قبلہ ہونا) برحق ہے، آپ کے رب کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرو گے!

تحویل کے بعد یہود و مشرکین کے لئے اعتراض کرنے کا منہ نہیں رہا!

تورات میں مذکور ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا قبلہ بیت اللہ ہے، اور نبی آخر الزماں کا قبلہ بھی وہی ہے، پس اگر تحویل کا حکم نہ ہوتا تو یہود ضرور الزام لگاتے، اور مشرکین بھی کہتے کہ ملتِ ابراہیمی کا دعوی اور قبلہ میں خلاف! اب دونوں کو حجت کرنے کا حق نہ رہا، مگر ظالموں (ناانصافوں) کا منہ کوئی بند نہیں کرسکتا، یہود کہیں گے: ہمارے قبلہ کی حقانیت ظاہر ہونے کے بعد محض حسد سے ہمارا قبلہ چھوڑ دیا، اور مشرکین کہیں گے: ان کو ہمارے قبلہ کا حق ہونا اب معلوم ہوا، اسی طرح ہماری (مشرکین کی) اور باتیں بھی رفتہ رفتہ منظور کرلیں گے، فرمایا: ایسے بے انصافوں کے اعتراض کی کچھ پرواہ مت کرو، اور ہمارے حکم کے تابع رہو۔

﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جس جگہ سے بھی آپ (سفر میں) نکلیں تو (نماز میں) اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کریں، اور آپ لوگ جہاں کہیں ہوں اپنا چہرہ اس کی طرف کیا کریں —— یہ بطور تمہید سابق کلام لوٹایا ہے —— تاکہ مخالف لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں گفتگو کی مجال نہ رہے، ہاں ان میں سے جو ناانصاف ہیں (وہ مرغ کی ایک ٹانگ گاتے رہیں گے) پس تم ان سے مت ڈرو، اور مجھ سے ڈرو (یعنی میرے حکم کی خلاف ورزی مت کرو) اور تاکہ میں تم پر اپنا انعام تام کردوں، اور تاکہ تم راہ راست پاؤ —— یعنی یہ قبلہ اللہ کا تم پر ایک انعام ہے اور یہی راہِ راست ہے، لہٰذا اس کی پیروی کرو۔

سوال: تحویل قبلہ کا حکم مکرّر سہ کرّر کیوں بیان کیا ہے؟

جواب: مقاصد مختلف تھے، اس لئے ہر مقصد کے بیان کے وقت اس حکم کا اعادہ کیا گیا ﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ ﴾ میں یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ تحویل قبلہ کا حکم رسول اللہ ﷺ کی رضا جوئی اور اظہار تکریم کے لئے ہے، اور ﴿ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا ﴾ سے یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ ہر ایک ملت اور ہر ایک رسول صاحب شریعت

مستقل کے لئے اس کے مناسب ایک قبلہ مقرر ہونا چاہئے، اور ﴿ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ﴾ سے یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ تحویل قبلہ پر مخالفین کا الزام عائد نہیں ہوسکتا ـــــ اور یہ قرآن کریم کا اسلوب ہے، ہر مقصد کے بیان کے وقت تمہیدی مضمون مکرر لایا جاتا ہے، جیسے سورۃ العنکبوت کی آیت ۵۳ ہے: ﴿ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُسَمًّى لَجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۚ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ ﴾: اور وہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں، اور اگر میعاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آچکا ہوتا، اور وہ عذاب ان پر دفعۃً آپہنچے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی ـــــ پھر آیت ۵۴ میں دوسری بات کہی گئی تو تمہید مکرر لائی گئی، ارشادِ پاک ہے: ﴿ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ ﴾: اور وہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں، اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے (الی آخرہ) ـــــ اسی طرح تحویلِ قبلہ کے تین مقاصد بیان کرنے تھے اس لئے تمہید میں تحویل کا حکم مکرر سہ کرر لایا گیا۔

اس کی نظیر: قرآنِ کریم ڈبل استثناء نہیں کرتا، اس سے کلام میں تعقید پیدا ہوجاتی ہے اور کلام فصاحت سے گر جاتا ہے، حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ایک جگہ ڈبل استثناء کیا ہے تو عبارت پیچیدہ ہوگئی ہے، عرصہ تک اسے کوئی نہیں سمجھا، اسی طرح کافیہ میں عدل کے بیان میں ابن حاجب رحمہ اللہ نے ڈبل استثناء کیا ہے، وہ عبارت بھی پیچیدہ ہوگئی ہے، چنانچہ قرآنِ کریم کو جب ڈبل استثناء کرنا ہوتا ہے تو مستثنیٰ منہ مکرر لاتا ہے جیسے سورۃ النور کی آیت (۳۱) میں ہے: ﴿ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ ﴾: عورت صرف اپنے وہ اعضاء ظاہر کرے جو عام طور پر کھلے رہتے ہیں یعنی چہرہ، ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں ٹخنوں سے نیچے، پھر دوسرا استثناء کیا ہے ﴿ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ ﴾ الآیۃ: عورت مذکورہ اعضاء محارم کے سامنے اور محارم جیسوں کے سامنے کھلے رکھ سکتی ہے، پھر بارہ شخصوں کا تذکرہ ہے جو معاشرہ میں عام طور پر ساتھ رہتے ہیں ان کے سامنے عورت چہرہ اور ہتھیلیاں کھول سکتی ہے، باقی بدن نہ کھولے، سینہ پر بھی اوڑھنی ڈالے رہے، پیر بھی زمین پر نہ پٹخے کہ کپڑے میں چھپا ہوا زیور بجے، اور اس کا پتہ چل جائے، پس اس آیت کا تعلق اصلاح معاشرہ سے ہے اگر عورت اپنے محارم وغیرہ کے درمیان اس طرح سلیقہ سے رہے گی تو معاشرہ میں فساد پیدا نہیں ہوگا۔ غرض یہ حجاب کی آیت نہیں ہے حجاب کی آیات سورۃ الاحزاب میں ہیں (آیات ۵۳-۶۰)

اسی طرح جب ایک سلسلہ میں دو یا زیادہ باتیں بیان کرنی ہوں تو قرآن مسلسل بیان نہیں کرتا بلکہ تمہید میں اس چیز کو مکرر لاتا ہے، چنانچہ ﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ ﴾ بتمہید میں مکرر لایا گیا، پس یہ تکرار نہیں۔

مستقل قبلہ کی نظیر: مستقل امت کے لئے مستقل نبی کا بھیجنا

مستقل امت کے لئے مستقل قبلہ کی نظیر: مستقل امت کے لئے مستقل نبی کا ہونا ہے، بنی اسرائیل ایک علاحدہ

امت تھے، اس لئے ان میں بہت سے انبیاء مبعوث کئے گئے، اور بنو اسماعیل مستقل امت تھے، اس لئے ان کو بنی اسرائیل کے انبیاء کے تابع نہیں کیا، بلکہ ان میں انہی میں سے ایک عظیم الشان نبی کو مبعوث کیا، جو ان کو اللہ کی آیتیں (قرآنِ کریم) پڑھ کر سنائے، اخلاقِ رذیلہ سے پاک صاف کرے، اور قرآن سکھلائے اور اس کے اسرار سمجھائے، اور دیگر بہت سی وہ باتیں بتائے جسے لوگ نہیں جانتے، لہٰذا امتِ مسلمہ اللہ کو یاد کرے، اللہ ان کو یاد کریں گے، وہ اللہ کا احسان مانے، ناشکری نہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان کو نوازیں گے ـــــ اس آیت پر تحویلِ قبلہ کی بحث پوری ہوگئی، آگے متعلقات کا بیان ہے۔

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ ﴾

ترجمہ: (تمہارے لئے مستقل قبلہ بنایا) جس طرح ہم نے تم میں تمہیں میں سے عظیم رسول بھیجا، جو تمہارے سامنے ہماری آیتیں پڑھتے ہیں، اور تمہیں سنوارتے ہیں، اور تمہیں کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھلاتے ہیں، اور وہ وہ باتیں بتاتے ہیں جو تم نہیں جانتے، پس مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا، اور میری نعمتوں کا شکر بجالاؤ، اور میری ناشکری مت کرو!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	بِالصَّبْرِ	صبر کے ذریعہ	مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۲)	صبر کرنے والوں کے
اٰمَنُوا	ایمان لائے	وَالصَّلٰوةِ	اور نماز کے ذریعہ		ساتھ ہیں
اسْتَعِيْنُوْا (۱)	مدد طلب کرو	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَلَا تَقُوْلُوْا	اور مت کہو

(۱) استعینوا: کے بعد من اللہ مقدر ہے (۲) معیت: مدد کی معیت ہے زمانی یا مکانی معیت نہیں۔

لِمَنْ	ان لوگوں کو جو	وَبَشِّرِ	اور خوش خبری دیں	اِنَّ الصَّفَا	بے شک صفا
يُّقْتَلُ	مارے گئے	الصّٰبِرِيْنَ	صبر کرنے والوں کو	وَالْمَرْوَةَ	اور مروہ
فِيْ سَبِيْلِ	راہ میں	الَّذِيْنَ اِذَآ	وہ لوگ کہ جب	مِنْ شَعَآئِرِ[۲]	نشانیوں میں سے ہیں
اللّٰهِ	اللہ کے	اَصَابَتْهُمْ	ان کو پہنچتی ہے	اللّٰهِ	اللہ (کے دین) کی
اَمْوَاتٌ	مردے	مُّصِيْبَةٌ	کوئی مصیبت	فَمَنْ حَجَّ	پس جس نے حج کیا
بَلْ اَحْيَآءٌ	بلکہ (وہ) زندہ ہیں	قَالُوْٓا	کہتے ہیں	الْبَيْتَ	بیت اللہ کا
وَّلٰكِنْ	لیکن	اِنَّا لِلّٰهِ	بیشک ہم اللہ کیلئے ہیں	اَوِ اعْتَمَرَ	یا عمرہ کیا
لَّا تَشْعُرُوْنَ	تم سمجھتے نہیں	وَاِنَّآ اِلَيْهِ	اور بیشک ہم اس کی طرف	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں
وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ	اور ضرور آزمائیں گے	رٰجِعُوْنَ	لوٹنے والے ہیں	عَلَيْهِ	اس پر
	ہم تم کو	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ	اَنْ يَّطَّوَّفَ	کہ سعی کرے
بِشَيْءٍ	تھوڑے سے	عَلَيْهِمْ	ان پر	بِهِمَا	دونوں کے درمیان
مِّنَ الْخَوْفِ	خوف سے	صَلَوٰتٌ[۱]	بے پایاں رحمتیں ہیں	وَمَنْ تَطَوَّعَ	اور جو شخص خوشی سے کرے
وَالْجُوْعِ	اور بھوک سے	مِّنْ رَّبِّهِمْ	ان کے رب کی طرف سے	خَيْرًا	کوئی نیک کام
وَنَقْصٍ	اور کمی سے	وَرَحْمَةٌ	اور بڑی مہربانی	فَاِنَّ	پس بے شک
مِّنَ الْاَمْوَالِ	مالوں کی	وَاُولٰٓئِكَ	اور یہی لوگ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
وَالْاَنْفُسِ	اور جانوں کی	هُمُ	وہ	شَاكِرٌ	قدر دان
وَالثَّمَرٰتِ	اور پھلوں کی	الْمُهْتَدُوْنَ	راہ یاب ہیں	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے ہیں

آیاتِ تحویل کے متعلقات اور آگے کے مضامین

جب بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف قبلہ کی تبدیلی ہوئی تو اعتراضات کی بھرمار ہوئی، یہود الگ اعتراضات

(۱) صلوات: صلاۃ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: غایتِ انعطاف یعنی آخری درجہ کا میلان، اسی کو درود کہتے ہیں، اور رحمۃ کی تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی خصوصی رحمت، پس یہ صلاۃ کا مترادف ہے، اور اللہ کے لئے بندوں پر صلوٰۃ بھیجنا جائز ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کون اس کا مستحق ہے، اور بندوں کے لئے انبیاء کے علاوہ پر درود بھیجنا جائز نہیں (۲) شعائر: شعیرۃ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: وہ خاص علامت جس سے کوئی چیز پہچانی جائے، جیسے مسجد کے مینارے، اور اسلام کے بڑے شعائر چار ہیں: قرآن، کعبہ، نبی، اور نماز (حجۃ اللہ)

کررہے تھے اور مشرکین الگ، مسلمان پریشان تھے، اس لئے آگے ان کو ہمت دلاتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ وہ صبر (ہمت) سے کام لیں اور کعبہ کی طرف نماز میں لگیں، اس سے مصیبت ہلکی ہوجائے گی۔

پھر صبر کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں:

ایک: اعلیٰ درجہ کے صابرین شہداء ہیں، جو دین کی سربلندی کے لئے خون کا آخری قطرہ بھی بہادیتے ہیں۔

دوم: عام صابرین ہیں، جو چھوٹے چھوٹے مصائب سے دوچار ہوتے ہیں، اور صبر کرتے ہیں۔

پھر صبر کرنے کا فارمولہ ہے، اور صبر کرنے والوں کو مژدہ سنایا ہے، پھر صبر کا ثمرہ بیان کیا ہے کہ صفا ومروہ جو شعائر اللہ بنے ہیں وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے صبر کا ثمرہ ہے۔

پھر ان یہود کو لتاڑا ہے جن کی کتابوں میں شہادت تھی، نبی ﷺ اور بنی اسماعیل کے قبلہ کا ذکر تھا، یہ باتیں ان کی کتابوں میں اس لئے نازل کی گئی تھیں کہ وہ وقت پر ان کو لوگوں کے سامنے بیان کریں، مگر وہ نانجاران کو چھپاتے تھے، ان پر خدا کی پھٹکار!

یہاں سلسلۂ بیان پورا ہوگا، آگے بنی اسماعیل کے لئے یعنی آخری امت کے لئے احکام ہیں، سب سے پہلے توحید کا بیان ہے، پھر آگے دوسرے احکام ہیں۔

بھاری مصیبت آئے تو سہارنے کا فارمولہ: ہمت سے کام لینا اور نماز میں لگنا!

بعض مرتبہ مصیبت بھاری ہوتی ہے، پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہتا ہے، اس وقت نفس کو جزع فزع سے روکنا اولوالعزمی کا کام ہے، پختہ ارادہ والا ہی یہ کام کرسکتا ہے، اس وقت صبر کے ساتھ ذکر خداوندی سے بھی مدد لینی چاہئے، اور اعلیٰ درجہ کا ذکر نماز ہے، نبی ﷺ کو جب کوئی اہم بات پیش آتی: آندھیاں چلتیں، کڑاکے پڑتے تو آپ نماز شروع کردیتے، نماز سے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، ارشادِ پاک ہے: ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴾: سنو! اللہ کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے، اور صبر سے بھی قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے: الصبر ضیاء: صبر ایک روشنی ہے، صبر کرنے والا اللہ کے فیصلہ پر راضی ہوجاتا ہے، یہی وہ روشنی ہے جو صبر سے حاصل ہوتی ہے۔

بھاری مصیبت کو سہارنے کا یہ فارمولہ سورۃ البقرۃ (آیت ۴۵) میں بھی بیان ہوا ہے، اور یہاں اور وہاں صبر کو پہلے ذکر کیا ہے اور نماز کو بعد میں، اس سے صبر کی اہمیت واضح ہوتی ہے، نیز نماز وہی شخص پڑھے گا جو ہمت سے کام لے گا، اور جو صبر نہیں کرسکتا وہ نماز بھی نہیں پڑھے گا۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں، یہ آدھا مضمون ہے، کیونکہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ اللہ

تعالیٰ بدرجۂ اولیٰ ہیں، وہ صبر سے بڑی عبادت ہے، اور یہ معیت زمانی اور مکانی نہیں، اللہ تعالیٰ لازمان ولامکان ہیں، بلکہ یہ نصرت ومدد کی معیت ہے یعنی اللہ ایسے بندوں کی مدد کرتے ہیں، اوران کی مشکل آسان کرتے ہیں۔

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ (اللہ سے) مدد طلب کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں!

شہیدوں کو مُرا ہوا مت کہو، وہ زندہ ہیں، اور یہ صبر کا نتیجہ ہے

اعلیٰ درجہ کے صابر شہداء ہیں، جو لوگ اسلام کی سربلندی کے لئے اعدائے اسلام سے لوہا لیتے ہیں، اور بارگاہِ خداوندی میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں وہ شہید (گواہ) ہیں، وہ قیامت کو اللہ کی کورٹ میں گواہی دیں گے کہ وہ دعوت لے کر گئے تھے، مگر ان کے ساتھ خونی معاملہ کیا گیا، ظاہر ہے جو میدان میں ڈٹ جاتا ہے وہی مقامِ شہادت سے سرفراز ہوتا ہے، یہی اعلیٰ درجہ کا صبر ہے، ان حضرات کو مُرا ہوا خیال مت کرو، وہ زندۂ جاوید ہیں، مگر تم لوگ ان کی حیات کو سمجھ نہیں سکتے کیونکہ وہ حیاتِ برزخی ہے۔

غزوۂ بدر میں چودہ صحابہ شہید ہوئے تھے، چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے، ان کے بارے میں منافقین اور بعض مشرکین کہنے لگے: ''ان لوگوں نے خواہ مخواہ محمد کی حمایت میں جان گنوائی! اور زندگی کے لطف وآرام سے محروم ہوگئے!'' اس آیت میں اس کا جواب ہے کہ وہ مرے نہیں، زندۂ جاوید ہوگئے ہیں، ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں (کے پوٹوں) میں ہوتی ہیں، اور وہ جنت کے پھلوں میں سے کھاتی ہیں (رواہ الترمذی حدیث ۱۶۴۲) یہ شہداء کی خصوصیت ہے، ان کو ابھی سے جنت میں جانے کا موقع دیا جاتا ہے، پھر ان کی روحیں عرش کے نیچے فانوسوں میں بسیرا کرتی ہیں، جنت میں مستقل داخلہ ان کا بھی قیامت کے دن ہوگا۔

فائدہ (۱): شہداء کی حیات برزخی ہے، دیگر اقوال بھی روح المعانی میں ہیں، اور حیات برزخی کچھ نہ کچھ ہر مرنے والے کو حاصل ہوتی ہے، اسی لئے وہ مرنے کے بعد (برزخ میں) ثواب وعقاب کو محسوس کرتا ہے لیکن شہداء میں یہ حیات نسبۃً زیادہ قوی ہوتی ہے، حتی کہ کبھی ان کا جسم بھی محفوظ رہتا ہے، اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت تو نہیں، البتہ واقعات ہیں، جو از قبیل کرامت ہیں۔

فائدہ (۲): اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات دلالت النص سے ثابت ہوتی ہے، جیسے ماں باپ کو 'اُف' کہنے کی ممانعت سے ضرب وشتم کی حرمت بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوتی ہے، انبیاء کا مقام ومرتبہ چونکہ شہداء سے بلند وبالا ہے اس

لئے وہ بھی وفات کے بعد زندۂ جاوید ہیں، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور ان کی حیات برزخی ہے یا دنیوی؟ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں تحفۃ القاری (۱۹۸:۷)

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کو جو راہِ خدا میں مارے گئے مردے مت کہو، وہ زندہ ہیں، مگر تم سمجھتے نہیں!

مؤمن کو کچھ نہ کچھ مصائب وتکالیف سے آزمایا جاتا ہے اور صبر کا فارمولہ اور اس کا ثواب

اعلیٰ درجہ کے صابرین کے ذکر کے بعد دوسرے درجہ کے صابرین کا ذکر کرتے ہیں، یہ عام مؤمنین ہیں، ان کا تھوڑی تھوڑی تکلیف اور مصیبت کے ذریعہ وقتاً فوقتاً امتحان کیا جاتا ہے، اور ان کے صبر کو دیکھا جاتا ہے، اگر وہ کھرا سونا ثابت ہوتے ہیں تو ان کو انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

حدیث میں ہے: ''مؤمن کا حال تر وتازہ کھیتی جیسا ہے، جس کو ہوائیں پہنچتی ہیں، کبھی اس کو پچھاڑتی ہیں، اور کبھی اس کو سیدھا کرتی ہیں، یہاں تک کہ اس کی موت آجاتی ہے، اور منافق کا حال سیدھے کھڑے ہوئے درختِ صنوبر جیسا ہے، جس کو کوئی چیز نہیں پہنچتی، یہاں تک کہ وہ یکبارگی اکھڑ جاتا ہے'' یعنی جب گرتا ہے تو جڑ سے اکھڑ کر گرتا ہے۔

(مشکاۃ حدیث ۱۵۴۱)

دوسری حدیث میں ہے: ''جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، خواہ بیماری ہو یا اس کے علاوہ، تو اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو جھاڑتے ہیں، جیسے درخت (پت جھڑ کے موسم میں) اپنے پتے جھاڑتا ہے'' (مشکاۃ حدیث ۱۵۳۸) یہ منفی پہلو سے تکالیف ومصائب کا فائدہ ہے، اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور مثبت پہلو سے بشارت آگے آرہی ہے۔

صبر کا فارمولہ: جب کوئی تکلیف یا مصیبت پہنچے تو دو باتیں پیشِ نظر رکھے: ایک: یہ کہ پوری کائنات اللہ کی ملک ہے، اور مالک کو اپنی ملکیت میں ہر تصرف کا حق ہے، دوسری: یہ کہ ہر کسی کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پس جدائی عارضی ہے اور تکلیف فانی ہے۔ مثلاً: کسی کا لاڈلا بچہ مرگیا یا دکان جل گئی تو یہ بات سوچے کہ بچہ اللہ کی ملک تھا اور دکان بھی اسی کی تھی، اگر اس نے اپنی چیز لے لی تو غم کیسا؟ پھر بچہ ہمیشہ کے لئے جدا نہیں ہوا، جہاں وہ گیا ہے کل ہمیں بھی وہاں جانا ہے، جدائی عارضی ہے، جیسے باپ بیٹے کو ممبئی کے لئے رخصت کرتا ہے اور باپ کو بھی ایک ہفتہ کے بعد ممبئی جانا ہے تو بوقت رخصت رونا کیسا؟ اور مال گیا ہے تو اس کا اس سے بہتر عوض ملے گا۔ پس جو اس عقیدہ کو ملحوظ رکھے اور کہے: ﴿ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴾ تو اس کا غم ہلکا پڑ جائے گا اور صبر کرنا آسان ہوجائے گا۔

صبر کا ثواب: ارشادِ پاک ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾: ان صابرین پر ان کے پروردگار کی طرف سے بے پایاں رحمتیں اور خصوصی رحمت ہے اور یہی لوگ راہ یاب ہیں۔

تفسیر: صلوۃ اور رحمت دو عدل ہیں، اونٹ پر جب سامان باندھتے ہیں تو دونوں طرف بالکل برابر لادتے ہیں، اگر ایک طرف زیادہ ہوگا تو اس جانب کا بورا لٹک جائے گا، پس صلوٰۃ اور رحمت دو عدل ہیں یعنی دونوں تقریباً مترادف ہیں، اور صلوٰۃ کے معنی ہیں: غایتِ انعطاف، یعنی آخری درجہ کا میلان، اسی کو فارسی میں 'درود' کہتے ہیں، اس کا ترجمہ: بے پایاں رحمت کیا ہے اور رحمة کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، یعنی خصوصی مہربانی، یہ بھی وہی درود ہے۔

پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دونوں بورے بھر جاتے ہیں اور کچھ جنس بچ جاتی ہے تو اس کی پوٹلی باندھ کر بوروں کے بیچ میں رکھ دیتے ہیں، یہ عِلاوَہ ہے، (اردو میں عین کے زبر کے ساتھ علاوہ کہتے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دو عدل کتنے شاندار ہیں اور عِلاوہ کتنا شاندار ہے۔ صابرین کے لئے تین فضیلتیں ہیں: صلوٰۃ، رحمت اور ہدایت، صلوٰۃ اور رحمت عدلان ہیں اور ہدایت علاوہ (مزید برآں) مگر یہ صدمہ اولیٰ پر صبر کرنے کا ثواب ہے، جب مصیبت دل کے ساتھ ٹکرائے اسی وقت جو صبر کرے اس کے لئے یہ فضیلت ہے۔

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿١٥٦﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿١٥٧﴾ ﴾

ترجمہ: اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے قدرے خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی سے، اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنادیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ کی ملک ہیں، اور بے شک ہم ان کی طرف لوٹنے والے ہیں، انہی لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے بے پایاں رحمتیں اور خصوصی رحمت ہے، اور یہی لوگ راہ یاب ہیں!

صفا مروہ مقاماتِ حج میں سے ہیں، بے تکلف ان کی سعی کرو

اب صبر کا دنیوی ثمرہ بطور مثال بیان فرماتے ہیں، صفا: کعبہ شریف سے پانچ سو گز کے فاصلہ پر مشرق شمال میں ایک پہاڑی تھی، اب برائے نام ہے، اور مروہ: اس سے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر کعبہ سے شمال مغرب میں ایک پہاڑی تھی، وہ بھی اب برائے نام رہ گئی ہے، ان کے درمیان سعی (سات چکر لگانا) حج اور عمرہ میں امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک فرض ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سنتِ مستحبہ ہے، ان

دونوں پہاڑیوں کو یہ اہمیت حضرت ہاجرۃ رضی اللہ عنہا کے صبر کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، اور ان کو مناسک میں اس وقت سے شامل کیا ہے جب تعمیر کعبہ کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے پہلا حج کیا تھا، پھر زمانۂ جاہلیت میں ان پر اساف ونائلہ نامی دو مورتیاں رکھ دی گئیں، مشرکین جب حج کرتے تھے تو سعی میں ان بتوں کو ہاتھ لگاتے تھے، مگر مدینہ کے مشرکین ان کو معبود نہیں مانتے تھے، اس لئے وہ سعی بھی نہیں کرتے تھے، پھر جب اسلام کا زمانہ آیا، اور وہ مورتیاں وہاں سے ہٹادی گئیں تو بھی انصار کو صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنے میں تکلف محسوس ہوا، پس یہ آیت نازل ہوئی، اور ان کو بتایا کہ بے تکلف ان کے درمیان سعی کرو، یہ تو مناسک (مقاماتِ حج) میں شامل ہیں، ان کی سعی ان مورتیوں کی وجہ سے نہیں ہے۔

جب سعی واجب ہے تو ﴿لَا جُنَاحَ﴾ کی تعبیر کیوں ہے؟

﴿لَا جُنَاحَ﴾ کی تعبیر اباحت کی تعبیر ہے، اور سعی واجب ہے، پھر یہ تعبیر کیوں ہے؟ یہ سوال حضرت عروہ رحمہ اللہ نے جب وہ طالبِ علم تھے اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا تھا، انھوں نے وہی وجہ بیان کی جو اوپر ذکر کی کہ انصار زمانۂ جاہلیت میں جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو صفا ومروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے (الی آخرہ) پھر جب اسلام کا زمانہ آیا، اور انصار کو سعی کرنے میں حرج محسوس ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی، اور ان کے دلوں کا بوجھ ہٹایا، پس یہ اباحت کی تعبیر نہیں، اباحت کی تعبیر أن لَّا یَطَّوَّفَ بِھِمَا ہے، یعنی جو حج یا عمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ دونوں کی سعی نہ کرے (یہ روایت بخاری شریف میں کئی جگہ آئی ہے، تحفۃ القاری ۹:۹۱)

ایسی ہی تعبیر سورۃ النساء (آیت ۱۰۱) میں ہے: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾: جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (رباعی) نماز سے کم کرو، یعنی بے تکلف قصر پڑھو، اس میں کچھ حرج نہیں، یہ اباحت کی تعبیر نہیں، اباحت کی تعبیر أن أتموا ہے، چنانچہ سفر میں احناف کے نزدیک قصر واجب ہے، اتمام جائز نہیں۔

﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ○﴾

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ دونوں کے درمیان سعی کرے، اور جو اپنی خوشی سے کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ قدر دان سب کچھ جاننے والے ہیں —— یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے، واجب اور غیر واجب سب عبادتوں کو شامل ہے، ہر نیکی کے کام کی اللہ تعالیٰ قدر فرماتے ہیں، مگر اخلاص شرط ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ	بے شک جو لوگ	اللّٰعِنُوْنَ	لعنت بھیجنے والے	كَفَرُوْا (۳)	انکار کیا
یَكْتُمُوْنَ	چھپاتے ہیں	اِلَّا الَّذِیْنَ	مگر جن لوگوں نے	وَمَاتُوْا	اور مر دے وہ
مَآ اَنْزَلْنَا (۱)	اس کو جو اتارا ہم نے	تَابُوْا	توبہ کی	وَهُمْ كُفَّارٌ	درانحالیکہ وہ منکر تھے
مِنَ الْبَیِّنٰتِ	واضح دلائل سے	وَاَصْلَحُوْا	اور اصلاح کی	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
وَالْهُدٰى	اور راہ نمائی سے	وَبَیَّنُوْا	اور بیان کیا	عَلَیْهِمْ	ان پر
مِنْۢ بَعْدِ (۲)	بعد	فَاُولٰٓئِكَ	پس یہ لوگ	لَعْنَةُ اللّٰهِ (۴)	اللہ کی پھٹکار ہے
مَا بَیَّنّٰهُ	اس کو بیان کرنے کے	اَتُوْبُ	رحمت سے متوجہ ہوتا	وَالْمَلٰٓئِكَةِ	اور فرشتوں کی
لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے		ہوں میں	وَالنَّاسِ	اور انسانوں کی
فِی الْكِتٰبِ	آسمانی کتاب میں	عَلَیْهِمْ	اس کی طرف	اَجْمَعِیْنَ	سبھی کی
اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ	وَاَنَا التَّوَّابُ	اور میں ہی بڑا توبہ	خٰلِدِیْنَ	وہ ہمیشہ رہنے والے
یَلْعَنُهُمُ	لعنت بھیجتے ہیں ان پر		قبول کرنے والا	فِیْهَا (۵)	ہیں اس میں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	الرَّحِیْمُ	بڑا رحم کرنے والا ہوں	لَا یُخَفَّفُ	نہیں ہلکا کیا جائے گا
وَ یَلْعَنُهُمُ	اور لعنت بھیجتے ہیں ان پر	اِنَّ الَّذِیْنَ	بیشک جن لوگوں نے	عَنْهُمُ	ان سے

(۱) ما أنزلنا: موصول صلہ مل کر یكتمون كا مفعول بہ ہیں، اور من البینات میں مِن بیانیہ ہے، ما کا بیان ہے (۲) من بعد: یكتمون سے متعلق ہے، اور ما بیناہ میں ما: مصدریہ ہے اور مضاف الیہ ہے۔ (۳) کفروا: کتموا سے عام ہے، پس آیت اہل کتاب کے ساتھ خاص نہیں (۴) لعنت کی نسبت جب اللہ کی طرف کی جاتی ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں: رحمت سے دور کرنا، اور غیر اللہ کی طرف کی جاتی ہے تو اس کے معنی ہیں: بددعا کرنا (۵) فیھا: کا مرجع لعنت ہے اور لعنت اور دوزخ متلازم ہیں۔

الْعَذَابُ	عذاب	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	يُنْظَرُوْنَ	ڈھیل دیئے جائیں گے

تحویلِ قبلہ کے متعلقات کا بیان پورا ہوا

ان آیات پر تحویلِ قبلہ کے متعلقات کا بیان پورا ہوگا، پھر نیا مضمون شروع ہوگا، ان آیات میں سے پہلی آیت میں ان اہل کتاب (یہود ونصاری) کو لتاڑا ہے جو ان کی کتابوں میں نبی ﷺ کی صفات اور ان کے قبلہ کے تعلق سے جو باتیں ہیں ان کو چھپاتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے، ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور مؤمنین ان کے لئے بددعا کرتے ہیں۔

پھر دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں یعنی مسلمان ہوجائیں، اور کتمانِ حق سے جو بگاڑ پیدا ہوا ہے اس کی اصلاح کریں، اور ان کی کتابوں میں جو باتیں ہیں ان کو لوگوں کے سامنے بیان کریں تو پھر وہ اللہ کے پیارے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو نظرِ رحمت سے دیکھیں گے، اور اللہ تعالیٰ تو توبہ قبول کرنے کے خوگر ہیں، اور بڑے رحم فرمانے والے ہیں، کوئی ان کے درپے آکر تو دیکھے!

پھر آخری دو آیتیں گریز کی ہیں، اب موضوع بدلے گا، اسی لئے كتموا کے بجائے كفروا عام لفظ آیا ہے، اہل کتاب اور مشرکین وغیرہ سب کو شامل ہے، جو بھی دین اسلام کا انکار کرتا ہے، اور انکار ہی پر مرتا ہے تو وہ لوگ اللہ کے، فرشتوں کے اور لوگوں کے پھٹکارے ہوئے ہیں، اس طرح اہل کتاب کے علاوہ کا ذکر شامل ہوگیا، اور آگے دوسرے کفار (مشرکین) سے گفتگو ہوگی، اور فرمایا: لعنت ان کی ابدی سزا ہے، جہنم میں نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی، نہ وقت آجانے پر مہلت ملے گی!

آیاتِ پاک: —— بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اُن واضح دلائل اور ہدایت کو جن کو ہم نے نازل کیا ہے اس کے بعد کہ ہم نے ان کو لوگوں کے فائدے کے لئے آسمانی کتابوں میں بیان کردیا: ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کریں گے، اور ان کے لئے بددعائیں کرنے والے بھی بددعا کریں گے —— مگر جو لوگ توبہ کریں اور اصلاح کریں اور بیان کریں تو ان لوگوں کی طرف میں توجہ کروں گا، اور میں بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا بڑا رحم کرنے والا ہوں، بے شک جن لوگوں نے (قبولِ اسلام سے) انکار کیا، اور وہ انکار ہی پر مرے تو انہی لوگوں پر اللہ کی پھٹکار ہے اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سبھی کی بددعائیں ہیں! وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا، اور نہ وہ ڈھیل دیئے جائیں گے!

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٣﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۝

وَ اِلٰهُكُمْ	اور تمہارا معبود	وَ الْفُلْكِ(۳)	اور کشتیوں میں	بَعْدَ مَوْتِهَا	اس کے مرنے کے بعد
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	ایک معبود ہے	الَّتِیْ	جو	وَبَثَّ(۷)	اور پھیلانے میں
لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	تَجْرِیْ	چلتی ہیں	فِیْهَا	اس میں
اِلَّا هُوَ	مگر وہ	فِی الْبَحْرِ	سمندر میں	مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ	ہر قسم کے جانوروں کو
الرَّحْمٰنُ(۱)	(وہ) نہایت مہربان	بِمَا	اس چیز کے ساتھ جو	وَّتَصْرِیْفِ	اور ادلنے بدلنے میں
الرَّحِیْمُ	بڑا رحم والا ہے	یَنْفَعُ	نفع پہنچاتی ہے	الرِّیٰحِ	ہواؤں کو
اِنَّ فِیْ خَلْقِ	بیشک پیدا کرنے میں	النَّاسَ	لوگوں کو	وَ السَّحَابِ	اور بادل میں
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	وَمَآ اَنْزَلَ(۴)	اور اتارنے میں	الْمُسَخَّرِ	بیگار میں لگا ہوا
وَ الْاَرْضِ	اور زمین کے	اللّٰهُ	اللہ کے	بَیْنَ السَّمَآءِ	آسمان کے درمیان
وَ اخْتِلَافِ(۲)	اور یکے بعد دیگرے	مِنَ السَّمَآءِ(۵)	آسمان سے	وَ الْاَرْضِ	اور زمین کے
	آنے میں	مِنْ مَّآءٍ(۶)	پانی	لَاٰیٰتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں
الَّیْلِ	رات	فَاَحْیَا بِهِ	پس زندہ کیا اس کے ذریعہ	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
وَ النَّهَارِ	اور دن کے	الْاَرْضَ	زمین کو	یَّعْقِلُوْنَ	جو سمجھتے ہیں

(۱) الرحمٰنُ: مبتدا محذوف هو کی خبر ہے اور موجود هو کی خبر بن کر جملہ مستثنیٰ بنے: یہ بھی جائز ہے (۲) اختلافِ: خلقِ پر معطوف ہے، اسی طرح آگے کے جملے بھی خلق پر معطوف ہیں (۳) الفلك: جمع ہے، التی: موصول صلہ الفلك کی صفت ہیں، اور بما: تجری سے متعلق ہے (۴) ما أنزل: ما: مصدریہ ہے اور أنزل: بتاویل مصدر ہوکر خلق پر معطوف ہے (۵) من السماء: من: ابتدائیہ ہے (۶) من ماء: من: بیانیہ، ما کا بیان ہے (۷) بث کا أنزل پر عطف ہے، پھر بتاویل مصدر ہوکر خلق پر معطوف ہے (۸) بیگار: مفت میں کام لینا، مراد: تابع فرمان۔

ملتِ ابراہیمی اسماعیلی پر مبعوث خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات

۱- توحید کا بیان

اب توحید کا مضمون شروع کرتے ہیں، توحید: اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اور رسالت کا عقیدہ او پر ضمناً آگیا ہے، تحویلِ قبلہ کے ضمن میں عموماً، اور ﴿ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى ﴾ میں خصوصاً نبی ﷺ کا ذکر آگیا ہے، اس لئے آگے اس کا ذکر نہیں آئے گا۔

ایک اللہ کے معبود ہونے پر قدرت کے سات کارناموں سے استدلال

مضمون کا سرنامہ ہے: ''تمہارا معبود ایک معبود ہے، اس رحمان ورحیم کے سوا کوئی معبود نہیں!'' —— اللہ تعالیٰ دنیا کے اعتبار سے رحمان ہیں، ہر ایک کی پرورش کرتے ہیں، مؤمن کی بھی اور کافر کی بھی، اور آخرت کے اعتبار سے رحیم ہیں، وہاں رحمت مؤمنین کے لئے خاص ہوگی، سورۃ الفاتحہ میں: ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ کی تفسیر دیکھیں۔

اس مدعیٰ پر اللہ پاک اپنے سات کارناموں سے استدلال کرتے ہیں:

۱- یہ دنیا جو ہمیں نظر آرہی ہے، جس میں ہم موجود ہیں: آسمانوں اور زمین کا مجموعہ ہے، اس کے نظامِ شمسی میں ہم سانس لے رہے ہیں، یہ سارا جہاں اللہ نے پیدا کیا ہے، اس کی بناوٹ میں غور کرو، ہر ورق دفترے است از معرفتِ کردگار، پتے پتے سے اس کی کاریگری عیاں ہے، عیاں راچہ بیان! عقل دنگ رہ جائے گی کہ اللہ نے کیسا کچھ یہ جہاں بنایا ہے؟ کیا ان کے سوا بھی کوئی معبود ہو سکتا ہے؟ ہر گز نہیں!

۲- شب وروز وقفہ وقفہ سے آتے ہیں، جس سے ہم پنپ رہے ہیں، اگر رات ہی رات ہوتی تو سوچو کیا حال ہوتا؟ ہر چیز ٹھٹھر جاتی! اور دن ہی دن ہوتا تو ہر چیز جھلس جاتی! رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے سے گرمی سردی کا توازن ہے، رات میں مخلوقات آرام کرتی ہیں اور دن میں مشغول ہو جاتی ہیں۔

۳- سمندر کی ٹھاٹیں مارتی موجوں میں لاکھوں ٹن کے جہاز رواں دواں ہیں، ایک ڈھیلا پانی پر نہیں رکتا مگر جہاز نہیں ڈوبتا، اور لوگوں کو اور ان کے مال ومتاع کو لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچتا ہے اور لوگ نفع حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح ہزاروں ٹن کا ہوائی جہاز فضا کو چیرتا ہوا چلا جارہا ہے اور گرتا نہیں، یہ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے؟ اللہ کا! پس وہی معبود برحق ہے!

۴- بادل سمندر سے پانی اٹھاتے ہیں، اور جگہ جگہ برستے ہیں، جس سے ویران پڑی ہوئی زمین سرسبز وشاداب

ہوجاتی ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ مخلوقات کی معیشت کا انتظام کرتے ہیں، وہی مہربان اللہ معبود ہیں، ان کے سوا کون معبود ہے؟

۵- زمین میں بھانت بھانت کے حیوانات بکھرے پڑے ہیں، ہر جگہ میں اس خطہ کے مناسب جانور پیدا کئے ہیں، اتنی بے شمار مخلوقات کے خالق ہی معبود ہیں، اور کون خالق ہے؟

۶- اللہ تعالیٰ ہواؤں کو رخ بدل بدل کر چلاتے ہیں، کبھی پُروا کبھی پچھوا، کبھی شمالی کبھی جنوبی ہوائیں چلتی ہیں، اگر ایک رخ کی ہوا چلتی تو ہر چیز جھک جاتی، کوئی چیز سیدھی کھڑی نہ رہتی!

۷- فضاء میں اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو روک رکھا ہے، وہ پانی سے بوجھل اور تابع حکم ہیں، جہاں حکم ہوتا ہے برستے ہیں، مجال ہے کہ کوئی قطرہ دوسری جگہ گر جائے!

یہ سب کام جو ہستی کرتی ہے وہی معبود برحق ہے مشرکین بھی جواہر (بڑی چیزوں) کا خالق اللہ ہی کو مانتے ہیں، پھر وہ دوسروں کے در پہ جبہ سائی کیوں کرتے ہیں!

آیاتِ پاک: —— اور تمہارا معبود ایک معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ نہایت مہربان بڑا رحم کرنے والا ہے۔ بے شک: (۱) آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں (۲) اور شب و روز کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں (۳) اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں چلتی ہیں لوگوں کے لئے مفید چیزیں لے کر (۴) اور آسمان سے اللہ کے پانی برسانے میں، پس سرسبز کیا اس کے ذریعہ زمین کو ویران ہوجانے کے بعد (۵) اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلانے میں (۶) اور ہواؤں کے ادلنے بدلنے میں (۷) اور آسمان وزمین کے درمیان مسخّر (تابع حکم) بادلوں میں —— یقیناً عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں! —— اگر وہ غور کریں تو جان لیں گے کہ جس نے یہ کام کئے ہیں وہی معبود برحق ہے، ان کے سوا کوئی معبود نہیں ہوسکتا!

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ

بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع ۲۰ / ۴

وَمِنَ النَّاسِ [1]	اور بعض لوگ	جَمِيْعًا	ساری	كَرَّةً	پلٹنا
مَنْ يَّتَّخِذُ	جو بناتے ہیں	وَّ اَنَّ اللّٰهَ	اور یہ کہ اللہ تعالیٰ	فَنَتَبَرَّاَ	پس بے تعلقی ظاہر کرتے ہم
مِنْ دُوْنِ	ورے (نیچے)	شَدِيْدُ الْعَذَابِ	سخت سزا دینے والے ہیں	مِنْهُمْ	ان سے
اللّٰهِ	اللہ کے	اِذْ	(یاد کرو) جب	كَمَا	جس طرح
اَنْدَادًا	ہم سر (برابر)	تَبَرَّاَ	بے تعلقی ظاہر کریں گے	تَبَرَّءُوْا	بے تعلقی ظاہر کی
يُّحِبُّوْنَهُمْ	وہ ان سے محبت کرتے ہیں	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو		انھوں نے
كَحُبِّ اللّٰهِ	اللہ کی محبت جیسی	اتُّبِعُوْا	پیروی کیے گئے	مِنَّا	ہم سے
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اور جو لوگ ایمان لائے	مِنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جنھوں نے	كَذٰلِكَ	اس طرح
اَشَدُّ حُبًّا	بڑھے ہوئے ہیں محبت میں	اتَّبَعُوْا	پیروی کی	يُرِيْهِمُ	دکھائیں گے ان کو
لِّلّٰهِ	اللہ کی	وَرَاَوُا	اور دیکھا انھوں نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَلَوْ يَرَى	اور اگر دیکھیں	الْعَذَابَ	عذاب	اَعْمَالَهُمْ	ان کے اعمال (شرکیہ)
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	وَتَقَطَّعَتْ	اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے	حَسَرٰتٍ [5]	پچھتاوا
ظَلَمُوْٓا	شرک کیا	بِهِمُ	ان کے	عَلَيْهِمْ	ان پر
اِذْ يَرَوْنَ [2]	جب دیکھیں وہ	الْاَسْبَابُ [4]	تعلقات	وَمَا هُمْ	اور نہیں ہیں وہ
الْعَذَابَ	عذاب کو	وَقَالَ الَّذِيْنَ	اور کہا جنھوں نے	بِخٰرِجِيْنَ	نکلنے والے
اَنَّ الْقُوَّةَ [3]	کہ طاقت	اتَّبَعُوْا	پیروی کی	مِنَ النَّارِ	دوزخ سے
لِلّٰهِ	اللہ کی ہے	لَوْ اَنَّ لَنَا	کاش ہوتا ہمارے لئے	۞	۞

(۱) من الناس: خبر مقدم ہے اور من يتخذ مبتدا مؤخر، اور من دون الله: يتخذ سے متعلق ہے، اور أندادا: مفعول بہ، نِدّ: ہم سر، برابر کا مخالف (۲) إذ يرون: إذ ظرفيه، يرى کا ظرف ہے (۳) أن القوة: معطوف کے ساتھ يرى کا مفعول بہ ہے، اور لو کا جواب محذوف ہے، أي ليرىٰ أمراً عجيبا، اور حذف کا قرینہ إذ تبرأ ہے (۴) الأسباب: السبب کی جمع: کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ، مراد عابدین و معبود کے درمیان کے تعلقات اور روابط ہیں۔ (۵) حسرات: مفعولِ ثالث ہے اگر يرى سے رویتِ قلبی مراد ہے، اور اعمال کا حال ہے اگر رویت بصری مراد ہے۔

ردّ اشراک

مشرکین اعمالِ شرکیہ پر دوزخ میں پچھتائیں گے

اشراک: کے معنی ہیں: شریک ٹھہرانا، اور ردّ کے معنی ہیں: ابطال، ابطالِ شرک بھی توحید کا مضمون ہے، مشرکین اللہ کے بندوں کو جن کو وہ بھی اللہ سے کم درجہ سمجھتے ہیں، اللہ کے برابر گردان کر ان کی عبادت کرتے ہیں، جو بہت بڑا ظلم (ناانصافی) ہے، کیونکہ عبادت اللہ ہی کا حق ہے، اس کو غیر محل میں رکھنا ظلم ہے۔

اور شرک کا سبب محبت میں غلو ہے: —— غلو کے معنی ہیں: حد سے بڑھنا، اللہ کے بندوں میں جو قابلِ محبت ہیں ان سے محبت ضروری ہے، ملائکہ، اولیاء اور انبیاء سب قابل محبت ہیں، اور سب سے زیادہ محبت سرور کونین محبوب رب العالمین ﷺ سے ضروری ہے، مگر اس کی بھی ایک حد ہے، اس پر رکنا ضروری ہے، اگر اس سے آگے بڑھے گا تو مخلوق کو خالق سے ملا دے گا، اور عبادت جو خالص اللہ کا حق ہے اس کی نذر کرے گا، اور اس سے مرادیں مانگے گا، جبکہ مخلوق کے اختیار میں کچھ نہیں، مشرکین اپنے معبودوں کی محبت میں حد سے بڑھ گئے ہیں، وہ ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں، اس لئے وہ ان کی پرستش کرتے ہیں۔

مؤمنین اللہ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں: —— مؤمنین کو اللہ سے انتہائی محبت ہوتی ہے، اس لئے وہ شرک سے بچے رہتے ہیں، ان کے دلوں میں غیر اللہ کی آخری درجہ کی محبت کی گنجائش نہیں، اور مشرکین اگرچہ اللہ کو مانتے ہیں، مگر اللہ کی محبت غایت درجہ ان کے دلوں میں نہیں، اس لئے وہ شرک کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں، ایک دل میں دو کی انتہائی محبت جمع نہیں ہوسکتی، مجنون: لیلیٰ سے بھی ٹوٹ کر محبت کرے اور اس کے علاوہ سے بھی: یہ ناممکن ہے، البتہ ایک کی قوی اور دوسرے کی ضعیف محبت جمع ہوسکتی ہے، مشرکین کی اللہ سے محبت ضعیف ہے اور مورتیوں سے محبت قوی ہے، اس لئے وہ اللہ کو چھوڑ کر مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں، اور مؤمنین چونکہ اللہ تعالیٰ سے بے حد محبت کرتے ہیں، اس لئے کسی اور کو اس کے برابر نہیں گردانتے:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے ❁ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے!

اور مشرکین جب دوزخ کے عذاب سے دوچار ہونگے، اور وہ جان لیں گے کہ زور سارا اللہ کا ہے، ان کے معبودوں کی کچھ نہیں چل رہی، اور دوزخ کا عذاب بہت سخت ہے تو ان کا عجیب حال ہوگا!

ان کے معبود ان سے بےتعلقی کا اظہار کریں گے، اور ان کے باہمی تعلقات پارہ پارہ ہوجائیں گے: اس وقت مشرکین تمنا کریں گے کہ اگر ان کا دنیا کی طرف پلٹنا ہو تو وہ بھی ان معبودوں سے بےتعلق ہوجائیں، یوں مشرکین کے

اعمال (پوجا) حسرتیں بنیں گے، مگر فائدہ کچھ نہیں کہ وہ اب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اب کفِ افسوس ملنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

آیاتِ پاک: ـــــ اور بعض لوگ اللہ سے کم مرتبہ کو اللہ کا ہم سر بناتے ہیں، وہ ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں، اور مؤمنین اللہ کی محبت میں بہت بڑھے ہوئے ہیں ـــــ اور اگر ظالم (مشرکین) دیکھیں جب وہ عذاب کو دیکھیں کہ سارا زور اللہ کا ہے، اور یہ کہ اللہ سخت سزا دینے والے ہیں (تو ان کا عجیب حال ہوگا! یاد کرو:) جب وہ لوگ جو پیروی کے گئے (معبود) بے تعلقی ظاہر کریں گے ان لوگوں سے جنھوں نے پیروی کی (مشرکین سے) اور وہ عذاب کو دیکھیں گے، اور ان کے تعلقات پارہ پارہ ہوجائیں گے، اور جنھوں نے پیروی کی ہے کہیں گے: کاش ہمارے لئے پلٹنا ہو تو ہم (بھی) ان سے بے تعلقی ظاہر کریں جیسی انھوں نے ہم سے بے تعلقی ظاہر کی، یوں اللہ تعالیٰ ان کے لئے ان کے اعمال (شرکیہ) حسرت در حسرت بنائیں گے، اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں!

کاف (حرفِ تشبیہ) اور مِثل میں فرق

کاف کے ذریعہ تشبیہ میں من وجہٍ مشابہت ہوتی ہے، یعنی بعض اوصاف میں شرکت ہوتی ہے، جیسے زید کالأسد: زید شیر کی طرح ہے یعنی بہادری اور قوت میں، یہ مطلب نہیں کہ اس کے بھی چار پیر اور دُم ہے۔ اور مِثل میں مشابہت من جمیع الوجوہ ہوتی ہے، اسی وجہ سے امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں إیمانی کإیمان جبرئیل تو کہتا ہوں، مگر ایمانی مِثلُ إیمانِ جبرئیل نہیں کہتا، کیونکہ کاف سے تشبیہ میں مومَن بہ میں برابری کافی ہے، تمام اوصاف میں برابری ضروری نہیں۔ اور مِثل میں ہر اعتبار سے مساوات ضروری ہے، اور مؤمنین ایمان میں کیفیت کے اعتبار سے متفاوت ہیں، اس لئے مِثلُ إیمانِ جبرئیل کہنا درست نہیں۔

اور سورۃ الشوریٰ (آیت ۱۱) میں ہے: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾: اس میں کاف اور مِثل دونوں کو جمع کیا ہے، اور کوئی زائد نہیں، اور مطلب یہ ہے کہ کوئی مخلوق اللہ کے ساتھ نہ تمام صفات میں برابر ہے نہ بعض صفات میں، خالق اور مخلوق کی صفات میں کوئی جوڑ نہیں۔

اور یہاں آیت میں: ﴿ كَحُبِّ اللهِ ﴾ ہے، یعنی مشرکین بعض اوصاف میں اپنے معبودوں کو اللہ کے برابر گردانتے تھے، اور وہ وصفِ معبودیت ہے، وہ اُن مورتیوں کو بھی معبود مانتے تھے، ہر اعتبار سے وہ ان کو اللہ کے برابر نہیں مانتے، وہ بھی جواہر (امورِ عظام) کا خالق اللہ ہی کو مانتے تھے، اس لئے حرفِ تشبیہ کاف آیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۡ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۶۸﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَأَن تَقُولُوا عَلَى
اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶۹﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ أَنزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ
مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَآءَنَا ؕ أَوَلَوْ كَانَ آبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۷۰﴾
وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ
صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۷۱﴾ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبٰتِ
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۷۲﴾

يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ (۱)	اے لوگو	وَالْفَحْشَآءِ	اور بے حیائی کا	آبَآءَنَا	ہمارے باپ دادوں کو
كُلُوا	کھاؤ	وَأَن تَقُولُوا (۳)	اور کہنے کا تمہیں	أَوَلَوْ كَانَ	کیا اگرچہ ہوں
مِمَّا	اس سے جو	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	آبَآؤُهُمْ	ان کے باپ دادا
فِي الْأَرْضِ	زمین میں ہے	مَا لَا تَعْلَمُونَ	جو نہیں جانتے تم	لَا يَعْقِلُونَ	نہ سمجھتے ہوں
حَلٰلًا طَيِّبًا (۲)	حلال پاکیزہ	وَإِذَا قِيلَ	اور جب کہا جاتا ہے	شَيْئًا	کچھ
وَّلَا تَتَّبِعُوا	اور مت پیروی کرو	لَهُمُ	ان سے	وَّلَا يَهْتَدُونَ	اور نہ راہ یاب ہوں
خُطُوٰتِ	قدموں کی	اتَّبِعُوا	پیروی کرو	وَمَثَلُ	اور حالت
الشَّيْطٰنِ	شیطان کے	مَآ أَنزَلَ	اس کی جو اتارا	الَّذِينَ	ان کی جنھوں نے
إِنَّهُ لَكُمْ	بے شک وہ تمہارا	اللّٰهُ	اللہ نے	كَفَرُوا	اسلام قبول کیا
عَدُوٌّ مُّبِينٌ	کھلا دشمن ہے	قَالُوا	کہتے ہیں وہ	كَمَثَلِ الَّذِي	جیسے حالت اس کی جو
إِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	بَلْ نَتَّبِعُ	بلکہ پیروی کرتے ہیں ہم	يَنْعِقُ (۴)	چیخ کر ڈانٹتا ہے
يَأْمُرُكُمْ	حکم دیتا ہے تم کو	مَآ أَلْفَيْنَا	اس کی جو پایا ہم نے	بِمَا لَا يَسْمَعُ	اس جانور کو جو نہیں سنتا
بِالسُّوٓءِ	برائی کا	عَلَيْهِ	اس پر	إِلَّا دُعَآءً	مگر پکارنا

(۱) یأیھا الناس: خطاب عام ہے، مگر روئے سخن کفار کی طرف ہے (۲) حلالاً: ما: کا حال ہے، اور طیبا: اس کی تاکید ہے، اور اس میں حلت کی علت کی طرف اشارہ ہے (۳) أن تقولوا: أن: مصدریہ ہے، اور جملہ بتاویل مصدر ہوکر السوء پر معطوف ہے (۴) نَعَقَ (ض) نَعْقًا: چیخنا چلانا، نَعَقَ بغنمه: بکریوں کو چیخ کر ڈانٹنا۔

وَنِدَآءً	اور بلانا	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	وَاشْكُرُوْا	اور شکر بجالاؤ
صُمٌّ بُكْمٌ	بہرے گونگے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	لِلّٰهِ	اللہ کا
عُمْيٌ	اندھے (ہیں)	كُلُوْا	کھاؤ	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہوتم
فَهُمْ	پس وہ	مِنْ طَيِّبٰتِ	پاکیزہ چیزوں سے	اِيَّاهُ	اسی کی
لَا يَعْقِلُوْنَ	نہیں سمجھتے	مَا رَزَقْنٰكُمْ	جو روزی دی ہم نے تم کو	تَعْبُدُوْنَ	عبادت کرتے

حلال کو حرام کرنا شرک ہے مگر مشرکین باز نہیں آئیں گے، البتہ مومنین ایسا نہ کریں

مشرکین بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے تھے، اور ان سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھتے تھے، یہ بھی ایک طرح کا شرک ہے، تحلیل وتحریم کا اختیار اللہ کا ہے، اس سلسلہ میں کسی کی بات ماننا اس کو اللہ کے برابر ٹھہرانا ہے، جو شرک ہے، ان آیات میں اس کی ممانعت ہے۔

فرماتے ہیں: زمین میں جو کچھ ہے، اس میں سے جو حلال پاکیزہ ہے اس میں سے کھاؤ، شیطان کی پیروی میں اس کو حرام مت کرو، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے، وہ برائی، بے حیائی اور اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرنے ہی کا حکم دیتا ہے جس کا تمہیں کچھ علم نہیں، مگر مشرکین اللہ کے احکام کے مقابلہ میں باپ دادوں کی پیروی کرتے ہیں، قوم کی ریت اپنائے ہوئے ہیں، حالانکہ ان کے اسلاف ناسمجھ اور ناہدایت یافتہ تھے، پس ان کی پیروی کا کیا جواز ہے؟ مگر کفار بات کہاں سنیں گے، ان کو ہدایت کی طرف بلانا ایسا ہے جیسے کوئی جانور کو ڈانٹ پکارے، جو آواز کے سوا کچھ نہیں سنے گا، اسی طرح کافر بھی بہرے ہیں، حق بات نہیں سنیں گے، گونگے ہیں، حق بات نہیں بولیں گے، اندھے ہیں، راہ ہدایت نہیں دیکھیں گے، یہی تین علم وفہم کے ذرائع ہیں، جو انھوں نے کھودیئے، پس وہ تو کچھ نہیں سمجھیں گے، البتہ مسلمان سمجھیں، اللہ کا حلال پاکیزہ رزق کھائیں اور اللہ کا شکر بجالائیں، اگر وہ موحد ہیں، کھرے ایماندار ہیں تو نبیوں ولیوں اور درگاہوں پر جانور چھوڑنے سے اور غیر اللہ کی نیاز بھرنے سے باز آئیں، یہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے، شرک کبھی نہیں بخشا جائے گا!

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾

ترجمہ: اے لوگو! زمین میں جو حلال پاکیزہ چیزیں ہیں ان میں سے کھاؤ، اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو —— یعنی ان کو حرام مت کرو —— وہ بالیقین تمہارا کھلا دشمن ہے!

فائدہ: ﴿ حَلٰلًا ﴾ کے بعد ﴿ طَيِّبًا ﴾ آیا ہے، اس میں حلت کی علت کی طرف اشارہ ہے، کھانے پینے کی چیزوں

میں سے وہی چیزیں حلال ہیں جو ستھری پاکیزہ ہیں، خبیث (گندی) چیزیں حرام ہیں۔ سورۃ الاعراف (آیت ۱۵۶) میں ہے: ﴿وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾: وہ حلال کرتے ہیں لوگوں کے لئے پاکیزہ چیزیں اور حرام کرتے ہیں ان پر گندی چیزیں —— یہی حلت وحرمت کی بنیادیں ہیں۔

پھر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ اس سلسلہ میں کس کے ذوق کا اعتبار ہے: نبی ﷺ کے ذوق کا یا عربوں کے ذوق کا؟ احناف ذوقِ نبوی کا اعتبار کرتے ہیں، اسی لئے انھوں نے گوہ کو حرام کہا ہے، اور دوسرے ائمہ عربوں کے ذوق کا اعتبار کرتے ہیں، ابن قدامہ کی المغنی میں اس کی صراحت ہے، اس لئے انھوں نے گوہ کو حلال کہا ہے، حنفیہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کی نبوت عام ہے، پس ایک خاص قوم کا ذوق تمام انسانوں کے حق میں معتبر نہیں، نبی ﷺ کا ذوق ہی سب لوگوں کے لئے قابلِ قبول ہے۔

﴿اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

ترجمہ: وہ تمہیں برائی اور بے حیائی اور اللہ کے نام ایسی بات لگانے ہی کا حکم دے گا جسے تم نہیں جانتے —— یعنی دروغ بیانی کا حکم دے گا کہ ان جانوروں کو اللہ نے حرام کیا ہے، جس کا تمہیں کچھ علم نہیں!

﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا، اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ﴾

ترجمہ: اور جب اُن (مشرکین) سے کہا جاتا ہے کہ تم اس (وحی) کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کی ہے —— جس میں ان جانوروں کی حلت کا بیان ہے —— تو وہ کہتے ہیں: ہم اس (طریقہ) کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے —— یعنی ہم اپنی قومی ریت کو اپنائے رہیں گے —— کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں نہ وہ راہ یاب ہوں —— یعنی ایسوں کی پیروی کا کیا تک ہے!

﴿وَمَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً، صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کا حال جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا اس شخص جیسا ہے جو ڈانٹتا ہے اس جانور کو جو چیخ پکار کے سوا کچھ نہیں سنتا —— یعنی مشرکین کالانعام ہیں —— وہ بہرے گونگے اندھے ہیں، اس لئے وہ سمجھتے نہیں!

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾

ترجمہ: اے مسلمانو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ، جو ہم نے تم کو بطور روزی دی ہیں —— مراد سائبہ وغیرہ

حیوانات ہیں جن کو مشرکین نے حرام کیا ہے ـــــ اور اللہ کا شکر بجالاؤ، اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو! ـــــ بندگی کے معنی ہیں: فرماں برداری، تعمیلِ حکم۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۷۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتٰبِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۷۶﴾

ع ۲۱ / ۵

إِنَّمَا	اس کے سوانہیں کہ	بِهٖ	اس کے ذریعہ	إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
حَرَّمَ	حرام کیا (اللہ نے)	لِغَيْرِ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ کو	غَفُورٌ	بڑے بخشنے والے
عَلَيْكُمُ	تم پر	فَمَنِ	پس جو شخص	رَّحِيمٌ	بڑے رحم والے ہیں
الْمَيْتَةَ	مردار کو	اضْطُرَّ (۲)	مجبور ہوگیا	إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جو لوگ
وَالدَّمَ	اور خون کو	غَيْرَ بَاغٍ (۳)	نہ چاہنے والا	يَكْتُمُونَ	چھپاتے ہیں
وَلَحْمَ	اور گوشت کو	وَّلَا عَادٍ (۴)	اور نہ حد سے بڑھنے والا	مَآ أَنْزَلَ	اس کو جو اتارا
الْخِنْزِيرِ	سور کے	فَلَآ إِثْمَ	پس کوئی گناہ نہیں	اللّٰهُ	اللہ نے
وَمَا أُهِلَّ (۱)	اور اس کو جو پکارا گیا	عَلَيْهِ	اس پر	مِنَ الْكِتٰبِ	کتاب (تورات) سے

(۱) ما أهل: ما: موصولہ: صلہ کے ساتھ المیتۃ پر معطوف، أهل: ماضی مجہول، اہلال کے اصل معنی ہیں: چاند دیکھتے وقت آواز لگانا اور پکارنا، پھر ہر آواز لگانے کے لئے اس کا استعمال ہونے لگا (۲) اضطر: ماضی مجہول: بے اختیار اور لاچار کیا گیا، کسی ضرر رساں چیز پر مجبور کیا گیا (۳) باغ: اسم فاعل: بَغَى (ض) الشيءَ بغيةً: چاہنا، طلب کرنا، اور بغی (ض) بَغْيًا: تجاوز کرنا، زیادتی کرنا، ظلم کرنا (۴) عاد: اسم فاعل: عدی علیه: زیادتی کرنا۔

وَيَشْتَرُوْنَ	اور خریدتے ہیں وہ	يُزَكِّيْهِمْ	پاک کریں گے ان کو	اَصْبَرَهُمْ	صبر کرنے والے ہیں وہ
بِهٖ	اس کے بدل	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	عَلَى النَّارِ	دوزخ پر
ثَمَنًا قَلِيْلًا	تھوڑی قیمت	عَذَابٌ	سزا ہے	ذٰلِكَ	یہ بات
اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	اَلِيْمٌ	دردناک	بِاَنَّ اللّٰهَ	بایں وجہ ہے کہ اللہ نے
مَا يَاْكُلُوْنَ	نہیں کھاتے	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ ہیں	نَزَّلَ	اتاری
فِيْ بُطُوْنِهِمْ	اپنے پیٹوں میں	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	الْكِتٰبَ	کتاب (قرآن)
اِلَّا النَّارَ	مگر آگ	اشْتَرَوُا	خریدا	بِالْحَقِّ	دین حق پر مشتمل
وَلَا	اور نہیں	الضَّلٰلَةَ	گمراہی کو	وَاِنَّ الَّذِيْنَ	اور بیشک جنھوں نے
يُكَلِّمُهُمُ	بات کریں گے ان سے	بِالْهُدٰى	ہدایت کے بدل	اخْتَلَفُوْا	اختلاف کیا
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَالْعَذَابَ	اور عذاب کو	فِي الْكِتٰبِ	کتاب (قرآن) میں
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	بِالْمَغْفِرَةِ	مغفرت کے بدل	لَفِيْ شِقَاقٍ	یقیناً مخالفت میں ہیں
وَلَا	اور نہیں	فَمَآ	پس کس قدر	بَعِيْدٍ	دور کے

اللہ نے چار چیزیں حرام کی ہیں، مشرکین ان کو حلال کرتے ہیں، یہ بھی شرک ہے

جس طرح حلال کو حرام کرنا شرک ہے: حرام کو حلال کرنا بھی شرک ہے، اس لئے کہ یہ بھی تحلیل وتحریم کا اختیار غیر اللہ کے لئے تسلیم کرنا ہے، مشرکوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو حرام کیا تھا، جو حلال جانور تھے، اور چار چیزوں کو جن کو اللہ نے قطعی حرام کیا ہے حلال کرتے تھے اور کھاتے تھے، اب اس شرک کا بیان ہے، وہ مردار کھاتے تھے، اب بھی چمار اس کو کھاتے ہیں، وہ بہتا خون جو ذبح کے وقت نکلتا ہے استعمال کرتے تھے، وہ سور کا گوشت کھاتے تھے، اسی طرح استھانوں پر جو جانور جھٹکا کئے جاتے ہیں ان کو بھی کھاتے تھے، جبکہ یہ چاروں چیزیں اللہ کی شریعتوں میں قطعاً حرام ہیں، تورات میں بھی اس کا ذکر ہے، مگر یہود اس کو چھپاتے ہیں۔

وہ چار حلال جانور جن کو مشرکین نے حرام کر رکھا تھا:

۱—بحیرہ: وہ جانور جس کے کان چیر کر اس کا دودھ بتوں کے نام پر وقف کرتے تھے۔

۲—سائبہ: وہ جانور جو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا، اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا حرام سمجھا جاتا تھا۔

۳—وصیلہ: وہ اونٹنی جو لگاتار مادہ بچے جنے، درمیان میں نر بچہ نہ ہو، ایسی اونٹنی کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

۴-حامی: وہ نر اونٹ جو ایک خاص تعداد میں جفتی کر چکا ہو، اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

وہ چار چیزیں جو اللہ کی شریعتوں میں قطعی حرام ہیں:

۱-مردار: جو جانور خود بخود مر جائے، ذبح کی نوبت نہ آئے، یا غیر شرعی طریقہ پر ذبح یا شکار کیا جائے، مثلاً: گلا گھونٹا جائے یا زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے یا لکڑی اور پتھر اور غلیل اور بندوق سے مارا جائے یا اوپر سے گر کر یا کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے، یا درندہ پھاڑ ڈالے یا ذبح کے وقت قصداً تکبیر کو ترک کیا جائے: یہ سب مردار اور حرام ہیں، البتہ دو جانور بہ حکم حدیث شریف اس حرمت سے مستثنیٰ ہیں اور ہم کو حلال ہیں: مچھلی اور ٹڈی (فوائد شیخ الہند)

۲-خون: جو رگوں سے بہتا ہے اور ذبح کے وقت نکلتا ہے، البتہ جو خون گوشت پر لگا رہتا ہے وہ پاک ہے، اگر گوشت کو بغیر دھوئے پکا لیا جائے تو اس کا کھانا درست ہے، مگر نظافت کے خلاف ہے، اور کلیجی اور تلی جو منجمد خون ہیں بہ حکم حدیث شریف حلال ہیں۔

۳-خنزیر کا گوشت: اگرچہ اس کو باقاعدہ ذبح کیا گیا ہو، اسی طرح اس کے تمام اجزاء، پوست (چمڑا) چربی، ناخن، بال، ہڈی، پٹھا: سب ناپاک ہیں، ان سے نفع اٹھانا اور کسی کام میں لانا حرام ہے۔

۴-غیر اللہ کے نامزد کیا ہوا جانور: اگرچہ اس کو تکبیر کے ساتھ ذبح کیا گیا ہو: مردار سے بھی اخبث ہے، البتہ ناذر (نامزد کرنے والا) توبہ کرے، پھر اللہ کے نام پر ذبح کرے تو حلال ہے، مشرکین بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے تھے یا کسی استھان پر جھٹکا کرتے تھے، پھر اس کو کھاتے تھے، اس کی حرمت کا ذکر ہے۔

لاچاری اور مجبوری کا حکم:

اگر بھوک مری کی نوبت آجائے یا اکراہ ملجی ہو، یعنی جان جانے کا غالب گمان ہو تو مردار وغیرہ استعمال کر سکتا ہے، جبکہ لذت اندوز ہونا مقصود نہ ہو، نہ ضرورت سے زیادہ کھائے، بس جان بچالے، سدِّ رمق کے بقدر کھائے۔

اور آخر آیت میں ایک خلجان کا جواب ہے کہ بھوک سے مرتے ہوئے آدمی کو اندازہ نہیں ہو سکتا کہ کتنا کھائے جو جان بچ جائے، اس لئے فرمایا: اللہ بڑے بخشنے والے، بڑے مہربان ہیں، یہ سہولت کر دی۔

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: اللہ نے تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور ہی حرام کیا ہے جس پر اللہ کے سوا کا نام پکارا گیا ہو، پس جو مجبور کیا گیا، چاہنے والا نہ ہو اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے

رحم کرنے والے ہیں!

فائدہ(۱):إنما: کلمۂ حصر ہے، اور حصر اضافی ہے، مشرکین نے چار حلال جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ کر حرام کیا تھا، اور دوسری چار حرام چیزوں کو حلال کیا تھا، بایں اعتبار حصر کیا ہے کہ وہ چار جانور حرام نہیں یہ چار چیزیں حرام ہیں، تمام حرام جانوروں کا بیان مقصود نہیں، حدیث سے کچلی دار درندے اور پنجے سے شکار کرنے والے پرندے بھی حرام ہیں، اور دیگر حشرات الارض (چوہا گوہ وغیرہ) بھی حرام ہیں۔

فائدہ(۲):خنزیر کا ہر جزء حرام ہے، مگر اس موقع پر چونکہ کھانے کی چیزوں کا ذکر تھا اس لئے گوشت کی تخصیص کی، خنزیر میں بے غیرتی، بے حیائی، حرص و آز اور نجاست کی طرف میلان سب جانوروں سے زیادہ پایا جاتا ہے، اس لئے وہ رجس، خبیث اور نجس العین ہے، اس کے کسی جزء سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔

فائدہ(۳):﴿غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾ کی تفسیر میں اختلاف ہے:

۱- ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری، اور مسروق رحمہما اللہ نے تفسیر کی ہے: غیر باغ: چاہنے والا نہ ہو، یعنی مردار سے لطف اندوز ہونا مقصود نہ ہو، ولا عاد: اور کھانے میں حد سے نہ بڑھے، یہ تفسیر احناف اور مالکیہ نے لی ہے، ان کے نزدیک ہر لاچار کے لئے رخصت ہے، حکومت کے باغیوں کے لئے اور گناہ کا سفر کرنے والے کے لئے بھی ضرورت پڑجانے پر مردار وغیرہ کھانا جائز ہے۔

۲- مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ نے تفسیر کی ہے: غیر باغ: امام المسلمین سے بغاوت کرنے والا نہ ہو، ولا عاد: اور اس کا سفر معصیت کا نہ ہو تو رخصت ہے، اور باغی اور معصیت کا سفر کرنے والے کے لئے رخصت نہیں، یہ تفسیر امام شافعی رحمہ اللہ نے لی ہے۔

ملحوظہ: پہلی تفسیر کی ترجیح احکام القرآن جصاص میں ہے۔

مذکورہ چیزوں کی حرمت تورات میں بھی ہے، مگر یہود اور باتوں کی طرح اس کو بھی چھپاتے ہیں، اس لئے وہ سخت سزا کے مستحق ہیں۔

مذکورہ امورِ اربعہ کی حرمت کا بیان تورات میں بھی ہے، مگر یہود نبی ﷺ کے اوصاف کی طرح اس مضمون کو بھی چھپاتے ہیں، تاکہ قرآن کی تائید نہ ہو، اور ان کی تو عادت ہے رشوت لے کر احکام تورات چھپانے کی، وہ لوگ جو رشوت کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں جہنم کے انگارے ہی بھر رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے ملاطفت کے ساتھ

بات نہیں کریں گے، نہ ان کو گناہوں سے پاک کر کے جنت میں داخل کریں گے، وہ ہمیشہ دردناک عذاب میں رہیں گے، انھوں نے ہدایت کے بدل گمراہی اور مغفرت کے بدل عذاب خریدا ہے، دیکھو وہ دوزخ کا عذاب سہنے میں کس قدر حوصلہ مند ہیں! دوزخ کے عذاب سے بچنے کی ان کو ذرا فکر نہیں، اور یہ سزا ان کو اس لئے ملے گی کہ اللہ پاک نے قرآنِ کریم اتارا، وہ اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے، اور ضد میں بہت دور نکل گئے!

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب (تورات) کو چھپاتے ہیں —— یہ ارشاد امورِ اربعہ کی تحریم کو چھپانے سے عام ہے، وہ تورات کی دیگر باتوں کو بھی چھپاتے تھے، مثلاً: نبی ﷺ کے اوصاف جو تورات میں ہیں ان کو ظاہر نہیں کرتے تھے —— اور اس (احکام تورات) کے بدل تھوڑی پونجی وصول کرتے ہیں —— یعنی رشوت لے کر احکام تورات چھپاتے یا بدلتے ہیں —— وہ اپنے پیٹوں میں جہنم کے انگاروں کے سوا کچھ نہیں بھر رہے، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے (ملاطفت کے ساتھ) بات نہیں کریں گے، اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک صاف کریں گے (جس طرح گنہگار مؤمنین کو پاک صاف کر کے جنت میں داخل کریں گے —— اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے!

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدل گمراہی اور مغفرت کے بدل عذاب مول لیا، پس وہ دوزخ کا عذاب سہنے میں کس قدر باحوصلہ ہیں! —— یہ سزا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دینِ حق پر مشتمل کتاب اتاری —— قرآنِ کریم نازل کیا —— اور جن لوگوں نے اس کتاب کی مخالفت کا رویہ اختیار کیا وہ ضد میں بہت دور جا پڑے! —— اس لئے ان کی یہی سزا ہے۔

فائدہ: ﴿لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ﴾ کی دھمکی سے معلوم ہوا کہ ہر کسی کے دل میں اللہ کی محبت راسخ ہے، مگر چنگاری راکھ کے نیچے دبی ہوئی ہے، جب موانع مرتفع ہونگے تو محبت کا ظہور ہوگا، ورنہ یہ دھمکی بے سود ہے، جیسے کفار قیامت میں جمالِ خداوندی کے دیدار سے محروم رکھے جائیں گے: ﴿اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾، معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر سینہ اللہ کی محبت سے ایسا لبریز ہوگا کہ ادنی بے التفاتی بھی ان کے لئے دوزخ کے عذاب سے زیادہ جاں کاہ ہوگی!

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

لَيْسَ الْبِرَّ (۱)	نہیں ہے نیکی	وَالْكِتٰبِ (۳)	اور تمام کتابوں پر	وَاَقَامَ (۸)	اور اہتمام کیا
اَنْ تُوَلُّوْا	کہ پھیرو تم	وَالنَّبِيّٖنَ (۴)	اور تمام نبیوں پر	الصَّلٰوةَ	نماز کا
وُجُوْهَكُمْ	اپنے چہرے	وَاٰتَى (۵)	اور دیا اس نے	وَاٰتَى	اور دی اس نے
قِبَلَ (۲)	جانب	الْمَالَ	مال	الزَّكٰوةَ	زکات
الْمَشْرِقِ	مشرق کے	عَلٰى حُبِّهٖ (۶)	اس کی محبت میں	وَالْمُوْفُوْنَ (۹)	اور پورا کرنے والے
وَالْمَغْرِبِ	اور مغرب کے	ذَوِي الْقُرْبٰى	رشتہ داروں کو	بِعَهْدِهِمْ	اپنے قول وقرار کو
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ	بلکہ نیکی	وَالْيَتٰمٰى	اور یتیموں کو	اِذَا عٰهَدُوْا	جب پیمان باندھا انھوں نے
مَنْ اٰمَنَ	جو ایمان لایا	وَالْمَسٰكِيْنَ	اور غریبوں کو	وَالصّٰبِرِيْنَ (۱۰)	اور برداشت کرنے والے
بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَابْنَ السَّبِيْلِ	اور مسافر کو	فِي الْبَاْسَآءِ (۱۱)	محتاجی میں
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور آخری دن پر	وَالسَّآئِلِيْنَ	اور مانگنے والوں کو	وَالضَّرَّآءِ (۱۲)	اور بیماری میں
وَالْمَلٰٓئِكَةِ	اور فرشتوں پر	وَفِي الرِّقَابِ (۷)	اور گردنوں میں	وَحِيْنَ الْبَاْسِ (۱۳)	اور سخت جنگ کے وقت

(۱) البر : ال: جنس کا یا عہد کا ہے، اور لیس کی خبر مقدم ہے اور أن تولوا: بتاویل مصدر ہو کر اسم مؤخر ہے (۲) قِبَل: تولوا کا ظرف ہے (۳) الکتب: ال: جنس کا ہے، تمام آسمانی کتابیں مراد ہیں (۴) النبیین: ال: استغراقی ہے، تمام انبیاء مراد ہیں (۵) آتی: آمن پر معطوف ہے (۶) علی حبہ: المال کا حال ہے (۷) فی الرقاب: آتی سے متعلق ہے (۸) أقام کا آمن پر عطف ہے (۹) الموفون: اسم فاعل، من آمن پر معطوف ہے، مصدر إیفاء: پورا کرنا، اس کے مفعول پر باء آتی ہے (۱۰) الصابرین: منصوب علی المدح ہے، أخصّ یا أمدح محذوف کا مفعول بہ ہے، یعنی خاص طور پر صابرین کا ذکر کرتا ہوں یا ان کی تعریف کرتا ہوں (۱۱) البأساء: اسم مؤنث ہے، بُؤس سے مشتق ہے: محتاجی، غریبی، فقر (۱۲) الضراء: اسم مؤنث ہے، نعماء کی ضد: بیماری، تکلیف، پریشانی (۱۳) الباس: سخت جنگ، گھمسان کا رن۔

اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ	وَاُولٰٓئِكَ	اور یہ	الْمُتَّقُوْنَ	پرہیزگار ہیں
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا	جنھوں نے سچ کہا	هُمُ	ہی لوگ	۞	۞

عقائد واعمالِ اسلام

توحید کا بیان پورا ہوا، اس کے آخر میں یہ بات آئی ہے کہ اہل کتاب آسمانی کتابوں کی باتیں چھپاتے ہیں، جس کی ان کو سخت سزا ملے گی، اس پر وہ کہنے لگے: ہم میں بہت سے اسباب مغفرت موجود ہیں، ہم اپنے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں، نصاریٰ: بیت المقدس سے مشرق کی طرف (بیت لحم کی طرف) منہ کرتے ہیں، اور یہود مغرب کی طرف (صخرہ کی طرف) منہ کرتے ہیں، پھر ہم عذاب کے مستحق کیسے ہوسکتے ہیں؟ آیتِ کریمہ کے شروع میں ان پر ردّ ہے کہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنا ہی ساری نیکی نہیں، جو ہدایت ومغفرت کے لئے کافی ہو، بلکہ اس کے لئے عقائد صحیحہ اور اعمالِ ضروریہ پر کاربند ہونا ضروری ہے۔

بنیادی عقائد: ۱- اللہ تعالیٰ پر ان کی تمام صفات واسماء کے ساتھ ایمان لانا۔ ۲- دنیا کے آخری دن (قیامت) کو ماننا۔ ۳- فرشتوں کو ماننا۔ ۴- اللہ کی تمام کتابوں کو (مع قرآنِ کریم) ماننا۔ ۵- اللہ کے تمام پیغمبروں کو (مع خاتم النّبیین ﷺ) ماننا —— جبکہ یہود ونصاریٰ قرآنِ کریم اور آخری نبی ﷺ کو نہیں مانتے، پھر وہ ہدایت پر کیسے ہوسکتے ہیں؟ اور ان کی مغفرت کا کیا سوال ہے؟

اعمالِ اسلام: اس آیت میں پانچ اعمال کا ذکر ہے، باقی کا تذکرہ آگے ہے:

۱- صدقہ خیرات کرنا، مال کی چاہت کے باوجود وجوہِ خیر میں خرچ کرنا، مثلاً: صلہ رحمی کرنا یعنی رشتہ داروں کو دینا، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، یتیموں، غریبوں، مسافروں اور مانگنے والوں کو دینا، اور غلاموں کو آزاد کرنے کرانے میں مال خرچ کرنا۔

۲- نماز کا اہتمام کرنا، فرائض، واجبات اور مستحبات کا خیال رکھ کر اور ممنوعات ومکروہات سے بچ کر پابندی سے وقت میں نماز ادا کرنا، قضا نہ ہونے دینا، اور ہوجائے تو تلافی کرنا۔

۳- مال کی زکات نکالنا، اور اس کو محتاجوں تک پہنچانا۔

۴- جب کسی سے کوئی وعدہ کیا جائے تو قول وقرار کا پاس کرنا، وعدہ پورا کرنا۔

۵- اور خاص طور پر محتاجگی، فقر وفاقہ اور بیماری اور تکالیف میں صبر کرنا، برداشت کرنا، اور جب گھمسان کا رن پڑے تو ڈٹ کر مقابلہ کرنا، پیٹھ نہ پھیرنا۔

وہی لوگ جو ان عقائد کے حامل اور ان اعمال پر عامل ہیں دعویٔ ایمان میں سچے ہیں، وہی پرہیزگار ہیں، وہی ہدایت یافتہ اور مغفرت کی امید باندھ سکتے ہیں۔

آیتِ کریمہ: —— تمہارا مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف منہ پھیرنا ساری نیکی نہیں، بلکہ نیکی کا کام اللہ پر، آخری دن پر، فرشتوں پر، سب آسمانی کتابوں پر اور تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ہے، اور اپنا محبوب مال رشتہ داروں کو، یتیموں کو، مسافر کو، اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں دینا ہے، اور اس نے نماز کا اہتمام کیا اور زکات ادا کی، اور اپنے قول وقرار کو پورا کرنے والے جب انھوں نے کسی سے کوئی وعدہ کیا، اور (خاص طور پر) محتاجی اور بیماری میں صبر کرنے والے اور سخت معرکہ میں جمنے والے —— یہی لوگ ایمان میں سچے ہیں، اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۹﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	اے لوگو جو	فَمَنْ عُفِيَ	پس جو معاف کیا گیا	تَخْفِيفٌ	آسان کرنا ہے
آمَنُوا	ایمان لائے	لَهُ	اس کے لئے	مِنْ رَبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے
كُتِبَ عَلَيْكُمُ	لکھا گیا تم پر	مِنْ أَخِيهِ	اس کے بھائی کی طرف سے	وَرَحْمَةٌ (۳)	اور بڑی مہربانی ہے
الْقِصَاصُ (۱)	جان کے بدل جان لینا	شَيْءٌ	کچھ	فَمَنِ اعْتَدَىٰ	پس جس نے زیادتی کی
فِي الْقَتْلَى (۲)	مقتولوں میں	فَاتِّبَاعٌ	پس پیروی کرنا ہے	بَعْدَ ذَٰلِكَ	اس کے بعد (معاف کرنے کے بعد)
الْحُرُّ بِالْحُرِّ	آزاد کے بدل آزاد	بِالْمَعْرُوفِ	دستور کے موافق		
وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ	غلام کے بدل غلام	وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ	اور اس تک پہنچانا ہے	فَلَهُ	پس اس کے لئے
وَالْأُنْثَىٰ	اور عورت	بِإِحْسَانٍ	ممنونیت کے ساتھ	عَذَابٌ أَلِيمٌ	دردناک سزا ہے
بِالْأُنْثَىٰ	عورت کے بدل	ذَٰلِكَ	یہ (معافی کا حکم)	وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے

(۱) القصاص: اسم ہے: برابری کرنا، جان کے بدل جان لینا (۲) القتلی: القتیل کی جمع ہے: مقتول (۳) رحمة: تنوین تعظیم کے لئے ہے۔

فِي الْقِصَاصِ	جان کے بدل جان لینے میں	حَيٰوةٌ	زندگانی ہے	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
		يَاُولِي الْاَلْبَابِ	اے عقلمندو!	تَتَّقُوْنَ	بچے رہو

۱-قتلِ عمد میں قصاص لازم ہے

ربط: گذشتہ آیت کا آخری حکم تھا:﴿ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ﴾:اور برداشت کرنے والے سختی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت،اب اسی قبیل کے چند احکام دیتے ہیں،مثلاً حکم ہے:قتلِ عمد میں قصاص کا،اور دونوں احکام میں مناسبت یہ ہے کہ جب کسی خاندان کا کوئی شخص قتل کیا جاتا ہے تو وارث آپے سے باہر ہو جاتا ہے،قاتل کے قبیلہ کا جو بھی آدمی مل جاتا ہے اس کو قتل کر دیتا ہے،بلکہ کبھی ایک کے بدلے ایک سے زیادہ کو قتل کر دیتا ہے،یہ جائز نہیں،ایسی صورت میں برداشت سے کام لینا چاہئے،اور قاتل ہی کو پکڑنا چاہئے،اسی کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہئے،اس لئے اب قتلِ عمد میں قصاص کا حکم دیتے ہیں۔

شانِ نزول: زمانۂ جاہلیت میں یہود اور اہل عرب نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ شریف النسب لوگوں کے غلام کے بدلے رذیل لوگوں کے آزاد کو،اور عورت کے بدلے مرد کو،اور ایک آزاد کے بدلے دو کو قصاص میں قتل کرتے تھے،اس لئے اس آیت میں بدلے میں برابری کرنے کا حکم دیا ہے۔

قصاص: کے لغوی معنی ہیں: برابری کرنا،مجرم سے برابر کا بدلہ لینا،زیادتی نہ کرنا،یعنی مقتول کے مخصوص اوصاف، جیسے عقل وفہم،حسن وجمال،چھوٹا بڑا ہونا،مقتول کا معزز یا مالدار ہونا وغیرہ امور کا لحاظ نہ کیا جائے،کیونکہ سب جانیں برابر ہیں،مرد:مرد برابر ہیں،غلام:غلام برابر ہیں،اور عورت:عورت برابر ہیں،اگرچہ اوصاف میں تفاوت ہو،پس قصاص کے معنی ہیں:برابری کرنا،دو شخصوں کو ایک ہی حکم میں رکھنا،ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دینا۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْـثٰى بِالْاُنْـثٰى ۭ ﴾

ترجمہ:اے ایمان والو!تم پر مقتولوں میں قصاص فرض کیا گیا(یعنی قصاص شریعت کا لازمی حکم ہے) آزاد کے بدل آزاد،غلام کے بدل غلام،اور عورت کے بدل عورت —— قتل کی جائے،یہ برابری کرنے کا بیان ہے۔

تفسیر:یہاں تک آیت میں دو حکم ہیں:پہلا حکم یہ ہے کہ قتلِ عمد میں قصاص فرض اور لازم ہے،اس میں تساہل یا تغافل نہ برتا جائے،دوسرا حکم:قصاص میں برابری کرنے کا ہے،یہ بات﴿ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ ﴾ الآیۃ سے بیان کی گئی ہے،پس آیت کے دونوں ٹکڑوں میں دو الگ الگ باتیں ہیں،ایک:قصاص کی فرضیت اور لزوم،دوسری:قصاص میں برابری کرنا۔

قصاص حد نہیں، اسے معاف کیا جاسکتا ہے

حد: وہ سزائیں ہیں جو قرآن، حدیث یا اجماع سے ثابت ہیں، اور جو حق اللہ کے طور پر واجب ہوتی ہیں، اور حق اللہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ سزائیں مفاد عامہ کے طور پر مشروع کی گئی ہیں، یعنی لوگوں کے انساب، اموال، عقول اور اعراض کی حفاظت کے لئے مقرر کی گئی ہیں، یہ سزائیں گناہ کرنے سے پہلے گناہ سے روکنے والی اور گناہ کرنے کے بعد سرزنش ہوتی ہیں، ان میں سفارش کی گنجائش نہیں، ثبوت ہو جانے کے بعد معاف بھی نہیں کی جاسکتیں۔ ایسے سنگین جرائم پانچ ہیں: زنا، چوری، ڈکیتی، شراب نوشی اور زنا کی تہمت۔

اور قصاص: حد نہیں، اس لئے اس کو مقتول کے ورثاء معاف کرسکتے ہیں، پورا قصاص بھی معاف کرسکتے ہیں اور بعض حصہ بھی، اور ورثاء چند ہوں تو بعض ورثاء بھی اپنا حصہ معاف کرسکتے ہیں، اور بغیر عوض کے بھی معاف کرسکتے ہیں اور دیت وغیرہ کے بدل بھی معاف کرسکتے ہیں، اب تمام صورتوں میں قاتل کو قصاصاً قتل کرنا جائز نہیں، کیونکہ قصاص میں تجزی نہیں۔

پھر اگر دیت وغیرہ کے بدل معاف کیا ہے تو ورثاء بدل کا معقول طریقہ پر مطالبہ کریں، کیونکہ یہ بدل قاتل دے گا، عاقلہ شریک نہیں ہونگے، اس لئے وہ حسبِ گنجائش دے گا، اور قاتل کو بھی چاہئے کہ ٹال مٹول نہ کرے، ممنونیت کے ساتھ ادا کرے، اور یہ قصاص کو معاف کرنے کی گنجائش اللہ کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے، پھر اگر ورثاء قصاص معاف کرنے کے بعد قاتل کو قتل کریں تو یہ ان کی طرف سے تعدی (زیادتی) ہوگی جس کی ان کو دارین میں سزا ملے گی، دنیا میں وہ وارث قصاصاً قتل کیا جائے گا، اور آخرت میں سزا الگ ملے گی۔

فائدہ: اس آیت میں وارث کو قاتل کا 'بھائی' کہہ کر رحم کی اپیل کی ہے کہ قاتل اگرچہ وقتی اشتعال اور غلبۂ شیطان کی وجہ سے قتل کا ارتکاب کر بیٹھا ہے، لیکن بہر حال قاتل تمہارا بھائی ہے، اور تم اس کے بھائی ہو، اور بھائی بھائی پر مہربان ہوتا ہے، پس وارث کو درگذر سے کام لینا چاہئے۔

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

ترجمہ: پس جس (قاتل) کو اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ بھی معافی مل جائے تو (وارث کو) معقول طریقہ پر (عوض کے) مطالبہ کا حق ہے، اور (قاتل کے ذمہ) خوش اسلوبی سے وارث کو (خون بہا) پہنچانا ہے، یہ (قصاص معاف کرنا) تمہارے پروردگار کی طرف سے آسانی اور بڑی مہربانی ہے، پھر جو اس کے بعد یعنی قصاص

معاف کرنے کے بعد زیادتی کرے یعنی قاتل کو قتل کردے تو اس کے لئے دردناک سزا ہے!

قصاص قتل در قتل نہیں، بلکہ اس میں انسانی زندگی کا تحفظ ہے

بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ قصاص ایک قتل کے بعد دوسرا قتل ہے، لیکن غور کیا جائے تو اپنے نتائج واثرات کے اعتبار سے اس میں زندگی کا تحفظ ہے، اول تو قانونِ قصاص کے خوف سے کسی کو جلدی ارتکابِ قتل کی ہمت ہی نہ ہوگی، اور کسی نے اس کا ارتکاب کرلیا، اور مقتول کے ورثاء کو بدلہ لینے کا موقع دیدیا گیا تو آتشِ انتقام بجھ جائے گی، اور ممکن ہے معاف کردے، اور قصاص لے بھی لے تو اب یکے بعد دیگرے انتقام لینے کا سلسلہ قائم نہ ہوگا، اور بے قصوروں کی جان نہ جائے گی، معاملہ یہیں رفع دفع ہوجائے گا، اس طرح قانون قصاص میں حیاتِ انسان کا تحفظ ہے (آسان تفسیر از مولانا خالد سیف اللہ زید مجدہ)

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝﴾

ترجمہ: اور تمہارے لئے اے عقلمندو! قصاص (جان کے بدل جان لینے) میں زندگی ہے، تاکہ تم (قتل سے) بچو۔

فائدہ: سزا سے سزا کا ہوّا (خوف) بہتر ہے، جب میں راندیر میں مدرس تھا تو ''سورت نویوگ کالج'' کے ایک پروفیسر میرے پاس ایک انگریزی رسالہ لے کر آئے، اس میں کسی کا مضمون تھا کہ اسلام میں بھیانک سزائیں ہیں جو بربریت ہے، پروفیسر صاحب اس کا جواب لکھنا چاہتے تھے، ان کو معلومات درکار تھیں، میں نے ان سے کہا: آپ ایک سال کے امریکہ اور سعودیہ کے اعداد وشمار لائیں، زنا، چوری، قتل اور ڈکیتی کی واردات کتنی ہوئی ہیں؟ وہ دس سال کا چارٹ بنا کر لائے، امریکہ میں ہر دس منٹ میں ایک ناحق قتل ہوتا ہے، اور سعودیہ میں دس سال میں پندرہ آدمی قصاصاً قتل کئے گئے، یعنی پندرہ ناحق قتل ہوئے، اور زنا چوری کے واقعات تو بے حد وحساب تھے، میں نے ان سے کہا: اس مضمون کا یہ جواب ہے، سزا سے سزا کا خوف بہتر ہے، اور سنگساری کا تو دس سال میں ایک واقعہ ہی پیش آیا تھا، اور ہر عورت کی عزت محفوظ ہوگئی۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

كُتِبَ	لکھی گئی	عَلَى الْمُتَّقِيْنَ	ڈرنے والوں پر	فَمَنْ خَافَ	پس جو شخص ڈرا
عَلَيْكُمْ	تم پر	فَمَنْ بَدَّلَهٗ (۵)	پس جو بدلے اس کو	مِنْ مُّوْصٍ	وصیت کرنے والے
اِذَا حَضَرَ	جب آموجود ہو	بَعْدَ	بعد		کی طرف سے
اَحَدَكُمُ	تم میں سے کسی کے پاس	مَا سَمِعَهٗ (۶)	اس کو سننے کے	جَنَفًا (۹)	طرف داری سے
الْمَوْتُ	موت	فَاِنَّمَآ	تو اس کے سوا نہیں کہ	اَوْ اِثْمًا	یا گناہ سے
اِنْ تَرَكَ	اگر چھوڑا ہو اس نے	اِثْمُهٗ (۷)	اس کا گناہ	فَاَصْلَحَ	پس اصلاح کی اس نے
خَيْرًا (۱)	بہت مال	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر ہے جو	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
اِلْوَصِيَّةُ (۲)	وصیت	يُبَدِّلُوْنَهٗ (۸)	اس کو بدلتے ہیں	فَلَآ اِثْمَ	تو کوئی گناہ نہیں
لِلْوَالِدَيْنِ	ماں باپ کے لئے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	عَلَيْهِ	اس پر
وَالْاَقْرَبِيْنَ	اور رشتہ داروں کے لئے	سَمِيْعٌ	خوب سننے والے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
بِالْمَعْرُوْفِ (۳)	جانے پہچانے طریقہ پر	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
حَقًّا (۴)	لازم ہے		ہیں	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں

۲- آیتِ کریمہ منسوخ بھی اور غیر منسوخ بھی

قرآنِ کریم میں نسخ ہوا ہے، یعنی بعض احکام میں تبدیلی آئی ہے، شروع میں دو نمازیں تھیں، پھر شبِ معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں، پھر جو احکام بالکلیہ منسوخ کئے گئے ان کی آیتیں اٹھالیں یا بھلادیں، اور جو احکام فی الجملہ منسوخ کئے گئے وہ آیتیں قرآن میں باقی ہیں، تاکہ بعض موادمیں ان پر عمل ہو سکے، جیسے ابتداء میں دس گنا دشمن سے مقابلہ ضروری تھا، پھر مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور طبائع میں ضعف آیا تو دو گنا سے مقابلہ ضروری ہوا، مگر دس گنا کی آیت باقی ہے، کیونکہ آئندہ ایسی صورت پیش آسکتی ہے کہ مسلمان کم ہو جائیں تو دس گنا سے مقابلہ ضروری ہوگا، اسی طرح زیرِ تفسیر آیت منسوخ بھی

(۱) خیراً: تنوین تعظیم کے لئے ہے أی مالاً کثیراً (۲) الوصیۃ: کُتِبَ کا نائب فاعل ہے اور إن ترک کے محذوف جواب پر دال ہے أی: فلیُوصِ (۳) بالمعروف: دستور کے موافق: یعنی حسبِ حصص شرعیہ (۴) حقًا: فعل مقدر کا مفعولِ مطلق ہے أی یَحِقُّ حَقًّا (۵) بدّلہ: ضمیر کا مرجع الإیصاء (وصیت کرنا) ہے، جو الوصیۃ سے مفہوم ہوتا ہے (۶) ما: مصدریہ ہے (۷) إثمہ کی ضمیر کا مرجع تبدیل ہے، جو بَدَّلَہ سے مفہوم ہوتا ہے (۸) یبدلونہ: ضمیر کا مرجع إیصاء ہے (۹) جَنَفًا: باب سمع کا مصدر ہے: مائل ہونا، طرف داری کرنا۔

ہے اور بعض حالات میں اس پر عمل ہے، اس لئے آیت باقی ہے۔

جاہلیت میں دستور تھا کہ مردہ کا مال اس کی بیوی اور اولاد کو، بلکہ خاص بیٹوں کو ملتا تھا، ماں باپ اور دیگر اقارب محروم رہتے تھے، اس لئے مرنے والے پر ماں باپ وغیرہ اقرباء کے لئے وصیت فرض کی گئی، پھر میراث کی آیتیں اتریں، اور ماں باپ اور بعض اقرباء کے حصے متعین کردیئے، اور حدیث میں حکم دیدیا کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، مگر دو صورتیں اب بھی باقی ہیں:

۱- ذوی الارحام: جن کا ذوی الفروض اور عصبات کی طرح حصہ متعین نہیں، اور وہ حاجت مند ہیں، ان کو دینا ضروری ہے، جیسے بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم ہوتا ہے، مگر کبھی پوتے کو دینا مصلحت ہوتا ہے تو ان کے لئے تہائی ترکہ میں سے وصیت کی جاسکتی ہے۔

۲- کبھی میت کے پیچھے ترکہ کا بڑا جھمیلا ہوتا ہے، اور اندیشہ ہوتا ہے کہ زبردست سب ترکہ دبالیں گے اور کمزور دیکھتے رہ جائیں گے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ املاک کی ایک لسٹ بنادی جائے، اور ورثاء کے لئے حسبِ حصصِ شرعیہ وصیت کی جائے، اور اس کو کورٹ میں رجسٹر بھی کرادیا جائے، تاکہ پیچھے بدعنوانی نہ ہو۔ اور ضعیف ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کو ان کا حصہ ملے، اور غیر وارث اقرباء کو بھی حسبِ وصیت ملے۔

ان دوصورتوں میں زیرِ تفسیر آیت پر عمل ہوگا، اس لئے اس کو تلاوت میں باقی رکھا ہے، پس آیت فی الجملہ منسوخ ہے، اور بعض مواد میں اس پر عمل ہے۔

ربط: قتلِ عمد میں مقتول کا وارث پریشان ہوتا ہے، اس لئے اس کی اشک شوئی کے لئے قصاص مشروع کیا، اور جب کوئی بڑا مالدار مرتا ہے، اور بڑا ترکہ چھوڑتا ہے، اور زبردست ہر چیز پر قابض ہوجاتے ہیں، اور کمزور دیکھتے رہ جاتے ہیں تو ان کی پریشانی کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ اس لئے ان آیات میں ان کی پریشانی کا مداوا ہے۔

چند ضروری مسائل:

۱- وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، یہ حکم حدیثِ حسن سے ثابت ہے (ترمذی حدیث ۲۱۲۰ کتاب الوصایا) اس لئے کہ شریعت نے خود ان کے حصے مقرر کردیئے ہیں، پہلے مرنے والا بے عنوانی کرتا تھا، کسی کے لئے کم اور کسی کے لئے زیادہ کی وصیت کرتا تھا، اس لئے شریعت نے خود ورثاء کے حصے متعین کردیئے، تاکہ بے عنوانی کا سدّ باب ہوجائے، البتہ غیر وارث کے لئے تہائی ترکہ سے وصیت جائز ہے۔

۲- وصیت تہائی ترکہ تک ہی جائز ہے، زائد کی وصیت یا وارث کے لئے وصیت ورثاء کی رضامندی پر موقوف رہتی

ہے، اگر ورثاء عاقل بالغ ہوں تو وہ وصیت کو نافذ کر سکتے ہیں، اور بعض ورثاء نابالغ یا پاگل ہوں تو عاقل بالغ اپنے حصہ سے نافذ کر سکتے ہیں۔

۳- وصیت کرنا واجب نہیں، مستحب ہے، البتہ کسی کے ذمہ حقوقِ واجبہ ہوں، کسی کا قرض ہو یا نماز، زکات، روزے اور حج فرض باقی ہو تو تہائی ترکہ سے وصیت کرنا واجب ہے، زائد کی وصیت عاقل بالغ ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گی۔

۴- اگر اندیشہ ہو کہ مورث کی موت کے بعد زبردست: کمزوروں کا حق ماریں گے تو مناسب ہے کہ مورث تمام املاک کی لسٹ بنادے، اور ورثاء کے لیے حسبِ حصص شرعیہ وصیت کرے اور غیر وارث کے لئے تہائی ترکہ سے وصیت کرے، پھر اس کو کورٹ سے رجسٹرڈ بھی کرادے، تاکہ بعد میں کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

۲- حسبِ حصص شرعیہ والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا

اگر کوئی شخص بڑا ترکہ چھوڑ رہا ہو، اور اندیشہ ہو کہ والدین اور دیگر وراث یا غیر وارث اقرباء محروم رہ جائیں گے، بیوی بچے سب دبالیں گے تو اخلاقی فریضہ ہے کہ مورث معروف طریقہ پر والدین اور دیگر اقرباء کے لئے وصیت نامہ لکھے، اور معروف طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ ورثاء کے لئے حسبِ حصص شرعیہ اور غیر وارث رشتہ داروں کے لئے تہائی ترکہ سے وصیت کرے، جیسے پوتے وارث نہ ہوں اور ان کو دینا ضروری ہو تو تہائی ترکہ سے ان کے لئے وصیت کرے، اور وصیت نامہ پر گواہ بنالے، اور کورٹ سے رجسٹرڈ بھی کرادے تو اور بھی اچھی بات ہے، تاکہ بعد میں کوئی حق تلفی نہ ہو۔

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴾

ترجمہ: فرض کی گئی تم پر، جب تم میں سے کسی کو موت آئے، اور اس نے بڑا مال چھوڑا ہو، وصیت کرنا حسبِ دستور والدین اور رشتہ داروں کے لئے (حق تلفی سے) بچنے والوں پر لازم ہے۔

وصیت میں تبدیلی کرنے کا گناہ تبدیلی کرنے والوں پر ہے

مرنے والا تو انصاف سے وصیت کر مرا، بعد میں وارثوں / گواہوں نے اس میں تبدیلی کی اور حسبِ وصیت نہ دیا تو مورث پر کوئی گناہ نہیں، وہ تو اپنا فرض ادا کر گیا، اب سارا گناہ تبدیلی کرنے والوں پر ہوگا، وہی اس کے ذمہ دار ہونگے، اللہ تعالیٰ سب کچھ سن رہے ہیں اور سب کچھ جان رہے ہیں۔

﴿ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾

ترجمہ: پس جو وصیت کو سننے کے بعد بدل دے تو اس کا گناہ ان پر ہے جو اس کو بدلتے ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ

سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں۔

مورث کی حیات میں یا موت کے بعد وصیت نامہ میں مناسب تبدیلی کرنا کرانا جائز ہے

کسی نے وصیت نامہ میں بے جا طرف داری کی، اور دانستہ یا نادانستہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کی، پھر کسی وارث/ ورثاء یا گواہ نے مورث سے شریعت کے حکم کے مطابق وصیت نامہ میں تبدیلی کرائی، اور وصیت نامہ ٹھیک کرا دیا، یا عاقل بالغ ورثاء نے باہمی رضامندی سے آپس میں وصیت نامہ ٹھیک کر لیا، تو اس میں کچھ حرج نہیں، امید ہے اللہ تعالیٰ مورث کی غلطی معاف فرمائیں گے، اور اس پر مہربانی فرمائیں گے۔

﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

ترجمہ: پس جس کو وصیت کرنے والے کی طرف سے طرف داری کا یا گناہ کا اندیشہ ہو، پس اس نے ان کے درمیان اصلاح کرادی تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ؁ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَي الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؁ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ؁

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے وہ لوگو جو ایمان لائے	كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (۱)	لکھا گیا تم پر روزے رکھنا	كَمَا كُتِبَ عَلَي الَّذِيْنَ	جس طرح لکھا گیا ان لوگوں پر جو

(۱) الصیام: الصوم کی طرح مصدر ہے اور ال جنسی ہے۔

مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے ہوئے	مِسْكِيْنٍ	ایک غریب کے	مِنَ الْهُدٰى	ہدایت کی
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	فَمَنْ تَطَوَّعَ	پس جو خوشی سے کرے	وَالْفُرْقَانِ (۵)	اور جدا کرنے والی
تَتَّقُوْنَ	پرہیزگار بنو	خَيْرًا	کوئی نیک کام	فَمَنْ شَهِدَ (۶)	پس جو پائے (دیکھے)
اَيَّامًا (۱)	دن	فَهُوَ خَيْرٌ	تو وہ بہتر ہے	مِنْكُمُ	تم میں سے
مَّعْدُوْدٰتٍ	گنتی کے	لَّهٗ	اس کے لئے	الشَّهْرَ	مہینہ کو
فَمَنْ كَانَ	پس جو ہو	وَاَنْ تَصُوْمُوْا (۳)	اور روزہ رکھنا	فَلْيَصُمْهُ	پس چاہئے کہ وہ اس
مِنْكُمْ	تم میں سے	خَيْرٌ لَّكُمْ	بہتر ہے تمہارے لئے		کا روزہ رکھے
مَّرِيْضًا	بیمار	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	وَمَنْ كَانَ	اور جو ہو
اَوْ عَلٰى سَفَرٍ	یا سفر میں	تَعْلَمُوْنَ	سمجھتے!	مَرِيْضًا	بیمار
فَعِدَّةٌ	تو گنتی ہے	شَهْرُ	مہینہ	اَوْ عَلٰى سَفَرٍ	یا سفر میں
مِّنْ اَيَّامٍ	دنوں سے	رَمَضَانَ	رمضان کا	فَعِدَّةٌ	تو گنتی ہے
اُخَرَ	دوسرے	الَّذِيْٓ اُنْزِلَ	جو اتاری گی	مِّنْ اَيَّامٍ	دنوں سے
وَعَلَى الَّذِيْنَ	اور ان لوگوں پر جو	فِيْهِ	اس میں	اُخَرَ	دوسرے
يُطِيْقُوْنَهٗ (۲)	بہ مشقت اس کی طاقت	الْقُرْاٰنُ	پڑھنے کی کتاب	يُرِيْدُ اللّٰهُ	چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ
	رکھتے ہیں	هُدًى (۴)	راہ نما	بِكُمُ	تمہارے ساتھ
فِدْيَةٌ	بدلہ ہے	لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	الْيُسْرَ	آسانی
طَعَامُ	کھانے کا	وَبَيِّنٰتٍ (۴)	اور واضح دلیلیں	وَلَا يُرِيْدُ	اور نہیں چاہتے

(۱) أياما: کُتب کا مفعول ثانی ہے، اور اس ترکیب پر اشکال کا جواب روح المعانی میں ہے (۲) یطیقونه: مفعول کی ضمیر کا مرجع الصیام ہے، اور علی الذین: خبر مقدم ہے، طَاقَ (ن) طَوْقًا: کسی چیز پر قادر ہونا، طاقت رکھنا، اور أَطَاقَ (باب افعال) کے معنی میں 'مشقت' کا مفہوم ہے، چنانچہ إنی أُطیق رفعَ هذا القلم نہیں کہتے، کیونکہ اس میں کوئی مشقت نہیں، اور بھاری پتھر کے لئے کہیں گے: إنی أُطیق رفعَ هذا الحجر (یہ فرق حضرت مولانا علی میاں ندوی قدس سرہ نے ارکانِ اربعہ (عربی) میں بیان کیا ہے) (۳) أن تصوموا: أن: مصدریہ اور جملہ مبتدا ہے (۴) هدی اور بینات: القرآن کے احوال ہیں (۵) الفرقان کا عطف القرآن پر ہے: حق کو باطل سے جدا کرنے والی کتاب، دودھ اور پانی کو جدا کرنے والی کتاب، حق اور باطل میں خط امتیاز کھینچنے والی کتاب۔ (۶) شَهِدَ کے معنی میں 'دیکھنے' کا مفہوم ہے، اور اسی سے حدیث صوموا لرؤیته ہے۔

راہ دکھانے پر تم کو	عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ (۱)	گنتی	الْعِدَّةَ	تمہارے ساتھ	بِكُمُ
اور تا کہ	وَلَعَلَّكُمْ	اور تا کہ بڑائی بیان کرو تم	وَلِتُكَبِّرُوا	دشواری (سختی)	الْعُسْرَ
تم شکر بجالاؤ	تَشْكُرُوْنَ	اللہ کی	اللّٰهَ	اور تا کہ پورا کرو تم	وَلِتُكْمِلُوا

ربط: سختی میں صبر کی صورتیں بیان ہورہی ہیں، روزہ بھی ایک سخت عمل ہے، جس نے کبھی روزے نہیں رکھے اس کے لئے روزہ ہوّا ہے، عام لوگ بھی جو نفل روزے نہیں رکھتے، جب رمضان آتا ہے، اور موسم سخت گرم ہوتا ہے، تو روزہ ان کو بھاری معلوم ہوتا ہے، پھر جب شروع کرتے ہیں تو صبر آجاتا ہے، اور روزہ معمول بن جاتا ہے۔

۳-روزے بھاری عمل ہیں اس لئے پہلے ذہن سازی کی

جب اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کئے تو اولاً سات طرح سے ذہن سازی کی فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے! اس خطاب میں ذہن سازی ہے، خطاب کا طبیعتوں پر اثر پڑتا ہے، اگر طالب علم سے کہا جائے: پیارے! پانی لا تو وہ خوش خوش لائے گا، اور اگر کہا جائے: اونالائق پانی لا! تو لائے گا مگر شوق سے نہیں لائے گا، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے وہ لوگو! جو ایمان لائے!'' تو اب مؤمنین کو جو بھی حکم دیا جائے گا خوشی خوشی قبول کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان دار فرمایا ہے، پھر فرمایا ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ﴾ تم پر روزے لکھ دیئے گئے، یہ دوسری بار ذہن سازی ہے، اس طرح کہ حدیث میں ہے: جَفَّ القلم بما أنت لاقٍ: قیامت تک جو کچھ پیش آنا ہے وہ لکھا جاچکا ہے اور قلم خشک ہوگیا ہے، یعنی اب اس میں تبدیلی ممکن نہیں، پس جب روزے لکھ دیئے گئے اور کوئی تبدیلی ممکن نہیں تو اب روزے رکھنے ہی پڑیں گے، اس طرح روزوں کے لئے ذہن تیار کیا گیا۔ پھر فرمایا: ﴿ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ یہ تیسری مرتبہ ذہن سازی ہے کہ روزے صرف تم پر فرض نہیں کئے گئے، پچھلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے، مرگ انبوہ جشنے دارد! دس بیس جنازے ایک ساتھ اٹھیں تو وہ جنازے معلوم نہیں ہونگے بلکہ جشن معلوم ہونگے۔ اس طرح روزوں کا بوجھ ہلکا کیا۔ پھر فرمایا: ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ تا کہ تم پرہیزگار بنو، یہ چوتھی بار ذہن سازی ہے، کیونکہ پرہیزگار بننا ہر مؤمن کی آخری آرزو ہے، اور یہ مقصد روزوں سے حاصل ہوتا ہے، پس ہر شخص روزہ رکھنے کے لئے تیار ہوجائے گا، پھر فرمایا: ﴿ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ گنتی کے چند دن۔ یہ پانچویں مرتبہ ذہن سازی ہے، روزے اگر بہت زیادہ ہوتے تو مشکل ہوتے، گنتی کے چند روزے رکھنے میں کیا دشواری ہے؟ اور یاد رکھنا چاہئے کہ کتنے بھی دن ہوں چند ہی دن ہیں۔

(۱) علی ما هداكم: ما: مصدریہ ہے أي: على هدايتكم۔

پھر دو خلجان ہیں: ایک واقعی ہے اور ایک ہوا۔ جو واقعی ہے وہ یہ ہے کہ عرب گرم ملک ہے اور لوگوں کی معیشت سفر سے وابستہ ہے، جزیرۃ العرب میں کوئی معیشت نہیں، لوگ شام وغیرہ جاتے تھے اور وہاں سے اشیاء خرید کر لاتے تھے اور بیچتے تھے، یہی ان کی معیشت تھی، اس لئے ذہن پر بوجھ پڑسکتا تھا کہ اس گرم ملک میں سفر میں روزے کیسے رکھیں گے، پس فرمایا: ﴿ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾ یعنی سفر میں اور بیماری میں روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے، یہ روزے بعد میں رکھ لئے جائیں اور جتنے رہ گئے ہیں اتنے ہی رکھنے ہونگے زائد نہیں پس یہ چھٹی مرتبہ ذہن سازی ہے۔

اور ہوا یہ ہے کہ چونکہ روزے کبھی نہیں رکھے، پس کیسے رکھیں گے، نہ کھانا نہ پینا دن کیسے گذرے گا! یہ صرف ہوا ہے واقعی بات نہیں ہے، پس فرمایا: ﴿ وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ ﴾ یعنی جس کو روزے نہایت بھاری معلوم ہوں وہ بجائے روزہ کے فدیہ دے سکتا ہے، یہ ساتویں اور آخری مرتبہ ذہن سازی کی گئی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ روزے کا فدیہ (بدلہ) صرف ایک غریب کا کھانا ہے، البتہ اگر کوئی رضا کارانہ خیر کا کام کرے اور ایک سے زیادہ مساکین کو کھلائے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور اس سے بھی بہتر ہمت کر کے روزہ رکھنا ہے، اگر تم صدقہ اور روزہ کے عواقب جان سکو تو یہ بات بوجھ سکتے ہو کہ فدیہ سے (جس سے بخل کا ازالہ ہوتا ہے) روزہ (جس سے تقوی پیدا ہوتا ہے) بہتر ہے۔ تقوی کی مزیّت ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔

مذکورہ سات طریقوں سے ذہن سازی کرنے کے بعد اُس مہینے کی اہمیت بیان کی جس کا روزہ فرض کرنا ہے کہ وہ ایسا مہینہ ہے جس میں قرآن اترا ہے اور قرآن وہ کتاب ہے جو تمام لوگوں کے لئے راہنما ہے اور اس میں ہدایت کی واضح دلیلیں ہیں، اور وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔ ماہ رمضان کی اس طرح اہمیت بیان کر کے فرمایا: ﴿ فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ ﴾ یعنی جو تم میں سے اس مہینے کو دیکھے اسے چاہئے کہ اس مہینے کے روزے رکھے، شھد کے معنی ہیں دیکھنا۔ اور گواہ کو "شاہد" اسی لئے کہتے ہیں کہ اس نے واقعہ بچشم خود دیکھا ہے، اور حدیث: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته یہاں سے مستنبط کی گئی ہے۔ غرض اس آیت پاک کے ذریعہ ان دو باتوں میں سے اس بات کو منسوخ کر دیا جو محض ہوا تھی، حضرت سلمۃ بن الاکوع نے یہی بات بیان کی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

اور جو واقعی عذر تھا اس کو باقی رکھا، چنانچہ مکرر فرمایا: ﴿ وَمَنۡ كَانَ مَرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾ تاکہ ایک کے نسخ سے دوسرے کے نسخ کا وہم پیدا نہ ہو، یعنی مریض اور مسافر کے لئے رخصت بدستور قائم ہے، یہ سہولت منسوخ نہیں کی گئی۔

جاننا چاہئے کہ قرآن کریم میں احکام کی آیات میں تکرار نہیں ہوتا، تذکیر کی، ترغیب وترہیب کی اور مخاصمہ کی آیات میں تکرار ہوتا ہے، کیونکہ ان کا مقصد رنگ چڑھانا ہے اور احکام کی آیات کا مقصد مسائل بتلانا ہے۔ اس لئے صرف تین جگہ احکام کی آیات میں تکرار ہے اور اس کی مصلحت ہے جیسے یہاں کی مصلحت بیان کی گئی۔

غرض آیت: ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ﴾ منسوخ ہے مگر بعض افراد میں منسوخ ہے، تمام افراد میں منسوخ نہیں، صرف وہ لوگ جن کے لئے روزہ ہوا تھا کہ ہائے! ہائے! روزہ کیسے رکھیں گے ان کے حق میں آیت منسوخ ہے، اور شیخ فانی جس کے لئے روزہ رکھنا واقعی دشوار ہے اس کے حق میں حکم باقی ہے، اس لئے آیت تلاوت میں باقی رکھی گئی ہے کہ حکم بعض افراد میں باقی ہے۔

حدیث: سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آیت: ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ﴾ نازل ہوئی تو اختیار تھا کہ جو روزہ رکھنا چاہے روزہ رکھے اور جو فدیہ دینا چاہے فدیہ دے۔ یہاں تک کہ وہ آیت نازل ہوئی جو اس کے بعد ہے یعنی ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ پس اس نے سابقہ آیت کو منسوخ کردیا (ناسخ آیت ایک وقت کے بعد نازل ہوئی تھی)

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم متقی بنو! گنتی کے چند دنوں کے، پس جو تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں سے وہ تعداد پوری کرے، اور جو لوگ بہ مشقت روزہ رکھ سکتے ہیں وہ ایک غریب کے کھانے کا فدیہ دیں ـــــ یعنی آدھا صاع گیہوں یا اس کی قیمت دیں ـــــ اور جو خوشی سے کوئی نیک کام کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے، اور روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم سمجھو!

ماہِ رمضان: جس میں قرآن اتارا گیا، جو لوگوں کے لئے راہ نما ہے، اور ہدایت کی واضح دلیلیں ہیں، اور حق وباطل کو جدا کرنے والی کتاب ہے، پس جو تم میں سے اس مہینہ کو پائے وہ اس کا روزہ رکھے، اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے ـــــ ایک ساتھ ہونے یا متفرق ہونے کی کوئی قید نہیں، اور ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔

احکام کی تشریع میں سہولت کا لحاظ

اور یہ جو بوجہ عذر مریض اور مسافر کو افطار کرنے کی اجازت دی، اس میں اس کا لحاظ ہے کہ لوگوں پر آسانی ہو، تنگی نہ ہو، احکام کی تشریع میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے، جیسے نماز فرض کی تو کھڑے ہو کر فرض نماز ادا کرنا بھی فرض کیا، اور بیماری وغیرہ عذر سے کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھے، اور بیٹھنے کی بھی استطاعت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھے لیکن نماز ہر حال میں فرض ہے، اسی طرح روزوں کی تعداد پوری کرنی ضروری ہے، خواہ رمضان میں پوری کرے یا غیر رمضان میں، رمضان کی تخصیص اس ماہ کی اہمیت کی وجہ سے تھی، جو عذر کی صورت میں ملحوظ نہیں رکھی گئی، یہ سہولت کردی۔

پھر جب رمضان کے روزے پورے ہو جائیں تو تم اس طریقہ سراسر خیر و ہدایت پر اللہ کی بڑائی بیان کرو، اور عید الفطر کا دوگانہ ادا کرو، نبی ﷺ نے اسی آیت سے نمازِ عید الفطر و عید الاضحیٰ میں زائد تکبیریں مشروع کی ہیں، اور علاوہ ازیں بھی مدام اللہ کا شکر بجالاتے رہو، اللہ تعالیٰ تم سے قریب ہیں، تمہاری پکار سن رہے ہیں (جیسا کہ اگلی آیت میں ہے)

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں، اور تم پر دشواری نہیں ڈالنا چاہتے، اور تا کہ تم گنتی پوری کرو، اور اللہ کی بڑائی (عظمت) بیان کرو کہ اس نے تمہیں راہِ راست دکھائی، اور تا کہ تم شکر بجالاؤ!

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿١٨٦﴾

وَاِذَا	اور جب	اُجِيْبُ	قبول کرتا ہوں	لِيْ	میرا
سَاَلَكَ	آپ سے پوچھیں	دَعْوَةَ	دعا	وَلْيُؤْمِنُوْا (۳)	اور یقین رکھیں
عِبَادِيْ	میرے بندے	الدَّاعِ	دعا مانگنے والے کی	بِيْ	مجھ پر
عَنِّيْ	میرے بارے میں	اِذَا دَعَانِ (۱)	جب وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے	لَعَلَّهُمْ	تا کہ وہ
فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ	تو بیشک میں نزدیک ہوں	فَلْيَسْتَجِيْبُوْا (۲)	پس چاہئے کہ وہ حکم مانیں	يَرْشُدُوْنَ (۴)	نیک راہ پائیں

(۱) دَعَانِ: نون کا کسرہ ی محذوف کی علامت ہے (۲) اِسْتَجِيْبُوْا: اِسْتِجَابَة سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے: حکم ماننا، بات قبول کرنا (۳) ایمان کے لغوی معنی ہیں (۴) رُشد و فلاح: نیک راہ۔

اللہ تعالیٰ ہر شکر گذاری سنتے ہیں

عنوان میں ارتباط کی طرف اشارہ ہے، بعض صحابہ نے پوچھا: کیا ہمارے پروردگار دور ہیں کہ ہم ان کو زور سے پکاریں، یا نزدیک ہیں کہ ہم مناجات (سرگوشی) کریں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور بتلایا کہ وہ علم وقدرت کے اعتبار سے قریب ہیں، ہر بات سنتے ہیں، خواہ آہستہ کہو یا پکار کر ـــــ اور جن مواقع میں جہراً تکبیر کہنے کا حکم ہے اس کی دوسری وجہ ہے، یہ نہیں کہ وہ آہستہ بات نہیں سنتے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ لا زمان ولا مکان ہیں: لا یتمکّنُ فی مکان ولا یجری علیه زمان [العقائد النسفیة] زمان ومکان: مخلوق ہیں، اور خالق: مخلوق میں نہیں ہوتا، ورنہ احتیاج لازم آئے گی، اور سوال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس مخلوق کے وجود سے پہلے کہاں تھے؟ یہی سوال عرش کے تعلق سے ہوگا، اس لئے مفسرین کرام نے قرب سے علم وقدرت کی نزدیکی مراد لی ہے یعنی اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں، وہ شہ رگ سے بھی قریب ہیں، اور جو چاہیں کر سکتے ہیں، کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ـــــ اور بعض حضرات نے جو حاضر وناظر کہا ہے وہ مجازی تعبیر ہے۔

آیتِ کریمہ: ـــــ اور جب آپؐ سے میرے بندے (مؤمنین) میرے بارے میں پوچھیں ـــــ کہ میں نزدیک ہوں یا دور؟ ـــــ تو ـــــ آپؐ ان کو بتلادیں کہ ـــــ میں نزدیک ہوں ـــــ علم وقدرت کے اعتبار سے، نہ کہ مکان (جگہ) کے اعتبار سے ـــــ دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے ـــــ اس میں دعا کرنے کا حکم مضمر ہے ـــــ پس ان کو چاہئے کہ میرا حکم مانیں ـــــ اور مجھ سے دعا مانگیں ـــــ اور مجھ پر یقین رکھیں ـــــ میں ان کی دعائیں ضائع نہیں کروں گا ـــــ تاکہ وہ نیک راہ پائیں ـــــ نیک راہ یہی ہے کہ اللہ سے یقین کے ساتھ خوب مانگیں، دعا عبادت ہے اور عبادت اللہ کو بہت پسند ہے، اور جو عبادت سے اعراض کرتا ہے اللہ اس کو جہنم میں ڈالیں گے۔

فائدہ: قرآن وحدیث میں یہی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہر دعا قبول کرتے ہیں، کوئی دعا ردّ نہیں کرتے، یہ نہیں فرمایا کہ ہر بندے کو اس کی مانگی ہوئی چیز دیدیتے ہیں، یہ بات بندے کی مصلحت کے تابع ہے، جیسے کسی کا اکلوتا بیٹا بخار میں مبتلا ہوا، دوپہر میں قلفی (برف) بیچنے والا سڑک پر آیا، اس نے ٹن ٹن گھنٹی بجائی، لڑکا بے تاب ہوگیا، وہ قلفی کھانے کا عادی ہے، اس نے باپ سے کہا: ابو! میں قلفی کھاؤں! پس باپ اس کا دل نہیں توڑے گا، نوکر کو آواز دے گا، جلدی جا، قلفی لا، نوکر اداشناس ہے وہ غائب ہوجائے گا، لاری والا آگے بڑھ جائے گا، اور بچہ بھول جائے گا، باپ اس کو برف اس وقت دے گا جب ڈاکٹر اجازت دے، کیونکہ باپ کو بچے کی جان سے نہیں کھیلنا، اسی طرح اللہ تعالیٰ بندوں کی ہر دعا قبول فرمالیتے ہیں اور مانگی ہوئی چیز اس وقت دیتے ہیں جب بندوں کی مصلحت ہوتی ہے، ورنہ دعا کو عبادت بنا کر اس کے نامۂ

اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

اُحِلَّ	حلال کی گئیں	اَنَّكُمْ كُنْتُمْ	کہ تھے تم	وَكُلُوْا	اور کھاؤ
لَكُمْ	تمہارے لئے	تَخْتَانُوْنَ	خیانت کرتے	وَاشْرَبُوْا	اور پیو
لَيْلَةَ	رات میں	اَنْفُسَكُمْ	اپنی ذاتوں سے	حَتّٰى يَتَبَيَّنَ	یہاں تک کہ صاف
الصِّيَامِ	روزے کی	فَتَابَ	پس توجہ فرمائی		جدا نظر آئے
الرَّفَثُ (۱)	زن وشوئی کی باتیں	عَلَيْكُمْ	تم پر	لَكُمُ	تمہیں
اِلٰى نِسَآئِكُمْ	تمہاری بیویوں سے	وَعَفَا عَنْكُمْ	اور درگذر کیا تم سے	الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ	سفید دھاگا
هُنَّ لِبَاسٌ	وہ پہناوا ہیں	فَالْئٰنَ	پس اب	مِنَ الْخَيْطِ	دھاگے سے
لَّكُمْ	تمہارا	بَاشِرُوْهُنَّ	تم ہم خوابی کرو ان کے ساتھ	الْاَسْوَدِ	کالے
وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ	اور تم پہناوا ہو	وَابْتَغُوْا	اور طلب کرو	مِنَ الْفَجْرِ (۲)	فجر سے
لَّهُنَّ	ان کا	مَا كَتَبَ	جو لکھ دیا ہے	ثُمَّ اَتِمُّوا	پھر پورا کرو تم
عَلِمَ اللّٰهُ	جانا اللہ نے	اللّٰهُ لَكُمْ	اللہ نے تمہارے لئے	الصِّيَامَ	روزہ

(۱) الرفث: باب نصر کا مصدر ہے: فحش باتیں کرنا، گندی باتیں کرنا، زُجاج (امام لغت) کہتے ہیں: یہ ایسا کلمہ ہے جو ہر اس چیز کو شامل ہے جس کی مرد: عورتوں سے خواہش کرتے ہیں (لغات القرآن) (۲) من الفجر: من بیانیہ ہے، الخیط الأبیض کا بیان ہے، اور الخیط الأسود کا بیان من اللیل چھوڑ دیا گیا، سامع خود نکال لے گا۔

اِلَى الَّيْلِ	رات تک	فِي الْمَسٰجِدِ	مسجدوں میں	يُبَيِّنُ	کھول کر بیان کرتے ہیں
وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ (۱)	اور شہوت سے اپنا بدن	تِلْكَ	یہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
	عورتوں کے بدن سے	حُدُوْدُ اللّٰهِ	اللہ کی سرحدیں ہیں	اٰيٰتِهٖ	اپنے احکام
	نہ لگاؤ	فَلَا	پس نہ	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	تَقْرَبُوْهَا	قریب جاؤ ان کے	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
عٰكِفُوْنَ	اعتکاف کرنے والے ہو	كَذٰلِكَ	اس طرح	يَتَّقُوْنَ	بچیں

رمضان کی راتوں میں بیوی سے زن وشوئی کا معاملہ کرنے کی اجازت

شروع میں یہ حکم تھا کہ رات کو جب نیند آجائے تو آنکھ کھلنے کے بعد کھانا پینا اور بیوی سے مقاربت کرنا ممنوع تھا، اگلا روزہ شروع ہوجاتا تھا، یہ حکم وحی غیر متلو سے دیا گیا تھا، جیسے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم بھی وحی غیر متلو سے دیا گیا تھا، پھر بعض صحابہ سے اس حکم کے امتثال میں کوتاہی ہوگئی، انھوں نے نادم ہوکر نبی ﷺ کو اپنے فعل کی اطلاع دی تو وحی متلوّ نازل ہوئی اور اس حکم کو اٹھادیا، اور رمضان کی راتوں میں بیوی سے زن وشوئی کا معاملہ کرنا حلال کیا گیا، یہی حکم کھانے پینے کا بھی ہے، اور وجہ نسخ یہ بیان کی کہ لوگ رات میں بیوی سے لپٹ کرلیتے ہیں، پھر بیدار ہونے کے بعد مقاربت کرلیتے ہیں، یہ اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں پر مہربانی کی نظر فرمائی، سابقہ گناہ معاف کردیا، اور دوسرا حکم بھیج دیا کہ اب کپڑے نکال کرلیٹو، اور صحبت بھی کرسکتے ہو، مگر مباشرت سے مطلوب اولاد ہونی چاہئے، محض شہوت رانی مقصود نہیں ہونی چاہئے، اس میں عزل کی کراہیت اور اغلام کی حرمت بھی آگئی۔

آیتِ پاک: تمہارے فائدے کے لئے روزے کی شب میں —— یعنی رمضان کی راتوں میں —— تمہاری عورتوں کے ساتھ زن وشوئی کا معاملہ کرنا حلال کیا گیا، وہ تمہارا پہناوا ہیں اور تم ان کا پہناوا ہو —— یعنی کپڑوں کی طرح لپٹ کرلیتے ہو —— اللہ تعالیٰ نے جانا کہ تم اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہو —— یعنی بیدار ہونے کے بعد مقاربت کرلیتے ہو، یہ حکم شریعت کی خلاف ورزی ہے، اور اپنے پیروں پر تیشہ زنی ہے —— اس لئے اللہ تعالیٰ نے تم پر مہربانی کی نظر فرمائی، اور تمہارا گناہ معاف کردیا، لہٰذا اب ان عورتوں کے ساتھ بے پردہ اپنا بدن لگاؤ، اور اللہ نے جو کچھ تمہارے لئے مقدر کیا ہے اس کو چاہو۔

(۱) المباشرۃ (باب مفاعلہ) بَشَرَۃ (کھال) سے ماخوذ ہے: کھال کا کھال سے لگنا، کھلے بدن کا کھلے بدن سے لگنا، مجامعت ضروری نہیں، پس مباشرت: مجامعت سے عام ہے مگر اردو میں مترادف ہیں، اعتکاف میں دواعیٔ صحبت بھی جائز نہیں، ان سے بھی اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔

روزے کا وقت صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک ہے

اور کھاؤ پیو ـــــ اور صحبت کرو ـــــ یہاں تک کہ صاف نظر آئے صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے پھر روزہ پورا کرو رات تک ـــــ یہی روزے کا وقت ہے۔

اعتکاف میں صحبت اور اس کے اسباب بھی جائز نہیں

اور عورتوں کے بدن سے شہوت کے ساتھ بدن مت لگاؤ، جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہوؤ ـــــ یعنی روزے میں تو رات میں مباشرت بھی جائز ہے، مگر اعتکاف میں رات میں بھی دواعی جماع جائز نہیں، پس جماع تو بدرجۂ اَولیٰ جائز نہیں، دونوں سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے ـــــ یہ یعنی اعتکاف میں صحبت اور اسبابِ صحبت کی ممانعت اللہ کی باندھی ہوئی حدیں (باؤنڈری) ہیں، پس تم ان کے نزدیک بھی مت جاؤ ـــــ اور صحبت کے دواعی اختیار کرنا قریب جانا ہے، اس لئے ان کی بھی ممانعت ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے اپنے احکام پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تاکہ لوگ (خلاف ورزی سے) بچیں ـــــ اور پرہیزگار بنیں!

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

وَلَا تَاْكُلُوْٓا	اور نہ کھاؤ	بِھَآ	ان (اموال) کو	مِّنْ اَمْوَالِ	اموال کا		
اَمْوَالَكُمْ	اپنے مال	اِلَى الْحُكَّامِ	فیصلہ کرنے والوں کی	النَّاسِ	لوگوں کے		
بَيْنَكُمْ	باہم		طرف	بِالْاِثْمِ	گناہ (ظلم) کے ذریعہ		
بِالْبَاطِلِ	ناحق طور پر	لِتَاْكُلُوْا	تاکہ کھاؤ تم	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم		
وَتُدْلُوْا (۱)	اور لٹکاتے ہو تم	فَرِيْقًا	کچھ حصہ	تَعْلَمُوْنَ	جانتے ہو		

۴- حرام مال کھانے کی اور جج کو رشوت دینے کی ممانعت

ابھی وہی سلسلۂ بیان ہے: ﴿الصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾: سختی اور بیماری میں صبر کرنے والے (قابلِ

(۱) تُدلوا: مضارع، صیغہ جمع مذکر حاضر، اَدْلٰی: ڈول کو بھرنے کے لئے کنویں میں ڈالنا، بطور استعارہ: پہنچانا، دینا۔

تعریف ہیں) اس آیت میں اس سلسلہ کے دو حکم ہیں:

پہلا حکم: حرام مال کھانے کی ممانعت، غلط طریقہ پر مال ہتھیانے سے بچنے کا حکم۔ اور اس کی بہت صورتیں ہیں: چوری، خیانت، دغابازی، غصب (لوٹ) قمار (سٹہ) رشوت ستانی (لینا) اور ناجائز خرید و فروخت سے مال حاصل کرنا، ان سب صورتوں میں ایک فریق کو سخت تکلیف پہنچتی ہے، مثلاً: کوئی بڑا مال چرالے تو مال کا مالک کتنا پریشان ہوتا ہے؟ اس کی نیند حرام ہو جاتی ہے! مگر حاصل کیا؟ گیا ہوا مال واپس تھوڑے آئے گا؟ صبر و برداشت سے کام لے، البتہ چور کو پکڑنے کی اور اس کو سبق سکھانے کی کوشش کرے، تا کہ دوسرے لوگ اس کی آفت سے بچیں، اور اسی پر دیگر معاملات کو قیاس کریں۔

دوسرا حکم: قاضی کو رشوت دینے کی ممانعت: مکان یا زمین کا جھوٹا مقدمہ دائر کیا، اور جج کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرالیا، پس جس کا حق مارا ہے اس پر کیا بیتے گی؟ مگر صبر کے سوا چارہ کیا ہے؟

فائدہ: قاضی کا فیصلہ دنیا میں ظاہراً و باطناً نافذ ہوگا، پولس قابض سے مکان خالی کرا کر مدعی کو سونپے گی، مگر آخرت کی سزا سے وہ کیسے بچے گا؟ مدعی نے مکان نہیں قبضایا ہے، بلکہ جہنم کا ایک ٹکڑا خریدا ہے!

آیتِ کریمہ: (۱) ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق مت کھاؤ (۲) اور تم اموال کو فیصلہ کرنے والوں تک پہنچاتے ہو، تا کہ لوگوں کے اموال کا کچھ حصہ گناہ کے ذریعہ کھالو، جبکہ تم جانتے ہو ــــــ کہ مکان یا گھر تمہارا نہیں: ایسا مت کرو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ ھِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِھَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

يَسْـَٔلُوْنَكَ	پوچھتے ہیں لوگ آپ سے	مَوَاقِيْتُ[2]	اوقات ہیں	الْبُيُوْتَ	گھروں میں
عَنِ الْاَهِلَّةِ[1]	نئے چاندوں کے	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	مِنْ ظُهُوْرِھَا	ان کی پیٹھوں سے
	بارے میں	وَالْحَجِّ	اور حج کے لئے	وَلٰكِنَّ الْبِرَّ	بلکہ نیکی
قُلْ	بتائیں	وَلَيْسَ الْبِرُّ[3]	اور نیکی نہیں ہے	مَنِ اتَّقٰى[4]	جو ڈرا (اللہ سے)
ھِىَ	وہ	بِاَنْ تَاْتُوا	کہ آؤ تم	وَاْتُوا	اور آؤ تم

(۱) الأھلة: الھلال کی جمع: نیا چاند (۲) مواقیت: میقات کی جمع: وقت (۳) البر: لیس کا اسم اور بأن تأتوا: خبر، خبر پر باء زائد آتی ہے (۴) من اتقی: لکن کی خبر۔

الْبُيُوْتَ	گھروں میں	وَاتَّقُوا	اور ڈرو	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
مِنْ اَبْوَابِهَا	ان کے دروازوں سے	اللّٰهَ	اللہ سے	تُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہوؤ

۵-حج: جان و مال سے مرکب عبادت ہے

ابھی سابقہ سلسلۂ کلام چل رہا ہے: ﴿ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ ﴾: سختی اور تکلیف میں برداشت کرنے والے (قابلِ تعریف ہیں) اس کے ذیل میں پانچ احکام بیان فرمائے ہیں، ان میں سے یہ آخری حکم ہے۔

وہ پانچ احکام یہ ہیں:

۱-قتلِ عمد میں قصاص (برابری کرنے) کا حکم طیش میں یہ بھاری حکم ہے۔

۲-پیچھے ترکے کا بڑا جھمیلا ہو تو حسبِ حصصِ شرعیہ وصیت کرنا، تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

۳-رمضان کے روزے رکھنا، ایک نہیں مسلسل تیس، نہ کھانا نہ پینا، یہ بھی بھاری حکم ہے۔

۴-حرام مال نہ کھانا اور رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ نہ کرانا۔

۵-حج کی فرضیت، حج اب تو آسان ہو گیا ہے، پہلے اتنا آسان نہیں تھا، حج میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا تھا، یہ جان و مال سے مرکب عبادت ہے، اس میں بڑا مال خرچ ہوتا ہے، آدمی زندگی بھر جوڑتا ہے تب حج کرتا ہے، اور چھ ماہ میں حج سے واپس آتا ہے، اور "حاجی صاحب" کہلاتا ہے، اب ہفتہ دس دن میں آجاتے ہیں، اس لئے کوئی اس معزز لقب سے نہیں نوازتا۔

صحابہ کا ایک سوال: عرب کا ملک بے آب و گیاہ ہے، معیشت کا فقدان ہے، زندگی کا مدار اسفار پر تھا، گرمیوں میں ملکِ شام جاتے تھے اور سردیوں میں یمن، اور ضرورت کی چیزیں خرید لاتے تھے، اور علاقہ پہاڑی تھا، اور ملک گرم تھا، دن میں سفر ممکن نہیں تھا، صبح و شام چلتے تھے، زیادہ سفر رات میں کرتے تھے، چاندنی راتوں میں سفر سہولت سے ہوتا ہے، اس لئے صحابہ نے پوچھا کہ چاند سورج کی طرح ایک حالت پر کیوں نہیں رہتا؟ رات بھر روشن رہے تو سفر میں مزہ آجائے، یہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے؟ اس میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: چاند کی یہ صورتِ حال اس لئے ہے کہ لوگ آسانی سے قمری کلینڈر بنائیں، سورج سے بھی کلینڈر بنتا ہے، مگر وہ دقیق حساب پر مبنی ہے، ہر شخص نہیں بنا سکتا، اور چاند سے تاریخیں جاہل سے جاہل بھی متعین کر سکتا ہے۔

جواب کی تفصیل: چونکہ مطالع مختلف ہیں، اور اعتبار آنکھ سے دیکھنے کا ہے، اس لئے چاند کی تاریخیں ایک نہیں ہوتیں، جہاں سب سے پہلے چاند نظر آتا ہے مہینہ شروع ہو جاتا ہے، اور جہاں اگلی رات میں نظر آتا ہے وہاں قمری مہینہ ایک دن بعد

شروع ہوتا ہے، البتہ حج کا وقت مکہ مکرمہ کے افق کا ہلال متعین کرتا ہے، مکہ کے افق پر جب نیا چاند نظر آتا ہے تو ذی الحجہ کی پہلی تاریخ ہوتی ہے، پھر نویں تاریخ کو وقوفِ عرفہ ہوتا ہے، یہی حج کا سب سے بڑا فرض ہے، دنیا بھر کے لوگوں کو اپنی قمری تاریخیں چھوڑ کر اس تاریخ میں حج کے لئے آنا ہوتا ہے، اس لئے ﴿ لِلنَّاسِ ﴾ کے بعد حج کا الگ ذکر کیا۔

فائدہ: توحیدِ اہلہ یعنی ساری دنیا کا ایک چاند نہیں ہوسکتا، حج کے علاوہ دیگر دینی اور دنیوی معاملات میں چاند کی تاریخیں مختلف ہونگی، صرف حج میں توحیدِ اہلہ ہوسکتا ہے، اگر یہ تعبیر مناسب ہو، اور نیومون (القمر الجدید) پر مدار رکھ کر پوری دنیا میں قمری تاریخیں ایک کرنا غیر شرعی نظریہ ہے۔

بوجھ در بوجھ: ایک تو حج کی عبادت ہی بھاری تھی، پھر جاہلیت نے اس کو اور بھاری کر رکھا تھا، ریت یہ کر رکھی تھی کہ جب حج کا احرام باندھتے تو گھر میں دروازے سے داخل نہیں ہوتے تھے، پشت سے سیڑھی سے چڑھ کر آتے تھے، یہ خود ساختہ پابندی تھی، قرآنِ کریم اس کی تردید کرتا ہے کہ یہ کوئی نیکی کا کام نہیں، نیکی کے کام: حج کے احکام کی تعمیل ہے، پس احرام میں گھر میں آنا پڑے تو دروازے سے آؤ، اور حج میں ممنوعاتِ شرعیہ سے بچو، تاکہ فلاح وکامیابی سے ہمکنار ہوؤ۔

آیتِ کریمہ: لوگ آپؐ سے نئے چاندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ —— کبھی سوال کی تفصیل جواب سے معلوم ہوتی ہے، سال میں بارہ ہلال (نئے چاند) ہوتے ہیں، سوال یہ ہے کہ چاند کا یہ نظام کیوں ہے؟ سورج کی طرح وہ ایک حالت پر کیوں نہیں رہتا؟ —— آپؐ بتائیں: وہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اوقات (متعین کرتے) ہیں —— اور نیکی کا کام یہ نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پشت سے آؤ، بلکہ نیکی کا کام (حج میں) اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنا ہے، اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہوؤ!

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩٤﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٩٥﴾

وَقَاتِلُوْا	اور لڑو	مِنَ الْقَتْلِ	قتل سے	وَيَكُوْنَ	ہوجائے
فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ	اور نہ لڑو ان سے	الدِّيْنُ	دین
اللّٰهِ	اللہ کے	عِنْدَ الْمَسْجِدِ	پاس مسجد	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے
الَّذِيْنَ (۱)	ان لوگوں سے جو	الْحَرَامِ	حرام کے	فَاِنِ انْتَهَوْا	پھر اگر باز آجائیں وہ
يُقَاتِلُوْنَكُمْ	لڑتے ہیں تم سے	حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ	یہاں تک کہ لڑیں وہ تم سے	فَلَا عُدْوَانَ	تو نہیں ہے حد سے بڑھنا
وَلَا تَعْتَدُوْا	اور نہ زیادتی (ابتدا)	فِيْهِ	اس میں	اِلَّا	مگر
	کروتم	فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ	پس اگر لڑیں وہ تم سے	عَلَى الظّٰلِمِيْنَ	ظلم پیشہ لوگوں پر
اِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ تعالیٰ	فَاقْتُلُوْهُمْ	تو قتل کرو ان کو	اَلشَّهْرُ	مہینہ
لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	كَذٰلِكَ	یہی	الْحَرَامُ	حرمت والا
الْمُعْتَدِيْنَ	زیادتی کرنے والوں کو	جَزَآءُ	سزا ہے	بِالشَّهْرِ	بدل ہے مہینہ
وَاقْتُلُوْهُمْ	اور قتل کرو ان کو	الْكٰفِرِيْنَ	دین نہ ماننے والوں کی	الْحَرَامِ	حرمت والے کا
حَيْثُ	جہاں بھی	فَاِنِ انْتَهَوْا	پھر اگر باز آجائیں وہ	وَالْحُرُمٰتُ	اور ادب واحترام میں
ثَقِفْتُمُوْهُمْ (۲)	پاؤ ان کو	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ	قِصَاصٌ	برابری ہے
وَاَخْرِجُوْهُمْ	اور نکالو ان کو	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	فَمَنِ اعْتَدٰى	پس جو زیادتی کرے
مِّنْ حَيْثُ	جہاں سے	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں	عَلَيْكُمْ	تم پر
اَخْرَجُوْكُمْ	نکالا انھوں نے تم کو	وَقٰتِلُوْهُمْ	اور لڑو ان سے	فَاعْتَدُوْا	تو زیادتی کرو تم
وَالْفِتْنَةُ	اور فتنہ (دین سے روکنا)	حَتّٰى لَا تَكُوْنَ	یہاں تک کہ نہ رہے	عَلَيْهِ	اس پر
اَشَدُّ	زیادہ سخت ہے	فِتْنَةٌ	فساد (دین سے روکنا)	بِمِثْلِ	مانند

(۱) الذین: صلہ کے ساتھ قاتلوا کا مفعول بہ ہے (۲) ثَقِفَ (س) ثَقْفًا الشیئَ: کوشش کے بعد پالینا، قابو پانا، ثَقِفَ العلمَ: ماہر ہونا، الثقافۃ: علم وہنر، تہذیب، کلچرل۔

مَا اعْتَدٰی(۱)	زیادتی کرنے اس کے	مَعَ الْمُتَّقِیْنَ	ڈرنے والوں کے ساتھ ہیں	بِاَیْدِیْكُمْ	اپنے ہاتھوں کو
عَلَیْكُمْ	تم پر	وَ اَنْفِقُوْا	اور خرچ کرو	اِلَى التَّهْلُكَةِ	ہلاکت میں
وَ اتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اللہ سے	فِیْ سَبِیْلِ	راستے میں	وَ اَحْسِنُوْا	اور نیکی کرو
وَ اعْلَمُوْٓا	اور جان لو	اللّٰهِ	اللہ کے	اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ	بیشک اللہ پسند کرتے ہیں
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	وَلَا تُلْقُوْا	اور نہ ڈالو	الْمُحْسِنِیْنَ	نیکوکاروں کو

ربط: ﴿ الصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ ﴾: سے تعلق رکھنے والے پانچ احکام پورے ہوئے، اب ﴿ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ﴾ کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، یعنی سخت جنگ میں صبر کرنے والے اور جم کر لڑنے والے بھی قابل تعریف ہیں۔

قرآنِ کریم کبھی واقعہ کے اجزاء کو مقدم و مؤخر کرتا ہے

پہلے (آیات ۶۷-۷۳) میں گائے ذبح کرنے کا واقعہ آیا ہے، اس کا ابتدائی حصہ: ﴿ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا ﴾ مؤخر ہے، اور ایسا اس لئے کیا ہے کہ ابتدائی حصہ مستقل حیثیت حاصل کرلے، ورنہ سارا واقعہ ایک ہوکر رہ جائے گا، یہاں بھی آئندہ آیت جو صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی ہے: اس کو مؤخر کیا ہے، اور زیر تفسیر آیات کو جو ایک سال بعد عمرۃ القضاء کے موقع پر نازل ہوئی ہیں: مقدم کیا ہے، تاکہ دونوں آیتوں کو مستقل حیثیت حاصل ہوجائے۔

آیاتِ زیرِ تفسیر اور آئندہ آیت کا پس منظر (شانِ نزول)

جب غزوۂ احزاب سے کفار کا لشکر نامراد واپس لوٹا تو نبی ﷺ نے فرمایا: "اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر حملہ نہیں کرسکیں گے" اس کے بعد نبی ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے، اور بہ اطمینان عمرہ ادا کیا، اس سے شوق بھڑکا، کعبہ شریف عربوں کی مشترک عبادت گاہ تھی، ہر ایک کو حج اور عمرہ کرنے کے لئے آنے کی اجازت تھی، اس لئے آپؐ نے اور صحابہ نے خیال کیا کہ اگر وہ عمرہ کرنے کے لئے جائیں گے تو مکہ والے نہیں روکیں گے، چنانچہ آپ سنہ ۶ ہجری میں پندرہ سو صحابہ کے ساتھ ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر اور قربانیاں ساتھ لے کر مکہ کے لئے روانہ ہوئے، اُدھر مکہ والوں کو بھی خبر ہوگئی کہ مسلمان عمرہ کرنے آرہے ہیں، انھوں نے طے کیا کہ مسلمانوں کو کسی قیمت پر مکہ میں داخل نہیں ہونے دینا۔

قصہ مختصر: نبی ﷺ صحابہ کے ساتھ حدیبیہ میں رک گئے اور سفارتوں کا سلسلہ شروع ہوا، اور اس بات پر صلح ہوگئی کہ

(۱) ما اعتدی: ما: مصدر یہ ہے: أی مثل الاعتداء۔

مسلمان اس سال عمرہ کئے بغیر واپس جائیں اور اگلے سال آئیں، مگر ہتھیار ساتھ نہ لائیں، صرف تلوار لائیں اور وہ بھی تھیلے میں ہو، اور مکہ میں صرف تین دن ٹھہریں، پس آئندہ آیت (نمبر ۱۹۶) نازل ہوئی، جس میں احصار کا حکم ہے، پس آپؐ اور صحابہ قربانیاں کر کے احرام کھول کر لوٹ گئے۔

واپسی میں راستے میں سورۃ الفتح نازل ہوئی، اس کی (آیت ۲۷) میں فرمایا کہ خواب سچا ہے، اگلے سال بہ اطمینان عمرہ کروگے، مگر ﴿اِنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ کی تعلیق بھی کی، یہ قید اس لئے بڑھائی کہ اگلے سال صحابہ بے خوف ہو کر نہ جائیں، پھر ایک سال کے بعد جب آپؐ نے عمرۃ القضاء کا ارادہ فرمایا تو زیر تفسیر آیات نازل ہوئیں، ان میں اشارہ تھا کہ مکہ والے وعدہ خلافی کر سکتے ہیں اور جنگ کی نوبت آسکتی ہے، اگر ایسا ہو تو صحابہ ڈٹ کر مقابلہ کریں، اور کفار کو مکہ سے کھدیڑ دیں، چنانچہ فوج ہتھیار ساتھ لے کر چلی، اور مکہ سے آٹھ میل پر یأجج مقام میں ان کو رکھ دیا، اور دو سو آدمی ان کی حفاظت کے لئے رک گئے، باقی صحابہ صرف تلواریں خورجی میں رکھ کر مکہ میں داخل ہوئے، اور مکہ والوں نے حسبِ وعدہ تین دن کے لئے مکہ خالی کر دیا اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

۶- مسلمان مکہ پہنچ کر جنگ نہ چھیڑیں البتہ کفار جنگ چھیڑیں تو ان کو نہ بخشیں

جہاد: دفاعی بھی ہوتا ہے اور اقدامی بھی، لیکن اس خاص موقع پر مسلمان مکہ پہنچ کر جنگ نہ چھیڑیں، کیونکہ یہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی، البتہ کفارِ مکہ جنگ پر تُل جائیں تو ترکی بہ ترکی جواب دیں، ان کو جہاں پائیں قتل کریں، خواہ حرم میں پائیں یا حرم سے باہر، اور ان کو مکہ سے کھدیڑ دیں جس طرح انھوں نے تم کو مکہ سے نکال دیا ہے، کیونکہ فتنہ (دینِ اسلام سے روکنا) بھاری گناہ ہے، اس لئے بھاری گناہ کے مقابلہ میں ہلکا گناہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ﴾

ترجمہ: اور اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں، اور زیادتی (ابتدا) مت کرو، بالیقین اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے، اور ان کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ، اور ان کو اس جگہ سے نکالو جہاں سے انھوں تم کو (مہاجرین کو) نکالا ہے، اور فتنہ (دین سے روکنا) قتل سے زیادہ سنگین ہے — ﴿ لَا تَعْتَدُوْا ﴾: عام حکم ہے اور اس خاص موقع پر ابتداء کرنے کی ممانعت تھی بوجہ صلح حدیبیہ۔

حرم شریف میں دفاعی جنگ جائز ہے

سوال: حرم شریف میں مسلمانوں کے لئے جنگ کیسے جائز ہوگی: حرم تو محترم ہے، وہاں قتل وقتال جائز نہیں!

جواب: حرم میں اقدامی جنگ جائز نہیں، دفاع کر سکتے ہیں، اور مسلمانوں کو اوپر کی آیت میں ابتدا کرنے سے منع کیا ہے، صرف دفاع کی اجازت دی ہے، اور نبی ﷺ نے فتح مکہ میں جو اقدام کیا تھا وہ آپ کی خصوصیت تھی۔

﴿ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور تم ان سے مسجدِ حرام کے پاس (حرم شریف میں) مت لڑو جب تک وہ تم سے وہاں نہ لڑیں، پس اگر وہ تم سے لڑیں تو ان کو قتل کرو، کافروں کی یہی سزا ہے!

جنگ کے دوران دشمن ایمان لے آئے تو جنگ روک دینا ضروری ہے

دشمن اگر جنگ کے دوران ایمان لے آئیں تو جنگ بند کر دینا ضروری ہے، خواہ انھوں نے مسلمانوں کو کتنا ہی نقصان پہنچایا ہو، اور جس طرح یہ حکم دشمن قوم کے لئے ہے، فرد کے لئے بھی ہے، اب اس کو قتل کرنا جائز نہیں، یہ بات متفق علیہ حدیث میں بھی آئی ہے:

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوۃ ادا کریں، پس جب انھوں نے یہ کام کئے تو انھوں نے مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال محفوظ کر لئے، مگر حق اسلام کی وجہ سے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے"

اس حدیث میں جنگ کرنے کا نہیں، بلکہ جنگ بندی کا بیان ہے، لیکن اگر آدھی حدیث پڑھی جائے تو غلط فہمی ہوگی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، لیکن اگر پوری حدیث پیشِ نظر رکھی جائے تو یہ غلط فہمی ہرگز نہیں ہوگی۔

﴿ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر اگر وہ باز آجائیں ــــ یعنی اسلام قبول کر لیں ــــ تو اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم والے ہیں!

جہاد اس لئے ہے کہ ظلم رکے اور اللہ کا دین پھیلے

جہاد: دفاعی بھی ہوتا ہے اور اقدامی بھی، اگر دشمن: مسلمانوں پر چڑھ آئیں تو ان کو ہٹانا ضروری ہے، جیسے غزوۂ احزاب تک مکہ کے کافر مدینہ پر چڑھ چڑھ آتے تھے، اور ان کا مقابلہ کیا جاتا تھا، یہ دفاعی جہاد تھا، اور اگر دشمن اسلام کی گاڑی میں روڑا اٹکائیں، دعوت کا کام نہ کرنے دیں یا مسلمانوں پر مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلم وستم ڈھائیں تو بھی ان کا دماغ درست کرنا ضروری ہے، یہ اقدامی جہاد ہے، جیسے معاہدۂ حدیبیہ کی خلاف ورزی کر کے قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنو بکر

کی مدد کی، اور انھوں نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنوخزاعہ پر ظلم ڈھایا، ان کے بہت سے آدمی مار ڈالے تو نبی ﷺ نے اقدام کیا اور مکہ فتح کرلیا۔

غرض: جہاد فتنہ فرو کرنے کے لئے ہے، اگر کفار ایمان کی راہ نہ روکیں یا مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ نہ بنائیں تو جہاد کی ضرورت نہیں، ملک گیری کے لئے جہاد نہیں، دعوت کا کام کافروں کے ملک میں بھی جاری رہے گا اور اہلِ سعادت ایمان سے بہرہ ور ہونگے، اور کوئی اکا دُکا شرارت کرے یا ظلم پر کمر باندھے اور کافر حکومت اس کی پشت پناہ نہ ہو تو اسی کا دماغ درست کیا جائے گا، کافر ملک پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ فرو ہوجائے، اور دین اللہ کے لئے ہوجائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں ہی پر زیادتی ہے۔

اشہر حرام کا پاس ولحاظ دوطرفہ ہونا چاہئے

سوال: مسلمان عمرہ کی قضا کرنے کے لئے ذی قعدہ میں جارہے تھے، یہ محترم مہینہ تھا، ملتِ ابراہیمی میں چار ماہ قابلِ احترام قرار دیئے گئے تھے: ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، پس اگر مکہ والوں کے ساتھ جنگ کی نوبت آئی تو مسلمان کیسے جنگ کریں گے؟

جواب: محترم مہینوں کا ادب اور پاس ولحاظ دوطرفہ ہونا چاہئے، ایک طرفہ نہیں، مشرکین لحاظ کریں گے تو مسلمان بھی لحاظ کریں گے، اور وہ لحاظ نہیں کریں گے اور آمادۂ پیکار ہوجائیں گے تو مسلمان جواب دیں گے، ہاتھ نہیں روکیں گے، اسلام میں تو ان مہینوں میں قتل وقتال جائز ہے، اس لئے فرمایا کہ اگر مشرکین زیادتی کریں تو مسلمان برابر کا جواب دیں، زیادتی نہ کریں، اللہ سے ڈریں، اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾

ترجمہ: ادب والا مہینہ ادب والے مہینہ کے عوض ہے، اور ادب ولحاظ میں برابری ہے، پس جو تم پر زیادتی کرے اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے، اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

جہاد کے لئے دل کھول کر خرچ کرو، ہاتھ نہ روکو، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے

دورِ اول میں نہ فوج تھی نہ حکومت کے پاس فنڈ تھا، ہر شخص لڑنا جانتا تھا، اور ہتھیار بھی رکھتا تھا، پھر چھوٹے لشکر اپنی رسد

اور ہتھیار ساتھ لے کر چلتے تھے، اور بڑے لشکر کے خورونوش کا انتظام حکومت کرتی تھی، اور اس کے لئے چندہ کیا جاتا تھا، اسی طرح جس کے پاس سواری نہیں ہوتی اور سفر دور کا ہوتا یا غریب ہوتا اور ہتھیار بھی نہیں ہوتے تو اس کے لئے زکات سے خرچ کیا جاتا یا چندہ کیا جاتا۔

مدینہ سے مکہ دس دن کے فاصلہ پر ہے، اور عمرۃ القضاء میں ہتھیار بھی ساتھ لے جانے تھے اور پندرہ سو کے خورونوش کا انتظام بھی کرنا تھا، اس لئے لوگوں کو ترغیب دی کہ جہاد کے لئے دل کھول کر خرچ کرو، ہاتھ نہ روکو، ورنہ تمہارا نقصان ہوگا، کیونکہ مسلمانوں کی سرفرازی جہاد میں ہے، اور اس کے لئے خرچ کرنا ضروری ہے۔

فائدہ: جہاد میں خرچ کرنے کا ثواب کم از کم سات سو گنا ہے، اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، نیز جہاد میں خرچ کرنا اللہ کو قرض دینا ہے جس کو اللہ تعالیٰ غنیمت کی شکل میں کئی گنا بڑھا کر لوٹاتے ہیں۔

﴿ وَ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ ۚۖۛ وَ اَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴾

ترجمہ: اور اللہ کے راستہ میں ـــــ یعنی جہاد کے لئے ـــــ خرچ کرو، اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت پڑو ـــــ مسلمانوں کی سرخ روئی جہاد جاری رہنے میں ہے، اور ذلت ونکبت جہاد رک جانے میں ہے، اور جب فنڈ نہیں ہوگا تو جہاد رک جائے گا، یہی خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے ـــــ اور نیک کام کرو ـــــ یعنی دل کھول کر خرچ کرو، اور دوسرے نیک کام بھی کرو، چندہ دیا اور نماز نہیں پڑھتا تو کیا فائدہ ہوا! احسان: باب افعال کے معنی ہیں: نکو کردن: ہر کام عمدہ کرنا، اور عمدہ چندہ دینا یہ ہے کہ اس کے بعد احسان جتا کر دل آزاری نہ کرے ـــــ بےشک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہیں ـــــ یعنی اگر مجاہدین نیک بندے ہوئے تو کامیابی ان کے قدم چومے گی!

وَ اَتِمُّوا الۡحَجَّ وَ الۡعُمۡرَۃَ لِلّٰہِ ؕ فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ فَمَا اسۡتَیۡسَرَ مِنَ الۡہَدۡیِ ۚ وَ لَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَکُمۡ حَتّٰی یَبۡلُغَ الۡہَدۡیُ مَحِلَّہٗ ؕ فَمَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ مَّرِیۡضًا اَوۡ بِہٖۤ اَذًی مِّنۡ رَّاۡسِہٖ فَفِدۡیَۃٌ مِّنۡ صِیَامٍ اَوۡ صَدَقَۃٍ اَوۡ نُسُکٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنۡتُمۡ ٝ فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَۃِ اِلَی الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَیۡسَرَ مِنَ الۡہَدۡیِ ۚ فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ فِی الۡحَجِّ وَ سَبۡعَۃٍ اِذَا رَجَعۡتُمۡ ؕ تِلۡکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ ؕ ذٰلِکَ لِمَنۡ لَّمۡ یَکُنۡ اَہۡلُہٗ حَاضِرِی الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع ۲۴ ۸

وَاَتِمُّوا	اور پورا کرو	فَفِدْيَةٌ	تو بدلہ دے	اِذَا رَجَعْتُمْ	جب تم لوٹو
الْحَجَّ	حج	مِّنْ صِيَامٍ	روزے سے	تِلْكَ	یہ
وَالْعُمْرَةَ	اور عمرہ	اَوْ صَدَقَةٍ	یا خیرات سے	عَشَرَةٌ	دس
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	اَوْ نُسُكٍ	یا قربانی سے	كَامِلَةٌ (۳)	پورے ہیں
فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ (۱)	پس اگر تم روکے جاؤ	فَاِذَآ	پس جب	ذٰلِكَ	یہ (حکم)
فَمَا اسْتَيْسَرَ	تو جو میسر ہو	اَمِنْتُمْ	مطمئن ہو جاؤ تم	لِمَنْ	اس شخص کے لئے ہے جو
مِنَ الْهَدْيِ	قربانی سے (پیش کرو)	فَمَنْ تَمَتَّعَ	تو جس نے فائدہ اٹھایا	لَمْ يَكُنْ	نہ ہوں
وَلَا تَحْلِقُوْا	اور نہ منڈاؤ	بِالْعُمْرَةِ	عمرہ سے	اَهْلُهٗ	اس کے گھر والے
رُءُوْسَكُمْ	اپنے سر	اِلَى الْحَجِّ	حج کے ساتھ	حَاضِرِي	موجود
حَتّٰى يَبْلُغَ	یہاں تک کہ پہنچے	فَمَا اسْتَيْسَرَ	تو جو میسر ہو	الْمَسْجِدِ	مسجد
الْهَدْيُ	قربانی	مِنَ الْهَدْيِ	قربانی سے (پیش کرے)	الْحَرَامِ	حرام کے پاس
مَحِلَّهٗ (۲)	اس کی جگہ	فَمَنْ لَّمْ	پس جو نہ	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
فَمَنْ كَانَ	پھر جو کوئی ہو	يَجِدْ	پائے (قربانی)	اللّٰهَ	اللہ سے
مِنْكُمْ	تم میں سے	فَصِيَامُ	تو روزے ہیں	وَاعْلَمُوْٓا	اور جانو
مَّرِيْضًا	بیمار	ثَلٰثَةِ	تین	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
اَوْ بِهٖٓ	یا اس کو	اَيَّامٍ	دن کے	شَدِيْدُ	سخت
اَذًى	تکلیف ہو	فِي الْحَجِّ	حج میں	الْعِقَابِ	سزا دینے والے ہیں
مِّنْ رَّاْسِهٖ	اس کے سر میں	وَسَبْعَةٍ	اور سات دن کے	۞	۞

ربط: یہ آیت گذشتہ آیات سے ایک سال پہلے نازل ہوئی ہے، اور اس کو موخر اس لئے کیا ہے کہ اس کو مستقل حیثیت حاصل ہو جائے، نیز اس لئے بھی کہ اس میں حج کے دیگر مسائل بھی ہیں، اور آگے بھی حج کے مسائل ہیں، پس ان کے ساتھ اتصال ہو جائے گا۔

(۱) اُحْصِرتم: ماضی مجہول، جمع مذکر حاضر، إحصار: بیماری یا خوف کا روکنا (۲) مَحِلّ: ظرف مکان: قربانی (ہدی) کے ذبح کرنے کی جگہ، حرم شریف۔ (۳) كاملة: عشرة کی صفت ہے، خبر نہیں ہے۔

اور آیت میں تین مسائل ہیں، اور ان میں ربط ہے، سب سے پہلے احصار کا حکم بیان کیا ہے، احصار میں مجبوراً احرام کھولنا پڑتا ہے، پھر کسی مجبوری میں احرام میں ممنوعات کے ارتکاب کا حکم بیان کیا ہے، اس میں احرام کھلتا تو نہیں مگر احرام میں ممنوعات کے ارتکاب سے فدیہ واجب ہوتا ہے اور فدیہ تین چیزیں ہیں، ان میں قربانی بھی ہے، یہ قربانی حج تمتع اور قِران میں بھی واجب ہے، اس طرح تیسرا مسئلہ تمتع اور قِران کا بیان ہوا ہے۔

۷- احصار (حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد کوئی مانع پیش آنے) کا حکم

بات یہاں سے شروع کی ہے کہ دیگر عبادات کی طرح حج اور عمرہ بھی اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہونے چاہئیں، کوئی دوسری فاسد نیت نہیں ہونی چاہئے، اور شروع کرنے سے دونوں واجب ہو جاتے ہیں، دونوں کو پورا کرنا ضروری ہے، درمیان میں چھوڑ نہیں سکتے، اگر ان کو توڑ دیا تو قضا واجب ہے، اگرچہ حج نفلی ہو، اور عمرہ تو احناف کے نزدیک سنت ہی ہوتا ہے، پھر بھی اس کی قضا واجب ہے، البتہ احصار واقع ہو تو قربانی کر کے احرام کھول سکتے ہیں، پھر احناف کے نزدیک جب عذر ختم ہو جائے تو اس کی بھی قضا واجب ہے، دوسرے ائمہ کے نزدیک قضا واجب نہیں۔

تفصیل: کسی شخص نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا (احرام باندھنے سے پہلے احصار متحقق نہیں ہوتا) پھر کوئی حادثہ پیش آیا، ایکسیڈنٹ ہو گیا اور ہاسپٹل میں جانا پڑا، یا کسی شدید مرض میں مبتلا ہو گیا، یا کسی جرم کے ارتکاب کی وجہ سے جیل میں چلا گیا، یا سب مال و اسباب چوری ہو گیا، یا دشمن نے روک دیا: ان سب صورتوں میں احناف کے نزدیک احصار متحقق ہوگا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک احصار صرف دشمن کے روکنے سے متحقق ہوتا ہے، دیگر اعذار سے احصار متحقق نہیں ہوتا۔

اور احصار میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: جہاں احصار ہوا ہے محصر وہیں قربانی کر کے اور سر منڈا کر احرام کھول دے، اور اس پر اس حج یا عمرہ کی قضا واجب نہیں، اور چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دشمن کے علاوہ اعذار کی صورت میں احصار متحقق نہیں ہوتا اس لئے ان اعذار کی صورت میں اُسے بہر حال مکہ پہنچنا ہوگا، پھر عمرے کا احرام تو ارکانِ عمرہ ادا کرنے سے کھلتا ہے اور حج کا احرام ارکانِ حج ادا کرنے سے بھی کھلتا ہے اور حج کے دن گذر چکے ہوں تو عمرہ کے افعال کرنے سے بھی کھل جائے گا۔ اس کے علاوہ ان کے نزدیک احرام سے نکلنے کی دوسری کوئی صورت نہیں۔

اور احناف کے نزدیک: ہر عذر سے احصار متحقق ہوتا ہے اور احرام ختم کرنے کے لئے ہدی (قربانی) حرم میں بھیجنی ضروری ہے، جب وہاں ہدی ذبح ہو گئی تو احرام کھل گیا، اور اس حج یا عمرہ کی قضا واجب ہوگی، اور احرام کھولنے کے لئے سر منڈانا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ائمہ ثلاثہ کی طرح باقاعدہ سر منڈا کر احرام کھولنا ضروری ہے، اور طرفین کے نزدیک جب حرم میں ہدی ذبح ہو گئی تو خود بخود احرام کھل گیا، سر منڈانے کی

ضرورت نہیں۔

﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ﴾

ترجمہ: اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو ـــــ یہ مسئلہ احصار کی تمہید ہے ـــــ پھر اگر تم روکے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو ـــــ وہ پیش کرو، کم سے کم بکری یا بڑے جانور کا ساتواں حصہ ـــــ اور اپنے سروں کو نہ منڈواؤ جب تک ہدی قربان گاہ (حرم میں) نہ پہنچ جائے ـــــ یعنی وہاں تک احرام میں رہو، ممنوعاتِ احرام کا ارتکاب نہ کرو، قربانی ہوجانے کے بعد احرام ختم ہوجائے گا۔

عذر کی وجہ سے احرام میں ممنوعات کے ارتکاب کا حکم

حدیبیہ کے میدان میں نبی ﷺ حضرت کعب بن عجرۃ کے پاس سے گذرے، وہ ہانڈی پکا رہے تھے، آپؐ نے دیکھا: ان کے سر سے جوئیں جھڑ رہی ہیں، آپؐ نے پوچھا: ''کیا تمہیں یہ کیڑے پریشان کرتے ہیں؟'' انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! بہت پریشان کرتے ہیں! پس آیت نازل ہوئی: اور آپؐ نے ان سے فرمایا: سر منڈادو اور فدیہ دیدو، کیونکہ جب تک سر نہیں منڈائے گا بالوں کی جڑوں میں سے میل ختم نہیں ہوگا اور جوؤں کی پیدائش بند نہیں ہوگی ـــــ اور فدیہ تین چیزیں ہیں: تین روزے رکھے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا جانور ذبح کرے، تینوں میں سے جو چاہے کرے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کرے تو اس پر فدیہ واجب ہے اور فدیہ یہی ہے: تین روزے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا قربانی کرنا۔ آدمی کو تینوں میں اختیار ہے جو چاہے کرے، اور بغیر عذر کے ممنوعات احرام کا ارتکاب کرے تو دم واجب ہوگا۔ اب روزے رکھنے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے سے کام نہیں چلے گا، قربانی ہی کرنی ہوگی۔

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾

ترجمہ: پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو ـــــ وہ سر منڈا کر ـــــ اس کا فدیہ دے، روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے۔

حج تمتع و قران میں قربانی واجب ہے، اور یہ دونوں حج آفاقی کرسکتا ہے

حج کی تین قسمیں ہیں: افراد، تمتع اور قران، جو مکہ یا داخل میقات کا باشندہ ہے وہ تمتع اور قران نہیں کرسکتا، وہ صرف حج افراد کرے گا، اور اس پر قربانی اور طواف وداع واجب نہیں۔ اور آفاقی تینوں قسم کا حج کرسکتے ہیں۔

حج تمتع کا طریقہ: آفاقی حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہنچے، اور اپنا عمرہ پورا کرے اور احرام کھول

دے، پھر حلال ہونے کی حالت میں مکہ میں رہے، یعنی وطن نہ لوٹے، پھر آٹھ ذی الحجہ کو مکہ ہی سے حج کا احرام باندھے، اور حج ادا کرے، متمتع پر قربانی واجب ہے۔

حجِ قران کا طریقہ: آفاقی میقات سے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے، پھر احناف کے نزدیک: مکہ پہنچ کر پہلے طواف قدوم کرے، یہ سنت ہے، پھر عمرہ کا طواف کرے، اور اس کے بعد عمرہ کی سعی کرے، یہ افعال عمرہ ہیں۔ پھر احرام کی حالت میں مکہ میں ٹھہرا رہے اور نفل طواف وغیرہ عبادتیں کرتا رہے، پھر حج کرے اور وقوف عرفہ کے بعد طواف زیارت کرے اور اس کے بعد حج کی سعی کرے، یہ حج کا طواف اور سعی ہیں، پس قارن پر احناف کے نزدیک دو طواف اور دو سعی لازم ہیں، ایک عمرہ کا طواف اور سعی دوسرا حج کا طواف اور سعی۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قارن مکہ میں پہنچ کر صرف طواف قدوم کرے، یہ سنت طواف ہے، پھر احرام کی حالت میں ٹھہرا رہے، یہاں تک کہ حج کرے اور دس ذی الحجہ کو طواف کرے اور اس کے بعد سعی کرے، یہ طواف وسعی حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں کے افعال میں تداخل ہو جاتا ہے اور قارن پر بالاجماع قربانی واجب ہے۔

تمتع اور قران صرف آفاقی کا حق ہے، حرم اور حل کے رہنے والے تمتع اور قران نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ قریب ہیں جب چاہیں عمرہ کر سکتے ہیں، اس لئے ان کو حج الگ کرنا چاہئے اور عمرہ الگ۔ اور جو دور کے رہنے والے ہیں ان کے لئے حج اور عمرہ کے لئے الگ الگ سفر کرنے میں پریشانی ہے، اس لئے ان کے لئے ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کرنے کی اجازت ہے، اللہ عزوجل فرماتے ہیں: یہ یعنی حج اور عمرہ ایک سفر میں کرنا اس شخص کے لئے ہے، جس کی فیملی مسجد حرام میں نہیں رہتی، یعنی جو مکہ کا یا اس کے اردگرد کا باشندہ نہیں ہے وہی تمتع اور قران کر سکتا ہے۔

اور اگر متمتع اور قارن کے پاس قربانی نہ ہو، تو اس کو دس روزے رکھنے ہونگے، تین روزے حج میں اور سات روزے گھر لوٹ کر، اور جو تین روزے حج سے پہلے رکھنے ہیں وہ اشہر حج میں حج کا احرام باندھ کر رکھنے ہیں، مگر مستحب یہ ہے کہ سات تا نو ذی الحجہ کے روزے رکھے، اور باقی سات روزے حج کے بعد مکہ میں بھی رکھ سکتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾: یہ دس روزے کامل ہیں، تلك مبتدا ہے اور عشرۃ کاملۃ مرکب توصیفی خبر ہے، اور عشرۃ کا معدود صیام محذوف ہے (جمل حاشیہ جلالین) اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو تین روزے مکہ میں رکھے ہیں اور جو سات روزے وطن میں رکھے ہیں: سب کامل ہیں، ان میں ناقص کوئی نہیں، اور یہ بات اس لئے فرمائی کہ کوئی خیال کر سکتا تھا کہ جو تین روزے مکہ میں حج کا احرام باندھ کر رکھے ہیں وہ تو کامل ہیں اور جو سات روزے وطن آکر رکھے ہیں وہ اس کے برابر نہیں، پس کیوں نہ سب روزے حج میں رکھے جائیں، اس لئے فرمایا کہ دسوں روزے

کامل ہیں، ان میں کوئی روزہ ناقص نہیں، پس یہ خیال ذہن سے نکال دو اور حکم شرعی کے مطابق عمل کرو۔

اور تمتع کے لئے ضروری ہے کہ اشہر حج میں عمرہ کیا ہو، کسی نے رمضان میں عمرہ کیا پھر مکہ میں رہ گیا اور موسم حج میں حج کیا تو وہ حج تمتع نہیں، کیونکہ اس نے اشہر حج میں عمرہ نہیں کیا، اس لئے اس پر نہ قربانی ہے نہ دس روزے۔

﴿ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾

ترجمہ: پھر جب تمہیں اطمینان نصیب ہو جائے ۔۔۔ یعنی مانع ختم ہو جائے یا مانع نہ ہو ۔۔۔ تو جو عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر فائدہ اٹھائے ۔۔۔ دونوں کو ساتھ ملا کر کرے جیسے قران میں یا دونوں کو علاحدہ علاحدہ کرے جیسے تمتع میں ۔۔۔ تو جو ہدی میسر ہو ۔۔۔ پیش کرے، یہ دم شکر ہے، قربانی کرنے والا اس سے کھا سکتا ہے ۔۔۔ پھر جو ہدی نہ پائے تو حج میں ۔۔۔ یعنی حج کے احرام میں ۔۔۔ تین روزے رکھے، اور سات جب تم لوٹ جاؤ، یہ دس روزے پورے ہیں ۔۔۔ ان میں ناقص کوئی نہیں ۔۔۔ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں ۔۔۔ یعنی آفاقی ہو، میقات سے باہر کا باشندہ ہو، حرمی یا حِلّی نہ ہو ۔۔۔ اور اللہ سے ڈرو ۔۔۔ یعنی احکام کی خلاف ورزی مت کرو ۔۔۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں!

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۚ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اَلْحَجُّ	حج (کا وقت)	مَّعْلُوْمٰتٌ	جانے پہچانے	فِيْهِنَّ	ان میں
اَشْهُرٌ	مہینے ہیں	فَمَنْ فَرَضَ	پس جس نے لازم کیا	الْحَجَّ	حج

فَلَا رَفَثَ	تو نہ زن وشوئی کی باتیں	وَاتَّقُوْنِ	اور ڈرو مجھ سے	وَاذْكُرُوْهُ	اور یاد کرو اس کو
	کرنا ہے	يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ	اے عقلمندو!	كَمَا هَدٰىكُمْ	جس طرح تم کو راہ دکھائی
وَلَا فُسُوْقَ	اور نہ بے حکمی کرنا ہے	لَيْسَ عَلَيْكُمْ	نہیں ہے تم پر	وَاِنْ كُنْتُمْ	اگرچہ تھے تم
وَلَا جِدَالَ	اور نہ جھگڑنا ہے	جُنَاحٌ	کوئی گناہ	مِّنْ قَبْلِهٖ	قبل ازیں
فِي الْحَجِّ	حج میں (احرام میں)	اَنْ تَبْتَغُوْا	کہ چاہو تم	لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ	ناواقفوں میں سے
وَمَا تَفْعَلُوْا	اور جو کرتے ہو تم	فَضْلًا	روزی	ثُمَّ اَفِيْضُوْا	پھر پھرو تم (طواف کیلئے)
مِنْ خَيْرٍ	کوئی اچھا کام	مِّنْ رَّبِّكُمْ	اپنے رب سے	مِنْ حَيْثُ	جہاں سے
يَّعْلَمْهُ	جانتے ہیں اس کو	فَاِذَآ	پس جب	اَفَاضَ	پھریں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اَفَضْتُمْ	لوٹو تم (طواف کیلئے)	النَّاسُ	لوگ
وَتَزَوَّدُوْا	اور توشہ لے لو	مِّنْ عَرَفٰتٍ	عرفات سے	وَاسْتَغْفِرُوا	اور گناہ بخشواؤ
فَاِنَّ خَيْرَ	پس بے شک بہتری	فَاذْكُرُوا اللّٰهَ	تو یاد کرو اللہ کو	اللّٰهَ	اللہ سے
الزَّادِ	توشہ کی	عِنْدَ الْمَشْعَرِ	پاس مشعرِ	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
التَّقْوٰى	سوال سے بچنا ہے	الْحَرَامِ	حرام کے	غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	غفور رحیم ہیں

۸- حج کے احکام

ربط: تمتع اور قران میں قربانی کا ذکر آیا تھا، اس لئے اب حج کے احکام بیان فرماتے ہیں:

۱- حج کا وقت: حج کے لئے دو میقاتیں ہیں: زمانی اور مکانی: میقات کے معنی ہیں: احرام باندھنے کا مقررہ وقت، اور جگہ، میقاتِ زمانی: شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس بارہ دن ہیں، حج کے پانچ دن ہیں، آٹھ ذی الحجہ سے بارہ ذی الحجہ تک حج ہوتا ہے، مگر حج کا احرام مقدم باندھ سکتے ہیں، البتہ شوال سے پہلے باندھنا مکروہ ہے، اور میقاتِ مکانی: مکہ میں داخل ہونے والے راستوں پر پانچ جگہیں متعین کی ہیں، وہاں سے حج اور عمرے کا احرام باندھتے ہیں، اور تقدیم جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾

ترجمہ: حج: چند جانے پہچانے مہینے ہیں ـــــ یعنی حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں، ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، اور عمرہ کے لئے جو چھوٹا حج ہے کوئی وقت متعین نہیں، وہ حج کے ایام کے علاوہ سال بھر ہو سکتا ہے۔

۲-ممنوعاتِ احرام: جب حج کا یا عمرہ کا احرام باندھ لیا تو چند پابندیاں لگ جاتی ہیں، ان کا بیان احادیث وفقہ کی کتابوں میں ہے، البتہ تین کام خاص طور پر ممنوع ہیں: ایک: بیوی سے زن وشوئی کی باتیں کرنا، اشارہ کنایہ میں بھی کوئی بات نہ کرے، دوم: شرعی احکام کی خلاف ورزی نہ کرے، کوئی بھی گناہ کا کام نہ کرے، سوم: کسی سے جھگڑا نہ کرے، حج میں بات بات میں جھگڑا ہو جاتا ہے، اس سے بچے، برداشت کرے۔

﴿ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾

ترجمہ: پس جو ان (مہینوں) میں حج کو لازم کرے ـــــ یعنی حج کا احرام باندھے ـــــ تو (بیوی سے) زن وشوئی کی باتیں نہ کرے، اور اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرے، اور جھگڑا نہ کرے حج (کے احرام) میں۔

فائدہ: اب تو سواریاں تیز رفتار ہیں، مہینوں کا سفر دنوں میں اور دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے، پہلے یہ صورت نہیں تھی، ذوالحلیفہ سے احرام باندھتے تھے، اور دس دن میں مکہ پہنچتے تھے، پھر پانچ دن حج میں لگتے تھے، اس لئے اگر آدمی جوان ہو اور بیوی ساتھ ہو تو زن وشوئی کی باتیں ہو سکتی ہیں، اس لئے خاص طور پر اس کی ممانعت کی۔

اور فسوق: مصدر اور اسم فعل ہے، عموماً عملی گناہ کو فسق کہا جاتا ہے اور ضروریاتِ دین کے انکار کو کفر، جیسے ڈاڑھی منڈانا فسق ہے اور ختم نبوت کا انکار کفر، احرام میں ہر گناہ سے بچنا چاہئے، مسجد میں کوئی شخص بیڑی پیئے تو کتنی بری بات ہے، اسی طرح احرام میں بدنظری کرے تو کتنی بری بات ہے!

اور جدال کے معنی ہیں: جھگڑا کرنا، حج میں کسی سے جھگڑا ہو جاتا ہے تو اس کا اثر زندگی بھر رہتا ہے اور دوستی ہو جاتی ہے تو اس کا اثر بھی ہمیشہ رہتا ہے، اس لئے حج کے سفر میں ساتھیوں سے بنائے رکھے، بگاڑے نہیں۔

۳-احرام میں کرنے کے کام: احرام میں سب سے بہتر تلبیہ کی کثرت ہے، علاوہ ازیں ہر نیک کام کرے، نماز کا اہتمام کرے، نفل طواف کرے، نفل نماز پڑھے، قرآن کی تلاوت کرے اور دعاؤ استغفار میں لگا رہے، وقت ضائع نہ کرے، بندہ جو بھی نیک کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں، وہ اس کا بدلہ دیں گے۔

﴿ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ﴾

ترجمہ: اور تم جو بھی اچھا کام کرو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں۔

۴-حاجی خرچ ساتھ لے کر چلے: زمانۂ جاہلیت میں یمن کے لوگ خود کو متوکل کہتے تھے، اور خرچ لئے بغیر حج کے لئے آتے تھے، پھر لوگوں سے مانگتے پھرتے تھے، ان کا یہ طریقہ غلط تھا، توکل: ترکِ اسباب کا نام نہیں، اسباب اختیار کر کے اللہ پر بھروسہ کرنے کا نام ہے، اس لئے حکم دیا کہ حاجی خرچ ہمراہ لے کر چلے، تاکہ مانگنے کی نوبت نہ آئے، پھر اس

حکم کی تاکید کے لئے فرمایا: ’’اے عقلمندو! مجھ سے ڈرو!‘‘ یعنی اس حکم کی خلاف ورزی مت کرو، اگر عقل ہو تو اس کی اہمیت سمجھ میں آئے گی، اس کو معمولی حکم نہ سمجھو۔

﴿ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾

ترجمہ: اور توشہ ساتھ لے لو، اس لئے کہ توشہ ساتھ لینے کا فائدہ سوال سے بچنا ہے، اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرو!

۵- نقد ساتھ نہ لے کر اسبابِ تجارت ساتھ لینا بھی کافی ہے: بعض حاجی وطن سے قابلِ فروخت سامان ساتھ لاتے ہیں، اور حجام استرہ لے کر آتا ہے، پھر سامان بیچ کر یا حجامت بنا کر خوب کماتے ہیں، یہ بھی توشہ ساتھ لینا ہے، حج کے سفر میں تجارت، کاریگری اور مزدوری ممنوع نہیں، لوگوں کو اس میں شبہ ہوا تھا کہ شاید تجارت کرنے سے حج میں نقصان آئے، اس لئے اس کی اجازت دی کہ یہ کوئی گناہ نہیں، مقصودِ اصلی حج ہو، اور ضمناً تجارت کرے تو ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾

ترجمہ: تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو۔

۶- وقوفِ مزدلفہ واجب ہے، اور وقوف کا وقت فجر کے بعد طلوع سے کچھ پہلے تک ہے: حاجی آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ میں جمع ہوتے ہیں، پھر وہاں سے نو ذی الحجہ کو عرفہ کے لئے روانہ ہوتے ہیں، وقوفِ عرفہ کا وقت نو ذی الحجہ کے زوال سے دس ذی الحجہ کی صبح صادق تک ہے، اور وقوف میں دن کے ساتھ رات کا ایک حصہ ملانا ضروری ہے، پھر غروب کے بعد لوگ عرفہ سے لوٹتے ہیں، راستہ میں مزدلفہ پڑتا ہے، وہاں رات گذارتے ہیں، اور صبح صادق کے بعد فجر کی نماز اول وقت پڑھ کر دعاؤں میں مشغول ہوتے ہیں، یہ وقوفِ مزدلفہ ہے، اور غیر معذوروں پر واجب ہے۔

مزدلفہ میں مشعرِ حرام نامی پہاڑ ہے، نبی ﷺ نے اس کے پاس وقوف فرمایا تھا، مگر وقوف مزدلفہ میں ہر جگہ کر سکتے ہیں، اور وقوف سورج نکلنے سے کچھ پہلے ختم کر کے منیٰ کے لئے روانہ ہوتے ہیں، زمانۂ جاہلیت میں لوگ سورج نکلنے کے بعد روانہ ہوتے تھے، نبی ﷺ نے ان کی مخالفت کی، اور طلوعِ آفتاب سے کچھ پہلے وقوف ختم کر دیا اور منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے، یہی اسلامی طریقہ اور ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، جاہلیت کے لوگ اس سے ناواقف تھے، ان کا طریقہ خود ساختہ تھا، اس کی پیروی نہ کی جائے، نیز وہ شرک کے ساتھ ملا کر اللہ کا ذکر کرتے تھے، اس سے بھی بچا جائے اور ایک اللہ کا ذکر کیا جائے۔

﴿ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴾

ترجمہ: پھر جب تم عرفہ سے (طوافِ زیارت کے لئے) لوٹو تو مشعرِ حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو، اور اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو راہ دکھائی، اگرچہ تم پہلے (صحیح طریقہ سے) ناواقف تھے!

۷- وقوفِ عرفہ ہر حاجی پر فرض ہے، اور وہ گناہ بخشوانے کی جگہ ہے: زمانۂ جاہلیت میں حج میں جو خرابیاں در آئی تھیں ان میں سے ایک خرابی یہ تھی کہ قریش اور ان کے ہم مذہب حج میں عرفہ نہیں جاتے تھے، مزدلفہ میں رک جاتے تھے، مزدلفہ حرم میں ہے، باقی لوگ عرفات سے لوٹتے تھے، عرفات حرم سے باہر ہے، قریش کہتے تھے: ہم حُمس (دین میں مضبوط) ہیں، اور ہم قطین اللہ (اللہ کے گھر کے باسی) ہیں، ہم حرم سے نہیں نکلیں گے، حالانکہ وہ تجارت کے لئے شام اور یمن جاتے تھے، اس لئے حکم دیتے ہیں کہ جہاں سے (عرفات سے) سب لوگ طوافِ زیارت کے لئے لوٹتے ہیں تم بھی وہاں جا کر لوٹو، یہ خطاب خاص قریش سے ہے۔

پھر آخر آیت میں وقوفِ عرفہ کے فائدہ کا بیان ہے کہ وہ گناہ بخشوانے کی جگہ ہے، تم خود کو اس سے کیوں محروم کرتے ہو، مسلم شریف کی روایت ہے کہ عرفہ کے دن جتنے لوگ جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں اتنے کسی اور دن آزاد نہیں کئے جاتے، اللہ تعالیٰ اس دن قریب ہوتے ہیں، پھر حاجیوں کے ذریعہ ملائکہ پر فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: ”میرے یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟“ (مغفرت چاہتے ہیں) وقوفِ عرفہ حج کا سب سے اہم رکن ہے، وہاں خاص دعا مغفرت طلبی کی ہونی چاہئے۔

﴿ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۹۹ ﴾

ترجمہ: پھر لوٹو جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں، اور (عرفہ میں) اللہ سے گناہ بخشواؤ، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے گناہ بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝۲۰۰ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۲۰۱ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۲۰۲ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۰۳

فَاِذَا	پس جب	وَمِنْهُمْ	اور ان میں سے بعضا	وَاذْكُرُوا	اور یاد کرو
قَضَيْتُمْ	پورے کرلو تم	مَّنْ يَّقُوْلُ	جو کہتا ہے	اللّٰهَ	اللہ کو
مَّنَاسِكَكُمْ (۱)	اپنے حج کے کام	رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!	فِيْٓ اَيَّامٍ	دنوں میں
فَاذْكُرُوا	تو یاد کرو	اٰتِنَا	دیجئے ہمیں	مَّعْدُوْدٰتٍ	گنتی کے
اللّٰهَ	اللہ کو	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	فَمَنْ تَعَجَّلَ	پس جس نے جلدی کی
كَذِكْرِكُمْ	تمہارے یاد کرنے کی طرح	حَسَنَةً	خوبی	فِيْ يَوْمَيْنِ	دو دنوں میں
اٰبَآءَكُمْ	اپنے باپ دادوں کو	وَّفِي الْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	فَلَآ اِثْمَ	تو کوئی گناہ نہیں
اَوْ اَشَدَّ	یا اس سے بھی زیادہ	حَسَنَةً	خوبی	عَلَيْهِ	اس پر
ذِكْرًا	یاد کرنا	وَّقِنَا	اور بچائیے ہمیں	وَمَنْ تَاَخَّرَ	اور جس نے تاخیر کی
فَمِنَ النَّاسِ	پس بعضا آدمی	عَذَابَ	عذاب	فَلَآ اِثْمَ	پس کوئی گناہ نہیں
مَنْ يَّقُوْلُ	جو کہتا ہے	النَّارِ	دوزخ سے	عَلَيْهِ	اس پر
رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!	اُولٰٓئِكَ لَهُمْ	انہی لوگوں کے لئے	لِمَنِ اتَّقٰى	اس کے لئے جو ڈرے
اٰتِنَا	دیجئے ہمیں	نَصِيْبٌ	حصہ ہے	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	مِّمَّا كَسَبُوْا (۲)	ان کی کمائی سے	اللّٰهَ	اللہ سے
وَمَا لَهٗ	اور نہیں ہے اس کیلئے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو
فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	سَرِيْعُ	جلدی	اَنَّكُمْ اِلَيْهِ	کہ تم اس کی طرف
مِنْ خَلَاقٍ	کوئی حصہ	الْحِسَابِ	حساب لینے والے ہیں	تُحْشَرُوْنَ	جمع کئے جاؤگے

۸-حج کے باقی احکام

۸-منیٰ میں کرنے کے کام: دس ذی الحجہ کو مزدلفہ سے منیٰ آکر پہلے حاجی جمرۂ عقبہ کی رمی کرتے ہیں، اس کا وقت دس کی صبح صادق سے گیارہ کی صبح صادق تک ہے، مگر سب لوگ اول وقت رمی کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اژدحام ہوجاتا ہے اور حادثات پیش آتے ہیں، پس جلدی نہیں کرنی چاہئے، جب چھیڑ ہوجائے تب رمی کرے۔

پھر قارن اور متمتع قربانی کرتے ہیں، ان پر قربانی واجب ہے، مفرد پر قربانی واجب نہیں، پھر سر منڈوا کر یا زلفیں بنوا کر

(۱) مناسك: مَنْسِك کی جمع: اعمالِ حج۔ (۲) مما کسبوا: ما: مصدریہ ہے۔

احرام کھول لیتے ہیں، اور نہا دھو کر سلے ہوئے کپڑے پہن لیتے ہیں، اب احرام کھل گیا، احرام کی پابندیاں ختم، مگر بیوی ابھی حلال نہیں ہوئی، پھر دس ہی کو مکہ جاتے ہیں اور طوافِ زیارت کرتے ہیں، یہ حج کا دوسرا اہم رکن ہے، اس کے بعد حج کی سعی کرتے ہیں، اب بیوی بھی حلال ہوگئی، پھر منیٰ لوٹ آتے ہیں اور رات منیٰ میں گذارتے ہیں، طوافِ زیارت کا وقت بارہ کی شام تک ہے، اور منیٰ کے ایام میں راتیں منیٰ میں گذارنا سنت ہے، اب حج کے اہم کام پورے ہوگئے۔

پھر گیارہ، بارہ ذی الحجہ، اور چاہیں تو تیرہ بھی ایام منیٰ ہیں، گیارہ بارہ میں زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے، یہ رمی واجب ہے، اور کوئی تیرہ کو بھی منیٰ میں رک جائے تو زوال سے پہلے بھی رمی کر سکتا ہے۔

اور منیٰ کے دنوں میں تکبیریں کہنا، اللہ کا ذکر کرنا اور دعاؤں میں مشغول رہنا ہے، فرض نمازوں کے بعد ایک مرتبہ جہراً تکبیر تشریق کہنا واجب ہے، عورتیں آہستہ کہیں، اور ایک سے زیادہ مرتبہ تین تک تکبیریں کہنے کا ذکر بھی فقہ کی کتابوں میں ہے، اور رمی کرتے وقت ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہنا سنت ہے۔

علاوہ ازیں: شب و روز تکبیر کہنا بھی سلف سے مروی ہے، اور دیگر اذکار، نماز، تلاوت اور اوراد میں مشغول رہنا چاہئے، زمانۂ جاہلیت میں منیٰ میں بازار لگتا تھا، مشاعرے ہوتے تھے اور خوب فخریہ قصیدے پڑھے جاتے تھے، اس کی جگہ اسلام نے اللہ کا ذکر رکھا، اس کا غلغلہ فخریہ قصائد سے بھی بلند ہونا چاہئے۔

اور منیٰ کے ایام کا ایک خاص کام دعا کرنا ہے، جاہلیت میں کفار اور آج کے دنیا پرست صرف دنیا مانگتے ہیں، ان کو جو دنیا مقدر ہوتی ہے ملتی ہے، مگر آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، اور مؤمن بندے دنیا کی خوبی بھی مانگتے ہیں اور آخرت کی خوبی (جنت) بھی، اور دوزخ کے عذاب سے پناہ چاہتے ہیں، ان کی دنیا کی مراد بھی پوری ہوتی ہے اور آخرت کا ثواب بھی جلد ملنے والا ہے، اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والے ہیں، قیامت بس آیا ہی چاہتی ہے۔

ان کی جو دعا قرآن میں آئی ہے وہ ایک جامع دعا ہے، نبی ﷺ بھی یہ دعا مانگتے تھے، ہمیں بھی یہ دعا بکثرت مانگنی چاہئے: ﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی خوبی عطا فرما اور آخرت میں بھی خوبی (جنت) عطا فرما، اور ہمیں عذابِ دوزخ سے بچا (آمین)

﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر جب تم (دس ذی الحجہ کو) اپنے حج کے کام پوری کرلو تو (منیٰ میں ایامِ منیٰ میں) اللہ کو یاد کرو، جیسے (جاہلیت میں) تم اپنے باپ دادوں کو یاد کرتے تھے (یعنی مشاعرہ میں فخریہ قصائد پڑھتے تھے) یا اس سے بھی زیادہ یاد کرو (اور دعا کرو) پس بعضا انسان (جاہلیت میں) کہتا تھا: اے ہمارے ربّ! ہمیں دنیا میں دیجئے! —— اس نے حَسَنَۃً نہیں کہا، اس کو دنیا میں 'خوبی' نہیں چاہئے، بس دنیا ہی چاہئے —— اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں —— اور دنیا میں جو مقدر ہے وہ ملے گا۔

اور بعضا انسان (مؤمن) کہتا ہے: "اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں (بھی) خوبی دیجئے، اور آخرت میں (بھی) خوبی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیے!" —— انہی لوگوں کے لئے ان کی کمائی کا بڑا حصہ ہے —— یعنی دنیا میں کئے ہوئے نیک کاموں کا دو چند بدلہ ملے گا —— اور اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں —— یعنی آخرت کا صلہ ملنے میں کچھ دیر نہیں، پس قیامت آیا ہی چاہتی ہے، اس دن ان کے وارے نیارے ہوجائیں گے۔

۹- تیرہ ذی الحجہ کی رمی اختیاری ہے: گیارہ، بارہ ذی الحجہ کی رمی تو واجب ہے اور اس کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، اور اگلی رات کی صبح صادق تک رہتا ہے، اور تیرہ ذی الحجہ کی رمی اختیاری ہے، جو شخص بارہ کو غروبِ شمس سے پہلے منیٰ سے نکل جائے اس پر تیرہ کی رمی نہیں، اور تیرہ کی رات شروع ہوجائے تو اب تیرہ کی رمی کرکے جائے، البتہ تیرہ کو زوال سے پہلے بھی رمی کرسکتا ہے۔

اور زمانۂ جاہلیت میں دو رائیں تھیں: ایک: تیرہ کی رمی ضروری ہے، بارہ کو چل دینا گناہ ہے، دوسری: رمی صرف بارہ تک ہے، تیرہ کی رمی گناہ ہے —— قرآن نے فیصلہ کیا کہ بارہ تک ہی رمی ضروری ہے، البتہ کوئی تیرہ کو رکے اور رمی کرے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں، بشرطے کہ اللہ سے ڈرے اور گناہ سے بچے، کیونکہ تیرہ کو منیٰ خالی ہوجاتا ہے، اس لئے بدعنوانی کا اندیشہ ہے، مثلاً: معلّمین کے ملازمین خیمے اکھاڑ لیتے ہیں، اس لئے ان سے لڑنے لگے، یہ ٹھیک نہیں، ان سے بہتر بارہ کو روانہ ہوجانا ہے۔

﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ ﴾

ترجمہ: اور اللہ کو یاد کرو گنتی کے چند دنوں میں —— یعنی ایامِ منیٰ میں جمرات کی رمی کرو، اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہو، اور دیگر اذکار بھی کرو —— پس جو دو دنوں میں جلدی لوٹ گیا —— یعنی بارہ کی شام کو سورج غروب ہونے سے پہلے منیٰ سے نکل گیا —— تو اس پر کوئی گناہ نہیں —— کیونکہ تیرہ کی رمی ضروری نہیں —— اور جس نے تاخیر کی ——

اور منیٰ میں رکا رہا ـــــ اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، اس کے لئے جو اللہ سے ڈرے ـــــ اور کوئی بدعنوانی نہ کرے۔

ملحوظہ: اونٹوں کے چرواہوں کو دو دن کی رمی جمع کرنے کی جو سہولت دی ہے وہ حکم حدیث سے ثابت ہے، اس آیت سے اس کا تعلق نہیں۔

۱۰۔تقوی (اللہ سے ڈرنا) ہر حال میں ضروری ہے: حج کی خصوصیت نہیں، اللہ سے ہر کام میں، ہر حال میں اور ہر وقت ڈرنا ضروری ہے، کیونکہ سب کو قبروں سے نکل کر اللہ کے پاس جمع ہونا ہے، اس وقت کا خیال رکھنا ہر وقت ضروری ہے۔

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو! اور جان لو کہ تم اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے!

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

وَمِنَ النَّاسِ	اور بعضا انسان	اللهَ	اللہ کو	تَوَلّٰے	پیٹھ پھیرتا ہے
مَنْ يُّعْجِبُكَ	(وہ ہے) جو پسند آتی	عَلٰی مَا	اس بات پر جو	سَعٰے	دوڑتا ہے
	ہے آپ کو	فِيْ قَلْبِهٖ	اس کے دل میں ہے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
قَوْلُهٗ	اس کی بات	وَهُوَ	اور وہ	لِيُفْسِدَ	تا کہ فساد مچائے
فِي الْحَيٰوةِ	زندگی میں	اَلَدُّ(۲)	سخت	فِيْهَا	اس میں
الدُّنْيَا	دنیا کی	الْخِصَامِ(۳)	جھگڑالو ہے	وَيُهْلِكَ	اور تباہ کرے
وَيُشْهِدُ(۱)	اور گواہ بناتا ہے وہ	وَاِذَا	اور جب	الْحَرْثَ	کھیتی

(۱) شہادت میں قسم کے معنی ہیں (۲) اَلَدّ: سخت جھگڑالو، لَدٌّ سے اسم تفضیل یا صفتِ مشبہ (۳) الخِصَام: یا تو مصدر ہے یا خَصْم کی جمع ہے، اس کے معنی بھی ہیں: جھگڑا کرنا، اور اضافت بمعنی فی ہے، یعنی جھگڑا کرنے میں سخت۔ قاعدہ: جب مضاف مضاف الیہ ہم معنی ہوں تو مضاف میں تجرید کرتے ہیں، پس اَلَدّ کے معنی ہونگے: سخت۔

وَالنَّسۡلَ [1]	اور اولاد کو	اَخَذَتۡهُ	(تو) پکڑتی ہے اس کو	مَنۡ يَّشۡرِىۡ [3]	(وہ ہے) جو خریدتا ہے
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	الۡعِزَّةُ [2]	نخوت (غرور)	نَفۡسَهُ	اپنی جان
لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	بِالۡاِثۡمِ	گناہ کے ساتھ	ابۡتِغَآءَ [4]	چاہتے ہوئے
الۡفَسَادَ	فساد (بگاڑ) کو	فَحَسۡبُهٗ	پس کافی ہے اس کو	مَرۡضَاتِ [5]	خوشنودی
وَاِذَا قِيۡلَ	اور جب کہا جاتا ہے	جَهَنَّمُ	دوزخ	اللّٰهِ	اللہ کیا
لَهُ	اس سے	وَلَبِئۡسَ	اور البتہ برا ہے (وہ)	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اتَّقِ	خوف کر	الۡمِهَادُ	گہوارا	رَءُوۡفٌۢ	نہایت مہربان ہیں
اللّٰهَ	اللہ کا	وَمِنَ النَّاسِ	اور بعضا انسان	بِالۡعِبَادِ	(اپنے) بندوں پر

منیٰ کی دعائیں اور ان کے مختلف اثرات

منیٰ میں کفار اور منافقین نے دعا کی تھی: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں دے!'' یعنی دنیا میں مالا مال کردے، اور مؤمنین دعا کرتے ہیں: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں خوبی عطا فرما اور آخرت میں بھی خوبی عطا فرما!'' اب دو مثالیں ذکر فرماتے ہیں، اور دونوں دعاؤں کے زندگی پر مرتب ہونے والے مختلف اثرات دکھاتے ہیں:

۱۔جس نے دنیا مانگی اور مقدر کی ملی اس کا حال: اخنس بن شریق ایک منافق تھا، مالدار، عزت دار اور فصیح و بلیغ، خدمتِ نبوی میں آتا تو قسمیں کھا کر اسلام کا دعوی کرتا، آپؐ اس کی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر ہوکر قریب بٹھاتے، پھر جب وہ مجلسِ نبوی سے اٹھ کر جاتا تو فساد، شرارت اور لوگوں کو ستانے میں لگ جاتا، کسی کی کھیتی اجاڑتا، کسی کے گدھے مار دیتا، اور جب اس سے لوگ کہتے کہ خدا کا خوف کر تو پارہ چڑھ جاتا، اور ضد میں بھر جاتا، یہ صرف دنیا مانگنے والوں کا حال ہے، ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور وہ بہت برا پالنا ہے!

۲۔دارین کی خوبیاں مانگنے والے کا حال: حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں کفارِ قریش کی ایک جماعت نے راستہ روکا، حضرت صہیبؓ سواری سے اتر کر کھڑے ہوگئے، اور ان کے ترکش میں جتنے تیر تھے سب نکال لئے، اور کہا: تم جانتے ہو میں تیر اندازی میں ماہر ہوں، تم میرے پاس اس وقت

---

(۱) النَّسۡل کے معنی ہیں: اولاد، اور آیت میں شانِ نزول کے قرینہ سے مویشی (گدھے) مراد ہیں (۲) العِزَّة: عَزَّ يَعِزُّ کا مصدر ہے: غلبہ، زور، بزرگی، غرور، بڑائی (۳) شَرىٰ (ض) شِرَاءً: بیچنا، خریدنا، اضداد میں سے ہے۔ (۴) ابتغاء: مفعول لہٗ ہے (۵) مرضات: اسم مصدر: خوشنودی، رضامندی۔

تک نہ پہنچ سکو گے جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہے، اور تیروں کے بعد تلوار سے کام لونگا، اور اگر تم نفع کا سودا چاہتے ہو تو میں تمہیں اپنے مال کا پتہ بتا دیتا ہوں، جو مکہ میں رکھا ہے، تم وہ مال لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو، وہ راضی ہوگئے اور حضرت صہیبؓ صحیح سلامت مدینہ پہنچ گئے، جب انھوں نے نبی ﷺ کو یہ واقعہ سنایا تو آپؐ نے دو مرتبہ فرمایا: ''تمہارا سودا نفع بخش رہا! تمہارا سودا نفع بخش رہا!''

اور یہ تو ایک واقعہ ہے، مفسرین نے دیگر صحابہ کے ایسے کئی واقعات لکھے ہیں، یہ دنیا دے کر دین بچانا ہے، یہی دنیا کی خوبی ہے، جو اللہ تعالیٰ مؤمنین کو عطا فرماتے ہیں۔

آیاتِ کریمہ: ۱- اور بعضا انسان ایسا ہوتا ہے کہ آپؐ کو اس کی بات پسند آتی ہے دنیا کی زندگی کے بارے میں ــــ یعنی میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے ــــ اور اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ بناتا ہے ــــ یعنی قسم کھا کر ایمان کا اور اسلام سے محبت کا دعوی کرتا ہے ــــ حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے ــــ جھگڑنے پر آتا ہے تو کسر نہیں چھوڑتا ــــ اور جب (مجلس نبوی سے) اٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا ہے تا کہ فساد مچائے اور کھیتی اور مویشی کو تلف کرے، اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتے، اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا خوف کر! تو اس کو نخوت (گھمنڈ) گناہ پر اور بھی ابھارتی ہے ــــ یعنی منع کرنے سے اس کو اور زیادہ ضد چڑھتی ہے ــــ سو اس کے لئے دوزخ کافی ہے، اور وہ بہت بری آرام گاہ ہے!

۲- اور بعضا انسان ایسا ہوتا ہے جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (مال دے کر) اپنی جان خریدتا ہے ــــ یعنی بچاتا ہے ــــ اور اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر نہایت مہربان ہیں!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۰۹ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۲۱۰ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۱۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اٰمَنُوا	ایمان لائے	ادْخُلُوْا	آجاؤ

فِی السِّلْمِ(1)	اسلام میں	عَزِیْزٌ	زبردست	سَلْ	پوچھ
کَآفَّةً(2)	پورے پورے	حَکِیْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں	بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ	بنی اسرائیل سے
وَلَا تَتَّبِعُوْا	اور نہ پیروی کرو	هَلْ یَنْظُرُوْنَ(3)	نہیں راہ دیکھتے وہ	کَمْ اٰتَیْنٰهُمْ	کتنی دیں ہم نے ان کو
خُطُوٰتِ	پیروں کی	اِلَّآ اَنْ	مگر اس بات کی کہ	مِّنْ اٰیَةٍ	نشانیاں
الشَّیْطٰنِ	شیطان کے	یَّاْتِیَهُمُ	آئیں ان کے پاس	بَیِّنَةٍ	کھلی
اِنَّهٗ لَکُمْ	بیشک وہ تمہارے لئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَمَنْ یُّبَدِّلْ	اور جو بدل دے
عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ	کھلا دشمن ہے	فِیْ ظُلَلٍ(4)	سائبانوں میں	نِعْمَةَ	نعمت
فَاِنْ	پھر اگر	مِّنَ الْغَمَامِ	بادل کے	اللّٰهِ	اللہ کی
زَلَلْتُمْ	پیر پھسل جائیں تمہارے	وَالْمَلٰٓئِکَةُ	اور فرشتے	مِنْ بَعْدِ	بعد
مِّنْ بَعْدِ	بعد	وَقُضِیَ	اور طے کر دیا جائے	مَا جَآءَتْهُ	اس کے آنے کے
مَا جَآءَتْکُمُ	تمہارے پاس آنے	الْاَمْرُ	معاملہ	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو اللہ تعالیٰ یقیناً
الْبَیِّنٰتُ	واضح دلائل کے	وَاِلَی اللّٰهِ	اور اللہ کی طرف	شَدِیْدُ	سخت
فَاعْلَمُوْٓا	پس جان لو	تُرْجَعُ	لوٹیں گے	الْعِقَابِ	سزا والے ہیں
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	الْاُمُوْرُ	تمام معاملات	❁	❁

سچے پکے مسلمان خوبی سے ہم کنار ہوتے ہیں

جو مؤمنین منیٰ میں یا دوسرے مواقع میں حَسَنَةً کی دعائیں کرتے ہیں ان کو 'خوبی' اس وقت حاصل ہوگی جب وہ سو فیصد مسلمان بنیں، نام کے مسلمان ہونے سے اور محض دعائیں مانگنے سے 'خوبی' حاصل نہیں ہوتی، اس لئے اللہ تعالیٰ مؤمنین سے فرماتے ہیں: ''اسلام میں پورے پورے آجاؤ'' یعنی احکامِ اسلام کی پوری طرح پیروی کرو، اسلام محض ایک مذہب نہیں، بلکہ پورا نظامِ حیات ہے، اعتقادات، عبادات، معاشرت، شخصی زندگی، معاشی اور اقتصادی نظام، سیاست اور طریق حکومت، بین ملکی تعلقات اور اخلاقی تعلیمات، غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ نہیں، جس میں اسلام نے راہ نمائی نہ کی ہو، ان سب امور میں اسلامی احکام پر عمل کرنا اسلام میں پورا پورا داخل ہونا ہے، اور بعض احکام پر عمل کرنا اور بعض پر عمل نہ کرنا شیطان کی

---

(۱) سِلْم (سین کا زبر اور زیر) بمعنی مصالحت بھی آتا ہے اور بمعنی اسلام بھی، یہاں اسلام کا مترادف ہے (۲) کافۃ: ادخلوا کے فاعل سے حال ہے۔ (۳) ھل: استفہام انکاری ہے (۴) ظلل: ظُلَّة کی جمع: سائبان۔

پیروی ہے، اور وہ انسان کا کھلا دشمن ہے، خواہشات کے پیچھے لگا دیتا ہے، اور احکام اسلام سے غافل کر دیتا ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے آجاؤ — ایمان: تصدیق (دل سے ماننے) کا نام ہے، اور اسلام: اعمال کا نام ہے، ایمان بیج ہے اور اسلام اس سے نکلنے والا درخت، بیج سے اگر درخت نہ نکلے تو پھل کہاں سے کھائے گا — اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو — شیطان نے تعمیل حکم سے انکار کیا اور راندۂ درگاہ ہوا، مؤمن بھی احکام اسلام کا انکار کرے گا تو اللہ کا پیارا کیسے ہوگا — بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے — اس کی دشمنی ڈھکی چھپی نہیں، پھر مؤمن اس کے چکمہ میں کیوں آئے!

بے عمل مسلمانوں کو انتباہ

شریعت کے احکام صاف صاف قرآن وحدیث میں بیان کر دیئے گئے ہیں، اب بھی جو مسلمان ان پر عمل نہیں کرتے وہ خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں، کوئی بھی سزا دے سکتے ہیں، مگر بڑے حکمت والے بھی ہیں، مصلحت کے موافق سزا دیتے ہیں، مسلمانوں سے وعدہ ہے: ﴿ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴾ تم ہی غالب رہوگے اگر تم مؤمن ہوئے [آل عمران ۱۳۹] مگر آج صورتِ حال بدل گئی ہے، رسوائی ان کا مقدر بن گئی ہے، یہ ان کی بے عملی کی سزا ہے، آج مسلمان ذلت کا رونا تو روتا ہے، مگر ملت کی بے عملی پر نظر نہیں ڈالتا۔

﴿ فَاِنۡ زَلَلۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡكُمُ الۡبَيِّنٰتُ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴾

ترجمہ: پھر اگر تم پھسل جاؤ تمہارے پاس واضح دلائل آنے کے بعد تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست بڑے حکمت والے ہیں!

فائدہ: مسلمانوں کی بے عملی کی کتنی خوبصورت تعبیر ہے: ''تم پھسل جاؤ!'' یعنی بے خبری میں دین سے دور جا پڑو!

بد عمل مسلمانوں کو سخت انتباہ

جو لوگ اسلام کے صاف صاف احکام کے بعد بھی اپنی کج روی سے باز نہیں آتے: ان کو سخت دھمکی دیتے ہیں کہ کیا صرف اس کی کسر ہے کہ اللہ پاک خود ابر کے سائبان میں اور جلو میں فرشتے اتر آئیں، اور ان کی سزا کا فیصلہ کر دیا جائے! اگر ان کو اسی کا انتظار ہے تو وہ بھی ہو کر رہے گا!

﴿ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ الۡاَمۡرُ ‌ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴾

ترجمہ: وہ لوگ (بددین مسلمان) صرف اس بات کا انتظار کررہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں اور (ان کے جلو میں) فرشتے ان پر اتریں، اور معاملہ (سزا کا) نمٹادیا جائے، اور اللہ ہی کی طرف سارے کام لوٹیں گے ـــــ یعنی کوئی بھاگ کر کہاں جائے گا؟ اور سزا سے کیسے بچے گا؟ سب کو اللہ کے پاس پہنچنا ہے، اس وقت ان بدعملوں کو ان کی بدعملی کی قرار واقعی سزا ملے گی!

فائدہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اولین وآخرین کو جمع فرمائیں گے اور سب حساب وکتاب کے منتظر ہونگے کہ اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں عرش سے کرسی کی طرف اتریں گے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ان سائبان کے گرداگرد ملائکہ ہونگے ـــــ اللہ تعالیٰ کا آنا متشابہات میں سے ہے، اور صفاتِ متشابہات کے بارے میں سلف کا مذہب تنزیہ مع التفویض ہے، پس بالاجمال اس صفت کا اعتقاد رکھنا چاہئے، کیفیت جاننے کی کوشش نہ کرے کہ وہ عقل سے بالاتر ہے۔

کسی نعمت سے محرومی بھی ایک طرح کی سزا ہے

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتوں سے نوازا، جلیل القدر پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) کو ان کی طرف مبعوث کیا، اپنی عظیم کتاب تورات ان کو عنایت فرمائی، اور دنیا جہاں کے لوگوں پر ان کو برتری بخشی، مگر انھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کو سخت سزا دی، ان کی اقوام عالم پر برتری ختم ہوگئی، اور وہ ذلیل وخوار ہوکر رہ گئے ـــــ آج کے مسلمان اس سے سبق لیں، اللہ نے اس امت کو بھی سربلندی عطا فرمائی تھی، مگر وہ بے عملی بلکہ بدعملی میں مبتلا ہوگئے تو ان کی عظمت قصۂ پارینہ بن گئی، پس کیا اس سزا سے ان کی آنکھ کھلے گی؟

ایک واقعہ: بھائی پاڑیار رحمہ اللہ (ساؤتھ افریقہ کے تبلیغی جماعت کے امیر) نے مجھے واقعہ سنایا کہ وہ فلسطین میں قریہ خلیل (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گاؤں) میں جماعت لے کر گئے، گاؤں کی مسجد بند تھی، کوڑے سے بھری ہوئی تھی، جماعت والوں نے اس کو کھولا اور صاف کیا، پھر گاؤں میں گشت کیا، لوگوں سے مسجد میں آنے کے لئے کہا، انھوں نے جواب دیا: ”اللہ نے ہمارا قبلہ (بیت المقدس) ہمارے دشمنوں (یہود) کو دیدیا ہے، پہلے اللہ ہمارا قبلہ واپس کریں تب ہم مسجد میں آئیں گے“ ـــــ حالانکہ مسلمانوں کا وہ قبلہ ان کے دشمنوں کو اس لئے دیا تھا کہ وہ اس کے اہل نہیں رہے تھے، اور یہ ان کے لئے ایک سزا تھی، مگر انھوں نے اس کو دوسرے معنی پہنادیئے، فیا للعجب!

﴿سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾﴾

ترجمہ: بنی اسرائیل سے پوچھو: ہم نے ان کو کتنی کھلی کھلی نشانیاں دیں؟ اور جو اللہ کی نعمت کو اس کے آنے کے بعد بدل دے تو اللہ تعالیٰ یقیناً سخت سزا دینے والے ہیں!

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢١٣﴾

زُيِّنَ	دل کش بنائی گئی	اتَّقَوْا	پرہیز گار ہوئے	فَبَعَثَ (۱)	پس بھیجے
لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کیلئے جنھوں نے	فَوْقَهُمْ	ان سے بالاتر ہونگے	اللّٰهُ	اللہ نے
كَفَرُوْا	اسلام قبول نہیں کیا	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	النَّبِيّٖنَ	انبیاء
الْحَيٰوةُ	زندگی	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	مُبَشِّرِيْنَ (۲)	خوش خبری سنانے والے
الدُّنْيَا	دنیا کی	يَرْزُقُ	روزی دیتے ہیں	وَمُنْذِرِيْنَ	اور ڈرانے والے
وَيَسْخَرُوْنَ	اور ہنسی اڑاتے ہیں وہ	مَنْ يَّشَاۗءُ	جسے چاہتے ہیں	وَاَنْزَلَ	اور اتاری
مِنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی جو	بِغَيْرِ حِسَابٍ	بے گنے (بے شمار)	مَعَهُمُ	ان کے ساتھ
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	كَانَ النَّاسُ	تھے لوگ	الْكِتٰبَ (۳)	آسمانی کتابیں
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	اُمَّةً وَّاحِدَةً	ایک جماعت	بِالْحَقِّ (۴)	دین حق پر مشتمل

(۱) فبعث سے پہلے فاختلفوا محذوف ہے، اور حذف کا قرینہ مبشرین و منذرین ہے، اور یونس (آیت ۱۹) میں یہ محذوف مصرّح ہے (۲) مبشرین اور منذرین: النبیین کے احوال ہیں (۳) الکتاب میں الف لام جنسی ہیں، سب کتابیں مراد ہیں (۴) بالحق: الکتاب کا حال ہے۔

لِيَحۡكُمَ (۱)	تاکہ فیصلہ کرے وہ	مِنۢ بَعۡدِ	بعد	لِمَا اخۡتَلَفُوا (۴)	اس بات کی جو اختلاف
بَيۡنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان	مَا جَآءَتۡهُمُ (۲)	ان کے پاس آنے		کیا انھوں نے
فِيمَا	ان باتوں میں جو	الۡبَيِّنٰتُ	واضح دلائل کے	فِيهِ	اس میں
اخۡتَلَفُوا	اختلاف کرتے ہیں وہ	بَغۡيًا (۳)	بڑائی جتاتے ہوئے	مِنَ الۡحَقِّ (۵)	یعنی حق بات کی
فِيهِ	اس میں	بَيۡنَهُمۡ	آپس میں	بِإِذۡنِهٖ (۶)	اپنے حکم سے
وَمَا اخۡتَلَفَ	اور نہیں اختلاف کیا	فَهَدَى	پس راہ دکھائی	وَاللّٰهُ يَهۡدِىۡ	اور اللہ تعالیٰ دکھاتے ہیں
فِيهِ	اس میں	اللّٰهُ	اللہ نے	مَنۡ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
إِلَّا الَّذِيۡنَ	مگر ان لوگوں نے جو	الَّذِيۡنَ	ان لوگوں کو جو	إِلٰى صِرَاطٍ	راہ
أُوۡتُوۡهُ	دیئے گئے وہ کتاب	اٰمَنُوۡا	ایمان لائے	مُّسۡتَقِيۡمٍ	سیدھی

۹- مسلمانوں کی پستی کا سبب مال کی کمی یا عمل کی کمی؟

مکہ کے مشرکین اور مدینہ کے یہود اقتصادیات میں مسلمانوں سے بڑھے ہوئے تھے، اور شروع میں اسلام قبول کرنے والے کمزور تھے، اس لئے کفار نادار مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے تھے، کہتے تھے: تم نے نیا مذہب اختیار کر کے کیا پایا؟ آج بھی دانشور اور سیاسی مسلمان: مسلمانوں کی پستی کا سبب ان کی اقتصادی کمزوری کو قرار دیتے ہیں، بے عملی اور بدعملی کی طرف ان کی نظر نہیں جاتی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: دین اسلام قبول نہ کرنے والوں کے نزدیک چونکہ مال ہی بڑا کمال ہے اس لئے وہ غریب مسلمانوں کا ٹھٹول کرتے ہیں، مگر وہ نہیں جانتے کہ اصل زندگی آگے ہے، آخرت میں یہ کھوٹے سکے ان سے برتر و بالا ہونگے، پس اگر دنیا میں چند روز یہ کم تر ہوئے تو کیا حرج ہے؟ —— اور دنیا میں روزی صرف کافروں کو نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بے گنے دیتے ہیں، آج عام مسلمانوں اور حکومتوں کے پاس دولت کی کیا کمی ہے؟ مگر پستی گہری ہورہی ہے!

﴿زُيِّنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا وَيَسۡخَرُوۡنَ مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۘ وَالَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا فَوۡقَهُمۡ يَوۡمَ

(۱) لیحکم کا فاعل: اللہ، کتاب اور نبی تینوں ہوسکتے ہیں۔ (۲) ما: مصدر یہ ہے اور جملہ مضاف الیہ ہے (۳) بغیا: مفعول لہٗ یا حال ہے اور بَغْیٌ: باب ضرب کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: ضد، سرکشی، زیادتی، میانہ روی سے تجاوز کرنا اور بینھم: بغیا کی صفت یا حال ہے (۴) لما اختلفوا: ھَدیٰ سے متعلق ہے اور ما: مصدر یہ ہے (۵) من الحق: من بیانیہ ہے، اور یہ لِمَا کے ما کے حال کی جگہ میں ہے اور محذوف سے متعلق ہے (۶) باذنہ: ھدی سے متعلق ہے۔

الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

ترجمہ: کافروں کے لئے دنیا کی زندگی دل کش بنائی گئی، اور وہ ایمان لانے والوں کی ہنسی اڑاتے ہیں، اور متقی مسلمان قیامت کے دن ان سے بالاتر ہونگے، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بے شمار روزی دیتے ہیں —— قرآنِ کریم نیک مسلمانوں کو خوش خبری سناتا ہے، عام مسلمانوں کو بشارت نہیں سناتا، لہٰذا مسلمان نیک بننے کی کوشش کریں تا کہ بشارت کے حقدار بنیں!

پستی کا ایک سبب گمراہ فرقے ہیں

شروع میں سب لوگ دینِ حق پر تھے

جاننا چاہئے کہ پہلا انسان پہلا نبی ہے، پھر آدم علیہ السلام کی نسل ایک عرصہ تک اللہ کے دین پر قائم رہی، پھر شیطان کے ورغلانے سے اور طبائع کے اختلاف سے اختلافات شروع ہوئے، کچھ لوگ دین پر قائم رہے اور کچھ لوگ دین سے نکل گئے، پس اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ قائم فرمایا، انبیاء نے دین داروں کو خوش خبری سنائی اور بے دینوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا، اور اللہ نے نبیوں پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں، جو دین کی تعلیمات پر مشتمل تھیں، ان کے ذریعہ حق وباطل کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔

﴿ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴾

ترجمہ: لوگ ایک جماعت تھے —— یعنی سب لوگ دینِ حق پر قائم تھے، پھر ان میں پھوٹ پڑی —— پس اللہ نے نبیوں کو مبعوث فرمایا، خوش خبری دینے کے لئے اور ڈرانے کے لئے، اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں، جو دینِ حق پر مشتمل تھیں، تا کہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں وہ مختلف ہو رہے تھے۔

پھر ملّی اختلافات شروع ہوئے اور حقیقت گم ہوگئی!

پھر ملّی اختلافات شروع ہوئے، یعنی ایک ملت کے ماننے والوں میں اختلافات شروع ہوئے، یہود ونصاریٰ میں اختلافات ہوئے، اور مختلف فرقے وجود میں آئے، فرماتے ہیں: پھر جن لوگوں کو آسمانی کتاب دی گئی، ان میں اختلافات شروع ہوئے، ان کے پاس صریح دلائل آنے کے بعد، اور اختلاف بڑائی جتانے کی وجہ سے ہوا، کچھ لوگوں نے اپنی چلانی چاہی، اور انھوں نے نئی راہ نکالی، اس طرح یہود ونصاریٰ میں گمراہ فرقے وجود میں آئے اور حقیقت گم ہوگئی، کوئی فرقہ حق پر

باقی نہ رہا سب جہنم میں گئے۔

﴿ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ﴾

ترجمہ: اور دین میں انہی لوگوں نے اختلاف کیا جو وہ (دین) دیئے گئے تھے، ان کے پاس واضح دلائل آجانے کے بعد، ایک دوسرے پر بڑائی جتاتے ہوئے —— ملت میں اختلاف کا یہی سبب ہوتا ہے، طالع آزما اپنی چلانا چاہتے ہیں اور نئی راہ نکالتے ہیں اور چونکہ اُن ملتوں کے لئے بقاء مقدر نہیں تھا، اس لئے کوئی فرقہ حق کا حامل نہ رہا۔

اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ایک جماعت ہمیشہ حق پر برقرار رہے گی

یہودیت اور نصرانیت کے اختلافات اس حد تک پہنچ گئے کہ مذہب کی حقیقت گم ہوگئی، کوئی فرقہ صحیح دین پر باقی نہ رہا، حدیث میں ہے کہ یہود کے اکہتر فرقے ہوئے اور نصاریٰ کے بہتر، اور سب دوزخ میں گئے، یعنی ملّی اختلاف میں عیسائی، یہود سے ایک ہاتھ آگے نکل گئے، اور ان میں سے کوئی حق پر نہ رہا، اس لئے سب دوزخ میں گئے۔

پھر اسلام کا زمانہ آیا، مسلمانوں میں بھی ملّی اختلافات شروع ہوئے، اور وہ پیش رَو فرقوں سے آگے نکل گئے، ان کے تہتر فرقے ہوں گے، مگر حقیقت گم نہیں ہوگی، ایک جماعت ہمیشہ دین حق پر ثابت رہے گی، کیونکہ یہ آخری دین ہے، اور قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے، اس کی روشنی قیامت تک باقی رہنی ضروری ہے، اس لئے اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے، اور قرآن کی دعوت کا ماڈل (نمونہ) بھی باقی رہنا ضروری ہے، تاکہ بے پڑھے ماڈل دیکھ کر اسلام کو سمجھیں، یہی حق پر باقی رہنے والی جماعت اہل السنہ والجماعہ ہیں، مخالفت کی آندھیاں چلیں گی مگر اس کا چراغ نہیں بجھے گا۔

﴿ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴾

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے مؤمنین کو دین کے مختلف فیہ مسائل میں حق کی راہ دکھائی، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں سیدھی راہ دکھاتے ہیں —— اس طرح ملت کے ریوڑ میں سے بھیڑیا (شیطان) بڑی تعداد اچک لے گیا، یہ بھی پستی کا ایک سبب بنا، آج اہل حق کی مخالفت سب سے زیادہ یہی گمراہ فرقے کرتے ہیں۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾

اَمْ حَسِبْتُمْ	کیا خیال کیا تم نے	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ
اَنْ تَدْخُلُوا	کہ پہنچ جاؤ گے تم	مَسَّتْهُمُ	چھویا ان کو	اٰمَنُوْا مَعَهٗ	ایمان لائے ان کے ساتھ
الْجَنَّةَ	جنت میں	الْبَاْسَآءُ	سختی	مَتٰى نَصْرُ	کب مدد (آئے گی)
وَلَمَّا يَاْتِكُمْ	حالانکہ اب تک نہیں	وَالضَّرَّآءُ	اور تکلیف نے	اللّٰهِ	اللہ کی!
	آئے تم پر	وَزُلْزِلُوْا	اور ہلائے گئے وہ	اَلَآ اِنَّ	سنو! بیشک
مَّثَلُ الَّذِيْنَ	ان لوگوں جیسے حالات جو	حَتّٰى يَقُوْلَ	یہانتک کہ کہنے لگے	نَصْرَ اللّٰهِ	اللہ کی مدد
خَلَوْا	گذر چکے	الرَّسُوْلُ	اللہ کے رسول	قَرِيْبٌ	نزدیک ہے

اہل حق پیش آنے والی مشکلات سے نہ گھبرائیں

اوپر کی آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں بھی ملّی اختلاف ہونگے، گمراہ فرقے وجود میں آئیں گے، مگر ہمیشہ سواد اعظم (بڑی جماعت) حق پر قائم رہے گی، نہ اسلام کی تعلیمات نابود ہونگی نہ اس کا ماڈل (نمونہ) ختم ہوگا، البتہ ابتدا اور انتہا میں مسلمانوں کی حالت کمزور ہوگی، حدیث میں ہے: إن الإسلام بدأ غريبا، وسيعود غريبا، فطوبى للغرباء! اسلام کس مپرسی کی حالت میں شروع ہوا، اور آگے چل کر پھر یہی صورت ہوگی، پس خوش نصیب ہیں بے چارے مسلمان!

ابتدائے اسلام میں دشمنوں کے ہاتھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بہت ایذائیں پہنچی ہیں، مکی دور کے احوال پڑھتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور ہجرت کے بعد بھی مکہ والے بار بار مدینہ پر چڑھائی کرتے تھے، مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کی ٹھان کر آتے تھے، سکون سے سونا حرام تھا، پھر اللہ کی مدد آئی، مکہ مکرمہ فتح ہوا اور چین نصیب ہوا۔

ایسے ہی حالات اہلِ حق پر آخر زمانہ میں بھی آئیں گے، مسلمان ان حالات سے نہ گھبرائیں، یہ تو ان کو کندن (خالص سونا) بنانے کے لئے ہیں، کیا مسلمان یہ سوچتا ہے کہ وہ محض کلمہ پڑھ کر جنت میں پہنچ جائے گا! نہیں! گذشتہ اہل حق کو بھی سخت حالات سے گذرنا پڑا ہے، حدیث میں ہے کہ ایک شخص کو آرے سے چیر دیا جاتا، ایک کی لوہے کی کنگیوں سے کھال کھینچ لی جاتی، مگر یہ چیز اس کو ایمان سے نہیں پھیرتی تھی، اور حالات اتنے سنگین ہوجاتے تھے کہ اس زمانہ کے رسول اور مؤمنین بہ مقتضائے بشریت پریشان ہوکر پکار اٹھتے تھے کہ الٰہی! مدد کب آئے گی! تب دریائے رحمت جوش میں آتا اور وحی آتی کہ گھبراؤ نہیں، اللہ کی مدد آیا چاہتی ہے۔

اسی طرح ہر زمانہ کے مسلمانوں کو دشمنوں کے غلبہ اور ان کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں سے گھبرانا نہیں چاہئے، برداشت کریں، اور ہمت نہ ہاریں:

تیزیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ❁ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے!

آیتِ پاک: کیا تم یہ سمجھے ہوئے ہو کہ جنت میں پہنچ جاؤ گے، حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آچکے ہیں، ان کو سختی اور تکلیف پیش آئی اور وہ ہلا کر رکھ دیئے گئے، یہاں تک کہ اللہ کے رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے کہنے لگے: "اللہ کی مدد کب آئے گی؟" سنو! اللہ کی مدد آیا چاہتی ہے!

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

يَسْـَٔلُوْنَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں	مِّنْ خَيْرٍ (۱)	مالِ فراواں سے	وَابْنِ السَّبِيْلِ	اور مسافروں کیلئے ہے
مَاذَا	کیا	فَلِلْوَالِدَيْنِ	پس ماں باپ کے لئے	وَمَا تَفْعَلُوْا	اور جو خرچ کروگے تم
يُنْفِقُوْنَ	خرچ کریں؟	وَالْاَقْرَبِيْنَ	اور رشتہ داروں	مِنْ خَيْرٍ (۱)	بہت مال سے
قُلْ	کہیں	وَالْيَتٰمٰى	اور یتیموں	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ تعالیٰ
مَآ اَنْفَقْتُمْ	جو خرچ کیا تم نے	وَالْمَسٰكِيْنِ	اور محتاجوں	بِهٖ عَلِيْمٌ	اس کو خوب جانتے ہیں

۱۰- مالِ فراواں سے خرچ کرنے کی جگہیں (مالی قربانی)

جب مسلمانوں کے حالات کمزور ہوں یا اسلام کا کوئی سر پرست نہ ہو تو مصائب سہنے کے علاوہ مالِ کثیر سے انفاق بھی ضروری ہے، سوال کیا گیا کہ کیا خرچ کریں؟ جواب دیا کہ جس کے پاس مالِ فراواں ہو، اس کی ضروریات سے زیادہ ہو تو وہ ماں باپ پر، رشتہ داروں پر، یتیموں پر، غریبوں پر اور مسافروں پر خرچ کرے، اور دیگر وجوہِ خیر میں خرچ کرے گا تو اس سے بھی اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں! اس کا ثواب بھی ضرور عطا فرمائیں گے۔

فائدہ (۱): یہ انفاق: زکات سے عام ہے، ماں باپ کو زکات دینا جائز نہیں۔

فائدہ (۲): غیر اسلامی ملک میں، بلکہ اب تو مسلمانوں کے ملک میں بھی ملّی کاموں میں خرچ کرنا ضروری ہے، ملت کی گاڑی اسی سے چلے گی، البتہ لوگ 'مال خوروں' سے ہوشیار رہیں۔

آیتِ کریمہ: لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ بتادیں: جو بھی مالِ فراواں خرچ کرو تو وہ ماں باپ،

(۱) خیر: بھلائی، ہر اچھا کام، جو چیز سب کو پسند ہو، شر اس کی ضد ہے، اور جب مال کے لئے خیر استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ مال ہوتا ہے جو کثیر ہو اور حلال طریقہ پر حاصل کیا گیا ہو۔

رشتہ داروں، یتیموں، غریبوں اور مسافروں پر خرچ کرو، اور تم جو بھی حلال بہت مال (وجوہِ خیر میں) خرچ کروگے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہیں!

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾

كُتِبَ	لکھا گیا	أَن تَكْرَهُوا	کہ ناپسند کرو تم	وَهُوَ	اور وہ						
عَلَيْكُمُ	تم پر	شَيْئًا	کسی چیز کو	شَرٌّ لَّكُمْ	بری ہو تمہارے لئے						
الْقِتَالُ	لڑنا	وَهُوَ	اور وہ	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ						
وَهُوَ	درانحالیکہ وہ	خَيْرٌ لَّكُمْ	بہتر ہو تمہارے لئے	يَعْلَمُ	جانتے ہیں						
كُرْهٌ	ناگوار ہے	وَعَسَىٰ	اور ہوسکتا ہے	وَأَنتُمْ	اور تم						
لَّكُمْ	تمہیں	أَن تُحِبُّوا	کہ پسند کرو تم	لَا تَعْلَمُونَ	نہیں جانتے						
وَعَسَىٰ	اور ہوسکتا ہے	شَيْئًا	کسی چیز کو	❁	❁						

جہاد میں فوائد ہیں، اگرچہ یہ حکم لوگوں کو بھاری معلوم ہو! (جانی قربانی)

مال کی قربانی کی طرح جان کی قربانی بھی ضروری ہے، ملت کی سربلندی اسی میں ہے، یہ حکم اگرچہ لوگوں کو ناگوار ہوگا، مگر ان کے لئے مفید ہے، کیونکہ آدمی کی پسند یا ناپسند کا اعتبار نہیں، بیمار کا جی ایک چیز کو چاہتا ہے مگر حکیم منع کرتا ہے تو حکیم کی بات ماننا ضروری ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ جہاد میں فوائد ہیں، لوگ اس کو نہیں جانتے، پس وہ اللہ کے حکم کو قبول کریں، اور جان کی بازی لگانے کے لئے تیار رہیں۔

فائدہ: شرعی جہاد کے لئے اجتماعیت اور امارت ضروری ہے، مکی دور میں امارت تھی مگر اجتماعیت نہیں تھی، اس لئے جہاد کا حکم نہیں آیا، پھر جب مدنی دور میں دونوں باتیں حاصل ہوئیں تو جہاد کی اجازت ملی، پہلے دفاعی جہاد کی اجازت ملی، پھر اقدامی جہاد کی نوبت آئی۔

آیتِ کریمہ: تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے، جبکہ وہ تمہیں ناگوار ہے، اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اور ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، اور وہ تمہارے حق میں بری ہو، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ——— اس سے یہ اصولی بات معلوم ہوئی کہ احکام کی مصلحتوں اور حکمتوں کا جاننا ضروری نہیں، بے چوں وچرا

احکام پر عمل کرنا ضروری ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢١٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢١٨﴾

يَسْـَٔلُوْنَكَ	پوچھتے ہیں وہ آپ سے	وَكُفْرٌۢ بِهٖ	اور اس کو نہ ماننا	اَكْبَرُ	زیادہ بڑا ہے
عَنِ الشَّهْرِ	محترم مہینہ کے	وَالْمَسْجِدِ (٣)	اور (روکنا) مسجد	مِنَ الْقَتْلِ	مار ڈالنے سے
الْحَرَامِ	بارے میں	الْحَرَامِ	حرام سے	وَلَا يَزَالُوْنَ	اور برابر وہ
قِتَالٍ فِيْهِ (١)	اس میں لڑنے کے بارے میں	وَاِخْرَاجُ (٤)	اور نکالنا	يُقَاتِلُوْنَكُمْ	لڑیں گے تم سے
قُلْ	کہو	اَهْلِهٖ مِنْهُ (٥)	اس کے باشندوں کو	حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ	یہانتک کہ پھیر دیں تم کو
قِتَالٌ فِيْهِ	اس میں لڑنا		اس سے	عَنْ دِيْنِكُمْ	تمہارے دین سے
كَبِيْرٌ	بڑا ہے	اَكْبَرُ (٦)	زیادہ بڑا ہے	اِنِ اسْتَطَاعُوْا	اگر طاقت رکھیں وہ
وَصَدٌّ (٢)	اور روکنا	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	وَمَنْ يَّرْتَدِدْ	اور جو شخص پھر جائے گا
عَنْ سَبِيْلِ	راہِ	وَالْفِتْنَةُ	اور فتنہ (اللہ کے دین	مِنْكُمْ	تم میں سے
اللّٰهِ	خدا سے		سے روکنا)	عَنْ دِيْنِهٖ	اپنے دین سے

(١) قتالٍ فيه: الشهر الحرام سے بدل اشتمال ہے (٢) صدّ: مبتدا اور اکبر خبر ہے (٣) المسجد کا عطف سبیل پر ہے (٤) إخراج کا عطف صَدّ پر ہے (٥) منه کا مرجع المسجد ہے (٦) اکبر: بڑا، بہت بڑا، اس کا مفہوم کبیرہ گناہ نہیں، البتہ اس کے مفہوم میں برائی ہے، اور یہ مماشات مع الخصم ہے۔

فَيَمُتْ	پس مرے گا	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہِ خدا میں
وَهُوَ كَافِرٌ	درانحالیکہ وہ منکر ہے	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ
فَاُولٰٓئِكَ	تو وہی لوگ	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	يَرْجُوْنَ	امید رکھتے ہیں
حَبِطَتْ	اکارت گئے	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جولوگ	رَحْمَتَ	رحمتِ
اَعْمَالُهُمْ	ان کے کام	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اللّٰهِ	خداوندی کی
فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	وَالَّذِيْنَ	اور جولوگ	وَاللّٰهُ	اوراللہ تعالیٰ
وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	هَاجَرُوْا	انھوں نے ہجرت کی	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
وَاُولٰٓئِكَ	اور وہی لوگ	وَجٰهَدُوْا	اور لڑے وہ	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں

رجب میں قتل کو کیا روتے ہو، اپنے کرتوت تو دیکھو!

ربط: گذشتہ آیت میں قتال کی فرضیت کا بیان تھا، اب ماہِ رجب میں بے خبری میں ہونے والے ایک قتل کو لے کر مشرکینِ مکہ نے جو آسمان سر پے اٹھالیا تھا، اس کا جواب ہے۔ جاننا چاہئے کہ جہاد بارہ مہینے جائز ہے، دفاعی بھی اور اقدامی بھی، سورت التوبہ (آیت ۳۶) کی تفسیر میں، بہت سے غزوات وسرایا کا ذکر ہے، جو اشہر حرام میں پیش آئے۔

شانِ نزول: غزوۂ بدر سے پہلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک دس نفری سریہ روانہ کیا گیا، اس کو مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ مقام میں قیام کرنا تھا، اور مکہ والوں کی نقل وحرکت سے مدینہ والوں کو مطلع کرنا تھا، اس سریہ کی ایک تجارتی قافلہ سے مڈبھیڑ ہوگئی، اس میں عمرو بن الحضرمی مارا گیا، اور دو شخص گرفتار ہوئے، یہ واقعہ اتفاق سے رجب کی پہلی تاریخ میں پیش آیا، پھر جب مشرکین قیدیوں کو چھڑانے کے لئے مدینہ آئے تو انھوں نے شور مچایا کہ مسلمانوں نے حرام مہینوں کا خیال نہیں کیا، رجب میں ہمارے آدمی کو مار ڈالا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں دو باتیں کہی گئی ہیں:

پہلی بات: رجب میں قتل کو کیا روتے ہو تم اپنی حرکتوں پر تو غور کرو، وہ قتل سے سنگین ہیں، ان کی بہ نسبت قتل ہلکی بات ہے ـــــ مشرکین کی چار حرکتیں: (۱) وہ لوگوں کو دینِ اسلام سے روکتے تھے (۲) خود بھی دینِ اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے (۳) لوگوں کو مسجدِ حرام سے روکتے تھے، ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو کعبہ شریف کے پاس نماز نہیں پڑھنے دیتے تھے (۴) مہاجرین کو پہلے ہجرتِ حبشہ پر مجبور کیا، پھر ہجرتِ مدینہ پر۔

اللہ کے نزدیک مشرکین کے یہ کام قتل سے زیادہ سنگین ہیں، فتنہ (اللہ کے دین سے روکنا، اور اللہ کا دین قبول کرنے

والوں پر ظلم کرنا) قتل سے بھاری گناہ ہے، کیونکہ قتل سے تو دنیا کی زندگی ختم ہوتی ہے، اور اللہ کے دین سے روکنے سے آخرت برباد ہوتی ہے، اور اشد کے مقابلہ میں اخف کو اختیار کیا جاتا ہے، پس تم اپنی حرکتوں سے: رجب میں پیش آنے والے واقعہ کا موازنہ کرو، تمہاری سمجھ میں اس کا جواز آجائے گا۔

دوسری بات: مشرکینِ مکہ اشہر حرام کا پاس ولحاظ نہیں کریں گے، وہ برابر تمہارے ساتھ لڑیں گے یہاں تک کہ ان کا مقصد حاصل ہوجائے، ان کا مقصد تمہیں دینِ اسلام سے پھیر دینا ہے، مگر یہ بات ان کے بس میں کہاں ہے؟ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے کلمہ طیبہ پر مؤمنین کو دنیا و آخرت میں ثابت قدم رکھتے ہیں، ان کے نہ دنیا میں ایمان سے قدم ڈگمگاتے ہیں، نہ محشر میں وہ حواس باختہ ہونگے، نہ آگے ان کو کوئی گھبراہٹ پیش آئے گی۔

پھر بات آگے بڑھائی ہے:

فرماتے ہیں: فرض کرو تم میں سے کوئی دینِ اسلام سے پھر جائے، پھر اس کی موت کفر کی حالت میں آئے تو اس کی دنیا بھی برباد ہوگی اور آخرت بھی، دنیا میں اس کی بیوی نکاح سے نکل جائے گی، مسلمان مورث کا وارث نہیں ہوگا، حالتِ اسلام کی نمازیں اور روزے کالعدم ہوجائیں گے، نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور نہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، اور آخرت میں ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جائے گا۔

فائدہ: اگر وہ شخص پھر مسلمان ہوجائے، اور وہ فرض حج کر چکا ہو تو بشرط وسعت دوبارہ حج کرنا امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری ہے، اور گذشتہ نماز روزوں کا ثواب نہیں ملے گا (فائدہ ختم ہوا)

پھر جہنمیوں کے بالمقابل مؤمنین کا ذکر ہے، یہ قرآنِ کریم کا اسلوب ہے، وہ ایک فریق کے بعد دوسرے فریق کا ذکر کرتا ہے، فرماتے ہیں: اور جنھوں نے دینِ اسلام قبول کیا، اور اس کی خاطر وطن چھوڑ دیا اور راہِ خدا میں دشمنوں سے لوہا لیا وہی لوگ رحمتِ خداوندی کے سزاوار ہیں، اور اللہ بڑے بخشنے والے ہیں، وہ ان کی کوتاہیوں سے درگذر کریں گے، اور وہ بڑے مہربان ہیں، آخرت میں نعمتوں سے مالا مال کردیں گے۔

آیاتِ کریمہ: لوگ آپؐ سے محترم مہینہ (رجب) میں لڑنے کے بارے میں پوچھتے ہیں —— کہ مسلمانوں نے اس کا لحاظ کیوں نہیں کیا؟ اور ہمارے آدمی کو قتل کیوں کیا؟ —— آپؐ کہیں: اس میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے —— کیونکہ جہاد قبیح لذاتہ اور حسن لغیرہ ہے، جہاد میں لوگوں کو مارا جاتا ہے اس لئے برا ہے، لیکن اس میں اللہ کے دین کی سربلندی ہے، اس لئے اچھا ہے، پس قتل فی نفسہ برا ہے، یہ مماشات مع الخصم ہے —— اور اللہ کے راستے سے (دین اسلام سے) روکنا، اور اس دین کو نہ ماننا، اور مسجدِ حرام (میں نماز پڑھنے) سے روکنا، اور وہاں کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے

نزدیک سنگین ہے، اور فتنہ (اللہ کے دین سے بچلانا) قتل سے بھی سنگین ہے — یہ تھپڑ مارا کہ تمہارے ان کرتوتوں کے جواب میں رجب میں قتل برا نہیں!

(دوسری بات:) اور مشرکین تم سے برابر لڑیں گے — یعنی وہ محترم مہینوں کا لحاظ نہیں کریں گے — یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں، اگر ان کا بس چلے! — یعنی اشہر حرم کا لحاظ دوطرفہ ہونا چاہئے، کافر تو ہر وقت لڑیں اور مسلمان اشہر حرم میں ہاتھ روک لیں تو نقصان کس کا ہوگا؟

اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے، پھر بحالت کفر اس کی موت آئے تو ان کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہوجائیں گے، اور وہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں!

بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی اور اللہ کے دین کے لئے دشمنوں سے لوہا لیا وہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں!

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱۹ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۲۰

يَسْـَٔلُوْنَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں	فِيْهِمَآ	دونوں میں	اَكْبَرُ	بڑا ہے
عَنِ الْخَمْرِ (۱)	شراب کے بارے میں	اِثْمٌ كَبِيْرٌ	بڑا گناہ ہے	مِنْ نَّفْعِهِمَا	دونوں کے فوائد سے
وَالْمَيْسِرِ (۲)	اور سٹے (جوے) کے	وَّمَنَافِعُ	اور فائدے ہیں	وَيَسْـَٔلُوْنَكَ	اور لوگ آپ سے پوچھتے ہیں
	بارے میں	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	مَاذَا	کیا
قُلْ	کہو	وَاِثْمُهُمَآ	اور دونوں کا گناہ	يُنْفِقُوْنَ	خرچ کریں

(۱) خَمر: اصل میں انگور کے کچے پانی کا نام ہے جبکہ نشہ آور ہوجائے، پھر مجازاً ہر نشیلی شراب کو خمر کہہ دیتے ہیں (۲) المیسر: اسم ومصدر: جُوا، جُوا کھیلنا، ہر وہ کھیل جس میں جوے کی طرح بازی لگائی جائے، یَسَرَ (ض، س، ک) یَسْرًا: آسان ہونا، سٹے میں آسانی سے مال مل جاتا ہے اس لئے اس کو مَیْسِر کہتے ہیں۔

قُلِ	کہو	وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
الْعَفْوَ(۱)	جو اپنے خرچ سے بچے	وَيَسْـَٔلُوْنَكَ	اور لوگ آپ سے	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
كَذٰلِكَ	اس طرح		پوچھتے ہیں	الْمُفْسِدَ	بگاڑنے والے کو
يُبَيِّنُ	کھول کر بیان کرتے ہیں	عَنِ الْيَتٰمٰى	یتیموں کے بارے میں	مِنَ الْمُصْلِحِ	سنوارنے والے سے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُلْ	کہو	وَلَوْ شَآءَ	اگر چاہتے
لَكُمُ	تمہارے لئے	اِصْلَاحٌ لَّهُمْ	سنوارنا ان کے لئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
الْاٰيٰتِ	احکامات	خَيْرٌ	بہتر ہے	لَاَعْنَتَكُمْ(۳)	تو دشواری میں ڈالتے تم کو
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	وَاِنْ	اور اگر	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
تَتَفَكَّرُوْنَ	سوچو	تُخَالِطُوْهُمْ(۲)	ملا لو تم ان کو	عَزِيْزٌ	زبردست
فِى الدُّنْيَا	دنیا میں	فَاِخْوَانُكُمْ	پس وہ تمہارے بھائی ہیں	حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں

احکام میں مصالح ومفاسد کی رعایت کی جاتی ہے

ربط: ابھی (آیت ۲۱۶) میں جہاد کی فرضیت کا بیان تھا، اس میں فرمایا تھا کہ یہ حکم لوگوں کو بھاری معلوم ہوگا، مگر وہ ان کے لئے مفید ہے، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور وہ نہیں جانتے، پھر (آیت ۲۱۷) میں رجب میں قتال کا جواز بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾: لوگوں کو دین سے ہٹانا رجب میں قتل سے بھاری گناہ ہے، اور اشد کے مقابلہ میں اخف کو برداشت کیا جاتا ہے، اب دور تک ایسے احکام بیان فرماتے ہیں جن میں مصالح ومفاسد کی رعایت ہے، زیر تفسیر آیات میں ایسے تین احکام ہیں۔

۱۔شراب اور سٹہ اس لئے حرام ہیں کہ ان کی خرابی ان کے فوائد سے بڑھی ہوئی ہے

شراب اور سٹہ میں اگرچہ لوگوں کے لئے فوائد ہیں، اسی لئے لوگ شراب پیتے ہیں، عقلمند بھی پیتے ہیں، اور سٹہ کھیلتے ہیں، حکومتیں بھی کھیلتی ہیں، مگر دونوں کی خرابی ان کے فوائد سے بڑھی ہوئی ہے، سنار کی سو اور لوہار کی ایک ہے، اس لئے اللہ کی شریعت میں دونوں حرام ہیں۔

(۱) العفو: اسم ومصدر: حاجت سے زیادہ، بقدر طاقت جو بن پڑے عَفَا يَعْفُو: معاف کرنا۔ (۲) خَالَطَ مُخَالطة: دو چیزوں کو باہم ملانا۔ (۳) إعْنَات: مشقت میں ڈالنا۔ الْعَنَتُ: مشقت۔

زیرِ تفسیر آیت ذہن سازی کے دوسرے مرحلہ کی ہے

شراب: عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، ہر شخص اس کا رسیا تھا، اسی طرح سٹہ اور زنا بھی، اس لئے شراب کی حرمت نازل کرنے سے پہلے ذہن تیار کیا گیا، پہلے سورۃ النحل کی (آیت ۶۷) میں ایک لطیف اشارہ کیا، موضع امتنان میں خمر کا ذکر چھوڑ دیا، چنانچہ لوگوں نے خمر کے بارے میں سوال کیا تو زیرِ تفسیر آیت نازل ہوئی، اس میں لوگوں کو بتایا کہ شراب اور سٹے میں کچھ فوائد ہیں، مگر ان میں ایک بہت بڑا ضرر ہے، اس سے سمجھدار لوگ سمجھ گئے کہ دیر سویر دونوں کی حرمت نازل ہوگی، پھر سورۃ النساء کی (آیت ۴۳) نازل ہوئی، اور نماز کے اوقات میں پینے کی ممانعت کر دی، اس طرح لوگ کم پینے کے عادی ہوگئے پھر سورۃ المائدہ کی (آیات ۹۰ و ۹۱) نازل ہوئیں، اور دونوں کو قطعی حرام کر دیا، پس لوگ فوراً رک گئے (تفصیل تحفۃ الالمعی ۵: ۲۰۳ میں ہے)

﴿ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ، قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ، وَاِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا، ﴾

ترجمہ: لوگ آپؐ سے خمر (انگوری شراب) اور جوے (سٹے) کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ آپؐ بتا دیں کہ دونوں میں بڑا گناہ (خرابی) ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فوائد ہیں، اور دونوں کا گناہ: دونوں کے فائدے سے بڑھا ہوا ہے —— لہٰذا اس کا لحاظ کر کے آئندہ دونوں کی حرمت نازل ہوگی۔

۲- چھوٹے چندہ میں برکت ہے

پہلے (آیت ۲۱۵) میں مالِ فراواں سے خرچ کرنے کا حکم دیا تھا، یہ بڑا چندہ تھا، اب عفو (خرچ سے بچے ہوئے) سے خرچ کرنے کا حکم ہے، یہ چھوٹا چندہ ہے، یہ بھی ضروری ہے، بلکہ اس میں برکت ہے، جب برصغیر پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا، اور اس نے اسلامی حکومت ختم کر دی تو لمحۂ فکریہ پیدا ہوا کہ اب دین کیسے باقی رہے گا؟ سرپرست تو کوئی رہا نہیں! اس وقت اللہ تعالیٰ نے وقت کے اکابر کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ چندہ کے مدارس قائم کئے جائیں، اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے دارالعلوم دیوبند کے ''اصولِ ہشت گانہ'' میں لکھا کہ عوامی چندہ کیا جائے، اور کسی امیر کبیر کے وعدۂ محکم پر بھروسہ نہ کیا جائے، نہ حکومت سے ایڈ (مدد) لی جائے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے برصغیر میں دین کی بقاء کا سامان کیا۔

﴿ وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۵ قُلِ الْعَفْوَ، ﴾

ترجمہ: اور لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ آپؐ بتائیں: اپنے خرچ سے جو بچے —— اس کو خرچ کرو،

یہ جُہد المقل (نادار کی کوشش) ہے، لوگوں کو یہ حکم بھاری معلوم ہوگا، مگر اس میں ملت کا فائدہ ہے، قطرے قطرے سے تالاب بھرتا ہے، اور کنکر کنکر مل کر پہاڑ بنتا ہے۔

دونوں حکموں کے مصالح اور مضرتیں

اوپر جو دو باتیں بیان کی ہیں وہ واضح ہیں، ان کے مصالح اور مفاسد غور کرنے سے سمجھ میں آسکتے ہیں، دنیا کے فوائد اور مضرتیں اور آخرت کے فوائد اور مضرتیں واضح ہونگی:

شراب پینے سے سرور حاصل ہوتا ہے، آدمی دوسری دنیا میں پہنچ جاتا ہے، اور ہر نشہ آور چیز کا یہی حال ہے، بلکہ جتنا نشہ قوی ہوتا ہے زیادہ مگن ہو جاتا ہے، جیسے بھنگ، حشیش اور ہیروئن میں چار طبق روشن ہو جاتے ہیں، یہ دنیا کے فوائد ہیں۔

اور شراب سے عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے، آدمی کردنی ناکردنی کرنے لگتا ہے، کبھی لڑائی جھگڑا بھی ہو جاتا ہے، اور بے خبری میں بیوی کو طلاق بھی دیدیتا ہے، اور مختلف قسم کے روحانی اور جسمانی امراض الگ پیدا ہوتے ہیں، یہ دنیوی نقصانات ہیں۔

اور جوا کھیلنے میں اکثر پونجی ہاتھ سے جاتی ہے، اور کبھی حرام مال ہاتھ آجاتا ہے، اور سٹے بازوں میں دشمنی بھی ہو جاتی ہے، اور کبھی قتل کی بھی نوبت آتی ہے، یہ دنیوی نقصانات ہیں، اور آخرت میں کبیرہ گناہوں کا وبال بھگتنا ہوگا۔

اور خرچ سے تھوڑا تھوڑا بچاتا رہے تو دنیا میں ایک دن 'مالدار' ہو جائے گا، اور خرچ کرتا رہے تو آخرت میں مالداروں سے آگے نکل جائے گا، اور دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے۔

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾

ترجمہ: اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام بیان فرماتے ہیں، تاکہ تم دنیا و آخرت (کے منافع اور مضرتوں) کو سوچو! —— اس کا تعلق دونوں باتوں سے ہے۔

۳- یتیموں کا کھانا ساتھ رکھنے کی اجازت ان کی مصلحت سے ہے

احکام میں مصالح و مفاسد کے رعایت کی یہ تیسری مثال ہے، جن لوگوں کی پرورش میں یتیم بچے ہوتے تھے وہ احتیاط نہیں برتتے تھے، چنانچہ سورۃ النساء (آیت ۱۰) میں سخت وعید آئی کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں، اس پر صحابہ محتاط ہو گئے، اور ان کا کھانا پینا الگ کر دیا، اس سے یتیموں کا نقصان ہونے لگا، کبھی کھانا بچ جاتا، کبھی کم پڑ جاتا، پس سوال ہوا، اس کا جواب دیا کہ مقصود یتیم کے مال کی اصلاح ہے، اگر ان کی چیزیں الگ

رکھنے میں مصلحت ہو تو ایسا کیا جائے، اور ساتھ ملانے میں ان کا فائدہ ہو تو ملا سکتے ہیں، کیونکہ وہ تمہارے نسبی یا دینی بھائی ہیں، اور بھائیوں کا کھانا پینا ساتھ ہوتا ہے، البتہ یتیموں کی اصلاح کا پورا خیال رکھا جائے، اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں کہ کس کا مقصد افساد ہے اور کس کا اصلاح، اگر نفع رسانی منظور ہے تو ملانا جائز ہے، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھاری حکم دے سکتے تھے کہ ان کا کھانا پینا الگ رکھو، مگر وہ حکیم بھی ہیں اس لئے یتیموں کی مصلحت پیش نظر رکھ کر جواز کا حکم دیا۔

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اور لوگ آپؐ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ ــــ سوال کی تفصیل جواب سے معلوم ہوگی ــــ کہیں: ان کے کام کا سنوارنا بہتر ہے، اور اگر (ان کا کھانا پینا) اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے جانتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مشقت میں ڈالتے ــــ یعنی کھانے پکانے کا الگ انتظام ضروری قرار دیتے اور تمہیں دوبار پکانا پڑتا ــــ بیشک اللہ تعالیٰ زبردست بڑے حکمت والے ہیں۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۲۱

وَلَا تَنْكِحُوا[1]	اور نکاح مت کرو	خَيْرٌ	بہتر ہے	يُؤْمِنُوْا	ایمان لائیں وہ
الْمُشْرِكٰتِ	مشرک عورتوں سے	مِّنْ مُّشْرِكَةٍ	مشرک عورت سے	وَلَعَبْدٌ	اور البتہ غلام
حَتّٰى	یہاں تک کہ	وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ	اگرچہ بھلی لگے وہ تم کو	مُّؤْمِنٌ	مسلمان
يُؤْمِنَّ	ایمان لائیں وہ	وَلَا تُنْكِحُوا[2]	اور نکاح نہ کردو	خَيْرٌ	بہتر ہے
وَلَاَمَةٌ	اور البتہ باندی	الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں سے	مِّنْ مُّشْرِكٍ	مشرک مرد سے
مُّؤْمِنَةٌ	مسلمان	حَتّٰى	یہاں تک کہ	وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ	اگرچہ پسند آئے وہ تم کو

(۱) نَكَحَ نِكَاحًا: سے فعل نہی، صیغہ جمع مذکر حاضر: نکاح مت کرو (۲) أَنْكَحَ إِنْكَاحًا (افعال) سے فعل نہی، صیغہ جمع مذکر حاضر: نکاح مت کردو، عقد مت کردو۔

اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ	اِلَى الْجَنَّةِ	جنت کی طرف	اٰيٰتِهٖ	اپنے احکامات
يَدْعُوْنَ	بلاتے ہیں	وَالْمَغْفِرَةِ	اور بخشش کی طرف	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے
اِلَى النَّارِ	دوزخ کی طرح	بِاِذْنِهٖ (۱)	اپنی اجازت سے	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا	اور اللہ تعالیٰ بلاتے ہیں	وَيُبَيِّنُ	اور کھول کر بیان کرتے ہیں	يَتَذَكَّرُوْنَ	نصیحت پذیر ہوں

۴-مشرکوں کے نہ مردوں سے نکاح جائز ہے نہ عورتوں سے

احکام میں مصالح ومفاسد کے رعایت کی یہ چوتھی مثال ہے، مسلمان مرد کا نکاح کافر عورت سے درست نہیں۔البتہ اگر کافر عورت کتابی (یہودی یا نصرانی) ہوتو درست ہے۔اور مسلمان عورت کا نکاح کسی بھی کافر سے، خواہ وہ کتابی ہو، درست نہیں۔اور یہ احکام دو اصول پر مبنی ہیں: اول: عورت مرد کے تابع اور زیر اثر ہوتی ہے۔دوم: اہل کتاب کا کفر (دین اسلام کا انکار) مشرکین ومجوس وغیرہ کے کفر سے اخف ہے۔کیونکہ یہود ونصاری دین سماوی کے قائل ہیں۔اور شریعت کے اصول وکلیات سے واقف ہیں۔اس لئے وہ دین اسلام سے اقرب ہیں — پس مسلمان مرد کا نکاح کتابیہ سے درست ہے۔وہ شوہر کا اثر قبول کر کے مسلمان ہوجائے گی۔دوسری کافر عورتوں سے نکاح درست نہیں کہ ان کے ایمان کی امید کم ہے۔اور مسلمان عورت کا نکاح کتابی مرد سے بھی درست نہیں۔کیونکہ مرد کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے اس کے دین کے بگڑنے کا اندیشہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں نکاح وطلاق کے بیان میں فرماتے ہیں:

سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۱ میں ارشاد پاک ہے: ''اور مسلمان عورتوں کو مشرکین کے نکاح میں مت دو، یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں۔اور مسلمان غلام مشرک سے بہتر ہے، اگرچہ وہ (مشرک) تمہیں اچھا معلوم ہو۔یہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتے ہیں'' — اس آیت میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اس حکم میں ملحوظ مصلحت یہ ہے کہ مسلمانوں کی کفار کے ساتھ معیت وصحبت، اور مسلمانوں اور کافروں میں ہمدردی اور غمگساری کا رواج، خاص طور پر ازدواجی معاملات میں: دین کو خراب کرنے والا ہے۔اور اس بات کا سبب ہے کہ مسلمان کے دل میں دانستہ یا نادانستہ کفر سرایت کر جائے۔اس لئے مسلمان عورت کا نکاح کسی بھی کافر مرد سے حرام کیا گیا۔اور مسلمان مرد کا نکاح بھی کافر عورت سے حرام کیا گیا۔البتہ کتابیہ سے جائز رکھا گیا۔کیونکہ یہود ونصاری دین سماوی کے پابند ہیں۔اور شریعت کے اصول وکلیات کے بھی قائل ہیں۔دیگر کفار میں یہ بات نہیں۔اس لئے اہل کتاب

(۱) باذنہ: أي بتوفيقه تعالىٰ۔

کی صحبت و معیت ان کے علاوہ کی بہ نسبت ہلکی ہے۔ اور شوہر بیوی پر غالب اور حاکم ہوتا ہے۔ اور عورتیں شوہروں کے ہاتھوں میں محض قیدی ہوتی ہیں۔ اس لئے ایک مسلمان کتابی عورت سے نکاح کرے گا تو فساد ہلکا ہوگا۔ پس اس ہلکے ضرر کا حق یہ ہے کہ اس کی اجازت دی جائے۔ اور دوسری صورتوں کی طرح اس صورت میں سختی نہ برتی جائے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ آیت ۵ میں اس کی صراحۃً اجازت دی گئی۔

فائدہ: کتابی عورتوں سے نکاح کے سلسلہ میں اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ خاص طور پر غیر مسلم ممالک (یورپ وامریکہ) میں عورتیں مردوں کے زیرِ اثر نہیں رہیں۔ اور کتابی عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرتے ہیں وہ بھی عام طور پر دین آشنا نہیں ہوتے۔ اس لئے ان عورتوں کے اسلام قبول کرنے کے واقعات بہت ہی کم ہیں۔ عام طور پر مرد ہی عورت کا اثر قبول کر لیتا ہے۔ اور بچے تو ماں کے زیرِ اثر ہی پروان چڑھتے ہیں۔ اس لئے اب یہ نکاح باعث فتنہ ہے۔ پس اس سے احتراز ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے ہلکے فتنہ کی وجہ سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو، جب انھوں نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کیا: تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ اس کو فوراً چھوڑ دو۔ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یہ نکاح حرام ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ میں حرام نہیں کہتا ولکنی **أخاف أن یَغاظوا المؤمنات منھن**: لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ ان کی وجہ سے مسلمان عورتوں کو سخت غصہ آئے گا۔ اور ایک روایت میں ہے: **فإنی أخاف أن یقتدیَ بك المسلمون، فیختاروا نساءَ أھل الذمة لجمالھن، وکفی بذلك فتنة لنساء المسلمات**: مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمان آپ کی پیروی کریں گے۔ اور ذمیوں کی عورتوں کو ان کی خوبصورتی کی وجہ سے ترجیح دیں گے۔ اور یہ بات مسلمان عورتوں کے فتنہ کے لئے کافی ہے یعنی لوگوں کی توجہ مسلمان عورتوں سے ہٹ جائے گی۔

(ازالۃ الخفا ۲: ۱۱۱، رسالہ مذہب عمرؓ)

آیتِ پاک: مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں، اور مسلمان باندی یقیناً مشرک (آزاد) عورت سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تم کو پسند ہو، اور مشرک مرد سے (مسلمان عورت کا) نکاح مت کرو، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں، اور مسلمان غلام یقیناً مشرک مرد سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تم کو پسند آئے، وہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے احکام لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ نصیحت پذیر ہوں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ ھُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ

اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِیۡنَ ۞ نِسَآؤُکُمۡ حَرۡثٌ لَّکُمۡ فَاۡتُوۡا حَرۡثَکُمۡ اَنّٰی شِئۡتُمۡ ۫ وَقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّکُمۡ مُّلٰقُوۡهُ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۞

وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ	اورلوگ آپ سے	تَطَهَّرۡنَ (۴)	وہ خوب پاک ہوجائیں	فَاۡتُوۡا	پس آؤتم
	پوچھتے ہیں	فَاۡتُوۡهُنَّ	تو آؤان کے پاس	حَرۡثَکُمۡ	اپنے کھیت میں
عَنِ الۡمَحِیۡضِ (۱)	حیض کے متعلق	مِنۡ حَیۡثُ	جہاں سے	اَنّٰی شِئۡتُمۡ (۶)	جس طرح چاہو
قُلۡ	کہیں	اَمَرَکُمُ (۵)	حکم دیا تم کو	وَقَدِّمُوۡا	اورآگے بھیجو
هُوَ اَذًی (۲)	وہ گندگی ہے	اللّٰہُ	اللہ نے	لِاَنۡفُسِکُمۡ	اپنے لئے
فَاعۡتَزِلُوا	پس جدارہو	اِنَّ اللّٰہَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَاتَّقُوا	اورڈرو
النِّسَآءَ	عورتوں سے	یُحِبُّ	محبت کرتے ہیں	اللّٰہَ	اللہ سے
فِی الۡمَحِیۡضِ (۱)	حیض میں	التَّوَّابِیۡنَ	توبہ کرنے والوں سے	وَاعۡلَمُوۡۤا	اورجان لو
وَلَا تَقۡرَبُوۡهُنَّ	اورنہ نزدیک ہوؤان سے	وَیُحِبُّ	اورمحبت کرتے ہیں	اَنَّکُمۡ	کہ تم
حَتّٰی	یہاں تک کہ	الۡمُتَطَهِّرِیۡنَ	خوب پاک رہنے والوں سے	مُّلٰقُوۡهُ	اس سے ملنے والے ہو
یَطۡهُرۡنَ (۳)	پاک ہوجائیں وہ	نِسَآؤُکُمۡ	تمہاری عورتیں	وَبَشِّرِ	اورخوش خبری دیں
فَاِذَا	پس جب	حَرۡثٌ لَّکُمۡ	تمہاری کھیتی ہیں	الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	ماننے والوں کو

۵-حالتِ حیض میں جماع کی ممانعت مضرت اورگندگی کی وجہ سے ہے

شانِ نزول: حالتِ حیض میں بیوی سے معاملہ کرنے میں امتیں مختلف تھیں، یہوداورمجوس حالتِ حیض میں عورت کے ساتھ کھانے اورایک گھر میں رہنے کوبھی جائزنہ سمجھتے تھے،اورنصاریٰ اورمشرکین مجامعت سے بھی پرہیزنہ کرتے تھے،

(۱) مَحِیض: اسم بمعنی حیض ہے، اس میں دیگر احتمالات بھی ہیں (دیکھیں تحفۃ القاری ۲:۷۷) (۲) أذی کے اصل معنی ہیں: تکلیف دہ،ضرررساں، گندگی تکلیف دہ ہوتی ہے، اس لئے گندگی ترجمہ کرتے ہیں (۳) طَهُر (ک) طُهرًا: پاک صاف ہونا (۴) تَطَهَّرَ: میں مبالغہ ہے: خوب پاک صاف ہونا (۵) یہ حکم اگلی آیت میں ہے (۶) أنی: بمعنی کیف ہے بمعنی أین نہیں۔

چنانچہ نبی ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور بتایا کہ مجامعت تو اس حالت میں حرام ہے، اور اس کے ساتھ کھانا پینا، رہنا سہنا درست ہے، یہود و نصاریٰ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں، دونوں کا طریقہ غلط ہے۔

اور حالتِ حیض میں صحبت کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس وقت بیوی سے ملنا ضرر رساں اور گندگی میں لت پت ہونا ہے، اس کی مضرت پر اطباء کا اتفاق ہے اور نجاست سے تلطخ (لت پت ہونا) شیاطین سے قریب کرتا ہے۔ اور حرمت کی ان وجہوں کی طرف لفظ أذی میں اشارہ ہے، أذی: کے دو معنی ہیں: اصلی اور کنائی، اصلی معنی ہیں: ضرر رساں، اور کنائی معنی ہیں: گندگی (قرطبی)

اور حیض میں بیوی سے دور رہنے اور نزدیک نہ ہونے کا مطلب ہے مجامعت نہ کرنا، دیگر امور جائز ہیں، اور کہاں تک نزدیک جاسکتے ہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام احمد اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک صرف فرج سے بچنا ضروری ہے، باقی بدن کو ہاتھ وغیرہ لگاسکتے ہیں، کپڑے کے اوپر سے بھی اور بغیر کپڑے کے بھی، اور جمہور کے نزدیک ناف اور گھٹنے کے درمیانی بدن سے بچنا ضروری ہے، اس حصہ کو کپڑے کی آڑ کے بغیر ہاتھ وغیرہ لگانا جائز نہیں، باقی بدن سے بدن لگاسکتے ہیں (تحفۃ القاری ۸۶:۲)

اور پاک ہونے کا مطلب ہے: حیض کا ختم ہوجانا، اور اس کی دو صورتیں ہیں:

۱- مدتِ حیض (دس دن) سے کم میں عادت پر پاک ہو تو جب تک وہ نہانہ لیوے صحبت جائز نہیں، اگر غسل نہ کرے تو جب تک ایک نماز کا وقت نہ گذر جائے یعنی جب تک ایک نماز کی قضا اس پر واجب نہ ہوجائے: صحبت کرنا درست نہیں، اس کے بعد جائز ہے (بہشتی زیور)

۲- حیض کی پوری مدت پر پاک ہو تو اسی وقت صحبت کرنا درست ہے، چاہے نہائی ہو یا نہ نہائی ہو۔

اور جہاں سے اللہ نے حکم دیا: کا بیان اگلے عنوان کے تحت آرہا ہے، اور آخر میں فرمایا کہ اگر کسی سے گناہ ہوجائے، حالتِ حیض میں صحبت کر بیٹھے تو توبہ کرے، اللہ کو توبہ کرنے والے بندے بہت پسند ہیں، اور دوسری صورت میں بھی جبکہ خون مدتِ حیض پر بند ہوا ہو صحبت کرنے میں جلدی نہ کرے، جب عورت نہالے تب صحبت کرے، اللہ تعالیٰ کو وہ بندے پسند ہیں جو خوب پاک رہتے ہیں، اسی لئے ہمیشہ باوضوء رہنا مستحب ہے۔

آیت پاک: اور لوگ آپؐ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں؟ آپؐ بتلائیں: وہ (حیض) گندگی ہے، پس تم حیض میں عورتوں سے علاحدہ رہو، اور ان کے نزدیک نہ جاؤ، جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں، پس جب وہ خوب پاک ہوجائیں ـــــ یعنی نہالیں ـــــ تو ان کے پاس آؤ جہاں سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں

سے محبت رکھتے ہیں، اور پاک صاف رہنے والوں سے (بھی) محبت رکھتے ہیں۔

عورتیں کھیتی ہیں، پس کھیت میں جہاں سے چاہے آئے

یہود: عورت کی پشت کی طرف سے اگلی راہ میں وطی کرنے کو ممنوع کہتے تھے، وہ کہتے تھے کہ اس سے بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، ان کا یہ خیال غلط تھا، قرآن نے بتایا: عورتیں بہ منزلہ کھیتی ہیں، نطفہ بیج ہے اور اولاد پیداوار ہے، پس آدمی کو اختیار ہے: آگے سے یا کروٹ سے یا پشت پر پڑ کر یا بیٹھ کر جس طرح چاہے مجامعت کرے، مگر یہ ضروری ہے کہ صحبت تخم ریزی کی جگہ میں ہو، جہاں سے پیداوار کی امید ہے، اغلام حرام ہے۔

اور بیوی کو 'کھیتی' کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ صحبت صرف لذت کے لئے نہیں ہونی چاہئے، طلبِ اولاد مقصود ہونی چاہئے، کاشتکار: کھیت میں بیج پیداوار کے لئے ڈالتا ہے۔

﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں، پس جدھر سے چاہو اپنے کھیت میں آؤ، اور اپنے لئے (اعمال) آگے بھیجو ــــــ یعنی رات بھر اس میں مشغول مت رہو ــــــ اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ تمہارا اللہ سے پالا پڑنے والا ہے، اور ماننے والوں کو خوش خبری سنادیں ــــــ یعنی ناجائز طریقہ پر بیوی سے فائدہ مت اٹھاؤ، کل حساب دینا ہوگا، اور جو تعمیلِ حکم کرے گا وہ مزے میں رہے گا۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَاۗءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

وَلَا تَجْعَلُوا	اور مت بناؤ تم	اللّٰهَ	اللہ (کے نام) کو	عُرْضَةً [1]	نشانہ (بہانہ)

(۱) عُرْضة: تیراندازی کا نشانہ، مرادی معنی: بہانہ، حیلہ، ٹال مٹول

لِاَيْمَانِكُمْ	اپنی قسموں کے لئے	وَلٰكِنْ	لیکن	مِنْ نِّسَآئِهِمْ	اپنی بیویوں سے
اَنْ تَبَرُّوْا (۱)	یعنی حسن سلوک کرنے کیلئے	يُّؤَاخِذُكُمْ	داروگیر کریں گے	تَرَبُّصُ	انتظار کرنا ہے
وَتَتَّقُوْا	اور اللہ سے ڈرنے کیلئے		تمہاری	اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ	چار ماہ
وَتُصْلِحُوْا	اور اصلاح کرنے کیلئے	بِمَا	ان قسموں کی وجہ سے جو	فَاِنْ فَآءُوْ (۳)	پھر اگر لوٹ جائیں وہ
بَيْنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان	كَسَبَتْ	کمائی ہیں	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو اللہ تعالیٰ یقیناً
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	قُلُوْبُكُمْ	تمہارے دلوں نے	غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	غفور ورحیم ہیں
سَمِيْعٌ	ہر بات سننے والے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَاِنْ عَزَمُوا	اور اگر پختہ ارادہ کرلیا
عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے ہیں	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے		انھوں نے
لَا يُؤَاخِذُكُمُ	نہیں داروگیر کریں گے تمہاری	حَلِيْمٌ	بڑے بردبار ہیں	الطَّلَاقَ	طلاق کا
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	لِلَّذِيْنَ (۲)	ان لوگوں کے لئے جو	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو اللہ تعالیٰ یقیناً
بِاللَّغْوِ	تمہاری بیہودہ قسموں	يُؤْلُوْنَ	صحبت نہ کرنے کی	سَمِيْعٌ	سب سننے والے
فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ	میں		قسمیں کھائیں	عَلِيْمٌ	سب جاننے والے ہیں

ربط: ابھی گذشتہ سلسلۂ بیان چل رہا ہے کہ احکام: مصلحت پر مبنی ہیں، ان آیتوں میں تین باتیں ہیں:

۶- اللہ کی قسم کو نیک کام نہ کرنے کا بہانہ مت بناؤ

بعض لوگ کوئی اچھا کام نہ کرنے کی قسم کھالیتے ہیں، مثلاً: ماں باپ یا بھائی بہن سے نہیں بولے گا، یا مطلق غریب کو یا کسی خاص غریب کو نہیں دے گا، یا لوگوں کے کسی نزاع میں مصالحت نہیں کرائے گا، ایسی قسموں سے اللہ کے نام کو نیک کام نہ کرنے کا بہانہ بناتا ہے، کہتا ہے: چونکہ میں نے قسم کھائی ہے اس لئے میں یہ کام نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایسا ہرگز مت کرو، اور حدیث میں ہے کہ اگر کسی نے ایسی قسم کھائی تو اس کو توڑ دے اور کفارہ دیدے۔

﴿ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾

(۱) أن تبروا: أن مصدریہ، تینوں فعلوں کو بہ تاویل مصدر کرے گا، اور ایمانکم پر معطوف ہے، اور یہ عطف بیان ہے، جو متبوع کی وضاحت کرتا ہے، اس میں حرف عطف نہیں ہوتا، جیسے قال أبو حفصٍ عُمَرُ، عطف بیان اعلام میں بہت ہوتا ہے، اور غیر اعلام میں بھی ہوتا ہے (روح) (۲) للذین: خبر مقدم ہے اور تربص: مبتدا موخر (۳) فَاءَ یفیء فیئًا: لوٹنا، جیسے فَاءَ الفیءُ: سایہ لوٹا۔

ترجمہ: اور تم اللہ کے نام سے کھائی ہوئی اپنی قسموں کو بہانہ مت بناؤ، حسنِ سلوک کرنے، اور اللہ سے ڈرنے، اور لوگوں میں اصلاح کرنے کے لئے، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں —— یعنی اگر کوئی ایسی قسم کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سنتے ہیں اور اس کی نیت کو جانتے ہیں کہ اس کا مقصد نیک کام نہ کرنے کا بہانہ بنانا ہے، انسان کی کوئی بات اور نیت اللہ سے مخفی نہیں، لہٰذا ایسی قسم سے ہٹ جاؤ اور کفارہ دیدو۔

۷۔یمینِ لغو میں کوئی پکڑ نہیں، مگر یمینِ غموس میں پکڑ ہے

یمین کی تین قسمیں ہیں:

۱۔یمینِ لغو (بیہودہ قسم) اس کی دو صورتیں ہیں: (الف) بول چال میں قسم کے ارادے کے بغیر: ہاں بخدا! اور نہیں بخدا! کہنا (ب) کسی گذشتہ بات پر اپنی معلومات کے مطابق قسم کھانا، جبکہ واقع میں ایسا نہ ہو، جیسے کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ مہتمم صاحب آ گئے، اس پر اعتماد کر کے قسم کھالی، پھر ظاہر ہوا کہ نہیں آئے تو یہ بھی یمینِ لغو ہے، اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ، مگر لغو (بیہودہ) ہے، اس لئے ایسی قسموں سے بھی بچنا چاہئے —— سورۃ المائدہ (آیت ۸۹) میں اس کے بالمقابل یمینِ منعقدہ آئی ہے: ﴿ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ﴾: لیکن پکڑیں گے اس قسم پر جس کو تم نے مضبوط باندھا ہے، پھر کفارۂ یمین کا ذکر ہے۔

۲۔یمینِ منعقدہ: قسم کھا کر آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا، جیسے بخدا! کل وہ روزہ رکھے گا یا نہیں رکھے گا، اس میں کفارہ ہے، اگر قسم توڑ دے گا تو کفارہ واجب ہوگا، اس کا ذکر سورۃ المائدہ (آیت ۸۹) میں ہے۔

۳۔یمینِ غموس: گذشتہ بات پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا، یہ کبیرہ گناہ ہے، اس کا ذکر یہاں ہے، یہ بھی یمینِ لغو کی مقابل قسم ہے، احناف کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں، اس لئے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کفارہ کا ذکر نہیں کیا، یہ سخت گناہ ہے، توبہ لازم ہے۔

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۲۲۵ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری بیہودہ قسموں میں تمہاری (آخرت میں) داروگیر نہیں کریں گے، لیکن ان قسموں پر داروگیر کریں گے جو تمہارے دلوں نے کمائی ہیں —— یعنی جان بوجھ کر تم نے جھوٹی قسم کھائی ہے —— اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں، بڑے بردبار ہیں —— یعنی توبہ کر لوگے تو آخرت میں بخش دیں گے، اور بردبار ہیں اس لئے دنیا میں کوئی سزا نہیں دیں گے۔

۸- بیوی سے چار ماہ یا زیادہ صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا

ایلاء: باب افعال کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: قسم کھانا۔ اور ایلاء کی دو قسمیں ہیں: ایلاء لغوی اور ایلاء شرعی۔ چار مہینے یا اس سے زیادہ بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا ایلاء شرعی ہے اور چار مہینے سے کم کسی بھی مدت تک بیوی سے علاحدہ رہنے کی قسم کھانا ایلاء لغوی ہے۔

اور ایلاء لغوی کا حکم یہ ہے کہ بیوی سے علحدہ رہنے کی جتنی مدت مقرر کی ہے وہ مدت پوری ہونے سے پہلے اگر بیوی سے صحبت کرلی تو قسم کا کفارہ واجب ہوگا، اور اگر وہ مدت پوری کرلی پھر صحبت کی تو کچھ واجب نہیں۔ اور ایلاء شرعی میں چار مہینے سے پہلے قسم توڑنا اور بیوی سے صحبت کرنا ضروری ہے اور اس صورت میں قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔ اور اگر چار مہینے تک بیوی سے علحدہ رہا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ایک طلاق بائنہ خود بخود واقع ہوجائے گی۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت قاضی کے پاس جائے گی، قاضی شوہر کو بلائے گا اور حکم دے گا کہ یا تو قسم توڑ دو یعنی بیوی سے صحبت کرو اور کفارہ ادا کرو، ورنہ اپنی بیوی کو طلاق دو، یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق خود بخود واقع نہیں ہوگی بلکہ قاضی طلاق دلوائے گا۔

﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: ان لوگوں کے لئے جو اپنی بیویوں سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھاتے ہیں: چار ماہ انتظار کرنا ہے، پھر اگر وہ (بیوی کی طرف) لوٹیں تو اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں، اور اگر انھوں نے طلاق کا پختہ ارادہ کرلیا تو اللہ تعالیٰ یقیناً سب باتیں سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

وَالْمُطَلَّقٰتُ	اور مطلقہ عورتیں	يَتَرَبَّصْنَ	انتظار میں رکھیں	بِاَنْفُسِهِنَّ [1]	خود کو

(۱) بأنفسهن: میں باء زائد ہے، اور أنفسهن: يتربصن کی ضمیر کی تاکید ہے (جمل)

ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ	تین حیض	بِاللّٰهِ	اللہ پر	مِثْلُ الَّذِيْ	اس کے مانند ہے جو
وَلَا يَحِلُّ	اور نہیں جائز ہے	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن پر	عَلَيْهِنَّ	ان کے ذمہ ہے
لَهُنَّ	ان کے لئے	وَبُعُوْلَتُهُنَّ	اور ان کے خاوند	بِالْمَعْرُوْفِ	دستور کے موافق
اَنْ يَّكْتُمْنَ	کہ چھپائیں	اَحَقُّ	زیادہ حقدار ہیں	وَلِلرِّجَالِ	اور مردوں کو
مَا خَلَقَ	جو کچھ پیدا کیا ہے	بِرَدِّهِنَّ	ان کو پھیر لینے کے	عَلَيْهِنَّ	ان پر
اللّٰهُ	اللہ نے	فِيْ ذٰلِكَ	اُس (عدت) میں	دَرَجَةٌ	ایک فضیلت ہے
فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ	ان کی بچہ دانیوں میں	اِنْ اَرَادُوْٓا	اگر چاہیں وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اِنْ كُنَّ	اگر ہوں وہ	اِصْلَاحًا	اصلاح (سنوارنا)	عَزِيْزٌ	زبردست
يُؤْمِنَّ	ایمان رکھتیں	وَلَهُنَّ (۱)	اور ان عورتوں کے لئے	حَكِيْمٌ	حکمت والے ہیں

۹–طلاق کے بعد عورت فوراً دوسرا نکاح نہیں کرسکتی، عدت ضروری ہے

ربط: گذشتہ آیت میں ایلاء شرعی کا حکم تھا، اگر شوہر نے ایلاء کر کے طلاق کا پختہ ارادہ کرلیا، اور چار ماہ تک بیوی سے صحبت نہ کی تو چار ماہ گذرتے ہی ایک طلاق بائنہ پڑجائے گی، اب رجوع تو نہیں کرسکتا، مگر نئے مہر سے نیا نکاح کرسکتا ہے، اور طلاق کے بعد فوراً عورت دوسرا نکاح نہیں کرسکتی، عدت لازم ہے، اس عرصہ میں شوہر کے لئے سوچنے کا موقع ہوگا، اگر رکھنے کی رائے ہے تو عدت میں یا عدت کے بعد نیا نکاح کرلے، اس طرح طلاق کے تذکرہ کے بعد عدت کا بیان شروع ہوگیا، اس آیت میں عدت کے دو فائدے بیان کئے ہیں، پھر طلاقِ رجعی کی عدت میں شوہر کو جو ایک طرفہ رجوع کا حق ہے اس پر ایک اشکال کا جواب ہے۔

عدت دو مقصد سے ہے: استبرائے رحم کے لئے اور اس لئے کہ شوہر رجوع کرسکے

جب عورت کو طلاق ہوجائے تو وہ فوراً دوسرا نکاح نہیں کرسکتی، عدت ضروری ہے، تین ماہواریوں تک عورت دوسرے نکاح سے رکی رہے، عام طور پر تین ماہواریاں تین ماہ میں آتی ہے، اتنی مدت دو مصلحتوں سے رکھی گئی ہے:

پہلی مصلحت: عدت یہ بات جاننے کے لئے ہے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں؟ اور یہ جاننا اس لئے ضروری ہے کہ

(۱) لام: انتفاع کے لئے اور علی ضرر کے لئے آتا ہے یعنی عورتوں کے لئے بھی حقوق ہیں اور ان پر ذمہ داریاں بھی ہیں، اور یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے: مردوں کے لئے بھی حقوق ہیں اور ان پر بھی ذمہ داریاں ہیں اور حذف کا قرینہ: ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ ہے یعنی مردوں کا عورتوں سے ایک درجہ بڑھا ہوا ہے۔

انساب میں اختلاط نہ ہو، کسی کا بچہ کسی کی طرف منسوب نہ ہوجائے، نسب نوعِ انسانی کی خصوصیت ہے، اسی سے انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے، اور اسی لئے عورت پر لازم ہے کہ اپنی بچہ دانی کا حال بیان کرے، وہ حاملہ ہے یا حائلہ (غیر حاملہ) —— اور استبراء کے لئے ایک حیض بھی کافی تھا، مگر دوسری مصلحت سے لمبی مدت ضروری تھی، تاکہ شوہر سوچ کر نقصان کی تلافی کر سکے —— اور تین حیض سے زیادہ مدت لازم کرنے میں عورت کا ضرر ہے۔

دوسری مصلحت: اگر شوہر طلاق پر پشیمان ہو تو طلاقِ رجعی کی عدت میں یک طرفہ رجوع کر سکتا ہے، عورت راضی ہو یا نہ ہو شوہر کو رجوع کا حق ہے۔

سوال: نکاح دوطرفہ رضامندی سے منعقد ہوتا ہے، اور رجوع بھی ایک طرح کا نکاح ہے، پھر اس میں عورت کی رضامندی کا لحاظ کیوں نہیں کیا گیا؟ تنہا شوہر کو رجوع کا حق کیوں دیا؟

جواب: پہلے دو باتیں سمجھ لیں:

۱- اسلام میں بھی مرد وزن میں مساوات ہے، مگر اسلامی مساوات دوسروں کی مساوات سے مختلف ہے، دوسروں کی مساوات صرف 'حقوق' کا نام ہے، اور اسلامی مساوات حقوق اور ذمہ داریوں کے تبادلہ کا نام ہے، مثلاً: سربراہِ مملکت کے رعیت پر کچھ حقوق ہیں تو اس کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں، پھر حقوق میں اس کا ایک درجہ بڑھا ہوا ہے، اسی طرح ماں باپ اور اولاد، استاذ پیر اور متعلّم ومرید، ہر ایک کے حقوق بھی ہیں اور ذمہ داریاں بھی، اور ماں باپ اور استاذ وپیر کا ایک درجہ بڑھا ہوا ہے۔

اسی طرح عورتوں کے لئے کچھ حقوق ہیں اور ان کی کچھ ذمہ داریاں ہیں، اور مردوں کے لئے بھی کچھ حقوق ہیں اور کچھ ذمہ داریاں ہیں، اور مردوں کا ایک درجہ بڑھا ہوا ہے، یہ زبردست اللہ کی حکمت کی تقسیم ہے، اور جو عورتوں کے حقوق ہیں وہ مردوں کی ذمہ داریاں ہیں، اور جو عورتوں کی ذمہ داریاں ہیں وہ مردوں کے حقوق ہیں، مثلاً: نان ونفقہ اور اخلاقی برتاؤ عورتوں کا حق ہے پس یہ شوہروں کی ذمہ داری ہے، اور تعظیم شوہروں کا حق ہے پس یہ عورتوں کی ذمہ داری ہے۔

۲- خاندانی زندگی کو پروان چڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ مرد وزن میں سے کوئی ایک بالا دست اور دوسرا زیر دست ہو، بالا دست کہے اور زیر دست مانے تو گھر جنت کا نمونہ بنے گا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے مرد کو بالا دست بنایا ہے اور عورتوں کو زیر دست، اس پر اعتراض کرنا اللہ کی حکمت پر اعتراض کرنا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا حق صرف مرد کو دیا، کیونکہ یہ حق (رائٹ) نہیں ہے، بلکہ ایمرجنسی ایگزیٹ (الباب الطّوارئ) ہے، اور آگ لگنے پر بھاگنے کا راستہ اُدھر ہی بنایا جاتا ہے جدھر ہموار جگہ ہوتی ہے، عورت کو طلاق کا اختیار دیا

جائے گا تو وہ جذباتی ہوتی ہے، روز گھر ٹوٹیں گے، ہاں اس کی بھی ضرورت ہوتی ہے، پس اس کا اختیار قاضی کے ہاتھ میں دیا ہے، وہ گھر نہ نباہ سکتی ہو تو قاضی کے پاس جائے، وہ اس کا مسئلہ حل کرے گا۔

اسی طرح رجعت کا اختیار بھی صرف شوہر کو دیا ہے، کیونکہ یہ نیا نکاح نہیں ہے، سابقہ نکاح کی بحالی ہے، اور سابقہ نکاح میں عورت کی رضامندی شامل تھی۔

آیتِ کریمہ: اور مطلقہ عورتیں خود کو انتظار میں رکھیں تین ماہواریوں تک، اور ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ چھپائیں جو کچھ اللہ نے ان کی بچہ دانیوں میں پیدا کیا ہے (حمل اور حیض سے) اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتی ہیں (یہ عدت کی پہلی مصلحت کا بیان ہے) اور ان کے شوہر ان کو لوٹا لینے کا زیادہ حق رکھتے ہیں اس (عدت) میں، اگر وہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں (یہ عدت کی دوسری مصلحت کا بیان ہے) اور ان عورتوں کے لئے حقوق ہیں جیسے ان پر ذمہ داریاں ہیں (اسی طرح مردوں کے لئے بھی حقوق ہیں اور ان پر بھی ذمہ داریاں ہیں) دستور کے موافق (اس کی تفصیل احادیث میں ہے) اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ زبردست بڑے حکمت والے ہیں (یہ اعتراض کا جواب ہے)

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (۱)	طلاق دو بار ہے	فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ	پھر روکنا ہے بھلے طریقے سے	اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ	یا چھوڑنا ہے حسنِ سلوک کے ساتھ

(۱) مرتان: أی مرة بعد مرة: دوبار یعنی ایک ساتھ نہیں۔

وَلَا يَحِلُّ	اور جائز نہیں	عَلَيْهِمَا	دونوں پر	حَتّٰى تَنْكِحَ	یہاں تک کہ نکاح کرے وہ
لَكُمْ	تمہارے لئے	فِيْمَا	اس میں جو	زَوْجًا	کسی شوہر پر
اَنْ تَاْخُذُوْا	کہ لو تم	افْتَدَتْ	جان چھڑائے عورت	غَيْرَهٗ	پہلے شوہر کے علاوہ
مِمَّآ	اس میں سے جو	بِهٖ	اس کے ذریعہ	فَاِنْ طَلَّقَهَا	پھر اگر طلاق دے وہ اس کو
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ	دیا ہے تم نے ان کو	تِلْكَ	یہ	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں
شَيْـًٔا	کچھ بھی	حُدُوْدُ اللّٰهِ	اللہ کے احکام ہیں	عَلَيْهِمَآ	دونوں پر
اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	فَلَا تَعْتَدُوْهَا	پس نہ آگے بڑھو ان سے	اَنْ يَّتَرَاجَعَآ (۳)	کہ باہم مل جائیں
يَّخَافَآ (۱)	ڈریں دونوں	وَمَنْ يَّتَعَدَّ	اور جو آگے بڑھے گا		(نکاح کرلیں)
اَلَّا	کہ نہیں	حُدُوْدَ اللّٰهِ	اللہ کے ضابطوں سے	اِنْ ظَنَّآ	اگر خیال ہو دونوں کا
يُقِيْمَا	قائم رکھیں گے وہ	فَاُولٰٓئِكَ	تو وہی لوگ	اَنْ يُّقِيْمَا	کہ قائم کریں گے
حُدُوْدَ اللّٰهِ	اللہ کے حکموں کو	هُمُ الظّٰلِمُوْنَ	اپنا نقصان کرنے والے ہیں	حُدُوْدَ اللّٰهِ	اللہ کے ضابطوں کو
فَاِنْ خِفْتُمْ	پس اگر ڈرو تم (اے حکمو)	فَاِنْ طَلَّقَهَا	پھر اگر (تیسری) طلاق	وَتِلْكَ	اور یہ
اَلَّا يُقِيْمَا	کہ نہیں قائم رکھیں گے		دی شوہر نے عورت کو	حُدُوْدُ اللّٰهِ	اللہ کے احکام ہیں
	دونوں	فَلَا تَحِلُّ	تو حلال نہیں عورت	يُبَيِّنُهَا	واضح کرتے ہیں ان کو
حُدُوْدَ اللّٰهِ	اللہ کے ضابطوں کو	لَهٗ	اس شوہر کے لئے	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں	مِنْۢ بَعْدُ (۲)	اس کے بعد	يَّعْلَمُوْنَ	جو جانتے ہیں

ربط اور خلاصہ: گذشتہ آیت میں شوہر کو عدت میں رجعت کا اختیار دیا تھا، اب یہ بیان ہے کہ رجعت کرنے کا اختیار صرف ایک صورت میں ہے اور دو صورتوں میں رجعت نہیں ہوسکتی، جب ایک یا دو رجعی طلاقیں دی ہوں تو عدت میں رجعت جائز ہے، اور اگر مال کے عوض طلاق دی ہے یا تین طلاقیں دی ہیں تو رجعت جائز نہیں، البتہ خلع (طلاق علی المال) میں جدید نکاح ہوسکتا ہے، اور تین طلاقوں میں حلالہ ضروری ہے۔

اوران آیات میں پانچ باتیں ہیں:

---

(۱) یخافا: یعنی زوجین، اور خفتم: یعنی حکمین (۲) من بعد: مضاف الیہ محذوف منوی ہے، اس لئے مبنی ہے أی: بعد الثالثة۔ (۳) تراجع (تفاعل): ایک دوسرے کی طرف لوٹنا، دوبارہ نکاح کرلینا۔

۱- رجعت کا حق دو رجعی طلاقوں تک ہے، بائنہ طلاق میں رجعت نہیں ہوسکتی، البتہ نیا نکاح ہوسکتا ہے۔
۲- اگر شوہر: عورت کو چھوڑنا چاہتا ہے، عورت نہیں چاہتی، وہ نباہ کرنا چاہتی ہے تو بوقتِ طلاق سارا مہر یا اس کا کوئی جزء واپس لینا جائز نہیں۔
۳- اگر کشاکشی دنوں جانب سے ہے، نباہ دونوں کے لئے مشکل ہے تو طلاق کا عوض لے سکتے ہیں، مگر مہر سے زیادہ کا مطالبہ درست نہیں۔
۴- تیسری طلاق ہرگز نہیں دینی چاہئے، اس سے معاملہ تنگ ہوجائے گا، عورت مغلظہ ہوجائے گی اور حلالہ ضروری ہوگا۔
۵- حلالہ کے بعد پہلے شوہر سے نکاح درست ہے۔

۱۰- رجعت کا حق دو رجعی طلاقوں تک ہے

گذشتہ آیت میں شوہر کو رجعت کا حق دیا ہے، یہ حق دو رجعی طلاقوں تک ہے، طلاق دینے کا وقت: ایسا طہر ہے جس میں صحبت نہ کی ہو، اور بہتر یہ ہے کہ صریح (واضح) لفظ سے ایک طلاق دے، پھر عدت گذرنے دے، عدت کے بعد عورت نکاح سے نکل جائے گی، اور دوسرا نکاح کرسکے گی۔ اور اگر چاہے تو اگلے طہر میں دوسری صریح طلاق دے، تیسری طلاق ہرگز نہ دے، ورنہ معاملہ تنگ ہوجائے گا۔

غرض: شوہر کا رجعت کا حق دو رجعی طلاقوں تک ہی ہے، پھر اگر رجعت کرے تو نباہ کرنے کی نیت سے کرے، عورت کو پریشان کرنا یا عدت کو لمبا کرنا مقصود نہ ہو، بھلے طریقہ کا یہی مطلب ہے، اور اگر نہ رکھنی ہو تو عدت پوری ہونے دے، پھر حسنِ سلوک کر کے رخصت کرے، آگے (آیت ۲۴۱) میں آرہا ہے کہ طلاق والیوں کو جوڑا دینا مستحب ہے، اور مطلقہ عورت پر لازم ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں عدت گذارے، وہاں سے شوہر خوش کر کے رخصت کرے۔

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ ﴾

ترجمہ: طلاق دوبار ہے، پھر بھلے طریقہ سے روک لینا ہے ــــ یعنی رجعت کرنا ہے ــــ یا حسن سلوک کر کے رخصت کرنا ہے۔

۱۱- طلاق کے وقت مہر واپس لینا جائز نہیں

اگر شوہر چھوڑنا چاہتا ہے، عورت کی طرف سے طلاق کی کوئی چاہت نہیں تو بوقتِ طلاق سارا مہر یا اس کا کوئی حصہ واپس لینا جائز نہیں، کیونکہ شوہر: عورت سے استفادہ کرچکا ہے، مہر: اس کا عوض بن گیا ہے، اور عورت کا کوئی قصور نہیں، شوہر کی نظر پھر گئی ہے، اس لئے سارا مہر یا اس کا کوئی حصہ واپس لینا جائز نہیں۔

﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا ﴾

ترجمہ: اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم اس (مہر) میں سے کچھ بھی (واپس) لو جو تم نے ان کو دیا ہے —— اس میں اشارہ ہے کہ مہر نکاح میں کیش (نقد) ہونا چاہئے، اور ادھار ہو تو بوقتِ طلاق پورا مہر ادا کیا جائے، کچھ روکا نہ جائے۔

۱۲–طلاق علی المال (خلع) کی صورت میں سارا مہر یا کچھ مہر واپس لینا جائز ہے

اگر عدم موافقت جانبین سے ہو، نہ شوہر بیوی کو چاہتا ہے، نہ بیوی شوہر کو، تو سورۃ النساء (آیات ۳۴و۳۵) میں ترتیب وار چار حل آئے ہیں، فہمائش کرنا، خواب گاہ میں الگ کرنا، تأدیب کرنا اور پنچایت بٹھانا، اگر ان سے معاملہ قابو میں نہ آئے، اور میاں بیوی کو اندیشہ ہو کہ وہ ساتھ رہ کر ایک دوسرے کے حقوق ادا نہیں کرسکیں گے، اور جو رشتہ دار حکم (ثالث) بن کر بیچ میں پڑے ہیں ان کو بھی ڈر ہو کہ اب دونوں کا نباہ مشکل ہے، تو ایسی صورت میں شوہر سارا مہر یا اس کا کچھ حصہ واپس لے سکتا ہے، کیونکہ اس صورت میں قصور عورت کا بھی ہے۔

پھر آیت کے آخر میں نصیحت کی ہے کہ یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں، ان کو بجالانا چاہئے، اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا، اللہ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

ملحوظہ: طلاق علی المال اور خلع ایک ہیں، اگر معاملہ نمٹاتے وقت لفظ طلاق استعمال کیا ہے تو وہ طلاق علی المال ہے، اور لفظ خلع استعمال کیا ہے تو وہ خلع ہے، اگر یوں کہا کہ میں تجھے مہر کے عوض طلاق دیتا ہوں اور عورت نے قبول کیا تو ایک طلاق بائنہ پڑے گی، اور اگر کہا کہ میں مہر کے عوض خلع دیتا ہوں اور عورت نے قبول کیا تو بھی ایک طلاقِ بائنہ پڑے گی، اب رجعت تو نہیں ہوسکتی، مگر عدت میں یا عدت کے بعد نیا نکاح ہوسکتا ہے۔

﴿ اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِـيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾

ترجمہ: (مہر میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں) لیکن اگر دونوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کے حکموں کی پابندی نہیں کرسکیں گے —— یعنی ایک دوسرے کے حقوق ادا نہیں کرسکیں گے، نہ ذمہ داریاں نباہ سکیں گے —— تو اگر تمہیں —— اے پنچو اور رشتہ دارو —— خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کے احکام کی پابندی نہیں کریں گے، تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں، اس (مال کے لینے دینے) میں جس کے ذریعہ عورت اپنی جان چھڑائے!

(نصیحت:) یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں، پس ان کی خلاف ورزی مت کرو، اور جو اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرے گا وہ اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مارے گا!

۱۳- تیسری طلاق ہرگز نہ دے، ورنہ معاملہ تنگ ہو جائے گا

شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے، مگر شوہر کو چاہئے کہ وہ اپنا سارا حق استعمال نہ کرے، ایک یا دو طلاقوں پر اکتفا کرے، اگر تیسری طلاق دے گا تو عورت مغلظہ ہو جائے گی، اب نہ رجوع ہو سکے گا نہ نکاح، عورت کو دوسرے شخص سے نکاح کرنا پڑے گا، جس کو شوہر کی غیرت کیسے گوارہ کرے گی!

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾

ترجمہ: پھر اگر شوہر نے اس کو (تیسری) طلاق دی تو وہ عورت اس کے لئے تیسری کے بعد حلال نہیں، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ شوہر سے نکاح کرے!

۱۴- حلالہ کے بعد پہلے شوہر کا اس عورت سے نکاح درست ہے

جو عورت تین طلاقیں دینے کی وجہ سے مغلظہ ہوگئی وہ عدت کے بعد کسی اور شوہر سے نکاح کرے، پھر اگر دوسرا شوہر صحبت کرنے کے بعد مر جائے یا طلاق دیدے تو اس کی عدت کے بعد پہلا شوہر اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

حلالہ اگرچہ شرعاً ناپسندیدہ عمل ہے، مگر اس کا اثر مرتب ہوگا، جیسے حیض میں طلاق دینا ناپسندیدہ ہے، مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح ایک ساتھ تین طلاقیں دینا برا ہے، مگر وہ واقع ہو جاتی ہیں، جیسے زہر کھانا حرام ہے اور کسی کو ناحق قتل کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے، مگر جو زہر کھائے گا وہ مر جائے گا، اور ناحق گولی مارے گا تو بھی مر جائے گا۔

فائدہ (۱): اسکیم بنا کر حلالہ کرنا کرانا نہایت برا ہے، حدیث میں دوسرے شوہر کو التَّيْسُ الْمُسْتَعَار (بکری گابھن کرنے کے لئے مانگا ہوا بکرا) کہا ہے، اور حدیث میں دونوں شوہروں پر لعنت بھیجی ہے، تاہم اگر ایجاب وقبول میں حلالہ کا ذکر نہیں، اور دوسرا شوہر صحبت کرنے کے بعد طلاق دے تو اس کی عدت کے بعد عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی، جس حدیث میں لعنت بھیجی گئی ہے اس میں دوسرے شوہر کو مُحِلّ اور پہلے شوہر کو مُحَلَّلٌ لَهُ کہا ہے یعنی حلال کرنے والا اور جس کے لئے حلال کیا، معلوم ہوا کہ حلالہ برا فعل ہے، مگر عورت حلال ہو جائے گی۔

اور حلالہ میں دوسرے شوہر کی صحبت کی شرط حدیث عُسَيْلَة سے لگی ہے، اور ﴿ حَتَّى تَنْكِحَ ﴾ میں نکاح کے لغوی معنی بھی 'ملاپ' کے ہیں۔ پس آیت کے اشارے سے بھی صحبت کی شرط نکلتی ہے۔

فائدہ (۲): اور اگر پہلا شوہر اور مطلقہ بے خبر ہوں، اور کوئی بھلا مانس اس نیت سے اس سے نکاح کرے کہ صحبت کر کے طلاق دیدے گا، تا کہ وہ پہلے شوہر سے نکاح کر کے اپنے بچوں میں مل جائے تو ایسا کرنا مستحب ہے اور سلف سے ثابت ہے۔

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾﴾

ترجمہ: پھر اگر وہ (دوسرا شوہر) اس کو طلاق دیدے تو دونوں پر (پہلے شوہر اور اس کی مطلقہ پر) کوئی گناہ نہیں کہ دونوں (نکاح کرکے) باہم مل جائیں، اگر دونوں کا خیال ہو کہ وہ اللہ کے ضابطوں کی پابندی کریں گے اور یہ اللہ کے احکام ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ان لوگوں کے لئے واضح کرتے ہیں جو جانتے ہیں! —— یعنی جاننا چاہتے ہیں، بالقوۃ جاننا مراد ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٣١﴾

۲۹ ع ۱۳

وَإِذَا	اور جب	وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ	اور نہ روکو ان کو	هُزُوًا	ٹھٹھا (کھلونا)
طَلَّقْتُمُ	طلاق دی تم نے	ضِرَارًا (۱)	نقصان پہنچانے کیلئے	وَاذْكُرُوا	اور یاد کرو
النِّسَاءَ	عورتوں کو	لِتَعْتَدُوا	تاکہ زیادتی کرو تم	نِعْمَتَ اللَّهِ	اللہ کے احسانات
فَبَلَغْنَ	پس پہنچیں وہ	وَمَنْ يَفْعَلْ	اور جو کرے گا	عَلَيْكُمْ	تم پر
أَجَلَهُنَّ	اپنی مدت کو	ذَٰلِكَ (۲)	ایسا	وَمَا أَنْزَلَ (۳)	اور جو اتارا اس نے
فَأَمْسِكُوهُنَّ	پس روکو ان کو	فَقَدْ ظَلَمَ	تو اس نے نقصان کیا	عَلَيْكُمْ	تم پر
بِمَعْرُوفٍ	حسب دستور	نَفْسَهُ	اپنا	مِنَ الْكِتَابِ	قرآن سے
أَوْ سَرِّحُوهُنَّ	یا چھوڑو ان کو	وَلَا تَتَّخِذُوا	اور نہ بناؤ	وَالْحِكْمَةِ	اور احادیث سے
بِمَعْرُوفٍ	حسب دستور	آيَاتِ اللَّهِ	اللہ کے احکام کو	يَعِظُكُمْ	نصیحت کرتے ہیں وہ تم کو

(۱) ضِرَارًا: مفعول لہٗ ہے (۲) ذٰلك: کا مشار الیہ ضراراً ہے (۳) ما انزل کا عطف نعمت اللہ پر ہے۔

بِهٖ (۱)	اس کے ذریعہ	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز سے
وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اللہ سے	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	عَلِيْمٌ	خوب واقف ہیں

۱۵-عورت کو پریشان کرنے کے لئے رجعت کرنا شریعت کے ساتھ کھلواڑ ہے!

طلاق رجعی کے بعد دو صورتیں ہیں، یا تو رجعت کرے اور بیوی کو نکاح میں لوٹا لے، یا عدت پوری ہونے دے، عدت کے بعد وہ نکاح سے نکل جائے گی اور دوسرا نکاح کر سکے گی، اس دوسری صورت میں تو کوئی مسئلہ نہیں، البتہ رجعت کی صورت میں بعض لوگوں کا مقصد عورت کو پریشان کرنا ہوتا ہے، وہ اس کو نکاح میں لوٹا کر 'سیدھا' کرنا چاہتے ہیں، اس آیت میں اس کی سخت ممانعت ہے، یہ اللہ کے احکام کے ساتھ یعنی رجعت کی اجازت کے ساتھ کھلواڑ ہے، پس ایسا ہرگز نہ کیا جائے، سلیقہ سے رکھنا مقصود ہو تو رجعت کرے، ورنہ حکم شریعت کے مطابق چھوڑ دے۔

آیتِ پاک: اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دیدی، پھر ان کی عدت پوری ہونے کو آئی، پس یا تو ان کو حسبِ دستور روک لو یا حسبِ دستور چھوڑ دو —— یہ نئی بات بیان کرنے کے لئے تمہید لوٹائی ہے، تکرار نہیں ہے، یہ قرآنِ کریم کا اسلوب ہے —— اور ان کو نقصان پہنچانے کے لئے مت روکو کہ تم زیادتی کرو —— یہ مقصودِ کلام ہے —— اور جو یہ کام کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، اور تم اللہ کے احکام کو کھلونا مت بناؤ —— یعنی جواز رجعت کی رخصت سے غلط فائدہ مت اٹھاؤ —— اور تم اپنے اوپر اللہ کے احسانات کو اور قرآن وحدیث کو یاد کرو —— عطفِ تفسیری ہے، قرآن وحدیث اللہ کی نعمتیں ہیں، ان کو پڑھو اور ان کے احکام کی کما حقہ تعمیل کرو —— اللہ تعالیٰ تم کو ہر ایک کے ذریعہ نصیحت کرتے ہیں —— یعنی قرآن وحدیث تمہارے فائدے کے لئے نازل کی گئی ہیں —— اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہیں!

> وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

وَاِذَا	اور جب	طَلَّقْتُمُ	طلاق دی تم نے	النِّسَآءَ	عورتوں کو

(۱) به: کا مرجع كل واحد من الكتب والحكمة ہے، اور مفرد کی ضمیر اس لئے ہے کہ کتاب وسنت ایک ہیں، دونوں وحی ہیں۔

فَبَلَغْنَ	پس پہنچ گئیں وہ	بِالْمَعْرُوْفِ	دستور کے موافق	ذٰلِكُمْ (۳)	یہ (حکم)
اَجَلَهُنَّ	اپنی مدت کو	ذٰلِكَ	یہ (حکم)	اَزْكٰى لَكُمْ	ستھرائی ہے تمہارے لئے
فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ (۱)	پس نہ روکو ان کو	يُوْعَظُ بِهٖ	نصیحت کی جاتی ہے اس سے	وَاَطْهَرُ	اور زیادہ پاکیزگی
اَنْ يَّنْكِحْنَ (۲)	کہ شادی کریں وہ	مَنْ كَانَ مِنْكُمْ	اس کو جو تم میں سے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اَزْوَاجَهُنَّ	اپنے شوہروں سے	يُؤْمِنُ	ایمان رکھتا ہے	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
اِذَا تَرَاضَوْا	جب خوش دل ہوجائیں وہ	بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَاَنْتُمْ	اور تم
بَيْنَهُمْ	باہم	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت پر	لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے

۱۶- اگر عورت پہلے شوہر سے نکاح کرنا چاہے تو اولیاء نہ روکیں

طلاقِ رجعی کی عدت میں شوہر کو رجعت کرنے کا حق ہے، لیکن ختم عدت کے بعد یہ حق نہیں، البتہ نیا نکاح ہوسکتا ہے، اور طلاقِ بائنہ میں عدت میں اور عدت کے بعد نکاح کی تجدید ہوسکتی ہے، پس اگر مطلقہ عورت پہلے شوہر ہی سے نکاح کرنا چاہے تو اولیاء اس کو نہ روکیں، اس میں مصلحت ہے، اور شانِ نزول کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت معقِل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کا ایک شخص سے نکاح کردیا، اس نے رجعی طلاق دیدی، اور عدت میں رجوع نہیں کیا، عدت ختم ہونے کے بعد دوسرے لوگوں کے ساتھ زوجِ اول نے بھی نکاح کا پیغام دیا، عورت بھی اس پر راضی تھی، مگر عورت کے بھائی حضرت معقِلؓ کو غصہ آگیا، انھوں نے بہنوئی کو ٹکا سا جواب دیدیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، بھائی فوراً تیار ہوگئے، اور بہن کا اس سے نکاح کردیا۔

آیتِ کریمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر ان کی عدت پوری ہوجائے، پس ان کو ان کے شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو، جب وہ باہم خوش دل ہوجائیں، جائز طریقہ پر —— یعنی ان سے نکاح جائز ہو، عورت مغلظہ نہ ہوگئی ہو —— یہ ناصحانہ حکم ہے ان کے لئے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں —— ناصحانہ: یعنی خیر خواہانہ، قربان جایئے ربِ کریم کی عنایتوں کے! کیسا پیار بھرا انداز ہے! —— اس حکم میں تمہارے لئے ستھرائی اور پاکیزگی ہے! —— کیونکہ عورت کی پہلے خاوند کی طرف رغبت ہے، پس اگر اس کے ساتھ نکاح نہیں کرنے دوگے تو راہ ورسم پیدا ہوگی، اور برائی کا اندیشہ ہے، پس اس کے ساتھ نکاح ہونے میں ستھرائی اور پاکیزگی ہے، دونوں گناہ سے بچیں گے ——

(۱) عَضْل (باب نصر) سختی کے ساتھ روکنا، عَضْلَة سے ماخوذ ہے، پس عَضْل کے معنی ہوئے: بازو پکڑ کر باندھ دینا (۲) أن ینکحن: ھن سے بدل اشتمال ہے یا اس سے پہلے مِن محذوف ہے اور متعلّق لاتعضلوھن ہے (۳) ذلکم: میں کم ضمیر خطاب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ـــــ یہ دوسری مرتبہ پیار ومحبت سے تعمیل حکم کی ترغیب دی ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

وَالْوَالِدٰتُ	اور جننے والیاں (مائیں)	رِزْقُهُنَّ	ان کی روزی	لَهٗ	اس کے لئے
يُرْضِعْنَ	دودھ پلائیں	وَكِسْوَتُهُنَّ	اور ان کا کپڑا ہے	بِوَلَدِهٖ	اس کے بچے کی وجہ سے
اَوْلَادَهُنَّ	اپنے بچوں کو	بِالْمَعْرُوْفِ	عرف کے مطابق	وَعَلَى الْوَارِثِ	اور (بچے کے) وارث پر
حَوْلَيْنِ	دو سال	لَا تُكَلَّفُ	نہیں حکم دیا جاتا	مِثْلُ ذٰلِكَ	اس کے مانند ہے
كَامِلَيْنِ	پورے	نَفْسٌ	کوئی شخص	فَاِنْ اَرَادَا	پھر اگر چاہیں دونوں
لِمَنْ اَرَادَ	اس کے لئے جو چاہتا ہے	اِلَّا وُسْعَهَا	مگر اس کی گنجائش کے بقدر	فِصَالًا	دودھ چھڑانا
اَنْ يُّتِمَّ	کہ پورا کرے	لَا تُضَآرَّ (۳)	نہ نقصان پہنچائی جائے	عَنْ تَرَاضٍ (۴)	رضامندی سے
الرَّضَاعَةَ (۱)	دودھ پینا	وَالِدَةٌ	جننے والی	مِّنْهُمَا	باہمی
وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ (۲)	اور اس پر جو جنا گیا بچہ	بِوَلَدِهَا	اس کے بچے کی وجہ سے	وَتَشَاوُرٍ (۵)	اور باہمی مشورہ سے
لَهٗ	اس کے لئے	وَلَا مَوْلُوْدٌ	اور نہ جو جنا گیا	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں

(۱) الرَّضاعة: باب ضرب، سمع اور فتح کا مصدر ہے: پستان سے دودھ پینا (۲) مولود له: جس کے لئے بچہ جنا گیا ہے یعنی باپ، اس میں اشارہ ہے کہ نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے (۳) تُضَارَ: مُضَارَّة سے مضارع مجہول، صیغہ واحد مؤنث غائب: تنگ کرنا، نقصان پہنچانا (۴) تراض: مصدر باب تفاعل: باہمی رضامندی، ایک کا دوسرے سے راضی ہونا، اصل میں تَرَاضِيٌ تھا (۵) تشاور: مصدر باب تفاعل: آپس میں مشورہ کرنا

عَلَيْهِمَا	دونوں پر	عَلَيْكُمْ	تم پر	اللّٰهَ	اللہ سے
وَاِنْ اَرَدْتُّمْ	اور اگر چاہو تم	اِذَا سَلَّمْتُمْ	جب سپرد کرو	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو
اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا (۱)	کہ دودھ پلواؤ	مَّآ اٰتَيْتُمْ	جو دینا طے کیا ہے تم نے	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
اَوْلَادَكُمْ	اپنے بچوں کو	بِالْمَعْرُوْفِ	عرف کے مطابق	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو
فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں	وَاتَّقُوا	اور ڈرو	بَصِيْرٌ	خوب دیکھ رہے ہیں

۱۷- عدت کے بعد رضاعت کے احکام

عدت کا بیان ابھی باقی ہے، درمیان میں رضاعت کا بیان ہے، اس لئے کہ عدت کے بعد کبھی بچوں کی پرورش کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے، اور اس آیت میں چھ باتیں ہیں:

۱- رَضاعت (دودھ پلانے) کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے، اس مدت تک دودھ پلانا جائز ہے، اس کے بعد دودھ پلانا حرام ہے، احناف کے یہاں بھی فتوی اسی پر ہے، اور یہ صاحبین کا قول ہے، امام صاحب کے نزدیک مدتِ رضاعت ڈھائی سال ہے، اتنی عمر میں دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی، فتوی اسی پر ہے، اس میں احتیاط ہے۔

۲- عدت کے بعد ماں دودھ پلائے تو بچہ کے خرچ کے علاوہ ماں کا خرچ بھی باپ پر واجب ہے۔

۳- خرچ ماں باپ کی حیثیت کے لحاظ سے دیا جائے گا، شریعت کا ضابطہ ہے کہ حکم بقدر وسعت دیا جاتا ہے، پس نہ خرچ کم دے کر ماں کو نقصان پہنچایا جائے، نہ زیادہ کا مطالبہ کر کے باپ کو الجھن میں ڈالا جائے۔

۴- اگر باپ کی وفات ہوگئی ہو تو بچہ کے وارث پر دونوں کا خرچہ واجب ہے، اور چند وارث ہوں تو بقدر حصص خرچہ اٹھائیں۔

۵- ماں باپ باہم مشورہ کر کے دو سال سے پہلے بھی دودھ چھڑا سکتے ہیں اور ڈاکٹر کا مشورہ بھی شامل کرلیں تو واہ واہ!

۶- ماں کے علاوہ دوسری انا سے دودھ پلوانا بھی جائز ہے، اور اس کو بھی طے شدہ نفقہ دینا ضروری ہے۔

پھر آخر میں نصیحت ہے کہ اللہ سے ڈرو، اس کے احکام کی خلاف ورزی مت کرو، وہ تمہارے سب کاموں سے خوب واقف ہیں۔

۱- رضاعت کی مدت دو سال ہے: ارشاد فرماتے ہیں: اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں، یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو دودھ پینے کی مدت پوری کرنا چاہتا ہے ـــــ یعنی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے، اس

---

(۱) تسترضعوا: اسْتِرْضَاع سے مضارع، جمع مذکر حاضر: دودھ پلوانا۔

کے بعد دودھ پلانا حرام ہے، البتہ کسی مصلحت سے پہلے دودھ چھڑا سکتے ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۲-عدت کے بعد ماں دودھ پلائے تو خرچ باپ کے ذمہ ہے: —— اگر بچہ کی ماں نکاح میں ہو تو دودھ پلانے کا خرچ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ بیوی کا خرچہ شوہر پر ہے ہی، اسی طرح ماں طلاق کی عدت میں ہو تو بھی خرچہ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ معتدہ کا خرچہ بھی شوہر پر ہے، البتہ عدت کے بعد ماں دودھ پلائے، اور بچہ کی پرورش کرے تو بچہ کے خرچ کے علاوہ ماں کا خرچ بھی دینا ہوگا، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور باپ پر (جس کے لئے بچہ جنا گیا ہے) ماؤں کا کھانا کپڑا ہے۔

۳-خرچ ماں اور باپ کی حیثیت کے لحاظ سے دیا جائے گا: ارشاد فرماتے ہیں: عرف کے لحاظ سے —— یعنی ماں اور باپ کی حیثیت کا لحاظ کر کے، اس لئے کہ شریعت کا ضابطہ ہے کہ —— کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا حکم نہیں دیا جاتا (پس) نہ ماں نقصان پہنچائی جائے اس کے بچہ کی وجہ سے، اور نہ باپ نقصان پہنچایا جائے، اس کے بچہ کی وجہ سے —— یعنی باپ کے ساتھ ماں کی حیثیت کا بھی لحاظ کیا جائے۔

۴-باپ نہ ہو تو وارث خرچہ دیں: ارشاد فرماتے ہیں: اور (بچہ کے) وارث پر اسی کے بقدر وجوب ہے —— اگر باپ کا انتقال ہوگیا، اور بچہ مالدار ہے تو اس کے مال سے دودھ پلانے کی اجرت دی جائے گی، ورنہ جو محرم رشتہ دار اس کی میراث کے حقدار ہیں ان پر اجرت واجب ہوگی اور اگر متعدد ورثاء ہوں تو اپنے حصۂ میراث کے تناسب سے خرچ دیں۔

۵-دوسال سے پہلے بھی دودھ چھڑا سکتے ہیں: ارشاد فرماتے ہیں: —— پھر اگر دونوں (ماں باپ) باہمی رضامندی اور مشورہ سے (دوسال سے پہلے) دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں —— بچہ عام طور پر ایک سال کے بعد روٹی پکڑ لیتا ہے یا باہر کا دودھ لینے لگتا ہے، اور ماں کا دودھ بھی کم ہو جاتا ہے، پس اگر مصلحت ہو تو پہلے بھی دودھ چھڑایا جاسکتا ہے، البتہ جب تک ماں کو پرورش کا حق ہے بچہ ماں کے پاس رہے گا، اور اس کا خرچہ دیا جائے گا، اور دودھ چھڑانے کے بعد ماں کا نفقہ نہیں دیا جائے گا۔

۶-دوسری انّا سے دودھ پلوانا بھی جائز ہے: ارشاد فرماتے ہیں: اور اگر تم —— اس میں باپ کے ساتھ ورثاء کو بھی ملحوظ رکھا ہے —— اپنے بچوں کو (کسی انّا سے) دودھ پلوانا چاہو تو (بھی) تم پر کوئی گناہ نہیں، جب تم ان کے حوالے کرو جو اجرت عرف کے لحاظ سے طے پائی ہے —— یعنی ان سے بھی اجرت پر دودھ پلوا سکتے ہو۔

نصیحت: اور اللہ سے ڈرو —— یعنی احکام خداوندی کی خلاف ورزی مت کرو —— اور جان لو کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب دیکھ رہے ہیں!

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۳۴﴾

وَالَّذِیْنَ	اور جو لوگ	اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ	چار ماہ	فِیْمَا فَعَلْنَ	اس میں جو کیا انھوں نے
یُتَوَفَّوْنَ (۱)	مرجائیں	وَّعَشْرًا	اور دس دن	فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ	اپنے حق میں
مِنْكُمْ	تم میں سے	فَاِذَا	پس جب	بِالْمَعْرُوْفِ	شریعت کے موافق
وَیَذَرُوْنَ (۲)	اور چھوڑ جائیں	بَلَغْنَ	پہنچ جائیں وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ
اَزْوَاجًا	بیویاں	اَجَلَهُنَّ	اپنی مدت کو	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم
یَّتَرَبَّصْنَ	انتظار میں رکھیں وہ	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں		کرتے ہو
بِاَنْفُسِهِنَّ	اپنے آپ کو	عَلَیْكُمْ	تم پر	خَبِیْرٌ	پورے باخبر ہیں

۱۸- حائلہ (غیر حاملہ) کی عدتِ وفات چار ماہ دس دن ہے

اگر عورت حاملہ نہ ہو تو شوہر کی موت کی عدت چار ماہ دس دن ہیں، اور حاملہ ہو تو وضع حمل ہے، پھر وہ جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے، مرحوم کے ورثاء کا اس پر کوئی حق نہیں، جاہلیتِ قدیمہ اور جدیدہ میں عورت بھی میراث سمجھی جاتی ہے، ورثاء جہاں چاہتے ہیں اس کا نکاح کرتے ہیں یا وہ ایک دو بچوں کو لے کر بیٹھی رہتی ہے، یہ دونوں باتیں غلط ہیں، عدت تک نکاح سے رکنا ضروری ہے، پھر اگر نکاح کے قابل ہے تو نکاح کرے، اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اولیاء کی ہے، ماں کی نہیں۔

آیتِ کریمہ: اور تم میں سے جو لوگ انتقال کر جائیں، اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ خود کو چار ماہ دس دن تک انتظار میں رکھیں، پھر جب وہ اپنی مقررہ مدت کو پہنچ جائیں تو تم پر (ورثاء پر) کچھ گناہ نہیں اس میں جو انھوں نے اپنے حق میں کیا، حکم شریعت کے مطابق، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے پورے باخبر ہیں جو تم کرتے ہو!

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ

(۱) یُتَوَفَّوْنَ: مضارع مجہول، جمع مذکر غائب، تَوَفِّی: مصدر باب تَفَعُّل: مرجانا، وفات پانا (۲) یذرون: مضارع، جمع مذکر غائب، وَذَرَ یَذَرُ وَذْرًا: چھوڑنا۔

اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۥ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٣٥﴾

وَلَا جُنَاحَ	اور کچھ گناہ نہیں	وَلٰكِنْ	لیکن	اَجَلَهٗ	اس کی مقررہ مدت کو
عَلَيْكُمْ	تم پر	لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ (۳)	ان سے وعدہ مت ٹھہراؤ	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو
فِيْمَا	اس میں جو	سِرًّا	پوشیدگی میں	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
عَرَّضْتُمْ (۱)	اشارہ کنایہ میں کہو تم	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
بِهٖ	وہ بات	تَقُوْلُوْا	کہو تم	مَا	جو
مِنْ خِطْبَةِ	پیام سے	قَوْلًا	بات	فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ	تمہارے دلوں میں ہے
النِّسَآءِ	عورتوں کے	مَّعْرُوْفًا	بھلی (جائز)	فَاحْذَرُوْهُ	پس ڈرو ان سے
اَوْ اَكْنَنْتُمْ (۲)	یا چھپائی تم نے	وَلَا تَعْزِمُوْا (۴)	اور نہ پکی کرلو	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو
فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ	تمہارے دلوں میں	عُقْدَةَ	گتھی	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
عَلِمَ اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے جانا	النِّكَاحِ	نکاح کی	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
اَنَّكُمْ	کہ تم	حَتّٰى يَبْلُغَ	یہاں تک کہ پہنچے	حَلِيْمٌ	بڑے بردبار ہیں
سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ	اب ذکر کروگے ان کا	الْكِتٰبُ	نوشتہ	۞	۞

۱۹—عدت میں نہ نکاح جائز نہ پیامِ نکاح، ہاں دل میں ارادہ رکھ سکتے ہیں اور اشارہ بھی کرسکتے ہیں

جب عورت نکاح سے جدا ہوگئی، خواہ شوہر کی وفات ہوگئی یا طلاق بائنہ پڑگئی، اور عورت عدت میں بیٹھ گئی، تو اب جب تک وہ عدت میں ہے نہ نکاح جائز نہ پیامِ نکاح اور نہ صاف وعدہ لینا، ہاں دل میں نیت رکھ سکتے ہیں، اور اشارہ کنایہ میں مطلب بھی ظاہر کرسکتے ہیں، تاکہ کوئی اور پہل نہ کر بیٹھے ـــــ اور اشارہ کنایہ کو لوگ سمجھتے ہیں، اور قوموں کے محاورات بھی مختلف ہیں، اردو میں 'گوری' اور عربی میں حیاتی اور انگریزی میں ڈارلنگ سے خطاب میں ایک اشارہ ہے۔

---

(۱) تعریض: بغیر کھولے بات کہنا (۲) إکنان: دل میں رکھنا (۳) مُوَاعَدَة: ایک دوسرے سے وعدہ کرنا (۴) عَزم (ض) محکم کرنا، پکا کرنا۔

آیتِ کریمہ: اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ اشارہ کنایہ میں عورتوں کو نکاح کا پیام دو، یا اپنے دلوں میں (نکاح کا ارادہ) چھپاؤ ـــــ اور وجہ اجازت یہ ہے کہ ـــــ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم ان عورتوں کا ذکر کروگے ـــــ کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ کسی عورت سے نکاح کا خواہش مند ہو تو ذکر کئے بغیر نہیں رہتا ـــــ مگر چپکے سے ان سے وعدہ مت ٹھہراؤ، ہاں بھلی بات کہہ سکتے ہو ـــــ وہی اشارہ کنایہ میں بات کہنا مراد ہے ـــــ اور نکاح کی گرہ مضبوط مت باندھو جب تک نوشتہ اس کی مدت کو نہ پہنچ جائے ـــــ یعنی عدت میں نکاح جائز نہیں ـــــ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرو ـــــ یعنی ناجائز بات کا دل میں ارادہ بھی مت کرو ـــــ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے بردبار ہیں ـــــ یعنی اگر کسی ناجائز بات کا ارادہ کیا، پھر توبہ کرلی تو وہ معاف کردیں گے، اور توبہ نہیں کی اور فوراً سزا نہیں ملی تو وہ ان کی بردباری ہے، دھوکہ مت کھاؤ، آخرت میں سزا ملے گی۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَّمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾

لَاجُنَاحَ	کچھ گناہ نہیں	مَا (۱)	جب تک	فَرِيضَةً	کچھ مقرر کرنا
عَلَيْكُمْ	تم پر	لَمْ تَمَسُّوهُنَّ	نہ چھویا ہو تم نے ان کو	وَّمَتِّعُوهُنَّ	اور کچھ مال وغیرہ دو ان کو
إِنْ طَلَّقْتُمُ	اگر طلاق دو تم	أَوْ تَفْرِضُوا (۲)	یا (نہ) مقرر کیا ہو	عَلَى الْمُوسِعِ	مقدور پر
النِّسَاءَ	عورتوں کو	لَهُنَّ	ان کے لئے	قَدَرُهُ	اس کی حیثیت سے

(۱) ما: مصدریہ ظرفیہ ہے، جیسے مَا دُمْتُ حَيًّا: أى مدةَ دوامى حيا: جب تک میں زندہ ہوں (۲) تفرضوا کا عطف تمسوھن پر ہے، پس لم یہاں بھی آئے گا اور أو: مانعۃ الخلو کا ہے۔ مانعۃ الخلو میں دو باتیں جمع ہوسکتی ہیں، مرتفع نہیں ہوسکتیں۔

وَعَلَى الْمُقْتِرِ	اور تنگ دست پر	فَرَضْتُمْ	مقرر کیا ہے تم نے	عُقْدَةُ	گرہ
قَدَرُهٗ	اس کی حیثیت سے	لَهُنَّ	ان کے لئے	النِّكَاحِ	نکاح کی
مَتَاعًا (۱)	فائدہ پہنچانا	فَرِيْضَةً	کچھ مقرر کرنا	وَاَنْ تَعْفُوْٓا (۳)	اور (مرد کا) معاف کرنا
بِالْمَعْرُوْفِ	حسبِ دستور	فَنِصْفُ	تو آدھا ہے	اَقْرَبُ	زیادہ قریب ہے
حَقًّا (۲)	لازم ہے	مَا	اس کا جو	لِلتَّقْوٰى	پرہیزگاری سے
عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں پر	فَرَضْتُمْ	تم نے مقرر کیا ہے	وَلَا تَنْسَوُا	اور مت بھولو
وَاِنْ	اور اگر	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	الْفَضْلَ	احسان کرنا
طَلَّقْتُمُوْهُنَّ	طلاق دو تم ان کو	يَّعْفُوْنَ	معاف کریں عورتیں	بَيْنَكُمْ	آپس میں
مِنْ قَبْلِ	پہلے	اَوْ يَعْفُوَا	یا معاف کرے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ	ان کو ہاتھ لگانے کے	الَّذِيْ	وہ شخص جو	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو
وَقَدْ	درانحالیکہ تحقیق	بِيَدِهٖ	اس کے ہاتھ میں ہے	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں

۲۰-خلوتِ صحیحہ اور مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دینا جائز ہے، اور اس صورت میں متعہ واجب ہے

خلوتِ صحیحہ: کسی ایسی جگہ میاں بیوی کا جمع ہونا جہاں صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہو، اور مجامعت کے لئے تنہائی شرط نہیں، اور نکاح کی صحت کے لئے مہر کا مقرر ہونا یا اس کا تذکرہ ہونا ضروری نہیں، بعد میں بھی مقرر کیا جاسکتا ہے، البتہ نکاح میں مہر ضروری ہے۔

اور متعہ کے معنی ہیں: فائدہ پہنچانا، برتنے کے لئے مال سامان دینا، اور متعہ کی کم سے کم مقدار چار کپڑے ہیں، کرتا، پاجامہ، اوڑھنی اور بڑی چادر جس میں سر سے پیر تک لپٹ سکے (برقعہ) (بہشتی زیور) اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مطلقہ کو دس ہزار درہم دیئے ہیں۔

اگر نکاح ہوگیا اور کوئی مہر مقرر نہیں ہوا، پھر مجامعت یا خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دینا چاہے تو جائز ہے، اور اس صورت میں شوہر پر متعہ واجب ہے، اور یہ شوہر اپنی حیثیت کے لحاظ سے دے گا، بیوی کی حیثیت کا اس میں لحاظ نہیں ہوگا، اور جوڑے کی قیمت مہرِ مثل کے آدھے سے نہ بڑھے، یعنی ایسا قیمتی جوڑا مرد پر واجب نہیں، یوں خوشی سے بڑھیا کپڑے

---

(۱) متاعاً: متعوهن کا مفعولِ مطلق ہے، اور بالمعروف: متاعًا (مصدر) سے متعلق ہے (۲) حقا: فعل محذوف کا مفعولِ مطلق ہے: أي يَحِقُّ حَقًّا: پکی بات ہے (۳) أن تعفوا: مبتدا اور أقرب خبر ہے، اور أن مصدریہ ہے۔

دے تو اس کی مرضی۔

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ﴾

ترجمہ: تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دو، جب تک تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو، یا ان کے لئے کوئی مہر مقرر نہ کیا ہو — یہ ایک وہم دفع کیا ہے، کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب نکاح ہوا تو مہر بھی ہوگا اور عورت سے استفادہ بھی ہوگا، ان امور سے پہلے طلاق تو ایک کھیل ہوا! — جواب یہ ہے کہ ایسی ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے طلاق دینا جائز ہے، رہا مہر کا معاملہ تو اس کی جگہ متعہ دے گا، کیونکہ استفادہ نہیں کیا، فرماتے ہیں: — اور ان کو متعہ (برتنے کی چیز) دو، مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق، یہ عرف کے مطابق فائدہ پہنچانا ہے، یہ نیکوکاروں پر لازم ہے! — یعنی واجب ہے، اور دلیلِ وجوب ساتھ ہے کہ جو شوہر متعہ دے گا وہ نیک مسلمان ہے اور جو نہیں دے گا وہ گنہ گار ہے۔

۲۱- خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دی، اور مہر مقرر ہوا تھا تو آدھا مہر واجب ہے

گذشتہ آیت میں مانعۃ الخلو کا ﴿أَوْ﴾ آیا تھا، اور اس میں دونوں باتیں جمع تھیں، خلوتِ صحیحہ بھی نہیں ہوئی تھی اور مہر بھی مقرر نہیں ہوا تھا، اب اس آیت میں دوسری صورت ہے، اس میں ایک بات ہے، خلوتِ صحیحہ نہیں ہوئی، مگر مہر مقرر ہوا ہے، اور طلاق کی نوبت آگئی تو آدھا مہر واجب ہے، یاد رہے کہ مانعۃ الخلو میں دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں، دونوں مرتفع نہیں ہوسکتیں، ایک کا باقی رہنا ضروری ہے، اور وہ یہی دوسری صورت ہے۔

﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾

ترجمہ: اور اگر تم ان کو طلاق دو، ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے، اور تم نے ان کے لئے بطور مہر کچھ مقرر کیا ہے، تو مقرر کئے ہوئے کا آدھا دو۔

۲۲- بیوی اور شوہر آدھا مہر چھوڑ سکتے ہیں، اور شوہر کا چھوڑنا بہتر ہے

خلوت سے پہلے طلاق ہوجانے کی صورت میں چونکہ شوہر نے بیوی سے فائدہ نہیں اٹھایا اس لئے اگر عورت آدھا مہر چھوڑ دے تو ایسا کرنا چاہئے، اور اگر شوہر دریا دلی کا مظاہرہ کرے اور پورا مہر دے یا آدھا مہر واپس نہ لے تو ایسا بھی ہوسکتا ہے، اور یہ دوسری صورت بہتر ہے، اس سے شوہر کا بڑکپن ظاہر ہوگا، اور تعلقات مزید ہموار ہونگے، اور لوگوں کو باہم

احسان کرنا نہیں بھولنا چاہئے، اس سے معاشرہ پروان چڑھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کے سب کاموں کو دیکھ رہے ہیں، جو بھی آدھا چھوڑے گا اس کو جزائے خیر دیں گے۔

﴿اِلَّآ اَنْ یَّعْفُوْنَ اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾

ترجمہ: (آدھا مہر واجب ہے) مگر یہ کہ عورتیں معاف کریں، یا وہ شخص معاف کرے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے ـــــ یعنی شوہر معاف کرے، وہی نکاح کی گرہ کھولنے کا یعنی طلاق دینے کا اختیار رکھتا ہے ـــــ اور شوہر کا معاف کرنا پرہیزگاری سے قریب تر ہے، اور تم باہم احسان کرنا مت بھولو، بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہے ہیں!

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

حٰفِظُوْا	پابندی کرو	قٰنِتِیْنَ [1]	باادب	فَاذْكُرُوا	تو یاد کرو
عَلَى الصَّلَوٰتِ	نمازوں کی	فَاِنْ خِفْتُمْ	پھر اگر ڈرو تم	اللّٰهَ	اللہ کو
وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى	اور درمیانی نماز کی	فَرِجَالًا [2]	تو پیادہ	كَمَا عَلَّمَكُمْ	جس طرح سکھلایا تم کو
وَقُوْمُوْا	اور کھڑے ہو	اَوْ رُكْبَانًا	یا سواری پر (پڑھو)	مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا	جو نہیں تھے تم
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	فَاِذَآ اَمِنْتُمْ	پھر جب مطمئن ہو جاؤ تم	تَعْلَمُوْنَ	جانتے

ربط: طلاق، رجعت، عدت اور مہر کے مسائل پورے ہوئے، یہ سب احکام مصالح پر مبنی تھے: ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ﴾ سے ایسے ہی احکام کا بیان شروع ہوا ہے جن میں مصالح اور مفاسد کی رعایت ہے، اب احکام آگے بڑھاتے ہیں، اب یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر خطرہ شدید ہو تو پیدل یا سواری پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، اور یہ جواز بھی بر بنائے مصلحت ہے۔ اور ان آیتوں میں نماز کے تعلق سے چار باتیں ہیں، مقصود تیسری بات ہے، پہلی دو باتیں تمہید ہیں اور آخری بات تنبیہ ہے۔

(۱) قانت: اسم فاعل، قَنَتَ (ن) قُنوتا کے متعدد معانی کئے گئے ہیں، فرماں برداری کرنا، اظہارِ عاجزی کرنا، حضرت شاہ عبد القادر صاحب نے 'باادب' ترجمہ کیا ہے (۲) رجالاً: رَاجِل کی جمع ہے: پیادہ، رَجُل کی جمع نہیں۔

۲۴۳-نماز کی پابندی کا حکم

نماز کے اوقات مقرر ہیں، انہی اوقات میں نماز پڑھنا ضروری ہے، سورۃ النساء (آیت ۱۰۳) میں ہے:﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴾: بے شک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اوقات کا لحاظ کر کے، یعنی نماز کے اوقات مقرر ہیں، انہی اوقات میں نماز پڑھنا ضروری ہے، اور حدیث میں ہے: إن للصلاة أولاً و آخراً: نماز کے اوقات کی ابتدا اور انتہا ہے (ترمذی) اور یہاں حکم دیا ہے کہ سبھی نمازوں کی پابندی کرو، یعنی نمازیں ان کے اوقات میں پڑھو، قضا مت کرو، خاص طور پر درمیانی نماز جو مشغولیت کے دوران آتی ہے اس کا خاص خیال رکھو، پس یہ تیسری بات کی تمہید ہے کہ شدید خطرہ میں بھی نماز بر وقت پڑھنا ضروری ہے، ہیئت وحالت میں تبدیلی ہوگی مگر وقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ﴾

ترجمہ: سب نمازوں کی (عام طور پر) اور درمیانی نماز کی (خاص طور پر) پابندی کرو۔

درمیانی نماز کونسی ہے؟

متعدد صحیح احادیث میں صلوٰۃ وسطی کی تفسیر نماز عصر سے آئی ہے، کیونکہ اس کے ایک طرف میں دن کی دو نمازیں فجر اور ظہر ہیں، اور دوسری طرف میں رات کی دو نمازیں مغرب اور عشاء ہیں، اور حضرت عائشہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ درمیانی نماز ظہر کی نماز ہے، اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ درمیانی نماز صبح کی نماز ہے۔

سوال: مرفوع احادیث کی موجودگی میں ان حضرات نے دوسری تفسیر کیوں کی؟

جواب: نبی ﷺ نے نماز عصر کو صلوٰۃ وسطی کا مصداق اس لئے نہیں قرار دیا تھا کہ وہ عصر کی نماز ہے، بلکہ اس نماز میں لوگوں کے غفلت برتنے کا امکان تھا اس لئے اس کو مصداق بنایا تھا، بعد میں جب لوگ ظہر اور فجر میں غفلت برتنے لگے تو مذکور صحابہ نے ان کو مصداق بنایا، جیسے مدارس میں طالب علم فجر اور ظہر میں سوتے رہتے ہیں، جب ان کے سامنے آیت کی تفسیر کی جائے گی تو انہیں نمازوں کو صلوٰۃ وسطی کا مصداق قرار دیا جائے گا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ کبھی آیت میں امر کلی مذکور ہوتا ہے، جس کے مصداق متعدد ہو سکتے ہیں، ایسی صورت میں آیت کی متعدد تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب نمازیں پانچ ہیں تو ہر نماز درمیانی نماز ہو سکتی ہے اور خصوصیت سے اس کے اہتمام کا حکم بر بنائے غفلت دیا گیا ہے، پس مختلف زمانوں میں لوگ جس نماز میں غفلت برتنے لگے صحابہ نے اسی کو آیت کا مصداق قرار دیا، تاکہ لوگوں کی غفلت دور ہو۔

آیت سے پانچ نمازوں کا ثبوت:

یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ نمازیں پانچ ہیں، کیونکہ ''صلوٰۃ وسطیٰ'' کا عطف ''صلوات'' ہے، عربی قواعد کی رو سے یہ بات ضروری ہے کہ ''صلوٰۃ وسطیٰ'' صلوات میں شامل نہ ہو، کیونکہ عطف مغایرت یعنی دونوں کے الگ الگ ہونے کو ظاہر کرتا ہے، ''صلوات'' کا اطلاق جمع ہونے کی وجہ سے کم سے کم تین پر ہوگا لیکن اگر اس سے تین نمازیں مراد ہوں تو ''صلوٰۃ وسطیٰ'' چوتھی نماز ہوگی اور چار نمازوں میں کوئی نماز بیچ کی نماز نہیں ہوسکتی، بیچ کی نماز اسی وقت ہوسکتی ہے جب طاق عدد ہو، اس لئے ماننا پڑے گا کہ ''صلوات'' سے چار نمازیں اور ''صلوٰۃ وسطیٰ'' سے پانچویں نماز مراد ہے، لہٰذا پانچ نمازوں کا ثبوت خود قرآنِ مجید سے ہے، منکرین حدیث — جو اپنے کو ''اہل قرآن'' کہتے ہیں — پانچ نمازوں کے قائل نہیں، تین کے قائل ہیں، وہ دراصل حدیث ہی کے نہیں، قرآن کے بھی منکر ہیں۔ واللہ ھو الھادی۔

(آسان تفسیر ۱: ۲۰۳ از مولانا خالد سیف اللہ صاحب زید مجدہ)

دوسری بات: — نماز میں باادب کھڑے رہو — نماز کے لئے فرائض، واجبات، سنن اور آداب ہیں، اسی طرح نواقض اور مکروہات ہیں، نماز میں سب کی رعایت ضروری ہے، لفظ ادب عام استعمال کیا ہے، فرض نہیں رہے گا تو نماز باطل ہوجائے گی، واجب چھوٹ جائے گا تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا، سنت چھوڑ دے گا تو نماز میں کمی آئے گی، اور ادب کی رعایت نہیں کرے گا تو نماز بے رونق ہوجائے گی، اسی طرح نواقض سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، نماز میں کھانے پینے اور بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، اور مکروہ کے ارتکاب سے نماز ناقص ہوتی ہے، غرض یہ بھی اگلے حکم کی تمہید ہے، نماز باقاعدہ پڑھنا ضروری ہے، مگر شدید خوف میں بعض چیزوں میں چھوٹ دی گئی ہے، مگر بروقت نماز پڑھنا ضروری ہے۔

﴿ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اللہ کے سامنے باادب کھڑے رہو! — یعنی مأمورات ومنہیات کی رعایت کرکے بروقت نماز ادا کرو۔

نماز میں کلام کی ممانعت: پہلے نماز میں ضروری بات چیت کرتے تھے، سلام کا جواب بھی دیتے تھے، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں کو نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا، اب نماز میں کلام کی مطلق گنجائش نہیں، اس مسئلہ میں تین حدیثیں ہیں جو تحفۃ القاری (۳: ۵۲۱) میں ہیں۔

تیسری بات: — خوف شدید ہو اور صلوٰۃ الخوف پڑھنے کی کوئی صورت نہ ہو تو نماز کیسے پڑھیں؟ — اگر دشمن کا یا درندہ وغیرہ کا ڈر ہو، اور زمین پر اتر کر جماعت کرنا اور صلوٰۃ الخوف پڑھنا مشکل ہو تو پھر ہر شخص تنہا تنہا نماز پڑھے، سوار سواری پر اور پیادہ زمین پر، حنفیہ اسی کے قائل ہیں کہ اگر جنگ ہورہی ہو یا جنگ تو نہیں ہورہی مگر خطرہ شدید ہے تو ہر

شخص تنہا نماز پڑھے، لیکن نماز رک کر پڑھنا ضروری ہے، چل بھی رہا ہو اور نماز بھی پڑھ رہا ہو یا سواری چل رہی ہو اور نماز پڑھ رہا ہو یہ صحیح نہیں، نماز نہیں ہوگی۔

﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ ﴾

ترجمہ: پھر اگر تم کو اندیشہ ہو تو پیدل یا سواری پر چڑھے ہوئے نماز پڑھ لیا کرو —— مگر وقت میں پڑھو، اور اس کی بھی صورت نہ ہو تو نماز قضا پڑھیں گے، غزوۂ احزاب میں نبی ﷺ نے نمازیں قضا پڑھی ہیں، اور یہی حکم بیان کرنا اس آیت میں مقصود ہے۔

چوتھی بات: —— جب امن ہو جائے تو باقاعدہ نماز پڑھی جائے —— یہ تنبیہ ہے کہ جب امن ہو جائے تو نیچے اتر کر رکوع سجدہ کے ساتھ قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کی جائے، اوپر خوف و خطرہ کی حالت کا حکم تھا کہ جس طرح ممکن ہو نماز ادا کرے، زمین پر کھڑے یا سواری پر بیٹھے، رکوع سجدہ کے ساتھ یا اشارہ سے، قبلہ کی طرف رخ کر کے یا جدھر رخ کر سکے: نماز پڑھے، پھر جب خوف جاتا رہے تو معمول کے مطابق نماز ادا کی جائے۔

﴿ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ ﴾

ترجمہ: پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرو —— یعنی نماز پڑھو —— جس طرح تم کو سکھلایا ہے وہ طریقہ جو تم نہیں جانتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	اَزْوَاجًا	بیویاں	اِلَى الْحَوْلِ (۲)	ایک سال تک
يُتَوَفَّوْنَ	مرجائیں	وَّصِيَّةً (۱)	وصیت کرنا ہے	غَيْرَ اِخْرَاجٍ (۳)	نکالے بغیر
مِنْكُمْ	تم میں سے	لِّاَزْوَاجِهِمْ	اپنی بیویوں کے لئے	فَاِنْ خَرَجْنَ	پھر اگر وہ نکل جائیں
وَيَذَرُوْنَ	اور چھوڑیں	مَّتَاعًا	فائدہ اٹھانا	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں

(۱) وصيةً: فعل محذوف فَلْيُوْصُوْا کا مفعول مطلق ہے (۲) متاعًا: فعل محذوف يُعطوهن کا مفعول بہ ہے (۳) غير إخراج: أزواج کا حال ہے۔

عَلَيْكُمْ	تم پر	فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ	اپنے حق میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فِيْ مَا فَعَلْنَ	اس کام میں جو کیا انھوں نے	مِنْ مَّعْرُوْفٍ	جائز طریقہ سے	عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ	زبردست حکمت والے ہیں

۲۴-بیوی کے لئے ایک سال کے سکنی کی وصیت کرنا

یہ بھی مصلحت پر مبنی حکم ہے، عدتِ طلاق میں تو مطلقہ کا نفقہ اور سکنی شوہر پر واجب ہے، کیونکہ عورت اس کے حق میں محبوس ہے، اور عدتِ وفات میں معتدہ کے لئے نہ نفقہ ہے نہ سکنی، کیونکہ اس کو کس پر واجب کریں گے؟ شوہر کا ذمہ تو موت کے بعد وجوب کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور اس کا ترکہ میراث بن گیا ہے، اور میت کے ورثاء پر بھی نفقہ اور سکنی واجب نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ نکاح سے اجنبی ہیں، ہاں میراث میں بیوی کا حصہ ہے، پس وہ اپنے حصۂ میراث میں سے خرچ کرے، مگر کبھی صورت نازک ہوتی ہے، شوہر نادار ہوتا ہے اور عورت کے لئے کوئی ٹھکانہ (میکہ وغیرہ) نہیں ہوتا، ایسی صورت میں شوہر کو وصیت کرنی چاہئے کہ ورثاء بیوی کو سال بھر مکان میں رہنے دیں، وہ وہاں عدت گذارے گی، پھر دوسرا نکاح کر کے چلی جائے گی، مگر وہ ایک سال تک اس مکان میں رہنے کی پابند نہیں، عدت کے بعد جلدی نکاح ہوجائے تو جلدی چلی جائے گی، اور وصیت اموال کی طرح منافع کی بھی ہوسکتی ہے۔

فائدہ: قرآنِ کریم نے لفظ سکنی استعمال نہیں کیا، لفظ متاع استعمال کیا ہے، متاع کے معنی ہیں: اسبابِ زندگی، پس اس کے مفہوم میں نفقہ بھی ہے، میت کے ورثاء ایک سال تک رضا کارانہ بیوی کا نفقہ بھی دیں اور اگر وہ نہ دیں تو معتدہ اپنے جیب سے خرچ کرے اور غریب ہو تو دن میں کام کاج کے لئے نکلے اور کما کر گذارہ کرے یا مسلمانوں کا صالح معاشرہ اس کا تعاون کرے۔

ضمنی مسئلہ: شوہر کے انتقال کے بعد عورت کو چاہئے کہ وہ اسی گھر میں عدت گذارے جس میں وہ شوہر کے ساتھ رہا کرتی تھی، شدید ضرورت کے بغیر کسی اور جگہ (میکہ وغیرہ میں) جا کر عدت گذارنا درست نہیں البتہ حضرت عطاء اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ کے نزدیک جہاں چاہے عدت گذار سکتی ہے۔

آیتِ کریمہ: اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں، اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جائیں کہ ان کو ایک سال تک مکان سے فائدہ اٹھانے دیا جائے، ان کو وہاں سے نکالا نہ جائے، پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اُس میں جو انھوں نے اپنے حق میں قاعدہ کے مطابق کیا، اور اللہ تعالیٰ زبردست صاحب حکمت ہیں —— وہ عورت کا دوسرا انتظام کر سکتے ہیں، مگر اسی میں مصلحت ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَي الْمُتَّقِيْنَ ۝٢٤١ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ

اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٤٢﴾

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ	اور طلاق والیوں کو	عَلَى الْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں پر	لَكُمْ	تمہارے لئے
مَتَاعٌ	فائدہ پہنچانا ہے	كَذٰلِكَ	اس طرح	اٰيٰتِهٖ	اپنے احکامات
بِالْمَعْرُوْفِ	معروف طریقہ پر	يُبَيِّنُ	کھول کر بیان کرتے ہیں	لَعَلَّكُمْ	تا کہ تم
حَقًّا	برحق ہے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	تَعْقِلُوْنَ	سمجھو

۲۵—طلاق والیوں کو تحفہ تحائف دے کر رخصت کرنا

ایک مطلقہ کو تو متعہ دینا واجب ہے، اس کا ذکر (آیت ۲۳۶) میں آیا ہے، باقی مطلقات کو چونکہ مہر ملتا ہے اس لئے متعہ واجب نہیں، البتہ ان کو بھی تحفہ تحائف دے کر رخصت کرنا مستحب ہے، ترکِ تعلقات بھی ہوں تو خوشی کے ساتھ! مطلقہ عورت شوہر کے گھر میں عدت گذارتی ہے، اس لئے جب وہ عدت پوری کر کے رخصت ہو تو اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہئے، اور یہ حکم بھی بر بنائے مصلحت ہے۔

ایک واقعہ: ایک مولانا صاحب پردیسی تھے، ان کا نکاح ہوا، بیوی سے موافقت نہیں ہوئی، انھوں نے خسر کو بلایا اور صورتِ حال ان کے سامنے رکھی، انھوں نے کہا: آپ میری بیٹی کو طلاق دیدیں، چنانچہ وہ ایک رجعی طلاق دے کر بستر اٹھا کر مسجد میں چلے گئے، جس میں وہ نماز پڑھاتے تھے، خسر اپنی لڑکی کے ساتھ رہے، جب عدت پوری ہوئی تو مولانا صاحب گھر آئے، اور بیوی سے کہا: آپ گھر میں سے جو لے جانا چاہیں لے جائیں، اس نے ماچس بھی نہیں چھوڑی، چلتے وقت خسر نے کہا: آپ ہفتہ دس دن کے بعد تشریف لائیں، مولانا صاحب گئے تو انھوں نے چھوٹی لڑکی ان کے نکاح میں دیدی، وہ بیوی لے کر گھر آئے اور وہ ہمیشہ ان کے نکاح میں رہی، یہ حسن سلوک کا فائدہ ہے۔

آیاتِ پاک: اور طلاق دی ہوئی عورتوں کو فائدہ پہنچانا ہے ریت رواج کے مطابق، پرہیزگاروں پر لازم ہے، یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ تم سمجھو! —— اس میں اشارہ ہے کہ آگے نہج بدلے گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٢٤٣﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً
وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٤٥﴾

أَلَمْ تَرَ	کیانہیں دیکھاتو	عَلَى النَّاسِ	لوگوں پر	يُقْرِضُ	قرض دے
إِلَى الَّذِينَ	ان لوگوں کو جو	وَلَٰكِنَّ	لیکن	اللَّهَ	اللہ کو
خَرَجُوا	نکلے	أَكْثَرَ النَّاسِ	اکثر لوگ	قَرْضًا	قرض
مِنْ دِيَارِهِمْ	اپنے گھروں سے	لَا يَشْكُرُونَ	شکر نہیں بجالاتے	حَسَنًا	اچھا
وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	وَقَاتِلُوا	اور لڑو تم	فَيُضَاعِفَهُ	پس بڑھائیں وہ اس کو
أُلُوفٌ	ہزاروں تھے	فِي سَبِيلِ	راستے میں	لَهُ	اس کے لئے
حَذَرَ الْمَوْتِ (۱)	موت کے ڈر سے	اللَّهِ	اللہ کے	أَضْعَافًا	گنا
فَقَالَ لَهُمُ	پس کہا ان سے	وَاعْلَمُوا	اور جان لو تم	كَثِيرَةً	بہت
اللَّهُ	اللہ نے	أَنَّ اللَّهَ	کہ اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
مُوتُوا	مرو تم	سَمِيعٌ	خوب سننے والے	يَقْبِضُ	سکیڑتے ہیں
ثُمَّ أَحْيَاهُمْ	پھر زندہ کیا ان کو	عَلِيمٌ	خوب جاننے والے ہیں	وَيَبْسُطُ	اور کشادہ کرتے ہیں
إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	مَنْ ذَا	یہ کون ہے	وَإِلَيْهِ	اور اسی کی طرف
لَذُو فَضْلٍ	فضل والے ہیں	الَّذِي	جو	تُرْجَعُونَ	لوٹائے جاؤ گے تم

جہاد کا بیان

اب جہاد کا بیان شروع فرماتے ہیں، یہ حکم بھی مصالح پر مبنی ہے، لوگوں کو جہاد میں موت نظر آتی ہے، مگر موت سے تو بچا نہیں جاسکتا، وہ تو مضبوط قلعوں میں بھی آئے گی، ایک قوم جو ہزاروں کی تعداد میں تھی موت سے بچنے کے لئے گھروں سے نکلی، حالانکہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں تھی، وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، تھوڑے تو دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتے، ہزاروں کو کوئی کیا زیر کرے گا؟ مگر موت نے ان کو دبوچ لیا، اللہ کا حکم مرگِ مناجات ثابت ہوا، پھر اللہ نے ان کو زندہ کیا، اللہ بڑے مہربان ہیں، مگر شکر گذار کون ہوتا ہے! —— یہ کون لوگ تھے؟ جہاد سے بھاگے تھے یا طاعون سے؟ اس کی تعیین کی کیا

(۱) حذرَ الموت: خرجوا کا مفعول لہٗ ہے۔

ضرورت ہے؟ بس موت سے بھاگ گئے تھے، قرآنِ کریم تاریخ کی کتاب نہیں، وہ عبرتوں کی کتاب ہے اور مرنا جینا حقیقی تھا، رمزی نہیں تھا، رمزی موت: یعنی بزدلی اور زندہ ہونا یعنی بہادر ہو جانا، یہ مراد نہیں بلکہ واقعۃً وہ مر گئے تھے، پھر اللہ نے ان کو زندہ کیا۔ آگے (آیات ۲۵۹ و ۲۶۰) میں اس کے نمونے آرہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے اس عالم میں ایسے کرشمے دکھانا کچھ مشکل نہیں۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ؁ ﴾

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے، درانحالیکہ وہ ہزاروں تھے، پس اللہ نے ان سے فرمایا: "مرجاؤ!" پھر ان کو زندہ کیا، بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربانی فرمانے والے ہیں، مگر اکثر لوگ شکر بجا نہیں لاتے!

جہاد کے لئے جانی مالی قربانی ضروری ہے

جہاد کے لئے جانی مالی قربانی ضروری ہے، جہاد فوج کے بل بوتے پر نہیں ہوتا، جب مجاہد اللہ سے لو لگا کر میدان میں اترتا ہے تو کامیابی اس کے قدم چومتی ہے، بدر میں مجاہد ۳۱۳ تھے، اور ان کے پاس ڈھنگ کے ہتھیار بھی نہیں تھے، اور سامنے ایک ہزار دشمن ہتھیاروں سے لیس تھے، مگر پلک جھپکتے مجاہدین نے پالا مار لیا، بارہا ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آتی ہے، مجاہدین کی دعائیں اللہ نے سنیں اور ان کے جذبات کی قدر کی۔

اور اگر جہاد کے لئے فنڈ نہ ہو تو مجاہدین ہی چندہ دیں، یہ اللہ کو قرض دینا ہے، اور قرض حسنہ دیں، امیر پر احسان نہ رکھیں، اور جان لیں کہ اللہ تعالیٰ یہ قرض بصورتِ غنیمت کئی گنا بڑھا کر لوٹائیں گے، اور اگر مسلمان نادار ہوں تو جان لیں کہ کشادگی کرنے والے بھی اللہ ہیں، اور تنگی کرنے والے بھی وہی ہیں، جیسے انھوں نے انسانوں کو زمین میں پھیلایا ہے اپنے پاس سمیٹیں گے بھی۔

﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؁ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ؁ ﴾

ترجمہ: اور اللہ کے راستہ میں لڑو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں، وہ کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے؟ پس وہ اس کو کئی گنا اس کے لئے بڑھائیں، اور اللہ تعالیٰ روزی سکیڑتے ہیں اور کشادہ کرتے ہیں، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے — وہاں اپنے خرچ کا صلہ الگ پاؤ گے!

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۲۴۶

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	هَلْ عَسَيْتُمْ	ہوسکتا ہے تم	وَاَبْنَاۗىِٕنَا	اور ہمارے بیٹیوں سے
اِلَى الْمَلَاِ	ایک جماعت کو	اِنْ كُتِبَ	اگر فرض کیا جائے	فَلَمَّا كُتِبَ	پس جب فرض کیا گیا
مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	بنی اسرائیل کی	عَلَيْكُمُ	تم پر	عَلَيْهِمُ	ان پر
مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى	موسیٰ کے بعد	الْقِتَالُ	جہاد	الْقِتَالُ	جہاد
اِذْ قَالُوْا	جب کہا انھوں نے	اَلَّا تُقَاتِلُوْا	کہ نہ لڑو تم؟	تَوَلَّوْا	(تو) پیٹھ پھیری انھوں نے
لِنَبِيٍّ لَّهُمُ	اپنے پیغمبر سے	قَالُوْا	کہا انھوں نے	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑوں نے
ابْعَثْ لَنَا	مقرر کیجیے ہمارے لئے	وَمَا لَنَآ	ہمیں کیا ہوا	مِّنْهُمْ	ان میں سے
مَلِكًا	کوئی بادشاہ	اَلَّا نُقَاتِلَ	کہ نہیں لڑیں گے ہم	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
نُّقَاتِلْ	جہاد کریں ہم	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہِ خدا میں	عَلِيْمٌ	خوب جانتے ہیں
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہِ خدا میں	وَقَدْ اُخْرِجْنَا	حالانکہ نکالے گئے ہیں ہم	بِالظّٰلِمِيْنَ	اپنا نقصان کرنے
قَالَ	کہا اس نے	مِنْ دِيَارِنَا	ہمارے گھروں سے		والوں کو

بنی اسرائیل نے جب جہاد کا حکم ملا تو کنّی کاٹی!

اب پارہ کے ختم تک ایک ہی سلسلۂ بیان ہے۔ سورۃ الصّف کے شروع میں ہے کہ آدمی کو کردار کا غازی بننا چاہئے گفتار کا نہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ آدمی ایک بات کہے اور کرے نہیں، بنی اسرائیل گفتار کے غازی تھے، جب عمل کا موقعہ آیا تو پیچھے ہٹ گئے۔

سورۂ مائدہ (۵:۲۴) میں ہے کہ فرعون سے نجات پانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ان عمالقہ

سے جہاد کرنے کی دعوت دی جو بنی اسرائیل کے وطن فلسطین پر قابض ہو گئے تھے، مگر بنی اسرائیل نے انکار کیا، جس کی سزا میں ان کو صحرائے سینا میں محصور کر دیا، اور اسی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی، بعد میں بنی اسرائیل نے اپنے نبی کی قیادت میں فلسطین کو فتح کیا، اور وہاں جا بسے، مگر آس پاس کی قومیں ان پر حملہ آور ہوتی رہتی تھیں، آخر میں فلسطین کی بت پرست قوم نے ان پر حملہ کر کے انہیں سخت شکست دی، اور وہ متبرک صندوق بھی اٹھا لے گئے جس میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متروکات تھے، بنی اسرائیل جنگ کے موقع پر اس کو آگے رکھا کرتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ایک عرصہ بعد بنی اسرائیل نے اپنے زمانہ کے پیغمبر سے درخواست کی کہ ان پر کوئی بادشاہ مقرر کیا جائے جس کے جھنڈے تلے وہ مشرک اقوام سے جہاد کریں اور اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لیں، اور اپنے لڑکوں کو غلامی سے چھڑائیں، پیغمبر نے فرمایا: اگر اللہ نے کوئی بادشاہ مقرر کیا اور جہاد کا حکم دیا تو تم پیٹھ تو نہیں پھیرو گے؟ انھوں نے جواب دیا: ہرگز نہیں! ہم گریز کیوں کریں گے، ہمارا علاقہ چھین لیا گیا ہے اور ہمارے لڑکے غلام بنا لئے گئے ہیں، ہم ضرور اللہ کے راستہ میں لڑیں گے اور اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لیں گے اور اپنے لڑکوں کو غلامی سے چھڑائیں گے! مگر جب ان پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا گیا تو اولاً تو انھوں نے اس کی سربراہی ماننے ہی سے انکار کر دیا، پھر جب ان کو دلائل سے اور کرشمہ دکھا کر قائل کیا گیا تو جہاد کے لئے نکلے۔ مگر جب طالوت نے ایک نہر پر کھرے کھوٹے کا امتحان کیا تو سب کھوٹے ثابت ہوئے، صرف ۳۱۳ کھرے نکلے، جنھوں نے جہاد کیا اور جالوت کو مار گرایا اور اپنا علاقہ دوبارہ حاصل کیا اور اپنے لوگوں کو غلامی سے چھڑایا۔

اللہ پاک اسی کا ذکر فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل ڈینگیں تو بہت مارتے تھے مگر جب وقت آیا تو سب نے پیٹھ پھیر لی! ایسے مجاہدین سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ میدان سر کریں گے! جہاد کے لئے کردار کی ضرورت ہے، محض باتیں بنانے سے قلعہ فتح نہیں ہوتا۔

آیاتِ پاک: کیا آپ موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد —— تقریباً چار سو سال کے بعد —— بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے احوال نہیں جانتے: جب انھوں نے اپنے پیغمبر سے کہا —— بنی اسرائیل میں چار ہزار انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، یہ پیغمبر کون ہیں؟ ان کا نام قرآن میں نہیں آیا —— کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کیجئے کہ ہم راہِ خدا میں جہاد کریں —— شرعی جہاد کے لئے اجتماعیت اور امارت ضروری ہے —— پیغمبر نے کہا: اگر تم پر جہاد فرض کیا گیا تو ہوسکتا ہے تم جہاد نہ کرو! —— پھر بادشاہ مقرر کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ —— انھوں نے کہا: ہم راہِ خدا میں کیوں جہاد نہیں کریں گے، جبکہ ہم اپنے گھر بار اور بیٹوں سے نکال دیئے گئے ہیں؟ —— یعنی ہمارے علاقے پر دشمن نے قبضہ کر لیا ہے،

اور ہمارے افراد کو غلام بنالیا گیا ہے، ہم ان کی واگذاری کے لئے کیوں تن کی بازی نہیں لگائیں گے؟

پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا ــــ اور ان پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا گیا ــــ تو انھوں نے چند کے سوا ــــ ۳۱۳ کے سوا ــــ سب نے پیٹھ پھیری، اور اللہ تعالیٰ اپنا نقصان کرنے والوں کو خوب جانتے ہیں ــــ یعنی انھوں نے جہاد سے کنی کاٹی تو نقصان کس کا ہوا؟ وہی ثواب سے محروم رہے!

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

وَقَالَ لَهُمْ	اور ان سے کہا	وَنَحْنُ	اور ہم	وَزَادَهٗ	اور بڑھایا ہے اس کو
نَبِيُّهُمْ	ان کے پیغمبر نے	اَحَقُّ	زیادہ حقدار ہیں	بَسْطَةً	پھیلاؤ
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ نے	بِالْمُلْكِ	حکومت کے	فِي الْعِلْمِ	علم میں
قَدْ بَعَثَ	بالتحقیق بھیجا ہے	مِنْهُ	اس سے	وَالْجِسْمِ	اور جسم میں
لَكُمْ	تمہارے لئے	وَلَمْ يُؤْتَ	اور نہیں دیا گیا وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
طَالُوْتَ	طالوت کو	سَعَةً	گنجائش	يُؤْتِيْ	دیتے ہیں
مَلِكًا	بادشاہ	مِّنَ الْمَالِ	مالی	مُلْكَهٗ	اپنا ملک
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	قَالَ	کہا (پیغمبر نے)	مَنْ يَّشَاۗءُ	جس کو چاہتے ہیں
اَنّٰى يَكُوْنُ	کیسے ہوگی	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ نے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
لَهُ الْمُلْكُ	اس کے لئے حکومت	اصْطَفٰىهُ	چنا ہے اس کو	وَاسِعٌ	وسعت والے
عَلَيْنَا	ہم پر	عَلَيْكُمْ	تم پر	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

وَقَالَ لَهُمْ	اور کہا ان سے	فِيهِ سَكِينَةٌ	جس میں تسلی ہے	الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتے
نَبِيُّهُمْ	ان کے پیغمبر نے	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	إِنَّ فِي ذٰلِكَ	بے شک اس میں
إِنَّ اٰيَةَ	بے شک نشانی	وَبَقِيَّةٌ	اور بچی ہوئی چیزیں ہیں	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی ہے
مُلْكِهٖ	اس کی حکومت کی	مِّمَّا تَرَكَ	ان میں سے جو چھوڑی ہیں	لَّكُمْ	تمہارے لئے
أَنْ يَّأْتِيَكُمُ	(یہ ہے) کہ آئے	اٰلُ مُوْسٰى	خاندانِ موسیٰ نے	إِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
	تمہارے پاس	وَاٰلُ هٰرُوْنَ	اور ہارون نے	مُّؤْمِنِيْنَ	یقین کرنے والے
التَّابُوْتُ	(وہ) صندوق	تَحْمِلُهُ	اٹھا لائیں گے اس کو	❁	❁

بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ ماننے سے انکار کیا

وقت کے پیغمبر نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا﴾: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے، یہ بات انھوں نے نبی سے براہِ راست سنی، کوئی سند نہیں تھی جس کی تحقیق ضروری ہو، پھر کیا کمی رہی؟ مؤمن کا اعتماد عقل پر نہیں ہوتا، اللہ ورسول کے حکم پر ہوتا ہے، عقل تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے، اور اللہ کے رسول: اللہ کے رسول ہیں، مؤمن کو حکم رسول کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی، مگر بنی اسرائیل نے نبی کے حکم کو محل اعتراض قرار دیا، انھوں نے کہا: طالوت ہم پر کیسے حکومت کرسکتا ہے، وہ کوئی بڑا مالدار تو ہے نہیں! گویا ان کے نزدیک بادشاہ کے لئے بڑا مالدار ہونا ضروری تھا، نبی نے ان کو سمجھایا کہ یہ چیز بادشاہ کے لئے ضروری نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہاں بڑے مالدار تھے؟ ان کے یہاں تو کھانے کے بھی لالے تھے، مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے خلافت ان کے حوالے کی تھی۔

ہاں بادشاہ کے لئے علم سیاست اور قدرتِ جسمانی ضروری ہے، علم: تدبر وانتظام کے لئے اور جسامت: رعب وقار کے لئے، اور یہ دونوں باتیں طالوت کو حاصل ہیں، پھر تم اللہ کا انتخاب کیوں نہیں مانتے؟ ملک درحقیقت اللہ کا ہے، وہ جسے چاہیں اپنا ملک بخشیں، ان کی بخشش میں کوئی تخصیص نہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ حکومت کا اہل کون ہے؟ انھوں نے طالوت کو بادشاہ نامزد کیا ہے، پھر تم کیوں چوں چرا کرتے ہو!

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا، قَالُوْٓا أَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ، قَالَ إِنَّ اللهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ، وَاللهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهُ مَنْ يَّشَآءُ، وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾

ترجمہ: اور ان سے ان کے پیغمبر نے کہا: بالتحقیق اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے، انھوں نے کہا: وہ

ہم پر کیسے حکومت کرسکتا ہے، جبکہ ہم اس سے حکومت کے زیادہ حقدار ہیں ــــ بنی اسرائیل میں عرصہ سے لاوی کی نسل میں نبوت اور یہودا کی نسل میں بادشاہت چلی آرہی تھی، طالوت: دونوں خاندانوں میں سے کسی سے تعلق نہیں رکھتے تھے ــــ اور اس کے پاس مالی وسعت تو ہے نہیں! ــــ یعنی وہ معاشی اعتبار سے اہل ثروت میں شمار نہیں ہوتا، پس ہم اس کی فرماں روائی کیسے قبول کریں؟

پیغمبر نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بالیقین اس کو تم میں سے چھانٹا ہے، اور علم وجسم میں اس کو برتری بخشی ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جسے چاہتے ہیں عنایت فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے سب کچھ جاننے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کرشمہ دکھایا تب بنی اسرائیل نے مانا

بنی اسرائیل کے پاس ایک صندوق تھا، اس میں موسیٰ وہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، بنی اسرائیل کے نزدیک وہ صندوق بڑا متبرک سمجھا جاتا تھا، جہاد میں اس کو آگے رکھتے تھے، جب بنی اسرائیل نے عمالقہ سے شکست کھائی تھی تو انھوں نے اس صندوق پر بھی قبضہ کرلیا تھا، پیغمبر نے فرمایا: طالوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ وہ صندوق تمہارے پاس پہنچ جائے، اس سے تم کو سکونِ خاطر نصیب ہوگا، اس کو دشمن قوم کے پاس سے فرشتے اٹھالائیں گے، یہ تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ماننے والے ہو، جب انھوں نے یہ معجزہ دیکھا تب کتے کی دُم سیدھی ہوئی!

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾

ترجمہ: اور پیغمبر نے ان سے کہا: اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے جس میں تمہاری تسلی خاطر ہے تمہارے رب کی طرف سے اور اس میں موسیٰ اور ہارون کے متروکات ہیں: ــــ آل کالفظ مقحم (زائد) ہے ــــ اٹھالائیں گے اس کو فرشتے ــــ یعنی بطور معجزہ آئے گا ــــ اس میں بالیقین بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ماننے والے ہو! ــــ فرشتے اس کو کیسے اٹھالائے؟ اس کی وضاحت قرآنِ کریم میں نہیں، مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو اس کی واپسی منظور ہوئی تو ایسا ہوا کہ جہاں وہ تابوت رکھتے تھے وبا پھوٹ پڑتی تھی، اس لئے انھوں نے اس صندوق کو بیل گاڑی پر رکھ کر بنی اسرائیل کی طرف ہنکادیا، فرشتے اس کو ہانک کر طالوت کے گھر پہنچا گئے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۙ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ

غُرْفَةً بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

فَلَمَّا فَصَلَ	پس جب جدا ہوئے	مَنِ اغْتَرَفَ	جس نے چلو بھرا	وَجُنُوْدِهٖ	اور اس کے لشکر سے
طَالُوْتُ	طالوت	غُرْفَةً	ایک چلو		(لڑنے کی)
بِالْجُنُوْدِ	لشکر کے ساتھ	بِيَدِهٖ	اپنے ہاتھ سے	قَالَ الَّذِيْنَ	کہا ان لوگوں نے جو
قَالَ	کہا انھوں نے	فَشَرِبُوْا	پس پیا انھوں نے	يَظُنُّوْنَ	خیال کرتے ہیں
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	مِنْهُ	اس سے	اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا	کہ وہ ملنے والے ہیں
مُبْتَلِيْكُمْ	جانچنے والے ہیں تم کو	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑوں نے	اللّٰهِ	اللہ سے
بِنَهَرٍ	ایک ندی سے	مِّنْهُمْ	ان میں سے	كَمْ	بارہا
فَمَنْ شَرِبَ	پس جس نے پیا	فَلَمَّا جَاوَزَهٗ	پس جب بڑھا وہ اس سے	مِّنْ فِئَةٍ	جماعت
مِنْهُ	اس سے	هُوَ وَالَّذِيْنَ	وہ اور جو لوگ	قَلِيْلَةٍ	تھوڑی
فَلَيْسَ مِنِّيْ	تو وہ میرا نہیں	اٰمَنُوْا مَعَهٗ	ایمان لائے اسکے ساتھ	غَلَبَتْ	غالب آتی ہے
وَمَنْ	اور جس نے	قَالُوْا	کہا انھوں نے	فِئَةً كَثِيْرَةً	زیادہ جماعت پر
لَّمْ يَطْعَمْهُ	نہیں چکھا اس کو	لَا طَاقَةَ	نہیں طاقت	بِاِذْنِ اللّٰهِ	بہ حکم الٰہی
فَاِنَّهٗ مِنِّيْ	تو بیشک وہ میرا ہے	لَنَا الْيَوْمَ	ہمارے اندر آج	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اِلَّا	مگر	بِجَالُوْتَ	جالوت	مَعَ الصّٰبِرِيْنَ	صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں

طالوت نے فوج کا امتحان کیا تو تین سو تیرہ ہی کھرے نکلے

جب طالوت لشکر کے ساتھ دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلے تو راستہ میں انھوں نے فوج کا امتحان کیا، تا کہ کم حوصلہ لوگ پہلے ہی چھٹ جائیں، ان کی جنگ میں شرکت نقصان رساں ہوتی ہے۔ چنانچہ راستہ میں ایک ندی آئی، طالوت نے حکم دیا: نہر سے کوئی پانی نہ پیئے، ہاں ایک چلو بھر سکتا ہے، جو نہر سے پیئے گا وہ میرا نہیں، جب لوگ اس ندی پر پہنچے تو سخت

پیاسے تھے، بے تحاشا اس پر ٹوٹ پڑے اور پیٹ بھر کر پیا، صرف ۳۱۳ فرمان بردار نکلے، جب فوج اس ندی سے آگے بڑھی تو پانی پینے والوں نے ہتھیار ڈال دیئے، اور کہا: آج ہم جالوت اور اس کے لشکر سے لوہا نہیں لے سکتے، یہ کہہ کر وہ خود ہی لوٹ گئے، صرف کھرے مؤمنین ہی ساتھ رہ گئے، یہ نہر کونسی تھی؟ معلوم نہیں! تعیین کر کے کیا کرو گے؟ بس اتنی بات کافی ہے کہ ایک نہر پر امتحان کیا۔

آیاتِ کریمہ: پھر جب طالوت لشکر کے ساتھ (وطن سے) جدا ہوئے تو انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان کرنے والے ہیں ایک نہر کے ذریعہ، پس جو اس سے پیئے گا وہ میرا نہیں، اور جو اس کو نہیں چکھے گا وہ میرا ہے، البتہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھرنے کی اجازت ہے —— منی اور لیس منی محاورہ ہے، یعنی میرا ہم مزاج نہیں۔

پس ان (سب نے) نہر سے پیا، تھوڑے لوگوں کے علاوہ، پھر جب طالوت اور وہ لوگ جنھوں نے ان کی بات مانی تھی اس نہر سے آگے بڑھے تو ان لوگوں نے کہا: آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں —— یہ کہہ کر وہ راستہ سے لوٹ گئے۔

اور ان لوگوں نے کہا جن کا خیال تھا کہ وہ اللہ سے ملنے والے ہیں: بارہا چھوٹی جماعت بہ حکم الٰہی بڑی جماعت پر غالب آتی ہے، اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں —— یہ کہہ کر انھوں نے قدم آگے بڑھائے!

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۵۰ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۵۱ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۵۲

وَلَمَّا بَرَزُوْا	اور جب ظاہر ہوئے وہ	رَبَّنَآ	اے ہمارے پروردگار!	اَقْدَامَنَا	ہمارے پیر
لِجَالُوْتَ	جالوت کے لئے	اَفْرِغْ عَلَيْنَا	ریڑھ ہم پر	وَانْصُرْنَا	اور مدد کر ہماری
وَجُنُوْدِهٖ	اور اس کے لشکر کے لئے	صَبْرًا	صبر	عَلَى الْقَوْمِ	لوگوں پر
قَالُوْا	دعا کی انھوں نے	وَّثَبِّتْ	اور جما	الْكٰفِرِيْنَ	انکار کرنے والے

فَهَزَمُوْهُمْ	پس شکست دی انھوں	مِمَّا	اس میں سے جو	ذُوْ فَضْلٍ	مہربانی والے ہیں
	نے ان کو	يَشَآءُ	چاہا اس نے	عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں پر
بِاِذْنِ اللّٰهِ	اللہ کی اجازت سے	وَلَوْلَا	اور اگر نہ	تِلْكَ	یہ
وَقَتَلَ	اور مار ڈالا	دَفْعُ اللّٰهِ	ہٹاتے اللہ	اٰيٰتُ اللّٰهِ	اللہ کی آیتیں ہیں
دَاوٗدُ	داؤد نے	النَّاسَ	لوگوں کو	نَتْلُوْهَا	پڑھتے ہیں ہم ان کو
جَالُوْتَ	جالوت کو	بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کو	عَلَيْكَ	آپؐ کے سامنے
وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ	اور دی ان کو اللہ نے	بِبَعْضٍ	بعض کے ذریعہ	بِالْحَقِّ	ٹھیک ٹھیک
الْمُلْكَ	حکومت	لَّفَسَدَتِ	البتہ خراب ہوجاتی	وَاِنَّكَ	اور بے شک آپؐ
وَالْحِكْمَةَ	اور حکمت	الْاَرْضُ	زمین	لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ	البتہ رسولوں میں سے
وَعَلَّمَهٗ	اور سکھلایا ان کو	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	اور لیکن اللہ تعالیٰ		ہیں

طالوت کے ساتھیوں نے دعا کر کے جنگ شروع کی اور جالوت کو مار گرایا

طالوت کے تین سو تیرہ ساتھیوں نے جب دونوں طرف کی صفیں درست ہوگئیں دعا کی: ’’اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر انڈیل دے، اور ہمارے قدم جمادے، اور ہمیں اسلام کا انکار کرنے والوں پر فتح نصیب فرما!‘‘ پھر جنگ شروع ہوئی، سب سے پہلے بادشاہ جالوت خود میدان میں آیا، اور مبارز (آگے بڑھ کر لڑنے والا) طلب کیا، اِدھر سے حضرت داؤد علیہ السلام نکلے (اس وقت وہ نبی نہیں تھے) اور انھوں نے جالوت کو مار گرایا، پھر کیا تھا؟ جالوت کی فوج شکست کھا گئی، اور مجاہدین نے پالا مارلیا!

جیسے بدر میں ۳۱۳ مجاہد تھے، سامنے ایک ہزار کا لشکر جرّار تھا، اور بخاری شریف میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ طالوت کے ساتھی بھی ۳۱۳ تھے، جب دونوں طرف صفیں درست ہوگئیں تو نبی ﷺ چھپر میں تشریف لے گئے، اور دعا میں مشغول ہوگئے، اس لئے کہ دعا: دواء سے زیادہ کارگر ہوتی ہے، پھر جنگ شروع ہوئی اور ابوجہل (امیر لشکر) کا دو نوجوانوں نے کام تمام کردیا، پھر کیا تھا؟ فوج سراسیمہ ہوگئی، ستّر مارے گئے اور ستّر قید میں آئے، اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

﴿ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۞ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ ﴾

ترجمہ: اور جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے آمنا سامنا ہوا تو انھوں نے دعا کی: ’’اے ہمارے رب! ہم پر صبر

انڈیل دے، اور ہمارے پیر جما دے، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما!'' پس انھوں نے ان کو بہ اذنِ الٰہی شکست دی، اور داؤد نے جالوت کو مار گرایا۔

طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ بنے، اور وہ نبوت سے بھی سرفراز کئے گئے

کہتے ہیں: اس کارنامہ کی وجہ سے طالوت نے اپنی بیٹی حضرت داؤد علیہ السلام کے نکاح میں دیدی، اس طرح آئندہ حضرت داؤد علیہ السلام حکمراں ہوئے، اور نبوت سے بھی سرفراز کئے گئے، ملک سے بادشاہت اور حکمت سے نبوت کی طرف اشارہ ہے، اور علوم نبوت بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام میں حکومت اور نبوت دونوں کو جمع فرما دیا ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد ہمیشہ سے انبیاء کی سنت ہے، پس یہ کہنا صحیح نہیں کہ جہاد انبیاء ورسل کا کام نہیں۔

﴿ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ﴾

ترجمہ: اور اللہ نے اس کو (داؤد علیہ السلام کو) حکومت اور حکمت دی، اور اس کو جو چاہا سکھایا۔

جب کوئی ملت نئی ابھرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاوا دیتے ہیں

اس کے بعد ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ طالوت نے چٹ پٹ جنگ کیسے جیت لی؟ جالوت: جو میدان میں اس دعوی کے ساتھ اترا تھا کہ میں تنہا سب کے لئے کافی ہوں: اس کو حضرت داؤد علیہ السلام نے اکیلے کیسے مار گرایا؟ جبکہ مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام سب بھائیوں میں ناتواں تھے!

اس کے ساتھ اگر بدر کی مثال ملا لیں تو بات اور واضح ہوگی، ۳۱۳ نہتے کس طرح دن بھر میں ہزار کے لشکر سے نمٹ لئے؟ اور دو انصاری لڑکوں نے امیر لشکر ابو جہل کو کیسے مار گرایا؟ یہ عجوبے کیسے پیش آئے؟ کہیں یہ افسانے تو نہیں!

جواب: نہیں، یہ حقائق ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب زمین شر وفساد اور کفر وشرک سے بھر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو مبعوث فرماتے ہیں، شروع میں ان کے ماننے والے تھوڑے ہوتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کو بڑھاوا دیتے ہیں، جب ان کی دشمنوں سے آویزش ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتے ہیں، اور ان کے ذریعہ دشمنوں کو دفع کرتے ہیں، تاکہ حق کا بول بالا ہو، اور زمین میں رشد وہدایت پھیلے، اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں تو زمین کا حال برا ہو جائے، کفر وشرک اور شر وفساد کا راج ہو جائے، اور کبھی صورتِ حال میں تبدیلی نہ آئے، اس لئے یہ اللہ کی سنت ہے، اسی کے مطابق طالوت نے جنگ جیت لی، اور اسی سنت کا بدر میں ظہور ہوا، فرشتے اترے اور میدان مجاہدین نے مار لیا!

اس کی ایک مثال: سورۃ الصف کی آخری آیت میں ہے، عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے، مگر شروع میں ان کی دعوت قبول نہیں کی گئی، بنی اسرائیل سخت مخالف ہوگئے، قتل کے درپے ہوئے، اللہ نے ان کو تو رسوائی سے بچالیا، اپنی طرف اٹھالیا، مگر ان کے بعد ان کا دین غالب ہوکر رہا، یارانِ مسیح (حواری) تھوڑے تھے، وہ حسب ونسب کے اعتبار سے بھی کچھ معزز نہیں تھے، مسیح علیہ السلام نے ان کو پکارا، انھوں نے لبیک کہا، رفع عیسیٰؑ کے بعد انھوں نے بڑی قربانیاں دے کر بنی اسرائیل میں دعوت پھیلائی، ایک جماعت تیار ہوئی، پھر کش مکش شروع ہوئی، اور جہاد کی نوبت آئی، پس اللہ نے اہل حق کی مدد کی تو ان کا ہاتھ اوپر ہوگیا۔

﴿ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعہ نہ ہٹایا کرتے تو زمین خراب ہوجاتی لیکن اللہ تعالیٰ جہانوں پر مہربانی فرمانے والے ہیں! — یعنی جہاد انسانیت کی تباہی کے لئے نہیں، بلکہ انسانوں کے تحفظ اور زمین والوں کی اصلاح کے لئے ہے، اگر ظالموں کی سرکوبی نہ ہو، اور ان کے مقابلہ میں کوئی طاقت نہ ابھرے تو انسانوں کے لئے جینا دوبھر ہوجائے!

نبی ﷺ گذشتہ رسولوں سے افضل ہیں

ربط: اب گریز کی آیت ہے، موضوع بدلے گا، اب تک ان احکام کا بیان تھا جو مبنی بر مصلحت تھے، اب رسالت، آخرت اور توحید کا بیان شروع ہوگا، یہاں ترتیب برعکس ہے، یہ سلسلۂ بیان کا تقاضا ہے۔

فرماتے ہیں: بنی اسرائیل کا یہ واقعہ جو نبی ﷺ بیان فرما رہے ہیں: آپؐ کے سچے رسول ہونے کی پکی دلیل ہے، یہ اللہ کی آیتیں ہیں، جو آپؐ پر نازل کی جارہی ہیں، ان میں واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کیا گیا ہے، جبکہ نبی ﷺ اس زمانہ میں موجود نہیں تھے، پھر آپؐ وہ واقعہ کیسے بیان کررہے ہیں؟ آپؐ نہیں بیان کررہے، اللہ تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں، پس یہ آیات دلیل ہیں کہ آپؐ بھی گذشتہ پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں، بلکہ آپؐ گذشتہ رسولوں سے بھی افضل رسول ہیں، جس کا بیان اگلی آیت میں ہے۔

﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾

ترجمہ: یہ اللہ کی آیتیں ہیں، ہم ان کو آپؐ کے سامنے ٹھیک ٹھیک پڑھتے ہیں اور (یہ دلیل ہیں کہ) آپؐ یقیناً رسولوں میں سے ہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

تِلْكَ الرُّسُلُ	وہ پیغامبر	ابْنَ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	وَلٰكِنِ	لیکن
فَضَّلْنَا	برتری بخشی ہم نے	الْبَيِّنٰتِ	واضح معجزات	اخْتَلَفُوْا	اختلاف کیا انھوں نے
بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کو	وَاَيَّدْنٰهُ	اور قوی کیا ہم نے اس کو	فَمِنْهُمْ	پس ان میں سے بعض
عَلٰى بَعْضٍ	بعض پر	بِرُوْحِ الْقُدُسِ	پاکیزہ روح سے	مَّنْ اٰمَنَ	جو ایمان لائے
مِنْهُمْ	ان میں سے بعض	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے	وَمِنْهُمْ	اور ان میں سے بعض
مَّنْ كَلَّمَ	جن سے گفتگو فرمائی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مَّنْ كَفَرَ	جو ایمان نہیں لائے
اللّٰهُ	اللہ نے	مَا اقْتَتَلَ	(تو) نہ لڑتے	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے
وَرَفَعَ	اور بلند کیا	الَّذِيْنَ	جو لوگ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کے	مِنْ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد ہوئے	مَا اقْتَتَلُوْا	(تو) نہ لڑتے وہ
دَرَجٰتٍ	درجات	مِّنْ بَعْدِ	بعد	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	مگر اللہ تعالیٰ
وَاٰتَيْنَا	اور دیئے ہم نے	مَا جَآءَتْهُمُ	ان کے پاس آنے	يَفْعَلُ	کرتے ہیں
عِيْسَى	عیسیٰ کو	الْبَيِّنٰتُ	واضح دلائل کے	مَا يُرِيْدُ	جو چاہتے ہیں

رسالت کا بیان

رسولوں کے مراتب متفاوت ہیں اور نبی ﷺ کے درجات سب سے بلند ہیں

سبھی انبیاء و رسل برگزیدہ اور اللہ کے مقبول بندے ہیں، سب کا احترام ہر مؤمن پر واجب ہے، کسی کی ادنیٰ اہانت ایمان سے محرومی کا باعث ہے، پھر رسولوں کا مرتبہ انبیاء سے بلند ہے، رسول: صاحبِ شریعت ہوتا ہے اور نبی تابع

شریعت، موسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت رسول ہیں اور ان کے بعد چار ہزار انبیاء تابع شریعت ہوئے ہیں، پھر رسولوں میں بھی تفاضل (مراتب کا فرق) ہے، پانچ اولوالعزم رسول (نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہم اجمعین) دیگر رسولوں سے بلند مرتبہ ہیں، پھر ان میں بھی تفاوتِ مراتب ہے، اور سب سے افضل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، آپؐ پر نبوت کا سلسلہ پورا ہوگیا، اور آپ کی بعثت دوہری ہے، آپؐ کی امت بھی مبعوث ہے اور وہ خیر امت ہے۔

(رحمۃ اللہ الواسعہ ۲:۵۰)

فضیلتِ کلی اور فضیلتِ جزئی:

فضیلت کی دو قسمیں ہیں: کلّی اور جزئی، فضیلتِ کلی: یعنی ہمہ وجوہ فضیلت، اور فضیلتِ جزئی: یعنی کسی خاص بات میں فضیلت، مثلاً: ایک طالب علم دورہ میں اول آیا اور دوسرے کے بخاری شریف میں زیادہ نمبر ہیں، پس اول کو فضیلتِ کلی حاصل ہے، اور ثانی کو فضیلتِ جزئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جزئی فضیلتیں حاصل ہیں، اور نبی ﷺ کو کلی فضیلت، موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں، اللہ نے ان سے زمین میں فرشتہ کے توسط کے بغیر کلام فرمایا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو کئی جزئی فضیلتیں حاصل ہیں، اللہ نے ان کو کئی معجزات دیئے تھے، وہ مادر زاد اندھے کو بینا کرتے تھے، کوڑھی کو چنگا کرتے تھے، مردے کو زندہ کرتے تھے، مٹی کی چڑیا بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ زندہ ہوجاتی تھی۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام یا کوئی اور فرشتہ ہر وقت ان کی اردلی میں رہتا تھا، یہ سب جزئی فضیلتیں ہیں، اور ہمارے نبی ﷺ کے درجات اللہ نے سب سے بلند کئے، یہ کلی فضیلت ہے، آپؐ آخری پیغمبر ہیں، آپؐ کی بعثت دوہری ہے، آپؐ کی امت بھی مبعوث ہے، آپؐ پر اللہ نے اپنا کلام نازل فرمایا، جو آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ ہے، سابقہ کتابیں: اللہ کی کتابیں تھیں، اللہ کا کلام نہیں تھیں، کلام یا تو فرشتہ کا ہوتا تھا یا نبی کا، اور قرآن سارا اللہ کا کلام ہے (تفصیل تحفۃ القاری ۹:۴۵ میں ہے)

اب یہاں دو سوال ہیں:

پہلا سوال: جب انبیاء و رسل میں تفاضل ہے، اور نبی ﷺ سب سے افضل رسول ہیں: تو آپؐ نے اپنی برتری بیان کرنے سے کیوں منع کیا؟ ایک حدیث میں ہے: "مجھے موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح مت دو" (بخاری) اور دوسری حدیث میں ہے کہ مت کہو کہ میں یونس علیہ السلام سے بہتر ہوں (بخاری) اس ممانعت کی کیا وجہ ہے؟

جواب: کسی نبی یا رسول کی اس طرح فضیلت بیان کرنا کہ دوسرے نبی یا رسول کی تنقیص (توہین) لازم آئے جائز

نہیں، مذکورہ دونوں حدیثوں میں اسی طرح کی تفصیل کی ممانعت ہے (تفصیل تحفۃ القاری ۷: ۲۷ میں ہے) ورنہ فی نفسہ فضیلت بیان کرنا جائز ہے، اور تقابل کے بغیر فضیلت بیان کرنا بھی جائز ہے۔

ملحوظہ: جزئی فضیلت میں خاص فضیلت کا ذکر کیا جاتا ہے، اور کلی فضیلت میں تفصیل نہیں کی جاتی، مثلاً: کہا جائے گا کہ فلاں طالب علم کے بخاری شریف میں سب سے زیادہ نمبر ہیں، اور جو اول نمبر آیا ہے اس کے حق میں صرف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ پوزیشن لایا ہے، اس کے نمبرات ذکر نہیں کئے جاتے، چنانچہ موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام کے جزئی فضائل بیان کئے، اور نبی ﷺ کے حق میں فرمایا: ﴿ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ﴾ یعنی بعض رسولوں کو سب سے اونچا درجہ دیا۔

سوال دوم: جب ﴿ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ﴾ میں نبی ﷺ کی فضیلتِ کلی کا بیان ہے تو اس کو مؤخر کیوں نہیں لائے؟ پہلے موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے جزئی فضائل بیان کئے جاتے، پھر آپؐ کی فضیلتِ کلی بیان کی جاتی، آپؐ کا تذکرہ درمیان میں کیوں آیا؟

جواب: موسیٰ علیہ السلام کی جزئی فضیلت کے بعد آپؐ کی فضیلتِ کلی کا تذکرہ بطور استدراک آیا ہے۔ استدراک کے معنی ہیں: کلام سابق سے پیدا ہونے والے وہم کو دور کرنا، موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ کے کلام فرمانے سے ان کی فضیلتِ کلی کا خیال پیدا ہوسکتا تھا، اس لئے بات آگے بڑھائی کہ فضیلتِ کلی تو کسی اور کو حاصل ہے، پھر باقی کلام پورا کیا یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے جزئی فضائل بیان کئے ہیں۔

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۚ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۚ ﴾

ترجمہ: ہم نے اُن پیغمبروں کو بعض کو بعض پر برتری بخشی ـــــ یہ قاعدہ کلیہ کا بیان ہے کہ انبیاء ورسل میں تفاضل ہے ـــــ ان میں سے بعض سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ـــــ یہ موسیٰ علیہ السلام کی فضیلتِ جزئی کا بیان ہیں ـــــ اور ان میں سے بعض کے مراتب بلند کئے ـــــ یہ نبی ﷺ کی فضیلتِ کلی کا بیان ہے، اور معاً یہ بات استدراک کے طور پر آئی ہے ـــــ اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ـــــ یعنی وہ مریم کے بیٹے تھے، اللہ کے بیٹے نہیں تھے ـــــ کھلے معجزات دیئے ـــــ ان معجزات کا ذکر اوپر آگیا ـــــ اور ہم نے ان کو پاک روح کے ذریعہ قوی کیا ـــــ پاک روح سے، جبرئیل علیہ السلام مراد لئے گئے ہیں، مگر عام ملاءِ اعلیٰ بھی مراد لے سکتے ہیں، جو کبھی کبھی اترتے ہیں اور انسانوں کو تعلیم دیتے ہیں اور ان سے باتیں کرتے ہیں، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے نبی ﷺ نے دعا کی تھی: ''الٰہی! پاکیزہ روح کے ذریعہ حسان کو تقویت پہنچا!'' (بخاری) (رحمۃ اللہ ۲: ۴۷)

نبی ﷺ کو دلاسا (تسلی)

آگے ایک سوال کا جواب ہے، اور اس میں نبی ﷺ کی دلداری اور تسلی بھی ہے، سوال یہ ہے کہ جب آپ ﷺ سب سے بڑے رسول ہیں تو آپؐ کی مخالفت کیوں ہو رہی ہے؟ کوئی ایمان لاتا ہے کوئی نہیں لاتا، چاہئے تھا کہ سب لوگ آپؐ کی بات مان لیتے اور ایمان لے آتے؟

اس کے جواب میں دو باتیں فرمائی ہیں، اور قرآنِ کریم کا اسلوب ہے کہ جب وہ کسی تمہید پر دو باتیں متفرع کرتا ہے تو تمہید لوٹا کر دوسری بات کہتا ہے، پس یہ تکرار نہیں۔

پہلی بات: گذشتہ رسولوں کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آتا رہا ہے، کوئی ایمان لاتا تھا کوئی نہیں لاتا تھا، پھر فریقین میں آویزش ہوتی تھی، اور مخالفت اس حد تک بڑھتی کہ جنگ و پیکار کی نوبت آتی، جبکہ رسول واضح معجزات کے ساتھ مبعوث کئے جاتے تھے، پھر بھی سب لوگ ایمان نہیں لاتے تھے، پس آج یہ کوئی نئی بات نہیں، آپؐ اس سے دل گیر نہ ہوں۔

دوسری بات: دنیا امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے، یہاں نیکی اور برائی کی آزادی ہے، اور اسی کی بنیاد پر آخرت میں جزا و سزا قائم ہوگی، اور اس اختلاف کے پیچھے مشیت الٰہی کارفرما ہے، اللہ تعالیٰ چاہتے تو غیب کو شہود کر دیتے، اور جو باتیں غیب کے پردے میں چھپی ہیں ان کو انسان سر کی آنکھوں سے دیکھ لیتا، اور کوئی انکاری نہ رہتا، سب ایمان لے آتے، نہ کفر رہتا نہ رسولوں کی مخالفت، مگر اللہ نے جیسا چاہا ویسا ہو رہا ہے۔

﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ نہ لڑتے جو اُن (رسولوں) کے بعد ہوئے، ان کے پاس واضح دلائل آجانے کے بعد لیکن انھوں نے (لوگوں نے رسولوں سے) اختلاف کیا، پس ان میں سے کوئی ایمان لایا اور کسی نے انکار کیا —— پھر فریقین میں آویزش شروع ہوئی، پھر جنگ کی نوبت آئی، یہ پہلی بات ہے۔

اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ باہم نہ لڑتے —— یہ تمہید لوٹائی —— لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں —— یہ دوسری بات ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	مِّنْ قَبْلِ	پہلے	وَلَا خُلَّةٌ	اور نہ دوستی
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	اَنْ يَّاْتِيَ	اس سے کہ آئے	وَّلَا شَفَاعَةٌ	اور نہ سفارش
اَنْفِقُوْا	خرچ کرو	يَوْمٌ	وہ دن	وَالْكٰفِرُوْنَ	اور حکم نہ ماننے والے
مِمَّا	اس میں سے کچھ جو	لَّا بَيْعٌ	نہیں سودا ہے	هُمُ	ہی
رَزَقْنٰكُمْ	بطور روزی دیا ہم نے تم کو	فِيْهِ	اس میں	الظّٰلِمُوْنَ	اپنا نقصان کرنے والے ہیں

آخرت کا بیان

رسالت کے بعد اب آخرت کا بیان ہے، گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسا چاہا ہے کہ عالم (دنیا) دو ہوں: عالم مشاہد اور عالم غیب، پہلے انسانوں کو عالم مشاہد (نظر آنے والی دنیا) میں پیدا کیا جائے، اور وہاں اس کو عمل واعتقاد کی آزادی دی جائے، اور دونوں عالموں کے درمیان گاڑھا پردہ ڈال دیا جائے، پھر اس دنیا کا آخری دن آئے، جو قیامت کا دن ہو، اس میں انسان کے بھلے برے کا حساب ہو، پھر اس کو آخرت میں منتقل کیا جائے، جہاں اس کو جزاو سزا سے سابقہ پڑے، اس لئے اس دنیا کو آخرت سے مختلف بنایا ہے، پس ضروری ہے کہ انسان اس دنیا میں آنے والی دنیا کے لئے تیاری کرے۔

اور عبادتیں دو ہیں: بدنی اور مالی، دونوں ضروری ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جان ومال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، مگر مالی عبادت نفس پر زیادہ شاق (بھاری) ہے، انسان چمڑی دے سکتا ہے دمڑی نہیں دیتا، اس لئے ایمان لانے والوں کو حکم دیتے ہیں کہ تمہارے پاس جو کچھ مال ومنال ہے وہ تمہارا نہیں، ہم نے تم کو بطور روزی (بھتا) دیا ہے، اس میں سے کچھ خرچ کرو، زکات دو، اگر ایسا نہیں کرو گے تو حساب کا دن آرہا ہے، اس دن نہ کوئی سودا بازی چلے گی، نہ دوستی کام آئے گی، نہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کر سکے گا، پس حکم مانو اور زکات ادا کرو، جو حکم نہیں مانیں گے وہ پچھتائیں گے۔

آیتِ کریمہ: اے ایمان والو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو بطور روزی دیا ہے —— مالک نہیں بنایا —— اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ سودا ہوگا، نہ دوستی اور نہ سفارش کام آئے گی، اور جو لوگ حکم نہیں مانیں گے وہی اپنا نقصان کریں گے!

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

اَللّٰهُ	اللہ پاک	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے	مِّنْ عِلْمِهٖٓ	اس کے علم سے
لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	مَنْ ذَا	کون ہے یہ	اِلَّا بِمَا شَآءَ	مگر جتنا چاہے وہ
اِلَّا هُوَ	مگر وہی	الَّذِيْ	جو	وَسِعَ	کشادہ ہے
اَلْحَيُّ	زندہ	يَشْفَعُ	سفارش کرے	كُرْسِيُّهُ(۲)	اس کی کرسی
اَلْقَيُّوْمُ(۱)	تھامنے والا	عِنْدَهٗٓ	اس کے پاس	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو
لَا تَاْخُذُهٗ	نہیں پکڑتی اس کو	اِلَّا بِاِذْنِهٖ	مگر اس کی اجازت سے	وَالْاَرْضَ	اور زمین کو
سِنَةٌ	اونگھ	يَعْلَمُ	جانتا ہے	وَلَا يَئُوْدُهٗ(۳)	اور نہیں تھکاتا اس کو
وَّلَا نَوْمٌ	اور نہ نیند	مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ	جو ان کے سامنے ہے	حِفْظُهُمَا	ان دونوں کی حفاظت کرنا
لَهٗ مَا	اس کی ملک ہے جو	وَمَا خَلْفَهُمْ	اور جو ان کے پیچھے ہے	وَهُوَ	اور وہ
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے	وَلَا يُحِيْطُوْنَ	اور نہیں گھیرتے وہ	الْعَلِيُّ	برتر
وَمَا	اور جو کچھ	بِشَيْءٍ	کسی چیز کو	الْعَظِيْمُ	عظمت والا ہے

توحید کا بیان

اب ایک آیت میں توحید کا بیان ہے، اور اللہ تعالیٰ کی شئون وصفات کا ذکر ہے، اس آیت کا نام آیت الکرسی ہے۔ احادیث میں اس کے بڑے فضائل آئے ہیں، ایک حدیث میں اس کو افضلِ آیات فرمایا ہے، اور نسائی کی حدیث میں ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد اس کو پڑھے گا اس کے جنت میں داخل ہونے کے لئے موت کے سوا کوئی مانع نہیں ہوگا (معارف القرآن) اور بخاری شریف کی روایت ہے کہ جو شخص رات میں سوتے وقت اس آیت کو پڑھ لے تو صبح تک

(۱) القیوم: قائم سے صیغۂ مبالغہ: وہ ذات جو خود رہنے والی اور دوسری کو رکھنے والی ہے (۲) کان الحسن یقول: الکرسی ھو العرش (درمنثور ۱: ۳۲۸) اصحابِ ظواہر کے نزدیک: بیٹھنے کی کرسی مراد ہے (لغات القرآن) (۳) یؤد: مضارع، واحد مذکر غائب: آدَ (ن) أَوْدًا الشیئُ حامِلَه: تھکا دینا، بوجھ سے جھکا دینا، بوجھل بنا دینا، ہٗ مفعول بہ، حفظھما: فاعل ہے۔

شیطان سے اس کی حفاظت ہوگی۔ اس آیت کے پہلے جملہ میں توحید کا بیان ہے یعنی معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں، باقی نو جملوں میں صفات کا بیان ہے:

۱-﴿ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ﴾: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں —— یعنی قابلِ عبادت اللہ کی ذات کے سوا کوئی چیز نہیں۔

۲-﴿ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴾: وہ زندۂ جاوید، کائنات کو تھامنے والے ہیں —— یعنی وہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ وہ عدم اور موت سے بالاتر ہیں، اور قیوم: اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، کائنات اللہ نے پیدا کی ہے اور وہی اس کو سنبھالے ہوئے ہیں، کوئی دوسرا ان کا شریک وسہیم نہیں۔

ملحوظہ: ﴿ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴾: یہ دو صفتیں بہت سے حضرات کے نزدیک اسمِ اعظم ہیں، پس ان کا ورد رکھنا چاہئے۔

۳-﴿ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ﴾: ان کو نہ اونگھ دباتی ہے نہ نیند —— اگر اللہ تعالیٰ کو اونگھ آجائے یا نیند تو کائنات کو کون سنبھالے گا؟ پلک جھپکتے عالم برباد ہوجائے گا! اور قرآن میں دوسری جگہ ہے کہ تھکان ان کو چھو کر بھی نہیں گئی، وہ ان عوارض سے بالاتر ہیں، مخلوقات پر ان کو قیاس نہ کیا جائے۔

۴-﴿ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ﴾: ان کی ملک ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں —— بندوں کی ملکیت مجازی ہے، ہر چیز کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اس لئے کہ سب چیزیں انھوں نے پیدا کی ہیں، پس وہی مالک ہیں، دوسرا جو بھی مالک بنا ہوا ہے وہ برائے نام مالک ہے۔

۵-﴿ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ﴾: ایسا کون ہے جو سفارش کرے ان کے سامنے ان کی اجازت کے بغیر؟ —— ایسا کوئی نہیں! کیونکہ جب وہ مالکِ حقیقی ہیں تو اپنی ملکیت میں جو چاہیں تصرف کریں، ان سے باز پرس کا کسی کو کیا حق ہے؟ کوئی دخل در معقولات نہیں کرسکتا، البتہ مقبولانِ بارگاہ بہ اذنِ الٰہی لب کشائی کرسکتے ہیں، قیامت کے دن نبی ﷺ تمام امتوں کے لئے سفارش فرمائیں گے۔

۶-﴿ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ﴾: جانتے ہیں وہ جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے —— ﴿ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ﴾ محاورہ ہے یعنی مخلوقات کے تمام احوال جانتے ہیں، ان کا علم سب چیزوں کو محیط ہے، کیونکہ اس کے بغیر نہ سب چیزوں کو سنبھال سکتے ہیں نہ ان کے حق میں مناسب فیصلہ کرسکتے ہیں۔

۷-﴿ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾: اور مخلوقات احاطہ نہیں کرسکتی ان کے علم میں سے کسی بھی حصہ کا، مگر جتنا وہ چاہیں —— یعنی تمام مخلوقات (انسان اور ان کے علاوہ) اللہ کے علم کے کسی بھی حصہ کا احاطہ

نہیں کر سکتی، مگر خود اللہ تعالیٰ جس کو اپنے علم کا جتنا حصہ عطا فرمائیں وہ جان سکتی ہے، اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے، کوئی انسان یا کوئی مخلوق اس میں اللہ کی شریک نہیں۔

۸- ﴿ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ﴾: ان کی کرسی آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے —— یعنی اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اور کرسی کے معنی ہیں تخت، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے نزدیک: عرش اور کرسی ایک ہیں، تخت نشینی اور چیر مینی کا ایک مطلب ہے —— دوسرے حضرات کہتے ہیں: کرسی ایک مخلوق ہے، عرش سے چھوٹی اور آسمانوں سے بڑی —— پھر اصحاب ظواہر (سلفی) کہتے ہیں: کرسی کے حقیقی معنی مراد ہیں، یعنی بیٹھنے کی کرسی، مگر اس کی نوعیت مجہول (انجانی) ہے —— اور حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ (تابعی) نے اس کی تاویل علم الٰہی سے کی ہے، اور وہ یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بھی کرتے ہیں۔

۹- ﴿ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ﴾: اور ان کے لئے دونوں کی حفاظت کچھ مشکل نہیں —— یعنی اس قادر مطلق کے لئے آسمانوں اور زمین کی نگہبانی نہایت آسان ہے۔

۱۰- ﴿ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴾: اور وہ برتر اور عظیم المرتبت ہیں —— یعنی وہ عالی شان اور عظیم المرتبہ ہیں!

ان دس جملوں میں توحید کا مضمون اور صفاتِ کمالیہ کا بیان پوری وضاحت کے ساتھ آگیا ہے، ان کو سمجھ لینے کے بعد ہر شخص یقین کر لے گا کہ ہر عزت و عظمت اور بلندی و برتری کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، دوسرا کوئی ان کا ہم سر نہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۟ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

لَآ اِكْرَاهَ	نہیں زبردستی	مِنَ الْغَيِّ	گمراہی سے	بِاللّٰهِ	اللہ کا
فِي الدِّيْنِ (۱)	دین میں	فَمَنْ يَّكْفُرْ	پس جو انکار کرے	فَقَدِ	تو بالتحقیق
قَدْ تَّبَيَّنَ	بے شک واضح ہوگئی	بِالطَّاغُوْتِ (۲)	گمراہ کرنے والے کا	اسْتَمْسَكَ	تھام لیا اس نے
الرُّشْدُ	ہدایت	وَ يُؤْمِنْۢ	اور یقین کرے	بِالْعُرْوَةِ	کڑا (حلقہ)

(۱) الدین: سے مراد دین اسلام ہے، جس کی بنیادی تعلیم توحید ہے۔ (۲) الطاغوت: اسم مفرد، جمع طواغیت، مذکر و مؤنث، اور مفرد و جمع یکساں: گمراہ کرنے والا، خواہ معبود باطل ہو، خواہ گمراہ کرنے والا انسان، جن یا بت ہو۔ فعل: طَغٰی (ف) طَغْيًا و طُغْيَانًا: حد سے بڑھ جانا، سرکشی کرنا۔

خوب سننے والے	سَمِيْعٌ	اس کے لئے	لَهَا	مضبوط	الْوُثْقٰى
خوب جاننے والے ہیں	عَلِيْمٌ	اور اللہ تعالیٰ	وَاللّٰهُ	نہیں ٹوٹنا	لَا انْفِصَامَ

لوگ دینِ اسلام کو خوشی سے قبول کریں، وہی مضبوط دین ہے

آیت الکرسی سے توحید کا مضمون اچھی طرح واضح ہو گیا، معبود برحق اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اسلام اسی توحید کی دعوت دیتا ہے، اب لوگوں کو چاہئے کہ اس کو اپنی مرضی سے قبول کریں، زور زبردستی نہیں، عقیدہ: دل سے ماننے کا نام ہے، اس میں زبردستی نہیں ہو سکتی، البتہ حق بات واضح کرنی ضروری ہے جو کر دی گئی، اب جو اللہ کے دین کو اختیار کرے گا، اور دوسرے ادیانِ باطلہ سے کنارہ کشی اختیار کرے گا وہ مزے میں رہے گا، دارین میں کامیاب ہوگا، یہ ایسا مضبوط کڑا ہے جو کبھی دھوکہ نہیں دے گا، دوسرے تعلقات آخرت میں ٹوٹ جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی بات سن رہے ہیں اور اس کا حال جان رہے ہیں کہ کون صرف اللہ کی عبادت کرتا ہے اور کون طاغوت کے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔

آیتِ کریمہ: دین (قبول کرنے) میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت: گمراہی سے جدا ہو چکی ہے، پس جو شخص گمراہ کرنے والوں سے کنارہ کشی اختیار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے بالیقین مضبوط کڑا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹے گا نہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔

فائدہ: اس سے اسلام کا ایک اہم اصول معلوم ہوا کہ کسی کو مجبور کر کے اس کا مذہب تبدیل کرانا درست نہیں، کیونکہ مذہب کا تعلق دل کے اعتقاد و یقین سے ہے، جبر کے ذریعہ زبان سے تو اقرار کرایا جا سکتا ہے، دل کی دنیا نہیں بدلی جا سکتی، اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اسلام کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے، محض پروپیگنڈہ ہے، اسلام جب دنیا میں آیا تو ایک ہی شخص تھا، جو مسلمان تھا، وہی اسلام کا داعی اور خدا کا پیغمبر تھا، مکہ کا چپہ چپہ اس کا مخالف تھا، پھر تیرہ سال تک اسلام ان چند کمزور، نہتے اور مظلوم لوگوں کا مذہب تھا، جن پر کوئی ظلم وستم نہیں تھا جو روا نہ رکھا گیا ہو، اس وقت اسلام کے پاس نہ تلوار تھی، نہ فوج، نہ سپاہ، آخر کونسی طاقت تھی جس کے ذریعہ اسلام نے چند ہی سال میں پورے جزیرۂ عرب کو مسخر کر لیا؟ یہ یقیناً اس کی عدل وانصاف پر مبنی، فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ اور عقل ودانش سے مطابقت رکھنے والی تعلیمات تھیں نہ کہ تلوار! (آسان تفسیر ۱:۲۱۲)

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٢٥٧﴾

اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اِلَى النُّوْرِ	روشنی کی طرف	مِّنَ النُّوْرِ	روشنی سے
وَلِيُّ	کارساز ہیں	وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	اِلَى الظُّلُمٰتِ	اندھیریوں کی طرف
الَّذِيْنَ	ان لوگوں کے جنھوں نے	كَفَرُوْٓا	نہیں مانا	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
اٰمَنُوْا	مان لیا	اَوْلِيٰٓئُهُمُ	ان کی کارساز	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں
يُخْرِجُهُمْ	نکالتے ہیں وہ ان کو	الطَّاغُوْتُ (۲)	گمراہ کن طاقتیں ہیں	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں
مِّنَ الظُّلُمٰتِ (۱)	اندھیریوں سے	يُخْرِجُوْنَهُمْ	نکالتی ہیں وہ ان کو	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں

کارسازی اور کارسازی میں فرق

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ کو پکڑو، یہ وہ مضبوط کڑا ہے جو کبھی ٹوٹے گا نہیں، اس پر منکرینِ اسلام کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے بھی اولیاء ہیں، معبود ہیں، ان کی طرف دعوت دینے والے گورو ہیں، وہ ہمارے کارساز ہیں، وہ ہماری بگڑی بنائیں گے، اس کا جواب دیتے ہیں کہ کارسازی اور کارسازی میں فرق ہے، اللہ تعالیٰ تو مؤمنین کو تاریکیوں سے اجالے میں لاتے ہیں، ان کی زندگیوں کو سنوارتے ہیں، اور آخرت میں ان کو جنت میں داخل کریں گے، اور منکرینِ اسلام کے کارساز (بت اور گرو) ان کو روشنی سے تاریکی میں پہنچا رہے ہیں، ان کی زندگیاں بگاڑ رہے ہیں اور آخرت میں ان کو جہنم کے دائمی عذاب میں پہنچائیں گے۔ لہٰذا ان کو چھوڑو اور اسلام کے حلقہ بگوش بنو۔

آیتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے کارساز ہیں، وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں لاتے ہیں، اور جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان کے کارساز گمراہ کرنے والی قوتیں ہیں، وہ ان کو روشنی سے تاریکیوں میں لے جاتے ہیں، یہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا

(۱) ہدایت کا نور ایک ہے، اس لئے النور: مفرد لائے، اور گمراہیاں طرح طرح کی ہیں، اس لئے الظلمات جمع لائے

(۲) الطاغوت: میں مفرد جمع یکساں ہیں، یہاں جمع مراد ہے۔

يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۲۵۸﴾

أَلَمْ تَرَ	کیا تو نے دیکھا نہیں	رَبِّيَ	میرا رب	بِالشَّمْسِ	سورج کو
إِلَى الَّذِي	اس کو جس نے	الَّذِي	(وہ ہے) جو	مِنَ الْمَشْرِقِ	مشرق سے
حَاجَّ [1]	کٹ حجتی کی	يُحْيِي	جِلاتا ہے	فَأْتِ بِهَا	پس لا تو اس کو
إِبْرَاهِيمَ	ابراہیم سے	وَيُمِيتُ	اور مارتا ہے	مِنَ الْمَغْرِبِ	مغرب سے
فِي رَبِّهِ	اس کے رب میں	قَالَ	کہا اس نے	فَبُهِتَ [3]	پس ہکا بکا رہ گیا
أَنْ آتَاهُ [2]	(اس وجہ سے) کہ دی اس کو	أَنَا أُحْيِي	میں (بھی) جلاتا ہوں	الَّذِي كَفَرَ	جس نے انکار کیا
اللَّهُ	اللہ نے	وَأُمِيتُ	اور مارتا ہوں	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
الْمُلْكَ	حکومت	قَالَ إِبْرَاهِيمُ	کہا ابراہیم نے	لَا يَهْدِي	راہ نہیں دیتے
إِذْ قَالَ	جب کہا	فَإِنَّ اللَّهَ	پس بے شک اللہ	الْقَوْمَ	لوگوں کو
إِبْرَاهِيمُ	ابراہیم نے	يَأْتِي	لاتے ہیں	الظَّالِمِينَ	ناانصاف

نمرود نے توحید کی دلیل پر اعتراض کیا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس کو دوسری دلیل سے چپ کا کیا

نمرود (بروزن امرود) ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کا خودسر بادشاہ تھا، خدائی کا دعوے دار بھی تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے خداؤں (مورتیوں) کی گت بنائی تو قوم نے ان کو نذر آتش کرنے کا فیصلہ کیا (سورۃ الانبیاء آیات ۵۷-۶۸) مگر چونکہ یہ قانون کو ہاتھ میں لینا تھا، اس لئے قوم یہ مقدمہ بادشاہ کے پاس لے گئی، تا کہ حکومت ابراہیمؑ کو یہ سزا دے، بادشاہ نے ابراہیم علیہ السلام کو طلب کیا اور سوال کیا کہ اگر تو ان مورتیوں کو خدا نہیں مانتا تو تیرا خدا کون ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: میرا خدا وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے یعنی وجود بخشتا ہے، پھر ایک وقت کے بعد وجود واپس لے لیتا ہے، یہ توحید کی پکّی دلیل تھی، کیونکہ یہ کام اللہ کے سوا نہ کوئی کرتا ہے نہ کرسکتا ہے، مگر نمرود نے کہا: یہ کام تو میں بھی کرتا ہوں، اور ایک پھانسی کے مجرم کو آزاد کردیا اور بے گناہ کو قتل کردیا، اور کہا: دیکھ! میں نے پہلے کو زندہ کردیا اور دوسرے کو ختم کردیا۔ یہ اس نے توحید کی پکی دلیل میں فیہ نکالی، وہ غبی تھا، جلانے اور مارنے کی حقیقت ہی نہیں سمجھا۔ ابراہیم علیہ السلام

(۱) حَاجَّ مُحَاجَّةً: بے جا بحث کرنا (۲) أنْ: سے پہلے لام جارہ یا باء جارہ محذوف ہے (۳) بُهِتَ: ماضی مجہول، باب سمع و کرم: ششدر ہونا، حیران رہ جانا، مجہول: معروف کے معنی میں ہے۔

نے سوچا: اس خر دماغ کے ساتھ کون مغز پچی کرے، کھٹ سے توحید کی دوسری دلیل پیش کی کہ میرا پروردگار روز سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو خدا ہے تو اس کو مغرب سے نکال؟ اس پر وہ مبہوت ہوگیا اور چہ می کنم میں پڑ گیا، مگر ایمان نہیں لایا، اللہ تعالیٰ ناانصافوں کو ہدایت سے نہیں نوازتے!

پھر کیا ہوا؟ —— ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا ہوگا کہ اگر ایمان لائے گا تو جنت (باغ) میں جائے گا، ورنہ دوزخ (آگ) میں ڈالا جائے گا۔ اس نے کہا: میں آگ میں ڈالا جاؤں گا؟ تجھے آگ میں ڈالوں گا! اور قوم کو حکم دیا: سوختہ (جلانے کی لکڑیاں) جمع کرو، قوم نے چھ ماہ تک سوختہ ڈھویا اور لکڑیوں کا ڈھیر لگادیا، دوسری طرف حکومت کے کرمچاریوں کو حکم دیا کہ میرے لئے جنت (باغ) تیار کرو، میں اپنی جنت میں جاؤں گا، مگر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کو باغ بنادیا، اور نمرود کے دماغ میں مچھر گھس گیا، اس نے دماغ چاٹ لیا، اور وہ اسی میں مرگیا، اور اس کو اپنے باغ میں جانا نصیب نہ ہوا۔

آیتِ پاک: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا نہیں جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں کٹ حجتی کی، اس وجہ سے کہ اللہ نے اس کو حکومت دی تھی؟ جب ابراہیمؑ نے کہا: میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے (پس) اس نے کہا: میں (بھی) جلاتا اور مارتا ہوں! ابراہیمؑ نے کہا: پس اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتے ہیں، تو اس کو مغرب سے نکال؟ پس اللہ کا منکر ہکا بکا رہ گیا، اور اللہ تعالیٰ ناانصافوں کو ہدایت نہیں دیتے!

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طرزِ عمل سے ایک سبق ملا کہ مناظرہ کو طول نہیں دینا چاہئے، چٹ پٹ قصہ نمٹانا چاہئے، اگر مخاطب کوئی بات نہ سمجھے تو دلیل بدل دے، نہلے پہ دہلہ رکھے اور چت کردے۔

سوال: اگر کوئی جھک کرے اور کہے کہ نمرود یہ بھی تو کہہ سکتا تھا کہ مشرق سے روزانہ میں سورج نکالتا ہوں، ابراہیم تو اپنے خدا سے کہہ کہ آئندہ کل وہ سورج مغرب سے نکالے؟ تو ابراہیم علیہ السلام کیا کرتے؟

جواب: ابراہیم علیہ السلام ہاتھ اٹھاتے اور اللہ سے عرض کرتے اور اگلے دن سورج مغرب سے نکلتا اور قیامت قائم ہوجاتی، پھر نمرود کیا کرتا؟ دراصل وہ جانتا تھا کہ ابراہیم ٹھیک کہتا ہے، خدا وہ نہیں، خدا کوئی اور ہے، مگر اس کو ماننا نہیں تھا، فرعونیوں کے حق میں سورۃ النمل (آیت ۱۴) میں ہے: ﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ﴾: ان لوگوں نے معجزات کا انکار کیا، درانحالیکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کرلیا تھا، اس لئے وہ یہ احمقانہ بات نہیں کہہ سکتا تھا۔

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اَوْ(۱)	(جلانا مارنا یہ ہے) یا	اللّٰہُ	اللہ نے	فَانْظُرْ	پس دیکھ تو
كَالَّذِیْ	جیسے وہ شخص جو	مِائَةَ عَامٍ	سو سال	اِلٰى طَعَامِكَ	تیرے کھانے کو
مَرَّ	گذرا	ثُمَّ بَعَثَهٗ	پھر اٹھایا اس کو	وَشَرَابِكَ	اور تیرے پینے کو
عَلٰى قَرْيَةٍ	ایک بستی پر	قَالَ	پوچھا	لَمْ يَتَسَنَّهْ(۴)	نہیں بدلا ہے
وَّهِيَ	درانحالیکہ وہ	كَمْ لَبِثْتَ	کتنا ٹھہرا تو؟	وَانْظُرْ	اور دیکھ تو
خَاوِيَةٌ(۲)	ڈھی پڑی تھی	قَالَ	جواب دیا	اِلٰى حِمَارِكَ	تیرے گدھے کو
عَلٰى عُرُوْشِهَا(۳)	اپنی ٹٹیوں پر	لَبِثْتُ	ٹھہرا میں	وَلِنَجْعَلَكَ	اور تاکہ بنائیں ہم تجھے
قَالَ اَنّٰى	کہا اس نے کیسے	يَوْمًا	ایک دن	اٰيَةً لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے نشانی
يُحْيِ	زندہ کریں گے	اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ	یا ایک دن سے کچھ کم	وَانْظُرْ	اور دیکھ تو
هٰذِهِ اللّٰهُ	اس کو اللہ تعالیٰ	قَالَ	فرمایا	اِلَى الْعِظَامِ	ہڈیوں کو
بَعْدَ مَوْتِهَا	اس کے مرنے کے بعد	بَلْ لَّبِثْتَ	بلکہ ٹھہرا تو	كَيْفَ نُنْشِزُهَا(۵)	ابھارتے ہیں ہم ان کو
فَاَمَاتَهُ	پس مارے رکھا اس کو	مِائَةَ عَامٍ	سو سال	ثُمَّ نَكْسُوْهَا	پھر پہناتے ہیں ان کو

(۱)أو: حرفِ عطف، احد الامرین کے لئے ہے، معطوف علیہ محذوف ہے، أی هذا أو هذا؟ أی الإحیاء والإماتة كذلك أو كالذی مر الآیة، یعنی جلانا اور مارنا وہ ہے جو نمرود نے کر دکھایا یا جیسا اس مثال میں ہے؟ (۲)خاویة: افتادہ، گری ہوئی، خَوَاء سے جس کے معنی ہیں: گھر کا خالی ہونا، گر پڑنا، ڈھجانا (۳)عروش: عرش کی جمع: چھت، اس کا اکثر استعمال بانس کے چھپر کے لئے ہوتا ہے۔ ٹٹی: بانس یا سرکنڈوں کا بنا ہوا چھپر جس پر بیلیں چڑھاتے ہیں۔ (۴)لم یتسنه: برسوں گذرنے پر بھی خراب نہیں ہوا، بعض کے نزدیک ہائے سکتہ ہے، اور فعل تَسَنَّ یَتَسَنَّ ہے، جس کی اصل یَتَسَنّٰی ہے، جازم کی وجہ سے یاء گری ہے، اور بعض کے نزدیک ھا اصلی ہے، اس صورت میں ماخوذ منہ سنة ہوگا، جس کی اصل سنهة ہے، کیونکہ تصغیر سُنَیْهَة آتی ہے (۵)إنشاز (افعال) جوڑنا، حرکت دینا، اٹھانا، ابھارنا، مجازی معنی: زندہ کرنا۔

لَحْمًا	گوشت	لَهٗ	اس کے لئے	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
فَلَمَّا	پس جب	قَالَ	کہا اس نے	عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز پر
تَبَيَّنَ	واضح ہوگیا	اَعْلَمُ	جان لیا میں نے	قَدِيْرٌ	قادر ہیں

جلانا اور مارنا کیا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے توحید کی جو دلیل پیش کی تھی کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے، یعنی جس نے ہر چیز کو وجود بخشا ہے، پھر ایک وقت کے بعد وہ وجود واپس لے لیتا ہے، یہ توحید کی نہایت مضبوط دلیل تھی، یہ کام اللہ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا، اس لئے وہی معبود ہے —— مگر نمرود نے اس دلیل پر اعتراض کیا کہ یہ کام تو میں بھی کرسکتا ہوں، اور اس نے کر دکھایا، ایک پھانسی کے مجرم کو آزاد کردیا، اور ایک بے گناہ کو قتل کردیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے اس بوگس اعتراض کا جواب نہیں دیا، بلکہ دلیل بدل دی، جس سے وہ ہکا بکا رہ گیا، یہاں کوئی خیال کرسکتا ہے کہ شاید پہلی دلیل کمزور ہوگی، اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے دلیل بدل دی، اس لئے اللہ پاک کلام آگے بڑھاتے ہیں، اور ایک مثال بیان فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوگا کہ مارنا جلانا وہ نہیں جو نمرود نے کر دکھایا، بلکہ مارنا جلانا وہ ہے جو اس واقعہ میں ہے۔

واقعہ: اللہ کا ایک نیک بندہ ایسی بستی سے گذرا جو ویران پڑی تھی، مکانات چھتوں سمیت مٹی کا ڈھیر ہوگئے تھے، اس نے دل میں سوچا کہ یہ ویران بستی کس طرح دوبارہ آباد ہوگی! بظاہر آباد ہونے کے آثار نظر نہیں آرہے! وہ یہ سوچتے سوچتے آگے بڑھے، آگے ایک جگہ ستانے کے لئے گدھے سے اترے اور سوگئے، اللہ نے ان کی روح قبض کرلی، ٹفن پاس رکھا رہا اور گدھا بھوکا پیاسا مر گیا، سو سال بعد اللہ نے ان کو زندہ کیا، اس عرصہ میں وہ شہر آباد ہوگیا تھا۔

اللہ نے ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں ٹھہرے؟ وہ دن چڑھے لیٹے تھے اور دن ڈھلے اٹھے، اس لئے جواب دیا: دن بھر یا اس سے بھی کم! اللہ نے فرمایا: تم یہاں سو سال ٹھہرے ہو، اور دیکھو: تمہارا ٹفن ویسا ہی ہے، اور گدھا مر چکا ہے، کھانا جلدی بگڑ جاتا ہے وہ ویسا ہی ہے، اور گدھا بیس سال زندہ رہتا ہے وہ مر چکا ہے، اب دیکھو ہم اس کو تمہارے سامنے زندہ کرتے ہیں، تاکہ تم احیائے موتی کے چشم دید گواہ بنو، دیکھتے رہو: ہڈیاں کس طرح ترکیب پاتی ہیں، پھر ان پر کس طرح گوشت چڑھتا ہے، دیکھتے دیکھتے گدھا زندہ ہوگیا اور اپنی بولی بولا، تب اس بندے نے کہا: مجھے علم الیقین تو حاصل تھا، اب عین الیقین حاصل ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں یعنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ مارتے جلاتے ہیں —— یہ ہے مارنا جلانا، نہ وہ جو نمرود نے کر دکھایا۔

سوال: یہ حضرت کون تھے؟ اور وہ بستی کونسی تھی؟ اور یہ کس زمانہ کا واقعہ ہے؟

جواب: یہ باتیں قرآنِ کریم نے بیان نہیں کیں، اور کوئی مستند روایت بھی ایسی نہیں جس کے ذریعہ یقینی طور پر ان باتوں کا تعین کیا جاسکے، قرآن کوئی تاریخی کتاب نہیں، وہ پند و مواعظ کی کتاب ہے، اور نصیحت پذیری کے لئے ان چیزوں کی تعیین کی ضرورت نہیں، قرآنِ کریم کا مقصد اس کے بغیر بھی حاصل ہے۔

آیتِ پاک: (جلانا مارنا وہ ہے) یا جیسے ایک شخص ایک بستی پر گذرا، جو اپنی چھتوں پر ڈھی پڑی تھی، اس نے سوچا: اللہ تعالیٰ اس کو ویران ہوجانے کے بعد کس طرح آباد کریں گے! پس اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک مارے رکھا، پھر اس کو اٹھایا، پوچھا: کتنا ٹھہرے؟ جواب دیا: ایک دن یا اس سے بھی کم، فرمایا: (نہیں) بلکہ تم سو سال تک ٹھہرے ہو، اب دیکھو: اپنے کھان پان کو وہ نہیں بدلا، اور اپنے گدھے کو دیکھو (وہ مرگیا ہے، ہم اس کو تمہاری آنکھوں کے سامنے زندہ کرتے ہیں) اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے ایک (چشم دید) نشانی بنائیں، اور ہڈیوں کو دیکھو ہم ان کو کیسے جوڑتے ہیں، پھر ہم ان کو گوشت پہناتے ہیں —— پس جب (مردے کا زندہ ہونا) واضح ہوگیا تو اس نے کہا: میں نے (مشاہدہ سے) جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾

۳۵ ع۳ ۴

وَاِذْ قَالَ	اور (یاد کرو) جب کہا	قَالَ اَوَ	پوچھا: کیا اور	قَالَ	فرمایا
اِبْرٰھٖمُ	ابراہیم نے	لَمْ تُؤْمِنْ	نہیں یقین آیا تجھے؟	فَخُذْ اَرْبَعَةً	پس لے چار
رَبِّ	اے میرے رب!	قَالَ بَلٰی	جواب دیا: کیوں نہیں	مِّنَ الطَّیْرِ	پرندے
اَرِنِیْ	دکھلا مجھے	وَلٰكِنْ	لیکن	فَصُرْهُنَّ[1]	پھر ہلالے (مانوس کرلے) ان کو
كَیْفَ تُحْیِ	کیسے زندہ کریں گے آپ	لِّیَطْمَىِٕنَّ	تسکین پائے	اِلَیْكَ	اپنے سے
الْمَوْتٰی	مردوں کو؟	قَلْبِیْ	میرا دل	ثُمَّ اجْعَلْ	پھر گردن (رکھ)

(۱) صُرْ: امر حاضر، صَارَ (ن، ض) صَوْرًا الشیئَ إلیك: جھکانا، نزدیک کرنا، ہلانا، هُنَّ: ضمیر جمع مؤنث غائب۔

عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ	ہر پہاڑ پر	يَأْتِيْنَكَ	آئیں گے تیرے پاس	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
مِّنْهُنَّ جُزْءًا	ان میں سے ایک حصہ	سَعْيًا	دوڑتے ہوئے	عَزِيْزٌ	زبردست
ثُمَّ ادْعُهُنَّ	پھر بلا ان کو	وَاعْلَمْ	اور جان لے	حَكِيْمٌ	حکمت والے ہیں

ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے جو بات کہی تھی وہ ان کی آنکھوں دیکھی حقیقت تھی

جاننا چاہئے کہ یہ دنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے، اس لئے یہاں اصل قیمت ایمان بالغیب کی ہے، انسان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ پس پردہ جو حقیقتیں ہیں ان کو آنکھوں سے دیکھے بغیر دلائل کی بنیاد پر مان لے، البتہ انبیائے کرام علیہم السلام کا معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہے، اللہ تعالیٰ ان کو غیب کی بعض چیزیں دکھادیتے ہیں، تاکہ وہ علی وجہ البصیرت لوگوں کو ان چیزوں کی دعوت دیں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلامی کا معاملہ، ایک پیغمبر کو گدھا زندہ کرکے دکھانا، اور نبی ﷺ کو معراج میں عجائب قدرت دکھانا، سورۃ الاسراء کی پہلی آیت میں ہے: ﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾: تاکہ ہم ان کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں، عالم بالا کی سیر کرائی، آسمانوں کے احوال سے واقف کیا، جنت وجہنم کا مشاہدہ کرایا، اور ان گنت عجائب قدرت دکھائے، تاکہ آپ اپنی امت کو دوسری دنیا کا آنکھوں دیکھا حال بتلائیں، اور آپ کا بیان صرف شنیدہ نہ ہو بلکہ دیدہ ہو۔

اسی حضرت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت دکھلادی تاکہ وہ اہل یقین میں سے ہوں، سورۃ الانعام کی (آیت ۷۵) ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ یعنی آسمانوں اور زمین کی یہ وسیع حکومت جو ہر شخص ہر وقت دیکھتا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رموز واسرار بتادیئے، تاکہ کائنات ارضی وسماوی سے وہ توحید اور اللہ کی ربوبیت پر استدلال کریں۔ اسی سلسلہ کا یہ واقعہ بھی ہے کہ آپ نے درخواست کی: پروردگار! مجھے دکھایئے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؟ پوچھا: کیا تمہیں یقین نہیں؟ عرض کیا: یقین کیوں نہیں! میرا مقصد تسکین قلب حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ آنکھوں سے دیکھنے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے، اس سے نہ صرف طمانیت قلبی حاصل ہوتی ہے، بلکہ میں دوسروں سے بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں آنکھوں سے دیکھ کر کہہ رہا ہوں!

خیر! اللہ نے فرمایا: کوئی بھی چار پرندے لو، اور ان کو اپنے سے مانوس کرلو، تاکہ آواز دینے پر دوڑے آئیں، پھر ان کو ذبح کرکے قیمہ بنالو، اور چار پہاڑوں پر چار حصے رکھ آؤ، پھر درمیان میں کھڑے ہوکر ایک ایک کو آواز دو، چاروں تمہارے پاس دوڑے آئیں گے، اور جان لو کہ اللہ کی قدرت کامل ہے، وہ ہر ایک کو مردہ زندہ کرکے مشاہدہ کراسکتے ہیں، مگر ان کی

حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک کو یہ مشاہدہ نہ کرایا جائے۔

آیت کریمہ: اور (یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھلائیں: آپ مُردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؟ پوچھا: کیا آپ کو یقین نہیں؟ جواب دیا: کیوں نہیں! لیکن تاکہ میرا دل تسکین پائے! فرمایا: تو لیں آپ چار پرندے، پھر ان کو اپنے سے مانوس کرلیں، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک حصہ رکھ دیں، پھر ان کو بلائیں، وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے، اور جان لیں کہ اللہ تعالیٰ زبردست بڑے حکمت والے ہیں!

فائدہ (۱): یہ مشاہدہ غالباً نمرود کے سامنے بات رکھنے سے پہلے کا ہے، پس دلیل دیدہ تھی، اس میں کوئی کمزوری نہیں تھی، مگر کوڑ مغز کے ساتھ جھک کون کرے؟ اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے دلیل بدل دی۔

فائدہ (۲): بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام سے شک کے زیادہ حقدار ہیں یعنی علم الیقین کو حق الیقین بنانے کی خواہش ہر مومن کی ہوتی ہے، پس ایسی درخواست کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

مَثَلُ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی حالت جو	فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ	ہر بال میں	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں
يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں	مِّائَةُ حَبَّةٍ	سو دانے ہیں	اَلَّذِيْنَ	جو لوگ
اَمْوَالَهُمْ	اپنے مال	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کے راستے میں	يُضٰعِفُ	دو چند کریں گے	اَمْوَالَهُمْ	اپنے مال
كَمَثَلِ حَبَّةٍ	جیسے حالت ایک دانے کی	لِمَنْ يَّشَاۗءُ	جس کیلئے چاہیں گے	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کے راستے میں
اَنْۢبَتَتْ	اگائی اس نے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ	پھر نہیں پیچھے لاتے
سَبْعَ سَنَابِلَ	سات بالیں	وَاسِعٌ	گنجائش والے	مَآ اَنْفَقُوْا	اپنے خرچ کرنے کے

مَنًّا	احسان کو	وَلَا هُمْ	اور نہ	يَّتْبَعُهَآ	جس کے پیچھے آئے
وَّلَآ اَذًى	اور نہ تکلیف دہی کو	يَحْزَنُوْنَ	غم گیں ہونگے	اَذًى	تکلیف دہی
لَّهُمْ اَجْرُهُمْ	ان کیلئے ان کا ثواب ہے	قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ	مناسب بات کہنا	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے پروردگار کے پاس	وَّمَغْفِرَةٌ	اور معذرت چاہنا	غَنِيٌّ	بے نیاز
وَلَا خَوْفٌ	اور نہیں ہے کوئی ڈر	خَيْرٌ	بہتر ہے	حَلِيْمٌ	بردبار ہیں
عَلَيْهِمْ	ان پر	مِّنْ صَدَقَةٍ	ایسی خیرات سے	۞	۞

جہاد میں خرچ کرنے کا تفصیلی تذکرہ

ربط: آیت ۲۴۳ سے جہاد کا بیان شروع ہوا ہے، اور بات یہاں سے شروع کی تھی کہ موت سے بچا نہیں جاسکتا، وہ تو مضبوط قلعوں میں بھی آئے گی، پھر اس کے بعد کی دو آیتوں میں جہاد میں جان اور مال خرچ کرنے کا اجمالی تذکرہ تھا، پھر آیت ۲۴۶ سے بنی اسرائیل کے واقعہ کے ضمن میں جہاد کا تفصیلی تذکرہ شروع ہوا ہے، پھر آیت ۲۵۲ سے کلام کا رخ رسالت، قیامت اور توحید کی طرف مڑ گیا ہے، یہ بیان آیت ۲۶۰ پر پورا ہو گیا، اب ان آیات میں جہاد کے لئے خرچ کرنے کا تفصیلی بیان ہے، پھر انفاق خاص کے بعد انفاقِ عام (صدقہ خیرات) کا بیان آئے گا۔

جہاد کے لئے جو خرچ کیا جاتا ہے اس کا کم از کم ثواب سات سو گنا ہے، اور زیادہ کی کوئی حد نہیں

اعمال کے ثواب کا ضابطہ: یہ ہے کہ ہر نیک عمل کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ملتا ہے، مگر دو عمل اس سے مستثنیٰ ہیں:

ایک: انفاق فی سبیل اللہ، یعنی جہاد کے کاموں میں خرچ کرنا، اس کا تذکرہ اس آیت میں ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کا ثواب سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعہ بیان کی ہے: گندم کا ایک دانہ زمین میں بویا اس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں، پس ایک دانے کے سات سو دانے ہوگئے (یہ محض تمثیل ہے، ایک دانے سے سات سو دانے پیدا ہونے ضروری نہیں) اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا بھی ایسا ہی ہے، جو کچھ خرچ کیا جائے گا اس کا سات سو گنا ثواب ملے گا ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ اور اللہ جس کے لئے چاہتے ہیں بڑھاتے ہیں یعنی اخلاص کی برکت سے اور موقعہ کے لحاظ سے یہ ثواب بڑھتا ہے اور زیادتی کی کوئی حد نہیں۔

دوسرا عمل: روزہ ہے اس کا کم از کم ثواب عام ضابطہ کے مطابق ہے یعنی دس گنا ثواب ملتا ہے۔ یہاں استثناء نہیں ہے

اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں (یہاں استثناء ہے) اللہ کا ارشاد ہے: الصومُ لی وأنا أجزی به: روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کا ثواب دوں گا یعنی روزوں کا ثواب کتنا ہے؟ یہ بات اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتائی حتی کہ کراماً کاتبین بھی نہیں جانتے۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا ثواب ڈکلیر کریں گے اسی وقت پتہ چلے گا کہ کس کو اس کے روزے کا کتنا ثواب ملا۔ اس دنیا میں تو بالاجمال اتنی بات بتائی ہے کہ جب ثواب ملے گا روزہ دار خوش ہو جائے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی، یعنی جب روزے کا ثواب بتایا جائے گا تو روزہ دار خوش خوش ہو جائے گا۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ ﴿ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ﴾ قرآن کی اصطلاح ہے، اس کے لغوی معنی مراد نہیں، سورۃ التوبہ (آیت ۶۰) میں مصارفِ زکات کے بیان میں جو ﴿ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ﴾ آیا ہے اس کا ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ''جہاد میں'' کیا ہے، اور فتوی بھی اسی پر ہے کہ اس سے منقطع الغزاۃ مراد ہیں، اس لئے یہاں بھی ''جہاد میں'' ترجمہ ہوگا۔ اور متعدد صحابہ سے مروی ہے: من أرسَلَ بنفقةٍ فی سبیل الله، وأقام فی بیته، فله بكل درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه فی سبیل الله تعالیٰ، وأنفق فی وجهه ذلك، فله بكل درهم یوم القیامة سبع مائة ألف درهم" ثم تلاهذه الآیة (روح)

ترجمہ: جس نے جہاد کے لئے کوئی چندہ بھیجا، اور خود گھر رہا، اس کو ایک درہم کے سات سو درہم ملیں گے، اور جس نے بذاتِ خود جہاد کیا، اور اس کے لئے حسب تقاضا خرچ بھی کیا تو اس کو قیامت کے دن ہر درہم کے بدل سات لاکھ درہم ملیں گے، پھر نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی، معلوم ہوا کہ اس آیت میں خاص انفاق (جہاد کے لئے خرچ کرنے کا ذکر ہے، عام انفاق (وجوہِ خیر میں خرچ کرنے) کا ذکر نہیں۔

﴿ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴾

ترجمہ: ان لوگوں کا حال جو اللہ کے راستے میں ــــــ یعنی جہاد کے لئے ــــــ اپنا مال خرچ کرتے ہیں ایسا ہے جیسے گیہوں کا ایک دانہ، اس نے سات بالیں اگائیں، ہر بال میں سو دانے ہیں ــــــ یعنی کم از کم سات سو گنا ثواب ہے ــــــ اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں گے کئی گنا بڑھا دیں گے ــــــ یعنی زائد کی کوئی حد نہیں، موقع محل اور اخلاص کے لحاظ سے ثواب بڑھتا ہے، حدیث میں ہے کہ میرے صحابہ نے جو چار سو گرام جَو خرچ کئے ہیں، بعد کے لوگ اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کریں تو بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتے، کیونکہ ابتداء میں اسلام کے پودے کو آبیاری کی ضرورت تھی، بعد

میں جب وہ تناور درخت بن گیا تو اس کی ضرورت نہ رہی، اب کوئی پانی پلاتا ہے تو وہ درخت کا پھل کھانے کے لئے پلاتا ہے ___ اور اللہ تعالیٰ گنجائش والے، خوب جاننے والے ہیں ___ یعنی ان کے یہاں کمی کس چیز کی ہے؟ اور وہ اخلاص اور حاجت کو خوب جانتے ہیں، ان کے لحاظ سے ثواب عنایت فرمائیں گے۔

انفاق فی سبیل اللہ کا خادشات سے بچا ہوا ہونا ضروری ہے

خادشات: یعنی زخمی کرنے والی چیزیں، جہاد کے لئے خرچ کرنے کا مذکورہ ثواب جب ہے کہ انفاق خادشات سے محفوظ ہو، خادشات دو ہیں: احسان جتلانا اور تکلیف پہنچانا، جہاد کے لئے چندہ دیا پھر اس کو امیر کے منہ پر مارا کہ میں نے اتنا دیا، یا مسلمانوں پر احسان رکھا کہ میرا یہ کارنامہ ہے، تو ثواب برباد ہوگیا، دیا تھا تو کس کے لئے دیا تھا؟ اپنے دارین کے نفع کے لئے دیا تھا، پھر کسی پر کیا احسان!

﴿ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾

ترجمہ: جو لوگ اپنے اموال اللہ کے راستے میں ___ یعنی جہاد کے لئے ___ خرچ کرتے ہیں، پھر وہ اپنے خرچ کئے پیچھے احسان اور تکلیف دہی نہیں لاتے، ان کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس، نہ ان کو کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے!

خیرات دے کر ستانے سے بہتر مناسب بات کہنا اور معذرت کرنا ہے

یہ گریز کی آیت ہے، اب موضوع بدلے گا، انفاقِ خاص سے کلام انفاقِ عام کی طرف منتقل ہوگا، ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہیں: جہاد کے لئے چندہ دے کر یا خیرات کر کے تکلیف پہنچانے سے بہتر یہ ہے کہ مناسب بات کہہ دی جائے، اپنا کوئی عذر بیان کرے، یا کہہ دے کہ بابا! معاف کرو! اصرار کے جواب میں بھی بدخوئی سے پیش نہ آئے، اور یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، کسی کے مال کی ان کو حاجت نہیں، جو چندہ دیتا ہے یا خیر خیرات کرتا ہے وہ اپنے نفع لئے کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ حلیم و بردبار ہیں، ایذا رسانی پر فوراً گرفت نہیں کرتے۔

﴿ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَۃٍ یَّتْبَعُھَآ اَذًی وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴾

ترجمہ: مناسب بات کہنا اور معذرت چاہنا ایسی خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے ایذا رسانی آئے، اور اللہ تعالیٰ بے نیاز بردبار ہیں!

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًاؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْاؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

يٰۤاَيُّهَا	اے وہ لوگو	مَالَهٗ	اپنا مال	فَاَصَابَهٗ	پس پہنچی اس کو
الَّذِيْنَ	جو	رِئَآءَ النَّاسِ	دکھانے کو لوگوں کے	وَابِلٌ	موسلا دھار بارش
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَلَا يُؤْمِنُ	اور نہیں یقین رکھتا	فَتَرَكَهٗ	پس کر چھوڑا اس کو
لَا تُبْطِلُوْا	نہ ضائع کرو	بِاللّٰهِ	اللہ پر	صَلْدًا	سپاٹ
صَدَقٰتِكُمْ	اپنی خیراتوں کو	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور آخری دن پر	لَا يَقْدِرُوْنَ	نہیں قادر وہ
بِالْمَنِّ	احسان جتلا کر	فَمَثَلُهٗ	پس اس کا حال	عَلٰى شَىْءٍ	کسی چیز پر
وَالْاَذٰى	اور تکلیف پہنچا کر	كَمَثَلِ	جیسا حال	مِّمَّا كَسَبُوْا	اس سے جو کمایا انھوں نے
كَالَّذِىْ (۱)	جیسے وہ شخص جو	صَفْوَانٍ	چکنی چٹان کا	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
يُنْفِقُ	خرچ کرتا ہے	عَلَيْهِ تُرَابٌ	جس پر کچھ مٹی ہو	لَا يَهْدِى	نہیں راہ دیتے

(۱) کالذی: أی إبطالاً کإبطال الذی: یعنی کالذی: مصدر محذوف کی صفت ہے۔

الْقَوْمَ	لوگوں کو	فَاِنْ لَّمْ	پس اگر نہ	لَهٗ فِيْهَا	اس کے لئے اس میں
الْكٰفِرِيْنَ	نہ ماننے والے	يُصِبْهَا	پہنچے اس کو	مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ	ہر طرح کا پھل ہو
وَمَثَلُ الَّذِيْنَ	اور حال ان کا جو	وَابِلٌ	موسلا دھار بارش	وَاَصَابَهُ	اور پہنچا ہو اس کو
يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں	فَطَلٌّ	تو ہلکی پھوار	الْكِبَرُ	بڑھاپا
اَمْوَالَهُمُ	اپنے اموال	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ	اور اس کی اولاد ہو
ابْتِغَآءَ	چاہنے کے لئے	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو	ضُعَفَآءُ	کمزور
مَرْضَاتِ اللّٰهِ	اللہ کی خوشنودی	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں	فَاَصَابَهَآ	پس پہنچا اس کو
وَتَثْبِيْتًا (1)	اور جمانے کے لئے	اَيَوَدُّ	کیا پسند کرتا ہے	اِعْصَارٌ	بگولا
مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	اپنے دلوں میں	اَحَدُكُمْ	تم میں سے کوئی	فِيْهِ نَارٌ	جس میں آگ ہے
كَمَثَلِ	جیسے حال	اَنْ تَكُوْنَ	کہ ہو	فَاحْتَرَقَتْ	پس جل گیا وہ
جَنَّةٍ	ایک باغ کا	لَهٗ جَنَّةٌ	اس کے لئے ایک باغ	كَذٰلِكَ	اس طرح
بِرَبْوَةٍ	کسی اونچائی پر	مِّنْ نَّخِيْلٍ	کھجور کا	يُبَيِّنُ	واضح کرتے ہیں
اَصَابَهَا	پہنچی اس کو	وَّاَعْنَابٍ	اور انگور کا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَابِلٌ	موسلا دھار بارش	تَجْرِيْ	بہتی ہوں	لَكُمُ الْاٰيٰتِ	تمہارے لئے اپنی باتیں
فَاٰتَتْ اُكُلَهَا (2)	پس لایا وہ اپنا پھل	مِنْ تَحْتِهَا	اس کے نیچے سے	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
ضِعْفَيْنِ	دوچند	الْاَنْهٰرُ	نہریں	تَتَفَكَّرُوْنَ	غور وفکر کرو

عام انفاق کا بیان

صدقہ کر کے احسان جتلانا اور آزار پہنچانا صدقہ کو باطل کر دیتا ہے

عام نفاق: یعنی وجوہِ خیر میں خرچ کرنا، جہاد کے لئے خرچ کرنا بھی اس میں شامل ہے، پہلے خاص انفاق کا ذکر تھا، یعنی جہاد میں خرچ کرنا، دونوں انفاقوں کا منّ واذی سے پاک ہونا ضروری ہے، دونوں سے انفاق باطل ہو جاتا ہے۔ اور منّ واذی میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، منّ عام ہے اور اذی خاص، احسان کر کے منہ پر مارنے سے کبھی تکلیف پہنچتی ہے کبھی نہیں پہنچتی، بات سرسری ہو تو تکلیف نہیں پہنچتی، پس وہ صرف منّ (احسان جتلانا) ہے اور اگر بات سنجیدگی

(۱) ثَبَّتَ تَثْبِيتاً: جمانا، پختہ کرنا، خوگر بنانا (۲) آتی فلانا الشیئَ: کسی کے پاس کوئی چیز لانا۔

سے ہو تو تکلیف پہنچتی ہے، پس منّ کے ساتھ اذی بھی ہوگا، اور دونوں سے حسن سلوک کا ثواب باطل ہو جاتا ہے، اس لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

تشبیہ اور محسوس مثال سے قباحت کی وضاحت

تشبیہ: احسان جتلانا اور تکلیف پہنچانا کس درجہ برا ہے؟ اس کو ریا و سُمعہ (دکھلانے سنانے) کے لئے خرچ کرنے کی برائی کے ساتھ تشبیہ دے کر سمجھاتے ہیں، اور تشبیہ میں مشبّہ بہ اقوی ہوتا ہے، اس لئے منّ واذی سے صدقہ کو باطل کرنے کی ممانعت کا مخاطب مؤمنین کو بنایا، اور دکھلانے سنانے کے لئے خرچ کرنے کا ذکر منافق کے تعلق سے بیان کیا، اعتقادی منافق در پردہ کافر ہوتا ہے، مؤمن کی یہ شان نہیں کہ دکھلانے کے لئے صدقہ کرے، یہ کام تو منافق کرے گا، جو نہ اللہ کو مانتا ہے نہ قیامت کے دن کو، اسی طرح احسان جتلانا اور آزار پہنچانا اگرچہ مؤمن سے صادر ہوسکتا ہے، مگر ان سے بھی ثواب باطل ہو جاتا ہے، پس یہ بھی ریا و سُمعہ کی طرح ہیں، دونوں سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے، بس فرق اتنا ہے کہ من واذی سے ملا ہوا ثواب ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور ریا و سُمعہ میں ثواب ملتا ہی نہیں۔

محسوس مثال: احسان جتلانے اور ایذاء پہنچانے سے ثواب کس طرح باطل ہوتا ہے اس کو محسوس مثال سے سمجھاتے ہیں۔ ایک چکنا پتھر ہے، اس پر کچھ مٹی آگئی، اس سے امید بندھی کہ اس پر کچھ کاشت ہوسکتی ہے، پھر اس پر زور کی بارش پڑ جائے جو مٹی کو بالکل صاف کردے، اسی طرح احسان جتلانے والوں کو اور ایذاء پہنچانے والوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہیں آئے گی، مگر جو حکم مانے گا وہی راہ یاب ہوگا، اور جو حکم نہیں مانے گا اس کو اللہ تعالیٰ توفیق نہیں دیں گے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنی خیراتوں کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر ضائع مت کرو، (تشبیہ ۱) جیسے وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ کا اور آخری دن کا یقین نہیں رکھتا ــــ یعنی اعتقادی منافق ہے۔

محسوس مثال: پس اس کا حال اس چکنی چٹان جیسا ہے جس پر کچھ مٹی ہو، پھر اس پر موسلا دھار بارش پڑی، پس اس کو سپاٹ کرکے رکھ دیا، وہ لوگ اپنی کمائی میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کرسکیں گے ــــ یعنی من واذی سے سارا ثواب ختم ہو جائے گا ــــ اور اللہ تعالیٰ منکرین کو راہِ ہدایت نہیں دیتے!

خیرات اللہ کی رضا جوئی اور نفس میں پختگی پیدا کرنے کے لئے ہونی چاہئے

(محسوس مثال سے افادیت کی وضاحت)

اسلام کا قطب الرّحی (چکّی کا کیلا) رضائے الٰہی ہے، سورۃ التوبہ (آیت ۷۲) میں ہے: ﴿ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾: اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بڑی غرض ہے، پس ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پیش نظر ہونی چاہئے، وہ حاصل ہو جائے تو سب کچھ حاصل ہو جائے گا، پس صدقہ خیرات میں بھی یہی جذبہ ہونا چاہئے۔ دوسرا فائدہ: نفس کو رذیلۂ بُخل سے پاک کرنا ہے، جب انسان بار بار خیرات کرے گا تو نفس عالی ظرف ہوگا، سخاوت کا خوگر ہوگا، جس کا اثر دوسرے اعمال پر بھی پڑے گا۔

محسوس مثال: اور اللہ کی رضا جوئی اور نفس میں سخاوت پیدا کرنے کے لئے خرچ کرنے کی مثال یہ ہے کہ کسی بلندی پر کوئی باغ ہو، اس پر زور کی بارش برسے تو باغ دونا پھل دے گا، اور اگر زور کا مینہ نہ برسے تو ہلکی پھوار بھی کافی ہو جائے گی (سطح مرتفع پر بارش بھی زیادہ ہوتی ہے اور شبنم بھی زیادہ گرتی ہے) یعنی بہت خرچ کرے گا تو بہت ثواب ملے گا، اور تھوڑی خیرات بھی سودمند ہوگی، محروم نہیں رہے گا، اور بندوں کے کاموں کو اللہ پاک خوب دیکھ رہے ہیں، کس نے کتنا خرچ کیا اور نیت کیا تھی؟ اس سے اللہ تعالیٰ واقف ہیں، اس کے مطابق صلہ عنایت فرمائیں گے۔

﴿ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کا حال جو اپنے اموال اللہ کی خوشنودی اور اپنے دل میں پختگی پیدا کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں: اس باغ جیسا ہے جو سطح مرتفع پر ہو، اس پر موسلا دھار بارش برسی، پس وہ اپنا پھل دوچند لایا، اور اگر اس پر موسلا دھار بارش نہ برسے تو ہلکی پھوار —— کافی ہو جائے گی، باغ پھل دے گا —— اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہے ہیں!

شیطان: انسان کے اعمال کو ناکارہ کر دیتا ہے

(مثال سے وضاحت)

مالدار آدمی صدقہ خیرات کرتا ہے یا کوئی اور فرمان برداری والا کام کرتا ہے تو شیطان آتا ہے اور اس کے اعمال پر ڈاکہ ڈالتا ہے اور گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے، وہ احسان جتلا کر یا آزار پہنچا کر اپنا صدقہ باطل کر دیتا ہے، یا اعمالِ صالحہ میں ریاؤ

سُمعہ کا جذبہ شامل کر کے ان کو ناکارہ بنا دیتا ہے، اس کی ایک محسوس مثال بیان فرماتے ہیں:

محسوس مثال: ایک شخص کا کھجور اور انگور کا باغ ہے، اس میں نہریں رواں ہیں، جو اس کی سرسبزی کی ضامن ہیں، اور اس کے لئے اس باغ میں اور بھی ہر طرح کے میوے ہیں، آم اور امرود کے بھی درخت ہیں، اور اس کا بڑھاپا آ گیا ہے، وہ دوسرا باغ لگانے کی پوزیشن میں نہیں، اور اس کے کمزور بچے ہیں یعنی اس پر خرچ کا دوہرا بوجھ ہے کہ اچانک بگولہ آیا، جس میں آگ (گرمی) تھی، اس سے وہ باغ خاکستر ہو گیا، کیا کوئی اس بات کو پسند کرے گا؟ نہیں! پھر وہ منّ اذی کے ذریعہ یا ریا وسمعہ کے ذریعہ اپنے اعمال کو باطل کرنا کیسے گوارہ کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بیان کی ہے تا کہ لوگ سوچیں اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کریں۔

آیت کا یہ مطلب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، بخاری شریف میں حدیث (نمبر ۴۵۳۸) ہے، آپؓ نے صحابہ سے پوچھا: آیتِ کریمہ: ﴿ اَيَوَدُّ ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ یعنی مقصدِ کلام کیا ہے؟ کسی نے نہیں بتایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کچھ بتایا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: **لرجلٍ غني، يعمل بطاعة الله عزوجل، ثم بعث الله له الشيطان، فعمل بالمعاصي حتى أغرق أعماله**: یعنی ایک مالدار آدمی کے عمل کی مثال بیان کی ہے، جس نے اللہ کی فرماں برداری والا کام کیا، یعنی صدقہ خیرات کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے شیطان کو بھیجا (اس نے ورغلایا) پس اس نے گناہ کا کام کیا، یعنی احسان جتلایا یا آزار پہنچایا یا ریا وسمعہ کا جذبہ شامل کر لیا، یہاں تک کہ اس کے اعمالِ صالحہ کو ڈبا دیا یعنی ناکارہ کر دیا۔

﴿اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾﴾

ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اس کا کھجور کا اور انگور کا باغ ہو، جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اس کے لئے اس باغ میں اور بھی میوے ہوں، اور اس کا بڑھاپا آ گیا ہو، اور اس کی کمزور اولاد ہو، پس اس پر بگولہ آئے، جس میں آگ (گرمی) ہو، اور وہ خاکستر ہو جائے؟ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی باتیں وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں تا کہ تم سوچو!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ

بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اِلَّآ	مگر	وَ فَضْلًا	اور مہربانی کا
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے ہو	اَنْ تُغْمِضُوْا	یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اَنْفِقُوْا	خرچ کرو	فِيْهِ	اس (لینے) میں	وَاسِعٌ	کشادگی والے
مِنْ طَيِّبٰتِ	عمدہ چیزوں سے	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں
مَا كَسَبْتُمْ	جو تم نے کمائی ہیں	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	يُّؤْتِي	دیتے ہیں
وَمِمَّآ	اور ان میں سے جو	غَنِيٌّ حَمِيْدٌ	بے نیاز خوبیوں والے ہیں	الْحِكْمَةَ	سمجھ بوجھ
اَخْرَجْنَا	نکالی ہیں ہم نے	اَلشَّيْطٰنُ	شیطان	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
لَكُمْ	تمہارے لئے	يَعِدُكُمُ	وعدہ کرتا ہے تم سے	وَمَنْ	اور جو شخص
مِّنَ الْاَرْضِ	زمین سے	الْفَقْرَ	تنگی دستی کا	يُّؤْتَ	دیا گیا
وَلَا تَيَمَّمُوا	اور نہ قصد کرو	وَيَاْمُرُكُمْ	اور حکم دیتا ہے وہ تم کو	الْحِكْمَةَ	سمجھ بوجھ
الْخَبِيْثَ	ناکارہ چیز کا	بِالْفَحْشَآءِ	بے حیائی کا	فَقَدْ اُوْتِيَ	تو یقیناً دیا گیا وہ
مِنْهُ	اس میں سے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	خَيْرًا كَثِيْرًا	بہت خوبی
تُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہو تم	يَعِدُكُمْ	وعدہ کرتے ہیں تم سے	وَمَا يَذَّكَّرُ	اور نہیں نصیحت قبول کرتے
وَلَسْتُمْ	حالانکہ نہیں ہو تم	مَّغْفِرَةً	بخشش کا	اِلَّآ	مگر
بِاٰخِذِيْهِ	اس کو لینے والے	مِّنْهُ	اپنی طرف سے	اُولُوا الْاَلْبَابِ	خالص عقل والے

راہِ خدا میں عمدہ چیز خرچ کی جائے

انفاق (خرچ کرنے) کی دو صورتیں ہیں:

ایک: ـــــ اجر و ثواب حاصل کرنے کے لئے خرچ کرنا ـــــ یعنی غریب کی حاجت روائی پیشِ نظر نہ ہو، اس صورت میں اچھی چیز خرچ کرنے کا حکم ہے، اس آیت میں یہی خرچ کرنا مراد ہے، اور سورۃ آلِ عمران (آیت ۹۲) میں بھی

یہی خرچ کرنا مراد ہے۔ فرمایا:﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾:تم خیر کامل کبھی حاصل نہ کرسکو گے جب تک تم اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو۔

دوسری:—— کسی غریب کا تعاون کرنا—— یعنی اس کی حاجت روائی کرنا، مثلاً: کوئی حاجت مند سردی کے زمانہ میں لحاف یا چادر مانگتا ہے تو ضروری نہیں کہ گھر میں جو عمدہ لحاف یا چادر ہو وہ دے، جو ضرورت سے زائد ہو وہ بھی دے سکتا ہے، اس کا بھی اجر وثواب ہے، ابھی (آیت ۲۱۹) گذری ہے﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ قُلِ الْعَفْوَ﴾:لوگ آپ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ کہیں: جو ضرورت سے زائد ہو، جلالین میں العفو کا ترجمہ **الفاضل عن الحاجة** کیا ہے، پھر جلالین ہی میں یہ بھی ہے: **لا تُنفقوا مما تحتاجون إليه، تُضَيِّعُوْا أنفسكم**: اپنی ضرورت کی چیزیں خرچ مت کرو، ورنہ خود کو برباد کرلو گے۔

آیت کا شانِ نزول: ترمذی میں حدیث (نمبر ۳۰۱۰) ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے، انصار حسبِ استطاعت کھجور کے خوشے لاکر مسجد نبوی میں اصحابِ صفّہ کے لئے لٹکاتے تھے، بعض لوگ خیر کے کاموں میں رغبت نہیں رکھتے تھے، وہ ایسا خوشہ لاتے جس میں ردی اور سوکھی کھجوریں ہوتی تھیں، پس یہ آیت نازل ہوئی، اس میں فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کو ہدیہ میں ایسی نکمّی چیز دی جائے تو وہ اس کو نہیں لے گا، ہاں چشم پوشی کرجائے یا شرما کرلیلے تو اور بات ہے، چنانچہ لوگ اس کے بعد کارآمد خوشے لانے لگے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے عمدہ چیز خرچ کیا کرو، اور اس میں سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہے، اور اس (کمائی اور پیداوار) میں سے نکمّی چیز کا قصد مت کیا کرو، تم (وہ نکمّی چیز) خرچ کرتے ہو جبکہ تم اس کو لینے کے روادار نہیں ہوتے، مگر یہ کہ تم چشم پوشی کرجاؤ (تو اور بات ہے) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ستودہ صفات ہیں—— یعنی وہ تمہارے انفاق کے محتاج نہیں، اور وہ خوبیوں والے ہیں، جو بہتر چیز پیش کرتا ہے اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

شیطانی خیال اور اللہ کا الہام

جب کوئی خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو شیطان تنگ دستی کا ہوّا کھڑا کرتا ہے دل میں خیال آتا ہے کہ خرچ کرے گا تو تنگ دست رہ جائے گا، ہاں گناہ کے کاموں میں، ریت رواج اور فحاشی وعیاشی میں خوب خرچ کرواتا ہے، اس وقت تنگ

دستی کا خیال نہیں آتا، پس جان لے کہ دل میں یہ خیال شیطان کی طرف سے آیا ہے۔

اور اللہ کا یہ پکا وعدہ ہے کہ خیرات کرو تمہارے گناہ معاف ہونگے، حدیث میں ہے: الصدقةُ تُطفِئُ غضبَ الربِّ: خیرات: اللہ کی ناراضگی کو دور کرتی ہے، اور اللہ راضی ہونگے تو بیڑا پار ہوگا، اور خیرات کرنے سے مال میں ترقی اور برکت ہوتی ہے، حدیث میں ہے: روز دو فرشتے اترتے ہیں، ایک دعا کرتا ہے: اللّٰهم أعْطِ مُنفِقًا خلفًا: الٰہی! خرچ کرنے والے کو عوض دے! دوسرا فرشتہ آمین کہتا ہے، پھر دوسرا کہتا ہے: اللّٰهم أعْطِ مُمسِكًا تلفًا: الٰہی! روکنے والے کا مال تباہ کر! دوسرا آمین کہتا ہے، پھر دونوں فرشتے آسمان میں چڑھ جاتے ہیں، پس اگر وجوہِ خیر میں خرچ کرنے کا خیال آئے تو اس کو اللہ کی طرف سے الہام سمجھے، اور اللہ کا شکر بجالائے، اللہ کے خزانے میں کمی نہیں، وہ گنجائش والے ہیں، بندوں کے ظاہر وباطن کو جانتے ہیں، نیت کے مطابق ثواب عنایت فرمائیں گے۔

اور اس آیت کی تفسیر میں ترمذی میں درج ذیل حدیث (نمبر ۳۰۱۱) آئی ہے:

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، اور فرشتہ الہام کرتا ہے، رہا شیطان کا وسوسہ تو وہ برائی (بدحالی) سے ڈراتا ہے، اور دین حق (اجر کے وعدے) کو جھٹلاتا ہے، اور رہا فرشتہ کا الہام تو وہ بھلائی کا وعدہ کرتا ہے اور دین حق کی تصدیق کرتا ہے.....پس جو شخص یہ باتیں (اپنے دل میں) پائے: وہ جان لے کہ وہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، پس وہ اللہ کا شکر بجالائے، اور جو شخص دوسرا خیال پائے وہ شیطان سے اللہ کی پناہ چاہے، پھر نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾

ترجمہ: شیطان تم سے محتاجگی کا وعدہ کرتا ہے، اور وہ تمہیں بری بات کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی طرف سے گناہ معاف کرنے کا اور زیادہ دینے کا وعدہ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ وسعت والے خوب جاننے والے ہیں!

دین کی سمجھ ہر کسی کو نہیں ملتی، اور جسے مل گئی اس کے وارے نیارے!

وارے نیارے: یعنی خوب نفع، خیرات کرنے کی اور دوسرے نیک کاموں کی سمجھ بوجھ ہر کسی کو نہیں ملتی، یہ خوبی اللہ جس کو چاہتے ہیں عنایت فرماتے ہیں۔ اگر کسی کو یہ خوبی مل گئی تو اس کی پانچوں انگلیاں گھی میں! دنیا کی کوئی نعمت اس کے برابر نہیں، مگر نصیحت وہی قبول کرتا ہے جس کی عقل خالص ہے، اس پر چھلکے چڑھے ہوئے نہیں، ایسے شخص کے عقائد درست ہوجاتے ہیں، اس کو اعمالِ صالحہ کی توفیق ملتی ہے، اور آخرت میں اجر وثواب سے اس کا دامن بھر جاتا ہے، دنیا کی

کوئی نعمت: اجر وثواب اور نجات کی برابری نہیں کرسکتی۔

﴿ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں سمجھ بوجھ عطا فرماتے ہیں، اور جسے سمجھ بوجھ مل گئی اس کو یقیناً بڑی خوبی مل گئی، اور نصیحت خالص عقل والے ہی قبول کرتے ہیں!

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۚ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

ع ۳۷ / ۵

وَمَا أَنْفَقْتُمْ (۱)	اور جو خرچ کیا تم نے	فَإِنَّ اللَّهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ	مِنْ أَنْصَارٍ	کوئی مددگار
مِنْ نَفَقَةٍ	کوئی سا خرچ	يَعْلَمُهُ	اس کو جانتے ہیں	إِنْ تُبْدُوا	اگر ظاہر کرو تم
أَوْ نَذَرْتُمْ	یا منت مانی تم نے	وَمَا لِلظَّالِمِينَ	اور نہیں ہے اپنا نقصان	الصَّدَقَاتِ	خیراتیں
مِنْ نَذْرٍ	کوئی سی منت		کرنے والوں کے لئے	فَنِعِمَّا (۲)	پس بہت اچھی ہیں

(۱) ما: موصولہ، من نفقة: اس کا بیان ہے (۲) نِعِمَّا: نِعْمَ مَا ہے، میم کا میم میں ادغام ہوا ہے اور مَا: بمعنی شیئ ہے۔

هِيَ[1]	وہ (خیراتیں)	وَمَا تُنْفِقُوْنَ	اور نہیں خرچ کرتے تم	تَعْرِفُهُمْ	پہچانیں گے آپ ان کو
وَاِنْ تُخْفُوْهَا	اور اگر چھپاؤ تم ان کو	اِلَّا	مگر	بِسِيْمٰهُمْ	ان کے چہروں کی
وَتُؤْتُوْهَا	اور دو تم ان کو	ابْتِغَآءَ	چاہنے کے لئے		علامتوں سے
الْفُقَرَآءَ	غریبوں کو	وَجْهِ اللّٰهِ	اللہ کا چہرہ (خوشنودی)	لَا يَسْـَٔلُوْنَ	نہیں مانگتے وہ
فَهُوَ	تو وہ	وَمَا تُنْفِقُوْا	اور جو خرچ کرتے ہو تم	النَّاسَ	لوگوں سے
خَيْرٌ لَّكُمْ	بہتر ہے تمہارے لئے	مِنْ خَيْرٍ	کوئی بھی بھلائی	اِلْحَافًا	لپٹ کر
وَيُكَفِّرُ	اور مٹائیں گے وہ	يُّوَفَّ	پورا پورا دیا جائے گا	وَمَا تُنْفِقُوْا	اور جو خرچ کرو گے تم
عَنْكُمْ	تم سے	اِلَيْكُمْ	تمہیں	مِنْ خَيْرٍ	کوئی بھی بھلائی
مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ[2]	تمہاری برائیوں میں سے	وَاَنْتُمْ	اور تم	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	لَا تُظْلَمُوْنَ	حق نہیں مارے جاؤ گے	بِهٖ عَلِيْمٌ	اس کو خوب جانتے ہیں
بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو	لِلْفُقَرَآءِ[3]	محتاجوں کے لئے	اَلَّذِيْنَ	جو لوگ
خَبِيْرٌ	خوب جانتے ہیں	الَّذِيْنَ	جو	يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں
لَيْسَ عَلَيْكَ	نہیں ہے آپ پر	اُحْصِرُوْا	روکے گئے ہیں	اَمْوَالَهُمْ	اپنے اموال
هُدٰىهُمْ	ان کو راہ پر لانا	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ[4]	راہِ خدا میں (جہاد کیلئے)	بِالَّيْلِ	رات میں
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	اور لیکن اللہ تعالیٰ	لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	نہیں طاقت رکھتے وہ	وَالنَّهَارِ	اور دن میں
يَهْدِيْ	راہ پر لاتے ہیں	ضَرْبًا	(پیر) مارنے کی	سِرًّا	چھپا کر
مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	وَّعَلَانِيَةً	اور علانیہ
وَمَا تُنْفِقُوْا	اور جو خرچ کرتے ہو تم	يَحْسَبُهُمُ	خیال کرتا ہے ان کو	فَلَهُمْ	پس ان کے لئے ہے
مِنْ خَيْرٍ	کوئی بھلائی	الْجَاهِلُ	ناواقف	اَجْرُهُمْ	ان کا بدلہ ہے
فَلِاَنْفُسِكُمْ	تو وہ تمہاری ذاتوں	اَغْنِيَآءَ	مالدار (بے نیاز)	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس
	کے لئے ہے	مِنَ التَّعَفُّفِ	سوال سے بچنے کی وجہ سے	وَلَا خَوْفٌ	اور نہیں ہے ڈر

(۱) ھی: مخصوص بالمدح ہے، اور مرجع الصدقات ہے (۲) من: تبعیضیہ ہے، صدقہ سے صغائر معاف ہوتے ہیں (۳) للفقراء: مبتدا محذوف کی خبر ہے جو الصدقات ہے (۴) اصحابِ صفہ (چبوترے والے) علم حاصل کرتے تھے اور جب ضرورت پڑتی تو جہاد کے لئے بھیجے جاتے، جلالین میں ہے: حَبَسُوْا أنفسهم علی الجهاد إلخ ۔

عَلَيْهِمْ	ان پر	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	يَحْزَنُوْنَ	غم گین ہونگے

انفاقات کی تفصیل

ان آیات میں انفاق کے تعلق سے پانچ باتیں بیان کی ہیں:

۱- واجب انفاق (زکات، صدقۂ فطر اور منت) کا پورا کرنا ضروری ہے

غریبوں پر خرچ کرنے کی دو قسمیں ہیں: واجب اور نفل، پھر واجب کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ جس کو شریعت نے واجب کیا ہے، وہ زکات اور صدقۂ فطر ہیں۔ دوم: وہ جس کو بندے نے خود اپنے اوپر واجب کیا ہے، وہ منت ہے، اور نفل انفاق: وہ ہے جو بندہ اپنی مرضی سے کرتا ہے، وہ امداد، للہ اور صدقۂ نافلہ کہلاتا ہے، پہلی آیت میں واجب انفاق کا ذکر ہے، اور آخری آیت میں نفل انفاق کا، ارشاد فرماتے ہیں: واجب انفاق کی دونوں قسموں کو پورا کرنا ضروری ہے، دونوں کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، پورا کرو گے تو ثواب پاؤ گے نہیں کرو گے تو سزا پاؤ گے، اور کوئی سزا سے بچا نہیں سکے گا۔

﴿ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴾

ترجمہ: اور تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا ـــــ زکات یا صدقۂ فطر ادا کیا ـــــ یا تم نے جو بھی منت مانی ـــــ تھوڑی مانی یا زیادہ، مالی مانی یا غیر مالی ـــــ تو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں ـــــ اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں، ان کی تعمیل کرو گے تو ثواب عنایت فرمائیں گے ـــــ اور اپنا نقصان کرنے والوں کے لئے ـــــ یعنی ان واجبات کی ادائیگی نہ کرنے والوں کے لئے ـــــ کوئی مددگار نہیں ـــــ جو سزا سے بچا سکے۔

۲- برملا خرچ کرے تو واہ وا، اور غریب کو چھپا کر دے تو بہتر ہے

ملّی کاموں میں دونوں طرح خرچ کرنا جائز ہے، کبھی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ برملا خرچ کیا جائے، تاکہ دوسروں کو شوق اور رغبت ہو یا اپنی ذات سے الزام ہٹے، پس اگر لوگوں کو دکھانے کی نیت نہ ہو تو ایسا کرنا بھی خوب ہے، مگر غریب کو چھپا کر دینا بہتر ہے، تاکہ وہ شرمندہ نہ ہو، اور غریب کو دینے سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، حدیث میں ہے: صدقة السّرّ تطفئ غضب الرب: پوشیدہ خیرات اللہ کی ناراضگی کو ختم کرتی ہے، اور بندے جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں، لہٰذا نیت کی حفاظت کرو۔

﴿ إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴾

ترجمہ: اگر تم خیراتیں ظاہر کرو تو واہ وا! اور اگر ان کو چھپاؤ اور غریبوں کو دو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور وہ تمہارے کچھ گناہ مٹائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو باخبر ہیں۔

۳- غیر مسلم رعایا پر بھی خرچ کرو، اس میں بھی فائدہ ہے

اگر کوئی غیر مسلم ضرورت مند ہو تو اس کو بھی خیرات دو، کافر ہونے کی وجہ سے اس کو صاف جواب مت دو، کیونکہ ہدایت کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، مؤمنین کو تو چاہئے کہ اگر سائل ضرورت مند ہو تو اس کی امداد کریں، اس کے تین فائدے ہیں: (۱) مؤمن جو کچھ خرچ کرے گا اس کا فائدہ اس کو حاصل ہوگا (۲) مؤمن جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ اللہ کو خوش کرنے کے لئے کرتا ہے (۳) مؤمن کو اس کے خرچ کا بے کم وکاست بدلہ مل جائے گا۔ پھر وہ کیوں سوچے کہ سائل غیر مسلم ہے؟ اس حکم سے اسلام کی وسعت اور رواداری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس حد تک انسانوں سے محبت اور احسان کا معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

مسئلہ: خیرات سے نفلی خیرات مراد ہے، وہ ذمی غیر مسلم کو دینا بھی جائز ہے، صدقۂ واجبہ (زکات) مراد نہیں، کہ وہ سوائے مسلمان کے کسی دوسرے غریب کو دینا جائز نہیں (معارف القرآن)

تنبیہ: اس موقع پر یہ تنبیہ ضروری ہے کہ ضرورت مند سائل کی امداد ایک الگ چیز ہے اور اس کا مسلمانوں کو حکم ہے اور کفر کی براہ راست اعانت ایک الگ چیز ہے جس سے مسلمانوں کو سختی سے روک دیا گیا ہے خصوصاً جب اس کا مقصد کافروں کو خوش کرنا ہو، مثلاً ایک غیر مسلم سائل آپ کے دروازے پر آواز دے رہا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ وہ ضرورت مند ہے یا آپ کے محلّہ میں ایک بے کس غیر مسلم بستا ہے یا غیر مسلم یتیم خانے کی جانب سے آپ سے اپیل کی جارہی ہے، یا کسی غیر مسلم علاقہ پر کوئی آفت ناگہانی آپڑی ہے، ان صورتوں میں یا اس جیسی دوسری صورتوں میں آپ امداد کریں، لیکن مندروں کی تعمیر کے لئے، میلوں اور کھیلوں کے لئے، یا تیوہاروں مثلاً ہولی، دیوالی کے لئے ایک پائی خرچ کرنے کی آپ کو اجازت نہیں۔ (ہدایت القرآن کاشفی پارہ ۳ ص ۲۲)

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴾

ترجمہ: آپ کے ذمہ ان کو راہ پر لانا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں راہ پر لاتے ہیں —— انصار میں سے کچھ

لوگ اپنے مشرک رشتہ داروں کی مدد سے گریز کرتے تھے، تاکہ وہ ان کے ایمان کا باعث بنے، اس پر تنبیہ کی کہ ہدایت تمہارے ہاتھ میں نہیں، اللہ کے ہاتھ میں ہے، تم اس غرض سے مدد مت روکو، ان پر بھی خرچ کرو، تمہیں تین فائدے حاصل ہونگے —— (۱) اور جو بھی بھلائی تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے فائدے کے لئے ہے (۲) اور تم صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہو (۳) اور جو بھی بھلائی تم خرچ کروگے اس کا پورا پورا بدلہ تم کو دیا جائے گا، اور تمہارا حق نہیں مارا جائے گا —— یہ قرآن کا اسلوب ہے: وہ متعدد باتیں تمہید لوٹا کر کہتا ہے، پس ﴿ مَا تُنْفِقُوْا ﴾ مکرر نہیں۔

۴- جہاد وغیرہ دینی کاموں میں مشغول حاجت مندوں پر خرچ کرنا

ایسے لوگوں کو دینے میں بڑا ثواب ہے جو اللہ کی راہ اور اس کے دین کے کام میں مقید ہوکر چلنے پھرنے، کھانے کمانے سے رک رہے ہیں، اور کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے، جیسے اہلِ صفہ نے گھر بار چھوڑ کر نبی ﷺ کی صحبت اختیار کی تھی، علم دین سیکھنے کے لئے، اور مفسدین فتنہ پھیلانے والوں سے جہاد کرنے کے لئے، اسی طرح اب بھی جو کوئی قرآن کو حفظ کرے یا علم دین میں مشغول ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ ان کی مدد کریں (ماخوذ از فوائد شیخ الہندؒ)

اور آیتِ کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ راہِ خدا میں لڑنے کے لئے وقف ہوگئے ہیں یا دینی کاموں میں مشغول ہیں، اس لئے کما نہیں سکتے، اور ان کی خودداری کا حال یہ ہے کہ ضرورت مند ہونے کے باوجود کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے، اس لئے ناواقف لوگ ان کو مالدار سمجھتے ہیں مگر ان کے چہرے بشرے سے ان کی محتاجگی اور حاجت کا اندازہ ہوجاتا ہے، یہی لوگ واقعی اعانت کے مستحق ہیں، ان پر خرچ کرنا بڑا کار ثواب ہے، پس لوگوں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کو تلاش کریں اور ان کی امداد واعانت کریں۔

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴾

ترجمہ: (صدقات دراصل) اُن حاجت مندوں کے لئے ہیں جو راہِ خدا میں (جہاد اور تحصیلِ علم کے لئے) روکے گئے ہیں، ان کو زمین میں سفر کرنے کی فرصت نہیں، کسی سے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ناواقف ان کو مالدار خیال کرتا ہے، آپ ان کا حال ان کے چہروں کی علامتوں سے جان لیں گے —— فاقہ کے اثرات چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں —— وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے —— ہاں اشارہ کنایہ سے مانگتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فاقہ سے ہوتے اور بھوک برداشت سے باہر ہوجاتی تو اکابر صحابہ سے کسی آیت کی تفسیر پوچھتے، تاکہ وہ ان کے فاقہ کا اندازہ کریں، اور کھانے

کے لئے گھر لے جائیں ـــــ اور تم جو بھی بھلائی خرچ کروگے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں ـــــ یعنی واجب انفاق کے علاوہ بھی جو خرچ کروگے اللہ تعالیٰ اس کا بھی اجر جزیل عنایت فرمائیں گے، اس طرح کلام کا رخ واجب انفاق سے عام انفاق کی طرف ہوجائے گا۔

۵- ہر وقت اور ہر طرح خرچ کرنے والوں کے لئے مژدہ

جو لوگ اللہ کے لئے خرچ کرنے کے عادی ہیں، رات ہو یا دن، خفیہ ہو یا علانیہ، ہر طرح خرچ کرتے رہتے ہیں: ان کو خوش خبری سناتے ہیں کہ ان کا معاوضہ ان کے پروردگار کے پاس محفوظ ہے، وہاں ان کو نہ آگے کا کوئی ڈر ہوگا، اور نہ وہ مافات پر غم گین ہونگے ـــــ اس آیت پر انفاق (غریبوں پر خرچ کرنے) کا بیان پورا ہوا، آگے انفاق کی ضد سود (غریبوں کا خون چوسنے) کا بیان شروع ہوگا، ضد سے ضد اچھی طرح پہچانی جاتی ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جو لوگ اپنے اموال شب وروز چھپا کر اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، ان کے لئے ان کے ربّ کے پاس ان کا ثواب ہے، اور ان پر نہ کوئی ڈر ہے، اور نہ وہ غم گین ہونگے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

اَلَّذِیْنَ	جولوگ	وَاَحَلَّ	اور حلال کی ہے	هُمْ فِيهَا	وہ اس میں
يَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہیں	اللّٰهُ	اللہ نے	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں
الرِّبٰوا	سود	الْبَيْعَ	بیع	يَمْحَقُ	مٹاتے ہیں
لَا يَقُوْمُوْنَ	نہیں کھڑے ہونگے	وَحَرَّمَ	اور حرام کیا ہے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اِلَّا كَمَا	مگر جس طرح	الرِّبٰوا	سود	الرِّبٰوا	سود کو
يَقُوْمُ	کھڑا ہوتا ہے	فَمَنْ جَآءَهٗ	پس جسے پہنچی	وَيُرْبِي	اور بڑھاتے ہیں
الَّذِیْ	وہ شخص	مَوْعِظَةٌ	نصیحت (حکم)	الصَّدَقٰتِ	خیراتوں کو
يَتَخَبَّطُهُ[1]	جسے پاگل بنادیا ہو	مِّنْ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی طرف سے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	فَانْتَهٰى	پس وہ (سود لینے سے)	لَا يُحِبُّ	پسند نہیں کرتے
مِنَ الْمَسِّ	چھوکر (لپٹ کر)		رک گیا	كُلَّ كَفَّارٍ	ہر کٹر مخالف
ذٰلِكَ	یہ بات (سزا)	فَلَهٗ مَا	تو اس کے لئے ہے جو	اَثِيْمٍ	گنہگار کو
بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ ہے کہ انھوں نے	سَلَفَ	پہلے لے چکا	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جولوگ
قَالُوْٓا	کہا	وَاَمْرُهٗٓ	اور اس کا معاملہ	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
اِنَّمَا	اس کے سوانہیں کہ	اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف ہے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
الْبَيْعُ	بیع	وَمَنْ عَادَ	اور جولوٹا	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
مِثْلُ	مانند	فَاُولٰٓئِكَ	پس وہی لوگ	وَاَقَامُوا	اور اہتمام کیا انھوں نے
الرِّبٰوا	سود کے ہے	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں	الصَّلٰوةَ	نماز کا

(۱) تَخَبَّطَ الشیطانُ فلانًا: شیطان کا دیوانہ اور خبطی بنا دینا۔

وَ اٰتَوُا(1)	اور دی انھوں نے	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے	اِلٰى مَيْسَرَةٍ(3)	آسانی تک
الزَّكٰوةَ	زکات	فَاِنْ لَّمْ	پس اگر	وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا(4)	اور خیرات کرنا (معاف کرنا)
لَهُمْ	(تو) ان کے لئے	تَفْعَلُوْا	نہیں کیا تم نے		
اَجْرُهُمْ	ان کا بدلہ ہے	فَاْذَنُوْا(2)	جو جان لو	خَيْرٌ لَّكُمْ	تمہارے لئے بہتر ہے
عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس	بِحَرْبٍ	جنگ	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
وَلَا خَوْفٌ	اور نہیں ہے کوئی ڈر	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	تَعْلَمُوْنَ	جانتے
عَلَيْهِمْ	ان پر	وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول کی	وَاتَّقُوْا	اور ڈرو
وَلَا هُمْ	اور نہ وہ		طرف سے	يَوْمًا	اس دن سے
يَحْزَنُوْنَ	غمگین ہوں گے	وَاِنْ تُبْتُمْ	اور اگر توبہ کی تم نے	تُرْجَعُوْنَ	(کہ) لوٹائے جاؤ گے تم
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	فَلَكُمْ رُءُوْسُ	تو تمہارے لئے سر ہیں	فِيْهِ	اس میں
اٰمَنُوا	ایمان لائے	اَمْوَالِكُمْ	تمہارے مالوں کے	اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف
اتَّقُوا اللّٰهَ	اللہ سے ڈرو	لَا تَظْلِمُوْنَ	نہ ظلم کرو تم	ثُمَّ تُوَفّٰى	پھر پورا پورا چکایا جائیگا
وَذَرُوْا	اور چھوڑو	وَلَا تُظْلَمُوْنَ	اور نہ ظلم کئے جاؤ تم	كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص
مَا بَقِيَ	جو باقی رہ گیا ہے	وَاِنْ كَانَ	اور اگر ہو وہ (مقروض)	مَّا كَسَبَتْ	جو کمایا اس نے
مِنَ الرِّبٰوٓا	سود سے	ذُوْ عُسْرَةٍ	تنگ دست	وَهُمْ	اور وہ
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	فَنَظِرَةٌ	تو ڈھیل دینا ہے	لَا يُظْلَمُوْنَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے

سود کی حرمت کا بیان

ربط: دور سے وہ احکام بیان ہو رہے ہیں جو مبنی بر مصلحت ہیں، ان میں سود کی حرمت بھی ہے، اور انفاق کے بعد سود کی حرمت کا بیان تقابلِ تضاد کے طور پر آیا ہے، انفاق کے ذریعہ غریب کو خون سپلائی کیا جاتا ہے اور لون (سودی قرض) سے غریب کا خون چوسا جاتا ہے، پس دونوں میں نسبتِ تضاد ہے، اور ضد سے ضد اچھی طرح پہچانی جاتی ہے، اس لئے

---

(۱) آتَوُا: اِیتاء سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے، اس لئے واو پر پیش ہے اور ﴿ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾: زکات دو، اِیتاء سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ (۲) أَذِن به: جاننا (۳) مَيْسَرَة: اسم: آسانی، کشادگی اور نَظِرَة: مصدر: مہلت دینا۔ (۱) أن: مصدریہ ہے، اور أن تصدقوا: مبتدا ہے۔

اب سود کی حرمت کا بیان شروع فرماتے ہیں۔

ایک بنیادی سوال: جو سہ رُخا ہے:

(الف) یہاں ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ کا خطاب کیوں نہیں؟ مؤمنین کو جو احکام دیئے جاتے ہیں ان میں یہ خطاب ہوتا ہے۔

(ب) آیات کا لب ولہجہ بہت سخت ہے، سود نہ چھوڑنے پر جنگ کا الٹی میٹم دیا ہے، ایسا کیوں ہے؟

(ج) حرمتِ سود کی یہ آیتیں فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئیں ہیں، بلکہ آخری آیت تو قرآن کی آخری آیت ہے، پس کیا اس سے پہلے مسلمان سود لیتے تھے؟ جیسے حرمتِ خمر نازل ہونے سے پہلے مسلمان شراب پیتے تھے، یعنی سود کی حرمت اتنی تاخیر سے کیوں نازل ہوئی؟

جواب: سود لینا مسلمان کا کام نہیں، یہ کام کافر ہی کرتا ہے، مسلمانوں نے کبھی سود نہیں لیا، اسلام نے روزِ اول سے غریبوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، سورۃ المزمل میں زکات کا حکم ہے، یہ بالکل ابتدائی دور کی سورت ہے، اور سورۃ الروم کی (آیت ۳۹) میں سود کی حرمت کا بیان ہے، یہ مکی دور کے آخر کی سورت ہے، اس کا نزول کا نمبر ۸۴ ہے، فرمایا: ﴿ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاْ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ ﴾: اور جو تم نے لون (سودی قرض) دیا، تاکہ وہ لوگوں کے اموال میں (شامل ہوکر) بڑھے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور جو تم نے کچھ خیرات دی، اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوئے تو وہی لوگ بڑھانے والے ہیں۔ غرض سودی نظام تباہ کن معاشی نظام ہے، اسلام اس کا کیسے روادار ہوسکتا ہے؟ البتہ مکہ کے مشرک سرمایہ داروں میں سودی قرض دینے کا رواج تھا، اور وہ ان کا دلچسپ کاروبار تھا، پھر جب مکہ فتح ہوا، اور مکہ کے سب باشندے مسلمان ہوگئے تو حرمتِ سود کی یہ آیات نازل ہوئیں، اس لئے ان میں ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ کا خطاب نہیں، کیونکہ مخاطب وہی لوگ تھے جن کے منہ سے یہ خون لگا ہوا تھا، وہ لون کو بیع کی طرح قرار دیتے تھے، بلکہ اس کو بدرجۂ اولیٰ جائز قرار دیتے تھے، اور مفت خوری کی عادت مشکل سے چھٹتی ہے، اس لئے لب ولہجہ سخت ہے۔

ایک واقعہ: جب ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا، اور ہر مزاحمت ناکام ہوگئی تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے رسالہ **فیصلة الأعلام في دار الحرب والإسلام** لکھا، اس میں ثابت کیا کہ ہندوستان دار الحرب (غیر اسلامی ملک) ہوگیا ہے، کسی نے سوال کیا کہ پھر آپ سود کے جواز کا فتوی کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا: اگر میں یہ فتوی دوں تو مسلمان سود لینے لگیں گے، پھر اگر یہ ملک دار الاسلام بن گیا تو جن لوگوں کو سود خوری کی عادت پڑ جائے گی، ان سے

یہ لت کون چھڑائے گا! معلوم ہوا کہ مفت خوری کی عادت بہت بری ہے، اس لئے قرآنِ کریم نے سخت لہجہ اپنایا ہے کہ اگر سود نہیں چھوڑو گے تو تم سے بزورِ شمشیر نمٹا جائے گا۔

سود خوروں کی سزا

سود خور قیامت کے دن قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جس طرح آسیب زدہ پاگل ڈولتا بھٹکتا پھرتا ہے، اور یہ سزا سود خوروں کو اس لئے ملے گی کہ انھوں نے سود کو حلال بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت، تجارت، لین دین اور سود میں کیا فرق ہے؟ دونوں ایک ہیں، اِس سے نفع حاصل ہوتا ہے اُس سے بھی ہوتا ہے، اس میں بھی روپیہ لگانا پڑتا ہے، اس میں بھی روپیہ لگتا ہے، اس میں بھی دونوں طرف سے معاملہ ہوتا ہے، اس میں بھی ہوتا ہے، اس میں بھی خریدنے والا اور بیچنے والا ضرورت مند ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے متلاشی ہوتے ہیں، سودی کاروبار میں بھی رقم لینے والا اور رقم دینے والا ایک دوسرے کو تلاش کرتے ہیں، خرید و فروخت میں دونوں کی ضرورت اور مرضی پر معاملہ کی بنیاد ہوتی ہے، سودی معاملہ میں بھی یہی ہوتا ہے۔ سود کھانے والے چاہے کسی شکل میں بھی رہے ہوں وہ قیامت تک بھی اپنی دلیل میں اس سے زیادہ ایک لفظ نہیں کہہ سکتے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے نقل فرمادیا ہے۔ آج سود کے نام بدل بدل کر لوگ جو کچھ اس کے فائدے گنواتے ہیں ان کا خلاصہ بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ سود اور تجارت میں کوئی فرق نہیں۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ﴾

ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) نہیں اٹھیں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جس کو آسیب نے لپٹ کر پاگل بنا دیا ہو، یہ سزا ایں وجہ ہے کہ انھوں نے کہا: ''بیع سود ہی کی طرح تو ہے!''

فائدہ: ﴿مِنَ الْمَسِّ﴾: کے لغوی معنی ہیں: چھو کر، اس سے معلوم ہوا کہ آسیب بدن میں نہیں گھستا، لگتا ہے، چڑھتا ہے، باہر سے اثر انداز ہوتا ہے، سوار ہو جاتا ہے، اور حدیث میں ہے: إن الشيطان يجري من أحدكم مَجْرَى الدم: بے شک شیطان چلتا ہے تم میں سے ہر ایک کی خون کی رگوں میں: یہ سرعتِ تاثیر کی تمثیل ہے، حقیقت کا بیان نہیں، یعنی شیطان چٹکی بجا کر انسان کو فتنہ میں مبتلا کر دیتا ہے، شیطان کوئی سیال مادہ نہیں جو انجکشن کی دوا کی طرح خون کی رگوں میں چلے (العرف الشذی، تحفۃ الالمعی ۳: ۶۱۱)

اللہ نے بیع (خرید و فروخت) کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا

کافر اور ان سے متاثر نام نہاد مسلمان کہتے ہیں: ''بیع سود کے مانند ہی تو ہے!'' قرآن نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے

'بیع' کو حلال کیا ہے اور 'ربا' کو حرام کیا ہے، اور دونوں کا فرق وصفِ عنوانی میں رکھ دیا ہے، بیع کے اصطلاحی معنی ہیں: **مبادلۃُ المال بالمال:** مال متقوم کا مال متقوم سے تبادلہ کرنا یعنی مالک بننا اور بنانا۔ اور ربا کے اصطلاحی معنی ہیں: **فضلٌ خالٍ عن عوضٍ:** ایسی زیادتی جس کے مقابل کوئی عوض نہ ہو، ہزار روپے قرض دیئے، جو ایک ماہ کے بعد گیارہ سو روپے بن گئے، تو یہ سو روپے ایسی زیادتی ہے جس کے مقابل کوئی عوض نہیں، یہ ڈائریکٹ زر سے زر پیدا کرنا ہے، یہی ربا ہے، اور بیع میں بھی زر سے زر (نفع) پیدا کیا جاتا ہے، مگر درمیان میں عمل کا واسطہ آتا ہے، جیسے ہزار روپے کی گھڑی لایا اور گیارہ سو میں بیچ دی تو سو روپے نفع حاصل ہوا، مگر یہ ڈائریکٹ نفع حاصل نہیں ہوا، بلکہ درمیان میں عمل کا واسطہ آیا، یہ بیع اور ربا میں فرق ہے، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ راست زر سے زر پیدا کرنے کی شریعت حوصلہ افزائی نہیں کرتی، شریعت چاہتی ہے کہ اگر زر سے زر پیدا کیا جائے تو درمیان میں عمل کا واسطہ آئے۔ کیونکہ زر سے بلاتوسطِ عمل زر پیدا کرنے کی صورت میں دو بڑی خرابیاں لازم آتی ہیں:

ایک: دولت کا اکتناز ہو جاتا ہے یعنی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے، جو شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں، سورۃ الحشر (آیت ۷) میں مالِ فَیٔ کے مصارف بیان کرنے کے بعد ارشاد پاک ہے: ﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾: تا کہ مالِ فَیٔ تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آجائے، مجھے یاد ہے: میرے بچپن میں میری قوم بنیوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی، اور پورے گاؤں میں کسی کے پاس کوئی چیز نہیں تھی کھیت میں جب فصل تیار ہوتی، تو کھلیان سے ہی بنیا سارا غلہ لے جاتا، پھر کھانے کے لئے غلہ بنیے سے سود پر لانا پڑتا، اب بینکیں چونکہ حکومتوں کی نگرانی میں ہیں، اس لئے شرحِ سود بھی کم ہوتا ہے اور حکومت وقتاً فوقتاً غریبوں کے قرضے معاف بھی کرتی رہتی ہے، اس لئے اکتناز دولت کی مضرت واضح طور پر محسوس نہیں ہوتی۔

اور جب پیسے سے پیسہ پیدا کرنے کے لئے درمیان میں عمل کا واسطہ لایا جائے گا تو دولت پھیلے گی، جیسے ایک شخص کے پاس دس کروڑ روپے ہیں، اس نے ایک کارخانہ لگایا، اور مصنوعات تیار کیں، تو جو نفع ہوگا وہ اولاً ملازموں میں تقسیم ہوگا، پھر ڈسٹری بیوٹر (تقسیم کار) اس سے منتفع ہونگے، پھر خردہ فروش ان مصنوعات سے کمائیں گے، اور کارخانے کے مالک کو بھی اس کے نصیب کا مل جائے گا، سارا نفع اس کے جیب میں نہیں جائے گا، اور اگر وہ دس کروڑ کا بینک کھول کر بیٹھ جائے اور سود پر قرضے دینے لگے تو زر سے پیدا ہونے والے زر کا وہ تنہا مالک ہوگا، اس طرح رفتہ رفتہ پبلک کی دولت سمٹ کر مہاجن کے جیب میں چلی جائے گی۔

اس لئے کوئی بینک اسلامی نہیں ہوسکتا، کیونکہ بینک نام ہی زر سے زر پیدا کرنے کا ہے، بینک درمیان میں عمل کا واسطہ نہیں لاسکتا، ہاں مرابحہ کا حیلہ کرسکتا ہے، مگر وہ ہمیشہ اسی حیلے میں پھنسا رہے گا، اس سے آگے عملاً مضاربت تک نہیں پہنچ سکتا۔

دوسری خرابی: بے روزگاری پھیلے گی، جب لوگ چھوٹی بڑی بینکیں اور پیڑھیاں کھول کر بیٹھ جائیں گے، اور زر سے بلاتوسط عمل زر پیدا کرنے لگیں گے تو عوام کے لئے کوئی کام نہیں رہے گا، اور وہ بے روزگار ہوکر حکومت کے لئے بوجھ بن جائیں گے، اور جب لوگ عمل کے توسط سے پیسہ کمائیں گے، کارخانے قائم کریں گے تو لوگوں کو روزگار ملے گا اور حکومتوں کا بوجھ ہلکا ہوگا۔

غرض: ان دوخرابیوں کی وجہ سے شریعت نے ربا کو حرام کیا ہے، اور بیع (معاملات) ان خرابیوں سے پاک ہے، اس لئے اس کو حلال کیا ہے۔

بہ الفاظ دیگر: اس مسئلہ کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ بیع میں اصل حلت ہے، اور جہاں خرابی در آتی ہے تو جس درجہ کی خرابی ہوتی ہے اس کے اعتبار سے بیع ناجائز ہوتی ہے، اگر خرابی ہلکی ہوتی ہے تو بیع فاسد ہوتی ہے، اور خرابی زیادہ ہوتی ہے تو بیع باطل ہوتی ہے، اور ربا بھی اگرچہ ایک طرح سے بیع ہے، مگر اس میں خرابی آخری درجہ کی ہے، جس کی تفصیل اوپر آچکی کہ اس سے دولت کا اکتناز ہوجاتا ہے اور ملک میں بے روزگاری پھیل جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا ہے۔

﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ﴾

ترجمہ: اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام کیا ہے۔

جاہلیت میں جو سود لیا جاچکا اس کا پھیرنا ضروری نہیں، اب لے گا تو سزا پائے گا

زمانۂ جاہلیت میں کفر کی حالت میں جو کسی نے سود لیا اس کو مالک کی طرف پھیرنا ضروری نہیں، اس لئے کہ کفار (غیر مسلم) دنیا میں فروع کے مکلّف نہیں، البتہ جو سود باقی رہ گیا ہے اس کا اب مسلمان ہونے کے بعد لینے کا حق نہیں، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جو چاہیں معاملہ کریں، اپنی رحمت سے بخش دیں یا سزا دیں، کیونکہ کفار آخرت میں فروع کے مکلّف ہیں (سورۃ المدثر آیات ۴۰-۴۸) اور اسلام قبول کرنے کے بعد جو کوئی باز نہیں آیا، سود لیا یا باقی ماندہ وصول کیا تو وہ دوزخی ہے، اور یہ غایت بیان کئے بغیر سزا کا بیان ہے، جیسے سورۃ النساء (آیت ۹۳) میں مؤمن کو متعمداً قتل کرنے کی سزا غایت متعین کئے بغیر بیان کی گئی ہے۔

مسئلہ: کسی مسلمان نے سود لیا تو وہ مال حرام ہے، وہ اس کا مالک نہیں، مالک کو واپس کرنا ضروری ہے، اور مالک معلوم نہ ہو تو کسی غریب کو ثواب کی نیت کے بغیر دیدے، بنک سے ملنے والے سود کا بھی یہی حکم ہے۔ سرکاری ٹیکسوں میں بھرنا جائز نہیں، یہ ذاتی استعمال ہے۔

﴿فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

ترجمہ: پس جسے اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی ــــ حرمت کے حکم کو نصیحت سے تعبیر کیا ہے یہ مولیٰ کا کرم ہے ــــ اور وہ باز آ گیا تو اس کے لئے وہ ہے جو پہلے لے چکا، اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اور جو لوٹا تو وہی دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں!

سود خور اللہ تعالیٰ کو کسی طرح نہیں بھاتا!

سود خور اللہ تعالیٰ کو ایک آنکھ نہیں بھاتا، وہ بڑا گنہگار ہے، اس کی سود کی کمائی ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی، تیسری پشت تک ضرور تباہی آتی ہے، سود سے بظاہر مال میں زیادتی ہوتی ہے، مگر دیر سویر اللہ تعالیٰ اس کو ملیامیٹ کر دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خیراتوں کو بڑھاتے ہیں، حدیث میں ہے: آدمی ستھرے مال میں سے جو بھی خیرات کرتا ہے اس کو مہربان اللہ اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں، پھر اگر وہ خیرات ایک چھوہارا ہوتی ہے تو وہ رحمان کی ہتھیلی میں بڑھتی ہے، یہاں تک کہ وہ پہاڑ سے بڑی ہو جاتی ہے، جس طرح تم اپنے گھوڑے اور اونٹ کے بچہ کی پرورش کرتے ہو (ترمذی حدیث ۶۵۴) اور غریبوں پر خرچ کرنے سے مال میں برکت بھی ہوتی ہے اور دارین میں نیک نامی بھی نصیب ہوتی ہے۔

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور خیراتوں کو بڑھاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کسی کٹر مخالف گنہگار کو پسند نہیں کرتے۔

مبغوض لوگوں کے بالمقابل محبوب بندوں کا تذکرہ

قرآنِ کریم کا اسلوب ہے کہ وہ جنتیوں اور جہنمیوں کا تذکرہ یکے بعد دیگرے کرتا ہے، تا کہ ترغیب وترہیب ساتھ ہو جائیں، اسی طرح وہ نیک و بد لوگوں کا تذکرہ بھی یکے بعد دیگرے کرتا ہے، اوپر جب اللہ کے کٹر مخالف گنہگار بندوں کا تذکرہ آیا تو اب ایک آیت میں ــــ سلسلۂ کلام کے درمیان ــــ ایماندار صالح بندوں کا تذکرہ فرماتے ہیں، یہ بندے غریبوں کا خون نہیں چوستے، بلکہ زکات وخیرات کے ذریعہ مشکل حالات میں غریبوں کی مدد کرتے ہیں، ان کے لئے

آخرت میں سدابہار زندگی ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے، اور انھوں نے نماز کا اہتمام کیا، اور زکات ادا کی: ان کا بدلہ ان کے پروردگار کے پاس ہے، اور ان کے لئے نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

سود خوروں کو جنگ کا الٹی میٹم!

نیک بندوں کا تذکرہ توضمناً آیا تھا، اب سابقہ سلسلۂ بیان شروع ہوتا ہے، فتح مکہ کے موقع پر جو لوگ مسلمان ہوئے تھے، ان سے خطاب ہے کہ اگر تم واقعی ایمان لائے ہو تو تمہارا جو سود لوگوں پر باقی ہے اس کو چھوڑ دو، صرف راس المال لے سکتے ہو، اور اگر نہیں چھوڑو گے تو اللہ ورسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو، تم سے بزور شمشیر سود خوری چھڑائی جائے گی، اور اصل سرمایہ بھی اس طرح لو کہ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے، یعنی پہلے تم جو سود لے چکے ہو اس کو اگر تمہارے اصل سرمایہ سے کاٹا جائے تو تم پر ظلم ہوگا، اور چڑھا ہوا سود تم مانگو تو یہ تمہارا ظلم ہے، دونوں درست نہیں، اصل سرمایہ بے کم وکاست لے سکتے ہو۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی گروہ سود لینے پر مصر ہو تو اس پر فوج کشی بھی کی جاسکتی ہے، کیونکہ اگر وہ سود کو حرام ہی نہیں سمجھتا تو مرتد ہے، اور حرام سمجھ کر عمل سے انکار کرتا ہے تو ایسے لوگوں سے جہاد کا حکم ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور باقی ماندہ سود چھوڑو، اگر تم ایماندار ہو، پس اگر تم (ایسا) نہیں کرو گے ـــــ یعنی باقی رہا ہوا سود نہیں چھوڑو گے ـــــ تو جنگ کا اعلان سن لو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم نے توبہ کرلی ـــــ یعنی باقی رہا ہوا سود چھوڑنے کے لئے تیار ہوگئے ـــــ تو تمہارے لئے تمہارا اصل سرمایہ ہے ـــــ جو تم نے قرض دیا ہے ـــــ نہ تم ظلم کرو، اور نہ تم ظلم کئے جاؤ۔

مقروض تنگ دست ہو تو مہلت دینا واجب ہے، اور قرضہ معاف کردے تو اور بھی بہتر ہے

اگر مقروض اصل قرض بھی فوری طور پر واپس نہ کرسکتا ہو تو گنجائش ہونے تک مہلت دینا واجب ہے، اور اگر قرضہ ہی

معاف کردے تو اور بھی بہتر ہے، کاش لوگ اس کے ثواب کو جانیں، مہلت دینے کا یا قرضہ معاف کرنے کا قیامت کے دن پورا پورا صلہ ملے گا، سود کے سلسلہ کی یہ آخری آیت ہے، اس پر سود کا بیان پورا ہوا۔

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۣ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور اگر (مقروض) تنگ دست ہو تو آسانی تک مہلت دینا ہے، اور قرضہ معاف کرنا تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم جانو، اور اس دن کا خوف کھاؤ جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ چکایا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ـــــ اب ہر کوئی اپنی فکر کرے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْــًٔـا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىھُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْــَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْھَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	الْحَقُّ	قرض ہے	فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا	پس اگر نہ ہوں وہ
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	وَلْيَتَّقِ	اور چاہئے کہ ڈرے	رَجُلَيْنِ	دو مرد
اِذَا	جب	اللّٰهَ	اللہ سے	فَرَجُلٌ	تو ایک مرد
تَدَايَنْتُمْ (1)	آپس میں معاملہ کرو	رَبَّهٗ	جو اس کا رب ہے	وَّامْرَاَتٰنِ	اور دو عورتیں
بِدَيْنٍ	ادھار کا	وَلَا يَبْخَسْ	اور نہ کم کرے	مِمَّنْ	ان میں سے جن کو
اِلٰٓى اَجَلٍ	کسی وقت تک	مِنْهُ شَيْئًا	اس سے کچھ بھی	تَرْضَوْنَ	پسند کرتے ہو تم
مُّسَمًّى	مقررہ	فَاِنْ كَانَ	پس اگر ہے وہ	مِنَ الشُّهَدَآءِ	گواہوں سے
فَاكْتُبُوْهُ	تو لکھ لو اس کو	الَّذِيْ عَلَيْهِ	جو اس پر	اَنْ (4)	اس وجہ سے کہ
وَلْيَكْتُبْ	اور چاہئے کہ لکھے	الْحَقُّ	قرض ہے	تَضِلَّ	بھول جائے
بَّيْنَكُمْ	باہم	سَفِيْهًا	بے وقوف	اِحْدٰىهُمَا	ان میں سے ایک
كَاتِبٌ	لکھنے والا	اَوْ ضَعِيْفًا	یا کمزور	فَتُذَكِّرَ	تو یاد دلائے
بِالْعَدْلِ	انصاف کے ساتھ	اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ	یا نہیں طاقت رکھتا	اِحْدٰىهُمَا	ان کی ایک
وَلَا يَاْبَ	اور نہ انکار کرے	اَنْ يُّمِلَّ	کہ لکھوائے	الْاُخْرٰى	دوسری کو
كَاتِبٌ	لکھنے والا	هُوَ	وہ	وَلَا يَاْبَ	اور نہ انکار کریں
اَنْ يَّكْتُبَ	لکھنے سے	فَلْيُمْلِلْ	تو لکھوائے	الشُّهَدَآءُ	گواہ
كَمَا عَلَّمَهُ	جیسا سکھلایا اس کو	وَلِيُّهٗ	اس کا کارگزار	اِذَا مَا	جب
اللّٰهُ	اللہ نے	بِالْعَدْلِ	انصاف کے ساتھ	دُعُوْا	وہ بلائے جائیں
فَلْيَكْتُبْ (2)	پس چاہئے کہ لکھے وہ	وَاسْتَشْهِدُوْا	اور گواہ بناؤ تم	وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا (5)	اور نہ اکتاؤ
وَلْيُمْلِلِ (3)	اور چاہئے کہ لکھائے	شَهِيْدَيْنِ	دو گواہ	اَنْ تَكْتُبُوْهُ	اس کے لکھنے سے
الَّذِيْ عَلَيْهِ	وہ جس پر	مِنْ رِّجَالِكُمْ	تمہارے مردوں سے	صَغِيْرًا	چھوٹا ہو

(۱) تداینتم: تَدَایُنٌ (باب تفاعل) سے ماضی جمع مذکر حاضر: تم نے ایک دوسرے کو قرض دیا، ادھار دیا۔ (۲) لایاب: منفی پہلو سے لکھنے کا حکم ہے اور فلیکتب: مثبت پہلو سے۔ (۳) لِیُمْلِلْ: امر واحد مذکر غائب، إِمْلَال: لکھوانا (۴) اَن: سے پہلے باء یا مِن محذوف ہے (۵) لاتسئموا سے الفاظ بدل کر تمہید لوٹائی ہے، اور آگے دستاویز لکھنے کے تین فوائد بیان کئے ہیں۔

اَوْ كَبِيْرًا	یا بڑا	تِجَارَةً	سودا	وَّلَا شَهِيْدٌ	اور نہ گواہ
اِلٰٓى اَجَلِهٖ	اس کی مدت تک	حَاضِرَةً	دست بدست	وَاِنْ تَفْعَلُوْا	اور اگر کروگے تم
ذٰلِكُمْ	یہ بات	تُدِيْرُوْنَهَا	لیتے دیتے ہو تم اس کو	فَاِنَّهٗ	تو بے شک وہ
اَقْسَطُ	زیادہ انصاف کی ہے	بَيْنَكُمْ	باہم	فُسُوْقٌ[3] بِكُمْ	بے راہ روی ہے تمہاری
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ	پس نہیں تم پر	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
وَاَقْوَمُ	اور زیادہ درست رکھنے	جُنَاحٌ	کوئی گناہ	اللّٰهَ	اللہ سے
	والی ہے	اَلَّا تَكْتُبُوْهَا	کہ نہ لکھو تم اس کو	وَيُعَلِّمُكُمُ	اور سکھلاتے ہیں تم
لِلشَّهَادَةِ	گواہی کو	وَاَشْهِدُوْٓا	اور گواہ بناؤ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَاَدْنٰٓى	اور زیادہ قریب ہے	اِذَا تَبَايَعْتُمْ	جب سودا کرو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اَلَّا تَرْتَابُوْٓا	کہ نہ شک کرو تم	وَلَا يُضَآرَّ[2]	اور نہ نقصان پہنچایا جائے	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
اِلَّآ[1] اَنْ تَكُوْنَ	مگر (لیکن) یہ کہ ہو	كَاتِبٌ	لکھنے والا	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

دستاویز لکھنے کا بیان

دستاویز: وہ تحریری ثبوت جس سے اپنا حق ثابت کرسکیں۔ زمانۂ جاہلیت میں لون (سودی قرض) دینے والے دستاویز لکھا کرتے تھے، اس لئے اب وثیقہ لکھنے کا بیان شروع کرتے ہیں، اور یہ قرآنِ کریم کی سب سے لمبی آیت ہے، مگر ہر لمبی آیت میں وقفے ہوتے ہیں، اس لئے پوری آیت ایک سانس میں پڑھنا ضروری نہیں، وقفے وقفے سے پڑھ سکتے ہیں۔

اور اس آیت میں تین مضمون ہیں: دستاویز لکھنے کا حکم، اس کے فوائد اور متعلقہ مسائل ونصائح۔ اور دستاویز لکھنے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں: دستاویز لکھنے والا، دستاویز لکھوانے والا اور دستاویز پر گواہیاں، پھر دستاویز لکھنے کے تین فائدے بیان کئے ہیں، پھر تین مسائل اور تین نصیحتیں ہیں۔ یہ آیتِ کریمہ کا خلاصہ ہے۔

دستاویز لکھنے کا حکم: جب کوئی بڑا قرض لیا دیا جائے، اور آئندہ کسی مدت میں واپسی کا وعدہ ہو، یا کوئی ادھار سودا کیا جائے، اور ثمن کی ادائیگی کے لئے کوئی مدت مقرر ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، اور چونکہ معاملہ آئندہ مدت کے لئے ہوا ہے، اور بھول چوک اور نزاع کا احتمال ہے اس لئے اس کی لکھت پڑھت ہوجانی چاہئے، تاکہ وہ تحریر بوقتِ ضرورت کام آئے، اور

(۱) اِلَّا: استثناء منقطع بمعنی لکن ہے اور استثناء متصل (تکتبوہ سے بھی) ہوسکتا ہے (۲) یُضَارَّ: ضِرَارٌ (مصدر باب مفاعلہ) سے فعلِ نہی واحد مذکر غائب: نہ تکلیف دی جائے، نہ دُکھ پہنچایا جائے۔ (۳) فسوق (مصدر): حد اطاعت سے نکلنا۔

اس کی صورت یہ ہے کہ باقاعدہ اسٹامپ پر دستاویز لکھ لی جائے، جس میں مقررہ مدت کا ذکر، فریقین کے واضح نام اور معاملہ کی تفصیل ہو، اور اس پر گواہیاں ثبت کی جائیں، تاکہ بات پکی ہوجائے۔

دستاویز کون لکھے؟ —— کاتب (دستاویز لکھنے کا ماہر) لکھے، دستاویز ہر شخص نہیں لکھ سکتا، اس کی خاص اصطلاحات اور خاص اسلوب ہوتا ہے، اس لئے دستاویز کسی ماہر سے لکھوائی جائے، جیسے اہم درخواست (میمورنڈم) ہر کوئی نہیں لکھ سکتا، سپاس نامہ ہر آدمی نہیں لکھ سکتا، اس کا ماہر ہی لکھ سکتا ہے، پس جو دستاویز لکھنا جانتا ہے وہ لکھنے سے انکار نہ کرے، اللہ نے اس کو یہ فن سکھلایا ہے اس کا شکر بجالائے، البتہ اس کو اجرت طلب کرنے کا حق ہے، کیونکہ یہ ایک عمل ہے اور ہر منفعت پر اجارہ درست ہے، پھر وہ صحیح صحیح انصاف کے ساتھ لکھے، کچھ گڑبڑ نہ کرے، الفاظ کے معمولی فرق سے بات کہیں سے کہیں چلی جاتی ہے۔

دستاویز کون لکھوائے؟ یعنی کون املاء کرائے؟ —— وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق واجب ہے، تاکہ وہ گواہوں کے سامنے اس کا اقرار بھی بن جائے، اور وہ اللہ سے ڈر کر لکھوائے، صاحبِ حق کا حق بے کم وکاست لکھوائے —— اور اگر وہ شخص جس پر حق واجب ہے کم سمجھ ہو، یا کمزور ہو، یا کسی وجہ سے نہ لکھوا سکتا ہو، مثلاً: زبان نہ جانتا ہو، یا گونگا ہو اور کاتب اس کے اشارے نہ سمجھتا ہو تو پھر اس کا کارندہ انصاف سے لکھوائے۔

دستاویز پر گواہیاں: معاملات میں دو آزاد عاقل بالغ مردوں کی گواہی ضروری ہے، دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے، اور گواہوں کا مسلمان عادل (دیندار) ہونا ضروری ہے۔ اور ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی اس لئے ضروری ہے کہ عورتوں کی یادداشت اکثر کمزور ہوجاتی ہے، ان کا ماحول (اردگرد) حافظہ کو متاثر کرتا ہے، ان کا چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہوتا ہے، وہ ہر وقت چیں چیں کرتے ہیں، اس سے ان کی یادداشت کمزور ہوجاتی ہے، اس لئے اگر گواہی دیتے وقت ایک عورت کچھ بھولے تو دوسری اس کو یاد دلادے، اسی لئے دونوں عورتیں ساتھ گواہی دیں گی، دو مرد الگ الگ گواہی دیتے ہیں۔

پھر اگر کبھی نزاع ہو، اور معاملہ کورٹ میں جائے، اور دستاویز میں جن گواہوں کی گواہی ثبت ہے ان کو کورٹ میں طلب کیا جائے تو وہ انکار نہ کریں، حاضر ہوکر گواہی دیں، ہاں وہ ہرجانہ (کرایہ) لے سکتے ہیں۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔـا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ

سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ، وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ، فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى، وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم باہم مقررہ وقت تک کے لئے کوئی ادھار معاملہ کرو تو اسے لکھ لو ـــــ یہ دستاویز لکھنے کا حکم ہے ـــــ اور چاہئے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے، اور لکھنے والا جیسا اس کو اللہ نے سکھلایا ہے لکھنے سے انکار نہ کرے، بلکہ لکھے ـــــ پہلے ﴿لَا يَاْبَ﴾ میں منفی پہلو سے لکھنے کا حکم تھا، پھر ﴿فَلْيَكْتُبْ﴾ میں مثبت پہلو سے، پس تکرار نہیں، اور یہ کون لکھے؟ کا بیان ہے ـــــ اور چاہئے کہ وہ شخص لکھوائے جس پر حق (قرضہ) ہے، اور چاہئے کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرے، اور حق میں سے کچھ بھی کم نہ کرے ـــــ یہ کون لکھوائے کا بیان ہے ـــــ پس اگر وہ شخص جس پر حق ہے کم عقل یا کمزور ہو یا لکھوا نہ سکتا ہو تو اس کا کارندہ انصاف کے ساتھ لکھوائے ـــــ یہ کون لکھوائے کا تتمہ ہے ـــــ اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو، پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ـــــ گواہ بناؤ ـــــ ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو ـــــ یعنی گواہ مسلمان عاقل بالغ دیندار ہوں، یہ وثیقہ پر گواہی ثبت کرنے کا بیان ہے ـــــ بایں وجہ کہ اگر ان میں سے ایک چُوک جائے ـــــ بھول جائے یا غلطی کرے ـــــ تو دوسری اس کو یاد دلادے ـــــ یہ ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی کی ضرورت کی وجہ ہے ـــــ اور گواہ انکار نہ کریں جب وہ (کورٹ میں) بلائے جائیں۔

دستاویز لکھنے کے تین فائدے

پہلے الفاظ بدل کر تمہید لوٹائی ہے کہ اگر کسی مدت تک ادھار کا معاملہ ہو تو اس کے لکھنے میں سستی مت کرو، خواہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ پہلے یہ تعمیم نہیں تھی، مگر مراد تھی، اس لئے پہلے حکم میں بھی اس کو ملحوظ رکھا جائے، البتہ معاملہ ادھار کا ہو تو اس کو لکھ لینا چاہئے، اس میں تین فائدے ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے، اللہ تعالیٰ کی صفت العَدْل ہے یعنی انصاف کرنے والے، وہ بندوں میں بھی یہ بات پسند کرتے ہیں، اور دستاویز لکھ لینے سے زیادہ سے زیادہ انصاف ہوگا۔

۲- گواہ جب دستاویز دیکھیں گے تو ان کو پورا معاملہ یاد آجائے گا، پس وہ زیادہ درست طریقہ پر گواہی دے سکیں گے۔

۳- معاملہ کے فریقین کو بھی ایک وقت کے بعد کچھ شک لاحق ہوسکتا ہے، پس جب وہ دستاویز دیکھیں گے تو ان کا شک دور ہو جائے گا۔

﴿ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا ﴾

ترجمہ: اور کسی مدت تک ادھار معاملہ کو لکھنے سے مت اکتاؤ، خواہ چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا ـــــ یہ الفاظ بدل کر تمہید لوٹائی ہے، تاکہ آگے بیان کردہ فوائد اس پر متفرع ہوں ـــــ (۱) یہ بات اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی ہے (۲) اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والی ہے (۳) اور اس سے زیادہ نزدیک ہے کہ تم کسی شک میں مبتلا نہ ہوؤ۔

تین مسائل:

۱- اگر کوئی معاملہ دست بدست ہو، ثمن دیا اور مبیع لی، تو اس کو نہ لکھنے میں کچھ حرج نہیں۔

۲- جو سودا اہم ہو، چاہے نقد ہو، اس میں بھی گواہ بنالینا اچھا ہے۔

۳- کاتب (دستاویز لکھنے والے) کو اور گواہوں کو نقصان مت پہنچاؤ، لکھنے والا اجرت مانگے تو دو، گواہ کورٹ میں آنے کا کرایہ یا اپنے وقت کا ہرجانہ طلب کریں تو دو، اگر ایسا نہیں کروگے تو یہ تمہارا فسق (بے راہ روی) ہوگی، اس سے بچو۔

﴿ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ ﴾

ترجمہ: (۱) ہاں اگر سودا دست بدست ہو، جس کو تم باہم لو اور دو، تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم اس کو نہ لکھو (۲) اور گواہ بنالو جب تم کوئی (اہم نقد) سودا کرو (۳) اور نہ لکھنے والا ضرر پہنچایا جائے اور نہ گواہ، اور اگر تم ضرر پہنچاؤگے تو وہ تمہاری بے راہ روی ہوگی۔

تین نصائح:

۱- اللہ کا خوف کھاؤ، قرآنِ کریم تمام معاملات کے احکام میں تقوی کا ذکر ضرور کرتا ہے، تقوی ہی قانون کی پابندی کراتا ہے، محض قانون کارگر نہیں، لوگ چور دروازے نکال لیتے ہیں۔

۲- احکام شرعیہ اللہ کے نازل کردہ ہیں، یہ وضعی (پارلیمنٹ) کے قوانین نہیں کہ جی چاہا تو عمل کیا، نہیں چاہا تو نہیں کیا، احکام الٰہی کی پابندی ہر حال میں ضروری ہے۔

۳- اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے، کس نے احکام پر عمل کیا، کس نے نہیں کیا، اور کس نے کس جذبہ سے کیا، اس کو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں، آخرت میں وہ اپنے علم کے مطابق معاملہ کریں گے، اس لئے چوکنا ہوجاؤ۔

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو، اور اللہ تعالیٰ تمھیں سکھلاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۚ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۚ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؀

ع ۳۹

وَاِنْ كُنْتُمْ	اور اگر تم ہو	فَلْيُؤَدِّ	تو چاہئے کہ ادا کرے	وَمَنْ	اور جو
عَلٰى سَفَرٍ	سفر پر	الَّذِي	جو	يَّكْتُمْهَا	چھپائے گا اس کو
وَّلَمْ تَجِدُوْا	اور تم نہ پاؤ	اؤْتُمِنَ (۲)	اعتبار کیا گیا	فَاِنَّهٗٓ (۴)	تو بے شک وہ
كَاتِبًا	کوئی لکھنے والا	اَمَانَتَهٗ (۳)	اس کی امانت	اٰثِمٌ	گنہگار ہے
فَرِهٰنٌ (۱)	تو گروی	وَلْيَتَّقِ	اور چاہئے کہ ڈرے	قَلْبُهٗ	اس کا دل
مَّقْبُوْضَةٌ	قبضہ میں لی ہوئی	اللّٰهَ	اللہ سے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَاِنْ اَمِنَ	پس اگر اطمینان کرے	رَبَّهٗ	جو اس کا پروردگار ہے	بِمَا	ان کاموں کو جو
بَعْضُكُمْ	تمہارا ایک	وَلَا تَكْتُمُوا	اور نہ چھپاؤ تم	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو
بَعْضًا	دوسرے پر	الشَّهَادَةَ	گواہی	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

گذشتہ آیت کے باقی تین مسائل

گذشتہ آیت قرآن کی سب سے لمبی آیت تھی، اس میں جو بات مذکور تھی اس کے سلسلہ کے ابھی تین مسائل باقی ہیں، جو اس آیت میں ہیں، پس اِس آیت کو گذشتہ آیت کا ضمیمہ یا تتمہ سمجھنا چاہئے۔

پہلا مسئلہ ـــــ: اگر دستاویز لکھنے کی صورت نہ ہو تو ضمانت کے طور پر گروی لے سکتے ہیں ـــــ اگر سفر کی حالت میں قرض دیا یا ادھار کا معاملہ کیا، اور دستاویز لکھنے والا میسر نہیں تو قرض کی ادائیگی کی ضمانت کے طور پر رہن

(۱) فرھان: جملہ جزائیہ ہے، اور ھی مبتدا محذوف ہے، أی الوثیقة: یعنی گارنٹی (۲) اؤتُمن: ائتمان (اعتبار کرنا) سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب (۳) أمانته کی ضمیر کا مرجع رب الدین اور مدیون دونوں ہوسکتے ہیں (۴) فإنه کی ضمیر کا مرجع مَن موصولہ بھی ہوسکتا ہے اور ضمیر شان بھی ہوسکتی ہے۔

(گروی) لے لیا جائے، توثیق کے لئے وہ بھی کافی ہے، اور رہن اس وقت تام ہوتا ہے جب مرتہن گروی کی چیز پر قبضہ کرلے، مقبوضۃ کی قید اسی لئے ہے، رہن: مرتہن کی حفاظت میں رہتا ہے، اور سفر کی قید اتفاقی ہے، حضر میں بھی رہن دینا لینا جائز ہے، نبی ﷺ نے مدینہ میں زِرہ (لوہے کا کرتا) گروی رکھ کر ادھار جو خریدے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: —— اگر مدیون پر اعتماد ہو تو نہ دستاویز ضروری ہے نہ گروی —— اور مدیوں پر لازم ہے کہ صاحبِ دَین کا حق پورا پورا چکائے، اس کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائے، اور اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے، اور صاحب حق کی امانت پہنچانے میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے۔

تیسرا مسئلہ: —— گواہی چھپانا جائز نہیں —— جن گواہوں کے دستخط دستاویز پر ثبت ہیں، اگر وہ کورٹ میں جا کر گواہی نہیں دیں گے، گواہی چھپائیں گے تو صاحبِ حق کا نقصان ہوگا، اس لئے گواہی دینا واجب ہے، اور گواہی دینے سے انکار کرنا حرام ہے، ایسا کرے گا تو اس کا دل اس کو ملامت کرے گا اور یہ کانٹا ہمیشہ اس کے دل میں چبھتا رہے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو خوب جانتے ہیں جو بندے کرتے ہیں، لہٰذا حکم الٰہی کی خلاف ورزی مت کرو۔

آیتِ کریمہ: (۱) اور اگر تم سفر میں ہوؤ، اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو (ضمانت کے طور پر) گروی اپنے قبضہ میں رکھ لو (۲) پس اگر ایک دوسرے پر بھروسہ کرے تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے —— یعنی مدیون —— وہ اس کی امانت ٹھیک ٹھیک ادا کرے، اور اللہ سے ڈرے، جو اس کا پروردگار ہے (۳) اور تم گواہی مت چھپاؤ، اور جو شخص گواہی چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بخوبی واقف ہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

لِلّٰهِ	اللہ کی ملک ہیں	وَاِنْ تُبْدُوْا	اور اگر ظاہر کرو تم	بِهِ اللّٰهُ	اس کا اللہ تعالیٰ
مَا	جو چیزیں	مَا	جو بات	فَيَغْفِرُ	پس بخشیں گے
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں	فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ	تمہارے دلوں میں ہے	لِمَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہیں گے
وَمَا	اور جو چیزیں	اَوْ تُخْفُوْهُ	یا چھپاؤ اس کو	وَيُعَذِّبُ	اور سزا دیں گے
فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	يُحَاسِبْكُمْ	حساب لیں گے تم سے	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہیں گے

وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	قَدِيْرٌ	پوری قدرت والے ہیں

دل کی کن باتوں پر مواخذہ ہوگا، اور کن باتوں پر مؤاخذہ نہیں ہوگا؟

گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا تھا کہ اگر گواہ گواہی چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ آدمی جو بات دل میں ٹھانتا ہے، اور اس کا پختہ ارادہ رکھتا ہے: اس پر اللہ تعالیٰ مؤاخذہ فرمائیں گے، اس لئے جاننا چاہئے کہ جو باتیں دل میں آتی ہیں وہ تین طرح کی ہوتی ہیں:

اول: وہ خیالات جن کا دل ہی سے تعلق ہوتا ہے، قول وفعل سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہوتا، جیسے عقائد صحیحہ اور فاسدہ ——— یہ باتیں اگر وسوسہ کے درجہ میں ہیں یعنی وہ خیالات دل میں جمے نہیں ہیں تو ان پر کوئی مواخذہ نہیں، ہاں جب وہ عزم کے درجہ میں پہنچ جائیں تو ان پر جزا وسزا مرتب ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھیں معارف الحدیث ۱:۱۶۰)

دوم: وہ خیالات جن کا تعلق اقوال سے ہے، جیسے دل میں بیوی کو طلاق دینے کا خیال آیا، یا قسم کھانے کا، یا غلام آزاد کرنے کا، یا مطلقہ بیوی کو نکاح میں واپس لینے کا ارادہ ہوا تو جب تک زبان سے ان باتوں کا تکلم نہیں کرے گا: احکام مرتب نہیں ہونگے۔

سوم: وہ خیالات جن کا تعلق 'عمل' سے ہے، جیسے زنا کرنا، قتل کرنا، چوری کرنا وغیرہ۔ ان پر مؤاخذہ اس وقت ہوگا جب ان افعال کا صدور ہو جائے، پس اگر کسی نے دل میں ٹھانا کہ زنا کرنا ہے یا قتل کرنا ہے تو جب تک یہ افعال صادر نہ ہوں دنیا وَ آخرت میں اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ——— البتہ گناہ کا صدور نیت صحیح ہونے کے باوجود کسی مانع کی وجہ سے نہ ہو تو اس پر آخرت میں مؤاخذہ ہوگا، جیسے دو شخص تلواریں لے کر بھڑے، پھر ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو دونوں جہنم میں جائیں گے، آخرت میں دونوں ہی قاتل ٹھہریں گے، کیونکہ جو مارا گیا وہ مرنے کے لئے نہیں آیا تھا، بلکہ وہ اپنے بھائی کو مارنے کے لئے آیا تھا، مگر اتفاق کہ وہ مار نہ سکا، مر گیا، اس لئے اللہ کے یہاں وہ بھی قاتل لکھا جائے گا (تحفۃ الالمعی ۷:۱۴۶)

آیتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور وہ سب کچھ جو زمین میں ہے، اور جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو: اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے، پھر جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے اور جس کے لئے منظور ہوگا سزا دیں گے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

فائدہ: بعض گناہ دنیا ہی میں نمٹا دیئے جاتے ہیں:

حدیث: امیہ بنت عبداللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۴ ہے: ﴿إِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾: اگر تم ظاہر کرو ان باتوں کو جو تمہارے دلوں میں ہیں یا ان کو

پوشیدہ رکھو: اللہ تعالیٰ تم سے ان کے بارے میں دارو گیر کریں گے، اور سورۃ النساء کی آیت ۱۲۳ ہے: ﴿مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ﴾: جو بھی شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کی سزا دیا جائے گا، امیہ نے ان دونوں آیتوں کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے پوچھا: حضرت عائشہؓ نے فرمایا: جب سے میں نے یہ بات نبی ﷺ سے پوچھی ہے آج تک کسی نے ان کے بارے میں مجھ سے نہیں پوچھا، نبی ﷺ نے میرے سوال کے جواب میں فرمایا تھا: یہ (محاسبہ اور جزاء) اللہ کا بندے پر عتاب ہے، اس بخار اور حادثہ کے ذریعہ جو اس کو پہنچتا ہے، یعنی دنیا ہی میں یہ محاسبہ ہوتا ہے اور سزا ملتی ہے، یہاں تک کہ پونجی: جس کو وہ کرتے کی جیب میں رکھتا ہے، پس وہ اس کو گم کرتا ہے، پس وہ اس کی وجہ سے گھبرا جاتا ہے (تو اس کی وجہ سے بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں) یہاں تک کہ بندہ گناہوں سے نکل جاتا ہے جس طرح سرخ سونا بھٹی سے (صاف ہوکر) نکلتا ہے۔

تشریح: مجازات کا سلسلہ دنیوی زندگی سے شروع ہو جاتا ہے، بعض اعمال کی جزاوسزا دنیا ہی میں دیدی جاتی ہے، مثلاً والدین کے ساتھ حسن سلوک کا بدلہ دنیا میں ضرور ملتا ہے، اور ماں باپ کی نافرمانی کی، ناپ تول میں کمی کرنے کی اور سود کھانے کی سزا بھی دنیا میں ضرور ملتی ہے، اور یہ سزا گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، چنانچہ آگے معاملہ صاف ہو جاتا ہے، بلکہ جن لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو خیر منظور ہوتی ہے ان کو دنیا ہی میں طرح طرح کی تکلیفوں سے دوچار کیا جاتا ہے اور گناہوں سے پاک صاف کر کے ان کو اٹھایا جاتا ہے۔

پس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ دل میں آنے والے خیالات پر جو دارو گیر ہوتی ہے، اور برائی کا جو بدلہ دیا جاتا ہے وہ ضروری نہیں کہ آخرت میں دیا جائے، بہت سے گناہوں پر پکڑ اور بہت سی برائیوں کی سزا اسی دنیا میں نمٹادی جاتی ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مِنۡ رَّبِّہٖ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ ۟ وَ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا ٭۫ غُفۡرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیۡکَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۲۸۵﴾

اٰمَنَ	مان لیا	اِلَیۡہِ	اس کی طرف	کُلٌّ اٰمَنَ	سب نے مانا
الرَّسُوۡلُ	رسول نے	مِنۡ رَّبِّہٖ	اسکے رب کی طرف سے	بِاللّٰہِ	اللہ کو
بِمَاۤ اُنۡزِلَ	اس کو جو اتارا گیا	وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ	اور مسلمانوں نے (بھی)	وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ	اور اس کے فرشتوں کو

وَكُتُبِهٖ	اور اس کی کتابوں کو	بَيْنَ اَحَدٍ	کسی کے درمیان	وَ اَطَعْنَا	اور ہم نے قبول کیا
وَرُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں کو	مِّنْ رُّسُلِهٖ	اس کے رسولوں میں سے	غُفْرَانَكَ (۱)	آپ کی بخشش چاہتے ہیں
لَا نُفَرِّقُ	(کہا انھوں نے) نہیں	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار
	جدائی کرتے ہم	سَمِعْنَا	ہم نے سنا	وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ	اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے

بلاتفریق تمام نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے

شانِ نزول: جب آیت کریمہ: ﴿ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ﴾: نازل ہوئی تو چونکہ الفاظ عام تھے، اس لئے صحابہ نے سمجھا کہ غیر اختیاری خیالات کا بھی حساب ہوگا، انھوں نے اپنی یہ الجھن خدمتِ نبوی میں پیش کی، آپ نے فرمایا: اللہ کی طرف سے جو حکم آئے بے تأمل مان لو، اور کہو: سمعنا و أطعنا: ہم نے حکم سنا، اور ہم اس پر عمل کریں گے، چنانچہ صحابہ نے یہ کہا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

آیتِ کریمہ: اللہ کے رسول ایمان لائے اس چیز پر جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی، اور مؤمنین بھی، سب یقین رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر (اور وہ کہتے ہیں:) ہم اس کے پیغمبروں میں تفریق نہیں کرتے (کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں ایسا نہیں کرتے) انھوں نے کہا: ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور اس کو بخوشی مانا، ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! اور آپ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے۔

فائدہ: سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کے احادیث میں بڑے فضائل آئے ہیں، جو شخص رات میں یہ دو آیتیں پڑھ لے تو یہ اس کے لئے کافی ہیں، حسب ارشادِ نبوی: یہ دو آیتیں جنت کے خزائن میں سے نازل فرمائی گئی ہیں۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۸۶ ع

(۱) غفران: مغفرۃ کی طرح مصدر ہے، اس کا عامل وجوباً محذوف ہے أی نطلب غفرانك: ہمارے گناہ بخش دے۔

لَا يُكَلِّفُ	نہیں حکم دیتے	اِنْ نَّسِيْنَآ	اگر بھول جائیں ہم	وَلَا تُحَمِّلْنَا	اور نہ اٹھوائیں آپ ہم سے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اَوْ اَخْطَاْنَا	یا چوک جائیں ہم	مَا لَا طَاقَةَ	جو نہیں طاقت
نَفْسًا	کسی شخص کو	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	لَنَا بِهٖ	ہمارے اندر اس کی
اِلَّا وُسْعَهَا	مگر اس کی گنجائش کا	وَلَا تَحْمِلْ	اور نہ لاد	وَاعْفُ عَنَّا	اور درگزر فرمائیں ہم سے
لَهَا	اس کے لئے ہے	عَلَيْنَآ	ہم پر	وَاغْفِرْ لَنَا	اور معاف فرمائیں ہمیں
مَا كَسَبَتْ	جو کمایا اس نے	اِصْرًا	بھاری بوجھ	وَارْحَمْنَا	اور مہربانی فرمائیں ہم پر
وَعَلَيْهَا	اور اس پر ہے	كَمَا حَمَلْتَهٗ	جیسا لادا آپ نے اس کو	اَنْتَ مَوْلٰىنَا	آپ ہمارے کارساز ہیں
مَا اكْتَسَبَتْ	جو کیا اس نے	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر جو	فَانْصُرْنَا	پس مدد فرمائیں ہماری
رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	مِنْ قَبْلِنَا	ہم سے پہلے ہوئے	عَلَى الْقَوْمِ	لوگوں پر
لَا تُؤَاخِذْنَآ	نہ پکڑ ہمیں	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	الْكٰفِرِيْنَ	اسلام قبول نہ کرنے والے

تکلیف شرعی کن امور کی دی جاتی ہے؟

تکلیف مالایطاق جائز نہیں، یعنی شریعت ایسے امور کا حکم نہیں دیتی جو انسان کے بس میں نہیں، پھر مالایطاق کی دو قسمیں ہیں:

اول: وہ کام جو سرے سے بندے کی قدرت میں نہیں، جیسے اندھے کو دیکھنے کا حکم دینا، یا اپاہج کو دوڑنے کا حکم دینا، ایسے مالایطاق امور کی تکلیف شرعاً ممتنع ہے۔

دوم: وہ امور جو بندے کی قدرت میں ہیں، مگر شاق اور دشوار ہیں، جیسے شروع اسلام میں تہجد کی نماز فرض کی گئی تھی، جو ایک مشکل امر تھا، ایسے مالایطاق امور کا حکم دیا جاسکتا ہے، چنانچہ شروع اسلام میں یہ حکم دیا گیا تھا، اور صحابہ نے سال بھر تہجد پڑھا تھا، پھر یہ حکم ختم کردیا گیا، کیونکہ ایسے امور میں بھی شریعت بندوں کی سہولت کا خیال رکھتی ہے، مثلاً حائضہ کی نمازیں معاف کردیں، اور سفر میں نمازیں قصر کرنے کی، اور رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی، یہ سب سہولت کے پیش نظر ہوا ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب آیتِ پاک: ﴿اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾: نازل ہوئی تو صحابہ کے دلوں میں اس آیت کی وجہ سے ایک ایسی چیز داخل ہوئی جو کسی

اور چیز کی وجہ سے داخل نہیں ہوئی تھی، پس انھوں نے نبی ﷺ سے یہ بات عرض کی (کہ جب تمام قلبی واردات پر دار و گیر ہوگی تو معاملہ بڑا سنگین ہو جائے گا!) پس نبی ﷺ نے فرمایا: کہو: ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾: ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی، پس اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے دلوں میں اطمینان ڈالا، اور آیتِ پاک ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۚ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ نازل فرمائی۔

ترجمہ: اللہ کے رسول (ﷺ) ایمان لائے اس چیز پر جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مؤمنین بھی۔ سب یقین رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر (اور وہ کہتے ہیں:) ہم اس کے پیغمبروں میں تفریق نہیں کرتے، انھوں نے کہا: ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور خوشی سے مانا، ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! اور آپ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے! ...... اور اس کے بعد کی آیت بھی نازل فرمائی، جو یہ ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی کو مکلّف نہیں بناتے مگر اس کا جو اس کے اختیار میں ہے، اس کو ثواب بھی اسی کا ملتا ہے جو وہ ارادہ سے کرتا ہے، اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوتا ہے جس کا وہ ارادہ کرے، اے ہمارے پروردگار! ہماری دار و گیر نہ فرما، اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ فَعَلْتُ: یعنی میں ان امور پر تمہاری دار و گیر نہیں کروں گا ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ﴾: اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجیں، جس طرح ہم سے پہلے والوں پر آپ نے احکام بھیجے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ فَعَلْتُ: یعنی میں ایسے بھاری احکام بھی تم پر نازل نہیں کروں گا ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالیں جس کو ہم سہار نہ سکیں، اور ہم سے درگذر فرمائیں، اور ہماری بخشش فرمائیں، اور ہم پر مہربانی فرمائیں، آپ ہمارے کارساز ہیں، پس آپ ہم کو کافروں پر غالب کردیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قد فَعَلْتُ: یعنی میں تمہاری یہ سب خواہشیں پوری کروں گا، امت کی یہ سب دعائیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی ہیں، اور موقع بہ موقع اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے، چنانچہ دین آسان کرکے نازل فرمایا۔ حدیث میں ہے: الدینُ یُسْرٌ: اللہ نے دین نہایت آسان بھیجا ہے، پس ہمت کرکے اس پر عمل کرو اور دوسری دعائیں بھی مقبول ہوئی ہیں۔

آیتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کی ذمہ داری نہیں سونپتے، ہر شخص کو اسی کا ثواب ملے گا جو اس نے کمایا، اور اس کے ذمہ وہی پڑے گا جو اس نے کیا۔

مؤمنین کی دعائیں: (۱) اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول چوک ہوجائے تو ہماری پکڑ نہ فرما! (۲) اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر (احکام کا) بھاری بوجھ نہ لاد جیسا آپ نے ہم سے پہلی امتوں پر لادا تھا (۳) اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بار نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہیں (۴) اور ہم سے درگذر فرما (۵) اور ہمیں بخش دے (۶) اور ہم پر رحم فرما (۷) آپ ہی ہمارے کارساز ہیں، پس کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرمائیں (آمین)

جس نے کسی رات میں سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتیں پڑھیں وہ اس کے لئے کافی ہونگی (حدیث)

آگے سے ربط: سورۃ آلِ عمران کی شروع کی نوّے آیتیں نصاری کے وفد کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی ہیں، ان میں عیسائیوں پر علمی تفوق کا بیان ہے، پھر باقی سورت میں غزوۂ احد میں کفارِ مکہ کے مقابلہ میں اللہ کی نصرت اور ان پر عملی تفوق کا بیان ہے، پس آئندہ سورت اس آخری دعا کا ظہورِ اتم ہے۔
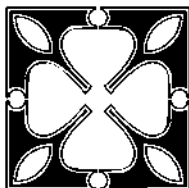
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ آلِ عمران

(ذریّتِ عمران کی سورت)

سورت کا نام اوراس کی معنویت:

اس سورت میں اولادِ عمران کا ذکر ہے، اس لئے سورت کا یہ نام رکھا گیا ہے، اوراس نام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت والوہیت کا رد ہے، وہ عمران کی اولاد ہیں، پھر وہ اللہ کے بیٹے کیسے ہوسکتے ہیں؟ اوراسی مقصد سے عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ ابن مریم کا اضافہ آتا ہے، دیگر انبیاء کے ساتھ باپ کا ذکر نہیں آتا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریمؑ کے بیٹے ہیں تو وہ اللہ کے بیٹے کیسے ہوسکتے ہیں؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عمران: بنی اسرائیل میں ایک نیک بندے تھے، جب ان کی اہلیہ پُر امید ہوئی تو اس نے منت مانی کہ جولڑکا پیدا ہوگا وہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا، ایسی منت ان کی شریعت میں جائز تھی، مگرلڑکے کے بجائے لڑکی حضرت مریم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، وہ پریشان ہوئیں، کیونکہ لڑکی خدمت کے لئے وقف نہیں کی جاتی تھی، لڑکا وقف کیا جاتا تھا، مگر اللہ نے اس لڑکی کو قبول فرمالیا، جب وہ خود کفیل ہوگئیں تو بیت المقدس کے حوالے کی گئیں، وہاں ان کی پرورش کے بارے میں اختلاف ہوا، ہر شخص ان کی پرورش کرنا چاہتا تھا، مگر فال ان کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا، اس لئے انھوں نے حضرت مریم کو اپنی پرورش میں لے لیا، یہ ساری بات آگے اسی سورت میں آرہی ہیں، پھر کنواری مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، پس وہ عمران کی اولاد ہوئے، اس طرح ان کی ابنیت اورالوہیت کی تردید ہوگئی۔

سورت کی فضیلت: صحیح حدیث میں سورۃ البقرۃ اورآلِ عمران کو الزَّھْرَاوَیْن: دو روشن، چمکدار اور خوبصورت سورتیں کہا گیا ہے، معلوم ہوا کہ دونوں سورتوں کا موضوع مشترک ہے، اور دونوں کو پڑھنے کا حکم ہے، اور مسلم شریف کی حدیث میں اس کی درج ذیل فضیلت بھی آئی ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن) قرآنِ کریم آئے گا، اوراس کے وہ پڑھنے والے (بھی)

آئیں گے جو دنیا میں اس پر عمل کرتے تھے، اس (قرآن یا قرآن پڑھنے والوں) کے آگے سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران ہونگی، حدیث کے راوی حضرت نوّاس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اور نبی ﷺ نے ان دونوں سورتوں کے لئے تین مثالیں یعنی پیکر محسوس بیان فرمائے جن کو میں اب تک نہیں بھولا، فرمایا: یَأْتِیَانِ کَأَنَّهُمَا غَیَایَتَانِ، وَبَیْنَهُمَا شَرْقٌ: وہ دونوں سورتیں آئیں گی گویا وہ دونوں دو سائبان ہیں، اور ان دونوں کے درمیان روشنی ہوگی (جو ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرے گی) أَوْ کَأَنَّهُمَا غمامتان سَوْدَاوَانِ: یا گویا وہ دونوں دو سیاہ بادل ہونگے، أو کَأَنَّهُمَا ظُلَّةٌ مِنْ طَیْرٍ صَوَافَّ: یا گویا وہ دونوں قطار میں اڑنے والے پرندوں کا سائبان ہونگے، تُجَادِلَانِ عن صاحبهما: وہ جھگڑیں گی اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے۔

تشریح: اس جھگڑے کی حقیقت یہ ہے کہ قاری کی نجات وعذاب کے اسباب میں تعارض سامنے آئے گا، اس کے گناہ اس کی بربادی کو چاہیں گے، اور زہراوین کی تلاوت نجات کو، اور بالآخر سبب نجات یعنی تلاوت زہراوین کو دیگر اسباب ہلاکت پر ترجیح حاصل ہوگی، اور وہ بندہ ناجی ہوگا۔

رہی یہ بات کہ قرآن کے اور زہراوین کے قیامت کے دن آنے کا کیا مطلب ہے؟ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پڑھنے کا ثواب قیامت کے دن آئے گا، بعض اہل علم نے اس حدیث کی اور اس سے ملتی جلتی حدیثوں کی یہی شرح کی ہے کہ قیامت کے دن قرآن پڑھنے کا ثواب آئے گا، کیونکہ پڑھنا ایک معنوی چیز ہے، اس کے آنے کی کوئی صورت نہیں، اور اسی حدیث میں اس تفسیر کا قرینہ موجود ہے، فرمایا: وأهلُه الذین یَعْمَلُوْن به فی الدنیا: اور اس کے وہ پڑھنے والے بھی آئیں گے جو دنیا میں اس پر عمل کرتے تھے، ظاہر ہے پڑھنے والے الگ ہیں اور یہ آنے والے الگ ہیں، اس لئے لامحالہ ان کے عمل کا ثواب مراد لیا جائے گا۔

مگر اشکال پھر بھی باقی رہتا ہے، اگر قرآن اور زہراوین معنوی چیزیں ہیں تو ثواب بھی معنوی چیز ہے، وہ کیسے آئے گا؟ اس لئے صحیح بات وہ ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمائی ہے کہ یہ عالم مثال کے احوال ہیں اس عالم میں تمام معنویات متمثل ہونگی، ان کو وہاں پیکر محسوس ملے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے باب عالم المثال میں اپنے اس دعوی پر بے شمار دلیلیں پیش کی ہیں، ان کو دیکھنا چاہئے۔

سورۃ البقرۃ اور سورۃ آلِ عمران میں ہم آہنگی

سورۃ الفاتحہ میں ہدایت طلبی کی درخواست تھی، سورۃ البقرۃ اس کے جواب سے شروع ہوئی ہے، قرآنِ کریم سبھی انسانوں کو خاص طور پر متقیوں کو سیدھی راہ دکھاتا ہے، پھر متقیوں کے بالمقابل کافروں کا، پھر بیچ کے منافقوں کا تذکرہ کیا

ہے، اس کے بعد ایک رکوع میں توحید، رسالت اور آخرت کا ذکر ہے، جو اسلام کے بنیادی عقائد ہیں، پھر جہاں سے انسانیت کی ابتدا ہوئی ہے، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کی خلافت ارضی کا بیان ہے، پھر ان کی نسل میں سے بنی اسرائیل کا ذکر شروع ہوا ہے، ایک رکوع میں ان کو ایمان کی دعوت دی ہے، پھر بنی اسرائیل کے پہلے گروہ یہود پر اللہ کے گیارہ انعامات کا ذکر ہے، پھر ان کی پانچ گستاخیوں کا، پھر ان کی قساوتِ قلبی کے پانچ نتائج کا، پھر ان کی دوسری گیارہ برائیوں کا تذکرہ ہے، پھر آخر میں مسلمانوں کے ساتھ اُن کے سولہ بد معاملات کا ذکر کرکے آیت ۱۳۳ پر ان کا تذکرہ ختم کردیا ہے۔ اور بنی اسرائیل کے آخری گروہ عیسائیوں کا تذکرہ نہیں کیا، ان کا تذکرہ سورۃ آلِ عمران کی شروع کی نوّے آیات میں ہے۔

پھر آیت ۱۳۴ سے بنی اسماعیل کا تذکرہ شروع ہوا ہے، جو آیت ۱۶۲ تک چلا گیا ہے، پھر آیت ۱۶۳ سے ملتِ ابراہیمی اسماعیلی پر مبعوث خاتم النّبیین ﷺ کی تعلیمات کا تذکرہ شروع کیا ہے، جو آخر سورت تک چلا گیا ہے، اور سورۃ بقرۃ مسلمانوں کی اس دعا پر پوری ہوئی ہے کہ الٰہی! ہماری اسلام کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں مدد فرما!

جاننا چاہئے کہ بنی اسرائیل (اولادِ یعقوبؑ) کے دو گروہ ہیں: یہود اور نصاریٰ۔ عیسائی بھی بنی اسرائیل ہی تھے، سورۃ الصّف میں اس کی صراحت ہے، پھر پولوس نے عیسائیت کو عالمی مذہب بنایا ہے، سورہ آلِ عمران اس دوسرے گروہ کے تذکرے سے شروع ہوئی ہے، جزیرۃ العرب کے جنوب مشرق میں یمن ہے، اس کے شمالی حصہ میں نجران ہے، عہدِ نبوت میں یہاں عیسائیوں کی آبادی تھی، سنہ دس ہجری میں ان کا ایک موقر وفد مدینہ منورہ آیا، اس میں ان کے چودہ اکابر تھے، انھوں نے نبی ﷺ سے عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت پر گفتگو کی، ان کے سامنے پیش کرنے کے لئے اس سورت کی نوّے آیتیں نازل ہوئیں، جن میں عقیدۂ تثلیث اور ابنیت کی مدلل تردید ہے، غرض جس طرح سورۃ بقرۃ میں خطاب یہود سے تھا اس سورت میں نصاریٰ سے ہے۔

پھر آخر سورت تک غزوۂ بدر واحد کا تذکرہ ہے، اور اس کا تعلق: ﴿ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ سے ہے، مسلمانوں نے دعا کی تھی: اے اللہ! ہماری اسلام کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں مدد فرما! ان کو بتلایا کہ غزوۂ بدر میں اللہ نے مسلمانوں کی مدد کی، ان کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی، یہ مسلمانوں کا کافروں سے پہلا مقابلہ تھا، مسلمان نہتے تھے، کفار ہتھیاروں سے لیس تھے، پھر بھی مسلمانوں کو معجزاتی کامیابی حاصل ہوئی، اس کے ایک سال بعد کفار نے پھر مدینہ پر چڑھائی کی، اور احد پہاڑ کے دامن میں مقابلہ ہوا، شروع میں مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا، پھر پانسا پلٹا، جو منافقین کی حرکت کا اور پچاس تیر اندازوں کی نافرمانی کا نتیجہ تھا، پھر میدان مسلمانوں کے ہاتھ آیا، دشمن دُم دبا کر بھاگا۔ ان دونوں غزوات

کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ اور دونوں کی مختلف حالتوں کی مصلحتیں بیان کی ہیں۔

سورت کی ابتدائی آیات کا شانِ نزول: سن نو ہجری میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا، اس وفد میں ساٹھ اشخاص تھے، جن میں چودہ معززین تھے، عبدالمسیح، ایہم اور ابوحارثہ اس وفد کے امیر، نگراں اور عالم وترجمان تھے، اس وفد نے کئی دنوں تک رسول اللہ ﷺ کے پاس قیام کیا، توحید اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت کے مسئلہ پر کئی دنوں تک یہ لوگ آپ سے بحث کرتے رہے، آپ دلائل کے ذریعہ ان کی تردید فرماتے، لیکن یہ کسی طرح اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے، بالآخر آپ ﷺ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی — جس کا ذکر آگے آئے گا — اس سورۃ کی ابتدائی آیتیں اسی واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۴:۴)

آیاتہا ۲۰۰ — سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ (۳) (۸۹) — رکوعاتہا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝۵ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶

الٓمّٓ	الف، لام، میم	الْقَيُّوْمُ (۱)	تھامنے والا	مُصَدِّقًا	سچا بتانے والی
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	نَزَّلَ (۲)	اتاری (اس نے)	لِّمَا	ان کتابوں کو جو
لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	عَلَيْكَ	آپ پر	بَيْنَ يَدَيْهِ	اس سے پہلے ہیں
اِلَّا هُوَ	مگر وہی	الْكِتٰبَ (۳)	(خاص) کتاب	وَاَنْزَلَ	اتاری
الْحَيُّ	زندہ	بِالْحَقِّ	دینِ حق کے ساتھ	التَّوْرٰىةَ	تورات

(۱) القیوم: صیغۂ مبالغہ، از قائم: وہ ذات جو خود قائم اور دوسروں کو قائم رکھنے والی ہے (۲) نَزَّلَ تَنْزِيْلًا: رفتہ رفتہ تھوڑا تھوڑا اتارنا، اور أنزل إنزالاً: یکبارگی اتارنا (۳) الکتاب: ال عہدی ہے، مراد قرآنِ کریم ہے۔

وَالۡاِنۡجِیۡلَ	اورانجیل	لَهُمۡ	ان کے لئے	وَلَا فِی السَّمَآءِ	اور نہ آسمان میں
مِنۡ قَبۡلُ	اس سے پہلے	عَذَابٌ شَدِیۡدٌ	دردناک سزا ہے	هُوَ الَّذِیۡ	وہی ہیں جو
هُدًی	راہ نما	وَاللّٰهُ	اوراللہ تعالیٰ	يُصَوِّرُكُمۡ (۲)	ناک نقشہ بناتے ہیں تمہارا
لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	عَزِیۡزٌ	زبردست	فِی الۡاَرۡحَامِ	بچہ دانیوں میں
وَاَنۡزَلَ	اوراتاری	ذُو انۡتِقَامٍ	بدلہ لینے والے ہیں	كَیۡفَ یَشَآءُ	جس طرح چاہتے ہیں
الۡفُرۡقَانَ (۱)	فیصلہ کن کتاب	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	لَآ اِلٰهَ	نہیں کوئی معبود
اِنَّ الَّذِیۡنَ	بیشک جن لوگوں نے	لَا یَخۡفٰی	نہیں پوشیدہ	اِلَّا هُوَ	مگر وہی
كَفَرُوۡا	نہیں مانا	عَلَیۡهِ شَیۡءٌ	ان پر کوئی چیز	الۡعَزِیۡزُ	زبردست
بِاٰیٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کو	فِی الۡاَرۡضِ	زمین میں	الۡحَكِیۡمُ	بڑی حکمت والے ہیں

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی راہ نمائی کے لئے قرآنِ کریم نازل کیا

یہ سورت توحید کے بیان سے شروع ہوئی ہے، کیونکہ اس کے شروع میں عیسیٰ علیہ السلام کی الہیت کی نفی ہے، فرماتے ہیں: کائنات کے خالق ومالک اللہ تعالیٰ ہیں، وہی زندۂ جاوید ہیں، وہی کائنات کوسنبھالنے والے ہیں، پس وہی معبود برحق ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کوئی اور ہمیشہ زندہ نہیں، ہر کسی پر موت آنے والی ہے، عیسیٰ علیہ السلام پر بھی موت آئے گی، نہ کوئی کائنات کوسنبھالنے والا ہے، عیسیٰ علیہ السلام یہود کی چیرہ دستیوں (زبردستیوں) سے خود کو نہیں بچا سکے، اللہ نے ان کو بچایا، اور آسمان میں اٹھالیا، پس اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں!

اور قیوم (کائنات کوسنبھالنے والے) کی ذمہ داری ہے کہ وہ کائنات کی چارہ سازی (یاری) کرے، اس کی مادی اور روحانی ضروریات پوری کرے، مادی ضروریات کا انتظام تو اظہر من الشّمس ہے، اور روحانی ضرورت کی تکمیل کے لئے اب قرآنِ کریم نازل کیا ہے، جو دین کی تعلیمات پر مشتمل ہے، جن پر عمل کرکے انسان دارین میں سرخ رُو ہوسکتا ہے، جیسے پہلے اسی مقصد سے تورات وانجیل کو نازل کیا تھا، وہ بھی لوگوں کی دینی راہ نمائی کے لئے نازل کی گئی تھیں، قرآنِ کریم ان کتابوں کو سچا بتاتا ہے، ان کی تکذیب نہیں کرتا، کیونکہ سب ایک چشمہ سے نکلنے والی نہریں ہیں۔

البتہ قرآنِ کریم کی ایک خاص صفت فرقان (فیصلہ کن) ہے، وہ حق اور باطل کو، صحیح اور غیر صحیح کو جدا کرتی ہے، یہود ونصاریٰ میں جن باتوں میں اختلاف ہے ان کا دوٹوک فیصلہ کرتی ہے، مثلاً: یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح ضلالت

(۱) الفرقان: صیغہ صفت اور مصدر: حق کو باطل سے جدا کرنے والی چیز (۲) صَوَّرَ تصویرا: صورت گری۔

(دجال) قرار دیتے ہیں، اور جھوٹا دعوی کرتے ہیں کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ اور نصاری ان کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، اور بیٹا باپ کے حکم میں ہوتا ہے، پس وہ بھی معبود ہیں۔

یہ ایک شخصیت کے بارے میں دو متضاد رائیں ہیں، قرآن نے اس اختلاف میں فیصلہ کیا کہ وہ دجال نہیں تھے، بلکہ مسیح ہدایت اور اللہ کے رسول تھے، اللہ کے بیٹے نہیں تھے، عمران کی ذریت اور مریم کے بیٹے تھے، پس وہ ہرگز معبود نہیں، معبود کی طرف دعوت دینے والے بندے ہیں۔ اس طرح قرآن: فرقان (فیصلہ کن کتاب) ہے۔

اب جو لوگ اللہ کی آیتوں (قرآن) کا انکار کریں گے: ان کے لئے دردناک عذاب ہے، اللہ تعالیٰ زبردست اور مخالفوں سے انتقام لینے والے ہیں، انتقام لینے سے ان کو کوئی روک نہیں سکتا۔

دلیلِ توحید: پھر ایک اللہ کے معبود ہونے کی دلیل میں دو باتیں بیان کی ہیں: ایک: ان کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے، دوسرا ایسا کوئی نہیں۔ دوسری بات: اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، دوسرا کوئی وجود بخشنے والا نہیں، پھر ان کے سوا کوئی اور معبود کیسے ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہتے ہیں صورت گری کرتے ہیں، ناک نقشہ بناتے ہیں، آج تک کوئی دو انسان ہم شکل نہیں ہوئے، ہر ایک کی شکل وصورت جدا ہے، بلکہ فنگر پرنٹس (انگلیوں کے نشانات) بھی مختلف ہیں، ایسی قدرت والا اور کون ہے؟ وہی زبردست حکمت والی ہستی ہی معبود ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ!

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت (ناک نقشہ) بھی اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

الف، لام، میم ـــــ یہ حروفِ ہجا ہیں، ان کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، یہی آخری درجہ کے متشابہات ہیں

ـــــ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندۂ جاوید، ہر چیز کو سنبھالنے والے ہیں، آہستہ آہستہ آپؐ پر اپنی کتاب اتاری، جو دینِ حق کی تعلیمات پر مشتمل ہے، وہ ان کتابوں کو سچا بتانے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں، اور قرآن سے پہلے اللہ نے تورات وانجیل اتاری ہیں، جو لوگوں کے لئے راہ نما تھیں، اور فیصلہ کن کتاب نازل کی، بے شک جن لوگوں نے اللہ کی باتوں کا انکار کیا ان کے لئے دردناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والے ہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں، وہی ہیں جو بچہ دانیوں میں جس طرح چاہتے ہیں تمہارا ناک نقشہ بناتے ہیں، ان کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست بڑے حکمت والے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۹ ع

هُوَ الَّذِيْٓ	وہ جنھوں نے	فَيَتَّبِعُوْنَ	پس پیچھے پڑتے ہیں وہ	كُلٌّ	سب
اَنْزَلَ	اتاری	مَا تَشَابَهَ	اس کے جو متشابہ ہیں	مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا	ہمارے رب کے پاس
عَلَيْكَ	آپ پر	مِنْهُ	اس سے		سے ہے
الْكِتٰبَ	خاص کتاب	ابْتِغَاۗءَ	چاہتے ہوئے	وَمَا يَذَّكَّرُ	اور نہیں نصیحت پذیر ہوتے
مِنْهُ	اس کی بعض	الْفِتْنَةِ	فتنہ	اِلَّآ	مگر
اٰيٰتٌ	آیتیں	وَابْتِغَاۗءَ	اور چاہتے ہوئے	اُولُوا الْاَلْبَابِ	خالص عقل والے
مُّحْكَمٰتٌ	محکم (مضبوط) ہیں	تَاْوِيْلِهٖ	اس کا مطلب	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!
هُنَّ	وہ	وَمَا يَعْلَمُ (۱)	حالانکہ نہیں جانتے	لَا تُزِغْ	نہ ٹیڑھا کر
اُمُّ الْكِتٰبِ	اصل کتاب ہیں	تَاْوِيْلَهٗٓ	اس کا مطلب	قُلُوْبَنَا	ہمارے دلوں کو
وَاُخَرُ	اور دیگر	اِلَّا اللّٰهُ	مگر اللہ تعالیٰ	بَعْدَ	بعد
مُتَشٰبِهٰتٌ	متشابہ ہیں	وَالرّٰسِخُوْنَ (۲)	اور مضبوط لوگ	اِذْ هَدَيْتَنَا (۳)	ہمیں راہ دکھانے کے
فَاَمَّا الَّذِيْنَ	پس رہے وہ جو	فِي الْعِلْمِ	علم میں	وَهَبْ لَنَا	اور بخشیں ہمیں
فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	مِنْ لَّدُنْكَ	اپنے پاس سے
زَيْغٌ	کجی ہے	اٰمَنَّا بِهٖ	مانتے ہیں ہم اس کو	رَحْمَةً	مہربانی

(۱) جملہ وما یعلم: محل حال میں ہے (۲) الرسخون: مبتدا اور یقولون خبر ہے (۳) بعدَ: لاتزغ کا ظرف ہے، اور إذ: تعلیلیہ بمعنی أن: مصدریہ ہے، جیسے ﴿وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ﴾ أی لظلمکم۔

اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی	جَامِعُ	اکٹھا کرنے والے ہیں	فِيْهِ	اس میں
الْوَهَّابُ	بخشنے والے ہیں	النَّاسِ	لوگوں کو	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
رَبَّنَآ	اے ہمارے رب!	لِيَوْمٍ	ایسے دن میں	لَا يُخْلِفُ	نہیں خلاف کرتے
اِنَّكَ	بے شک آپ	لَّا رَيْبَ	نہیں کوئی شک	الْمِيْعَادَ	اپنے وعدے کے

قرآنِ کریم میں دوقسم کی آیتیں ہیں: محکم اور متشابہ

محکم آیات سے استدلال کرو، متشابہات کے پیچھے مت پڑو

نجران کے عیسائیوں کا جو وفد نبی ﷺ کی خدمت میں آیا تھا، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے پر قرآنِ کریم سے استدلال کرتے ہوئے کہا تھا کہ سورۃ النساء (آیت ۱۷۱) میں ان کو کلمۃُ اللہ اور رُوح اللہ کہا گیا ہے۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی صفتِ کلام اور اللہ کی روح تھے، پس ثابت ہوا کہ وہ اللہ کے بیٹے تھے، اور بیٹا باپ کی طرح ہوتا ہے، پس وہ خدا ہوئے۔

اس آیت کے ذریعہ ان کو جواب دیا ہے کہ قرآنِ کریم میں دوقسم کی آیات ہیں: محکم: یعنی واضح الدلالۃ۔ اور متشابہ: یعنی مبہم، غیر واضح الدلالۃ، اول: قرآن کی اصل آیات ہیں، ان پر دین کا مدار ہے، وہ محکم آیات کہلاتی ہیں، اور قرآنِ کریم میں سورۃ النساء کی اسی آیت میں اور دیگر آیات میں جگہ جگہ صاف صاف لفظوں میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہوسکتی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دینا کفر وشرک ہے، ان واضح آیتوں کو چھوڑ کر، غیر واضح لفظوں کو پکڑ کر بیٹھ جانا دل کی کجی کی علامت ہے!

سورۃ النساء کی (آیت ۱۷۱) یہ ہے: ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڟ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے مت بڑھو، اور اللہ کے بارے میں حق کے علاوہ کوئی بات مت کہو، مسیح عیسیٰ ابن مریم محض اللہ کے رسول تھے، اور اللہ کا ایک کلمہ (بول) تھے جو اللہ نے مریم تک پہنچایا —— یعنی وہ باپ کے بغیر اللہ کے کلمہ کُن سے پیدا ہوئے ہیں، وہ اللہ کی صفتِ کُن فیکون کا مظہر ہیں —— اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں

—— اضافت تشریف کے لئے ہے، یعنی ان کی روح معزز تھی، جیسے آدم علیہ السلام کی روح (سورۃ الحجر آیت ۲۹) ——
لہٰذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور یہ مت کہو کہ خدا تین ہیں، ایسا کہنے سے باز آجاؤ، اسی میں تمہاری بہتری ہے، اللہ تو ایک ہی معبود ہیں، وہ اس بات سے بالکل پاک ہیں کہ ان کا کوئی بیٹا ہو، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے، اور سب کی دیکھ بھال کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہیں —— اتنی واضح آیت میں سے دو لفظ غیر واضح الدلالۃ کو پکڑ کر بیٹھ جانا کونسی عقلمندی کی بات ہے، یہ تو ناچنا نہیں آنگن ٹیڑھا والی بات ہے!

محکم ومتشابہ:

محکم: (اسم مفعول) از إحْکام (باب افعال)، اس کے لغوی معنی ہیں: پختہ اور درست کرنا، اور محکم: وہ کلام ہے جس سے زبان کا جاننے والا ایک ہی معنی سمجھے، اس کی مراد بالکل واضح ہو، جیسے: ﴿ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾: اللہ تو ایک ہی معبود ہیں، وہ اس بات سے بالکل پاک ہیں کہ ان کا کوئی بیٹا ہو! یہ بالکل بے غبار بات ہے، یہی محکم آیت ہے۔ مگر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے الفوز الکبیر میں لکھا ہے کہ اعتبار پہلے زمانہ کے عربوں کا ہے، ہمارے زمانہ کے محققین کا جو بال کی کھال نکالتے ہیں، اور ہندی کی چندی کرتے ہیں: ان کی سمجھ کا اعتبار نہیں، کیونکہ فضول تحقیق وتدقیق ایسی لاعلاج بیماری ہے جو محکم کو مبہم اور معلوم کو نامعلوم بنا دیتی ہے (الخیر الکثیر ص:۳۵۳)

متشابہ: (اسم فاعل) از باب تفاعل، تَشَابَهَ الشيئانِ کے لغوی معنی ہیں: یکساں اور ہم شکل ہونا، فرق نہ رہنا، اور اصطلاح میں متشابہ وہ کلام ہے جو غیر مفہوم، غیر واضح یا مختلف معانی کا احتمال رکھتا ہو جیسے: ﴿ كَلِمَتُهٗ ﴾ اور ﴿ رُوْحٌ مِّنْهُ ﴾ ان کا ایک مطلب وہ ہے جو اوپر بیان کیا، اور دوسرا مطلب نجران کے عیسائی وفد نے لیا، پس یہ متشابہ الفاظ ہیں۔

متشابہات کے مراتب:

پھر متشابہات کے مختلف درجات واحکام ہیں:

(الف) وہ کلام جس کی مراد بالکل ہی واضح نہ ہو، کچھ پلّے نہ پڑے، جیسے مختلف سورتوں کے شروع میں حروفِ مقطعات (حروفِ ہجا) آئے ہیں، یہ اعلیٰ درجہ کے متشابہات ہیں، ان کے معانی ایک راز ہیں، جن اکابر نے اس کو کھولنے کی کوشش کی ہے وہ پوری طرح کامیاب نہیں ہوئے۔

(ب) ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کی کیفیات اوسط درجہ کے متشابہات ہیں، وہ انسان کی محدود عقل سے ماوراء ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا عرش (تختِ شاہی) پر متمکن ہونا، اس کی مراد واضح ہے کہ کائنات پر کنٹرول اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، مگر اس کی

حقیقت کا علم انسان کی عقل سے بالاتر ہے، اس لئے کہ یہ ماورائے طبیعی حقیقت ہے، یعنی دوسری دنیا کی بات ہے، اور انسان محسوسات کے دائرہ میں سمجھنے کا عادی ہے، اس لئے اس کی کھود کرید کرنے کے بجائے اجمالی طور پر ایمان رکھ کر کیفیت کو اللہ کے حوالے کرنا چاہئے۔

(ج) کبھی کلام کے چند وجوہ مختلف معانی ہوسکتے ہیں، یا تو اس وجہ سے کہ ضمیر کے مراجع مختلف ہوسکتے ہیں، یا لفظ دو معنی میں مشترک ہے، یا قریب پر بھی عطف ہوسکتا ہے، اور بعید پر بھی، یا جملہ میں عطف کا بھی احتمال ہے اور استیناف کا بھی، مثالیں الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر میں ہیں، ایسی جگہوں میں مراد مبہم ہوجاتی ہے، اور یہ صورتیں اذکیاء کی جولان گاہ ہیں، اور ان کی مراد کی تعیین میں کبھی اختلاف بھی ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں تقلید کے سوا چارہ نہیں۔

متشابہات کے بارے میں پختہ کار لوگوں کا موقف:

نادان لوگ پہلی اور دوسری قسم کے متشابہات کو لے دوڑتے ہیں، جیسا نجران کے عیسائیوں نے کیا، وہ آیات کے وہ معانی جو محکمات کے موافق ہوتے ہیں چھوڑتے ہیں، اور ان کے سطحی معانی لیتے ہیں جو قرآن کی تصریحات اور متواتر بیانات کے خلاف ہوتے ہیں، یہ ان کی کج روی اور ہٹ دھرمی ہے۔

بلکہ بعض فتنہ پسند لوگ تو ان آیات سے لوگوں کو مغالطہ دے کر گمراہی میں پھنساتے ہیں، اور کمزور عقیدہ والے متشابہات کو توڑ مروڑ کر اپنا مطلب نکالتے ہیں، حالانکہ ان کا صحیح مطلب اور حقیقی مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور جو لوگ مضبوط علم رکھتے ہیں وہ محکمات و متشابہات: دونوں کو حق جانتے ہیں، انہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سرچشمہ سے آئی ہیں، جن میں تناقض و تخالف کا احتمال نہیں، پھر وہ متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹا کر صحیح مطلب نکال لیتے ہیں، اور جو حصہ ان کے دائرۂ فہم سے بالاتر ہوتا ہے اس کو اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہی بہتر جانتے ہیں، ہمیں ایمان سے مطلب!

نیز علم میں پختہ کار لوگ اپنے کمالِ علمی اور قوتِ ایمانی پر مغرور و مطمئن بھی نہیں ہوتے، بلکہ استقامت اور فضل و عنایت کے طلب گار رہتے ہیں، تاکہ کمائی ہوئی پونجی ضائع نہ ہوجائے، وہ دعا کرتے ہیں کہ الٰہی! دل سیدھے ہونے کے بعد کج نہ کردیئے جائیں، کیونکہ ایک دن ضرور آکر رہے گا جس میں کج رو جن مسائل میں جھگڑتے ہیں ان کا دو ٹوک فیصلہ کردیا جائے گا، اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہوکر رہے گا (ماخوذ از فوائد شیخ الہندؒ)

آیاتِ پاک: —— اللہ وہ ہیں جنھوں نے آپؐ پر اپنی کتاب اتاری، اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں، وہی قرآن کی اصل آیتیں ہیں، اور دوسری متشابہ ہیں —— اب رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ قرآن کی ان آیات کے پیچھے

پڑتے ہیں جو ان میں سے متشابہ ہیں، فتنہ پیدا کرنے کی غرض سے اور ان کا مطلب جاننے کے مقصد سے ـــــ عطف تفسیری ہے، دونوں باتوں کا مطلب ایک ہے ـــــ حالانکہ ان کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو علم میں پختہ کار لوگ ہیں وہ کہتے ہیں: ''ہمارا ان پر ایمان ہے، سب آیات ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں'' ـــــ اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو خالص عقل والے ہیں ـــــ وہی متشابہات میں غور وخوض سے بچتے ہیں۔

اور راسخین دعا کرتے ہیں: ـــــ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کریں اس کے بعد کہ آپ نے ہمیں راہ دکھائی، اور ہمیں خاص اپنے پاس سے مہربانی سے نوازیں، بے شک آپ ہی بڑے بخشنے والے ہیں، اے ہمارے رب! بے شک آپ لوگوں کو ایک ایسے دن میں جمع کرنے والے ہیں جس میں ذرا شک نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کریں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	كَدَاْبِ	جیسے حالت	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
كَفَرُوْا	اسلام قبول نہیں کیا	اٰلِ فِرْعَوْنَ	فرعون والوں کی	شَدِيْدُ الْعِقَابِ	سخت سزا دینے والے ہیں
لَنْ تُغْنِيَ	ہرگز کام نہیں آئیں گے	وَالَّذِيْنَ	اور ان کی جو	قُلْ	کہہ دو
عَنْهُمْ	ان کے	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	لِّلَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جنھوں نے
اَمْوَالُهُمْ	ان کے اموال	كَذَّبُوْا	جھٹلایا انھوں نے	كَفَرُوْا	اسلام قبول نہیں کیا
وَلَآ اَوْلَادُهُمْ	اور نہ ان کی اولاد	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کو	سَتُغْلَبُوْنَ	عنقریب مغلوب ہوگے تم
مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا	اللہ سے کچھ بھی	فَاَخَذَھُمُ	پس پکڑا ان کو	وَتُحْشَرُوْنَ	اور جمع کئے جاؤ گے تم
وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ	اور وہی لوگ	اللّٰهُ	اللہ نے	اِلٰى جَهَنَّمَ	دوزخ کی طرف
وَقُوْدُ النَّارِ	دوزخ کا ایندھن ہیں	بِذُنُوْبِهِمْ	ان کے گناہوں کی وجہ سے	وَبِئْسَ الْمِهَادُ	اور برا ہے وہ بچھونا

وفد نجران کو ایمان کی دعوت، اگر ایمان نہیں لائیں گے تو ہاریں گے اور برا حشر ہوگا

جب قیامت کا ذکر آگیا تو اب وفد نجران کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ دارین میں سرخ رو ہوں، کیونکہ اگر وہ ایمان نہیں لائیں گے تو کوئی چیز ان کو دنیا و آخرت کے عذاب سے بچا نہیں سکے گی، جو حال فرعونیوں کا اور ان سے پہلے والوں کا ہوا وہی حال ان کا بھی ہوگا، انھوں نے بھی اللہ کی باتوں کو جھٹلایا تو وہ اپنے گناہوں کی پاداش میں پکڑے گئے، یمن والے بھی اسلام کے مقابلہ میں ہاریں گے، اور آخرت میں ان کو دوزخ کے عذاب سے سابقہ پڑے گا، اور دوزخ ان کا برا ٹھکانہ ہوگا۔

آیاتِ کریمہ: جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان کے ہرگز کام نہیں آئیں گے ان کے اموال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی! اور وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہونگے، جیسے فرون والوں کا اور ان سے پہلے والوں کا حال، انھوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا، تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا، اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔ ان لوگوں سے کہہ دو جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا کہ عنقریب تم ہاروگے، اور جہنم کی طرف جمع کئے جاؤگے، اور وہ برا بچھونا ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُـؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

قَدْ كَانَ	تحقیق تھی	الْتَقَتَا	ملی دونوں	اللّٰهِ	اللہ کے
لَكُمْ	تمہارے لئے	فِئَةٌ	ایک جماعت	وَاُخْرٰى	اور دوسری
اٰيَةٌ	بڑی نشانی	تُقَاتِلُ	لڑرہی ہے	كَافِرَةٌ	منکر ہے
فِيْ فِئَتَيْنِ	دو جماعتوں میں	فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	يَّرَوْنَھُمْ (۱)	دیکھتے ہیں وہ خود کو

(۱) فعل رویت میں ضمیرِ فاعل و مفعول کا مصداق ایک ہوسکتا ہے، جیسے رأیتُنی: دیکھا میں نے مجھ کو (خواب میں)

مِّثْلَيْهِمْ (۱)	مسلمانوں سے دوچند	زُيِّنَ	خوشنما بنائی گئی	وَالْخَيْلِ	اور گھوڑوں سے
رَاْيَ الْعَيْنِ	آنکھ سے دیکھنا	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	الْمُسَوَّمَةِ	نشان لگائے ہوئے
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	حُبُّ الشَّهَوٰتِ	خواہشات کی چاہت	وَالْاَنْعَامِ	اور مویشی سے
يُؤَيِّدُ	قوی کرتے ہیں	مِنَ النِّسَاۗءِ (۲)	عورتوں سے	وَالْحَرْثِ	اور کھیتی سے
بِنَصْرِهٖ	اپنی مدد سے	وَالْبَنِيْنَ	اور بیٹوں سے	ذٰلِكَ مَتَاعُ	یہ برتنے کا سامان ہے
مَنْ يَّشَاۗءُ	جس کو چاہتے ہیں	وَالْقَنَاطِيْرِ	اور خزانوں سے	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی میں
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں	الْمُقَنْطَرَةِ	ڈھیر کیے ہوئے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
لَعِبْرَةً	البتہ سبق ہے	مِنَ الذَّهَبِ	سونے سے	عِنْدَهٗ	ان کے پاس
لِّاُولِي الْاَبْصَارِ	آنکھوں والوں کیلئے	وَالْفِضَّةِ	اور چاندی سے	حُسْنُ الْمَاٰبِ	اچھا ٹھکانہ ہے

بدر میں کفار تین گنا تھے، مگر بری طرح ہارے

گذشتہ آیت میں وفدِ نجران سے کہا ہے: ﴿سَتُغْلَبُوْنَ﴾: ابھی ہاروگے، ایمان لاؤ، مقابلہ پر آؤگے تو پسپا ہوؤ گے، اس پر وہ خیال کر سکتے ہیں کہ دنیا میں عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہے، پھر ہم کیسے ہاریں گے؟

اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہار جیت کا مدار فوج کی کمی بیشی پر نہیں، اللہ کی مدد پر ہے، بدر میں مشرکینِ مکہ سہ چند (تگنے) تھے، پھر بھی بری طرح ہارے، اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی مدد کی تو انھوں نے پالا مار لیا، اس میں وفدِ نجران کے لئے سامانِ عبرت ہے، کاش وہ تعصب کا چشمہ اتار کر دیکھیں!

﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۱۳﴾

ترجمہ: بالتحقیق تمہارے لئے بڑی نشانی ہے ان دو جماعتوں میں جو باہم بھڑیں، ایک جماعت راہِ خدا میں لڑ رہی تھی، اور دوسری کافر تھی، وہ سر کی آنکھوں سے خود کو (مسلمانوں سے) دوچند دیکھ رہے تھے — کفار تقریباً ایک ہزار تھے، جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے، دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ اوپر تھے، جن کے

(۱) مِثلین: تثنیہ کی اضافت کی ہے، اس لئے نون گرا ہے، اور مطلق زیادتی مراد ہے، اس لئے دوچند ترجمہ کرتے ہیں، دوگنا ترجمہ نہیں کرتے، پس یہ تین گنا کو بھی شامل ہے، بدر میں کفار تین گنا تھے (۲) مِن: بیانیہ، الشھوات کا بیان ہے، آگے چھ چیزیں مذکور ہیں، جو درجہ بدرجہ ہیں۔

پاس کل ستر اونٹ، دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں (فوائد شیخ الہندؒ) اور دشمن نے عمیر بن وہب جمحی کو مسلمانوں کی جماعت کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا، وہ گھوڑے پر سوار ہو کر دور دور چکر لگا کر واپس گیا اور کہا: کوئی کمین اور مدد تو نہیں ہے مگر اے گروہ قریش! میں دیکھتا ہوں کہ مدینہ کے اونٹ موت احمر (قتل) کو اپنے اوپر لادے ہوئے ہیں، خدا کی قسم! میں دیکھتا ہوں کہ جب تک وہ لوگ اپنے مقابل کو مار نہیں لیں گے میدان سے ہٹیں گے نہیں! پس اگر ہمارے آدمی مارے گئے تو پھر زندگی کا لطف کیا؟ پس سوچ کر کوئی رائے قائم کرو ــــ اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے جسے چاہتے ہیں قوی کرتے ہیں، بے شک اس میں یقیناً آنکھوں والوں کے لئے سامانِ عبرت ہے!

نجران کا وفد بات سمجھے ہوئے تھا، مگر مال ومنال کی محبت ایمان کا روڑا بنی ہوئی تھی

رازی رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کی سیرت سے نقل کیا ہے کہ جب وفدِ نجران بہ قصدِ مدینہ روانہ ہوا تو ان کا بڑا پادری ابوحارثہ بن علقمہ خچر پر سوار تھا، خچر نے ٹھوکر کھائی تو اس کے بھائی کُرز کی زبان سے نکلا: ''برا آدمی برباد ہو!'' تَعِسَ الأبعدُ! (خاکم بدہن! اس کی مراد نبی ﷺ تھے) ابوحارثہ نے کہا: تَعِستْ اُمُّكَ: تیری ماں برباد ہو! یعنی تو برباد ہو! کُرز نے حیران ہو کر اس کلمہ کا سبب پوچھا، ابوحارثہ نے کہا: ''ہم بخدا خوب جانتے ہیں کہ یہ (نبی ﷺ) وہی نبی مُنتظر ہیں جن کی بشارت ہماری کتابوں میں دی گئی ہے'' کرز نے کہا: پھر مانتے کیوں نہیں؟ ابوحارثہ نے جواب دیا: ''اگر ہم ان پر ایمان لے آئیں تو یہ بادشاہ جو بے شمار دولت ہم کو دے رہے ہیں، اور اعزاز واکرام کر رہے ہیں سب واپس لے لیں گے''

اس وفد میں تین بڑے آدمی تھے: (۱) عبدالمسیح عاقب، یہ قافلہ کا امیر اور سردار تھا (۲) أَیْهم السِّید، رائے اور تدبیر بتاتا تھا (۳) ابوحارثہ بن علقمہ، سب سے بڑا مذہبی عالم اور لاٹ پادری تھا، یہ شخص عرب کے مشہور قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا، پھر پکا نصرانی بن گیا، سلاطین روم نے اس کی مذہبی پختگی اور مجد وشرف کو دیکھتے ہوئے اس کی بڑی تعظیم وتکریم کی، اور علاوہ بیش قرار مالی امداد کے، اس کے لئے گرجے تعمیر کئے، اور مذہبی امور کے اعلیٰ منصب پر مقرر کیا (فوائد شیخ الہندؒ)

کُرز نے بھائی کی بات دل میں رکھ لی، اور بالآخر وہی بات ان کے ایمان کا سبب بنی، اب ایک آیت میں اسی کی بات کا جواب ہے کہ وہ لوگ حق واضح ہونے کے بعد محض دنیوی مفادات کی خاطر ایمان نہیں لائے، حالانکہ وہ خوب سمجھتے تھے کہ مال ودولت اور جماعت کی کثرت خدائی سزا سے نہیں بچا سکتی، نہ آخرت میں عذاب الیم سے چھٹکارا مل سکتا ہے، دنیا کی بہار چندروزہ ہے، آخرت میں اچھا انجام مؤمنین ہی کے لئے ہے۔

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ

عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الۡمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت خوش نما بنادی گئی، یعنی عورتیں، لڑکے، سونے چاندی کے لگے ڈھیر، نشان زدہ گھوڑے، مویشی اور کھیتی، یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں برتنے کا سامان ہیں، اور اچھا ٹھکانہ اللہ کے پاس ہے!

تفسیر: آیت میں چھ مرغوب چیزوں کا ذکر ہے، وہ درجہ بدرجہ اہم ہیں:

۱– مرد کے لئے سب سے زیادہ مرغوب عورت ہے، وہ دل رُبا ہے، اس میں پھنس کر آدمی آخرت سے غافل ہوجاتا ہے، البتہ دنیا کا بہترین سامان بھی نیک بیوی ہے، جس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہوجائے، اس کو حکم دیا جائے تو فرماں بردار پائے، شوہر کی غیر حاضری میں اس کے مال کی اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے، اس سے بہتر کیا چیز چاہئے!

۲– جاہلیت قدیمہ اور جدیدہ میں لڑکے محبوب ہیں، بیوی کے بعد ان کا نمبر ہے، لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے، لڑکے بڑھاپے کی لاٹھی ہیں اور لڑکیاں پرایا سرمایہ ہیں، مگر اسلام میں دونوں اولاد ہیں، اور دونوں یکساں پسندیدہ ہیں، بلکہ لڑکیاں دنیا میں نیک نامی اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہیں، ہمارے نبی ﷺ کا نام صاحبزادی کی اولاد سے روشن ہے۔

۳– القناطیر: القِنْطار کی جمع ہے: مال کثیر، المقنطرۃ: اسم مفعول، ڈھیر کیا ہوا، مصدر قَنْطَرَۃ (باب فعللة) یہ القناطیر کی صفت ہے، مبالغہ کے لئے، عربی میں تابع مہمل نہیں ہوتا معنی دار ہوتا ہے، اور وہ موصوف میں معنی کی زیادتی کرتا ہے، جیسے ظِلًّا ظَلِيلًا: گھنا سایہ۔

۴– الْمُسَوَّمة: اسم مفعول: نشان لگایا ہوا یعنی شاندار، ممتاز، مصدر تَسْوِيم (باب تفعیل) اسی سے سِيْمَاء ہے: چہرے کا نشان۔ عرب اپنے بہترین گھوڑے پر مخصوص نشان لگاتے تھے۔

۵– متاع: چند روز برتنے کا سامان، جیسے صافی (چولہے کا کپڑا) جب وہ میلی ہوجاتی ہے تو پھینک دیتے ہیں، اور دوسرا پرانا کپڑا اس کی جگہ رکھ دیتے ہیں، یہی حال دنیا کے مال سامان کا ہے، ایک دن اس کو چھوڑ کر چل دینا ہے!

قُلۡ اَؤُنَبِّئُكُمۡ بِخَيۡرٍ مِّنۡ ذٰلِكُمۡ ؕ لِلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَاَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيۡنَ وَالصّٰدِقِيۡنَ وَالۡقٰنِتِيۡنَ وَالۡمُنۡفِقِيۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِيۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ﴿۱۷﴾

قُلْ	آپ پوچھیں	خٰلِدِيْنَ فِيْهَا	سدا رہنے والے ان میں	اِنَّنَآ اٰمَنَّا	بیشک ہم ایمان لائے
اَؤُنَبِّئُكُمْ	کیا میں تم کو بتاؤں	وَاَزْوَاجٌ	اور بیویاں	فَاغْفِرْ لَنَا	پس بخشش دیں ہمارے لئے
بِخَيْرٍ	بہتر چیز	مُّطَهَّرَةٌ	ستھری	ذُنُوْبَنَا	ہمارے گناہ
مِّنْ ذٰلِكُمْ(۱)	ان سے؟	وَّرِضْوَانٌ	اور خوشنودی	وَقِنَا	اور بچائیں ہمیں
لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے جو	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی	عَذَابَ النَّارِ	دوزخ کے عذاب سے
اتَّقَوْا(۲)	ڈرتے ہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اَلصّٰبِرِيْنَ(۵)	صبر شعار
عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں	وَالصّٰدِقِيْنَ	اور راست گفتار
جَنّٰتٌ	باغات ہیں	بِالْعِبَادِ	بندوں کو	وَالْقٰنِتِيْنَ	اور فرماں بردار
تَجْرِيْ	بہتی ہیں	اَلَّذِيْنَ(۴)	جو لوگ	وَالْمُنْفِقِيْنَ	اور خرچ کرنے والے
مِنْ تَحْتِهَا(۳)	ان میں	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ	اور گناہ بخشوانے والے
الْاَنْهٰرُ	نہریں	رَبَّنَآ	اے ہمارے رب!	بِالْاَسْحَارِ	سحری کے وقت میں

مؤمنین کے لئے دنیا کے مال ومنال سے بہتر نعمتیں ہیں

ابدی فلاح اُن چیزوں سے حاصل نہیں ہوتی جو نجران والوں کے پیشِ نظر ہیں، ان سے تو دنیا میں محض چند روز فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اور جو لوگ کفر وشرک سے بچ جائیں ان کے لئے آخرت میں تین نعمتیں ہیں، جو اُن نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔

ایک: ان کو ایسے باغات ملیں گے جن میں نہریں رواں دواں ہیں، جن کی وجہ سے وہ باغ سدا بہار ہیں، اور وہ باغ ان کو ہمیشہ کے لئے ملیں گے، وہ ان میں سدا رہیں گے۔

دوم: ان کو وہاں پاکیزہ بیویاں ملیں گی، جو میل کچیل اور حیض ونفاس وغیرہ سے پاک صاف ہونگی، کیونکہ جنت میں اولاد نہیں ہوگی، اس لئے حیض کی ضرورت نہیں رہے گی۔

سوم: اللہ تعالیٰ جنتیوں سے ہمیشہ خوش رہیں گے، وہاں کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوگی جس سے اللہ ناراض

(۱) ذلکم: کا مشارٌ الیہ وہ چھ چیزیں ہیں جن کا ذکر اوپر کی آیت میں آیا ہے (۲) تقوی: سے مراد یہاں شرک وکفر سے بچنا ہے۔ (۳) من تحتها: أي فيها، یہ قرآنی محاورہ ہے (۴) الذين: العباد کی صفت ہے (۵) تمام اسماء الف لام بمعنی الذی ہے۔

ہوجائیں، کیونکہ آخرت دارِ تکلیف نہیں، دارِ جزا ہے، اور یہ اللہ کی خوشنودی آخرت میں سب سے بڑی نعمت ہوگی۔

﴿قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾

ترجمہ: آپؐ (نجران والوں سے) پوچھیں: کیا میں تم کو اُن (دنیوی مال ومنال) سے بہتر چیزیں بتاؤں؟ (جواب:) ان لوگوں کے لئے جو (شرک وکفر سے) بچ گئے: ان کے پروردگار کے پاس: (۱) ایسے باغات ہیں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (۲) اور پاکیزہ بیویاں ہیں (۳) اور اللہ کی خوشنودی ہے۔

اللہ تعالیٰ کامل مؤمنین کی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے

کفروشرک سے توبہ کرنا اور ایمان لانا کمال کا ابتدائی درجہ ہے، ان کے لئے آخرت میں وہ نعمتیں ہیں جن کا ذکر اوپر آیا، پھر مؤمنین ایمان میں ترقی کرتے ہیں، ایمانی خوبیاں اپناتے ہیں، ان بندوں سے بھی اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں، ان کے احوال دیکھ رہے ہیں، ان کو آخرت میں ایسی نعمتوں سے نوازیں گے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی۔

ایمان میں کمال پیدا کرنے کے لئے — مثال کے طور پر — چھ باتیں ضروری ہیں:

۱- نعمتِ ایمان پر شکر گذاری — یعنی ایمان جیسی دولت پاکر بھی ان میں تکبر پیدا نہیں ہوتا، وہ ہر وقت نعمتِ ایمان کا شکر بجالاتے ہیں، کہتے ہیں: ”اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ہیں، لہٰذا اس کے طفیل ہمارے گناہ بخش دے، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے!“

۲- صبر شعاری — یعنی مصائب ومشکلات میں گھبراتے نہیں، خواہ کوئی افتاد پڑے اس کو برداشت کرتے ہیں، اور کفر کی طرف لوٹنے کو آگ میں جھونکے جانے کے برابر خیال کرتے ہیں۔

۳- راست گفتاری — یعنی وہ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، سچائی ہی ان کا کام ہوتا ہے، ان کی کوئی حالت سچائی سے خالی نہیں ہوتی، وہی بات کہتے ہیں جو سچی ہوتی ہے، ہمیشہ سچ بولنا بہت مشکل ہے، مگر وہ اس مشکل پر قابو پائے ہوئے ہیں۔

۴- فرمان برداری — یعنی ہمیشہ ان کو اللہ کے احکام کی تعمیل سے غرض ہے، ان کا ہر قدم اطاعتِ الٰہی کی طرف اٹھتا ہے، خواہ ایسا کرنا ان کے لئے کتنا ہی دشوار کیوں نہ ہو۔

۵- وجوہِ خیر میں خرچ کرنا — یعنی ان کی ہر چیز اللہ کے لئے حاضر ہے، کوئی بھی نیک کام سامنے آتا ہے تو وہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔

۶- رات کے پچھلے پہر اللہ کے سامنے جھولی پھیلانا — یعنی سحری کے وقت اٹھ کر دعا کرتے ہیں کہ الٰہی!

ہمیں اپنی نوازشوں سے نواز دے، ہمیں اپنی رحمت میں ڈھانپ لے، ہمیں بخش دے، وہ جانتے ہیں کہ ذاتِ پاک ہر چیز سے بے نیاز ہے، ضرورت اگر ہے تو خود انسان کو ہے، وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ سب کچھ کرنے کے باوجود کچھ نہیں کیا، لہٰذا مغفرت طلبی کے سوا چارہ کیا ہے، اور وہ جانتے ہیں کہ بھیک مانگنے کے لئے موزوں وقت رات کا پچھلا پہر ہے، وہ قبولیت کا وقت ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "ہر دن جب تہائی رات رہ جاتی ہے، تو حق تعالیٰ سمائے دنیا پر اترتے ہیں، اور اعلان فرماتے ہیں: میں دونوں جہاں کا بادشاہ ہوں، کوئی ہے جو اس وقت مجھ سے مانگے: میں قبول کروں، کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے: میں اس کو بخشوں، پو پھٹنے تک یہی اعلان ہوتا رہتا ہے"

﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو خوب دیکھ رہے ہیں جو کہتے ہیں: "اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم ایمان لائے، لہٰذا آپ ہمارے گناہوں کو بخش دیں، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیں، جو صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، حکم بجالانے والے، خیرات کرنے والے، اور رات کے آخری پہر میں گناہوں کی معافی مانگنے والے ہیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

شَهِدَ (۱)	گواہی دی	وَالْمَلٰٓئِكَةُ	اور فرشتوں نے	لَآ اِلٰهَ (۳)	نہیں کوئی معبود
اللّٰهُ	اللہ نے	وَاُولُوا	اور والوں نے	اِلَّا هُوَ	مگر وہ
اَنَّهٗ	کہ شان یہ ہے	الْعِلْمِ	علم کے	الْعَزِيْزُ	زبردست
لَآ اِلٰهَ	نہیں کوئی معبود	قَآئِمًا (۲)	کھڑے ہونے والے	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے
اِلَّا هُوَ	مگر وہ	بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ	۞	۞

(۱) شہادت (گواہی) کے مفہوم میں اقرار، قسم اور پختگی ہوتی ہے، اور اس کے صلہ میں باء یا علی آتا ہے، جو اَنَّہ سے پہلے مقدر ہے، اور بغیر صلہ کے دیکھنے کے معنی ہیں، جیسے: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾: پس جو ماہِ رمضان کو دیکھے یعنی اس کا چاند دیکھے وہ اس کے روزے رکھے۔ (۲) قائما: اللہ کا یا ھو کا حال ہے، اور أولو العلم کا حال بھی ہوسکتا ہے، أولوا: مشابہ جمع ہے، لفظاً مفرد ہے، اس لئے قائما اس کا حال ہوسکتا ہے، اور اہل علم عام ہے، خواہ انسان ہوں یا جنات۔ (۳) لا إلٰه إلا ھو: تمہید لوٹا کر دو صفتیں ذکر کی ہیں، پس تکرار نہیں۔

توحید:شریعتوں کا متفقہ عقیدہ ہے،فرشتے اور انصاف پسند علماء اس کے گواہ ہیں

یہ سورت توحید کے بیان سے شروع ہوئی ہے،پھر متعلقہ مسائل بیان کئے ہیں،اب پھر اصل مضمون (توحید) کی طرف روئے سخن ہے،فرماتے ہیں:توحید کے ماننے میں تردد کیوں ہے؟ یہ تو تمام شرائع کا متفقہ عقیدہ ہے،تمام آسمانی کتابوں میں مدلل ومؤکد طور پر اللہ تعالیٰ نے یہی مضمون نازل کیا ہے،یہی اللہ کی شہادت ہے،سورۃ الانبیاء کی (آیت ۲۵) ہے:﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾:اور ہم نے آپؐ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا،اس کی طرف ہم نے یہ وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں،پس میری عبادت کرو۔

اور فرشتے جو اللہ کے مقرب بندے اور تکوینی امور کے اہلکار ہیں:سب کچھ جان کر اور دیکھ کر گواہی دیتے ہیں کہ عبادت کے لائق اللہ کے سوا کوئی نہیں،اور جن ّوانس جو مکلّف مخلوق ہیں ان میں جو انصاف پسند ذی علم ہیں وہ بھی توحید کو تسلیم کرتے ہیں،حضرت شیخ الہند قدس سرہ حواشی میں لکھتے ہیں:

"علم والے ہر زمانہ میں توحید کی شہادت دیتے رہے ہیں،اور آج تو عام طور پر توحید کے خلاف ایک لفظ کہنا جہلِ محض کا مرادف سمجھا جاتا ہے،مشرکین بھی دل میں مانتے ہیں کہ علمی اصول کبھی مشرکانہ عقائد کی تائید نہیں کرسکتے" —— بیان القرآن میں بھی یہ احتمال ذکر کیا ہے۔

فائدہ(۱):یہود توحید میں پکے ہیں،میری لندن میں یورپ کے بڑے ربائی (پادری) سے ملاقات ہوئی،میں نے ان کے عقائد معلوم کئے،اس نے اپنے تیرہ مطبوعہ عقائد مجھے دیئے،ان میں جو سات عقیدے اللہ کے تعلق سے ہیں وہ بالکل اسلامی عقائد کے مطابق ہیں،ہمارا ان کا اختلاف باقی چھ عقائد میں ہے،وہ عیسیٰ رسول اللہ اور محمد رسول اللہ کو نہیں مانتے۔

اور عیسائیوں نے ہر ڈالر پر لکھ رکھا ہے.توکلنا علی اللہ:ہم اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں،وہ بھی بڑا خدا اللہ ہی کو مانتے ہیں،پھر دو ذیلی خدا بھی مانتے ہیں،مگر گول کپا بھی کرتے ہیں،تین خداؤں کا لڈو بھی بناتے ہیں،اور وہ بھی محمد رسول اللہ کو نہیں مانتے،اس لئے کافر (منکر) ہیں،مگر توحید کو کسی درجہ میں مانتے ہیں۔

اور ہندو اللہ ہی کو ایشور (خالق) پرمیشور (ودود) اور بھگوان (معبود) مانتے ہیں،مگر عبادت غیروں کی کرتے ہیں، جیسے جاہل مسلمان اولیاء کی قبروں کا طواف کرتے ہیں،ان سے منتیں اور مرادیں مانگتے ہیں،مگر کرتا دھرتا اللہ کو مانتے ہیں، اور جو مذاہب انسانوں میں ہیں وہی جنات میں بھی ہیں،رہے کمیونسٹ جو خدا کا انکار کرتے ہیں،اور دَہر (زمانہ) کو مؤثر مانتے ہیں،آڑے وقت وہ بھی اللہ کو پکارتے ہیں،غرض تمام انصاف پسند اہل علم توحید کی گواہی دیتے ہیں۔

فائدہ(۲): قائما بالقسط کوعام طور پر اللہ کا یا ھو کا حال بناتے ہیں، اس صورت میں ترجمہ ہوگا: (اللہ نے گواہی دی) درانحالیکہ وہ انصاف کے ساتھ (کائنات کو) سنبھالنے والے ہیں، وہی معبود ہیں، جن کا اقتدار کامل ہے اور حکمت بھی، اب آگے سے جوڑ ہو جائے گا، مگر حال ذو الحال میں فصل ہو جائے گا، اگرچہ اجنبی کا فصل نہیں ہوگا۔

سوال: مشرکین کا پرانا خلجان ہے کہ ایک خدا پوری کائنات کو کیسے سنبھال سکتا ہے، لامحالہ اس کے مددگار ہونگے، جن کی عبادت ضروری ہے۔

جواب: تمہید لوٹا کر دیا ہے کہ اللہ عزیز وحکیم ہیں، زبردست ایسے کہ ان کے فیصلہ سے کوئی سرتابی نہیں کرسکتا، اور حکمت ودانائی سے ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرتے ہیں، اس لئے ان کے لئے تنہا کائنات کو سنبھالنا کچھ مشکل نہیں، پس وہ اکیلے ہی معبود برحق ہیں، دوسرا کوئی معبود نہیں۔

آیتِ پاک: اللہ نے (تمام آسمانی کتابوں میں) اس بات کی گواہی دی ہے (یعنی مضبوط دلائل کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے) کہ ان کے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتوں نے اور انصاف پسند اہل علم نے (بھی گواہی دی ہے کہ) ان کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست حکمت والے ہیں۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾

إِنَّ الدِّينَ (۱)	بے شک دین	أُوتُوا الْكِتَابَ	آسمانی کتاب دیئے گئے	وَمَن يَكْفُرْ	اور جو انکار کرے
عِندَ اللَّهِ	اللہ کے نزدیک	إِلَّا مِن بَعْدِ	مگر بعد	بِآيَاتِ اللَّهِ	اللہ کی آیتوں کا
الْإِسْلَامُ	اسلام ہی ہے	مَا جَاءَهُمُ	آنے ان کے پاس	فَإِنَّ اللَّهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ
وَمَا اخْتَلَفَ	اور اختلاف نہیں کیا	الْعِلْمُ	علم کے	سَرِيعُ	جلدی
الَّذِينَ	ان لوگوں نے جو	بَغْيًا بَيْنَهُمْ (۲)	آپسی ضد کی وجہ سے	الْحِسَابِ	حساب لینے والے ہیں

(۱) الدین اور الإسلام: دونوں معرفہ ہیں اس لئے حصر ہوا ہے (۲) بَغْيًا بینهم: اختلف کا مفعول لہ ہے، اور بَغْيٌ مصدر کے معنی ہیں: تجاوز کرنا، زیادتی کرنا۔

توحید کا علمبردار اسلام ہی سچا دین ہے، اسی سے نجات ہوگی

توحید کا داعی اسلام ہی اللہ کا دین ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں سے تمام انبیاء علیہم السلام پر ہمیشہ یہی دین نازل ہوا ہے، آج بھی نبی ﷺ پر دین اسلام ہی نازل کیا جارہا ہے، یہی دین اللہ کے یہاں مقبول ہوگا، دوسرا کوئی دھرم اللہ قبول نہیں کریں گے، اور یہود ونصاریٰ اس سے خوب واقف ہیں کہ آپ ﷺ دین اسلام ہی پیش کررہے ہیں، ان کی کتابوں میں اس کی وضاحت ہے، مگر جانتے بوجھتے محض ضد کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کررہے، وہ اپنے مذاہب کی برتری چاہتے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم نے نبی ﷺ کا لایا ہوا دین قبول کرلیا تو ہمیں عربوں کا ماتحت ہونا پڑے گا، اور ہماری ہیٹی (بے عزتی) ہوگی، پس دوسرے لوگ ان کو کسوٹی (معیار) نہ بنائیں، یہ نہ سوچیں کہ اگر اسلام سچا دین ہوتا تو اہل کتاب اس کو کیوں قبول نہیں کررہے؟ ان کا زمانہ تو علوم نبوت سے قریب ہے! لوگ یہ خیال نہ کریں، بڑھیں اور اس کو قبول کریں، ورنہ حساب کا دن جلدی آرہا ہے، جانچا جائے گا کہ کونسا دین لے کر آخرت میں آیا ہے، جو دین اسلام لے کر جائے گا وہی کامیاب ہوگا، دوسرے کسی بھی دھرم کے ماننے والے کامیاب نہیں ہونگے۔

فائدہ (۱): قبر میں جو آخرت کی پہلی منزل ہے داخلہ امتحان ہوتا ہے، تین سوال ہونگے: (۱) تیرا پروردگار کون ہے؟ یعنی کیا تو صرف اللہ کی عبادت کرتا تھا، یا اوروں کو بھی عبادت میں شریک کرتا تھا؟ (۲) تیرا دین کیا ہے؟ یعنی تو اللہ کے دین اسلام کو مانتا تھا یا کوئی اور دھرم مانتا تھا؟ (۳) نبی ﷺ کی زیارت کرا کر دریافت کیا جائے گا کہ ان کو تو کیا مانتا ہے؟ یعنی تو نے ان کے پیش کئے ہوئے اسلام کی پیروی کی ہے یا کسی اور پیغمبر کی؟ یہ اس بات کا امتحان ہے کہ اللہ نے جو دینِ اسلام نبی ﷺ پر نازل کیا ہے اس کو لے کر آخرت میں آیا ہے یا کوئی دوسرا دھرم لے کر آیا ہے؟ جو اللہ کا دین لے کر لوٹے گا وہ کامیاب ہوگا، دوسروں پر بجے گی!

فائدہ (۲): کچھ لوگ وحدتِ ادیان کے قائل ہیں، وہ برخود غلط ہیں، وہ کہتے ہیں: سب مذاہب برحق ہیں، راستے الگ الگ ہیں، مگر منزل سب کی ایک ہے، سب اللہ تک پہنچنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، البتہ کسی کا راستہ سیدھا ہے کسی کا ٹیڑھا، اس لئے سب اللہ تک پہنچیں گے، کوئی جلدی کوئی دیر سے۔

یہ خیال محض غلط ہے، یہ بات تو اس وقت ممکن ہے جب سب کا قبلہ توجہ (DIRECTION) ایک ہو، اگر رخ مختلف ہوں تو سب ایک منزل پر کیسے پہنچیں گے؟ ایک شخص اونٹ پر جارہا ہے، پوچھا: کہاں جارہا ہے؟ کہا: مکہ جارہا ہوں، جبکہ رخ اس کا چائنا کی طرف ہے، اس سے کہا گیا کہ تو کبھی مکہ نہیں پہنچے گا، تو جس راستہ پر جارہا ہے وہ چائنا کا راستہ ہے، جتنا چلے گا اتنا مکہ سے دور ہوگا، پس جو لوگ دو خدا مانتے ہیں (مجوسی) یا تین خدا مانتے ہیں (عیسائی) یا ہزاروں خدا مانتے

ہیں (ہندو) وہ ایک اللہ تک کیسے پہنچیں گے؟ ان کا ڈائریکشن ہی مختلف ہے، اللہ تک تو وہی پہنچے گا جو اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے، دوسرے تو کسی دوسری منزل (دوزخ) میں پہنچیں گے۔

آیتِ کریمہ: بے شک مذہب اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اور اہل کتاب نے (اس سے) اختلاف کیا ہے، ان کے پاس علم آجانے کے بعد، محض ان کے باہم جلنے کی وجہ سے، اور جو اللہ کی باتوں کا انکار کرے گا تو اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾

ع ۱۱

فَإِنْ حَاجُّوكَ [1]	پس اگر وہ آپ سے جھگڑیں	لِلَّذِينَ	ان لوگوں سے جو	فَقَدِ اهْتَدَوْا	تو یقیناً انھوں نے راہ پالی
فَقُلْ	تو آپ کہہ دیں	أُوتُوا	دیئے گئے	وَإِنْ	اور اگر
أَسْلَمْتُ [2]	میں نے سپرد کیا	الْكِتَابَ	آسمانی کتاب	تَوَلَّوْا	روگردانی کریں وہ
وَجْهِيَ	اپنا چہرہ	وَالْأُمِّيِّينَ	اور ان پڑھوں سے	فَإِنَّمَا	تو اس کے سوا نہیں کہ
لِلَّهِ	اللہ کو	أَأَسْلَمْتُمْ [4]	کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟	عَلَيْكَ الْبَلَاغُ	آپ کے ذمہ پہنچانا ہے
وَمَنِ [3]	اور ان لوگوں نے جنھوں نے			وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
اتَّبَعَنِ	پیروی کی میری	فَإِنْ	پس اگر	بَصِيرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں
وَقُلْ	اور پوچھیں	أَسْلَمُوا	وہ مسلمان ہوجائیں	بِالْعِبَادِ	اپنے بندوں کو

اپنے اسلام کا اعلان کرو اور دوسروں کو اس کی دعوت دو، اگر نہ مانیں تو وہ جانیں

جب ثابت ہوگیا کہ دینِ اسلام ہی برحق دین ہے، وہی ہمیشہ انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل ہوتا رہا ہے، اب خاتم النبیین ﷺ پر نازل ہورہا ہے، جو اسلام کا آخری ایڈیشن ہے، اس کو قبول کرو، اور مسلمان ہوجاؤ، مگر لوگ کٹ حجتی کریں

(۱) حَاجَّهُ مُحَاجَّةً: بحث ومباحثہ کرنا، حجت بازی کرنا، کٹ حجتی کرنا، جھگڑنا (۲) أَسْلَمَ أمره له وإليه: اپنا معاملہ کسی کو سپرد کرنا (۳) من: معطوف ہے، أسلمتُ کی ضمیر فاعل پر، فصل کی وجہ سے عطف درست ہوا ہے۔ (۴) ءَ أَسْلمتم: صورۃً استفہام ہے، معناً امر ہے أي أَسْلِمُوْا۔

گے، کہیں گے: ہم تو اپنے ہی سلسلہ کے انبیاء کو مانتے ہیں، اور اپنی ہی کتاب پر عمل کرتے ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے تو چھوڑو ان کو، تم اپنا اور اپنے متبعین کے اسلام کا اعلان کردو، اسلام کے معنی ہیں: سر افگندگی، یعنی تسلیم وانقیاد، بندہ خود کو اللہ کے حوالے کردے، ہر باطل سے رخ پھیر لے، اور صرف اللہ کا ہو کر رہ جائے۔

اور اہل کتاب اور مشرکین کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ مان لیں تو راہِ راست پر آجائیں گے، اور نہ مانیں تو آپ اپنا فریضہ ادا کرچکے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہے ہیں، وہ جب بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونگے تو انکار کی واقعی سزا چکھائیں گے۔

آیتِ پاک: پس اگر وہ لوگ (نجران والے) آپؐ سے بحث ومباحثہ کریں، تو آپؐ اعلان کردیں کہ میں نے اپنا چہرہ اللہ کی طرف کرلیا، اور جنھوں نے میری پیروی کی ـــ یعنی مسلمانوں نے بھی ـــ اور آپؐ اہل کتاب اور ان پڑھوں سے ـــ عرب کے مشرکوں سے ـــ پوچھیں: کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ پس اگر وہ مسلمان ہوجائیں تو یقیناً وہ راہِ راست پر آگئے، اور اگر وہ چہرہ پھیریں تو آپؐ کے ذمہ بس دین پہنچانا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢١﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٢﴾

إِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	یہی لوگ جو
يَكْفُرُوْنَ	نہیں مانتے	يَأْمُرُوْنَ	حکم دیتے ہیں	حَبِطَتْ	ضائع ہوگئے
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کو	بِالْقِسْطِ	انصاف کرنے کا	اَعْمَالُهُمْ	ان کے کام
وَيَقْتُلُوْنَ	اور قتل کرتے ہیں	مِنَ النَّاسِ	عام لوگوں میں سے	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں
النَّبِيّٖنَ	نبیوں کو	فَبَشِّرْهُمْ	پس خوشخبری سنا ان کو	وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں
بِغَيْرِ حَقٍّ	ناحق	بِعَذَابٍ	عذاب کی	وَمَا لَهُمْ	اور نہیں ہے ان کیلئے
وَّيَقْتُلُوْنَ	اور قتل کرتے ہیں	اَلِيْمٍ	دردناک	مِّنْ نّٰصِرِيْنَ	کوئی بھی مددگار

اہل کتاب کی جھک کہ ہم تو اپنے انبیاء کی اور اپنے مصلحین ہی کی سنتے ہیں

اوپر آیا ہے: ﴿فَاِنْ حَآجُّوْكَ﴾: اگر نجران والے آپؐ سے جھک کریں، اس کی پہلی مثال: وہ کہیں گے: آپؐ

اسرائیلی نہیں، اس لئے ہم آپ کا دین قبول نہیں کرسکتے، ہم تو اپنے انبیاء اور اپنے مصلحین ہی کی سنتے مانتے ہیں، اس کا جواب دیتے ہیں کہ تم تو اپنے انبیاء اور مصلحین کی بھی نہیں سنتے، وہ تمہیں جو اللہ کی باتیں بتاتے تھے تم ان کا انکار کرتے تھے، اور مصلحین تم کو ظلم سے روکتے تھے، اور انصاف کرنے کا حکم دیتے تھے، مگر تم ان کی بھی ایک نہیں سنتے تھے، تم نے کتنے ہی انبیاء اور مصلحین کو ناحق قتل کیا ہے، حدیث میں ہے: ”بنی اسرائیل نے ایک دن میں ۴۳ انبیاء کو، اور ۱۷۰ یا ۱۱۲ صالحین کو شہید کیا ہے (فوائد شیخ الہندؒ) پس آپ ان لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر دیدیں، اور ان کو بتادیں کہ ان کی لٹیا دنیا وآخرت میں ڈوبے گی، اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا جو ان کو عذاب سے بچالے۔

آیتِ پاک: بے شک جو لوگ اللہ کی باتوں کا انکار کرتے ہیں ــــ جو ان کو ان کے انبیاء بتاتے تھے ــــ اور وہ ناحق انبیاء کو قتل کرتے ہیں، اور ان عام لوگوں کو (مصلحین امت کو) قتل کرتے ہیں جو انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں، پس آپ اُن کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنادیں، انہیں لوگوں کے اعمال دنیا میں بھی ضائع ہوئے اور آخرت میں بھی، اور ان کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا آپ نے	يُدْعَوْنَ	بلائے جاتے ہیں وہ	ثُمَّ يَتَوَلّٰى	پھر منہ پھیرتی ہے
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	اِلٰى كِتٰبِ	کتاب کی طرف	فَرِيْقٌ	ایک جماعت
اُوْتُوْا	دیئے گئے ہیں	اللّٰهِ	اللہ کی	مِّنْهُمْ	ان میں سے
نَصِيْبًا	ایک حصہ	لِيَحْكُمَ	تاکہ فیصلہ کرے وہ	وَهُمْ	اور وہ
مِّنَ الْكِتٰبِ	آسمانی کتاب کا	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	مُّعْرِضُوْنَ	تغافل برتنے والے ہیں

اہل کتاب کی کٹ حجتی کہ ہم تو اپنی کتاب ہی پر عمل کرتے ہیں

یہود ونصاریٰ یہ بھی کہیں گے کہ ہم قرآن کو اس لئے نہیں مانتے کہ وہ ہمارے انبیاء پر نازل نہیں ہوا، ہم تو اپنی کتاب ہی پر عمل کرتے ہیں، ان کو جواب دیتے ہیں کہ تم اپنی کتاب پر بھی کہاں عمل کرتے ہو؟ تمہاری کتاب (تورات) کا اکثر حصہ تو تم نے ضائع کردیا ہے، اس میں ہیر پھیر کردیا ہے، اور جو حصہ باقی رہ گیا ہے اس پر عمل کرنے کی تم کو نبی ﷺ نے دعوت دی تو تم نے کنّی کاٹی، رجم کی آیت چھپائی، پھر تم کس منہ سے دعوی کرتے ہو کہ ہم اپنی کتاب پر عمل کرتے ہیں؟

سنگساری کا وہ واقعہ جس میں یہود نے آیتِ رجم چھپائی تھی، حالانکہ وہ تورات میں باقی ماندہ اللہ کا حکم تھا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ خیبر کے ایک یہودی اور یہودیہ نے زنا کیا پھر ان میں سزا دینے کے بارے میں اختلاف ہوا، کیونکہ وہ لوگ شریف کو کچھ سزا دیتے تھے اور وضیع کو کچھ، یہ زانی اور زانیہ بڑے لوگ تھے یا معمولی؟ اس میں اختلاف ہوا تو وہ یہ خیال کرکے کہ نبی ﷺ کی شریعت میں سہولت ہے: مقدمہ لے کر آپؐ کے پاس آئے، آپؐ نے پوچھا: تمہاری شریعت میں زنا کی کیا سزا ہے؟ انھوں نے کہا: ہماری شریعت میں زانی اور زانیہ کا منہ کالا کرکے ان کی تشہیر کی جاتی ہے، آپؐ نے فرمایا: تورات لاؤ، چنانچہ تورات لائی گئی اور عبداللہ بن صوریا نے پڑھنا شروع کیا وہ آیت رجم کو چھوڑ گیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے چوری پکڑی کہ آیتِ رجم کیوں چھوڑی؟ اس نے کہا: ہم نے اس حکم میں تبدیلی کردی ہے پس آپؐ نے دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے اس حکم کو زندہ کیا جس کو تم نے ماردیا تھا'' اس واقعہ سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو ان کی شریعت کے مطابق رجم کیا تھا، اسلامی شریعت کے مطابق رجم نہیں کیا تھا۔

آیتِ پاک: کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جو آسمانی کتاب کا ایک حصہ دیئے گئے ہیں ـــــ یعنی تھوڑا بہت حصہ تورات وانجیل وغیرہ کا جو ان کی تحریفاتِ لفظی ومعنوی سے بچ بچا کر رہ گیا ہے (فوائد شیخ الہندؒ) ـــــ وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں، تاکہ وہ ـــــ یعنی نبی ﷺ ـــــ ان کے درمیان فیصلہ کریں، تو ان کا ایک گروہ روگردانی کرتے ہوئے کنی کاٹتا ہے!

ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّھُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۴ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۲۵

ذٰلِكَ	یہ بات (کٹ حجتی)	اِلَّآ اَيَّامًا	مگر دنوں	يَفْتَرُوْنَ	گھڑتے
بِاَنَّھُمْ	بایں وجہ ہے کہ	مَّعْدُوْدٰتٍ	گنتی کے	فَكَيْفَ	پس کیا حال ہوگا
قَالُوْا	انھوں نے کہا	وَغَرَّھُمْ	اور دھوکہ دیا ان کو	اِذَا جَمَعْنٰھُمْ	جب جمع کریں گے ہم ان کو
لَنْ تَمَسَّنَا	ہرگز نہیں چھوئے گی ہمیں	فِيْ دِيْنِهِمْ	ان کے دین میں	لِيَوْمٍ	ایک ایسے دن میں
النَّارُ	دوزخ کی آگ	مَّا كَانُوْا	اس چیز نے جو تھے وہ	لَا رَيْبَ	کوئی شک نہیں

فِيهِ	اس میں	كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص	وَهُمْ	اور وہ
وَوُفِّيَتْ	اور پورا چکایا جائے گا	مَّا كَسَبَتْ	جو کمایا اس نے	لَا يُظْلَمُونَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے

یہود و نصاریٰ کی جسارت کی وجہ اور اس کی سزا

اہل کتاب کی مذکورہ جسارت کی وجہ: ان کا سزا کی طرف سے بے خوف ہو جانا ہے، ان کے بڑے ایک جھوٹ بات کہہ گئے کہ ہمیں گنتی کے چند روز سے زیادہ عذاب نہ ہوگا، اس طرح کی اور بھی بہت سی باتیں انھوں نے گھڑ رکھی ہیں کہ ہم تو اللہ کی اولاد اور چہیتے ہیں، ہم انبیاء کی اولاد ہیں، اور اللہ نے یعقوب علیہ السلام سے عہد کیا ہے کہ ان کی اولاد کو سزا نہیں دیں گے، بلکہ یونہی برائے نام قسم کھولنے کو سزا دیں گے، اور نصاریٰ نے تو کفارہ کا عقیدہ چلا کر گناہوں کا سارا حساب ہی بے باق کر دیا ہے!

یہ لوگ گمراہیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں، محشر میں وہ اپنے بزرگوں کے سامنے رسوا ہونگے، اور ان کو ان کے ہر عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا، نہ کفارہ کا مسئلہ کام آئے گا نہ نسبی تعلقات، نہ من گھڑت عقیدے! اور سزا بقدر استحقاق ملے گی، ذرہ بھر ان پر ظلم نہ ہوگا۔

آیاتِ کریمہ: یہ بات (جسارت) اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں: ہمیں (دوزخ کی) آگ ہرگز نہیں چھوئے گی، مگر گنتی کے چند دن! اور ان کی من گھڑت باتوں نے ان کو اپنے دین کے معاملہ میں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ـــــ پس ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے ایک ایسے دن میں جو بے شک آنے والا ہے، اور اس دن ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ چکایا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۤءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۤءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۤءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۤءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾

قُلِ	آپ کہیں:	الْمُلْكَ	حکومت	مِمَّنْ تَشَاۤءُ	جس سے چاہتے ہیں
اللّٰهُمَّ	اے اللہ!	مَنْ تَشَاۤءُ	جسے چاہتے ہیں	وَتُعِزُّ	اور عزت بخشتے ہیں
مٰلِكَ الْمُلْكِ	اے ملک کے مالک!	وَتَنْزِعُ	اور لے لیتے ہیں	مَنْ تَشَاۤءُ	جسے چاہتے ہیں
تُؤْتِي	آپ دیتے ہیں	الْمُلْكَ	حکومت	وَتُذِلُّ	اور رسوا کرتے ہیں

مَنْ تَشَآءُ	جسے چاہتے ہیں	الْخَيْرُ	ہر خیر ہے	عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ	ہر چیز پر
بِيَدِكَ	آپ کے ہاتھ میں	اِنَّكَ	بے شک آپ	قَدِيْرٌ	قادر ہیں

نفع وضرر کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، حکومت سے کیا ڈرتے ہو!

وفد نجران کے رئیس ابوحارثہ بن علقمہ نے اپنے بھائی کُرز سے کہا تھا کہ اگر ہم محمد (ﷺ) پر ایمان لے آئیں تو روم کے بادشاہ جو ہماری عزت کرتے ہیں اور ہمیں مال وزر سے نوازتے ہیں: یہ سب عنایات بند کردیں گے! —— اس کا جواب مناجات کی صورت میں دیا ہے کہ روم کی حکومت سے کیا ڈرتے ہو، نفع وضرر کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، روم کے بادشاہ: بادشاہ نہیں، حکومت اللہ کی ہے، وہ جسے چاہتے ہیں حکومت سے نوازتے ہیں، اور جس سے چاہتے ہیں حکومت چھین لیتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں عزت کا تاج پہناتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں ذلت سے ہمکنار کرتے ہیں، نفع وضرر کے وہی مالک ہیں، وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں، پھر تم حکومتِ روم کی دی ہوئی عزت پر کیوں مفتون (دل دادہ) ہو! مارو گولی اس کو، اور ایمان لاؤ!

تنبیہ: ﴿ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ﴾ میں و الشّر چھوڑ دیا ہے، خیر وشر کے خالق اللہ تعالیٰ ہی ہیں، مگر چونکہ مناجات ہے اور مدح وثنا کا موقع ہے، اس لئے شر کا تذکرہ مناسب نہیں، فہم سامع پر اعتماد کرکے اس کو حذف کردیا ہے، چونکہ پہلے متقابلات آئے ہیں، اس لئے سامع خود اس متقابل کو سمجھ لے گا۔

آیتِ پاک: کہو: اے اللہ! اے حکومت کے مالک! آپ جسے چاہتے ہیں حکومت عطا فرماتے ہیں، اور جس سے چاہتے ہیں لے لیتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں عزت عطا فرماتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں رسوا کرتے ہیں، ہر خوبی (اور ہر خرابی) آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، بے شک آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَىِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾

تُوْلِجُ	داخل کرتے ہیں آپ	النَّهَارَ	دن کو	مِنَ الْمَيِّتِ	بے جان سے
الَّيْلَ	رات کو	فِي الَّيْلِ	رات میں	وَتُخْرِجُ	اور نکالتے ہیں آپ
فِي النَّهَارِ	دن میں	وَتُخْرِجُ	اور نکالتے ہیں آپ	الْمَيِّتَ	بے جان کو
وَ تُوْلِجُ	اور داخل کرتے ہیں آپ	الْحَىَّ	جاندار کو	مِنَ الْحَىِّ	جاندار سے

وَ تَرْزُقُ	اور روزی دیتے ہیں آپ	مَنْ تَشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	بِغَيْرِ حِسَابٍ	بے شمار (بے گنے)

پانسہ پلٹے گا، اللہ تعالیٰ حالات بدلتے ہیں

اب ایک سوال کا جواب ہے، اور مناجات ہی کی صورت میں ہے، سوال یہ ہے کہ جب ہزاروں سال سے نبوت بنی اسرائیل میں چلی آرہی ہے، وہ علوم الٰہی سے واقف ہیں، پھر آخری رسول ان میں کیوں مبعوث نہیں گئے؟ عرب کے اَن پڑھ جن کو علوم الٰہی سے کوئی واسطہ نہیں، ان کو اس اعزاز سے کیوں سرفراز کیا گیا؟

اس کا جواب بھی مناجات کی صورت میں دیا ہے کہ پانسہ پلٹتا ہے، اللہ تعالیٰ حالات بدلتے ہیں، کیا تم غور نہیں کرتے: اللہ تعالیٰ رات کو گھٹا کر دن کو بڑھا دیتے ہیں، اور اس کے برعکس بھی کرتے ہیں، اور آدمی سے نطفہ اور نطفہ سے آدمی اور بیضہ سے مرغی اور مرغی سے بیضہ نکالتے ہیں، جاہل کو عالم اور عالم کو جاہل، کامل کو ناقص اور ناقص کو کامل کرنا اللہ کی قدرت میں ہے، پس اہل کتاب کا یہ خیال کہ جو بزرگی ہم میں تھی وہ ہمیشہ ہم میں رہے گی، یہ غلط خیال ہے، وہ اللہ کی قدرت سے غافل ہیں، سلطنت، عزت اور نبوت اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جس کو چاہتے ہیں حسّی اور معنوی رزق بے حساب دیتے ہیں، ایک وقت تھا کہ یہ فضیلت بنی اسرائیل کو حاصل تھی، اب یہ فضیلت بنی اسماعیل کے حوالے کی جارہی ہے، اور جاہلوں کو عالم کر دینا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں، وہ امیوں کو بنی اسرائیل سے بھی زیادہ علوم عطا فرمائیں گے۔

آیتِ پاک: (الٰہی!) آپ رات کو دن میں داخل کرتے ہیں، اور دن کو رات میں داخل کرتے ہیں، اور جاندار کو بے جان سے نکالتے ہیں، اور بے جان کو جاندار سے نکالتے ہیں، اور آپ جسے چاہتے ہیں بے حساب روزی عنایت فرماتے ہیں!

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ فِي شَيْءٍ إِلَّآ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۸﴾

لَا يَتَّخِذِ (۱)	نہ بنائیں	أَوْلِيَآءَ	دوست	وَمَنْ يَّفْعَلْ	اور جو کرے گا
الْمُؤْمِنُونَ	مؤمنین	مِنْ دُونِ	ورے	ذٰلِكَ	یہ
الْكٰفِرِينَ	منکرین کو	الْمُؤْمِنِينَ	مؤمنین کے	فَلَيْسَ	تو نہیں وہ

(۱) لا یتخذ: فعل نہی ہے، ملانے کے لئے ذال کو کسرہ دیا ہے۔

مِنَ اللّٰهِ	اللہ سے	مِنْهُمْ تُقٰىةً	ان سے کچھ ڈرنا	نَفْسَهٗ	اپنی ذات سے
فِيْ شَيْءٍ	کسی چیز میں	وَيُحَذِّرُكُمُ	اور چوکنا کرتے ہیں تم کو	وَاِلَى اللّٰهِ	اور اللہ کی طرف
اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا (۱)	مگر یہ کہ ڈرو تم	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	الْمَصِيْرُ	لوٹنا ہے

جب وہ ہم سے قریب نہیں آتے تو ہم ان کے قریب کیوں جائیں؟

وفدِ نجران تعصب (بے جاطر فداری) کا شکار تھا، وہ بنی اسماعیل کے رسول کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا، بنی اسرائیل! بنی اسرائیل! گائے جارہا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ ان کوتر کی بہ تر کی جواب دیا جائے، چنانچہ حکم دیتے ہیں کہ مسلمان مسلمان ہی سے مودت (قلبی دوستی) کا تعلق رکھیں، دوسروں سے ایسا تعلق نہ رکھیں، ورنہ سخت سزا پائیں گے، ان کا اللہ سے کچھ تعلق باقی نہیں رہے گا، البتہ ضرر سے بچنے کے لئے مدارات (رکھ رکھاؤ) کا تعلق رکھ سکتے ہیں، مگر موالات کا تعلق ہرگز جائز نہیں، جو ایسا تعلق رکھے گا اس کو سخت سزا ملے گی، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی ذات سے ڈراتے ہیں، لوٹ کر سب کو جانا اللہ ہی کے پاس ہے!

غیر مسلموں سے چار طرح کے تعلقات:

۱- موالات (مودت) یعنی دلی دوستی کا تعلق، یہ کسی حال میں کسی مقصد سے بھی جائز نہیں، کیونکہ دلی دوستی رنگ لاتی ہے، اور نتیجہ ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتا ہے، اس لئے دینی ضرر کا اندیشہ ہے، اور دین کی حفاظت ضروری ہے، اس لئے اس قسم کا تعلق ممنوع ہے۔

۲- مدارات: یعنی رکھ رکھاؤ کا تعلق، ظاہری خوش خلقی کا تعلق، یہ تعلق تین حالتوں میں جائز ہے: دفع ضرر کے واسطے، کافر کی دینی مصلحت کے واسطے یعنی اس کی ہدایت کے توقع سے، اور اکرام ضیف کے واسطے، کوئی غیر مسلم مہمان آئے تو اس کی خاطر داری کی جائے ——— اپنی مصلحت اور منفعت جان ومال کے لئے یہ تعلق جائز نہیں۔

۳- مواسات (غم خواری) کا تعلق یعنی حسنِ سلوک کرنا، یہ تعلق بر سر پیکار کے ساتھ جائز نہیں، دوسروں کے ساتھ نہ صرف جائز ہے، بلکہ مامور بہ ہے، ہر مخلوق کے ساتھ حسن سلوک میں ثواب ہے۔

۴- معاملات کرنا، غیر مسلموں کے ساتھ جائز معاملات جائز ہیں، اور ناجائز معاملات ناجائز ہیں، جیسے ان سے سودی معاملات کرنا جائز نہیں۔

آیتِ پاک: ایمان والے: ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں (غیر مسلموں) کو دوست نہ بنائیں، اور جو ایسا کرے گا

---

(۱) تتقوا: اتِّقاء سے مضارع، جمع مذکر حاضر ہے، نون اعرابی اَن کی وجہ سے محذوف ہوگیا ہے: بچنا، ڈرنا، پرہیز کرنا۔ تقاة: وَقَى يَقِي کا مصدر ہے، اصل میں وَقَاة تھا، واو کو تاء سے بدلا ہے، اس کے معنی بھی ہیں: بچنا، ڈرنا، پرہیز کرنا۔

تو اللہ سے اس کا کچھ تعلق باقی نہیں رہے گا، البتہ اگر ان کے ضرر سے بچاؤ مقصود ہو (تو اور بات ہے) اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتے ہیں، اور لوٹنا اللہ ہی طرف ہے!

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

قُلْ	کہو	عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز پر	تَوَدُّ	آرزو کرے گا نفس
اِنْ تُخْفُوْا	اگر چھپاؤ تم	قَدِیْرٌ	پوری قدرت رکھنے	لَوْ اَنَّ	کاش کہ
مَا	جو		والے ہیں	بَیْنَهَا (۳)	اس نفس کے درمیان
فِیْ صُدُوْرِكُمْ	تمہارے سینوں میں ہے	یَوْمَ	جس دن	وَبَیْنَهٗۤ	اور اس دن کے درمیان
اَوْ تُبْدُوْهُ	یا ظاہر کرو اس کو	تَجِدُ		اَمَدًۢا بَعِیْدًا	بڑی دوری ہوتی
یَعْلَمْهُ	جانتے ہیں اس کو	كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص	وَیُحَذِّرُكُمُ	اور چوکنا کرتے ہیں تم کو
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مَّا عَمِلَتْ	جو کیا اس نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَیَعْلَمُ	اور جانتے ہیں وہ	مِنْ خَیْرٍ	نیک کام سے	نَفْسَهٗ	اپنی ذات سے
مَا فِی السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہے	مُّحْضَرًا	موجود (سامنے)	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَمَا فِی الْاَرْضِ	اور جو زمین میں ہے	وَمَا عَمِلَتْ (۲)	اور جو کیا اس نے	رَءُوْفٌۢ	نہایت شفیق ہیں
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	مِنْ سُوْٓءٍ	کسی برائی سے	بِالْعِبَادِ	اپنے بندوں پر

وفدِ نجران کے دلوں کی باتیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں

نجران کا وفد حق کی تلاش میں نہیں آیا تھا، وہ خوب جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برحق پیغمبر ہیں، وہ وہ رسول ہیں جن کا ان کو

(۱) تَجِدُ: بمعنی تصادف ہے، یعنی اچانک سامنے آجائے گا، اور ما عملت: مفعول بہ ہے، من خیر: ما کا بیان ہے، اور محضرًا: مفعول بہ کا حال ہے۔ (۲) ما عملت من سوء: مبتدا ہے، اور جملہ تود: خبر ہے (۳) بینها کی مؤنث ضمیر نفس کی طرف عائد ہے، اور بینه کی مذکر ضمیر برے عمل کی طرف عائد ہے، یعنی ما کی طرف یا سوء کی طرف۔

انتظار تھا، چنانچہ جب ان کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تو وہ پیچھے ہٹ گئے، اور جزیہ پر صلح کر کے واپس لوٹ گئے، اور وفد کے لاٹ پادری ابو حارثہ بن علقمہ نے اپنے بھائی کُرز بن علقمہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کا اعتراف بھی کیا تھا، یہ بات دوسرے لوگ بھی جانتے تھے، بلکہ وفد مناظرہ کرنے آیا تھا، اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنا مقصود تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور الوہیت پر گفتگو کرنے آیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان سے کہہ دو: تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کو معلوم ہے، اس سے آسمانوں اور زمین کی کوئی بات پوشیدہ نہیں، اور وہ قادر مطلق ہیں، تمہاری گرفت کر سکتے ہیں، تم کس خیال خام میں ہو!

﴿ قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ ﴾

ترجمہ: کہہ دو: جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، خواہ تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتے ہیں جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

وفد نجران کے دلوں میں جو اچھی بری باتیں ہیں وہ قیامت کے دن ظاہر ہونگی

وفد کے دلوں میں بھلی بات یہ تھی کہ وہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ برحق نبی ہیں، اور بری بات یہ تھی کہ ان پر ایمان نہیں لانا، اپنی بات ان سے منوانا ہے، یہ دونوں باتیں کل قیامت کے دن، جو بے شک آکر رہے گا، ظاہر ہو کر رہیں گی، دونوں باتیں پیکر محسوس اختیار کریں گی، اس دن بات بنائے نہیں بنے گی، اور آدمی آرزو کرے گا: کاش میرے درمیان اور اس بری بات کے درمیان بونِ بعید ہوتا، یہ بات کبھی میرے سامنے نہ آتی، مگر چوکنا ہو جاؤ! اللہ تعالیٰ سب کچھ تمہارے سامنے کر دیں گے، وہ اپنے بندوں پر بڑے شفیق بڑے مہربان ہیں، یہ ان کو ایمان کی دعوت دی کہ تمہارے دلوں میں جو خیر کی بات ہے اس کو ظاہر کرو اور ایمان لاؤ، تاکہ اللہ کی شفقت و مہربانی سے حصہ پاؤ!

﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾ ﴾

ترجمہ: جس دن ہر شخص اُس نیک عمل کو جو اس نے کیا ہے اپنے سامنے موجود پائے گا، اور اس نے جو برا عمل کیا ہے اس کے بارے میں وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان اور اس برے عمل کے درمیان بڑا فاصلہ ہوتا، اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتے ہیں —— یعنی وہ اس بری بات کی سخت سزا دیں گے —— اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑے شفیق ہیں! —— پس ایمان لاؤ اور ان کی مہربانی سے حصہ پاؤ! —— یہ ﴿ يُحَذِّرُكُمُ ﴾ کا معادل ہے یعنی

دوسری برابر کی صفت ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲

قُلْ	کہیں	وَيَغْفِرْ	اور بخشیں گے	اَطِيْعُوا	حکم مانو
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	لَكُمْ	تمہارے لئے	اللّٰهَ	اللہ کا
تُحِبُّوْنَ	محبت کرتے	ذُنُوْبَكُمْ	تمہارے گناہ	وَالرَّسُوْلَ	اور (اس کے) رسول کا
اللّٰهَ	اللہ سے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	فَاِنْ تَوَلَّوْا	پس اگر منہ پھیرو تم
فَاتَّبِعُوْنِيْ	تو میری پیروی کرو	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ
يُحْبِبْكُمُ	محبت کریں گے تم سے	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں	لَا يُحِبُّ	نہیں محبت کرتے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُلْ	کہو	الْكٰفِرِيْنَ	منکروں سے

نجران کے وفد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت

ہر شخص کو اللہ سے فطری محبت ہے، اس لئے کہ وہ خالق ہیں، انھوں نے انسان کو وجود بخشا ہے، اور موجد سے ہر کسی کو محبت ہوتی ہے، کیا دیکھتے نہیں موجد کو اپنی مصنوعات سے، کاتب کو اپنی نگارشات سے، شاعر کو اپنے کلام سے، خطیب کو اپنی تقریر سے، مصنف کو اپنی تصنیفات سے اور اولاد کو ماں باپ سے محبت ہوتی ہے، بندوں کو اللہ سے محبت اس سے کہیں زیادہ ہے، اور محبت کا تقاضا محبوب کے اشاروں پر چلنا ہے ـــــ مگر ہر شخص راست اللہ تعالیٰ سے رابطہ نہیں کرسکتا، وہ ذات متعالی (برتر) ہے، ان کا دنیا میں نہ دیدار ممکن ہے نہ کلام سننا، بن دیکھے ان پر ایمان لانا ضروری ہے، اور ان کی باتیں بالواسطہ بندوں تک پہنچتی ہیں، فرشتہ احکام لاتا ہے اور منتخب بندے کو پہنچاتا ہے، پھر وہ بندہ ان احکام کو دوسروں تک پہنچاتا ہے، یہی سلسلہ از آدم تا ایں دم چل رہا ہے۔ اب آخری نبی تشریف لائے ہیں، دوسرے رسولوں اور نبیوں کا پریڈ ختم ہوگیا ہے، ان کی تعلیمات مندرس ہوگئی ہیں، اب اللہ کی آخری کتاب کا نزول شروع ہوا ہے، پس جس کو اللہ سے محبت ہے، اور وہ اللہ کے احکام پر عمل کرنا چاہتا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ اس سے محبت کریں گے، اور اس کے سابقہ گناہ معاف کردیں گے، کیونکہ اسلام قبول کرنے سے سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم

فرمانے والے ہیں۔

اور اگر نجران کا وفد اللہ کا حکم نہیں مانے گا، اور اللہ کے اس آخری رسول پر ایمان نہیں لائے گا تو وہ کان کھول کر سن لے کہ اللہ کو بھی ان بندوں سے محبت نہیں، اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں کرتے، پس محبت یکطرفہ ہوگی، اس میں کیا مزہ! مزہ جب ہے کہ محبت دوطرفہ ہو، اور وہ نبی ﷺ کی پیروی پر موقوف ہے۔

نبی ﷺ کی پیروی سے منہ موڑنا اور اللہ کی محبت کا دم بھرنا فریبِ نفس ہے

آیاتِ کریمہ: کہیں: اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو: اللہ تم سے محبت کریں گے، اور تمہارے لئے تمہارے گناہ بخش دیں گے، اور اللہ بڑے بخشنے والے، بڑے مہربانی فرمانے والے ہیں، بتادو: کہا مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا، پس اگر تم نے منہ پھیرا تو اللہ تعالیٰ اسلام کا انکار کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے!

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾

إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ نے	وَآلَ عِمْرَانَ	اور خاندانِ عمران کو	مِنْ بَعْضٍ	بعض کی
اصْطَفَىٰ	چن لیا	عَلَى الْعَالَمِينَ	جہانوں پر	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
آدَمَ وَنُوحًا	آدم اور نوح کو	ذُرِّيَّةً (۲)	درانحالیکہ وہ اولاد ہیں	سَمِيعٌ	خوب سننے والے
وَآلَ إِبْرَاهِيمَ (۱)	اور خاندانِ ابراہیم کو	بَعْضُهَا (۳)	ان کے بعض	عَلِيمٌ	سب جاننے والے ہیں

عیسائیوں کے اس خیال کی تردید کہ ہم تو اللہ کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں پھر ہمیں کسی دوسرے پیغمبر کو ماننے کی کیا ضرورت ہے؟

جب وفد نجران کو نبی ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو وہ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں، ہم تو اللہ کے بیٹے کی امت ہیں، اور وہ ہمارے سارے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، پس ہمیں کسی دوسرے شخص پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں —— ان دو آیتوں میں اس کا رد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں تھے، وہ تو ایک نہیں چار

(۱) بعض کے نزدیک دونوں جگہ آل زائد ہے اور اگر زائد نہیں تو آلِ ابراہیم سے مراد بنی اسرائیل اور آلِ عمران سے مراد حضرت مریم ہیں۔ (۲) ذریۃ: اصطفی کے مفعولوں کا حال ہے (۳) بعضھا کی ضمیر ذریۃ کی طرف لوٹتی ہے۔

بڑوں کی اولاد تھے، ابوالبشر آدم علیہ السلام کی، اول الرسل نوح علیہ السلام کی، ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام کی، اور بیت المقدس کے امام اور بنی اسرائیل کے حاکم عمران بن ماثان کی نسل سے تھے، پھر وہ اللہ کے بیٹے کیسے ہونگے؟

جاننا چاہئے کہ حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر اول ہیں، اور نوح علیہ السلام ابوالبشر ثانی ہیں، اب سب انسان ان کی اولاد ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کی اولاد ہیں، پھر عمران بن ماثان ان کی اولاد میں ہیں، جو نیک بندے اور قوم کے امام اور سربراہ بھی تھے، ان کی صاحب زادی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، پس ان کا نسب نانا کے ساتھ جڑے گا، جیسے سادات کا نسب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے نبی ﷺ کے ساتھ جڑتا ہے۔

آیاتِ کریمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے برتری بخشی ہے آدم ونوح کو اور اولادِ ابراہیم کو اور اولادِ عمران کو ساری دنیا پر، یہ ایک دوسرے کی نسل ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں ـــــ پس ان کی بات سو فی صد درست ہے۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾

إِذْ قَالَتِ	(یاد کرو) جب کہا	إِنِّي	بے شک میں نے	فِي بَطْنِي	میرے پیٹ میں ہے
امْرَأَتُ	بیوی نے	نَذَرْتُ	منت مانی ہے	مُحَرَّرًا[1]	آزاد کردہ
عِمْرَانَ	عمران کی	لَكَ	آپ کے لئے	فَتَقَبَّلْ	پس قبول فرما
رَبِّ	اے میرے پروردگار!	مَا	اس بچہ کی جو	مِنِّي	میری طرف سے

(۱) مُحَرَّرًا: ما کا حال ہے جو نذرت کا مفعول ہے

اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی	مَرْيَمَ	مریم	عَلَيْهَا	اس کے پاس
السَّمِيْعُ	خوب سننے والے	وَ اِنِّيْٓ	اور بے شک میں	زَكَرِيَّا	زکریا
الْعَلِيْمُ	سب کچھ جاننے والے ہیں	اُعِيْذُهَا	اس کو پناہ میں دیتی ہوں	الْمِحْرَابَ	(عبادت کے) کمرے میں
فَلَمَّا وَضَعَتْهَا (۱)	پس جب جنا اس نے اس کو	بِكَ	آپ کے	وَجَدَ	پائی
قَالَتْ	کہا اس نے	وَ ذُرِّيَّتَهَا	اور اس کی اولاد کو	عِنْدَهَا	اس کے پاس
رَبِّ	اے میرے پروردگار	مِنَ الشَّيْطٰنِ	شیطان سے	رِزْقًا	روزی
اِنِّيْ	بے شک میں نے	الرَّجِيْمِ	مردود	قَالَ	پوچھا
وَضَعْتُهَآ (۲)	جنا اس کو	فَتَقَبَّلَهَا	پس قبول کیا اس کو	يٰمَرْيَمُ	اے مریم
اُنْثٰى	لڑکی	رَبُّهَا	اس کے پروردگار نے	اَنّٰى لَكِ	کہاں سے آئی تیرے پاس
وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	بِقَبُوْلٍ	قبول کرنا	هٰذَا	یہ روزی
اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	حَسَنٍ	اچھی طرح	قَالَتْ هُوَ	کہا اس نے: وہ
بِمَا وَضَعَتْ	جو اس نے جنا	وَّاَنْۢبَتَهَا	اور بڑھایا اس کو	مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس سے ہے
وَ لَيْسَ الذَّكَرُ	اور نہیں وہ لڑکا	نَبَاتًا حَسَنًا	اچھا بڑھانا	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
كَالْاُنْثٰى	مانند اس لڑکی کے	وَّكَفَّلَهَا	اور ملایا اس کو	يَرْزُقُ	روزی دیتے ہیں
وَاِنِّيْ	اور بے شک میں نے	زَكَرِيَّا	زکریا نے	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں
سَمَّيْتُهَا	اس کا نام رکھا	كُلَّمَا دَخَلَ	جب بھی گئے	بِغَيْرِ حِسَابٍ	بے حساب (بے گنے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام عمران کی نسل سے تھے

جب حضرت مریم رضی اللہ عنہا ماں کے پیٹ میں تھیں، ان کے ابا حضرت عمران گذر گئے، ان کی ماں نے منت مانی: جو لڑکا پیدا ہوگا وہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا، ایسا وقف ان کی شریعت میں جائز تھا، پھر جب حضرت مریمؑ پیدا ہوئیں تو ان کی ماں حیران ہوئیں، کیونکہ لڑکی خدمت کے لئے وقف نہیں کی جاتی تھی، لڑکا وقف کیا جاتا تھا، انھوں نے عرض کیا: الٰہی! میں نے تو لڑکی جنی، اب میری منت کا کیا ہوگا؟

(۱) وضعتها کی ضمیر حمل کی طرف لوٹتی ہے، چونکہ پیٹ میں لڑکی تھی، اس کی رعایت سے مؤنث ضمیر استعمال کی ہے (۲) الذکر اور الأنثی میں الف لام عہدی ہیں، وہ لڑکا یعنی مطلوبہ لڑکا، یہ لڑکی یعنی جنی ہوئی لڑکی۔

درمیان میں دو جملے معترضہ ہیں: ایک: اللہ کو سب کچھ معلوم ہے کہ اس نے کیا جنا ہے؟ دوسرا: مطلوبہ لڑکے سے یہ لڑکی بہتر ہے، چنانچہ اللہ نے اس لڑکی کو قبول فرمایا، حضرت زکریا علیہ السلام کے ذریعہ اس کی اطلاع دی گئی، پھر جب مریمؑ خود کفیل ہوئیں تو بیت المقدس کے حوالے کی گئیں، وہاں ان کی پرورش کے سلسلہ میں اختلاف ہوا، ہر مجاور ان کی پرورش کرنا چاہتا تھا، مگر قرعۂ فال بنام زکریا علیہ السلام نکلا، اس کی تفصیل آگے (آیت ۴۴ میں) آرہی ہے، زکریا علیہ السلام حضرت مریمؑ کے خالو تھے، اور وہ بیت المقدس کے ذمہ دار بھی تھے، انھوں نے حضرت مریمؑ کے لئے بیت المقدس میں ایک کمرہ خاص کردیا، مریمؑ اس میں رہتی تھیں اور اللہ کی عبادت کرتی تھیں، حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی ان کے کمرے میں جاتے تو بے موسم کے پھل پاتے، وہ تعجب سے پوچھتے: مریم! یہ پھل تیرے پاس کہاں سے آتا ہے؟ وہ جواب دیتیں: اللہ کے یہاں سے آتا ہے، اللہ جسے چاہتے ہیں بے حساب روزی عنایت فرماتے ہیں۔

کیسے عنایت فرماتے ہیں؟ —— اس کو سمجھانا مشکل ہے، جس کے ساتھ معاملہ پیش آتا ہے وہی سمجھتا ہے، حدیث میں ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ مکہ میں قید تھے، ان کے پاس غیب سے انگور آتے تھے، جبکہ انگور کا موسم نہیں تھا، نہ مکہ میں انگور تھے، کوئی فرشتہ لاکر رکھ جاتا ہوگا۔ انبیاء کے ہاتھوں ایسی کوئی خرق عادت بات ظاہر ہوتی ہے تو اس کو 'معجزہ' کہتے ہیں اور ولی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے تو اس کو 'کرامت' کہتے ہیں، اور کراماتِ اولیاء برحق ہیں، اور ولی مرد ہی نہیں ہوتا عورت بھی ولیہ ہوتی ہے، جیسے صدیق مرد ہی نہیں ہوتا عورت بھی صدیقہ ہوتی ہے۔

فائدہ: حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا کہ اللہ نے ان کی اچھی نشو ونما کی یعنی بچوں میں پلنے بڑھنے کی جو عام رفتار ہوتی ہے اس سے حضرت مریمؑ کی نشو ونما کی رفتار تیز تھی، وہ جلدی سنِ بلوغ کو پہنچیں، جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نشو ونما کی رفتار بھی تیز تھی، وہ نو سال میں رخصتی کے قابل ہوگئی تھیں۔

آیاتِ کریمہ: (یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے پروردگار! میں نے آپ کے لئے اس بچہ کی منت مانی جو میرے پیٹ میں ہے، وہ فارغ کیا ہوا ہوگا، پس آپ میری یہ اولاد قبول فرمائیں، بے شک آپ خوب جاننے والے سب کچھ سننے والے ہیں۔

پس جب اس نے حمل جنا تو کہا: "اے میرے پروردگار! میں نے تو لڑکی جنی!" —— اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو اس نے جنا، اور وہ لڑکا اِس لڑکی کے مانند نہیں —— اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے، اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں!

پس اس لڑکی کو اس کے پروردگار نے بہتر طور پر قبول کیا، اور اس کو عمدہ طریقہ پر پروان چڑھایا، اور زکریا اس کے

ذمہ دار بنے، جب بھی زکریا مریم کے پاس کمرے میں آتے تو اس کے پاس روزی پاتے، پوچھا: اے مریم! تیرے پاس یہ کہاں سے آتا ہے؟ جواب دیا اس نے: وہ اللہ کے پاس سے آتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بے حساب روزی عطا فرماتے ہیں۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

ع ۴/۱۴

هُنَالِكَ دَعَا (۱)	وہیں دعا کی	الدُّعَاءِ	دعا کو	بِيَحْيٰى (۳)	یحییٰ کی
زَكَرِيَّا رَبَّهٗ	زکریا نے اپنے رب سے	فَنَادَتْهُ	پس پکارا اس کو	مُصَدِّقًا (۴)	سچا بتانے والا
قَالَ رَبِّ	کہا: اے میرے رب!	الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتوں نے	بِكَلِمَةٍ	ایک بول کو
هَبْ لِيْ	عطا فرما مجھے	وَهُوَ قَآئِمٌ	درانحالیکہ وہ کھڑے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
مِنْ لَّدُنْكَ	خاص اپنے پاس سے	يُّصَلِّيْ	نماز پڑھ رہے تھے	وَسَيِّدًا	اور سردار
ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً	پاکیزہ اولاد	فِي الْمِحْرَابِ (۲)	عبادت کے کمرے میں	وَّحَصُوْرًا (۵)	اور عورتوں سے بے رغبت
اِنَّكَ	بے شک آپ	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	وَّنَبِيًّا	اور پیغمبر
سَمِيْعُ	خوب سننے والے ہیں	يُبَشِّرُكَ	آپ کو خوشخبری دیتے ہیں	مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ	نیکوں میں سے

(۱) هنالك: اسم ظرف: زمان ومکان: اس جگہ، اس وقت (۲) مِحراب: نفس اور شیطان سے لڑنے کی جگہ، یعنی عبادت کا کمرہ (۳) یحیی: فعل مضارع، جیوا، جیتا رہے، اسم علم ہے (۴) مصدقا: اور آگے کے چار معطوفات: یحییٰ کے احوال ہیں (۵) حصور: حَصْرٌ (رکنے) سے مبالغہ کا صیغہ، بروزن فَعُوْل: عورتوں سے بالکل بے رغبت، پاکیزہ وبلند کردار۔

قَالَ	عرض کیا اس نے	كَذٰلِكَ اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ اسی طرح	النَّاسَ	لوگوں سے
رَبِّ	اے میرے پروردگار!	يَفْعَلُ	کرتے ہیں	ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ	تین دن
اَنّٰى يَكُوْنُ	کیسے ہوگا	مَا يَشَآءُ	جو چاہتے ہیں	اِلَّا رَمْزًا	مگر اشارے سے
لِىْ غُلٰمٌ	میرے لئے لڑکا	قَالَ رَبِّ	کہا: اے میرے رب!	وَاذْكُرْ	اور یاد کریں
وَّقَدْ بَلَغَنِىَ	حالانکہ پہنچ گیا ہے مجھے	اجْعَلْ لِّىْٓ	مقرر فرما میرے لئے	رَّبَّكَ	اپنے پروردگار کو
الْكِبَرُ	بڑھاپا	اٰيَةً	کوئی نشانی	كَثِيْرًا	بہت
وَامْرَاَتِىْ	اور میری بیوی	قَالَ	فرمایا	وَّسَبِّحْ	اور پاکی بیان کریں
عَاقِرٌ	بانجھ ہے	اٰيَتُكَ	آپ کی نشانی	بِالْعَشِىِّ	شام کے وقت
قَالَ	کہا	اَلَّا تُكَلِّمَ	یہ ہے کہ نہ بات کریں آپ	وَالْاِبْكَارِ	اور صبح کے وقت

حضرت یحییٰ علیہ السلام مصدق (منادی) تھے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبشر تھے

حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منادی (اعلان کرنے والے) تھے، ان کی بعثت کا خاص مقصد یہی تھا، وہ اپنے بھائی سے چھ ماہ بڑے تھے، اسی لئے عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ کی تمہید میں ان کا تذکرہ آتا ہے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی ﷺ کے لئے مبشر (خوش خبری سنانے والے) تھے، ان کی بعثت کا بھی یہ خاص مقصد تھا (سورۃ الصف)

جب خالو حضرت زکریا علیہ السلام نے بھانجی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی مذکورہ کرامت بار بار دیکھی کہ ان کے پاس بے موسم کے پھل آتے ہیں تو دل میں اس آرزو نے انگڑائی لی کہ جو اللہ بے موسم پھل دیتا ہے وہ بڑھاپے میں اولاد بھی دے سکتا ہے، حضرت زکریا علیہ السلام لاولد تھے، بوڑھے ہوگئے تھے اور بیوی بانجھ تھی، بہ ظاہر اولاد کی کوئی توقع نہیں رہی تھی، مگر مریمؑ کی کرامت دیکھ کر دل میں دیرینہ آرزو جوان ہوئی، اور اللہ تعالیٰ سے اولاد کے طلب گار ہوئے، یہ امید باندھ کر کہ جب مریم کو بے موسم پھل ملتا ہے تو زکریا کو بے موسم میوہ (لڑکا) کیوں نہیں مل سکتا، آپ کی دعا قبول ہوئی، اور لڑکے کی بشارت ملی، اور نام بھی یحییٰ (جیوا) تجویز کردیا، جو پانچ صفات کا مالک ہوگا:

۱—وہ کلمۃ اللہ کی — جو اللہ کے کلمہ ' کن سے پیدا ہوگا — لوگوں کو پہلے سے خبر دے گا کہ وہ مبعوث ہونے والے ہیں، جب وہ مبعوث ہوں تو لوگ ان کی پیروی کریں، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پانچ سو سال پہلے لوگوں کو نبی ﷺ کی بشارت سنائی تھی، تاکہ جب وہ ظاہر ہوں تو بنی اسرائیل ان کی پیروی کریں۔

۲-حضرت زکریا علیہ السلام بیت المقدس کے ذمہ دار مقتدیٰ (سربراہ) تھے، ان کی ذمہ داری ان کے بعد یحییٰ علیہ السلام سنبھالیں گے، وہ قوم کے سردار ہونگے۔

۳-آپ پاکیزہ بلند کردار اور عورتوں میں بالکل بے رغبت ہونگے، حصور کے یہ سب معنی ہیں، بنی اسرائیل کی عورتیں مسجد میں آتی تھیں، پھر جب ان میں فیشن شروع ہوا تو ان کو روک دیا گیا، جیسے نبی ﷺ کے زمانہ میں عورتیں مسجدِ نبوی میں آتی تھیں، پھر صحابہ نے ان کو روک دیا، پس سردار کو ایسا ہی ہونا چاہئے، **لأن الناس علی دین ملوکھم**: لوگ بڑوں کا طریقہ اپناتے ہیں۔ پس یہ خصوصی وصف ہے، اور خاص وجہ سے ہے۔

۴-آپ خود بھی نبی ہونگے، صرف منادی نہیں ہونگے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام: خاتم النّبیین ﷺ کے لئے مبشر تھے تو خود بھی خاتم انبیائے بنی اسرائیل تھے۔

۵-وہ صلاح ورشد کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونگے، سبھی انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے ﴿مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ کائناً سے متعلق ہوکر مستقل حال (صفت) ہے۔

جب زکریا علیہ السلام کو صاحبزادے کی خوش خبری ملی تو مخلوط (ملا جلا) ردِّ عمل ہوا، ابھی تو لڑکے کے لئے دعا کر رہے تھے، اب کہنے لگے کہ پروردگار! میرے لڑکا کیسے ہوگا؟ میں نے بڑھاپے کی حدود کو چھولیا ہے اور بیوی بانجھ ہے، یعنی ظاہری اسباب موجود نہیں، جواب ملا: اسی حال میں لڑکا ہوگا، اللہ کی قدرت سلسلۂ اسباب کی پابند نہیں، گو سلسلۂ اسباب ومسببات ہے، مگر خرقِ عادت بھی ہے۔

جب حوصلہ ملا تو عرض کیا: مجھے کوئی ایسی علامت بتادیں کہ حمل ٹھہر گیا ہے، تاکہ خوشی دوبالا ہو، اب شکرِ نعمت میں قدم آگے بڑھاؤں۔ جواب دیا: جب تمہیں یہ حالت پیش آئے کہ تین رات دن تک لوگوں سے بات کرنے کو جی نہ چاہے، اشارہ ہی سے بات کہہ سکو تو سمجھ لو کہ حمل قرار پا گیا، پس اللہ کو بکثرت یاد کرو، اور صبح وشام تسبیح میں لگے رہو۔

فائدہ: سالک (ذاکر) کو کبھی ایسی حالت پیش آتی ہے، کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا، جی چاہتا ہے کہ بس ذکر وعبادت میں لگے رہیں، اور یہ حالتِ انقباض نہیں ہے، حالتِ انقباض میں تو ذکر وعبادت کرنے کو جی نہیں چاہتا، اس کو حالتِ انبساط کہہ سکتے ہیں، اس میں ہر وقت ذکر وعبادت میں لگے رہنے کو جی چاہتا ہے، کوئی بات کہنی ہوتی ہے تو آدمی اشارہ کر دیتا ہے۔

فائدہ: تأہّل (گھربار) کی زندگی افضل ہے، یا تجرّد (یارنہ بار) کی زندگی بہتر ہے؟ امت کا فیصلہ ہے کہ عام حالات میں تأہّل کی زندگی افضل ہے، اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا خصوصی حال تھا، **لأن أفضل ھذہ الأمۃ أکثرھا نساء**: نبی ﷺ کے نکاح میں نو ازواج جمع ہوئی ہیں، پس یہ فعلاً نکیر (عدم رضا) ہے۔

آیاتِ کریمہ: وہیں ـــــ یعنی مریمؑ کے پاس یا اسی زمانہ میں ﴿هُنَالِكَ﴾ ظرفِ مکان بھی ہے اور زمان بھی ـــــ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے خاص اپنے پاس سے نیک اولاد عطا فرما! بے شک آپ بہت دعا سننے والے ہیں، پس فرشتوں نے ان کو پکارا (دور سے بتایا) جبکہ وہ عبادت کے کمرے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوش خبری دیتے ہیں، جو اللہ کے ایک بول کی تصدیق کرنے والا، اور سردار، اور بہت زیادہ ضبطِ نفس کرنے والا، اور پیغمبر، نیکوکاروں میں سے ہوگا، عرض کیا: میرے پروردگار! میرے کس طرح لڑکا ہوگا، مجھے بڑھاپا آگیا ہے، اور میری بیوی بانجھ ہے؟ کہا: اسی طرح! کرتے ہیں اللہ جو چاہتے ہیں، عرض کیا: میرے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کردیجئے! فرمایا: آپ کے لئے نشانی یہ ہے کہ آپ تین دن تک لوگوں سے بات نہ کریں، مگر اشارے سے، اور اپنے پروردگار کو خوب یاد کریں، اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کریں۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَىٰكِ عَلَىٰ نِسَآءِ الْعَٰلَمِينَ ﴿٤٢﴾ يَٰمَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾ ذَٰلِكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَٰمَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ص وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٤﴾ إِذْ قَالَتِ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٥﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّٰلِحِينَ ﴿٤٦﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضَىٰٓ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٤٧﴾

وَإِذْ قَالَتِ	اور (یاد کرو) جب	الْمَلَٰٓئِكَةُ[1]	فرشتوں نے	إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ نے
قَالَتِ	کہا	يَٰمَرْيَمُ	اے مریم	اصْطَفَىٰكِ	چن لیا تم کو

(۱) الملائکۃ (جمع) سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں، اور ایک لئے تعظیماً جمع استعمال کرتے ہیں (روح)

وَطَهَّرَكِ	اور پاک کیا تم کو	اَيُّهُمْ	ان میں سے کون	النَّاسَ	لوگوں سے
وَاصْطَفٰكِ	اور چن لیا تم کو	يَكْفُلُ	پرورش کرے	فِي الْمَهْدِ	پالنے میں
عَلٰى نِسَآءِ	عورتوں پر	مَرْيَمَ	مریم کی	وَكَهْلًا (۳)	اور بڑی عمر میں
الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کی	وَمَا كُنْتَ	اور نہیں تھے آپ	وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ	اور نیکوکاروں سے
يٰمَرْيَمُ	اے مریم	لَدَيْهِمْ	ان کے پاس	قَالَتْ	کہا مریم نے
اقْنُتِيْ (۱)	اطاعت کرو تم	اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ	جب وہ جھگڑ رہے ہیں	رَبِّ	اے میرے پروردگار
لِرَبِّكِ	اپنے رب کی	اِذْ قَالَتِ	(یاد کرو) جب کہا	اَنّٰى يَكُوْنُ	کیسے ہوگا
وَاسْجُدِيْ	اور سجدہ کرو تم	الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتوں نے	لِيْ وَلَدٌ	میرے لئے بچہ
وَارْكَعِيْ	اور رکوع کرو تم	يٰمَرْيَمُ	اے مریم	وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ	اور نہیں ہاتھ لگایا مجھے
مَعَ الرّٰكِعِيْنَ	رکوع کرنے والوں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	بَشَرٌ	کسی آدمی نے
	کے ساتھ	يُبَشِّرُكِ	خوشخبری دیتے ہیں تم کو	قَالَ كَذٰلِكِ	فرمایا: اسی طرح
ذٰلِكَ	یہ (باتیں)	بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ (۲)	اپنے ایک بول کی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
مِنْ اَنْۢبَآءِ	خبروں سے ہیں	اسْمُهُ	اس کا نام	يَخْلُقُ	پیدا کرتے ہیں
الْغَيْبِ	غیب کی (بن دیکھی)	الْمَسِيْحُ عِيْسَى	مسیح (مبارک) عیسیٰ	مَا يَشَآءُ	جو چاہتے ہیں
نُوْحِيْهِ	وحی کرتے ہیں ہم اس کو	ابْنُ مَرْيَمَ	بیٹا مریم کا	اِذَا قَضٰٓى	جب طے کرتے ہیں
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	وَجِيْهًا	بڑے مرتبہ والا	اَمْرًا	کوئی کام
وَمَا كُنْتَ	اور نہیں تھے آپ	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	فَاِنَّمَا	تو اس کے سوا نہیں کہ
لَدَيْهِمْ	ان کے پاس	وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	يَقُوْلُ لَهٗ	کہتے ہیں اس سے
اِذْ يُلْقُوْنَ	جب ڈال رہے ہیں وہ	وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ	اور مقرب لوگوں میں سے	كُنْ	ہوجا
اَقْلَامَهُمْ	اپنے قلم	وَيُكَلِّمُ	اور بات کرے گا	فَيَكُوْنُ	پس وہ ہوجاتا ہے

(۱) اقنتی: فعل امر، صیغہ واحد مؤنث حاضر، قَنَتَ (ن) قُنُوْتًا: خدا کا فرمانبردار ہونا، کمال انکساری کے ساتھ اظہار بندگی کرنا۔
(۲) کلمۃ منہ: اضافت بواسطہ من ہے، اور سورۃ النساء (آیت ۱۷۱) میں ﴿ كَلِمَتُهٗ ﴾ بلاواسطہ اضافت ہے (۳) الکھل: ادھیڑ عمر کا، تیس سال سے پچاس سال کی عمر کا آدمی۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی ذہن سازی

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا تذکرہ تو عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی تمہید میں آتا ہی ہے، اب حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی قبل از وقت ذہن سازی کرتے ہیں، فرشتوں نے حضرت مریمؑ سے کہا: ''اللہ نے آپ کو چن لیا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ اپنی قدرت ظاہر کریں گے، آپ باپ کے بغیر بیٹا جنیں گی، اور اس مقصد سے آپ کو پاک صاف رکھا ہے، تاکہ کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے، اور آپ کو دنیا جہاں کی عورتوں میں سے چن لیا ہے، یعنی اللہ نے اپنی قدرت ظاہر کرنے کے لئے آپ کا انتخاب کیا ہے، پس اے مریم! آپ کو چاہئے کہ ہر وقت اپنے پروردگار کی اطاعت میں لگی رہیں، عبادت کرتی رہیں، اور اطاعت کا اعلیٰ فرد یہ ہے کہ آپ باجماعت نماز کی پابندی رکھیں۔

فائدہ: عورتوں کے لئے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے لئے آنا فی نفسہ ممنوع نہیں، خوفِ فتنہ کی وجہ سے ممنوع ہے، پس جو عورت مسجد میں رہتی ہے وہ باجماعت نماز پڑھے گی، اسی طرح اگر کسی عورت کے لئے نماز پڑھنے کی کوئی جگہ نہ ہو تو وہ بھی مسجد میں جا کر باجماعت یا بے جماعت نماز پڑھ سکتی ہے، اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے لئے چونکہ ان کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام نے بیت المقدس میں ایک کمرہ خاص کر دیا تھا، جس میں وہ رہتی تھیں اور اللہ کی عبادت کرتی تھیں، اس لئے فرشتوں نے ان سے کہا کہ وہ باجماعت نماز پڑھا کریں۔

﴿ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ نے تم کو چن لیا ہے، اور تم کو پاک صاف رکھا ہے، اور تم کو دنیا جہاں کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب کیا ہے، اے مریم! اپنے رب کی فرمان برداری کریں، اور سجدہ کریں —— یعنی عبادتیں کریں —— اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کریں —— یعنی باجماعت نماز پڑھیں —— اور رکوع پانے والا رکعت پاتا ہے اس لئے ارکانِ نماز میں سے رکوع کو خاص کیا ہے۔

سوال: کہتے ہیں: اہل کتاب کی نماز میں رکوع و سجود نہیں تھے، آج بھی وہ اپنی نمازوں میں رکوع سجدہ نہیں کرتے، پھر ﴿ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾ کیسے درست ہوگا؟

جواب: قرآن و حدیث کے کلام میں مخاطبین کے محاورات کی رعایت ہوتی ہے ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾: اللہ تعالیٰ تختِ شاہی پر متمکن ہوئے، اور یاجوج و ماجوج آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے، یہ موجودین کے محاورات میں کلام ہے، اسی طرح اس آیت میں بھی اس امت کے تعلق سے کلام ہے، اور ﴿ وَاسْجُدِيْ ﴾ مستقل ہے کہ کمال انکساری

کے ساتھ اظہار عاجزی کریں، تنہا بھی عبادت کریں اور ﴿ وَارْكَعِي مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾: رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کریں، یعنی باجماعت نماز پڑھیں، تاکہ نماز کی پابندی رہے۔ حدیث میں ہے کہ جہاں تین آدمی بستے ہوں اگر وہ باجماعت نماز نہیں پڑھیں گے تو شیطان ان پر غالب آجائے گا، یعنی وہ پابندی سے نماز نہیں پڑھ سکیں گے۔

حضرت مریمؑ کی بلند کرداری نبی کے گھر میں پرورش پانے کی وجہ سے تھی

حضرت مریمؑ سے فرشتوں نے تین باتیں کہی ہیں۔ اللہ نے آپ کو چن لیا ہے، اللہ نے آپ کو سب عورتوں میں سے منتخب کیا ہے، یہ دونوں باتیں ایک ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اپنی قدرتِ کاملہ ظاہر فرمائیں گے، باپ کے بغیر آپ بچہ جنیں گی، اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں تھی، یہ تو اللہ کا انتخاب ہے۔ اور تیسری بات یہ کہی تھی کہ اللہ نے آپ کو پاک صاف رکھا ہے، عالم اسباب میں آپؑ کی بلند کرداری کی وجہ کیا تھی؟ اس کو بیان فرماتے ہیں کہ اللہ نے آپؑ کی پرورش نبیٔ وقت کے گھر میں کرائی، اور گھر کے ماحول کا گھر کے افراد پر اثر پڑتا ہے، اس لئے حضرت مریمؑ نزاہت وطہارت میں بلند کردار پروان چڑھیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو بیت المقدس کے حوالے کیا گیا تو ان کی پرورش کے معاملہ میں اختلاف ہوا، ہر مجاور پرورش کرنے کا خواہش مند تھا، کیونکہ ان کی مقبولیت کی اطلاع دی جا چکی تھی، پس فیصلہ کراماتی قرعہ اندازی پر ٹھہرا، طے پایا کہ سب بہتے پانی میں اپنے قلم ڈالیں، جس کا قلم پانی میں بہہ جائے وہ ہارا، اور جس کا قلم پانی پر چڑھے وہ جیتا، حضرت زکریا علیہ السلام کامیاب ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: عَالَ قلمُ زکریا (بخاری شریف، کتاب الشہادات، باب ۳۰) اس طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا اپنی خالہ اور خالو کی پرورش میں آگئیں۔

اس واقعہ کو قرآن نے دو حصوں میں تقسیم کرکے بیان کیا ہے، اور واقعہ کے اجزاء کو مقدم ومؤخر کیا ہے، تاکہ دونوں حصے نبی ﷺ کی صداقت کی مستقل دلیل بنیں، فرماتے ہیں: جب وہ لوگ پانی میں قلم ڈال رہے تھے تو آپؐ وہاں موجود نہیں تھے، نیز جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے اس وقت بھی آپؐ وہاں موجود نہیں تھے، اور آپؐ امی تھے، اہل کتاب کی کتابوں کا مطالعہ آپ نے نہیں کیا تھا، نہ ان کے ساتھ میل جول رہا تھا، پھر اتنی صحت کے ساتھ آپؐ واقعات کیسے بیان کر رہے ہیں؟

جواب: آپؐ بیان نہیں کر رہے، بلکہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی طرف وحی کر رہے ہیں، پس یہ بیان آپؐ کے نبی برحق ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ وحی انبیاء ہی پر آتی ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپؐ عالم الغیب نہیں، جو باتیں آپؐ کو وحی سے بتائی جاتی تھیں وہی آپ ﷺ بتاتے تھے۔

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ ﴾

ترجمہ: یہ (بیان) بن دیکھی باتوں میں سے ہے، ہم اس سے آپؐ کو باخبر کررہے ہیں، اور آپ اُن لوگوں کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی پرورش کرے؟ —— یہ واقعہ کا آخری حصہ ہے —— اور آپ اُس وقت (بھی) ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے —— یہ واقعہ کا ابتدائی حصہ ہے۔

وقت پر فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو صاف صاف لڑکے کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی

پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کا وقت آیا تو فرشتوں نے دوبارہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو صاف صاف بتایا کہ آپ "اللہ کے حکم" سے لڑکا جنیں گی، اور اس لڑکے کے تعلق سے پانچ باتیں بھی بتائیں:

۱- اس لڑکے کا لقب مسیح (مبارک) ہوگا، اس کا نام عیسیٰ ہوگا، اور مریم کا یعنی آپ کا بیٹا ہوگا، اس کا کوئی باپ نہیں ہوگا جس کی طرف وہ منسوب ہو، اور وہ اللہ کا بیٹا نہیں ہوگا، بلکہ کلمہ کُن سے پیدا ہوگا۔

۲- وہ لڑکا دنیا وآخرت میں باوقار ہوگا، دنیا میں اس کو حرامی کہہ کر کوئی بدنام نہیں کر سکے گا، اور آخرت میں تو چونکہ وہ نبی ہے، اس لئے باعزت ہوگا ہی!

۳- وہ اللہ کا مقرب بندہ ہوگا، دوسرے مقرب بندوں کی طرح وہ بھی اللہ کا پسندیدہ بندہ ہوگا۔

۴- وہ پیدا ہوتے ہی لوگوں سے بات کرے گا، اور اپنا بندہ ہونا اور خدا کی قدرت سے پیدا ہونا بیان کرے گا، پھر بڑی عمر میں بھی وہ لوگوں سے بات کرے گا یعنی اس کو زندہ آسمان پر اٹھالیا جائے گا، پھر بڑی عمر میں اس کو زمین پر اتارا جائے گا، اس وقت بھی وہ لوگوں سے باتیں کرے گا۔

۵- وہ اللہ کا نیک بندہ ہوگا، یہ مکرر وصف ہے، تاکہ ان کا بندہ ہونا واضح ہو، اور ان کے خدا ہونے کی یا خدا کا بیٹا ہونے کی نفی ہو۔

جب فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو یہ خوش خبری سنائی، تو اگرچہ پہلے ان کی ذہن سازی کی جاچکی تھی، مگر ان کو اس خبر سے اچنبھا ہوا —— اور بات تھی ہی اچنبھے کی! —— انھوں نے عرض کیا: الٰہی! میرے بچہ کیسے ہوگا، مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا یعنی میری شادی نہیں ہوئی، اس سے عیسائیوں کے عقیدے کی تردید ہوگئی، انھوں نے یوسف نامی فرضی آدمی کو باپ تجویز کیا ہے —— اللہ کی طرف سے جواب آیا: اسی طرح ہوگا یعنی بغیر باپ کے بچہ ہوگا، اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے، وہ جو چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں، کیا انھوں نے آدم وحوا علیہما السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا

نہیں کیا؟ اور کیا آج بھی ہزاروں جاندار مٹی سے پیدا نہیں ہوتے؟ پس ان کے لئے صرف ماں سے بچہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ وہ جب کسی کام کا فیصلہ کرتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں: ہو، پس وہ ہو جاتا ہے ـــــ اور 'ہو' کہنا بھی ارادہ کی تعبیر ہے، ہو کہنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی، اللہ کا ارادہ ہی چیزوں کے وجود کی علت ہے۔

﴿إِذْ قَالَتِ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّٰلِحِينَ ۝ قَالَتْ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضَىٰٓ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝﴾

ترجمہ: (یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: "اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں خوش خبری دیتے ہیں اپنے ایک کلمہ (بول) کی ـــــ یعنی اللہ کے محض حکم سے تم بچہ جنوگی ـــــ جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا، وہ باوقار ہوگا دنیا و آخرت میں، اور مقرب بندوں میں سے ہوگا، وہ لوگوں سے بات کرے گا پالنے میں اور بڑی عمر میں، اور نیکوں میں سے ہوگا" ـــــ مریمؑ نے عرض کیا: "اے میرے پروردگار! میرے بچہ کیسے ہوگا، درانحالیکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا؟" ـــــ فرمایا: "اسی حالت میں ہوگا!" اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں، جب وہ کوئی کام کرنا طے کرتے ہیں تو بس اس سے کہتے ہیں: 'ہو' پس وہ ہو جاتا ہے۔

سوال: توالد و تناسل کا جو سلسلہ آدم و حوا علیہما السلام کے بعد سے مرد و زن کے ذریعہ چل رہا تھا، اس کو عیسیٰ علیہ السلام میں ایک فرد (ماں میں) کیوں جمع کیا، کسی اور میں اللہ نے یہ قدرت کیوں ظاہر نہیں کی؟ یعنی اس قدرت کے اظہار کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کی وجہ کیا ہے؟

جواب: عیسیٰ علیہ السلام میں اللہ نے اپنی یہ قدرت اس لئے ظاہر کی کہ وہ نبی ﷺ کی ختم نبوت کی دلیل (نشانی) بنے، نبی ﷺ عیسیٰ علیہ السلام سے متصل آئے ہیں، درمیان میں کوئی نبی نہیں، آپ عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو ستر سال بعد آئے ہیں، اور حسّی سلسلہ ایک فرد میں جمع کرنا زیادہ مستبعد ہے معنوی سلسلہ جمع کرنے سے، پس عیسیٰ علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے یہ کرشمہ دکھایا تاکہ لوگ، خاص طور پر بنی اسرائیل، اس سے ختم نبوت کامل پر استدلال کریں، مگر افسوس! خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا!

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَىٰةَ وَالْإِنجِيلَ ۝ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِـَٔايَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ أَنِّيٓ أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ

فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝

وَيُعَلِّمُهُ	اور سکھلائیں گے وہ ان کو	اَنِّيْٓ	کہ میں	بِاِذْنِ اللّٰهِ	بہ حکم خداوندی
الْكِتٰبَ	اپنی کتاب (قرآن)	اَخْلُقُ لَكُمْ	بناؤں گا تمہارے لئے	وَ اُنَبِّئُكُمْ	اور آگاہ کرونگا میں تم کو
وَالْحِكْمَةَ	اور دانائی کی باتیں	مِّنَ الطِّيْنِ	مٹی سے	بِمَا تَاْكُلُوْنَ	اس سے جو کھاتے ہو تم
	(حدیثیں)	كَهَيْـَٔةِ [۳]	جیسے شکل	وَمَا تَدَّخِرُوْنَ	اور جو ذخیرہ کرتے ہو تم
وَ التَّوْرٰىةَ	اور تورات	الطَّيْرِ	پرندے کی	فِيْ بُيُوْتِكُمْ	اپنے گھروں میں
وَالْاِنْجِيْلَ	اور انجیل	فَاَنْفُخُ فِيْهِ	پھر پھونکوں گا اس میں	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں
وَرَسُوْلًا [۱]	اور (بھیجیں گے ان کو)	فَيَكُوْنُ	پس ہو جائے گا وہ	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی ہے
	رسول بنا کر	طَيْرًا	پرندہ (اڑنے والا)	لَّكُمْ	تمہارے لئے
اِلٰى بَنِيْٓ	بنی اسرائیل کی طرف	بِاِذْنِ اللّٰهِ	بہ حکم خداوندی	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
اِسْرَآءِيْلَ		وَاُبْرِئُ	اور چنگا کروں گا میں	مُّؤْمِنِيْنَ	ماننے والے
اَنِّيْ قَدْ [۲]	(کہیں گے) کہ میں تحقیق	الْاَكْمَهَ	مادرزاد اندھے کو	وَمُصَدِّقًا [۴]	اور (آیا ہوں میں) سچا
جِئْتُكُمْ	آیا ہوں تمہارے پاس	وَالْاَبْرَصَ	اور کوڑھی کو		بتانے والا بن کر
بِاٰيَةٍ	بڑی نشانی کے ساتھ	وَاُحْيِ	اور زندہ کرونگا میں	لِمَا بَيْنَ	اس کتاب کو جو مجھ سے
مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	الْمَوْتٰى	مردوں کو	يَدَيَّ	پہلے آئی ہے

(۱) رسولاً: کا عامل یَبْعَثُہ محذوف ہے (۲) انی سے پہلے یقول محذوف ہے (۳) روح پڑنے سے پہلے محض پرندے کی شکل ہوتی ہے۔ (۴) مصدقا: کا عامل جِئتُ محذوف ہے۔

مِنَ التَّوْرٰىةِ	یعنی تورات	وَجِئْتُكُمْ (۱)	اور آیا ہوں میں تمہارے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
وَلِاُحِلَّ	تاکہ جائز کروں میں		پاس	رَبِّیْ	میرے پروردگار ہیں
لَكُمْ	تمہارے لئے	بِاٰيَةٍ	بڑی نشانی کے ساتھ	وَرَبُّكُمْ	اورتمہارے پروردگار ہیں
بَعْضَ الَّذِیْ	بعض وہ چیزیں جو	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	فَاعْبُدُوْهُ	پس عبادت کرو ان کی
حُرِّمَ	حرام کی گئی ہیں	فَاتَّقُوا اللّٰهَ	پس ڈرو اللہ سے	هٰذَا صِرَاطٌ	یہ راستہ ہے
عَلَيْكُمْ	تم پر	وَاَطِيْعُوْنِ	اور کہا مانو میرا	مُّسْتَقِيْمٌ	سیدھا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ

خاص علوم، خاص نبوت، معجزات، سابقہ شریعت کی اصلاح، توحید کی تعلیم

۱۔خاص علوم: انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے، پس اس کا علم اللہ نے ان کو عطا فرمایا، اور انجیل تورات کا ضمیمہ ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعتِ موسوی پر مبعوث کئے گئے ہیں، اس لئے ضروری تھا کہ تورات کا علم بھی ان کو دیا جائے، اور آخر زمانہ میں جب ان کا نزول ہوگا تو شریعتِ محمدی کی پیروی کریں گے، اور اسی کے مطابق امتِ محمدیہ کی راہ نمائی کریں گے، پس ضروری ہوا کہ قرآن وحدیث کا بھی ان کو علم دیا جائے، ان کے زمانہ میں ان کو تورات وانجیل کا علم دیا، اور آخر زمانہ میں ان کو قرآن وحدیث سکھلائیں گے، انبیاء کسی سے پڑھتے نہیں، اللہ ان کو علم دیتے ہیں، پس یہ چار علوم عیسیٰ علیہ السلام کے خاص علوم ہیں۔

اور یہاں اور سورۃ المائدہ (آیت ۱۱۰) میں کتاب وحکمت کو مقدم کیا ہے، حالانکہ ان کا علم بعد میں عطا فرمایا جائے گا، ایسا ان کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کیا ہے، جیسا میراث کی آیتوں میں وصیت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اس کو تین جگہ دَین پر مقدم کیا ہے۔پس یہ آیت رفعِ عیسیٰ اور نزولِ عیسیٰ کی دلیل ہے۔

فائدہ: کتاب وحکمت کے الفاظ قرآن میں پانچ جگہ آئے ہیں، تین جگہ نبی ﷺ کے فرائض کے تذکرے میں اور دو جگہ عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں، سورۃ البقرۃ (آیت ۱۵۱) میں، سورۃ آلِ عمران (آیت ۱۶۴) میں اور سورۃ الجمعہ (آیت ۲) میں نبی ﷺ کے تعلق سے یہ الفاظ آئے ہیں، اور وہاں قطعی طور پر قرآن وحدیث مراد ہیں، پس جو عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں یہ الفاظ آئے ہیں ان سے بھی قطعی طور پر قرآن وحدیث مراد ہیں، کیونکہ قرآن: قرآن کی تفسیر کرتا ہے۔

(۱) وجئتکم: تمہید لوٹا کر اگلی بات کہی ہے، یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے۔

﴿ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خاص کتاب (قرآن) اور دانائی کی باتیں (حدیثیں) اور تورات وانجیل سکھلائیں گے۔

خاص نبوت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لئے مبعوث کئے گئے تھے، وہ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم تھے، یہاں اور سورۃ الصّف (آیت ۶) میں اس کی صراحت ہے، بعد میں پولوس نے ان کے مذہب کو عام کیا۔

﴿ وَرَسُولًا إِلٰى بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴾

ترجمہ: اور (بھیجا ان کو) رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف۔

معجزات: اللہ تعالیٰ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دعوت کے کام پر مامور فرماتے ہیں تو ان کو اثباتِ دعویٰ کے لئے اور لوگوں کو قائل و مائل کرنے کے لئے معجزات عطا فرماتے ہیں، اور ہر پیغمبر کو اس کے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق معجزات دیئے جاتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا، اس لئے ان کو عصا اور ید بیضاء کے معجزات عطا ہوئے، اور عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ طب وحکمت کا زمانہ تھا، اسی مناسبت سے ان کو چار معجزات دیئے گئے:

۱- حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی کی مورت بناتے تھے، پھر جب اس میں پھونکتے تھے تو وہ بہ اذنِ الٰہی اڑنے لگتی تھی۔

۲- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مادرزاد نابینا چنگا اور کوڑھی تندرست ہوجاتا تھا۔

۳- آپ بہ حکم الٰہی مردے کو زندہ کرتے تھے۔

۴- لوگ گھروں میں کیا کھا کر آئے، اور گھروں میں کیا رکھا ہے: اس کو بتا دیتے تھے۔

ان معجزات کی تفصیل ممکن نہیں، آثار مفسرین کے سہارے بات کرنا اٹکل پچو ہے۔ پس اجمال ہی بہتر ہے۔

﴿ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ أَنِّيٓ أَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّينِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًۢا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ ۙ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴾

ترجمہ: (وہ بنی اسرائیل سے کہیں گے:) میں تم لوگوں کے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی نشانی لے کر آیا ہوں ـــــ یہ تمہید ہے، اسی کو آگے لوٹا کر توحید کی تعلیم دیں گے ـــــ (۱) میں مٹی سے تمہارے لئے مورت بناؤں گا، پھر اس میں پھونکوں گا تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگے گی (۲) اور (میں اللہ کے حکم سے) پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو تندرست کروں گا (۳) اور اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کرونگا (۴) اور میں تمہیں بتاؤں گا جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو ـــــ بےشک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانیاں ہیں اگر تمہیں ایمان لانا ہے۔

تنبیہ: تیسرے معجزہ کے ساتھ جو﴿ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ہے وہ دوسرے معجزہ کے ساتھ بھی ہے، اور یہ بار باراس لئے لایا گیا ہے کہ لوگ جان لیں کہ یہ اللہ کے افعال ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے ذاتی کام نہیں۔

شریعتِ موسوی کی جزوی اصلاح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام: موسیٰ علیہ السلام کی ملت پر مبعوث کئے گئے تھے، جیسے ہمارے نبی ﷺ ملتِ اسماعیلی پر مبعوث کئے گئے ہیں، پس ضروری تھا کہ اصل ملت کو باقی رکھ کر اس میں ضروری اصلاح کی جائے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں، وہ اللہ کی سچی کتاب ہے، البتہ اس میں بعض چیزیں جو بنی اسرائیل پر حرام کی گئی ہیں، مثلاً: اونٹ کا گوشت، اور دودھ اور حلال جانور کے پیٹ کی چربی: میں ان کی حلت بیان کرنے کے لئے آیا ہوں، اب وہ چیزیں حرام نہیں رہیں، یہ جزوی نسخ ہے، اس سے تورات کی تصدیق پر اثر نہیں پڑتا، جیسے قرآنِ کریم گذشتہ کتابوں کا مصدق ہے، پھر ان کے بعض احکام کو بدلتا ہے، یہ بھی جزوی نسخ ہے، اس سے سابقہ کتابوں کی تردید نہیں ہوتی۔

﴿ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ﴾

ترجمہ: اور (میں آیا ہوں) اس تورات کو سچا بتانے والا بن کر جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے، اور (میں آیا ہوں) تاکہ بعض وہ چیزیں تمہارے لئے حلال کروں جو تم پر حرام کی گئی تھیں۔

توحید کی تعلیم: پھر تمہید لوٹا کر توحید کا درس دیا ہے کہ جب تم میری صداقت کی نشانیاں دیکھ چکے تو اب اللہ سے ڈرو، اور میری باتیں سنو: ساری باتوں کی جڑ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی، میں ان کا بیٹا نہیں ہوں، بندہ ہوں، لہٰذا اسی کی بندگی کرو، میں بھی اسی کی بندگی کرتا ہوں، یہی دین کا سیدھا راستہ ہے، اسی راستہ پر چل کر بندے اللہ تک پہنچ سکتے ہیں۔

﴿ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۵۱ ﴾

ترجمہ: اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے پاس سے بڑی نشانیاں لے کر آیا ہوں —— یہ تمہید لوٹائی ہے —— پس اللہ سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو —— میرا کہنا کیا ہے؟ —— اللہ تعالیٰ ہی میرے پروردگار ہیں اور تمہارے بھی پروردگار ہیں، پس اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے!

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۵۲ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا

الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

فَلَمَّآ اَحَسَّ	پس جب محسوس کیا	الْحَوَارِيُّوْنَ (۱)	حواریوں نے	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم
عِيْسٰى	عیسیٰ نے	نَحْنُ اَنْصَارُ	ہم مددگار ہیں	بِمَآ اَنْزَلْتَ	اس (انجیل) پر جو آپ
مِنْهُمُ	ان (بنی اسرائیل) سے	اللّٰهِ	اللہ کے		نے اتاری
الْكُفْرَ	انکار	اٰمَنَّا بِاللّٰهِ	ایمان لائے ہم اللہ پر	وَاتَّبَعْنَا	اور پیروی کی ہم نے
قَالَ	کہا	وَاشْهَدْ	اور گواہ رہیں آپ	الرَّسُوْلَ	(آپ کے) رسول
مَنْ اَنْصَارِيْٓ	کون میرا مددگار ہے	بِاَنَّا (۲) مُسْلِمُوْنَ	کہ ہم اطاعت کرنے		(عیسیٰ) کی
اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف		والے ہیں	فَاكْتُبْنَا	پس لکھ دیجئے ہمیں
قَالَ	کہا	رَبَّنَآ	اے ہمارے پروردگار!	مَعَ الشّٰهِدِيْنَ	گواہی دینے والوں کے ساتھ

بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول نہیں کی

اگرچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پہلے سے کلمۃ اللہ کی آمد کا اعلان کررہے تھے، مگر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو عام طور پر بنی اسرائیل نے ان کی دعوت قبول نہیں کی، اور یحییٰ علیہ السلام کو شہید کردیا، اب عیسیٰ علیہ السلام تنہا رہ گئے، پس انھوں نے آواز لگائی: کون میرا ساتھ دیتا ہے؟ اللہ کے دین کو پھیلانے میں کون میرا مددگار بنتا ہے؟ دو دھوبیوں نے جو اسرائیلی تھے لبیک کہا، پھر اور بھی حضرات ساتھ ہوگئے، کہتے ہیں: کل بارہ حضرات نے دعوت قبول کی، انہیں کی محنت سے عیسائیت کو قبولِ عام حاصل ہوا، یہ مضمون سورۃ الصّف کی آخری آیت میں بھی ہے۔

حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی بات قبول کرکے اللہ کے سامنے اقرار کیا کہ ہم انجیل پر ایمان لائے، اور حاملِ انجیل کے حلقہ بگوش ہوئے، یہ آپ کی توفیق سے ہوا، لہٰذا آپ ایمان لانے والوں کی فہرست میں ہمارا نام ثبت فرمادیں، تاکہ ہمارا نام رجسٹرڈ ہوجائے اور ارتداد کا احتمال نہ رہے۔

آیاتِ کریمہ: پس جب عیسیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف سے انکار دیکھا تو اس نے آواز لگائی: اللہ کے دین میں میرا کون مددگار ہے؟ حواریوں نے جواب دیا: ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، اور (اے پیغمبر)

(۱) حواری کے معنی ہیں: دھوبی، کپڑے صاف کرنے کی وجہ سے حواری کہلائے، پہلے دو شخص جو ایمان لائے وہ دھوبی تھے، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے سب صحابہ کا یہی لقب ہوگیا۔ (۲) اَنَّا: اصل میں اَنَّ نَا تھا، نون کا نون میں ادغام کیا ہے، اَنَّ: حرفِ مشبہ بالفعل اور نا ضمیر جمع متکلم ہے، اور سورۃ المائدہ میں اَنَّنَا: فکِّ ادغام کے ساتھ ہے۔

آپ گواہ رہیں کہ ہم احکام الٰہی کو قبول کرتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! آپ نے جو کتاب (انجیل) نازل کی ہے ہم اس پر ایمان لائے، اور ہم نے آپ کے رسول (عیسیٰ علیہ السلام) کی پیروی کی، پس آپ ہمیں حق کی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دیں۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُھُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَھُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝

وَمَكَرُوْا [1]	اور سازش کی یہود نے	اِذْ	(یاد کرو) جب	وَرَافِعُكَ	اور اٹھانے والا ہوں تجھے
وَمَكَرَ	اور خفیہ تدبیر کی	قَالَ اللّٰهُ	فرمایا اللہ نے	اِلَيَّ	اپنی طرف
اللّٰهُ	اللہ نے	يٰعِيْسٰٓى	اے عیسیٰ	وَمُطَهِّرُكَ	اور پاک کرنے والا ہوں تجھے
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اِنِّىْ	بے شک میں		
خَيْرُ	بہترین	مُتَوَفِّيْكَ [2]	پورا وصول کرنے والا ہوں تجھے	مِنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جنھوں نے
الْمٰكِرِيْنَ	تدبیر کرنے والے ہیں			كَفَرُوْا	انکار کیا

(۱) مَکر کے معنی ہیں: لطیف اور خفیہ تدبیر، وہ اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی، بری کو سازش اور چال کہتے ہیں، سورۃ الفاطر (آیت ۴۳) میں ہے: ﴿اَلْمَكْرُ السَّيِّئُ﴾: بری چال، اس سے معلوم ہوا کہ مکر اچھا بھی ہوتا ہے، اس کو تدبیر کہتے ہیں۔

(۲) متوفی: اسم فاعل: مصدر تَوَفِّیْ: پورا وصول کرنا، خواہ موت کی شکل میں ہو، یا نیند میں یا بیداری میں، شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے: ''میں لے لوں گا تجھ کو'' اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے: ''میں تم کو وفات دینے والا ہوں'' رافعك کا عطف تفسیری ہے تو پہلے معنی ہیں، اور مغائرت ہے تو دوسرے معنی ہیں، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نزول کے بعد موت آئے گی، وہ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ کے قانون سے مستثنیٰ نہیں، اور رافعك پر متوفيك کی تقدیم اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہوگی، جیسے میراث کی آیات میں وصیت کی دَین (قرض) پر تقدیم اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

وَجَاعِلُ	اور بنانے والا ہوں	فِيۡمَا	اس بات کا جو	مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ	کوئی مددگار
الَّذِيۡنَ	ان لوگوں کو جنھوں نے	كُنۡتُمۡ فِيۡهِ	تھے تم اس میں	وَاَمَّا	پس رہے وہ
اتَّبَعُوۡكَ	تیری پیروی کی	تَخۡتَلِفُوۡنَ	اختلاف کرتے	الَّذِيۡنَ	جو
فَوۡقَ الَّذِيۡنَ	بالا ان سے جنھوں نے	فَاَمَّا الَّذِيۡنَ	پس رہے جو لوگ	اٰمَنُوۡا	ایمان لائے
كَفَرُوۡۤا	(تیرا) انکار کیا	كَفَرُوۡا	انکار کیا انھوں نے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
اِلٰى يَوۡمِ	دن تک	فَاُعَذِّبُهُمۡ	تو سزا دوں گا میں ان کو	الصّٰلِحٰتِ	اچھے کام
الۡقِيٰمَةِ	قیامت کے	عَذَابًا	سزا	فَيُوَفِّيۡهِمۡ	تو پورا دوں گا ان کو
ثُمَّ اِلَىَّ	پھر میری طرف	شَدِيۡدًا	سخت	اُجُوۡرَهُمۡ	ان کا بدلہ
مَرۡجِعُكُمۡ	تمہارا لوٹنا ہے	فِى الدُّنۡيَا	دنیا میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَاَحۡكُمُ	پس میں فیصلہ کروں گا	وَالۡاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے
بَيۡنَكُمۡ	تمہارے درمیان	وَمَا لَهُمۡ	اور نہیں ہوگا ان کے لئے	الظّٰلِمِيۡنَ	ناانصافوں کو

یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش کی اور اللہ نے ان کی حفاظت کی

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے بعد یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے، انھوں نے بادشاہ کے کان بھرے کہ یہ شخص ملحد (بددین) ہے، تورات کو بدلنا چاہتا ہے، قوم کو دینِ موسوی سے ہٹادے گا، بادشاہ نے مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دیدیا، اس وقت عیسیٰ علیہ السلام ایک گھر میں تھے، ایک شخص گرفتار کرنے کے لئے گھر میں گھسا، باقی باہر رہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا، اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیج کر عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا تھا، جب وہ شخص عیسیٰ علیہ السلام کو گھر میں نہ پاکر باہر نکلا تو اسی کو عیسیٰ سمجھ کر لوگوں نے پکڑلیا، اور اس کو لے جاکر سولی دیدی، سورۃ النساء (آیت ۱۵۷و۱۵۸) میں ہے: ﴿ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۝ بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ۝ ﴾: نہ انھوں نے عیسیٰ کو قتل کیا، اور نہ سولی دی، لیکن ان کے لئے ایک آدمی ہم شکل بنادیا گیا، اور جو لوگ اختلاف کرتے ہیں اس کے معاملہ میں وہ اس کے معاملہ میں شک میں مبتلا ہیں، ان کے پاس اس بارے میں کوئی قطعی علم نہیں، اٹکل پچو کے تیر چلارہے ہیں، اور انھوں نے عیسیٰ کو بالکل قتل نہیں کیا، بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ زبردست حکمت والے ہیں —— یہ تھی اللہ کی تدبیر جسے کوئی توڑ نہ سکا،

یہود کا پلان ناکام ہوگیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے ناپاک ہاتھوں سے صاف بچ گئے۔

﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے (یہود نے) سازش کی، اور اللہ نے خفیہ تدبیر کی، اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والے ہیں۔ (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے عیسیٰ! بے شک میں تمھیں پورا پورا وصول کرنے والا ہوں، اور تمھیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، اور تمھیں ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنھوں نے (تمہارا) انکار کیا۔

رفعِ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی امت کا کیا ہوا؟

بنی اسرائیل نے عام طور پر عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول نہیں کی، مگر ان کے بعد ان کا دین غالب ہو کر رہا، حواری تھوڑے تھے، وہ حسب ونسب کے اعتبار سے بھی کچھ معزز نہیں تھے، مگر انھوں نے بڑی قربانیاں دے کر بنی اسرائیل پر محنت کی تو ان میں دعوت پھیلی اور ایک جماعت تیار ہوئی، پھر کش مکش شروع ہوئی اور جہاد کی نوبت آئی، اللہ نے اہل حق کی مدد کی تو ان کا ہاتھ اوپر ہوگیا، اور آج تک عیسائی یہودیوں پر حاوی ہیں، اور قرآن کہتا ہے: قیامت تک وہ غالب رہیں گے اور یہودی ذلیل وخوار!

﴿ وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ﴾

ترجمہ: اور میں بنانے والا ہوں ان لوگوں کو جنھوں نے تیری پیروی کی ان لوگوں پر غالب جنھوں نے تیرا انکار کیا قیامت کی صبح تک!

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تین فریق ہیں:

۱- یہودی کہتے ہیں: وہ مسیح ضلالت (دجال) تھا، جس کو ہم نے کیفر کردار تک پہنچادیا، اور وہ مسیح ہدایت کا انتظار کررہے ہیں، چنانچہ جب دجال نکلے گا تو یہودی بڑھ کر اس کی پیروی کریں گے، ان کے نزدیک وہ مسیح ہدایت ہوگا۔

۲- عیسائی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں، اور ان کی مصلوبیت کے قائل ہیں، اور اسی سے انھوں نے کفارہ کا عقیدہ گھڑا ہے۔

۳- مسلمان کہتے ہیں: وہ مسیح ہدایت تھے، اللہ کے سچے رسول تھے، اللہ کے بندے تھے اور خاتم انبیائے بنی اسرائیل

تھے، وہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور آخر زمانہ میں زمین پر اتریں گے اور انصاف سے حکومت کریں گے۔

اس اختلاف کا فیصلہ کل قیامت کے دن ہوگا، منکرین (یہود و نصاریٰ) کو دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سخت سزا ملے گی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان سے نمٹیں گے، اور اس دن ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، جو اللہ کے عذاب سے ان کو بچالے، اور مسلمانوں کو جو عیسیٰ علیہ السلام کی واقعی پوزیشن کو مانتے ہیں اور انھوں نے نیک کام کئے ہیں پورا پورا بدلہ دیں گے، اور برخود غلط لوگوں کو (یہود و نصاریٰ) کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے۔

﴿ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹنا ہے —— یعنی جاؤ گے کہاں؟ آؤ گے میرے ہی پاس! —— پس میں تمہارے درمیان اس بات کا فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف کرتے ہو —— وہ فیصلہ کیا ہوگا؟ —— پس رہے وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا —— یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی واقعی پوزیشن کو نہیں مانا —— تو ان کو میں سخت سزا دوں گا دنیا اور آخرت میں، اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، اور رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے تو میں ان کو ان کا پورا بدلہ دوں گا، اور اللہ تعالیٰ غلط کار لوگوں کو پسند نہیں کرتے۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ۝ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۫ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْكٰذِبِیْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِالْمُفْسِدِیْنَ ۝

ع ۹ / ۱۴

ذٰلِكَ	وہ (بیان)	نَتْلُوْهُ	پڑھتے ہیں ہم اس کو	عَلَیْكَ	آپ کے سامنے

مِنَ الْاٰیٰتِ[1]	آیتوں سے	فَمَنْ	پس جو شخص	فَنَجْعَلْ	پس گردانیں ہم
وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ	اور دانشمندانہ نصیحت سے	حَآجَّكَ	جھگڑے آپ سے	لَّعْنَتَ اللّٰهِ	اللہ کی پھٹکار
اِنَّ مَثَلَ[2]	بے شک عجیب حالت	فِيْهِ	اس (عیسیٰ) میں	عَلَى الْكٰذِبِيْنَ	جھوٹوں پر
عِيْسٰى	عیسیٰ کی	مِنْۢ بَعْدِ	بعد	اِنَّ هٰذَا	بے شک یہ
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	مَا جَآءَكَ[3]	آپ کے پاس آنے	لَهُوَ الْقَصَصُ[5]	البتہ وہ بیان ہے
كَمَثَلِ اٰدَمَ	جیسے عجیب حالت آدم کی	مِنَ الْعِلْمِ	علم کے	الْحَقُّ	برحق (سچا)
خَلَقَهٗ	بنایا اس کو	فَقُلْ	پس کہہ	وَمَا مِنْ[6]	اور نہیں
مِنْ تُرَابٍ	مٹی سے	تَعَالَوْا	آؤ	اِلٰهٍ	کوئی معبود
ثُمَّ قَالَ	پھر کہا	نَدْعُ	بلائیں ہم	اِلَّا اللّٰهُ	مگر اللہ
لَهٗ	اس سے	اَبْنَآءَنَا	ہمارے بیٹوں کو	وَاِنَّ اللّٰهَ	اور بے شک اللہ
كُنْ	ہوجا	وَاَبْنَآءَكُمْ	اور تمہارے بیٹوں کو	لَهُوَ الْعَزِيْزُ	البتہ وہ زبردست
فَيَكُوْنُ	پس وہ ہوگیا	وَنِسَآءَنَا	اور ہماری عورتوں کو	الْحَكِيْمُ	بڑے حکمت والے ہیں
اَلْحَقُّ	(یہ) برحق بات (ہے)	وَنِسَآءَكُمْ	اور تمہاری عورتوں کو	فَاِنْ تَوَلَّوْا	پس اگر منہ پھیرو تم
مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی طرف سے	وَاَنْفُسَنَا	اور ہماری ذاتوں کو	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ
فَلَا تَكُنْ	پس نہ ہوں آپ	وَاَنْفُسَكُمْ	اور تمہاری ذاتوں کو	عَلِيْمٌۢ	خوب جاننے والے
مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ	شک کرنے والوں میں سے	ثُمَّ نَبْتَهِلْ[4]	پس گڑگڑا کر دعا کریں ہم	بِالْمُفْسِدِيْنَ	خرابی پیدا کرنے والوں کو

ذریتِ عمران کا تذکرہ وحی سے کیا جارہا ہے

اب کلام کا رخ بدل رہا ہے، ایک آیت تحویل (موضوع بدلنے) کی ہے، فرماتے ہیں: مذکورہ بیان: عمران کی اہلیہ نے منت مانی، صاحب زادی حضرت مریمؑ پیدا ہوئیں، انھوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر میں پرورش پائی، حضرت مریمؑ کی کرامت دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے لڑکا مانگا، یحییٰ علیہ السلام عطا ہوئے، پھر کنواری مریمؑ کے بطن سے بغیر

(۱) من الآیات: نتلوہ کی ضمیر مفعول کا حال ہے (۲) مَثَل: نظیر، شبیہ، وہ چیز یا قول جو دوسری چیز یا قول کے مشابہ ہو (۳) ماجاء ك: ما مصدریہ ہے (۴) نبتھل: مضارع مجزوم، جمع متکلم، مصدر ابتِہال: زاری کرنا، گڑگڑا کر دعا کرنا۔ (۵) القَصَص: مصدر و اسم مصدر: قصہ، بیان، قصہ بیان کرنا (۶) ما من: من زائدہ ہے۔

باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے احوال اور ان کا آسمان پر اٹھایا جانا، اور یہود کی چال کا خاک میں ملنا، یہ سب باتیں وحی سے بیان کی جارہی ہیں، جو نبی ﷺ کے سچے رسول ہونے کی دلیل ہیں، اور درمیان درمیان میں قیمتی نصیحتیں بھی آتی رہی ہیں۔

﴿ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ (مذکورہ باتیں) ہم اس کو آپ کے سامنے پڑھتے ہیں، وہ اللہ کی باتیں اور دانشمندانہ نصیحت ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کی عجیب حالت آدم علیہ السلام کی عجیب حالت کی طرح ہے

عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا ہوئے ہیں تو آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا ہوئے ہیں، مگر عیسائی ان کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے، پھر عیسیٰ علیہ السلام صرف ماں سے سے پیدا ہونے کی وجہ سے اللہ کے بیٹے کیسے ہوگئے؟ وفد نجران نے کہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے نہیں، اللہ کے بیٹے ہیں، اگر ایسا نہیں تو بتاؤ ان کا باپ کون ہے؟ قرآن نے جواب دیا: تم بتاؤ آدم کے ماں باپ کون تھے؟ ان کو اللہ نے مٹی سے کلمہ ٔکُن سے پیدا کیا ہے اور وہ بندے تھے بیٹے نہیں تھے، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو بھی کلمہ کُن سے پیدا کیا ہے، وہ بھی بندے ہیں، بیٹے نہیں، یہی برحق بات ہے، پس کوئی ان کے بارے میں کسی تردد میں مبتلا نہ ہو۔

﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی عجیب حالت آدم کی عجیب حالت جیسی ہے، ان کا جسم مٹی سے بنایا، پھر اس سے کہا: ہو جا تو وہ ہو گیا، یہ برحق بات ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے، پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

اب بھی وفدِ نجران کی کٹ حجتی ختم نہ ہو تو ان کو مباہلہ کی دعوت دو

نجران کا وفد فتح مکہ کے بعد سنہ ۹ ہجری میں مدینہ آیا تھا، فتح مکہ کے بعد جزیرۃ العرب میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگا تھا، نجران کے عیسائیوں کو خطرہ محسوس ہوا اس لئے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، سورت کے شروع سے انہیں کو سمجھانے کے لئے آیات نازل ہو رہی ہیں، اگر وہ اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہ ہوں تو ان کو مباہلہ کی دعوت دی جائے، دونوں فریق خواتین اور اولاد کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوں، اور خوب گڑگڑا کر دعا کریں کہ جو جھوٹا ہے اس پر خدا کی لعنت ہو اور اس پر عذاب پڑے، وفدِ نجران کو یہ دعوت دی گئی، انھوں نے مہلت مانگی کہ ہم مشورہ کرکے جواب دیتے ہیں، مجلس مشاورت میں

ان کے بڑوں نے کہا:

"اے گروہ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمد نبی مرسل ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انھوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں، اور تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسماعیل میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں، پس ایک نبی سے مباہلہ کرنے کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت سے نہیں بچے گا، بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کرلیں، سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں"

ادھر نبی ﷺ حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو ساتھ لئے ہوئے باہر تشریف لائے، اور وفد بھی تجویز پاس کر کے خدمت میں پہنچا، ان کے لاٹ پادری نے ان نورانی صورتوں کو دیکھ کر کہا: "میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا پہاڑوں کو ان کی جگہ سے سرکا سکتی ہے، ان سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہوں" آخر انھوں نے جزیہ دینا قبول کیا، اور مصالحت کر کے واپس لوٹ گئے۔ حدیث میں ہے کہ اگر وہ مباہلہ کرتے تو وادی نجران میں آگ برستی اور سب کا ستیاناس ہو جاتا۔

اور دعوتِ مباہلہ کے ساتھ یہ بھی بتلادیا کہ مباہلہ کس بات پر کیا جاتا؟ اس بات پر کیا جاتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن نے جو کچھ کہا ہے وہی سچا بیان ہے، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ان کی بارگاہ شرک سے پاک ہے، وہ زبردست ہیں، ان کو بیٹے کی مدد کی ضرورت نہیں، وہ حکمتِ بالغہ سے اپنی کائنات کو سنبھالے ہوئے ہیں، اور وفد نجران اگر مباہلہ کرے تو جان لیں کہ ان کا مقصد احقاقِ حق نہیں، وہ دل میں خوب سمجھے ہوئے ہیں کہ نبی ﷺ برحق نبی نہیں، قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اسلام سچا مذہب ہے، ان کا مقصد مباہلہ سے اپنی بات کی پچ ہے، محض فتنہ وفساد ان کے پیش نظر ہے، اور سب مفسدین اللہ کی نظر میں ہیں، وہ ان کے ساتھ ان کے حسبِ حال معاملہ کریں گے۔

فائدہ: شامی میں ہے کہ مباہلہ کی مشروعیت اب بھی باقی ہے، لعان کی مشروعیت اس کی دلیل ہے، لعان: باب مفاعلہ کا مصدر ہے، پس مباہلہ اور ملاعنہ ایک ہیں، مگر ان چیزوں میں مباہلہ جائز ہے جن کا ثبوت قطعی ہے، ظنی امور میں مباہلہ جائز نہیں، اور مباہلہ میں بیٹوں اور عورتوں کو شریک کرنا ضروری نہیں، اور عذاب کا آنا بھی ضروری نہیں، اور نجران میں عذاب آنے کی بات نبی ﷺ کی خصوصیت تھی، مباہلہ کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک طرح کا اتمام حجت کر کے بحث وجدال سے الگ ہو جائیں۔

باقی آیات: پس جو شخص آپ سے عیسیٰ کے معاملہ میں کٹ حجتی کرے ——— مرغ کی ایک ٹانگ ہی گائے جائے ——— آپ کے پاس (قطعی) علم آجانے کے بعد، تو آپ کہیں: آؤ، ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو، اور

اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو، اور اپنے ذاتوں کو اور تمہاری ذاتوں کو، پھر ہم گڑگڑا کر دعا کریں، پس ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں ـــــ یہ مباہلہ کرنے کا طریقہ ہے، اور مباہلہ کا موضوع ہے: ـــــ بے شک یہ یقیناً سچا بیان ہے ـــــ کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں ـــــ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ـــــ اگر عیسیٰ علیہ السلام بیٹے ہوتے تو وہ بھی معبود ہوتے، یہ بات توحید کے منافی ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ بے شک زبردست بڑی حکمت والے ہیں ـــــ انہیں بیٹے اور اولیاء کی مدد کی ضرورت نہیں ـــــ پس اگر وہ روگردانی کریں ـــــ اور مباہلہ کے لئے تیار نہ ہوں ـــــ تو اللہ تعالیٰ یقیناً فسادیوں سے خوب واقف ہیں ـــــ یعنی ان کا مقصد بس اپنی بات کی پچ ہے، احقاقِ حق مقصود نہیں، وہ زمین میں اصلاح نہیں چاہتے بفساد (بگاڑ) پھیلانا ان کے پیشِ نظر ہے، یہ سب مفسدین اللہ کی نظر میں ہیں!

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

قُلْ	آپ کہیں	اَلَّا نَعْبُدَ	کہ نہ عبادت کریں ہم	اَرْبَابًا	ارباب
يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے آسمانی کتاب والو	اِلَّا اللّٰهَ	مگر اللہ کی	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے وَرے
تَعَالَوْا	تم آؤ	وَلَا نُشْرِكَ	اور نہ شریک کریں ہم	فَاِنْ تَوَلَّوْا	پس اگر روگردانی کریں وہ
اِلٰى كَلِمَةٍ	ایک بات کی طرف	بِهٖ شَيْـًٔا	اس کے ساتھ کسی چیز کو	فَقُوْلُوا	تو تم کہو
سَوَآءٍۭ	جو یکساں (برابر) ہے	وَّلَا يَتَّخِذَ	اور نہ بنائے	اشْهَدُوْا	گواہ رہو
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ	ہمارے اور تمہارے درمیان	بَعْضُنَا بَعْضًا	ہمارا ایک دوسرے کو	بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ	کہ ہم ماننے والے ہیں

وفدِ نجران کو خالص توحید کی دعوت

نصاریٰ نجران کو توحید کے موضوع پر مباہلہ کرنے کی دعوت دی تھی، انھوں نے کنّی کاٹی، اب ان کو خالص توحید کی دعوت دی جاتی ہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک مشترک نقطہ ہے، جسے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور تم بھی، اور وہ ہے توحید خالص، مگر بعد میں تم اس کے تقاضوں سے ہٹ گئے، اگر تم پلٹ کر اسی نقطہ پر آجاؤ تو ہمارا تمہارا اختلاف ختم ہوجائے، اور منہ پھیروگے تو اختلاف باقی رہے گا۔

جاننا چاہئے کہ ہر مذہب والا کسی نہ کسی رنگ میں اوپر جا کر اقرار کرتا ہے کہ 'بڑا خدا' ایک ہی ہے، پھر باطل مذاہب

والے آگے چل کر توحید کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے، چنانچہ عیسائیوں کے بھی دو عقیدے توحید کے خلاف تھے۔

ایک: ابنیتِ مسیح کا عقیدہ، معبود کا بیٹا بھی معبود ہوتا ہے، پھر معبود ایک کہاں رہا؟ اور اگر بیٹا معبود نہیں تو وہ ناجنس اولاد ہوئی، انسان کے گھر میں بلّی پیدا ہوئی، اس سے بڑا عیب اللہ کے لئے کیا ہوسکتا ہے؟ اس لئے فرمایا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں جبھی توحید خالص پر عمل ہوسکے گا۔

دوم: علماء ومشائخ کو قانون سازی کا اختیار دینا۔ عیسائیوں نے احبار ورہبان کو خدائی کا منصب دے رکھا تھا، وہ جس چیز کو حلال یا حرام کہہ دیتے اس کو خدائی حکم مان لیتے، یہ بات بھی توحید کے منافی ہے، اس لئے فرمایا کہ ہمارا بعض بعض کو اللہ سے نیچے رب نہ بنائے۔

اگر وہ ان دونوں باتوں کی اصلاح نہ کریں تو تم اعلان کردو کہ ہم توحید خالص پر قائم ہیں، ہم خود کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں، اور اسی کے تابع فرمان ہیں، ہم اللہ کے علاوہ کسی کی بندگی نہیں کرتے، نہ کسی عالم، ولی، پیر اور مرشد کے لئے خدائی اختیار تسلیم کرتے ہیں، شریعت سے قطع نظر کر کے کسی کو بھی حلت وحرمت کا اختیار نہیں۔

آیتِ کریمہ: آپؐ کہیں: اے آسمانی کتاب ماننے والو! ایک ایسی بات کی طرف آؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ سے نیچے رب نہ بنائے —— یہی توحید خالص ہے —— پس اگر وہ منہ پھیریں تو تم کہو: "گواہ رہو ہم بالیقین فرمان بردار ہیں! —— توحید حقیقی پر عمل پیرا ہیں!

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے آسمانی کتاب والو!	لِمَ تُحَآجُّوْنَ	کیوں کٹ حجتی کرتے ہو	فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم میں

وَمَآ اُنْزِلَتِ	اور نہیں اتاری گئی	بِهٖ عِلْمٌ	اس کا کچھ علم	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں میں سے
التَّوْرٰىةُ	تورات	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اِنَّ اَوْلَى	بے شک قریب تر
وَ الْاِنْجِيْلُ	اور انجیل	يَعْلَمُ	جانتے ہیں	النَّاسِ	لوگوں میں
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ	مگر اس کے بعد	وَ اَنْتُمْ	اور تم	بِاِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم سے
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	یا پس نہیں سمجھتے تم	لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے	لَلَّذِيْنَ	البتہ وہ ہیں جنھوں نے
هٰٓاَنْتُمْ (۱)	ارے! تم	مَا كَانَ	نہیں تھے	اتَّبَعُوْهُ	پیروی کی ان کی
هٰٓؤُلَآءِ	اے لوگو!	اِبْرٰهِيْمُ	ابراہیم	وَهٰذَا	اور یہ
حَاجَجْتُمْ	جھگڑا کیا تم نے	يَهُوْدِيًّا	یہودی	النَّبِيُّ	پیغمبر
فِيْمَا لَكُمْ	اس میں جو تمہارے لئے	وَّلَا نَصْرَانِيًّا	اور نہ نصرانی	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ
بِهٖ عِلْمٌ	اس بات کا کچھ علم ہے	وَّلٰكِنْ كَانَ	بلکہ تھے وہ	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ	پس کیوں بحث کرتے ہو	حَنِيْفًا (۲)	باطل سے بیزار	وَ اللّٰهُ	اور اللہ
فِيْمَا	اس میں جو	مُّسْلِمًا (۳)	فرمان بردار	وَلِيُّ	کارساز ہیں
لَيْسَ لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھے وہ	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے لئے

وفدِ نجران کو توحیدِ خالص کی دعوت دی تو انھوں نے جھگڑا کیا:

کہا: ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں، ہماری توحید خالص کیسے ہوسکتی ہے؟

جاننا چاہئے کہ ہر نبوت اصول (عقائد) اور فروع (مسائل) پر مشتمل ہوتی ہے، پھر بعد کی نبوت کبھی دونوں باتوں میں متفق ہوتی ہے، پس وہ ماتحت نبوت کہلاتی ہے، جیسے انبیائے بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اصول وفروع میں متفق تھے، اور کبھی بعد کی نبوت اصول میں تو متفق ہوتی ہے، کیونکہ تمام انبیاء کے اصول ایک ہیں، اور اکثر فروع میں بھی اتفاق ہوتا ہے، البتہ بعض مسائل میں اختلاف ہوتا ہے، کیونکہ زمانہ بدلنے سے احکام بدلتے ہیں، یہی ہر نبی کی شریعت

(۱) ھاأنتم: ھا: حرفِ تنبیہ ہے، جو اسم اشارہ پر آتا ہے، أنتم: مبتدا ہے، اور ھؤلاء: منادیٰ ہے، اور یا: حرفِ ندا محذوف ہے، چونکہ ضمیر کا فصل ہوگیا اس لئے اسم اشارہ پر ھا دوبارہ آئی اور جملہ حاججتم خبر ہے (۲) حَنَفَ: مائل ہونا، حنیف: صیغۂ صفت: باطل سے رخ پھیر کر حق کی طرف مائل ہونے والا، اس کا تعلق توحید سے ہے۔ (۳) مسلما: لغوی معنی میں ہے: حکم ماننے والا، اس کا تعلق فروع شریعت سے ہے۔

کہلاتی ہے، پس موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے، اور عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے، اور نبی ﷺ کی شریعت ماقبل انبیاء کی شریعتوں سے قدرے مختلف ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ عیسائی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کو اور ان معجزات کو جانتے تھے جن کا ذکر پہلے آیا، مگر انھوں نے دونوں باتوں سے عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور الوہیت پر استدلال کیا یہ ان کی کٹ حجتی تھی، اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں اور ہماری توحید خالص ہے: یہ بھی کٹ حجتی ہے، اور ایسی بات میں بحث ہے جس کا انہیں کچھ علم نہیں، ابراہیم علیہ السلام تو حنیف (خالص موحد) اور مسلم (اللہ کے تمام احکام پر عمل پیرا) تھے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: یہود ونصاریٰ کا یہ دعوی کہ ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں: کیسے صحیح ہوسکتا ہے، یہودیت تو تورات سے چلی ہے، اور عیسائیت انجیل سے، اور یہ دونوں کتابیں ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہیں، پس کیا یہ بے عقلی کا دعوی نہیں؟ عیسائی اپنے نبی کی بعض باتیں جانتے تھے، ان سے انھوں نے غلط استدلال کرلیا، عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور الوہیت ثابت کی، خیر! اب انھوں نے یہ کیا بات کہی کہ ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں؟ تمہیں کیا معلوم کہ ان کے اصول وفروع کیا تھے، اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، تم نہیں جانتے، سنو! ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی، وہ حنیف ومسلم تھے، اور تم شرک کے دلدادہ ہو، اللہ کا بیٹا مانتے ہو، اور احکام تو تم نے سب بالائے طاق رکھ دیئے ہیں، تین چیزیں حرام تھیں ان کو بھی کفارے کے عقیدے نے گاؤخورد کردیا۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ مشرکین بھی دعوی کرتے ہیں کہ وہ ملتِ ابراہیمی پر ہیں، پس کیا ابراہیم بت پرست تھے، وہ تو بت شکن تھے۔ وہ شرک سے بیزار اور فرمان بردار تھے۔

ہاں ابراہیم علیہ السلام سے اقرب وہ مسلمان تھے جو ان کے زمانہ میں ان پر ایمان لائے تھے، اور اب یہ پیغمبر (ﷺ) اور ان پر ایمان لانے والے اقرب ہیں، اور اللہ مؤمنین کے کارساز ہیں، پس دیکھتے رہو اللہ کی کارسازی کس کے ساتھ ہے؟ عیسائیوں کے ساتھ یا مسلمانوں کے ساتھ؟

آیاتِ پاک: اے آسمانی کتاب والو! کیوں فضول بحث کرتے ہو ابراہیم کے معاملہ میں؟ حال آنکہ تورات وانجیل تو ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں! پس کیا تم یہ (بدیہی بات) سمجھتے نہیں! ارے! اے لوگو! تم نے جھگڑا کیا اس معاملہ میں جس کا تم کو کچھ علم ہے —— یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے اور ان کے خوارق کے ذریعہ —— پس تم کیوں بحث کرتے ہو اس معاملہ میں جس کا تمہیں کچھ علم نہیں؟ —— کہ کون ابراہیم کی ملت پر ہے؟ —— اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے —— سنو! اللہ تعالیٰ بتلاتے ہیں: —— ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ عیسائی، بلکہ باطل (شرک) سے بیزار اور احکام الٰہی کے فرمان بردار تھے، اور وہ مشرکوں میں سے بھی نہیں تھے۔

بے شک لوگوں میں ابراہیم سے قریب تر وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی —— یعنی ان کے زمانہ میں ان پر ایمان لائے —— اور یہ پیغمبر —— محمد ﷺ —— اور جو لوگ ایمان لائے —— اس آخری نبی پر —— اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے کارساز ہیں! —— پس انجام کار دیکھتے رہو، کس کا آوازہ بلند ہوتا ہے؟

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۚ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع ۷ ۱۵

وَدَّتْ	آرزو کی	وَمَا يَشْعُرُوْنَ	اور نہیں سمجھتے وہ	لِمَ تَلْبِسُوْنَ	کیوں مشتبہ کرتے ہو تم
طَّآئِفَةٌ	ایک جماعت	يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے اہل کتاب!	الْحَقَّ	سچی بات
مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	آسمانی کتاب والوں سے	لِمَ تَكْفُرُوْنَ	کیوں انکار کرتے ہو تم	بِالْبَاطِلِ	غلط بات کے ساتھ
		بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کا	وَتَكْتُمُوْنَ	اور چھپاتے ہو تم
لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ	کاش گمراہ کرتے وہ تم کو	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	الْحَقَّ	سچی بات کو
وَمَا يُضِلُّوْنَ	اور نہیں گمراہ کرتے وہ	تَشْهَدُوْنَ	گواہی دیتے ہو	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ	مگر اپنی ذاتوں کو	يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے اہل کتاب!	تَعْلَمُوْنَ	جانتے ہو

نجران والوں کے مناظرہ کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے

مناظرہ: باب مفاعلہ کا مصدر ہے، اس کے اصل معنی ہیں: کسی پیچیدہ مسئلہ میں باہم غور وفکر کرنا، اور حق بات کو دریافت کرنا، پھر مناظرہ بمعنی مکابرہ (کٹ حجتی) استعمال کیا جانے لگا، یعنی اپنی بات کی پچ کرنا، اور مخالفین کے آدمی توڑنا۔ اس کا ردِ عمل یہ ہوتا ہے کہ ہر فریق اپنی بات میں پختہ ہو جاتا ہے۔

وفد نجران کا مناظرہ (بحث مباحثہ) اسی نوعیت کا تھا، وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے، عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے مسلمانوں کو ان کے عقیدے سے ہٹانا چاہتے تھے، مسلمان تو کیا ہٹتے! وہ خود اپنے گمراہ عقیدے میں پختہ ہو گئے، اور ان کو احساس بھی نہ ہوا، یہ ان کی کٹ حجتی کا نتیجہ تھا۔

﴿ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۚ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ ﴾

ترجمہ: اہل کتاب کی ایک جماعت نے آرزو کی کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کرتے، اور وہ خود کو ہی گمراہ کررہے ہیں، اور وہ سمجھتے نہیں! ــــ کہ ہم ہی گمراہی میں پیر پسار رہے ہیں!

نجرانیوں کو فہمائش کہ اپنی کتابوں کی بشارتوں کو عملی جامہ پہناؤ

مناظرہ میں آدمی فریق مقابل کے صحیح دلائل کا بھی انکار کرتا ہے، تورات وانجیل میں نبی ﷺ، قرآنِ کریم اور اسلام کے تعلق سے بشارتیں تھیں، یہود ونصاری اپنی خلوتوں میں ان کا اقرار بھی کرتے تھے، مگر ان کو عملی جامہ نہیں پہناتے تھے، ایمان لانے کے لئے تیار نہیں تھے، ان کو فہمائش کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی صداقت اور قرآن کی حقانیت کا اقرار کیوں نہیں کرتے؟ کیا چیز مانع ہے؟ ان بشارتوں پر عمل نہ کرنا اپنی کتابوں کا انکار ہے۔

﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں (بشارتوں) کا کیوں انکار کرتے ہو درانحالیکہ تم گواہی دیتے ہو ــــ کہ وہ بشارتیں منجانب اللہ ایمان لانے کے لئے ہیں۔

نجرانیوں کو فہمائش کہ بشارتوں کی نہ غلط تاویل کرو نہ چھپاؤ

مناظرہ میں یہ بھی ہوتا ہے کہ مقابل کے صحیح دلائل کی غلط تاویل کرکے دل کو مطمئن کرلیا جاتا ہے، تورات وانجیل میں نبی ﷺ، قرآن اور اسلام کے تعلق سے جو خبریں تھیں: اہل کتاب ان کی غلط تاویلیں کرتے تھے، فرماتے ہیں: ایسا مت کرو، غلط تاویلیں کرکے حق کو باطل کے ساتھ مت رلاؤ، اور جانتے بوجھتے سچی باتوں کو چھپاؤ بھی مت، تاکہ کم از کم دوسروں کو تو راہ ہدایت ملے!

﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں رلاتے ہو، اور سچی بات کو چھپاتے ہو، درانحالیکہ تم جانتے ہو ــــ کہ یہ تاویل باطل ہے، اور چھپانا بھی جائز نہیں۔

وَقَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ

رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚۙ﴿۷۳﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

وَقَالَتْ	اور کہا	وَلَا تُؤْمِنُوْٓا	اور نہ مانو	اِنَّ الْفَضْلَ	بے شک فضل
طَّآئِفَةٌ	ایک جماعت نے	اِلَّا لِمَنْ	مگر اس کی جو	بِيَدِ اللّٰهِ	اللہ کے ہاتھ میں ہے
مِّنْ اَهْلِ	اہل کتاب سے	تَبِعَ	پیروی کرے	يُؤْتِيْهِ	دیتے ہیں وہ اس کو
الْكِتٰبِ		دِيْنَكُمْ	تمہارے دین کی	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
اٰمِنُوْا	ایمان لاؤ	قُلْ	کہو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
بِالَّذِيْٓ	اس پر جو	اِنَّ الْهُدٰى	بے شک ہدایت	وَاسِعٌ	گنجائش والے
اُنْزِلَ	اتارا گیا	هُدَى اللّٰهِ	اللہ کی ہدایت ہے	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے ہیں
عَلَى الَّذِيْنَ	ان پر جو	اَنْ يُّؤْتٰٓى (۱)	کہ دیا گیا	يَّخْتَصُّ	خاص کرتے ہیں
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اَحَدٌ	کوئی	بِرَحْمَتِهٖ	اپنی مہربانی کے ساتھ
وَجْهَ النَّهَارِ	دن کے شروع میں	مِّثْلَ مَآ	مانند اس کے جو	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
وَاكْفُرُوْٓا	اور انکار کردو	اُوْتِيْتُمْ	دیئے گئے تم	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اٰخِرَهٗ	دن کے آخر میں	اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ (۲)	یا جھگڑیں وہ تم سے	ذُو الْفَضْلِ	فضل والے ہیں
لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ	عِنْدَ رَبِّكُمْ	تمہارے رب کے پاس	الْعَظِيْمِ	بڑا
يَرْجِعُوْنَ	لوٹ جائیں	قُلْ	کہو	❁	❁

وفدِ نجران کی طرح مدینہ کے یہود نے بھی مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہا

نجران والوں کے بحث ومباحثہ کا، انجیل کی بشارتوں کے انکار کا، ان کی غلط تاویلیں کرنے کا اور بشارتوں کو چھپانے کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا، ان کو مرتد بنانا، اور مشرکوں کو ایمان سے روکنا تھا۔ اب اس کی نظیر پیش کرتے ہیں، یہود بھی ایسی

(۱) أن سے پہلے لام اجلیہ محذوف ہے، اور اس کا تعلق لاتؤمنوا سے ہے اور قل إن الهدیٰ هدی الله جملہ معترضہ ہے (۲) حَاجَّ مُحَاجَّةً: جھگڑا کرنا، دلیل میں غالب آنا، یہ مضمون سورۃ البقرۃ (آیت ۷۶) میں بھی ہے۔ اور یحاجوکم سے پہلے لأن مقدر ہے۔ اور أو: احدالامرین کے لئے ہے، دونوں باتیں جمع نہیں ہونگی۔

ہی چال چل چکے ہیں، مدینہ میں جو یہود کے بڑے تھے انھوں نے باہم صلاح ومشورہ کر کے ایک اسکیم بنائی، ایک جماعت تیار کی، جو صبح میں ایمان لائے اور شام میں مرتد ہوجائے، چونکہ عرب یہود کا علمی تفوق مانتے تھے، اس لئے ضعیف الایمان مسلمانوں کے پیر اکھڑ جائیں گے اور وہ مرتد ہوجائیں گے، وہ سوچیں گے کہ دال میں کچھ کالا ہے، جبھی یہ فرزانے پیچھے ہٹ گئے!

اور جن لوگوں کو اس کام کے لئے تیار کیا تھا ان کو تاکید کی تھی کہ صرف مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لئے یہ کام کرنا ہے، حقیقۃً مسلمان نہیں ہونا، بات بہر حال اپنے بڑوں کی ماننی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہر چہ در کانِ نمک رفت نمک شد! نمک کی کان میں جو گرا وہ نمک بن گیا، ایسا نہ ہوجائے، یہودیت میں مضبوط رہنا، اپنے بڑوں کے علاوہ کسی کی بات مت ماننا!

اللہ تعالیٰ سلسلۂ کلام روک کر ارشاد فرماتے ہیں: یہ کیسا اندھا گروہی تعصب ہے! ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے، وہ جس پیغمبر کے ذریعہ آئے اس کو قبول کرنا چاہئے، خواہ اسرائیلی پیغمبر کے ذریعہ آئے یا اسماعیلی۔

اس کے بعد سلسلۂ کلام پیچھے لوٹتا ہے کہ یہود کے اکابر نے آلۂ کار لوگوں کو یہ پٹّی کیوں پڑھائی؟ اس کی دو وجہیں ہیں: ایک دنیا کے تعلق سے دوسری آخرت کے تعلق سے:

دنیا کے تعلق سے اس کی وجہ حسد (جلن) ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد یہ شرف واعزاز بنی اسحاق ویعقوب میں رہا، اب یہ تمغہ بنی اسماعیل کو کیوں مل گیا؟ یہ حسد ہی ایسی رذیل حرکت پر ابھار رہا ہے، اور یہ مقصد اس صورت میں ہوگا جب محض بناوٹ ہو۔

اور آخرت کے اعتبار سے جبکہ وہ واقعی مسلمان ہوجائیں یہ مقصد ہے کہ کل قیامت کے دن اللہ کی کورٹ میں مسلمان تم پر غالب نہ آجائیں، اگر تم واقعۃً مسلمان ہوگئے تو وہ تم کو اسلام کی حقانیت کی دلیل میں پیش کریں گے، وہ کہیں گے: یہود اسلام کی حقانیت جانتے تھے، دیکھو! ان کے یہ چند حضرات مسلمان ہوگئے تھے، پس تم مقدمہ ہار جاؤ گے، اور وہ تم پر غالب آجائیں گے، اس لئے صرف ظاہر داری کرنی ہے، حقیقۃً مسلمان نہیں ہونا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبوت پر کسی قوم کی اجارہ داری نہیں، یہ فضل اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جسے چاہیں دیں، اور ایسا نہیں کہ کوٹہ کم پڑ گیا، اللہ تعالیٰ بڑی گنجائش والے ہیں، البتہ وہ خوب جانتے ہیں کہ رحمت کا مستحق کون ہے؟ اسی کو عنایت فرماتے ہیں، ورنہ اللہ کا فضل وکرم بے نہایت ہے!

ترجمہ: اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا: اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو اتارا گیا ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے ہیں، دن کے شروع حصہ میں، اور انکار کر دو دن کے آخر میں، شاید وہ مرتد ہوجائیں، اور بات نہ مانو مگر اس کی جو تمہارے

دین کی پیروی کرے ـــــ کہو: بے شک ہدایت (راہ نمائی) اللہ کی ہدایت ہے ـــــ بایں وجہ کہ کوئی دوسرا دیا گیا اس کے مانند جو تم دیئے گئے ـــــ یعنی بنی اسماعیل کو نبوت کیوں مل گئی؟ اس جلن میں حقیقۃً ایمان نہیں لانا ـــــ یا (اس لئے کہ) وہ لوگ دلیل میں غالب آجائیں گے تمہارے پروردگار کے پاس!

کہو! بے شک فضل (مہربانی) اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ دیتے ہیں اس کو جسے چاہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ گنجائش والے سب کچھ جاننے والے ہیں، اپنی مہربانی کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں خاص کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں!

وَمِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِقِنۡطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِدِيۡنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَيۡهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۝۷۵

وَمِنۡ اَهۡلِ	اور بعضے اہل کتاب	تَاۡمَنۡهُ	امانت رکھے تو اس کے پاس	قَالُوۡا	کہا
الۡكِتٰبِ		بِدِيۡنَارٍ	ایک اشرفی	لَيۡسَ عَلَيۡنَا	نہیں ہے ہم پر
مَنۡ اِنۡ	وہ ہیں کہ اگر	لَّا يُؤَدِّهٖۤ	نہیں سپرد کرے گا وہ اس کو	فِى الۡاُمِّيّٖنَ	ان پڑھوں میں
تَاۡمَنۡهُ	امانت رکھے تو اس کے پاس	اِلَيۡكَ	تیری طرف	سَبِيۡلٌ	کوئی راہ (گناہ)
بِقِنۡطَارٍ	ڈھیر سارا مال	اِلَّا مَا دُمۡتَ	مگر جب تک رہے تو	وَيَقُوۡلُوۡنَ	اور کہتے ہیں وہ
يُّؤَدِّهٖۤ	سپرد کرے گا وہ اس کو	عَلَيۡهِ	اس پر	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
اِلَيۡكَ	تیری طرف	قَآئِمًا	کھڑا	الۡكَذِبَ	جھوٹ
وَمِنۡهُمۡ	اور بعضے ان میں	ذٰلِكَ	یہ بات	وَهُمۡ	درانحالیکہ وہ
مَّنۡ اِنۡ	وہ ہیں کہ اگر	بِاَنَّهُمۡ	بایں وجہ ہے کہ انھوں نے	يَعۡلَمُوۡنَ	جانتے ہیں

اہل کتاب میں امانت دار بھی ہیں اور بے ایمان بھی!

گذشتہ آیت میں جن یہود کا ذکر آیا ہے وہ برے لوگ تھے، اب بیان فرماتے ہیں کہ اہل کتاب میں بھلے لوگ بھی ہیں، اعلیٰ درجہ کے دیانت دار اور امانت دار بھی ہیں، اگر ان کے پاس سونے کا ڈھیر امانت رکھا جائے تو رتی بھر خیانت نہیں کریں گے، یہی لوگ ایمان لاتے ہیں، البتہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو چار پیسے پر نیت خراب کر لیتے ہیں، ان کے سر

پر مسلط رہا جائے تو امانت دار بنتے ہیں، ورنہ مکر جائیں گے، یہی بداطوار لوگ مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں۔ اور ناحق پرایا مال کھانے کے لئے انھوں نے یہ مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ عرب کے امیوں کا مال جس طرح ملے رَوا ہے، غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں! یہ جان بوجھ کر جھوٹا مسئلہ اللہ کے نام لگایا ہے، کسی کی بھی امانت میں خیانت کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ہرگز اجازت نہیں دی۔

آیتِ پاک: اور بعض اہل کتاب ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ڈھیر سارا مال امانت رکھیں تو وہ تمہیں واپس کردیں گے، اور بعض ان میں ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ایک اشرفی امانت رکھیں تو وہ اس کو آپ کی طرف نہیں لوٹائیں گے، مگر یہ کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو۔ یہ بات بایں وجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: "امیوں کے مال میں ہم پر کوئی گناہ نہیں" اور وہ جانتے بوجھتے اللہ کے نام جھوٹ لگاتے ہیں!

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

بَلٰى	کیوں نہیں	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	لَا خَلَاقَ (۴)	نہیں کوئی حصہ
مَنْ اَوْفٰى	جس نے پورا کیا	يَشْتَرُوْنَ	خریدتے ہیں	لَهُمْ	ان کے لئے
بِعَهْدِهٖ (۱)	اپنا قول وقرار	بِعَهْدِ اللّٰهِ (۳)	اللہ کے قول وقرار کے بدل	فِى الْاٰخِرَةِ	آخرت میں
وَاتَّقٰى (۲)	اور ڈرا (بچا)	وَاَيْمَانِهِمْ	اور اپنی قسموں کے بدل	وَلَا	اور نہیں
فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ	ثَمَنًا	پونجی	يُكَلِّمُهُمُ	بات کریں گے ان سے
يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں	قَلِيْلًا	تھوڑی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
الْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کو	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	وَلَا يَنْظُرُ	اور نہیں دیکھیں گے وہ

(۱) عهده: اپنا قول وقرار یعنی لوگوں کے ساتھ کیا ہوا وعدہ، اضافت فاعل کی طرف ہے، اور عهد الله: اللہ کے ساتھ کیا ہوا قول وقرار، اضافت مفعول کی طرف ہے، تمام انسانوں نے عہد الست میں اللہ کے ساتھ بندگی کا عہد کیا ہے (۲) تقویٰ کے اصطلاحی معنی: اللہ سے ڈرنا بھی ہیں اور لغوی معنی: نقضِ عہد سے بچنا بھی ہیں (۳) بعهد الله: میں باء متروک پر داخل ہوئی ہے، جس کو چھوڑا ہے اور قلیل ثمن لیا ہے، پس ثمن قلیل: ماخوذ ہے (۴) خلاق (خیر وبھلائی کا) حصہ، نصیب، کہا جاتا ہے: فلان لا خلاق له: اس کو بھلائی سے کوئی دلچسپی نہیں۔

اِلَيْهِمْ	ان کی طرف	وَلَا يُزَكِّيْهِمْ	اور نہیں پاک صاف	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن		کریں گے ان کو	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک عذاب ہے

ہر کسی سے کیا ہوا قول وقرار پورا کرنا ضروری ہے

گذشتہ آیت میں فرمایا ہے کہ بعض اہل کتاب بد دیانت ہوتے ہیں، خاص طور پر غیر مذہب والوں کی امانت سے مکر جاتے ہیں، اور کہتے ہیں: اس میں کوئی گناہ نہیں! اللہ پاک فرماتے ہیں: کیوں نہیں! خیانت اور بدعہدی بہر حال گناہ ہے، قانونِ خداوندی یہ ہے کہ جو کوئی اپنے قول وقرار کا وفا نہیں کرے گا، نقضِ عہد کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے۔

پہلی آیت میں لوگوں سے کئے ہوئے قول وقرار کا ذکر ہے، اور دوسری آیت میں اللہ سے کئے ہوئے قول وقرار کی خلاف ورزی کی ممانعت ہے۔

﴿ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کیوں نہیں! —— یعنی امانت میں خیانت گناہ کیوں نہیں؟ خواہ غیر مذہب والوں کی امانت ہو —— جس نے اپنا قول وقرار پورا کیا اور نقضِ عہد سے بچا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو دوست رکھتے ہیں۔

عدالت میں جھوٹی قسم کھانے کا وبال

جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے، اور عدالت میں جھوٹی قسم کھانا وبال ڈھاتا ہے، عدالت میں جب مقدمہ چلتا ہے تو قاضی مدعی سے گواہ طلب کرتا ہے، وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے، اور اس پر فیصلہ کیا جاتا ہے، اس قسم کو یمینُ صَبْرٍ: روکی ہوئی قسم کہتے ہیں، یہ قسم اگر مدعی علیہ جانتے ہوئے جھوٹی کھائے تو وہ دنیا میں بھی تباہی لاتی ہے، اور آخرت میں بھی عذاب الیم کا حقدار بناتی ہے۔

آیت کا شانِ نزول: حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کا جو حضرموت کے باشندے تھے: ایک یہودی سے زمین کا جھگڑا ہوا، وہ زمین اشعث کے دادا سے اس یہودی کے دادا نے غصب کی تھی، اشعث اس کا مقدمہ لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں آئے، آپؐ نے اشعث سے گواہ طلب کئے، کیونکہ وہ مدعی تھے، وہ گواہ پیش نہ کر سکے، کیونکہ اس معاملہ کا دیکھنے والا کوئی شخص زندہ نہیں تھا، پس آپؐ نے یہودی کو قسم کھلانی چاہی، حضرت اشعثؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ یہودی ہے، جھوٹی قسم کھا کر میرا مال ہڑپ کر جائے گا، اس پر آیت نازل ہوئی۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰۗىِٕكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: جو لوگ حقیر معاوضہ لیتے ہیں اس عہد و پیمان کے بدلے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے اور اپنی قسموں کے عوض میں: ان لوگوں کے لئے آخرت میں (رحمت میں) کچھ حصہ نہیں، نہ اللہ تعالیٰ ان سے (خوشی سے) کلام فرمائیں گے، اور نہ ان کی طرف قیامت کے دن (مہربانی سے) دیکھیں گے، اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک صاف کریں گے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ملحوظہ: ایسی آیت پہلے سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۴) میں گذری ہے، وہاں جو تفسیر ہے وہی یہاں بھی ہے۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

ع ۹ / ۱۶

وَاِنَّ مِنْهُمْ	اور بے شک ان میں سے	مِنَ الْكِتٰبِ	اللہ کی کتاب سے	الْكَذِبَ	جھوٹ
لَفَرِيْقًا	یقیناً ایک جماعت ہے	وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
يَلْوٗنَ (۱)	(جو) موڑتی ہے	هُوَ	(کہ) وہ (پڑھا ہوا)	يَعْلَمُوْنَ	جانتے ہیں
اَلْسِنَتَهُمْ	اپنی زبانیں	مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس سے ہے	مَا كَانَ	نہیں (جائز) تھا
بِالْكِتٰبِ	اللہ کی کتاب کے ساتھ	وَمَا هُوَ	حالانکہ وہ نہیں ہے	لِبَشَرٍ	کسی انسان کے لئے
لِتَحْسَبُوْهُ	تاکہ گمان کرو تم اس کو	مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس سے	اَنْ يُّؤْتِيَهُ	کہ دیں اس کو
مِنَ الْكِتٰبِ	اللہ کی کتاب سے	وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَمَا هُوَ	درانحالیکہ نہیں ہے وہ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	الْكِتٰبَ	آسمانی

(۱) یلوٗن: مضارع، جمع مذکر غائب، لَوٰی یَلْوِی (ض) لَیًّا: موڑنا، مروڑنا، پھیرنا، گھمانا، لَوٰی لسانَہ اور لَوٰی بلسانہ: زبان پھیر لی، زبان گھمادی، یعنی جھوٹ کہا، خود اپنی طرف سے بات گھڑ دی (راغب)

وَ الْحُكْمَ (۱)	اور فہم وفراست	رَبّٰنِيّٖنَ (۲)	اللہ والے	الْمَلٰٓئِكَةَ	فرشتوں کو
وَ النُّبُوَّةَ	اور نبوت	بِمَا كُنْتُمْ (۳)	اس وجہ سے کہ تھے تم	وَالنَّبِيّٖنَ	اور نبیوں کو
ثُمَّ يَقُوْلَ	پھر کہے وہ	تُعَلِّمُوْنَ	سکھلاتے (لوگوں کو)	اَرْبَابًا	خدا (خودمختار)
لِلنَّاسِ	لوگوں سے	الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب	اَيَاْمُرُكُمْ	کیا حکم دے گا تم کو
كُوْنُوْا	ہو جاؤ تم	وَبِمَا كُنْتُمْ	اور اس وجہ سے کہ تھے تم	بِالْكُفْرِ	اللہ کے انکار کا
عِبَادًا لِّيْ	میرے بندے	تَدْرُسُوْنَ (۴)	پڑھتے	بَعْدَ اِذْ	بعد اس کے کہ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کو چھوڑ کر	وَلَا يَاْمُرَكُمْ	اور نہیں حکم دے گا وہ تم کو	اَنْتُمْ	تم
وَلٰكِنْ كُوْنُوْا	بلکہ ہوؤ تم	اَنْ تَتَّخِذُوا	کہ بناؤ تم	مُّسْلِمُوْنَ	اللہ کو ماننے والے ہو

عیسائیوں (وفد نجران) نے عہد الست میں اللہ تعالیٰ سے کیئے ہوئے دو اقرار توڑے!

گذشتہ آیت میں دو باتوں پر سخت وعید آئی ہے۔ ایک: اللہ سے کیئے ہوئے عہد و پیمان کو دنیوی مفاد کے لئے توڑنا۔ دوم: کورٹ میں جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال ہڑپ کر لینا، دوسری بات کی وضاحت شانِ نزول کی روایت کی روشنی میں اوپر آگئی، اب پہلی بات لیتے ہیں۔ وفد نجران نے (عیسائیوں نے) عہد الست میں اللہ پاک سے کئے ہوئے دو اقرار توڑے، یہ سنگین گناہ ہے:

ایک: تمام انسانوں نے بلا واسطہ اللہ ہی کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے، اب عیسائی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی رب مانتے ہیں، وہ تثلیث کے قائل ہیں، اس نقضِ عہد کا ذکر زیرِ تفسیر آیات میں ہے:

دوم: تمام امتوں نے اپنے انبیاء کے واسطہ سے خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لانے کا اور ان کی مدد کرنے کا اقرار کیا ہے، اب وفد نجران ایمان لانے کے لئے تیار نہیں، اس نقضِ عہد کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

عیسائیوں کی تثلیث: عیسائی تثلیث (تین خداؤں) کے قائل ہیں، ایک: بڑا اور اصل خدا مانتے ہیں، اس کو باپ کہتے ہیں، دوسرا: دوسرے نمبر کا خدا مانتے ہے، اس کو بیٹا کہتے ہیں، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تیسرا: تیسرے نمبر کا خدا مانتے ہیں، اس کو روح القدس (پاکیزہ روح) کہتے ہیں، اور معلوم نہیں اس سے کیا مراد لیتے ہیں؟ کوئی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو مراد لیتا ہے، کوئی حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اور کوئی عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو، پھر وہ تینوں کو ایک بناتے ہیں، اور

(۱) الحکم اور الحکمۃ ایک ہیں: فہم، دانشمندی کی باتیں، انبیاء کی حدیثیں۔ (۲) رَبّانی: اللہ والا، الف نون زائدتان اور یاء نسبت کی (۳) بما: ما مصدریہ (۴) دَرَسَ (ن) دَرْسًا الکتابَ: غور سے پڑھنا، مطالعہ کرنا۔ مراد دوسری دینی کتابیں ہیں۔

اپنی تثلیث انجیل سے ثابت کرتے ہیں، یا تو انجیل میں تحریف کرکے، یا کچھ کا کچھ پڑھ کرکے یا غلط تاویل کرکے، بہر حال یہ نقضِ عہد ہے، انھوں نے عہد الست میں جو صرف اللہ ہی کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے: اس کی خلاف ورزی ہے، جس کی ان کو سخت سزا ملے گی، کیونکہ یہ شرک ہے، اور شرک کی معافی نہیں، لندن میں میری یورپ کے سربراہ ایک یہودی عالم سے ملاقات ہوئی، میں نے اس کو میری مسجد (مسجدِ قبا) میں آنے کی دعوت دی، اس نے کہا: ہم مسجد میں آسکتے ہیں، چرچ میں نہیں جاسکتے! میں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: وہاں شرک ہوتا ہے، اور ہم ایسی جگہ نہیں جاتے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: کچھ اہل کتاب (عیسائی) اپنی آسمانی کتاب (انجیل) میں کچھ چیزیں اپنی طرف سے بڑھا کر ایسے لہجہ میں پڑھتے ہیں کہ ناواقف سننے والا دھوکہ کھا جائے، بلکہ جھوٹا دعوی بھی کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ کے پاس سے آیا ہے، حالانکہ وہ مضمون اللہ کے پاس سے نہیں آیا، خود ساختہ ہے، اور یہ سب کچھ جان بوجھ کر کرتے ہیں، اس طرح وہ اپنی تثلیث اور عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور الوہیت ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ کوئی بھی انسان جس کو اللہ نے اپنی کتاب، عقل وفہم اور نبوت سے سرفراز کیا ہو لوگوں کو یہ تعلیم دے ہی نہیں سکتا کہ اللہ کو چھوڑو، مجھے معبود بناؤ، اور میرے بندے بنو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک انسان تھے، وہ لوگوں کو یہ تعلیم کیسے دے سکتے ہیں؟ وہ تو لوگوں کو اللہ سے جوڑیں گے، کہیں گے: اللہ والے بنو، اللہ نے تمھیں اپنی کتاب دی ہے، جس کو تم لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہو اور دیگر مذہبی کتابیں بھی پڑھتے ہو، ان میں یہی تعلیم ہے کہ اللہ والے بنو، اسی کی بندگی کرو، کسی دوسرے کو اس کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ۔

وہ کبھی یہ تعلیم نہیں دے سکتے کہ فرشتوں (جبرئیل علیہ السلام) کو اور نبیوں کو یعنی خود ان کو خدا (خود مختار) بناؤ، جب تم نے اسلام قبول کرلیا تو اب وہ تمھیں کافر کیسے بنائیں گے؟ بادشاہ: سفارت اسی کو سونپتا ہے جو حکومت کا وفادار ہو، اور لوگوں کو وفاداری کی تعلیم دے۔ اگر وہ بغاوت کی تعلیم دے تو اسے رسول نہیں بنایا جاتا۔

آیاتِ پاک: اور بے شک اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبانیں مروڑتے ہیں ـــــ اور کچھ کا کچھ پڑھتے ہیں ـــــ تا کہ تم اس (پڑھے ہوئے) کو اللہ کی کتاب کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ اللہ کی کتاب کا حصہ نہیں ـــــ خود ساختہ کلام ہے ـــــ اور وہ کہتے ہیں کہ وہ (بڑھایا ہوا) اللہ کے پاس سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں، اور وہ جانتے بوجھتے اللہ کے نام جھوٹ لگاتے ہیں۔

کسی انسان سے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو آسمانی کتاب، عقل وفہم اور نبوت عطا کریں ـــــ مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں ـــــ پھر وہ لوگوں سے کہے: اللہ کو رہنے دو، میرے بندے بن جاؤ ـــــ مشرکین بڑے خدا کو مانتے ضرور ہیں، مگر

اس کی عبادت نہیں کرتے ـــــ بلکہ (وہ کہے گا:) اللہ والے بنو، کیونکہ تم اللہ کی کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور تم دیگر مذہبی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتے ہو ـــــ جن میں اللہ ہی کی بندگی کا حکم ہے۔

وہ تمہیں کبھی یہ حکم نہیں دے گا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب (معبود) بنالو، کیا وہ تمہیں اللہ کے انکار کا حکم دے گا تمہارے مسلمان ہونے کے بعد؟ ـــــ یہ ناممکن بات ہے، غیر اللہ کی بندگی کفر ہے، پس تثلیث سے باز آؤ، یہ نقضِ عہد ہے!

فائدہ: ﴿الْمَلٰٓئِکَۃَ﴾ جمع لائے ہیں، حالانکہ مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں، اس لئے کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، پس آیت ان کو بھی شامل ہوجائے گی، اسی طرح ﴿النَّبِیّٖنَ﴾ کو بھی جمع لائے ہیں، اگرچہ مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں، کیونکہ یہود عزیر علیہ السلام کو بھی اللہ کا بیٹا کہتے تھے، پس آیت ان کو بھی شامل ہوگی۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ۚ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ۚ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ ﴿۸۱﴾

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	وَّحِکْمَۃٍ (۲)	اور دانشمندی	وَلَتَنْصُرُنَّہٗ	اور البتہ ضرور مدد کریں
اَخَذَ اللّٰہُ	لیا اللہ نے	ثُمَّ جَآءَکُمْ	پھر آیا تمہارے پاس		گے تم اس کی
مِیْثَاقَ	وچن (قول وقرار)	رَسُوْلٌ (۳)	عظیم المرتبت رسول	قَالَ	پوچھا
النَّبِیّٖنَ	نبیوں سے	مُصَدِّقٌ	سچا بتانے والا	ءَاَقْرَرْتُمْ	کیا تم نے اقرار کیا
لَمَآ (۱)	البتہ جو	لِّمَا مَعَکُمْ	اس کو جو تمہارے پاس ہے	وَاَخَذْتُمْ	اور لیا تم نے
اٰتَیْتُکُمْ	دی میں نے تم کو	لَتُؤْمِنُنَّ	البتہ ضرور ایمان لاؤ گے تم	عَلٰی ذٰلِکُمْ	اس بات پر
مِّنْ کِتٰبٍ	کوئی کتاب	بِہٖ	اس پر	اِصْرِیْ (۴)	میرا عہد

(۱) لَمَا: لامِ ابتداء ہے، اخذِ میثاق میں جو قسم کے معنی ہیں اس کی تاکید کرتا ہے، اور ما: موصولہ ہے (۲) حکمۃ: اور حکم: ہم معنی ہیں، اس کے معنی ہیں: دانشمندی کی باتیں، یعنی انبیاء کی حدیثیں، انبیائے کرام فہم وفراست کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں (۳) رسول: کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، مراد خاتم النبیین ﷺ ہیں قالہ علي وابن عباس رضی اللہ عنہما (۴) إصر کے لغوی معنی ہیں: بوجھ اور مجازی معنی ہیں: قول وقرار، عہد وپیمان، کیونکہ عہد کی ذمہ داری کا بھی انسان پر بوجھ پڑتا ہے۔

قَالُوْٓا	جواب دیا انھوں نے	قَالَ	فرمایا	وَ اَنَا مَعَكُمْ	اور میں تمہارے ساتھ
اَقْرَرْنَا	اقرار کیا ہم نے	فَاشْهَدُوْا (۱)	پس گواہی دو	مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (۲)	گواہوں میں سے ہوں

نبی ﷺ صرف نبی الامت نہیں، نبی الانبیاء والامم بھی ہیں

آیت کی تفسیر سے پہلے یہ جان لیں کہ نبی ﷺ کی شان صرف نبی الامت کی نہیں، نبی الانبیاء والامم کی بھی ہے۔ حدیث میں ہے: اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے لئے میری پیروی کے سوا چارہ نہ تھا، اور حدیث میں ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو قرآن وحدیث کی پیروی کریں گے، اور حدیث میں ہے کہ میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں یعنی از آدم تا قیامِ قیامت سبھی لوگوں کی طرف آپؐ کی بعثت ہوئی ہے، اور حدیث میں ہے کہ میں نبی تھا اور آدم ہنوز روح وجسد کے درمیان تھے، اور آپؐ ہی قیامت کے دن تمام امتوں کے صلحاء کے لئے شفاعت کبری فرمائیں گے، اور آپؐ نے معراج سے واپسی میں بیت المقدس میں تمام انبیاء کی امامت فرمائی ہے، اور قیامت کے دن تمام انسان آپؐ ہی کے جھنڈے تلے جمع ہونگے، اور سورۃ الاحزاب (آیت ۴۰) میں ﴿رَّسُوْلَ اللّٰهِ﴾ کے بعد ﴿خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ کا وصف لایا گیا ہے، پہلے وصف کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے مؤمنین آپؐ کے روحانی بیٹے ہیں، کیونکہ ان کو ایمان آپؐ کی بدولت ملا ہے، اور دوسرے وصف کا یہ بھی مطلب ہے کہ گذشتہ امتوں کے مؤمنین آپؐ کے روحانی پوتے ہیں، کیونکہ گذشتہ انبیاء کو فیضِ نبوت آپؐ سے پہنچا ہے، آپؐ وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہیں، اور دوسرے انبیاء بالعرض، کیونکہ آپؐ خاتم النّبیین (نبیوں کی مہر) بھی ہیں، پس ان کی امتیں آپؐ کی بالواسطہ امتیں ہیں، پس ضروری ہوا کہ تمام امتوں سے ان کے انبیاء کے توسط سے عہد و پیمان لیا جائے کہ جب آپؐ کا ظہور ہو تو سب امتیں آپؐ پر ایمان لائیں، آپؐ کی پیروی کریں، اور آپؐ کی مدد کریں، کیونکہ آپؐ کی نبوت کا وجود اگرچہ سب سے پہلے ہوا ہے، مگر ظہور کسی مصلحت سے سب کے بعد ہوا ہے، جیسے نظام شمسی میں سورج سب سے پہلے منور ہوا ہے، باقی سیارے اس کے پرتو سے روشن ہوئے ہیں، پھر جب ستارے اپنی چمک دمک دکھالیتے ہیں تو آفتابِ نبوت طلوع ہوتا ہے، پھر کسی ستارے کی ضیاء پاشی باقی نہیں رہتی۔

---

(۱) اشْهَدُوْا: فعلِ امر، صیغہ واحد مذکر حاضر، شهد (س) علی کذا شهادة: گواہی دینا، کسی بات کی یقینی خبر دینا، اور گواہی دو: یعنی اپنی امتوں کو ہدایت دو (۲) شہادت کے مفہوم میں دیکھنے کے معنی ہیں، جیسے ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾: جو ماہِ رمضان (کے چاند) کو دیکھے وہ اس کے روزے رکھے، اور اللہ کا گواہ ہونا یہ ہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ انبیاء نے امتوں کو ہدایت دی یا نہیں؟

وفد نجران نے دوسرا عہد و پیمان بھی توڑا، وہ نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے!

حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ ﴿ رَسُوْل ﴾ سے مراد نبی ﷺ ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد الست میں نبی ﷺ کے تعلق سے یہ عہد لیا ہے کہ اگر وہ ان کا زمانہ پائیں تو ان پر ایمان لائیں، اور ان کی تائید و نصرت کریں، اور اپنی امتوں کو بھی اس کی ہدایت کریں۔

آیتِ کریمہ: اور (یاد کرو) جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کوئی کتاب اور فہم و فراست دوں، پھر تمہارے پاس عظیم الشان رسول (محمد ﷺ) آئیں جو اس کتاب کی تصدیق کریں جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ان پر ایمان لاؤ گے، اور تم ضرور ان کی مدد کرو گے —— اللہ تعالیٰ نے (انبیاء سے) پوچھا: کیا تم نے اس بات کا اقرار کیا؟ اور اس معاملہ میں میرا عہد و پیمان قبول کیا؟ سب نے جواب دیا: ہم نے اقرار کیا! —— پس تم (اپنی امتوں کے سامنے) گواہی دو —— یعنی اپنی امتوں کو وصیت کرو کہ جب اس عظیم الشان رسول کا ظہور ہو تو سب ان پر ایمان لائیں اور ان کی تائید و نصرت کریں —— اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں —— یعنی دیکھ رہا ہوں کہ کس نے وصیت کی، کس نے نہیں کی؟ جواب: سب نے کی تھی، کیونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں، وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

فَمَنْ تَوَلّٰى	پس جس نے روگردانی کی	الْفٰسِقُوْنَ	حد اطاعت سے نکلنے	يَبْغُوْنَ	چاہتے ہیں وہ
بَعْدَ ذٰلِكَ	بعد ازیں		والے ہیں	وَلَهٗٓ	حالانکہ اس کے لئے
فَاُولٰٓئِكَ	پس وہ لوگ	اَفَغَيْرَ	کیا پس علاوہ	اَسْلَمَ	سرافگندہ ہیں
هُمُ	ہی	دِيْنِ اللّٰهِ	اللہ کے دین کے	مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہیں

وَ الْاَرْضِ [1]	اورزمین میں ہیں	وَاِسْحٰقَ	اوراسحاق	وَنَحْنُ لَهٗ	اورہم اس کی
طَوْعًا وَّكَرْهًا	خوشی سے اورناخوشی سے	وَيَعْقُوْبَ	اوریعقوب	مُسْلِمُوْنَ	اطاعت کرنے والے ہیں
وَّاِلَيْهِ	اوراسی کی طرف	وَالْاَسْبَاطِ	اوران کی اولاد پر	وَمَنْ يَّبْتَغِ	اورجو چاہے گا
يُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جائیں گے وہ	وَمَآ اُوْتِيَ	اورجو دیئے گئے	غَيْرَ الْاِسْلَامِ	اسلام کے علاوہ
قُلْ	کہو	مُوْسٰى	موسیٰ	دِيْنًا	دین
اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	وَعِيْسٰى	اورعیسیٰ	فَلَنْ	پس ہرگز
بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَالنَّبِيُّوْنَ	اوردیگر انبیاء	يُّقْبَلَ	قبول نہیں کیا جائے گا
وَمَآ اُنْزِلَ	اوراس پر جواتارا گیا	مِنْ رَّبِّهِمْ	ان کے پروردگار کی	مِنْهُ	اس سے
عَلَيْنَا	ہم پر		طرف سے	وَهُوَ	اوروہ
وَمَآ اُنْزِلَ	اوراس پر جواتارا گیا	لَا نُفَرِّقُ	نہیں جدائی کرتے ہم	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں
عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم پر	بَيْنَ اَحَدٍ	کسی کے درمیان	مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	گھاٹا پانے والوں میں
وَاِسْمٰعِيْلَ	اسماعیل	مِّنْهُمْ	ان میں سے		سے ہوگا

نجران کا وفد نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے گا تو وہ حکم عدولی ہوگی

جب زمانۂ الست میں اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں سے ان کے انبیاء کے توسط سے عہد لیا ہے کہ جب خاتم النّبیین ﷺ کا زمانہ آئے تو سب ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں، اللہ کا یہ حکم عمل کے لئے ہے، پس اگر نجران والے (عیسائی) ایمان نہیں لائیں گے تو یہ عہد شکنی اور حکم عدولی ہوگی اور وہ حد اطاعت سے باہر ہونگے اور ایسے بندوں کا انجام معلوم ہے۔

﴿ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ ﴾

ترجمہ: پھر جو اس عہد وپیمان کے بعد روگردانی کرے وہی لوگ نافرمان ہیں!

(۱) طَوْعًا: خوشی سے، كَرْهًا: ناخوشی سے، جوکام کسی کے دباؤ میں ناخوشی سے کیا جائے وہ كَرْهًا (کاف کے زبر کے ساتھ) ہے اور جو ناگوار کام طبیعت کے تقاضے کیا جائے وہ كُرْهًا (کاف کے پیش کے ساتھ) ہے، جیسے: ﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾: اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت سے پیٹ میں رکھا، اور اس کو بڑی مشقت سے جنا، حمل اور وضع حمل عورت کا طبعی تقاضا ہے، یہاں كَرْهًا کے معنی ہیں: اسلامی حکومت کا باج گزار بننا پڑے گا۔

خوشی سے ایمان لاؤ، ورنہ اسلامی حکومت کا باج گذار بننا پڑے گا

اللہ کا دین وہ ہے جو آخری پیغمبر ﷺ پیش کررہے ہیں، یہی دین از آدم تا ایں دم نازل ہوتا رہا ہے، اس کے علاوہ دیگر ادیان باطل اور بگڑے ہوئے ہیں، نجران والے اسلام کو قبول نہیں کررہے، وہ دوسرے دین (عیسائیت) پر رہنا چاہتے ہیں، پس سنو! پوری کائنات اللہ کے احکام کی منقاد ہے، قوانینِ فطرت کے سامنے سرافگندہ ہے، کوئی خوشی سے کوئی ناخوشی سے، نجران والے بھی خوشی سے ایمان لائیں تو بہتر ہے، ورنہ ناگواری کے ساتھ ان کو اسلامی حکومت کی رعیت بننا پڑے گا، جزیہ ادا کرنا ہوگا، اس کے سوا چارہ نہیں ہوگا، پھر وہ جائیں گے کہاں؟ لوٹ کر آئیں گے تو اللہ کے پاس، اس وقت ان کے انکار کا بھگتان کردیا جائے گا۔

﴿ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا پس وہ لوگ (نجران والے) اللہ کے دین (اسلام) کے علاوہ کسی اور دین (عیسائیت) کو چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ کے سامنے خواہی نخواہی سرافگندہ ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں؟! اور اسی کی طرف وہ (نجران والے) لوٹائے جائیں گے۔

تعصب چھوڑو، دیکھو ہم اسرائیلی انبیاء کو بھی مانتے ہیں

یہود ونصاریٰ کے لئے نبی ﷺ پر ایمان لانے میں یہ چیز بھی مانع بن رہی تھی کہ آپؐ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں تھے، اور چچازاد بھائیوں میں چشمک ہوتی ہے، اب قرآنِ کریم مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ نجران والوں سے کہو: تعصب کا چشمہ اتارو، ہمیں دیکھو: ہم تمام اسرائیلی انبیاء کو بھی مانتے ہیں، پھر تم اسماعیلی پیغمبر کو کیوں نہیں مانتے؟ جس زمانہ میں جو بھی نبی مبعوث ہوئے، اور ان پر جو بھی کتاب نازل ہوئی: ہم بلا تفریق سب کو مانتے ہیں، یہی مسلمان کی شان ہے، بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا اسلام نہیں، تمام انبیاء ایک سرکار کے فرستادے ہیں، اور تمام کتابیں ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی ہیں، پھر ان میں تفریق کے کیا معنی؟ کسی بھی نبی اور کسی بھی آسمانی کتاب کا انکار کفر ہے، آخری نبی اور آخری کتاب کو مانے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا، اور نجات اسلام ہی سے ہوگی۔

﴿ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کہو: ہم ایمان لائے اللہ پر، اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا، اور اس پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا، اور جو موسیٰ عیسیٰ اور دوسرے انبیاء، ان کے پروردگار کی طرف سے دیئے گئے، ہم ان

میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے ،اور ہم اللہ کے فرمان بردار ہیں — یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سب انبیاء اور ان کی کتابوں پر ایمان لائیں ،سب کو سچا جانیں ، رہا عمل کا معاملہ تو جس پیغمبر کا پریڈ ہوگا ،اسی کی تعلیمات پر عمل کیا جائے گا۔

نجات اسلام ہی سے ہوگی

نجران والے عیسائی جان لیں کہ یہودیت ونصرانیت یا کسی بھی دوسرے مذہب سے نجات نہیں ہوگی ،نجات اسلام ہی سے ہوگی ، اسلام ہی اللہ کا نازل کردہ دین ہے ، یہی دین بار بار نازل کیا گیا ہے ، جب انسانیت کے حالات بدلتے ہیں یا امتیں اسلام کو ضائع کردیتی ہیں یا اس میں تحریف وتبدیلی کردیتی ہیں تو نیا نبی مبعوث ہوتا ہے ،اور اس پر اسلام دوبارہ نازل ہوتا ہے ،اب آخری مرتبہ خاتم النّبیین ﷺ پر وہی اسلام نازل ہورہا ہے ، جو اسلام کا کامل ومکمل ایڈیشن ہے ،اب قیامت تک اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کریں گے ، وہ تغیر وتبدل سے محفوظ رہے گا ، اس لئے کہ اس کی اصل قرآنِ کریم محفوظ رہے گی ، اور یہودیت وعیسائیت اسلام کی محرّف شکلیں ہیں ، پس جو نجات کا متمنی ہے وہ اسلام کو اپنائے ، اس کی حقانیت کے دلائل لوگوں کے سامنے آچکے ہیں ، اور نجران والوں کے دل اس کی صداقت کی گواہی دے چکے ہیں ، پھر دیر کس بات کی؟

اور اگر وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ ابھی دنیا میں ہمارا ہاتھ بالا ہے ، تو وہ جان لیں کہ دنیا میں بھی حالات پلٹیں گے ، ان کو باج گزار (رعیت) ہونا پڑے گا ، اور آخرت میں تو پانسا پلٹے گا ، اسلام کے علاوہ تمام مذاہب والے ناکام ہونگے ، اور گھاٹے میں رہیں گے۔

فائدہ: یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ کہتے ہیں: تمام ادیان برحق ہیں ، راستے الگ الگ ہیں اور منزل ایک ہے ، ان کی یہ بات قطعاً درست نہیں ، اللہ کے نزدیک: مقبول دین وہی ہے جو انھوں نے نازل کیا ہے ، اب اسلام اور شریعتِ نبوی ہی سے نجات ہوگی ، نبی ﷺ کی بعثت کے بعد اب کسی اور دین وشریعت سے انسانیت کی نجات وفلاح کا تعلق باقی نہیں رہا (ماخوذ از آسان تفسیر)

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دین چاہے گا (اپنائے گا) تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا ، اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا!

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (۸۶)

کَیْفَ (۱)	کیسے	بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ	اپنے ایمان لانے کے بعد	الْبَیِّنٰتُ	واضح دلیلیں
یَهْدِی (۲)	منزل تک پہنچائیں	وَشَهِدُوْٓا	اور گواہی دی انھوں نے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اَنَّ الرَّسُوْلَ	کہ یہ رسول	لَا یَهْدِی	منزل سے ہم کنار نہیں کرتے
قَوْمًا	ایسے لوگوں کو	حَقٌّ	برحق ہے	الْقَوْمَ	لوگوں کو
كَفَرُوْا	جنھوں نے انکار کیا	وَّجَآءَهُمُ	اور گئی ان کے پاس	الظّٰلِمِیْنَ	ناانصافی کرنے والے

گمراہی کے اسباب جب بہت ہوجاتے ہیں تو ایمان کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے

سورۃ البقرۃ (آیت ۷) میں ایک مضمون ہے: ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾: اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی، اب وہ ایمان نہیں لائیں گے، جب کوئی شخص گمراہی کے بہت سے اسباب اکٹھا کرلیتا ہے تو اس کی ایمان کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے، یہی اللہ کا دلوں پر مہر کرنا ہے، یہاں بھی یہی مضمون ہے، نجران والوں نے گمراہی کے تین اسباب جمع کرلئے، اس لئے اب وہ منزلِ مقصود (ایمان) تک نہیں پہنچ سکتے، اس میں پیشین گوئی بھی ہے کہ نجران والے ایمان نہیں لائیں گے، چنانچہ وہ جزیہ پر صلح کرکے لوٹ گئے۔

وفدِ نجران کی گمراہی کے تین اسباب:

۱- وہ اہل کتاب تھے، نبوت اور آسمانی کتاب سے واقف تھے عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل پر ان کا ایمان تھا، ان کے لئے نبی ﷺ کی نبوت کا اور قرآنِ کریم کے کلامِ الٰہی ہونے کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں تھا، مگر حسد، جلن، ضد اور ہٹ دھرمی کا برا ہو! اس نے ایمان لانے سے ان کو روک دیا۔

۲- ان کے لاٹ پادری ابوحارثہ نے اعتراف کیا تھا جب اس کا خچر لڑکھڑایا تھا، اور اس کے بھائی کُرز نے تَعِسَ الأبعد! کہا تھا تو ابوحارثہ نے کہا تھا: ایسا مت کہو، یہ وہی نبی ہیں جن کی ہماری کتابوں میں اطلاع ہے، یہ اس کی گواہی تھی کہ آپؐ برحق نبی ہیں، مگر وہ طے کرکے آئے تھے کہ ایمان نہیں لانا، بلکہ بحث کرکے ان کو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے موقف سے ہٹانا ہے، ان کو عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور الوہیت کا قائل کرنا ہے۔

۳- ان کے سامنے اسلام کی حقانیت کے بہت سے دلائل آچکے ہیں، مکہ مکرمہ فتح ہوگیا ہے، اسلام کا ڈنکا بجنے لگا ہے اور عربوں کا رجوع عام شروع ہوگیا ہے، اور سورۃ آلِ عمران میں ننانوے آیتیں نازل ہوچکی ہیں، جن میں عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح

(۱) کیف: استفہام انکاری ہے یعنی منزل تک نہیں پہنچاتے (۲) ہدایت کے دو معنی ہیں: إراءۃ الطریق: راہ نمائی کرنا اور إیصال إلی المطلوب: منزل تک پہنچانا، یہاں دوسرے معنی ہیں۔

پوزیشن واضح کردی ہے اور ان کو مباہلہ کی دعوت دی جاچکی ہے، جس کو انھوں نے قبول نہیں کیا، یہ سب نبی ﷺ کی صداقت، قرآنِ کریم کی حقانیت اور اسلام کے سچے مذہب ہونے کے واضح دلائل ہیں، پھر بھی وہ ایمان لانے کے لئے تیار نہیں۔

ایسے نالائقوں کو اللہ تعالیٰ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچایا کرتے، انھوں نے اپنی ایمان کی صلاحیت کھودی ہے، اس لئے ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے، اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

آیتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے منزلِ مقصود تک پہنچائیں، جنھوں نے (سابقہ نبیوں پر) اپنے ایمان لانے کے بعد (نبی ﷺ پر) ایمان لانے سے انکار کردیا، اور انھوں نے گواہی دی کہ اللہ کا یہ رسول برحق ہے، اور ان کے پاس (اسلام کی حقانیت کے) واضح دلائل (بھی) آچکے؟ اور اللہ تعالیٰ ناانصافوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچایا کرتے —— یہ اللہ کی سنت ہے، جو منزل پانا چاہتا ہے اسی کو منزل ملتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے	اِلَّا الَّذِيْنَ	مگر جنھوں نے
جَزَآؤُهُمْ	ان کا بدلہ	فِيْهَا	اس میں	تَابُوْا	توبہ کی
اَنَّ عَلَيْهِمْ	(یہ ہے) کہ ان پر	لَا يُخَفَّفُ	نہ ہلکا کیا جائے گا	مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ	بعد ازاں
لَعْنَةَ اللّٰهِ	اللہ کی لعنت ہے	عَنْهُمُ	ان سے	وَاَصْلَحُوْا	اور نیک ہوئے وہ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ	اور فرشتوں کی	الْعَذَابُ	عذاب	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بیشک اللہ تعالیٰ
وَالنَّاسِ	اور لوگوں کی	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
اَجْمَعِيْنَ	سبھی کی	يُنْظَرُوْنَ	ڈھیل دیئے جائیں گے	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم فرمانے والے ہیں

جن لوگوں نے اپنی ایمان کی صلاحیت کھودی: ان کی سزا

جن لوگوں نے اپنی ایمان کی صلاحیت کھودی ہے: ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سبھی لوگوں کی لعنت ہے، لعنت کا مفہوم

اللہ کے تعلق سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں اپنی رحمت سے محروم کریں گے، اور ملائکہ اور لوگوں کے تعلق سے یہ ہے کہ وہ دعا کرتے ہیں: الٰہی! ان کو آخرت میں اپنی رحمت سے محروم رکھنا۔

اس لعنت کا اثر آخرت تک پہنچے گا، وہ ہمیشہ اس لعنت کے اثر (دوزخ) میں رہیں گے، وہاں نہ کسی وقت عذاب کی شدت میں کمی آئے گی، نہ دنیا کی طرف لوٹنے کی مہلت ملے گی۔

ہاں ایک چانس ہے، ابھی دنیا میں توبہ کریں، ایمان لے آئیں اور اپنے اعمال کو سنوار لیں تو اللہ کی بارگاہ مایوسی کی بارگاہ نہیں، وہ غفور الرحیم ہیں، سب گناہ یک قلم معاف کردیں گے۔

آیاتِ کریمہ: ان لوگوں کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سبھی لوگوں کی لعنت ہے —— حتی کہ وہ خود بھی اپنے اوپر لعنت بھیجتے ہیں، جب کہتے ہیں کہ ظالموں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت! تو وہ لعنت ان پر بھی واقع ہوتی ہے (فوائد) —— وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے، ہاں جو بعد ازیں توبہ کریں اور سنور جائیں تو اللہ تعالیٰ بلاشبہ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾

ع ۹ / ۱۷

إِنَّ الَّذِينَ	بیشک جن لوگوں نے	وَأُولَٰئِكَ هُمُ	اور وہی لوگ	مِّلْءُ الْأَرْضِ	زمین بھر کر
كَفَرُوا	انکار کیا	الضَّالُّونَ	گمراہ ہیں	ذَهَبًا	سونا
بَعْدَ	بعد	إِنَّ الَّذِينَ	بیشک جن لوگوں نے	وَلَوِ افْتَدَىٰ	اگرچہ فدیہ دیں وہ
إِيمَانِهِمْ	ان کے ایمان لانے کے	كَفَرُوا	انکار کیا	بِهِ	اس کے ذریعہ
ثُمَّ ازْدَادُوا	پھر بڑھتے چلے گئے	وَمَاتُوا	اور مرے وہ	أُولَٰئِكَ لَهُمْ	انہی لوگوں کے لئے
كُفْرًا	انکار میں	وَهُمْ كُفَّارٌ	درانحالیکہ وہ منکر تھے	عَذَابٌ أَلِيمٌ	دردناک عذاب ہے
لَن تُقْبَلَ	ہرگز قبول نہیں کی جائیگی	فَلَن يُقْبَلَ	پس ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا	وَمَا لَهُم	اور نہیں ہے ان کے لئے
تَوْبَتُهُمْ	ان کی توبہ	مِنْ أَحَدِهِم	ان میں سے کسی سے	مِّن نَّاصِرِينَ	کوئی بھی مددگار

توبہ کا وقت غرغرہ لگنے تک ہے، اس کے بعد نہ توبہ قبول ہے نہ فدیہ

اب وفد نجران کے تعلق سے دو باتیں بیان فرماتے ہیں:

۱- نجران کے عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور ان کی کتاب انجیل پر ایمان تھا، اور دونوں نے صاف صاف نبی ﷺ کی پیشین گوئی کی تھی، اس لئے عیسائیوں کے لئے نبی ﷺ پر ایمان لانا آسان تھا، مگر وہ ایمان نہیں لائے، اب اگر وہ نبی ﷺ اور اسلام کی مخالفت میں بڑھتے چلے گئے، اور موت تک ان کا یہی حال رہا تو بوقت نزع وہ توبہ کرنا چاہیں گے بھی تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس دنیا میں ایمان بالغیب مطلوب ہے، اَن دیکھی سچائیوں کو ماننا ہے، اور جب موت کا فرشتہ آگیا تو پردہ ہٹ گیا، اس لئے اب ایمان لانا معتبر نہیں، اب وہ گمراہی کی حالت میں مرنے والے قرار پائیں گے، لہٰذا ان کو چاہئے کہ ابھی ایمان لائیں، ابھی وقت ہے، ان کی توبہ قبول ہوگی۔

۲-موت کے بعد اگر وہ عذاب سے بچنے کے لئے زمین بھر کر سونا دیں تو بھی وہ عذاب سے نہیں بچ سکیں گے، اول تو آخرت میں ہر شخص خالی ہاتھ ہوگا، اور اگر بالفرض کسی کے پاس مال ہو، اور وہ اس کو فدیہ میں پیش کرے تو قبول نہیں کیا جائے گا، آخرت میں صرف ایمان و عمل صالح کام آئے گا، مال و زر کام نہیں آئے گا۔

فائدہ: توبہ کب تک قبول ہوتی ہے؟ جواب: موت کے وقت جب روح جسم سے نکلنے لگتی ہے تو دَم گھٹنے لگتا ہے، اور حلق کی نالی میں ایک قسم کی آواز پیدا ہوتی ہے، اس کو "حالتِ نزع" کہتے ہیں، اس کے بعد زندگی کی کوئی امید نہیں رہتی، اور اس وقت دوسرا عالم منکشف ہوجاتا ہے، اس لئے اس وقت کا ایمان اور توبہ قابل قبول نہیں، کیونکہ ایمان بالغیب (بن دیکھے ایمان لانا) مطلوب ہے، اس لئے جب تک موت آنکھوں کے سامنے نہ آجائے توبہ کا موقعہ ہے، سورۃ النساء (آیت ۱۸) میں ہے: "اور ایسے لوگوں کی توبہ قابل قبول نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہوتی ہے یعنی دوسرے عالم کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں تو وہ کہتا ہے: میں اب توبہ کرتا ہوں! اور نہ ان لوگوں کا ایمان قابلِ قبول ہے جن کو حالتِ کفر میں موت آجاتی ہے"

آیاتِ پاک: بیشک جن لوگوں نے (نبی ﷺ پر ایمان لانے سے) انکار کیا، ان کے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر) ایمان لانے کے بعد، پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، اور وہی لوگ گمراہ ہیں ــــ یہ پہلی بات ہے، پھر تمہید لوٹا کر دوسری بات فرئی ہے ــــ بے شک جن لوگوں نے انکار کیا ــــ یہ تمہید لوٹائی ہے ــــ اور کفر ہی کی حالت میں ان کی موت آئی، تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر کر سونا، اگرچہ جان چھڑانے کے لئے اس کو پیش کرے، انہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے، اور ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۹۲﴾

لَنۡ تَنَالُوا	ہرگز حاصل نہیں کرسکو گے	مِمَّا تُحِبُّوۡنَ	اس سے جس کو پسند کرتے ہو تم	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بیشک اللہ تعالیٰ
الۡبِرَّ	کامل نیکی	وَمَا تُنۡفِقُوۡا	اور جو خرچ کرو گے	بِهٖ	اس سے
حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا	یہاں تک کہ خرچ کرو	مِنۡ شَىۡءٍ	کوئی بھی چیز	عَلِيۡمٌ	خوب واقف ہیں

پیاری چیز خرچ کرو بڑی نیکی پاؤ گے؟

وفد نجران کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور انجیل سے بڑی محبت تھی، وہ کسی قیمت پر ان کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، ان سے قاعدہ کلیہ کی شکل میں فرماتے ہیں کہ اپنی پیاری چیز خرچ کرو، اور اس کے بدل نبی ﷺ اور قرآنِ کریم پر ایمان لاؤ، کامیاب ہو جاؤ گے، پیاری چیز خرچ کرنے ہی سے بڑی نیکی ملتی ہے۔

قاعدہ کلیہ: نیکی میں کمال اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اپنی پیاری چیز خرچ کرے، اگر کوئی اعلیٰ درجہ کی نیکی حاصل کرنا چاہے تو اپنی محبوب چیزوں میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ کرے، جس چیز سے دل بہت لگا ہوا ہو اس کو خرچ کرنے میں بڑا ثواب ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنا محبوب گھوڑا خیرات کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خیبر کی جائداد وقف کی اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا باغ اللہ کے راستہ میں پیش کیا۔

اور سورۃ البقرۃ میں جہاں انفاقات کا ذکر ہے: بیان کیا ہے کہ خرچ کرنا دو مقصد سے ہوتا ہے: ایک: اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، غریب کی حاجت روائی پیش نظر نہ ہو تو پیاری چیز خرچ کرنے کا حکم ہے، دوم: غریب کی حاجت روائی مقصود ہو، اور ثواب حاصل کرنا بھی پیشِ نظر ہو تو ضرورت سے بچی ہوئی چیز خرچ کرنے کا حکم ہے، آیت کے شروع میں پہلی قسم کا بیان ہے اور آخر میں دوسری قسم کا۔

آیتِ پاک: ہرگز نیکی (میں کمال) حاصل نہیں کرسکو گے جب تک اپنی پیاری چیز میں سے کچھ خرچ نہ کرو، اور جو بھی چیز تم خرچ کرو گے وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰٮةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰٮةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ

افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

كُلُّ الطَّعَامِ(1)	سبھی کھانے	قُلْ	کہو	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	پس وہی لوگ
كَانَ حِلًّا	حلال تھے	فَاْتُوْا	پس لاؤ	الظّٰلِمُوْنَ	ظالم ہیں
لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	بنی اسرائیل کے لئے	بِالتَّوْرٰىةِ	تورات	قُلْ	کہہ دو
اِلَّا مَا	مگر جو	فَاتْلُوْھَآ	پس پڑھواس کو	صَدَقَ اللّٰهُ	سچ فرمایا اللہ نے
حَرَّمَ	حرام کیا	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	فَاتَّبِعُوْا	پس پیروی کرو
اِسْرَاۗءِيْلُ	یعقوبؑ نے	صٰدِقِيْنَ	سچے	مِلَّةَ	ملت
عَلٰي نَفْسِهٖ	اپنے اوپر	فَمَنِ افْتَرٰى	اب جس نے گھڑا	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کی
مِنْ قَبْلِ	پہلے	عَلَي اللّٰهِ	اللہ پر	حَنِيْفًا	پکا موحد
اَنْ تُنَزَّلَ	نازل ہونے	الْكَذِبَ	جھوٹ	وَمَا كَانَ	اور نہ تھا وہ
التَّوْرٰىةُ	تورات کے	مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ	بعد ازیں	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں میں سے

سب کھانے جو اسلام میں حلال ہیں ملتِ ابراہیم میں حلال تھے

ان آیات میں اہل کتاب (یہود ونصاری) کے ایک اعتراض کا جواب ہے، وہ کہتے تھے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کا دعوی کرتے ہیں، جبکہ آپ اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں اور اس کا دودھ پیتے ہیں، حالانکہ یہ چیزیں ملتِ ابراہیم میں حرام تھیں، ان آیات میں اس کا جواب دیا ہے کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں حرام نہیں تھیں اور تورات میں ان کی حرمت حضرت یعقوب علیہ السلام کی نذر کی وجہ سے آئی ہے، پس یہ بنی اسرائیل کے لئے مخصوص حکم ہے، ملتِ ابراہیمی کی بات نہیں، تورات لاؤ اور اس میں دکھاؤ کہ یہ حرمت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے، نہیں دکھا سکوگے، اللہ تعالیٰ سچ فرمارہے ہیں، لہٰذا ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرو، وہ حنیف (پکے موحد) تھے، اور تم اے نجران والو! عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی میں شریک کرتے ہو! اور سب بولے بولے چھلنی بھی بولی جس میں ستّر چھید! مشرکین بھی کہتے

---

(۱) كلُّ الطعام میں كلّ: موجبہ کلیہ کا سور ہے، مگر حصر اضافی ہے أی: بالنسبة إلی الشريعة الإسلامية: ساری چیزیں جو شریعتِ اسلامیہ میں حلال ہیں۔

لگے: ہم ملتِ ابراہیم پر ہیں، پس کیا ابراہیم علیہ السلام بت پرست تھے؟ وہ تو بت شکن تھے!

اس کی تھوڑی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام، جن کا لقب اسرائیل تھا، عرق النّساء میں مبتلا ہوئے، یہ درد چڈّوں سے شروع ہو کر ٹخنوں تک جاتا ہے، اس میں اونٹ کا گوشت اور دودھ مضر ہے، اس لئے انھوں نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ شفاء بخشیں تو وہ یہ دونوں چیزیں چھوڑ دیں گے، شفاء ہوگئی، اور انھوں نے وہ دونوں چیزیں چھوڑ دیں تو ان کی اولاد نے بھی وہ چیزیں چھوڑ دیں۔

پھر چار سو سال بعد موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا اور تورات نازل ہوئی، اس میں ان دونوں چیزوں کو بعض دوسری چیزوں کے ساتھ حرام کر دیا، اس لئے کہ بنی اسرائیل ان کے ترک کے خوگر ہو چکے تھے، اور قومی تصورات کا تحریم میں اعتبار ہوتا ہے، پس یہ حرمت بنی اسرائیل کے لئے خاص تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا یہ حکم نہیں تھا، یہ بات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے، اور اللہ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہوسکتا۔

پھر نجران والوں کی توجہ پھیری کہ اس فرعی مسئلہ میں کیا الجھ رہے ہو، دینِ ابراہیم کا بنیادی مسئلہ توحید ہے، ابراہیم علیہ السلام حنیف (پکے موحد) تھے، اور تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت میں شریک کر رکھا ہے، اس کو کیوں نہیں سوچتے! اور آخر میں مشرکین کی بھی چٹکی لی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام صنم پرست کہاں تھے، جو تم کہتے ہو کہ ہم ان کی ملت پر ہیں، وہ تو بت شکن تھے، لہٰذا تم بھی اپنے موقف پر نظر ثانی کرو۔

آیاتِ کریمہ: سب کھانے کی چیزیں بنی اسرائیل کے لئے حلال تھیں، مگر جو نزولِ تورات سے پہلے اسرائیل نے اپنے لئے حرام کر لی تھیں، کہو: تورات لاؤ، اور اس کو پڑھو، اگر تم سچے ہو —— کہ یہ چیزیں ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں حرام تھیں، تورات سے یہ بات ثابت کرو —— پس جو اس وضاحت کے بعد بھی اللہ کی طرف غلط بات منسوب کرے —— اور مرغ کی ایک ٹانگ! گائے جائے —— وہی لوگ اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔ کہہ دو: اللہ نے سچ فرمایا ہے، پس پکے موحد ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو، اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے!

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِينَ ﴿٩٦﴾ فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ﴿٩٧﴾

إِنَّ أَوَّلَ	بے شک پہلا	بَيْتٍ	گھر	وُضِعَ	(جو) رکھا گیا

لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	مَقَامُ[4]	(جیسے) کھڑے ہونے	الْبَيْتِ	اس گھر کا
لَلَّذِي[1]	البتہ وہ گھر ہے جو		کی جگہ	مَنِ اسْتَطَاعَ	جو طاقت رکھتا ہو
بِبَكَّةَ[2]	مکہ میں ہے	إِبْرٰهِيمَ	ابراہیم کی	إِلَيْهِ	اس کی طرف
مُبٰرَكًا[3]	برکت والا	وَمَنْ دَخَلَهُ	اور جو اس میں داخل ہوا	سَبِيلًا	راہ کی
وَّهُدًى	اور راہ نما	كَانَ اٰمِنًا	امن والا ہو گیا	وَمَنْ كَفَرَ	اور جس نے انکار کیا
لِّلْعٰلَمِينَ	جہانوں کے لئے	وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے	فَإِنَّ اللّٰهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ
فِيهِ	اس میں	عَلَى النَّاسِ	لوگوں کے ذمے ہے	غَنِيٌّ	بے نیاز ہیں
اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ	واضح نشانیاں ہیں	حِجُّ[5]	قصد کرنا	عَنِ الْعٰلَمِينَ	جہانوں سے

کعبہ شریف بیت المقدس سے پہلے تعمیر کیا گیا ہے، تا کہ سب لوگ اس کا حج کریں

ان آیات میں اہل کتاب کے ایک دوسرے اعتراض کا جواب ہے، وہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل وطن شام ہے، عراق سے ہجرت کر کے شام میں جا بسے تھے، وہیں وفات پائی، پھر ان کی اولاد شام میں رہی، ہزاروں انبیاء ان کی نسل میں مبعوث ہوئے، ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے بیت المقدس کو قبلہ بنایا، جو دنیا کے زرخیز آباد خطہ میں ہے، اور تم سرزمین شام سے دور ایک بے آب وگیاہ خطّے میں پڑے ہو، پھر کس منہ سے دعوی کرتے ہو کہ ہم ملت ابراہیم پر ہیں، اور ہمیں ابراہیمؑ سے زیادہ قرب ومناسبت ہے، جبکہ تم نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو اپنا قبلہ بنایا ہے؟

اس کا جواب: یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف پہلے تعمیر کیا ہے، اور تعمیر مکمل کر کے حج کا اعلان بھی کیا ہے، پھر چالیس سال بعد بیت المقدس کی بنیاد رکھی ہے (بخاری حدیث ۳۴۲۵) اور اس کی عمارت کی تکمیل حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی ہے، بیت المقدس کو حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لئے قبلہ بنایا تھا، تمام لوگوں کے لئے اللہ کا یہ گھر تعمیر نہیں کیا تھا۔

اللہ کا یہ پہلا گھر شہر مکہ میں ہے، مکہ کا تذکرہ اہل کتاب کے صحیفوں میں بکۃ کے لفظ سے ہے، پھر باء میم سے بدل گئی تو مکہ ہو گیا، جیسے لازب کی باء میم سے بدل گئی تو لازم ہو گیا، اور یہ قدیم نام قرآن میں اس لئے اختیار کیا کہ اہل کتاب کو یقین

(۱) لَلَّذِي: اِن کی خبر ہے اور لام زائد ہے۔ (۲) اہل کتاب کے صحیفوں میں مکہ کے لئے بکّۃ تھا، اسی کا یہاں ذکر کیا ہے، تا کہ اہل کتاب نبی ﷺ کو پہچانیں۔ (۳) مبارکا اور ھدی: وُضع کی ضمیر سے حال ہیں (۴) مقام: مبتدا ہے اور منھا خبر محذوف ہے (۵) حِجّ: حاء کا زبر اور زیر: مصدر ہے: قصد کرنا، ارادہ کرنا۔

آئے کہ یہ مکہ وہی بکہ ہے۔

اور اللہ کا یہ گھر بابرکت ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ یہاں وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ چنا ہے، اور جہاں بزرگوں کے تبرکات ہوتے ہیں وہ جگہ بابرکت ہوتی ہے۔ دوم: اس وجہ سے کہ جو اللہ کے گھر کے صحن (حرم) میں بھی پہنچ جاتا ہے مأمون ہوجاتا ہے، یہ اسی جگہ کی برکت ہے۔

اور اللہ کا یہ گھر سارے عالم کی دینی راہ نمائی کرتا ہے، تمام لوگوں پر اس کا حج فرض ہے، جو اسلام کا ایک اہم رکن ہے، اور سب لوگ اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں، جو دین کا بنیادی فریضہ ہے، یہ دینی راہ نمائی ہے۔

اب بتاؤ: بیت المقدس میں ایسی کیا چیز ہے؟ پس اہمیت بیت اللہ کو حاصل ہوئی یا بیت المقدس کو؟ اور اس امت نے چند ماہ جو بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی ہے وہ عارضی حکم تھا، اس کا مقصد اس امت کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنا تھا، تاکہ اس امت کو انبیائے بنی اسرائیل سے بُعد اور ان کی امتوں سے عداوت نہ رہے، یہ مقصد الحمدللہ! حاصل ہوگیا، پھر ان کے اصلی قبلہ کی طرف ان کو پھیر دیا گیا۔

اور نبی ﷺ نے دو خواب دیکھے ہیں:

ایک: موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ تلبیہ پڑھتے ہوئے حج/عمرہ کے لئے اونٹ پر تشریف لا رہے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ ان کی امت بھی ایمان لا کر حج/عمرہ کے لئے آئے، اب قبلہ ایک ہی ہے۔

دوسرا: عیسیٰ علیہ السلام کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا، اور ان کے پیچھے دجال کو دیکھا، اس میں دو اشارے ہیں: ایک: ان کی امت بھی ایمان لا کر حج/عمرہ کے لئے آئے۔ دوم: دونوں مسیح جمع ہونگے، اور ایسا آخر زمانہ میں ہوگا۔

تفصیل: یہ آیات اہم ہیں، ان کا انداز بھی نرالا ہے، اس لئے ان کی کچھ تفصیل ضروری ہے:

۱- **پہلا گھر:** یہ اولیت مطلقہ کا بیان نہیں، بلکہ بیت المقدس کی بہ نسبت اولیت کا بیان ہے، اگرچہ کعبہ شریف کو اولیتِ مطلقہ بھی حاصل ہے، ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی بھری ہوئی بنیادوں پر دیواریں اٹھائی ہیں ﴿ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ﴾ میں اس کی صراحت ہے، اور تاریخی روایات میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے بھی کعبہ کی تعمیر کی ہے، بلکہ ان سے پہلے ملائکہ نے تعمیر کی ہے، اور یہ جگہ البیت المعمور کی محاذات میں ہے، اور زمین اسی جگہ سے ابھری ہے، پہلے ساری زمین پر پانی تھا، خشکی بعد میں ابھری ہے، اس وقت ۷۱٪ زمین پانی میں ڈوبی ہوئی ہے، ۲۹٪ زمین کی بالائی سطح خشک ہے، جس پر لوگ آباد ہیں، اور اس کے نیچے بھی پانی کے سوت ہیں، جب زمین پانی میں سے ابھرنی شروع ہوئی تو سب سے پہلے کعبہ کی جگہ نمودار ہوئی، اس طرح اس کو اولیت مطلقہ بھی حاصل ہے، مگر یہاں جس

اولیت کا ذکر ہے وہ اولیتِ اضافیہ ہے، یعنی بیت المقدس سے چالیس سال پہلے ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا۔

۲- لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا: یعنی سبھی لوگوں کے لئے یہ گھر بنایا گیا ہے، الناس کا ال استغراقی ہے، اور اس کا ظہور خاتم النّبیین ﷺ کی بعثت کے بعد ہوا، آپؐ کی نبوت عام تام ہے، پس سب لوگ اس کی طرف نماز پڑھیں گے، اور اس کا حج کریں گے۔

۳- بکۃ: مکۃ کا قدیم تلفظ ہے، اور اس کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ اہل کتاب کے صحیفوں میں یہ نام آیا ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: شہر، جیسے بعلبك: یعنی بَعل بت کا شہر، اور جیوش انسائیکلو پیڈیا میں صراحت ہے کہ یہ ایک مخصوص بے آب وگیاہ وادی کا نام ہے، زبور میں بھی اس کا ذکر ہے (تدبر قرآن) قرآنِ کریم نے یہ قدیم نام ذکر کر کے اہل کتاب کو یاددہانی کرائی ہے کہ کعبہ شریف جس شہر میں ہے وہی بکۃ ہے۔

۴- بابرکت: مکہ شریف دو وجہ سے بابرکت ہے، اس کا تذکرہ اگلی آیت میں ہے: ایک: وہاں مقامِ ابراہیم ہے۔ دوم: جو وہاں پہنچ جاتا ہے مأمون ہوجاتا ہے۔ علاوہ ازیں: زمزم اور حجر اسود بھی اللہ کی نشانیاں ہیں، بلکہ خود کعبہ شریف اللہ کی بہت بڑی نشانی ہے، غور کیجئے کہ ایک چھوٹی سی چوکور عمارت، معمولی پتھروں سے بنی ہوئی، نہ نقش ونگار ہے اور نہ ظاہری حسن وجمال، ایک ایسے خطہ میں جہاں نہ کوئی درخت اگتا ہے اور نہ کوئی پودا، نہ پھل ہے اور نہ پھول، موسم کی ناہمواری اس کے علاوہ، نہ مادی اعتبار سے کوئی سامانِ کشش ہے اور نہ سیاحوں کے لئے کوئی سامانِ دلچسپی، لیکن دنیا کے کونہ کونہ سے اللہ کے بندے سردی وگرمی اور بارش کی پرواہ کئے بغیر دن رات اور صبح وشام اس گھر کی طرف رواں دواں ہیں اور اس کے پھیرے لگا رہے ہیں، اس سے بڑھ کر نشانی اور کیا ہوگی؟ (آسان تفسیر ۱:۲۵۵)

اور بڑے آدمی کے محل کا ایک احاطہ (صحن) ہوتا ہے، اللہ کے گھر کا بھی حرم ہے، جو اس میں پہنچ جاتا ہے مأمون ہوجاتا ہے، یہ بھی ایک نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو امن وامان کی جگہ بنایا ہے، اسلام سے پہلے جاہلیت میں بھی ہزار لاقانونیت کے باوجود عربوں کا حال یہ تھا کہ وہ مکہ میں ہر قسم کی دست درازی سے بچتے تھے، باپ کا قاتل نظر پڑتا تو نظریں جھکا لیتے تھے، یہ بھی اس گھر کی برکت ہے۔

۵- جہانوں کے لئے راہ نما: پوری زمین کے مسلمان اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، اور ہر صاحب مقدرت پر اس کا حج فرض ہے، یہ گویا مسلمانوں کا عالمی اجتماع ہے، عبادت کے علاوہ ان کو یہاں سے دینی راہ نمائی ملتی ہے۔

۶- اس میں واضح نشانیاں ہیں: پھر دو نشانیوں کا تذکرہ کیا ہے، ایک: مقامِ ابراہیم کا، یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے

ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو چنا تھا، پہلے یہ پتھر کعبہ شریف کے اندر رکھا ہوا تھا، پھر اسلام سے پہلے اس کو باہر رکھا گیا، اب وہاں طواف کا دوگانہ پڑھا جاتا ہے۔ دوم: حرم میں پہنچ کر مامون ہو جانا، تیسری نشانی: زمزم ہے، اس بے آب خطہ میں زمزم کے کنویں میں بے حساب پانی کہاں سے آتا ہے؟ اس کو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

۷- حج کی فرضیت: کعبہ شریف جمالِ خداوندی کا مظہر ہے، پس ضروری ہوا کہ جسے اللہ کی محبت کا دعوی ہے، اور وہ بدنی اور مالی استطاعت بھی رکھتا ہے: کم از کم عمر میں ایک مرتبہ دیارِ محبوب میں حاضری دے، اور جو انکار کرے وہ جھوٹا عاشق ہے، وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے محبوب کو اس کی کیا پرواہ ہے؟

آیاتِ پاک: بے شک پہلا گھر جو سب لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ وہ ہے جو شہر بکہ میں ہے، وہ بابرکت اور جہانوں کے لئے راہ نما ہے، اس میں واضح نشانیاں ہیں (ان میں سے) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، اور (دوسری نشانی یہ ہے کہ) جو شخص اس میں پہنچ گیا وہ مامون ہو گیا، اور (وہ جہانوں کے لئے راہ نما بایں طور ہے کہ) اللہ (کی بندگی) کے لئے لوگوں کے ذمہ اس گھر کا حج کرنا فرض ہے، جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے، اور جس نے انکار کیا تو بے شک اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہیں!

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

قُلْ	کہو	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	تَبْغُوْنَهَا (۳)	چاہتے ہو تم اس میں
يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے اہل کتاب	قُلْ	کہو	عِوَجًا	کجی
لِمَ تَكْفُرُوْنَ	کیوں انکار کرتے ہو	يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے اہل کتاب	وَاَنْتُمْ	اور تم
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتوں کا	لِمَ تَصُدُّوْنَ	کیوں روکتے ہو	شُهَدَآءُ	گواہ ہو (واقف ہو)
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	عَنْ سَبِيْلِ (۱)	راستے سے	وَمَا اللّٰهُ	اور نہیں ہیں اللہ
شَهِيْدٌ	دیکھ رہے ہیں	اللّٰهِ	اللہ کے	بِغَافِلٍ	بے خبر
عَلٰى مَا	ان کاموں کو جو	مَنْ اٰمَنَ (۲)	اس کو جو ایمان لایا	عَمَّا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو

(۱) سبیل: مذکر و مؤنث (۲) من آمن: تصدون کا مفعول بہ (۳) تبغونها: ضمیر سبیل کی طرف راجع ہے۔

وفد نجران سے آخری دو باتیں

ان دو آیتوں پر(آیت ۹۹ پر) وفد نجران سے گفتگو پوری ہورہی ہے۔آگے کی آیت گریز کی آیت ہے، اس سے موضوع بدلے گا، پھر آگے آخر سورت تک مسلمانوں سے خطاب ہے اوران آیتوں میں اہل کتاب (یہود ونصاری) سے دو باتیں فرمائی ہیں:

ایک:تم اللہ کی باتوں کا جو شروع سورت سے تمہیں سنائی جارہی ہیں، کیوں انکار کرتے ہو؟ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں، تمہاری نیتوں کو خوب جانتے ہیں، وقت آنے پر رتی رتی کا تم سے حساب لیں گے!

دوم: اہل کتاب ایمان نہ لاکر دوسروں کو تشکیک میں مبتلا کرتے ہیں، ان کا ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی راہ میں روڑا اٹکائیں، اگر ان کا ارادہ ایسا ہے تو وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے خوب واقف ہیں، مناسب وقت پر ان کو واجبی سزادیں گے۔

آیاتِ کریمہ: کہو: اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہے ہیں۔کہو! اے اہل کتاب! تم اللہ کے راستہ سے ایمان لانے والوں کو کیوں روکتے ہو؟ تم اس میں کجی چاہتے ہو! درانحالیکہ تم خوب جانتے ہو —— کہ وہ سچا مذہب ہے —— اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں!

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اٰمَنُوْۤا	ایمان لائے	اِنْ تُطِيْعُوْا	اگر کہنا مانو گے تم

فَرِيْقًا	کچھ لوگوں کا	اِلٰى صِرَاطٍ	راستے کی طرف	اَعْدَآءً	دشمن
مِّنَ الَّذِيْنَ	ان میں سے جو	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے	فَاَلَّفَ	پس جوڑ دیا
اُوْتُوا	دیئے گئے	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ	تمہارے دلوں کو
الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	اٰمَنُوا	ایمان لائے	فَاَصْبَحْتُمْ	پس ہوگئے تم
يَرُدُّوْكُمْ (۱)	بنادیں گے تم کو	اتَّقُوا اللّٰهَ	اللہ سے ڈرو	بِنِعْمَتِهٖٓ	اس کے فضل سے
بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ	تمہارے ایمان کے بعد	حَقَّ (۲)	جیسا حق ہے	اِخْوَانًا	بھائی بھائی
كٰفِرِيْنَ	کافر	تُقٰتِهٖ	اس سے ڈرنے کا	وَكُنْتُمْ	اور تھے تم
وَكَيْفَ	اور کیسے	وَلَا تَمُوْتُنَّ	اور ہرگز نہ مرو تم	عَلٰى شَفَا	کنارے پر
تَكْفُرُوْنَ	کفر کروگے تم	اِلَّا وَاَنْتُمْ	مگر درانحالیکہ تم	حُفْرَةٍ	گڑھے
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	مُّسْلِمُوْنَ	فرمان بردار ہو	مِّنَ النَّارِ	دوزخ کے
تُتْلٰى	پڑھی جاتی ہیں	وَاعْتَصِمُوْا	اور مضبوط پکڑو	فَاَنْقَذَكُمْ	پس نجات دی تم کو
عَلَيْكُمْ	تم پر	بِحَبْلِ اللّٰهِ	اللہ کی رسّی	مِّنْهَا	اس سے
اٰيٰتُ اللّٰهِ	اللہ کی آیتیں	جَمِيْعًا	سب مل کر	كَذٰلِكَ	اس طرح
وَفِيْكُمْ	اور تمہارے اندر	وَّلَا تَفَرَّقُوْا	اور نہ بٹ جاؤ	يُبَيِّنُ اللّٰهُ	بیان کرتے ہیں اللہ
رَسُوْلُهٗ	اس کے رسول ہیں	وَاذْكُرُوْا	اور یاد کرو	لَكُمْ	تمہارے لئے
وَمَنْ يَّعْتَصِمْ	اور جو مضبوط پکڑے گا	نِعْمَتَ اللّٰهِ	اللہ کا احسان	اٰيٰتِهٖ	اپنی آیتیں
بِاللّٰهِ	اللہ کو	عَلَيْكُمْ	تم پر	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
فَقَدْ هُدِيَ	تو بالیقین راہ پائی اس نے	اِذْ كُنْتُمْ	جب تھے تم	تَهْتَدُوْنَ	راہِ ہدایت پاؤ

ربط: وفد نجران (عیسائیوں) سے جو گفتگو آغازِ سورت سے شروع ہوئی تھی وہ گذشتہ آیت پر پوری ہوگئی، اب ایک آیت میں گفتگو کا موضوع بدلے گا، پھر آخر سورت تک مسلمانوں سے خطاب ہے۔

اور شروع سورت میں بیان کیا ہے کہ سورۃ البقرۃ میں بنی اسرائیل کے متقدمین (یہود) کا مفصل تذکرہ کیا ہے، اور ان

---

(۱) یردوکم: رَدَّ بمعنی صار ہے، کم: پہلا مفعول اور کافرون دوسرا مفعول ہے۔ (۲) حق تقاته: اتقوا الله کا مفعول مطلق ہے، تقاۃ: مصدر ہے، اور حق تقاته میں صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے یعنی برحق ڈرنا، کماحقہ ڈرنا۔

کے متاخرین (عیسائیوں) کا ذکر نہیں کیا، اب اس سورت کی ننانوے آیتوں میں ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے، پھر سورۃ البقرۃ مؤمنین کی اس دعا پر پوری ہوئی ہے: ﴿ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾: اسلام کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما! اب اس سورت میں اس کا بیان ہے کہ اللہ کی مدد کب آتی ہے؟ اس کے لئے کیا شرائط ہیں؟ آج کا مسلمان شرائط پوری نہیں کر رہا اور مدد کا امیدوار ہے! وضوء کے بغیر نماز کہاں ہوتی ہے؟ شرائط پوری کی جائیں تو مدد خداوندی ضرور آئے گی۔

مسلمان اہل کتاب کی ریشہ دوانیوں سے بچیں

گذشتہ دو آیتوں میں اہل کتاب (یہود ونصاری) کو ڈانٹا ہے کہ تم لوگوں کو کیوں گمراہ کرتے ہو؟ تم ایمان نہ لا کر دوسروں کے لئے بھی روک کھڑی کرتے ہو، جبکہ تم اسلام کی حقانیت کو جانتے ہو!

اب دو آیتوں میں مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ تم ان مفسدین کی ایک نہ سنو، اگر ان کی گمراہ کن باتوں پر کان دھروگے تو اندیشہ ہے کہ وہ تمہیں کفر کے تاریک کھڈے میں دھکیل دیں۔ اور تمہارے لئے کیسے ممکن ہے کہ تم ایمان لائے پیچھے کافر بن جاؤ؟ تمہارے درمیان اللہ کا عظیم رسول موجود ہے، وہ شب و روز تمہیں اللہ کا کلام پڑھ کر سناتا ہے، پس ہر طرف سے یکسو ہو کر ایک اللہ کو مضبوط پکڑو، جو اس کا ہو جاتا ہے وہی صراطِ مستقیم کو پالیتا ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی باتیں مانو گے تو وہ تم کو تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں گے! اور تم کفر کیسے اختیار کر سکتے ہو جبکہ تمہارے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، اور تمہارے درمیان اس کے رسول موجود ہیں —— یہ اہل کتاب کو مایوس کیا کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب نہیں ہونگے، مگر انہی مسلمانوں کو جو دین سے واقف ہیں دین سے بالکل ناواقف مسلمان ان کے شکار ہو جاتے ہیں —— اور جس نے اللہ کو مضبوط تھام لیا وہ بالیقین سیدھے راستہ پر پڑ گیا! —— اس طرح موضوع بدلا، اور ایک گروہ اس لئے فرمایا کہ سارے اہل کتاب ایسے نہیں، ان کے بد باطن ریشہ دوانی کرتے ہیں، آج بھی یہودی اور عیسائی مسلمانوں کو فکری اور عملی ارتداد میں مبتلا کرنے کی کوشش میں دن رات لگے ہوئے ہیں۔

مسلمان صحیح طرح اللہ سے ڈریں اور ہر وقت احکام کی پیروی کریں

اللہ کی مدد کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ ایمان کا دعوی رکھنے والے سچے مسلمان بنیں، اسلام میں دو قسم کے احکام ہیں، کرنے کے اور نہ کرنے کے، اول مثبت احکام ہیں، ثانی منفی، مثلاً نماز پڑھنا مثبت حکم ہے اور زنا چوری سے بچنا منفی حکم ہے، مسلمان دونوں قسم کے احکام پر عمل کریں تو سرخ رو ہونگے، منفی پہلو کی تعبیر قرآن میں عام طور پر تقوی سے کی جاتی ہے، تقوی کے معنی ہیں: اللہ سے ڈرنا، یعنی اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنا، اور مثبت پہلو کو اسلام سے تعبیر کرتے ہیں، اسلام کے معنی ہیں: فرمان برداری یعنی حکم بجالانا، جن کاموں کے کرنے کا حکم ہے، ان کو کرنا، اور منفی پہلو مقدم ہوتا ہے، جلبِ منفعت سے دفع مضرت مقدم ہے، پہلے تھپڑ سے بچے پھر تھپڑ مارے، اور ﴿ حَقَّ تُقٰتِهٖ ﴾ مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے، یعنی صحیح طرح اللہ سے ڈرو، جیسا اللہ سے ڈرنے کا حق ہے، اپنے مَن سے تو ہر شخص ڈرتا ہے، مگر یہ ڈرنا کافی نہیں، شراب پیتا ہے، ڈاڑھی منڈاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، یہ خیالی ڈرنا ہے جو کافی نہیں، موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں، جو ہر وقت اعمالِ اسلام پر کاربند ہے اسی کی موت اسلام پر آئے گی، جام ہاتھ میں تھا اور مرا تو اعمالِ اسلام پر کہاں مرا؟ یا نماز نہیں پڑھتا تھا اور مرا تو مسلمان کہاں مرا؟ آج مسلمانوں کی اکثریت مثبت و منفی پہلوؤں سے صفر ہے، اور رونا روتے ہیں کہ منکرین اسلام کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ہماری مدد کیوں نہیں کرتے؟ ہم محبوب کی امت ہیں! ذرا مسلمان شریعت کے آئینہ میں اپنا منہ دیکھیں پھر شکوہ کریں!

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝۱۰۲ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا ان سے ڈرنے کا حق ہے —— یہ منفی پہلو ہے —— اور مرتے دم تک اسلام پر قائم رہو! —— یہ مثبت پہلو ہے۔

مسلمان اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کریں

اللہ کی مدد کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ سب مسلمان مل کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑیں تو اسلام کی گاڑی سرکے گی، اگر وہ بٹے رہے تو خواہ ان کی تعداد کتنی بھی ہو اسلام کی گاڑی آگے نہیں بڑھے گی۔

آیت کا شانِ نزول: مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے: اوس اور خزرج، دونوں میں پرانی عداوت تھی، بات بات پر لڑائی ہو جاتی تھی، اور برسوں تک سرد نہیں پڑتی تھی، ان کی بعاث کی جنگ ایک سو بیس سال تک چلی ہے، اسلام نے دونوں قبیلوں کو شیر و شکر کر دیا، یہود مدینہ کو یہ بات ایک آنکھ نہ بھائی، ایک اندھا یہودی شماس نامی ان کی ایک ایسی محفل سے گذرا جس میں دونوں قبیلے جمع تھے، اس نے جنگِ بعاث کے مرثیے پڑھنے شروع کئے، جس سے آگ بھڑکی، اور قتل و قتال کی

نوبت آگئی، نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی، آپ صحابہ کے ساتھ ان کے مجمع میں تشریف لے گئے اور سمجھایا تب ان کا غصہ ٹھنڈا پڑا۔ آیت کے آخر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: انگریزوں کی اسکیم تھی: ''بانٹو اور پیٹو!'' اب اس اسکیم پر اکثریت عمل کر رہی ہے، اور مسلمان اول تو فرقوں میں بٹ گئے جس سے ان کی طاقت کمزور پڑگئی، پھر جو اہلِ حق ہیں ان کی صفوں میں بھی انتشار ہے، پس مسلمان پنپنے کا سلیقہ سیکھیں، اپنے فائدے پر اپنے بھائی کا فائدہ مقدم رکھیں، اور الیکشن میں مقابلہ بازی نہ کریں، ورنہ شیر منہ کھولے ہوئے ہے، نگل جائے گا۔

آیتِ کریمہ: اور سب مل کر اللہ کی رسّی مضبوط تھامو، اور بٹ مت جاؤ، اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب تم باہم دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، پس تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی ہوگئے، اور تم (کفر کی وجہ سے) جہنم کے کھڈّے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے، پس اللہ نے تم کو اس سے بچالیا، اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی باتیں بیان کرتے ہیں تاکہ تم راہِ ہدایت پاؤ۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٥﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْھَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٨﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾

ع ۱۱ / ۸

وَلْتَكُنْ	اور چاہئے کہ ہو	يَدْعُوْنَ	بلائے وہ	بِالْمَعْرُوْفِ	اچھے کاموں کا
مِنْكُمْ	تم میں سے	اِلَى الْخَيْرِ	نیک کام کی طرف	وَيَنْهَوْنَ	اور روکے وہ
اُمَّةٌ	ایک جماعت	وَيَاْمُرُوْنَ	اور حکم دے وہ	عَنِ الْمُنْكَرِ	برے کاموں سے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ	اور وہی لوگ	فَاَمَّا الَّذِيْنَ	سو رہے وہ جو	تِلْكَ	یہ
الْمُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہونے والے ہیں	اسْوَدَّتْ	سیاہ ہوگئے	اٰيٰتُ اللّٰهِ	اللہ کی باتیں ہیں
وَلَا تَكُوْنُوْا	اور نہ ہو تم	وُجُوْهُهُمْ	ان کے چہرے	نَتْلُوْهَا	پڑھتے ہیں ہم ان کو
كَالَّذِيْنَ	ان لوگوں کی طرح جو	اَكَفَرْتُمْ (۲)	کیا انکار کیا تم نے	عَلَيْكَ	آپ کے سامنے
تَفَرَّقُوْا	بٹ گئے	بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ	تمہارے ایمان کے بعد	بِالْحَقِّ	ٹھیک ٹھیک
وَاخْتَلَفُوْا	اور مختلف ہوگئے	فَذُوْقُوا	پس چکھو	وَمَا اللّٰهُ	اور نہیں اللہ
مِنْ بَعْدِ	بعد	الْعَذَابَ	سزا	يُرِيْدُ	چاہتے
مَا جَآءَهُمُ	ان کے پاس آنے	بِمَا كُنْتُمْ (۳)	بایں وجہ کہ تم	ظُلْمًا	حق تلفی
الْبَيِّنٰتُ	واضح باتوں کے	تَكْفُرُوْنَ	انکار کیا کرتے تھے	لِّلْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے لئے
وَاُولٰٓئِكَ	اور وہ لوگ	وَاَمَّا الَّذِيْنَ	اور رہے وہ جو	وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہے
لَهُمْ عَذَابٌ	ان کے لئے سزا ہے	ابْيَضَّتْ	سفید ہوئے	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہے
عَظِيْمٌ	بڑی	وُجُوْهُهُمْ	ان کے چہرے	وَمَا فِي الْاَرْضِ	اور جو زمین میں ہے
يَّوْمَ (۱) تَبْيَضُّ	جس دن سفید ہونگے	فَفِيْ رَحْمَةِ	تو وہ مہربانی میں ہیں	وَاِلَى اللّٰهِ	اور اللہ کی طرف
وُجُوْهٌ	کچھ چہرے	اللّٰهِ	اللہ کی	تُرْجَعُ	لوٹیں گے
وَّتَسْوَدُّ	اور سیاہ ہونگے	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں	الْاُمُوْرُ	سارے کام
وُجُوْهٌ	کچھ چہرے	خٰلِدُوْنَ	سدا رہنے والے ہیں	۞	۞

امت کی اصلاح کے لئے دعوت وارشاد کا مسلسل جاری رہنا ضروری ہے

اللہ کی مدد جب آتی ہے کہ امت دین پر عمل پیرا ہو (آیت ۱۰۲) اب ایک آیت میں یہ بیان ہے کہ امت کی اصلاح کے لئے دعوت وارشاد کا مسلسل جاری رہنا ضروری ہے، اس لئے کہ دنیا پچاس سال میں بدل جاتی ہے، تدریجاً نئی نسل آجاتی ہے، پس اگر اصلاح کا عمل جاری نہیں رہے گا تو نصف صدی کے بعد جہالت عام ہوجائے گی، اعمالِ اسلام میں خلل پڑے گا، مسلمان بے دین بلکہ بد دین ہوکر رہ جائیں گے، اور اللہ کی مدد رک جائے گی۔

(۱) یومَ: لهم کے فعلِ متعلّق کا مفعول فیہ بھی ہوسکتا ہے اور اذکر: فعلِ مقدر کا مفعول بہ بھی۔ (۲) اکفرتم: سے پہلے یقال لهم: مقدر ہے (۳) بما: میں ما مصدریہ ہے۔

برصغیر (متحدہ ہندوستان) میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی، مگر بادشاہ عجمی تھے، ان کا مزاج دعوت کا نہیں تھا، یہ مزاج عربوں کا ہے، یہاں صوفیاء نے محنت کی اور لاکھوں انسان مسلمان ہوئے، مگر ان کو سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا، اس لئے لوگ برائے نام مسلمان ہو کر رہ گئے، مومن، میواتی اور میمن: سب کا حال یکساں تھا، مگر اللہ کا فضل یہ ہوا کہ ملک پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد دارالعلوم دیوبند قائم ہوا اور اس کے نہج پر دوسرے ادارے وجود میں آئے، اور ان کے فضلاء نے جگہ جگہ دعوت وارشاد کا کام شروع کیا، پھر دارالعلوم دیوبند ہی کے ایک خوشہ چین نے تبلیغ کا کام شروع کیا، اور چاروں طرف سے محنت شروع ہوئی، مکاتب ومدارس نے بچوں پر محنت کی، جماعت تبلیغ نے بڑوں کو سنبھالا، اور مصلحین نے عوام کی خبر لی تو برصغیر کے احوال ماضی سے بہتر ہو گئے۔

دوسری طرف اسپین (قرطبہ اور اشبیلیہ) کا حال دیکھو، وہاں مسلمانوں نے سات سو سال حکومت کی ہے، اور ازبکستان کو دیکھو، جہاں دیہاتوں میں بھی اسلام کے جھنڈے لہرا رہے تھے، جب وہاں زوال آیا، اسلامی حکومت ختم ہوئی، اور روس نے قبضہ کیا اور دعوت وارشاد کا سلسلہ باقی نہ رہا تو اب وہاں اسلام کا نام بھی باقی نہیں۔

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۴ ﴾

ترجمہ: اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کا حکم دے، اور برے کاموں سے روکے، اور وہی لوگ کامیاب ہیں!

تفسیر:

۱- مصلحین کی اس جماعت کے لئے ضروری نہیں کہ وہ سب ایک جگہ اکٹھا ہوں اور سب مل کر جماعت بنا کر کام کریں، متفرق جگہ جو لوگ اصلاحِ حال کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں وہ سب اس کا مصداق ہیں۔

۲- قرآنِ کریم میں دو تعبیریں ہیں:

(الف) ﴿ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ﴾: وہ نیکی کے کاموں کی طرف بلاتے ہیں، یہ تعبیر دعوت وارشاد کے لئے ہے، جو مصلحین مسلمانوں میں کام کرتے ہیں وہ اس کا مصداق ہیں۔

(ب) ﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ ﴾: اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلا، یہ تعبیر دعوتِ اسلام کے لئے ہے، جو لوگ غیر مسلموں میں کام کرتے ہیں وہ اس کا مصداق ہیں۔

۳- ﴿ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ﴾ اجمال ہے، اور ﴿ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ تفصیل ہے، یہی نیکی کے کام ہیں۔

۴- ﴿ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ مصلحین کے لئے صلہ اور مژدہ ہے، ان کو ان کی بے لوث خدمت کا صلہ آخرت میں ملے گا، اور دنیا میں جو تنخواہ یا عزت ملتی ہے وہ رونگا (سودے سے زائد) ہے۔

گمراہ فرقے مسلمانوں کی کمزوری کا سبب

اللہ کی مدد جب آتی ہے کہ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد واتفاق ہو، گمراہ فرقے ملت کے افتراق کا سبب بنتے ہیں، وہ اپنی آن باقی رکھنے کے لئے ملّی اتحاد سے بھی گریز کرتے ہیں، صحابہ میں بھی سیاسی اختلافات ہوئے ہیں، مگر گمراہی نہیں تھی، سب صراطِ مستقیم پر تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم کے بادشاہ کو اس کے ارادۂ بد کے جواب میں لکھا تھا: ''اگر تو نے کوئی ارادہ کیا تو علی کے لشکر کا ادنی سپاہی معاویہ ہوگا''

نزولِ قرآن کے وقت مسلمانوں میں گمراہ فرقوں کی مثال نہیں تھی، امت کا پہلا قافلہ اصول وعقائد میں متفق تھا، مسائل میں اختلاف تھا، مگر وہ مضر نہیں، وہ امت کے لئے رحمت تھا، ایسی صورت میں قرآن گفتہ آید در حدیثِ دیگراں کا اصول اپناتا ہے، اہلِ کتاب کو دین واضح شکل میں دیا گیا، پھر کچھ لوگ صحیح دین پر برقرار رہے، ان کے چہرے قیامت کے دن روشن ہونگے، ان کو سدا بہار باغات میں داخل کیا جائے گا، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور کچھ لوگ اللہ کے دین سے ہٹ گئے، گمراہی کی دلدل میں پھنس گئے، ان کے منہ قیامت کے دن کالے ہونگے اور ان کو آخرت میں سخت سزا ملے گی، ان کو دھمکایا جائے گا: کم بختو! تم نے دولتِ ایمان کی یہ قدر کی کہ ایمان لانے کے بعد کفر کے راستہ پر پڑ گئے! اب چکھو اس کا مزہ!

اس مثال میں اشارہ ہے کہ آگے چل کر امتِ مسلمہ کا بھی یہی حال ہوگا، حدیث میں ہے کہ تم اگلوں کے نقشِ قدم پر چلو گے، ہو بہو! صحابہ نے پوچھا: یہود ونصاریٰ کے نقشِ قدم پر؟ آپؐ نے فرمایا: ''اور کس کے؟'' یعنی انہیں کی پیروی کروگے۔

باقی آیات: اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو بٹ گئے اور جدا جدا ہو گئے — کوئی دینِ حق پر رہا، کوئی گمراہ ہو گیا، یہ خطاب صحابہ سے ہے، وہ اہلِ کتاب کی طرح نہیں ہوئے، اصول وعقائد میں مختلف نہیں ہوئے، گمراہ فرقے صحابہ کے بعد پیدا ہوئے — ان کے پاس واضح احکامات آنے کے بعد — یعنی گذشتہ انبیاء کی تعلیمات میں کوئی خفا یا اجمال نہیں تھا، گمراہ فرقوں کے لئے کوئی عذر نہیں تھا، انھوں نے محض ضد میں اپنی راہ الگ کر لی، یہی کام اس امت کے گمراہ فرقوں کے بانیوں نے کیا — اور انہیں لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے، جس دن کچھ چہرے روشن ہونگے اور کچھ چہرے سیاہ ہونگے — اہلِ حق سرخ رو ہونگے اور گمراہ سیاہ فام! — رہے وہ جن کے چہرے سیاہ ہونگے (ان کو دھمکایا جائے گا:) کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے؟ — گمراہ فرقوں کے بانی پہلے مسلمان ہوتے ہیں، پھر ان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے تو وہ خود بھی ڈوبتے ہیں، اور دوسروں کو بھی لے ڈوبتے ہیں! — پس تم اپنے کفر کی سزا

میں عذاب چکھو! ـــــ گمراہ فرقے دو قسم کے ہیں: ایک: دائرہ اسلام سے خارج وہ تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، دوسرے: دین کے دائرے سے خارج، وہ اپنے غلط عقائد کی سزا پانے کے بعد جہنم سے نکلیں گے۔

اور رہے وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہونگے ـــــ جنت اللہ کی رحمت کا پَر تو ہے ـــــ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے!

یہ اللہ کی باتیں ہیں ـــــ پنڈت کی پوتھی کی باتیں نہیں ـــــ ہم ان کو آپؐ کے سامنے ٹھیک پڑھ رہے ہیں ـــــ پس یہ آپ ﷺ کی رسالت کی بھی دلیل ہیں ـــــ اور اللہ تعالیٰ جہانوں میں سے کسی کی حق تلفی نہیں کرنا چاہتے ـــــ ثواب میں کمی کرنا یا سزا میں زیادتی کرنا حق تلفی اور ظلم ہے، اللہ کی بارگاہ اس سے بالاتر ہے ـــــ اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ ہی کی طرف سارے کام لوٹیں گے ـــــ اہلِ حق اور اہلِ باطل سب اس بارگاہ میں حاضر ہونگے، اور سب اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

كُنْتُمْ	تھے تم (صحابہ)	وَتَنْهَوْنَ	اور روکتے ہو تم	لَكَانَ خَيْرًا	تو بہتر ہوتا
خَيْرَ اُمَّةٍ	بہترین جماعت	عَنِ الْمُنْكَرِ	ناجائز کاموں سے	لَّهُمْ	ان کے لئے
اُخْرِجَتْ	وجود میں لائی گئی	وَتُؤْمِنُوْنَ	اور یقین رکھتے ہو تم	مِنْهُمُ	بعضے ان میں سے
لِلنَّاسِ	لوگوں کے فائدے کیلئے	بِاللّٰهِ	اللہ پر	الْمُؤْمِنُوْنَ	ایمان لانے والے ہیں
تَاْمُرُوْنَ	حکم دیتے ہو تم	وَلَوْ اٰمَنَ	اور اگر ایمان لاتے	وَاَكْثَرُهُمُ	اور بیشتر ان کے
بِالْمَعْرُوْفِ	نیکی کے کاموں کا	اَهْلُ الْكِتٰبِ	اہل کتاب (یہود)	الْفٰسِقُوْنَ	حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں

ختم نبوت کے بعد دعوت وارشاد کی ذمہ داری کون سنبھالے گا؟

صحابہ سنبھالیں گے، پھر جو لوگ صحابہ کے نقش قدم پر ہیں

نبوت تو اپنی نہایت کو پہنچ گئی، خاتم النبیین ﷺ تشریف لے آئے، اب آگے دعوتِ اسلام اور رشد وہدایت کی

ذمہ داری کون سنبھالے گا؟ پہلے تو یکے بعد دیگرے انبیاء مبعوث ہوتے تھے، اور وہ دین کا کام کرتے تھے، اب یہ فریضہ کون انجام دے گا؟

اس آیت میں اس کا جواب ہے کہ آپ ﷺ کے بعد یہ فریضہ آپ ﷺ کے صحابہ انجام دیں گے، وہ پوری دنیا میں دین پہنچائیں گے، اور وہی مسلمانوں میں دین کی تبلیغ بھی کریں گے، اس لئے کہ وہ بھی نبی ﷺ کی طرح مبعوث ہیں، نبی ﷺ کی بعثت دوہری ہے، دلائل رحمۃ اللہ الواسعہ (۲: ۵۱) میں ہیں، امیین (عربوں) کی طرف آپ ﷺ راست مبعوث ہوئے ہیں، اور ساری دنیا کی طرف صحابہ کے واسطہ سے مبعوث ہوئے ہیں، تفصیل سورۃ الجمعہ کے شروع میں ہے (ہدایت القرآن ۸: ۱۷۱)

اور اللہ نے امت کے اس پہلے طبقہ میں یہ صلاحیت رکھی ہے، وہ آباد دنیا تک دین کی دعوت لے کر پہنچیں گے، پھر ان کے بعد چونکہ امت میں کوڑا بھی شامل ہوجائے گا، اس لئے جو لوگ عقائد و اعمال میں صحابہ کے نقشِ قدم پر ہونگے وہ یہ فریضہ انجام دیں گے، اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا، اور یہی حضرات خیر امت ہیں، علم الٰہی میں یہ بہترین جماعت تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ریزرو (محفوظ) رکھا تھا، جب سلسلۂ نبوت پورا ہوا تو ان کو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے وجود میں لایا گیا وہ لوگوں کو بھلائی کی باتوں کا حکم دیں گے، اور بری باتوں سے روکیں گے، اور ان کا اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہوگا، وہ کسی سے اپنے کام کے صلہ کی امید نہیں رکھیں گے، وہ انبیاء کے وارث ہونگے، اور انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾

ترجمہ: تم (علم الٰہی میں) بہترین امت تھے، جن کو لوگوں کی فائدہ رسانی کے لئے وجود میں لایا گیا ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو، اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین رکھتے ہو! ـــــ یعنی کسی سے صلہ کی امید نہیں رکھتے، اللہ ہی سے صلہ کے امید رکھتے ہو۔

یہ آیت صحابہ کے ساتھ خاص ہے، اور ان لوگوں کے لئے ہے جو صحابہ جیسے کام کریں (حضرت عمرؓ)

اس آیت پاک کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تین ارشاد مروی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے سدی رحمہ اللہ (مفسر قرآن تابعی) سے اس آیت پاک کی تفسیر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لو شاء الله لقال: "أنتم" فكنا كلّنا،	اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو أنتم فرماتے، پس اس وقت ہم سب آیت کا
ولكن قال: "كنتم" خاصةً في	مصداق ہوتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کنتم فرمایا ہے۔ خاص طور پر صحابہ

أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم؛ ومن صنع مثلَ صنيعهم كانوا خير أمة أخرجت للناس.

کرام کے بارے میں؛ اور جو لوگ صحابۂ کرام جیسے کام کریں وہ بہترین امت ہوں گے، جو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔

(۲) سُدّی رحمہ اللہ ہی سے ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ نے آیت کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

قال: يكون لأوَّلِنا، ولايكون لآخرنا.

فرمایا: یہ آیت ہمارے اگلوں کے لئے یعنی صحابہ کے لئے ہے، اور ہمارے پچھلوں کے لئے نہیں ہے۔

(۳) ابن جریر حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں:

ذُكرلنا أن عمر بنَ الخطاب رضى الله عنه قرأ هذه الآية: "كنتم خير أمة أخرجت للناس" الآية، ثم قال: يأيها الناس! من سَرَّهُ أن يكون من تلكم الأمة فليؤد شرط الله منها.

ہم سے یہ بات بیان کی گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کنتم خیر امـة تلاوت فرمائی، پھر فرمایا کہ جو شخص تم میں سے چاہتا ہے کہ اس امت (خیر الامم) میں شامل ہو تو چاہئے کہ وہ اللہ کی شرط پوری کرے، جو خیر الامم کے لئے آیت میں لگائی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا تینوں ارشادات کنز العمال ۲: ۳۷۵ و ۳۷۶ میں مذکور ہیں۔ حدیث نمبر ترتیب وار یہ ہیں ۴۲۸۹، ۴۲۹۲، ۴۲۹۳، حیات الصحابہ عربی ۱: ۱۷ میں بھی پہلا اور تیسرا اثر مذکور ہے۔

اس کے بعد ایک نحوی قاعدہ جان لیں تا کہ انتم اور کنتم کا فرق واضح ہو سکے۔ أنتم خير أمة جملہ اسمیہ خبریہ ہے، جو محض ثبوت واستمرار پر دلالت کرتا ہے، اس میں کسی زمانہ سے کوئی بحث نہیں ہوتی۔ مثلاً زيدقائم زید کے لئے قیام کے ثبوت واستمرار پر دلالت کرتا ہے کوئی خاص زمانہ اس میں ملحوظ نہیں۔ اور کنتم خَيْرَ أمة میں ضمیر کان کا اسم ہے۔ اور خير أمة مرکب اضافی کان کی خبر ہے اور نحوی قاعدہ یہ ہے کہ:

"کان اپنے دونوں معمولوں (اسم وخبر) کے ساتھ، اس کے اسم کے، اس کی خبر کے مضمون کے ساتھ محض اتصاف پر دلالت کرتا ہے (یعنی کوئی امر زائد اس میں نہیں ہوتا) ایسے زمانہ میں جو اس کے صیغہ کے مناسب ہو یا اس کے مصدر کے مشتقات میں سے جملہ میں مذکور صیغہ کے مناسب ہو۔ اگر صیغہ فعل ماضی ہو تو زمانہ صرف ماضی ہوگا۔ بشرطیکہ اس کو غیر ماضی کے لئے کرنے والا کوئی لفظ نہ ہو۔ اور اگر صیغہ خالص فعل مضارع کا ہو تو اس میں حال

واستقبال دونوں زمانوں کی صلاحیت ہوگی۔ بشرطیکہ کوئی حرف جیسے لَنْ، لَمْ وغیرہ اس کو کسی ایک زمانہ کے ساتھ خاص نہ کردیں یا اس کو ماضی کے لئے نہ کردیں۔ اور اگر صیغہ فعل امر ہو تو اس میں زمانہ استقبال ہوگا۔ مثلاً: کان الطفل جاریا (بچہ چلنے لگا) اس وقت کہیں گے جب بچہ زمانۂ ماضی میں چلنے لگا ہو۔ اور یکون الطفل جاریا اس وقت کہیں گے جب چلنا زمانۂ حال میں یا مستقبل میں متحقق ہو۔ اور کُنْ جاریًا سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ مخاطب زمانۂ مستقبل میں چلے (النحو الوافی ۱:۵۴۸)

پس اگر آیت میں أنتم خیرُ أمۃٍ ہوتا تو خیریت کا ثبوت دوام واستمرار کے ساتھ ہوتا اور پوری امت اس کا مصداق ہوتی۔ مگر جب آیت میں کنتم خیرَ أمۃٍ فرمایا گیا ہے تو نزول آیت کے وقت زمانۂ ماضی میں جو امت وجود پذیر ہو چکی تھی اس کو خیریت کے ساتھ متصف کیا گیا ہے۔ پس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی آیت کا مصداق اولیں ہوں گے، کیونکہ نزول آیت کے وقت انہیں کا تحقق ہو چکا تھا، باقی امت تو ابھی تک وجود پذیر نہیں ہوئی تھی۔ البتہ باقی امت کے وہ افراد جو آیت کی شرط پوری کریں وہ فن اعتبار سے آیت کا مصداق ہوں گے۔

جماعتِ صحابہ کے لئے حفاظت ضروری ہے

اور جس طرح نبی کے لئے عصمت ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر نبی کے پہنچائے ہوئے دین پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح جماعت صحابہ کے لئے حفاظت ضروری ہے، کیونکہ وہ خیر الامم ہیں اور وہ من وجہٍ مبعوث الی الآخرین ہیں، پس عدالت وحفاظت کے بغیر ان کے پہنچائے ہوئے دین پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اور یہ حکم کلی کے ہر ہر فرد کا ہے ارشاد نبوی ہے: ''میرے صحابہ آسمان کے تاروں کی مثال ہیں، ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کروگے منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے'' (یہ حدیث چھ صحابہ سے مروی ہے اور حسن لغیرہ ہے)

اسی عدالت وحفاظت کا نام صحابہ کا ''معیار حق'' ہونا ہے، جن لوگوں کے نزدیک اللہ ورسول کے علاوہ کسی کی ذہنی غلامی جائز نہیں، وہ سخت گمراہی میں ہیں، وہ سوچیں ان تک دین صحابہ ہی کے توسط سے پہنچا ہے، اگر وہی قابل اعتماد اور لائق تقلید نہیں، تو پھر ان کے دین کی صحت کی کیا ضمانت ہے!

غرض صحابہ کا طبقہ امت کا ایک ایسا طبقہ ہے جو من حیث الطبقۃ یعنی پوری کی پوری جماعت دین کے معاملہ میں مأمون ومحفوظ ہے، اور وہ ہر اعتقادی گمراہی یا عملی خرابی سے پاک ہے، کیونکہ وہ بھی مبعوث ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کردیا، لوگوں نے اس کو لے لیا، تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''اُسے چھوڑ دو، اور اس کے پیشاب پر پانی کی ایک بالٹی ڈال دو فإنما بُعثتم میسرین،

ولم تبعثوا معسّرین (کیونکہ تم آسانی کرنے والے بنا کر ہی مبعوث کئے گئے ہو، تنگی کرنے والے بنا کر مبعوث نہیں کئے گئے) (بخاری کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۲۲۰، مشکوٰۃ، باب تطہیر النجاسات حدیث نمبر ۴۹۱) یہ حدیث شریف صحابۂ کرام کی بعثت میں بالکل صریح اور دوٹوک ہے۔ عُلم من هذا الحديث أن أمته صلى الله تعالى عليه وسلم أيضًا مبعوثةٌ إلى الناس، فثبت له صلى الله عليه وسلم بعثتان ألبتة اھ (سندیؒ)

یہود کے لئے بھی خیر امت میں شامل ہونے کا دروازہ کھلا ہے

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے جہانوں پر برتری بخشی تھی، سورۃ البقرۃ (آیت ۴۷) میں اس کی صراحت ہے۔ اور اب خاتم النّبیین ﷺ کی بعثت کے بعد یہ فضیلت آپؐ کی امت کو عطا فرمائی ہے، اب وہی خیر امت قرار پائی ہے، بنی اسرائیل کی فضیلت ختم ہوگئی، مگر ان کے لئے بھی دروازہ کھلا ہے، وہ بھی نبی ﷺ پر ایمان لا کر بہترین امت میں شامل ہوسکتے ہیں۔

مگر ان کی صورتِ حال ناگفتہ بہ ہے، کچھ ہی حضرات ایمان لائے ہیں، حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں، باقی ان کے بیشتر اللہ کا حکم ماننے کے لئے اور ایمان لانے کے لئے تیار نہیں، یہ ان کا قصور ہے، اللہ نے ان کے لئے بھی دوبارہ فضیلت حاصل کرنے کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

﴿ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ﴾

ترجمہ: اور اگر اہلِ کتاب (یہود) ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا، ان میں سے بعضے ایمان لائے ہیں، اور ان میں سے اکثر حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ	ہرگز ضرر نہیں پہنچائیں گے وہ تم کو	اِلَّآ اَذًى	مگر ستانا	يُّقَاتِلُوْكُمْ	لڑیں گے وہ تم سے
		وَاِنْ	اور اگر	يُوَلُّوْكُمُ	پھیریں گے وہ تم سے

الْاَدْبَارَ	پیٹھوں کو	وَحَبْلٍ	اور رسی سے	كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ	انکار کیا کرتے تھے
ثُمَّ لَا	پھر نہیں	مِّنَ النَّاسِ	لوگوں کی	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کا
يُنْصَرُوْنَ	مدد کیے جائیں گے وہ	وَبَآءُوْ	اور لوٹے وہ	وَيَقْتُلُوْنَ	اور قتل کرتے تھے
ضُرِبَتْ	ماری گئی	بِغَضَبٍ	غصہ کے ساتھ	الْاَنْۢبِيَآءَ	نبیوں کو
عَلَيْهِمُ	ان پر	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کے	بِغَيْرِ حَقٍّ	ناحق
الذِّلَّةُ	ذلت (رسوائی)	وَضُرِبَتْ	اور ماری گئی	ذٰلِكَ	یہ بات
اَيْنَ مَا	جہاں بھی	عَلَيْهِمُ	ان پر	بِمَا عَصَوْا	ان کی نافرمانی کی وجہ
ثُقِفُوْٓا	پائے جائیں وہ	الْمَسْكَنَةُ	حاجت مندی		سے ہے
اِلَّا بِحَبْلٍ	مگر رسی سے	ذٰلِكَ	یہ بات	وَكَانُوْا	اور تھے وہ
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی	بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ ہے کہ وہ	يَعْتَدُوْنَ	حد سے نکل جاتے

فاسق یہودیوں کا تذکرہ: وہ مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے

فرمایا تھا: ﴿ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾: اکثر یہودی حد اطاعت سے نکل جانے والے ہیں، یعنی اللہ کا یہ حکم ماننے کے لئے تیار نہیں کہ نبی ﷺ پر ایمان لاؤ، مدینہ میں یہود کے تین قبائل تھے: بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع، اور مدینہ کے قریب خیبر میں بھی یہود آباد تھے، ان کے پاس مضبوط قلعے، گھنے باغات، وسیع کاروبار اور مال و دولت کا ڈھیر تھا، مشرکین پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، اب نئی جماعت مسلمانوں کی وجود میں آئی، ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے، ان کے اصل دشمن یہی یہودی تھے، وہ مسلمانوں کو مدینہ میں پنپنے نہیں دینا چاہتے تھے، ہر ممکن چال ان کے قدم اکھاڑنے کے لئے چلتے تھے، اللہ پاک پیشین گوئی فرماتے ہیں: وہ مسلمانوں کو کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچاسکیں گے، بس چھیڑ خانی تک بات رہے گی، لہٰذا ان کا خوف مت کھاؤ، اول تو وہ تم سے لڑنے کی ہمت نہیں کریں گے، اور اگر مقابلہ ہوگیا تو دُم دبا کر بھاگیں گے، اور جن مشرک قبائل کے ساتھ ان کے معاہدے ہیں، اور ان کو ان کی حمایت پر ناز ہے، ان میں سے کوئی ان کی مدد نہیں کرے گا، یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، مدینہ منورہ تینوں قبائل سے خالی کرالیا گیا، ایسی پیشین گوئی علام الغیوب کے علاوہ کون کرسکتا ہے؟ پس یہ رسالت کی صداقت کی بھی دلیل ہے۔

﴿ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ﴾

ترجمہ: وہ تم کو ہرگز ضرر نہیں پہنچاسکتے، ہاں ستائیں گے، اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر وہ

مدد نہیں کیے جائیں گے!

اللہ تعالیٰ یہود سے سخت ناراض ہیں، اس لئے ذلت اور حاجت ان کا مقدر بن گئی ہے

مدینہ کے یہود مسلمانوں کو کوئی بڑا ضرر کیوں نہیں پہنچا سکتے؟ اور اگر مسلمانوں سے مڈبھیڑ ہو تو دم دبا کر کیوں بھاگیں گے؟ وہ تو ہر اعتبار سے مضبوط ہیں! اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ یہود کی آن بان اور شان شوکت محض دکھاوا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہیں، اس لئے ان پر ذلت اور حاجت مندی کا ٹھپّہ لگا دیا ہے، وہ دنیا میں جہاں بھی رہیں ذلیل وخوار رہیں گے، اور ارب پتی بھی پیسے پیسے کو مرے گا، ایسے لوگ مسلمانوں کو کیا ضرر پہنچا سکتے ہیں؟ جن میں نہ مردانگی ہو نہ خرچ کا حوصلہ وہ مسلمانوں سے کیا لوہا لیں گے!

البتہ وہ دو صورتوں میں سر ابھار سکتے ہیں:

ایک: وہ اللہ کی رسّی تھام لیں، ایمان لے آئیں تو وہ سرخ رو ہو سکتے ہیں، ان کی ذلت ونکبت دور ہو جائے گی۔

دوم: لوگوں کا سہارا مل جائے، جیسے یورپ اور امریکہ کے سہارے انھوں نے فلسطین میں حکومت بنا لی ہے، یہ حکومت مکڑی کا جالا ہے، اگر ان کے آقاؤں کی نظریں پھر جائیں تو وہ زمین بوس ہو جائیں گے، وہ سمجھتے نہیں! یہ تو عیسائیوں نے ـــــ جو ان کے دشمن ہیں ـــــ ان کو قربانی کا بکرا بنایا ہے۔

اور آخر میں یہ بیان ہے کہ یہود پر ذلت ورسوائی اور حاجت مندی وپستی کا ٹھپّہ چار وجوہ سے لگا ہے:

۱- ماضی میں بھی اور اب بھی اللہ کی باتوں کو نہ ماننا ان کا شیوہ رہا ہے۔

۲- وہ نبیوں کو قتل کرتے رہے ہیں، یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ ناحق قتل کر رہے ہیں۔

۳- جو احکام ان کو دیئے جاتے تھے وہ ہمیشہ ان کی نافرمانی کرتے رہے۔ گائے ذبح کرنے کا ان کو حکم دیا تو سوالات کی بوچھار کر دی۔

۴- حدود شرعیہ سے تجاوز کرنا ان کا مزاج ہے، حِطَّة کہتے ہوئے سر جھکاتے ہوئے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا تو حِنطَة کہتے ہوئے سرینوں کے بل داخل ہوئے۔

اور گمراہی کے اسباب جب تہ بہ تہ جمع ہو جاتے ہیں تو ایمان کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، اسی کو دلوں پر مہر کرنا اور ذلت ورسوائی کا ٹھپّہ لگانا کہتے ہیں، اب ان کو ایمان کہاں نصیب ہوگا!

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللهِ وَيَقْتُلُوْنَ

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ: ان پر ذلت مسلط کردی گئی ہے، جہاں بھی وہ رہیں —— مگر اللہ کے سہارے یا لوگوں کے سہارے —— اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو چکے ہیں، اور ان پر پستی مسلط کردی گئی ہے، یہ بات اس لئے ہے کہ وہ احکام الٰہی کا انکار کیا کرتے تھے، اور انبیاء کو ناحق قتل کیا کرتے تھے، یہ بات ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہے، اور وہ حد سے نکل نکل جایا کرتے تھے۔

ملحوظہ: ﴿ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ میں واؤ بمعنی أو ہے (تفسیر ماجدی اردو)

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

لَيْسُوْا	نہیں وہ (اہل کتاب)	اٰنَآءَ الَّيْلِ (۲)	رات کے اوقات میں	عَنِ الْمُنْكَرِ	برائیوں سے
سَوَآءً	یکساں (برابر)	وَهُمْ	اور وہ	وَيُسَارِعُوْنَ	اور دوڑتے ہیں
مِنْ اَهْلِ	اہل کتاب میں سے	يَسْجُدُوْنَ	سجدے کرتے ہیں	فِي الْخَيْرٰتِ	نیک کاموں میں
الْكِتٰبِ		يُؤْمِنُوْنَ	یقین رکھتے ہیں وہ	وَاُولٰٓئِكَ	اور وہ لوگ
اُمَّةٌ (۱)	ایک جماعت	بِاللّٰهِ	اللہ پر	مِنَ الصّٰلِحِيْنَ	نیکیوں میں سے ہیں
قَآئِمَةٌ	(نماز میں) کھڑی	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن پر	وَمَا يَفْعَلُوْا	اور جو کرتے ہیں وہ
	رہنے والی ہے	وَيَاْمُرُوْنَ	اور حکم دیتے ہیں	مِنْ خَيْرٍ	کوئی بھی نیک کام
يَتْلُوْنَ	پڑھتے ہیں وہ	بِالْمَعْرُوْفِ	نیکی کے کاموں کا	فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ	تو ہرگز ناشکری نہیں کئے
اٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتیں	وَيَنْهَوْنَ	اور روکتے ہیں		جائیں گے وہ اس کی

(۱) أمة: مبتدا مؤخر ہے (۲) آناء: أنیٰ کی جمع: وقت۔

وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	لَنْ تُغْنِيَ	ہرگز نہیں ہٹائیں گے	شَيْـًٔا	ذرا بھی
عَلِيْمٌ	خوب جانتے ہیں	عَنْهُمْ	ان سے	وَاُولٰٓئِكَ	اور وہ لوگ
بِالْمُتَّقِيْنَ	پرہیز گاروں کو	اَمْوَالُهُمْ	ان کے اموال	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں
اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	وَلَآ اَوْلَادُهُمْ	اور نہ ان کی اولاد	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں
كَفَرُوْا	انکار کیا	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ (کے عذاب) سے	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں

ایمان لانے والے اہل کتاب کے احوال

حد اطاعت سے باہر نکل جانے والے (فاسق) یہودیوں کے تذکرہ کے بعد ایمان لانے والے اہلِ کتاب کا حال بیان فرماتے ہیں، دونوں کے احوال میں موازنہ کریں، ایمان کی برکت سے ان کی زندگی کیسی سنور گئی! ارشاد فرماتے ہیں: سب یہودی یکساں نہیں، ان میں فاسق ہیں تو حق شناس بھی ہیں، یہی لوگ نبی ﷺ پر ایمان لائے ہیں، مفسرین نے ان کے نام لکھے ہیں: حضرات عبد اللہ بن سلام، ثعلبۃ بن سعید، اُسید بن سعید اور اسد بن عبید رضی اللہ عنہم، اور قرآن کہتا ہے: ان کی ایک جماعت ہے:

۱- جو شب زندہ دار ہے، تہجد کی نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو کھڑے ہیں، قرآنِ کریم کی لمبی تلاوت کرتے ہیں، اور اسی اعتبار سے رکوع وسجود کرتے ہیں، جن کی نفل نماز کا یہ حال ہے ان کے فرائض کا کیا حال ہوگا؟ رات کے سناٹے میں ان کی نماز ایسی ہے تو دن کے اجالے میں ان کی نماز کیسی ہوگی؟

۲- وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر کامل یقین رکھتے ہیں، یہی اعتقاد اعمالِ صالحہ پر ابھارتا ہے، اس لئے قرآن وحدیث میں انہی دو عقیدوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۳- وہ لوگ نہ صرف خود پاکیزہ کرداری کے پتلے ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنا چاہتے ہیں، لوگوں کو نیکیوں کا شوق دلاتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

۴- وہ لوگ نیک کاموں کی طرف بے دلی اور بدشوقی سے نہیں، بلکہ بڑے شوق، رغبت اور چاؤ کے ساتھ لپکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ حضرات نیک بندوں میں شامل ہیں، اور نیک بندے جو بھی نیک کام کرتے ہیں اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی، اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو خوب جانتے ہیں، جزاء کے دن بھرپور صلہ ان کو عنایت فرمائیں گے۔

ان کے بالمقابل جو اہلِ کتاب ایمان نہیں لائے، جن کو اپنی دولت اور کنبہ پر ناز ہے وہ جان لیں کہ کل قیامت کو یہ چیزیں اللہ کے عذاب کو ذرا بھی نہیں ہٹا سکیں گی، ان کو جہنم کا ایندھن بننا پڑے گا، وہ اس میں ہمیشہ سڑیں گے!

فائدہ: پہلی آیت میں نماز کے ارکانِ ستہ میں سے تین کا ذکر کیا ہے: قیام، قراءت اور سجدہ، رکوع کا تذکرہ سجدہ کے ضمن میں آگیا، دونوں کے معنی جھکنے اور عاجزی کے ہیں، اور تکبیر تحریمہ میں اختلاف ہے کہ وہ رکن ہے یا شرط؟ اسی طرح قعدہ اخیرہ میں اختلاف ہے کہ وہ فرض ہے یا سنت بمعنی واجب؟ اور تہجد میں قیام اگرچہ فرض نہیں، مگر مستطیع کے لئے مستحب ہے اور اس میں ثواب پورا ملتا ہے، نبی ﷺ تہجد میں اتنا طویل قیام فرماتے تھے کہ پیر ورم کر جاتے تھے۔

آیاتِ کریمہ: وہ (یہود) سب یکساں نہیں، اہلِ کتاب میں سے ایک جماعت ہے (تہجد کی نماز میں) کھڑی ہونے والی، وہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیتیں (قرآنِ کریم) پڑھتے ہیں، اور وہ (رکوع) سجدہ کرتے ہیں، وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر کامل یقین رکھتے ہیں، اور نیکی کے کاموں کا حکم دیتے ہیں، اور برائیوں سے روکتے ہیں، اور لپک کر نیکی کے کام کرتے ہیں، اور وہ لوگ نیکوں میں سے ہیں، اور وہ جو بھی نیک کام کرتے ہیں، پس ہرگز ان کے اس کام کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتے ہیں —— بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے سے انکار کیا، ان سے ان کی دولت اور ان کی اولاد اللہ کے عذاب کو ذرا بھی نہیں ہٹائے گی، اور وہ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

مَثَلُ	عجیب حالت	فِيْهَا صِرٌّ	اس میں ٹھر (پالا) ہے	فَاَهْلَكَتْهُ	پس برباد کر دیا انھوں نے اسکو
مَا يُنْفِقُوْنَ	اسکی جو خرچ کرتے ہیں وہ	اَصَابَتْ	پہنچی وہ ہوا	وَمَا ظَلَمَهُمُ	اور نہیں ظلم کیا ان پر
فِيْ هٰذِهِ	اس دنیا کی	حَرْثَ	کھیتی کو	اللّٰهُ	اللہ نے
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	زندگی میں	قَوْمٍ	ایسی قوم کی	وَلٰكِنْ	لیکن
كَمَثَلِ	جیسے عجیب حالت	ظَلَمُوْٓا (۲)	جنھوں نے ظلم کیا	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں پر
رِيْحٍ (۱)	ہوا کی	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں پر	يَظْلِمُوْنَ	ظلم کرتے ہیں وہ

(۱) ریح (مفرد) قرآن میں عموماً عذاب کے موقع پر استعمال ہوا ہے اور ریاح (جمع) رحمت کے موقعہ پر۔ (۲) ظلموا انفسهم: یعنی کفار، کلام مثال سے ممثل لہٗ کی طرف منتقل ہوا ہے، اور یہ قرآن کا اسلوب ہے۔

ایمان کے بغیر جو خیرات کی جاتی ہے وہ آخرت میں برباد ہوگی

اب ایک آیت میں ایک سوال کا جواب ہے۔ فرمایا تھا کہ جو اہلِ کتاب نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے ان کی دولت آخرت میں ان کے کچھ کام نہیں آئے گی، اس پر سوال ہوا کہ یہودی، عیسائی اور ہندو بہت سے رفاہی اور خدمتِ خلق کے کام کرتے ہیں، پس کیا یہ نیک کام بھی آخرت میں ان کے کام نہیں آئیں گے؟

اس آیت میں اس کا جواب ہے کہ ایمان کے بغیر کیا ہوا ان کا یہ نیک کام آخرت میں برباد ہوگا، اس کا کوئی صلہ ان کو نہیں ملے گا، اس کو ایک آسان اور عام فہم مثال سے سمجھاتے ہیں، ایک شخص نے کھیت بویا، کھیتی لہلہانے لگی، کسان اس کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اور اس سے بہت کچھ امیدیں باندھتا ہے، پھر اچانک پالا پڑتا ہے اور کھیت جل کر خاک ہو جاتا ہے، اور وہ کھیتی کی تباہی پر کف افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔

اسی طرح جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، کفر و شرک میں مبتلا ہیں، اور خیر خیرات اور دان پُن کرتے ہیں: قیامت کے دن ان کا کفر و شرک ان کے نیک عمل کو برباد کر دے گا، اور وہ آخرت میں تہی دامن رہ جائیں گے، کیونکہ گری بغیر کی مونگ پھلی کی مارکیٹ میں کوئی قیمت نہیں ملتی۔

اور یہ ان پر اللہ کا ظلم نہیں، بلکہ انھوں نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے کہ ایمان نہیں لائے، کفر و شرک میں مبتلا رہے، اعمال کی روح ایمان ہے، ایمان کے بغیر عمل بے جان ہے۔ البتہ حدیث میں ہے کہ غیر مسلم کے نیک کاموں کا پھل اس کو دنیا میں کھلا دیا جاتا ہے، شہرت کی شکل میں یا ناموری کی صورت میں یا اذیت ٹلنے کے ذریعہ یا کسی اور صورت میں صلہ مل جاتا ہے، آخرت میں اس کو کچھ نہیں ملے گا۔

آیتِ پاک: وہ لوگ (اہلِ کتاب) اس دنیوی زندگی میں جو خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا میں پالا ہو، وہ کسی ایسی قوم کی کھیتی کو پہنچے جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے ــــــ یعنی کفر کیا ہے، بات مثال سے ممثل لہٗ کی طرف منتقل ہوگئی ــــــ پس وہ (ہوا) اس کھیتی کو برباد کر دے، اور ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا ــــــ کہ ان کو ان کے نیک عمل کا صلہ نہیں دیا ــــــ بلکہ وہ اپنی ذاتوں پر ظلم کرتے ہیں ــــــ کہ ایمان نہیں لائے اور بے ایمانی کے ساتھ خیرات کرتے ہیں، ایسی خیرات کا انجام یہی ہوگا۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۚ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۚ

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	وَمَا تُخْفِيْ	اور جو چھپاتے ہیں	بِالْكِتٰبِ	کتابوں کو
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	صُدُوْرُھُمْ	ان کے سینے	كُلِّهٖ	ساری
لَا تَتَّخِذُوْا	نہ بناؤ تم	اَكْبَرُ	(اس سے) بڑی ہے	وَاِذَا	اور جب
بِطَانَةً (۱)	استر (رازدار)	قَدْ بَيَّنَّا	تحقیق بیان کردی ہم نے	لَقُوْكُمْ	ملتے ہیں وہ تم سے
مِّنْ دُوْنِكُمْ	اپنوں کے علاوہ	لَكُمُ الْاٰيٰتِ	تمہارے لئے اپنی باتیں	قَالُوْٓا	کہتے ہیں
لَا يَاْلُوْنَكُمْ (۲)	نہیں روکیں گے وہ تم سے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم
خَبَالًا (۳)	فساد کو	تَعْقِلُوْنَ	سمجھتے!	وَاِذَا خَلَوْا	اور جب تنہا ہوتے ہیں وہ
وَدُّوْا	آرزو کرتے ہیں وہ	هٰٓاَنْتُمْ (۵)	سنو! تم	عَضُّوْا	کاٹتے ہیں وہ
مَا عَنِتُّمْ (۴)	تمہاری مشقت کی	اُولَآءِ	اے لوگو!	عَلَيْكُمُ	تم پر
قَدْ بَدَتِ	تحقیق ظاہر ہوگئی ہے	تُحِبُّوْنَهُمْ	محبت کرتے ہو ان سے	الْاَنَامِلَ	پورے
الْبَغْضَاۗءُ	دشمنی	وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ	اور نہیں محبت کرتے وہ تم سے	مِنَ الْغَيْظِ	غصہ سے
مِنْ اَفْوَاهِهِمْ	ان کے مونہوں سے	وَتُؤْمِنُوْنَ (۶)	اور مانتے ہو تم	قُلْ مُوْتُوْا	کہو: مرو

(۱) بِطَانة: استر، نیچے کا کپڑا، خلاف ظِهارة: دل کی بات، ہم راز (۲) الاَ(ن) اَلْوا: کوتاہی کرنا، سست وکمزور ہونا، منع کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہے، جیسے لا آلوك نُصحا، لا آلوك جهدا (روح) (۳) خبالاً: دوسرا مفعول بہ ہے، خَبال: فساد، تباہی، باب نصر کا مصدر بھی ہے۔ (۴) ما عنتم: ما: مصدریہ ہے، عنتم: اس کا صلہ، موصول صلہ مرکر وَدوا کا مفعول بہ۔ (۵) ھاأنتم: ھا: حرفِ تنبیہ، أنتم: مبتدا، جملہ تحبونهم: خبر، اور أولاء: منادی، حرف ندا محذوف، ھا: دوبارہ نہیں لائے، آیت ۶۶ میں دوبارہ لائے ہیں۔ (۶) تؤمنون: آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دیا ہے۔

بِغَيْظِكُمْ	اپنے غصہ میں	وَاِنْ تُصِبْكُمْ	اور اگر پہنچے تمہیں	كَيْدُهُمْ	ان کی چال
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	سَيِّئَةٌ	کوئی برائی	شَيْئًا	کچھ بھی
عَلِيْمٌ	خوب جانتے ہیں	يَّفْرَحُوْا	خوش ہوتے ہیں وہ	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	سینوں والی باتوں کو	بِهَا	اس کی وجہ سے	بِمَا يَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو وہ
اِنْ تَمْسَسْكُمْ	اگر چھوئے تمہیں	وَاِنْ تَصْبِرُوْا	اگر صبر کرو تم		کرتے ہیں
حَسَنَةٌ	کوئی خوبی	وَتَتَّقُوْا	اور بچو تم	مُحِيْطٌ	گھیرنے والے ہیں
تَسُؤْهُمْ	بری لگتی ہے ان کو	لَا يَضُرُّكُمْ	نہیں نقصان پہنچائے گی تم کو	۞	۞

مسلمان: مسلمانوں کے سوا کسی کو رازدار نہ بنائیں

اب سلسلۂ کلام پیچھے کی طرف لوٹ گیا ہے۔ فرمایا تھا کہ اللہ کی مدد جب آئے گی کہ امت اعمال پر استوار ہو، اور سب مل کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑیں، پھر بات پھیلتی چلی گئی تھی، اب فرماتے ہیں کہ کامیابی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ خاص جنگی حالات میں مسلمان: مسلمانوں کے علاوہ کسی کو بھیدی اور رازدار نہ بنائیں، مسلمانوں کے دشمن مدینہ میں یہودی اور منافق تھے، اور منافقین میں بھی یہودی شامل تھے پس اگر اپنے جنگی راز دشمنوں کو دیدو گے تو کامیابی مشکل ہے۔

تمہارے دشمن خواہ کوئی ہوں، یہودی ہوں یا عیسائی، منافق ہوں یا مشرک: وہ تمہارے خیر خواہ نہیں ہوسکتے، وہ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے، وہ تمہیں زک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ تمہیں ضرر پہنچے، کبھی ان کی زبان بے قابو ہوجاتی ہے تو عداوت کے جذبات ظاہر ہوجاتے ہیں، اور ان کے دلوں میں جو دشمنی کی آگ بھری ہوئی ہے: اس کا تو تم اندازہ نہیں کرسکتے، پس عقلمندوں کا کام نہیں کہ ایسے بدباطن دشمنوں کو اپنا رازدار بنائیں۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۚ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۤءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنوں کے سوا کسی کو (جنگی حالات میں) رازدار مت بناؤ، وہ لوگ (تمہارے دشمن) تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے، ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ تمہیں مشقت پہنچے —— تم شکست سے دوچار ہوؤ —— بالیقین دشمنی ان کی زبانوں سے ظاہر ہوچکی ہے، اور جو سینوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے زیادہ ہے، ہم نے باتیں

تمہارے لئے کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم سمجھو!

اور سنو! تم ان سے واقعی محبت کرتے ہو، مگر ان کی طرف سے محبت ندارد! تم اللہ کی سبھی کتابوں کو مانتے ہو، بنی اسرائیل کے انبیاء پر جو کتابیں نازل ہوئی ہیں ان پر بھی تمہارا ایمان ہے، مگر وہ تمہاری کتاب کو جو بنی اسماعیل پر نازل ہوئی ہے: نہیں مانتے، اور وہ تمہارے سامنے تو اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں، اور تمہاری پیٹھ پیچھے تم پر غصہ کے مارے انگلیاں کاٹتے ہیں ان سے کہہ دو: اپنے غصہ میں پھانسی کھالو، ہمارا کیا بگڑے گا! اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہیں، وہ ہمیں تمہارے رازہائے سربستہ سے واقف کر دیں گے۔

﴿هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾

ترجمہ: سنو! تم — اے لوگو — ان سے محبت کرتے ہو، اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے، اور تم اللہ کی سبھی کتابوں کو مانتے ہو — اور وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے — اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لائے، اور جب تنہا ہوتے ہیں تو تم پر غصہ کے مارے انگلیاں کاٹتے ہیں، کہہ دو: اپنے غصہ میں مرو! بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں سے خوب واقف ہیں!

اور سنو: تمہاری ذرا سی بھلائی بھی ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، اور اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے، ایسے کمینہ لوگوں سے ہمدردی اور خیر خواہی کی کیا امید رکھتے ہو؟ اور دوستی کا ہاتھ ان کی طرف کیوں بڑھاتے ہو؟ اور اگر کوئی کہے کہ ہم ان کے ضرر سے بچنے کے لئے تعلقات ہموار رکھنا چاہتے ہیں تو جان لو کہ اگر تم نے صبر کیا، نفس کو ان کے ساتھ تعلقات سے روکا اور تم محتاط رہے تو ان کی چالیں رائگاں جائیں گی، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، ان کو پوری قدرت حاصل ہے کہ وہ ان کی اسکیموں کو خاک میں ملا دیں۔

﴿اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾

ترجمہ: اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو بری لگتی ہے، اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچتا ہے تو اس کی وجہ سے ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور احتیاط رکھو تو ان کی سازش سے تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا، بے شک اللہ تعالیٰ احاطہ کئے ہوئے ہیں ان کاموں کا کو جو وہ کرتے ہیں۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٢١﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٢﴾

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	لِلْقِتَالِ	لڑنے کے لئے	اَنْ تَفْشَلَا (۴)	کہ بزدلی دکھائیں
غَدَوْتَ (۱)	چلے ہیں آپؐ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
مِنْ اَهْلِكَ	اپنے گھر سے	سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ	سمیع وعلیم ہیں	وَلِيُّهُمَا	دونوں کے کارساز ہیں
تُبَوِّئُ (۲)	بٹھارہے ہیں	اِذْ هَمَّتْ	جب ارادہ کیا	وَعَلَي اللّٰهِ	اور اللہ ہی پر
الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کو	طَّاۗىِٕفَتٰنِ	دو جماعتوں نے	فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ بھروسہ کریں
مَقَاعِدَ (۳)	ٹھکانوں میں	مِنْكُمْ	تم میں سے	الْمُؤْمِنُوْنَ	مؤمنین

غزوۂ احد میں صورتِ حال نازک ہوگئی تو یہود ومنافقین نے گھی کے چراغ جلائے!

ابھی سابقہ سلسلۂ بیان چل رہا ہے، جب مسلمانوں کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ یہود ومنافقین کو بری لگتی ہے، اور جب کوئی تکلیف دہ بات پیش آتی ہے تو وہ خوشیاں مناتے ہیں، اب اس کی مثالیں بیان فرماتے ہیں، پہلے دوسری بات کی پھر پہلی بات کی مثال ہے، اس لئے کہ پہلی مثال مفصل ہے اور دوسری مختصر، اس لئے مختصر کو پہلے بیان کیا ہے۔

غزوۂ احد میں مشرکینِ مکہ ان کے بدر میں مارے گئے سرداروں کا بدلہ لینے کے لئے تین ہزار کی تعداد میں مدینہ پر چڑھ آئے، وہ ہتھیاروں سے پوری طرح لیس تھے، اور مسلمان کل ایک ہزار تھے، ان کے پاس ہتھیار بھی برائے نام تھے، پھر عین وقت پر منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس لوٹ گیا، اور مجاہدین کی تعداد صرف سات سو رہ گئی۔

اس کمی کی تلافی نبی ﷺ نے مورچہ بندی سے کی، آپؐ نے حیرت انگیز طریقہ پر فوجیوں کے ٹھکانے متعین کئے، اور پچاس تیر اندازوں کا دستہ فوج کی پشت پر ایک پہاڑی پر متعین کیا، تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کرسکے، اور ان کو ہدایت

---

(۱) غدا: بمعنی صار بھی آتا ہے، اس وقت وہ افعالِ ناقصہ میں سے ہوتا ہے، ضمیر واحد مذکر حاضر اس کا اسم ہے اور جملہ تبوی خبر (جمل حاشیہ جلالین) (۲) تبوئ: مضارع، واحد مذکر حاضر: ٹھکانہ دیتے ہیں، اتارتے ہیں، جگہ متعین کرتے ہیں (۳) مقاعد: مَقْعَد کی جمع منتہی الجموع، ظرف مکان: بیٹھنے کی جگہ۔ (۴) فَشِلَ (س) فَشَلاً: بزدلی دکھانا، ڈھیلا اور سست پڑنا۔

دی کہ وہ اپنی جگہ کسی حال میں نہ چھوڑیں، خواہ جنگ میں کامیابی ہو یا ناکامی، اور میمنہ اور میسرہ پر بنو حارثہ اور بنو سلمہ کو مقرر کیا، یہ بہادر قبائل تھے، مگر شیطان نے ان کو ورغلایا، اور وہ منافقوں کی طرح واپسی کی سوچنے لگے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو سنبھال لیا اور وہ جم گئے۔

پھر جنگ شروع ہوئی، پہلے انفرادی مقابلہ ہوا، اور کافروں کے علم بردار یکے بعد دیگرے کام آگئے، پھر عام مقابلہ شروع ہوا، مسلمانوں نے تابڑ توڑ حملہ کیا، اور کافروں کے چھکے چھوٹ گئے، ان کی عورتیں بھاگتی نظر آئیں، مجاہدین غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے، اور پہاڑی پر جو پچاس تیر انداز مقرر کئے تھے ان میں سے چالیس نے جگہ چھوڑ دی، وہ بھی غنیمت جمع کرنے کے لئے آگئے، جب مورچہ خالی ہو گیا تو خالد بن ولید نے سواروں کے رسالہ کے ساتھ عقب سے حملہ کر دیا، اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، ستر صحابہ شہید ہو گئے اور جو زندہ تھے زخمی تھے، نبی ﷺ بھی زخموں سے چور تھے، مگر اللہ کا کرنا کہ کفار سراسیمہ ہو کر میدان سے چل دیئے، یوں ہاری ہوئی بازی جیت لی گئی، مگر مسلمانوں کا نقصان ہو گیا، اس پر یہود اور منافقین نے خوب بغلیں بجائیں اور گھی کے چراغ جلائے! ان دو آیتوں میں اس کا تذکرہ ہے۔

نبی ﷺ نے میدانِ جنگ میں مورچہ بندی کی

نبی ﷺ ۱۱ شوال بروز جمعہ بعد نمازِ عصر میدانِ احد کے لئے روانہ ہوئے، مدینہ سے باہر نکل کر مقام شیخین پر فوج کا جائزہ لیا، جو نو عمر اور کم سن صحابہ تھے ان کو واپس کر دیا (یہ آٹھ حضرات تھے ان کے نام سیرۃ المصطفیٰ (۱۹۱:۲) میں ہیں) پھر بار کی صبح آپؐ وہاں سے روانہ ہوئے، جب احد کے قریب پہنچے تو رأس المنافقین عبداللہ بن ابی اپنے قبیلہ کے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس لوٹ گیا، اس نے کہا: جب ہماری بات نہیں سنی گئی تو ہم بلا وجہ اپنی جانوں کو کیوں ضائع کریں! اب نبی ﷺ کے ساتھ صرف سات سو صحابہ رہ گئے، مقام شیخین سے آپؐ نے رات کے آخری حصہ میں کوچ کیا، جب احد قریب آیا تو صبح کی نماز کا وقت ہو گیا، وہاں اذان دی گئی اور آپؐ نے تمام اصحاب کو نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر آپؐ لشکر کی طرف متوجہ ہوئے، مدینہ کو سامنے اور احد کو پس پشت رکھ کر صفوں کو مرتب فرمایا، اور پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ جبل احد کے پیچھے ایک پہاڑی پر مقرر فرمایا اور ان کا امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور ان کو حکم دیا کہ اگر ہم مشرکین پر غالب آجائیں تب بھی تم وہاں سے مت ہٹنا، اور اگر مشرکین ہم پر غالب آجائیں تب بھی تم اس جگہ سے مت سرکنا، اور ہماری مدد کے لئے مت آنا۔

پھر نبی ﷺ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا:

۱- مہاجرین کا دستہ: اس کا پرچم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

۳۔قبیلہ اوس (انصار) کا دستہ: اس کا علم حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔
۴۔قبیلہ خزرج (انصار) کا دستہ: اس کا علم حضرت حباب بن مُنذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔
اور جنگی نقطۂ نظر سے لشکر کی ترتیب و تنظیم قائم کی، منصوبہ بڑی باریکی اور حکمت پر مبنی تھا، جس سے نبی ﷺ کی فوجی قیادت میں عبقریت کا پتہ چلتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ کوئی کمانڈر خواہ کیسا ہی بالیاقت ہو، آپؐ سے زیادہ باریک اور باحکمت منصوبہ تیار نہیں کرسکتا، آپؐ نے پہاڑ کی بلندی کی اوٹ لے کر اپنی پشت اور اپنا دایاں بازو محفوظ کرلیا اور بائیں بازو پر دورانِ جنگ جس شگاف سے پشت پر حملہ کا اندیشہ تھا اسے تیر اندازوں کے ذریعہ بند کردیا اور پڑاؤ کے لئے ایک اونچی جگہ منتخب فرمائی کہ اگر خدانخواستہ شکست ہوجائے تو وہ جگہ کیمپ کا کام دے، اس میں پناہ لی جاسکے اور دشمن اس کی طرف پیش قدمی کرے تو سنگباری کرکے اس کو خسارہ پہنچایا جاسکے، اور دشمن کے لئے ایسا نشیبی مقام چھوڑ دیا کہ اگر وہ غالب آجائے تو فتح کا کوئی خاص فائدہ حاصل نہ کرسکے اور اگر مغلوب ہوجائے تو تعاقب کرنے والوں کی گرفت سے بچ نہ سکے، اس طرح آپؐ نے ممتاز بہادروں کی ایک جماعت منتخب کرکے فوجی تعداد کی کمی پوری کردی، یہ تھی نبی ﷺ کے لشکر کی ترتیب و تنظیم جو ۷ شوال سن ۳ ہجری یوم سنیچر کی صبح کو عمل میں آئی (ماخوذ از الرحیق المختوم ص: ۳۹۷) آیتِ کریمہ میں اسی مورچہ بندی کا ذکر ہے۔

جنگ احد میں منافقین کا کردار

مقام ’شیخین‘ سے طلوع فجر سے کچھ پہلے آپ ﷺ روانہ ہوئے اور مقام ’شوط‘ پہنچ کر فجر کی نماز ادا کی، اب آپؐ دشمن کے بالکل قریب تھے، دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، یہاں پہنچ کر عبداللہ بن ابی منافق نے تمرد اختیار کیا، وہ ایک تہائی لشکر یعنی تین سو افراد کو لے کر واپس ہوگیا، اور احتجاج بھی کرتا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات نہیں مانی، دوسروں کی بات مان لی، مگر حقیقت میں علاحدگی کا یہ سبب نہیں تھا، اگر یہ سبب ہوتا تو اس کو لشکر کے ساتھ آنا ہی نہیں چاہئے تھا، اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اس نازک موقعہ پر الگ ہوکر اسلامی لشکر میں کھلبلی مچانا چاہتا تھا جب دشمن اس کی ایک ایک نقل وحرکت کو دیکھ رہا تھا، تاکہ ایک طرف فوجی نبی ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں اور جو باقی رہ جائیں ان کے حوصلے پست ہوجائیں، اور دوسری طرف یہ منظر دیکھ کر دشمن کی ہمت بڑھے اور اس کے حوصلے بلند ہوں، پس اس کی یہ کاروائی سارا کھیل بگاڑنے کی ایک مؤثر تدبیر تھی، اور قریب تھا کہ منافق اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتے، کیونکہ دو اور قبیلوں: بنوحارثہ اور بنوسلمہ کے قدم بھی اکھڑنے کے قریب ہوگئے تھے، وہ واپسی کی سوچ رہے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی اور وہ دونوں جماعتیں ارادۂ واپسی کے بعد جم گئیں۔

انصار کے دو قبیلے پھسلتے پھسلتے رہ گئے

خزرج کے قبیلہ بنی سلمہ نے اور اوس کے قبیلہ بنی حارثہ نے عبداللہ بن ابی کی طرح واپسی کا کچھ کچھ ارادہ کرلیا تھا، یہ دو قبیلے لشکر کی دونوں جانبوں میں تھے، اگر خدانخواستہ یہ قبیلے پلٹ جاتے تو لشکر بے بازو ہو جاتا، مگر توفیقِ خداوندی نے ان دونوں قبیلوں کی دست گیری کی، اللہ نے ان کو واپسی سے بچالیا۔

آیاتِ کریمہ: اور (یاد کیجئے) جب آپؐ گھر سے چلے، مسلمانوں کو جنگ کے لئے ان کی جگہوں میں جما رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں ــــ یعنی مورچہ بندی کا کمال اللہ کی ہدایت کی وجہ سے تھا ــــ (یاد کرو) جب تم میں سے دو جماعتوں نے دل میں خیال کیا کہ وہ ہمت ہار دیں، اور اللہ تعالیٰ دونوں کے کارساز تھے، اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سورۂ آلِ عمران کی یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے، جب بنوسلمہ اور بنوحارثہ نے ہمت ہاردی، اور میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں ارشاد فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ ان دونوں جماعتوں کا مددگار ہے'' یہ ان دونوں قبیلوں کے لئے بڑی فضیلت ہے، اللہ تعالیٰ نے بیانِ جرم کے ساتھ ولایت خاصہ کی بشارت بھی سنائی ہے، جس سے وعدہ معافی بھی مترشح ہوتا ہے، اور جرم کو بھی ہلکا کر کے پیش کیا ہے کہ دونوں قبیلے واپس نہیں ہوئے، صرف کم ہمت ہوئے، پھر اس کا وقوع بھی نہیں ہوا، بات خیال ہی کی حد تک رہی، اس لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت کا ابتدائی حصہ ہمارے لئے نامناسب تھا، مگر آخری حصہ میں ہمارے لئے بڑی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کارساز ہیں۔

جنگ احد میں فرشتوں کی کمک نہیں آئی

فرشتوں کی کمک بدر میں آئی تھی، مجاہدین کے ساتھ جنگ میں فرشتوں نے حصہ لیا تھا، پھر احزاب میں آئی، پھر حنین میں آئی، چنانچہ ان جنگوں میں واضح کامیابی ملی اور جنگ احد میں فرشتوں کی عام کمک نہیں آئی، اس لئے فتح ہزیمت سے بدل گئی، اس جنگ میں اللہ تعالیٰ کا یہی منشا تھا۔

ملحوظہ: ﴿اِذْ﴾ دونوں آیتوں میں مکرر لایا گیا ہے، تاکہ واقعہ کے دونوں اجزاء کو مستقل حیثیت حاصل ہو جائے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

ع

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	لِلْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں سے	وَيَاْتُوْكُمْ	اور آئیں گے وہ تم پر
نَصَرَكُمُ	مدد کی تمہاری	اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ	کیا ہرگز کافی نہیں	مِّنْ فَوْرِهِمْ (۳)	فی الفور
اللّٰهُ	اللہ نے		تمہارے لئے	هٰذَا	اسی وقت
بِبَدْرٍ	بدر میں	اَنْ يُّمِدَّكُمْ	(یہ بات) کہ مدد کریں	يُمْدِدْكُمْ	(تو) مدد کریں گے
وَّاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم		تمہاری		تمہاری
اَذِلَّةٌ (۱)	بے حیثیت (کمزور) تھے	رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار	رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار
فَاتَّقُوا	پس ڈرو	بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ	تین ہزار	بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ	پانچ ہزار
اللّٰهَ	اللہ سے	مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں سے	مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں سے
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	مُنْزَلِيْنَ (۲)	اتارے ہوئے	مُسَوِّمِيْنَ (۴)	نشان مقرر کرنے والے
تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاؤ	بَلٰٓى	کیوں نہیں!		(وردی پہننے والے)
اِذْ	(یاد کرو) جب	اِنْ تَصْبِرُوْا	اگر صبر کرو گے تم	وَمَا جَعَلَهُ	اور نہیں بنایا اس (مدد) کو
تَقُوْلُ	کہہ رہے تھے آپ	وَتَتَّقُوْا	اور احتیاط رکھو گے	اللّٰهُ	اللہ نے

(۱) أذلّة: ذلیل کی جمع ہے: کمزور، بے سروسامان، بے حیثیت، نرم دل (۲) مُنْزَل: اسم مفعول: اتارے ہوئے یعنی آسمانی فرشتے، ملأ اعلیٰ۔ (۳) فور: فوراً، فی الفور، ابھی ہاتھ کے ہاتھ، فار الماءُ: پانی کا ابلنا، زور سے نکلنا۔ (۴) مُسَوِّم: اسم فاعل، تَسْوِیم: خاص نشان لگانا، وردی پہن کر آنے والے

إِلَّا بُشْرٰى	مگر خوش خبری	مِّنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کا جنھوں نے	ظٰلِمُوْنَ	اپنا نقصان کرنے والے ہیں
لَكُمْ	تمہارے لئے	كَفَرُوْٓا	انکار کیا	وَلِلّٰهِ	اور اللہ کی کے لئے ہے
وَلِتَطْمَئِنَّ	اور تاکہ مطمئن ہوجائیں	أَوْ يَكْبِتَهُمْ [1]	یا ذلیل کریں ان کو	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو کچھ آسمانوں میں ہے
قُلُوْبُكُمْ	تمہارے دل	فَيَنْقَلِبُوْا	پس پلٹ جائیں وہ	وَمَا فِي الْأَرْضِ	اور جو کچھ زمین میں ہے
بِهٖ	اس (مدد) کی وجہ سے	خَآئِبِيْنَ	نامراد ہوکر	يَغْفِرُ	بخشتے ہیں
وَمَا النَّصْرُ	اور نہیں ہے مدد	لَيْسَ لَكَ	نہیں اختیار ہے آپ کو	لِمَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
إِلَّا مِنْ	مگر اللہ کی طرف سے	مِنَ الْأَمْرِ	معاملہ میں	وَيُعَذِّبُ	اور سزا دیتے ہیں
عِنْدِ اللّٰهِ		شَيْءٌ	کچھ بھی	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
الْعَزِيْزِ	زبردست	أَوْ يَتُوْبَ	یا توجہ فرمائیں وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
الْحَكِيْمِ	بڑے حکمت والے	عَلَيْهِمْ	ان پر	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
لِيَقْطَعَ	تاکہ کاٹ دیں وہ	أَوْ يُعَذِّبَهُمْ	یا سزا دیں ان کو	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم فرمانے
طَرَفًا	ایک حصہ	فَإِنَّهُمْ	پس بے شک وہ		والے ہیں

غزوۂ بدر میں صورتِ حال نازک تھی، مگر اللہ کی مدد آئی اور مسلمانوں کا ہاتھ اونچا ہوا تو یہود ومنافقین کو بہت برا لگا

اب ﴿إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ﴾ کی مثال بیان فرماتے ہیں، یہ مثال ایک آیت میں ہے، آگے مثال کے متعلقات ہیں، یہ قرآنِ کریم کا اسلوب ہے، اسی لئے دوسری آیت کے شروع میں ﴿إِذْ﴾ ہے، اور اس سے پہلے اُذکر پوشیدہ ہے، تاکہ اس کو مستقل حیثیت حاصل ہوجائے۔

بدر کی جنگ: اسلام کی پہلی جنگ تھی، اس وقت تک مسلمانوں کی عالم واقعہ میں کوئی نمایاں حیثیت نہیں تھی، وہ بحیثیتِ قوم کسی شمار قطار میں نہیں تھے، اور سامانِ جنگ بھی کوئی خاص نہیں تھا، دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، جن پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ اور چونکہ کسی مسلح فوج سے لڑنا پیش نظر نہیں تھا، ابوسفیان کے قافلہ کا تعاقب کرنا تھا، اس لئے جو لوگ وقت پر جمع ہوگئے ان کو ساتھ لے لیا، جن کی تعداد کم وبیش تین سو تیرہ تھی۔

دوسری طرف ایک ہزار آدمی پورے ساز وسامان کے ساتھ اپنا تجارتی قافلہ بچانے کے لئے مکہ سے نکلے تھے، ابوجہل

(۱) کبت (ض) کَبْتًا: ذلیل ورسوا کرنا۔

لشکر کا کمانڈر انچیف تھا، لشکر کرّ و فر، سامانِ طرب وعیش کے ساتھ، اور گانے بجانے والی عورتوں اور طبلوں کے ساتھ اکڑتا اِتراتا روانہ ہوا تھا، اور بدر میں پہلے پہنچ گیا تھا، اور اس نے پانی کے چشمہ پر قبضہ کرلیا تھا، اور مناسب جگہوں کو اپنے لئے چھانٹ لیا تھا، جب مسلمان بدر میں پہنچے تو ان کو پانی ملا نہ مناسب جگہ، ریتلا میدان تھا جہاں چلنا بھی دشوار تھا، پیر دھنس رہے تھے، مگر اللہ نے بارش بھیجی جس سے ریت جم گئی، اور مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے حوض بنا کر پانی جمع کرلیا۔

پھر جنگ شروع ہوئی، پہلے انفرادی مقابلہ ہوا، پھر گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی، اور نبی ﷺ نے ایک مٹھی مٹی لے کر مشرکین کی طرف پھینکی، مشرکین میں سے کوئی نہ بچا جس کی آنکھ، ناک اور منہ میں وہ مٹی نہ پہنچی ہو، مشتِ خاک پھینکنا تھا کہ کفار کا لشکر سراسیمہ ہوگیا، بڑے بڑے بہادر اور جان باز قتل اور قید ہونے لگے، اور ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ میدان کارزار کا فیصلہ ہوگیا۔ ستّر کافر مارے گئے اور ستّر ہی گرفتار ہوگئے۔

اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی کمک بھیجی، پہلے ایک ہزار، پھر اور دو ہزار پھر اور دو ہزار، کل پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے اترے، یہ فرشتے کفار کو نظر آئے، جس سے ان پر دھاک بیٹھی، صحابہ کو یہ فرشتے عام طور پر نظر نہیں آئے، مگر فرشتوں کا اس جنگ میں نازل ہونا اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا قتال کرنا آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے صراحتاً ثابت ہے، جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ جاننا چاہئے کہ دنیا عالم اسباب ہے، اس کی رعایت سے فرشتوں کو لشکر کی صورت میں مسلمانوں کی امداد کے لئے نازل فرمایا، ورنہ ایک ہی فرشتہ سب کے لئے کافی تھا۔

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی، جبکہ تم بے حیثیت (بے سروسامان) تھے، پس اللہ سے ڈرو —— یعنی ممنوعاتِ شرعیہ سے بچو، اور اس کے احکام کی تعمیل کرو، یہ آدھا مضمون فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دیا ہے —— تاکہ تم شکر بجالاؤ —— اس کا تعلق نصرکم سے ہے۔

فائدہ: بدر کی دعا میں نبی ﷺ نے عرض کیا تھا: ''اے اللہ! اگر آپ چاہیں تو آپ کی پرستش نہ ہو!'' آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ میں نے تمہاری مدد کی، اب تم ممنوعات سے بچو اور احکام کی تعمیل کرو، یہ بھی اللہ کی پرستش ہے۔

بدر میں کتنے فرشتے اترے تھے؟ تین ہزار یا پانچ ہزار؟

بدر میں کتنے فرشتے اترے تھے، تین ہزار یا پانچ ہزار؟ بلکہ سورۃ الانفال آیت ۹ میں ہے: ''وہ وقت یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کررہے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا، جو سلسلہ وار آئیں گے اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے بھیجی تھی کہ وہ تمہارے لئے بشارت بنے، اور اس سے تمہارے

دلوں کو قرار آئے، اور نصرت تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست حکمت والے ہیں" اس آیت میں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ہے، اور یہ آیت بھی غزوۂ بدر کے بارے میں ہے، اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ بدر میں کتنے فرشتے آئے تھے: ایک ہزار، تین ہزار یا پانچ ہزار؟

جواب: پہلے ایک ہزار آئے، پھر دو ہزار آئے تو تین ہزار ہوگئے، پھر دو ہزار آئے تو پانچ ہزار ہوگئے، فوج کی کمک اسی طرح آتی ہے، تاکہ فوج کا حوصلہ بڑھے اور دشمن پر دھاک بیٹھے، جب نئی کمک نعرہ لگاتی ہوئی آتی ہے تو دشمن کا استنجاء خطا ہوجاتا ہے۔

﴿ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۞ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: (یاد کرو) جب آپ مسلمانوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ تمہارے پروردگار تمہاری مدد کریں آسمان سے اتارے ہوئے تین ہزار فرشتوں سے؟ کیوں نہیں! —— یہ جواب ہے کہ کافی ہے —— اگر تم میدان میں ڈٹے رہے، اور محتاط رہے، اور وہ تم پر اسی وقت فوراً بول دیں تو تمہارے پروردگار پانچ ہزار وردی پوش فرشتوں سے تمہاری مدد کریں گے!

فائدہ: آسمان سے اتارے ہوئے: یعنی بڑے درجہ کے فرشتے، ملأ اعلی، ورنہ جو فرشتے زمین پر موجود تھے (ملأ سافل) ان سے بھی یہ کام لیا جاسکتا تھا (بیان القرآن)

فرشتے جب امداد کے لئے آتے ہیں تو کیا کام کرتے ہیں؟

فرشتے جب امداد کے لئے آتے ہیں تو کیا کام کرتے ہیں؟ باقاعدہ جنگ میں حصہ لیتے ہیں یا پشت پناہی کرتے ہیں؟

جواب: فرشتے جب بھی کسی جنگ میں نازل ہوتے ہیں تو لڑتے نہیں، لڑنا انسانوں کا کام ہے، فرشتے دلوں میں نیک جذبات ابھارتے ہیں، ہمت بندھاتے ہیں اور مجاہدین کے کاموں میں کمک پہنچاتے ہیں، جیسے کسی مجاہد نے بم پھینکا اس کا نشانہ غلط ہوسکتا تھا، فرشتہ اس بم کو صحیح جگہ گراتا ہے، یا مجاہد نے گیند لڑھکائی اس کو سومیٹر تک جانا چاہئے، فرشتہ نے اس میں کمک پہنچائی وہ ہزار میٹر تک چلی گئی، فرشتے جنگ میں اس طرح کا تعاون کرتے ہیں اور بدر کی جنگ میں فرشتوں کے لڑنے کی جو روایات ہیں ان کی صورت بھی یہی ہوئی تھی، صحابی نے تلوار چلائی، اس کی تلوار لگنے سے پہلے ہی دشمن کا سر جدا ہوگیا، یہ فرشتہ کی کمک تھی۔

﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ

اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: اور اللہ نے اُس (مدد) کو تمہارے لئے صرف خوش خبری بنایا، اور تاکہ اُس (مدد) کی وجہ سے تمہارے دل مطمئن ہوں، اور مدد تو زبردست حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

جنگِ بدر میں امداد ونصرت کی حکمت

بدر میں کفار کے ستر لیڈر قتل ہوئے، اور ستر ہی قید ہوئے، باقی رسوا ہو کر پسپا ہوئے: اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ اللہ نے ایسا اس لئے کیا کہ کفار کا زور ٹوٹے، اور اسلام کا راستہ ہموار ہو۔

﴿ لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْ یَکْبِتَھُمْ فَیَنْقَلِبُوْا خَآئِبِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ ﴾

ترجمہ: تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ایک حصہ کاٹ دیں ـــــ ان کو موت کی گھاٹ اتار دیں ـــــ جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا، یا ان کو رسوا کریں ـــــ قید ہوں یا پسپا ہوں ـــــ پھر وہ نامراد ہو کر پلٹ جائیں!

جنگِ بدر میں جو بچ گئے ان میں سے کچھ مسلمان ہوئے

زمین وآسمان میں اختیار سارا اللہ کا ہے، وہ جس کو مناسب ہوگا ایمان کی توفیق دیں گے، اور جسے چاہیں گے کفر کی سزا میں پکڑ لیں گے، ہدایت میں رسولوں کا کوئی دخل نہیں، ہدایت وگمراہی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس میں اشارہ ہے کہ زندہ بچ جانے والوں کو ممکن ہے اللہ ہدایت دیدیں، پس جو مقتول ہوئے ان میں بھی اللہ کی حکمت تھی، اور جن کو بچالیا ان میں بھی حکمت ہے۔

﴿ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ اَوْ یُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ﴾

ترجمہ: آپ کا معاملہ میں کچھ اختیار نہیں، یا تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف توجہ فرمائیں گے یا ان کو سزا دیں گے، اس لئے کہ وہ ظالم (مشرک کافر) ہیں، اور اللہ ہی کے لئے ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں، اور جو چیزیں زمین میں ہیں، بخشیں گے جسے چاہیں گے، اور سزا دیں گے جسے چاہیں گے، اور اللہ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

سوال: آیت کریمہ: ﴿ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ ﴾: کس واقعہ میں نازل ہوئی ہے؟ روایات میں اختلاف ہے، کسی روایت میں ہے کہ جب نبی ﷺ غزوۂ احد میں زخمی ہوئے تو زبانِ مبارک سے نکلا: ''وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کردیا جو ان کو اللہ کی طرف بلارہا ہے!'' پس یہ آیت نازل ہوئی۔

اور کسی روایت میں ہے کہ جب بیر معونہ کے واقعہ میں کفار نے ستّر قراء کو شہید کیا تو آپؐ نے ایک ماہ تک قنوتِ نازلہ پڑھا، پھر یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے بددعا بند کردی۔ اور بخاری شریف (حدیث ۴۰۶۹) میں ہے کہ آپؐ نے تین شخصوں کے لئے بددعا کی تو یہ آیت نازل ہوئی ـــــ پس آیت کا واقعی شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: یہ اختلاف کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، کیونکہ صحابہ ہر احتمالی صورت کے لئے اُنزلت فی کذا استعمال کرتے تھے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں بیان کیا ہے، البتہ حقیقی شانِ نزول غزوۂ بدر ہے، یہاں اسی سیاق میں یہ آیت آئی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ دشمن خواہ کتنا ہی نقصان پہنچائے داعی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ وہ اس کے لئے بددعا کرے، ممکن ہے اللہ اس کو ہدایت دے کر بخش دیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟ أَضْعَٰفًا مُّضَٰعَفَةً ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۳۰﴾ وَٱتَّقُوا۟ ٱلنَّارَ ٱلَّتِىٓ أُعِدَّتْ لِلْكَٰفِرِينَ ﴿۱۳۱﴾ وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوٓا۟ إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا ٱلسَّمَٰوَٰتُ وَٱلْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۳﴾ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ فِى ٱلسَّرَّآءِ وَٱلضَّرَّآءِ وَٱلْكَٰظِمِينَ ٱلْغَيْظَ وَٱلْعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِ ۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۴﴾ وَٱلَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا۟ فَٰحِشَةً أَوْ ظَلَمُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا۟ ٱللَّهَ فَٱسْتَغْفَرُوا۟ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ إِلَّا ٱللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا۟ عَلَىٰ مَا فَعَلُوا۟ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۵﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّٰتٌ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ ٱلْعَٰمِلِينَ ﴿۱۳۶﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ	اے وہ لوگو جو	لَا تَأْكُلُوا۟	مت کھاؤ	أَضْعَٰفًا (۱)	کئی گنا (بڑھا کر)		
ءَامَنُوا۟	ایمان لائے	ٱلرِّبَوٰٓا۟	سود	مُّضَٰعَفَةً (۲)	دونے پہ دونا		

(۱) أضعاف: ضِعف کی جمع: کئی گنا، یہ الفاظِ متضائفہ میں سے ہے، جن میں ایک کا وجود دوسرے کے وجود کا مقتضی ہوتا ہے جیسے نصف اور زوج (۲) مضاعفة: مفاعلة کے وزن پر مصدر ہے، ضِعف سے بنا ہے، اور أضعافا کی تاکید کے لئے ہے، عربی میں تابع مہمل نہیں ہوتا، معنی دار ہوتا ہے اور تاکید کرتا ہے، جیسے ظِلًّا ظَلِيلًا: گھنا سایہ۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اللہ سے	لِلْمُتَّقِیْنَ	پرہیزگاروں کے لئے	وَمَنْ یَّغْفِرُ	اور کون بخشتا ہے
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	اَلَّذِیْنَ	جو لوگ	الذُّنُوْبَ	گناہوں کو
تُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہوؤ	یُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں	اِلَّا اللّٰهُ	اللہ کے سوا
وَاتَّقُوا	اور ڈرو	فِی السَّرَّآءِ	خوش حالی میں	وَلَمْ یُصِرُّوْا	اور نہیں اڑتے وہ
النَّارَ الَّتِیْٓ	اس آگ سے جو	وَالضَّرَّآءِ	اور تنگ حالی میں	عَلٰی مَا فَعَلُوْا	اپنے کئے پر
اُعِدَّتْ	تیار کی گئی ہے	وَالْکٰظِمِیْنَ	اور دبانے والے	وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ	درانحالیکہ وہ جانتے ہیں
لِلْکٰفِرِیْنَ	اسلام کا انکار کرنے	الْغَیْظَ	غصہ کو	اُولٰٓئِکَ	وہی لوگ
	والوں کے لئے	وَالْعَافِیْنَ	اور معاف کرنے والے	جَزَآؤُھُمْ	ان کا بدلہ
وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ	اور حکم مانو اللہ کا	عَنِ النَّاسِ	لوگوں کو	مَّغْفِرَةٌ	بخشش ہے
وَالرَّسُوْلَ	اور اس کے رسول کا	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	مِّنْ رَّبِّھِمْ	ان کے رب کی طرف سے
لَعَلَّکُمْ	تاکہ تم	یُحِبُّ	پسند کرتے ہیں	وَجَنّٰتٌ	اور باغات ہیں
تُرْحَمُوْنَ	رحم کئے جاؤ	الْمُحْسِنِیْنَ	نیکوکاروں کو	تَجْرِیْ	بہتی ہیں
وَسَارِعُوْٓا	اور دوڑو	وَالَّذِیْنَ	اور جو لوگ	مِنْ تَحْتِھَا	ان میں
اِلٰی مَغْفِرَةٍ	بخشش کی طرف	اِذَا فَعَلُوْا	جب وہ کرتے ہیں	الْاَنْھٰرُ	نہریں
مِّنْ رَّبِّکُمْ	اپنے پروردگار کی	فَاحِشَةً	کوئی بے حیائی کا کام	خٰلِدِیْنَ	سدا رہنے والے
وَجَنَّةٍ	اور باغ کی طرف	اَوْ ظَلَمُوْٓا	اور نقصان کرتے ہیں	فِیْھَا	ان میں
عَرْضُھَا	جس کی چوڑائی	اَنْفُسَھُمْ	اپنی ذاتوں کا	وَنِعْمَ	اور کیا خوب ہے
السَّمٰوٰتُ	آسمانوں	ذَکَرُوا اللّٰهَ	یاد کرتے ہیں وہ اللہ کو	اَجْرُ	مزدوری
وَالْاَرْضُ	اور زمین کی ہے	فَاسْتَغْفَرُوْا	پس معافی چاہتے ہیں وہ	الْعٰمِلِیْنَ	کام کرنے والوں کی
اُعِدَّتْ	تیار کیا گیا ہے وہ	لِذُنُوْبِھِمْ	اپنے گناہوں کی	۞	۞

سودخور مسلمانوں کو جہنم میں جانا پڑسکتا ہے

فرمایا تھا: ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت ہے، وہ جسے چاہیں بخشیں اور جسے چاہیں سزا دیں، اور وہ غفور رحیم ہیں'' یعنی ان کی بخشش و رحمت، غضب اور پکڑ سے آگے ہے، اب اس کی دو مثالیں دیتے ہیں، ایک ان لوگوں

کی جن کو اللہ تعالیٰ سزا دیں گے، اور وہ سود خور مسلمان ہیں، اور مثال کافروں کی نہیں دی، ان کو تو کفر وشرک کی ابدی سزا ملے گی، اور سود خور مسلمانوں کو ان کے گناہ کی وقتی سزا ملے گی۔ یہ ایسا سنگین گناہ ہے جس کی شاید معافی نہ ہو، معصاتِ مؤمنین کو بھی جہنم میں جانا پڑسکتا ہے۔

فائدہ (۱): یہاں سود کے مسائل سے بحث نہیں، مسائل سورۃ البقرۃ میں آچکے ہیں، اور مثال سود خوروں کی دی ہے، سودی قرض لینے والوں کا تذکرہ نہیں کیا، ان کی مجبوری ہے، اگرچہ گناہ میں دونوں برابر کے شریک ہیں، مسلم شریف میں ہے: هم سواء: وہ گناہ میں یکساں ہیں، تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے، کوئی سود دے گا تو کوئی لے گا۔ مگر مثال سود خور کی دی ہے، اس کے لئے کوئی مجبوری نہیں۔

فائدہ (۲): سود تین طرح کا ہے: ربا القرض، ربا الفضل اور ربا النسیہ، قرآنِ کریم میں صرف اول کا ذکر ہے، باقی دو کا حدیثوں میں تذکرہ ہے۔ ربا القرض: مہاجنی سود کہلاتا ہے، یہ سنگین گناہ ہے، یہ بڑھتا جاتا ہے اور کئی گناہ ہوجاتا ہے، مثلاً: ایک ہزار روپے دس فیصد پر قرض دیئے تو ایک ماہ کے بعد قرضہ گیارہ سو ہوجائے گا، پھر اگلے مہینہ گیارہ سو پر دس فیصد سود چڑھے گا، اسی طرح ہر ماہ دس فیصد سود اصل سرمایہ میں شامل ہوتا رہے گا، اور مجموعہ پر دس فیصد سود بڑھے گا، اس طرح وہ ﴿ اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ﴾ ہوجائے گا۔

اس لئے فرمایا کہ دونے پر دونا کر کے سود مت لو، یعنی اللہ سے ڈرو اور ربا القرض سے بچو، آخرت کی کامیابی یہی ہے، سود لینے سے صرف دنیا میں مال بڑھتا ہے، مگر دنیا ہے کئی روز کی؟ پائدار زندگی آخرت کی ہے، وہاں کامیابی سود نہ لینے میں ہے، اگر سود لوگے تو اس جہنم میں جانا پڑسکتا ہے جو درحقیقت کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے، مگر سخت گنہگار مؤمنین کو بھی اس میں جانا پڑسکتا ہے، سود خوری ایسا ہی سخت گناہ ہے، پس اللہ کا اور ان کے رسول کا حکم مانو اور تینوں قسم کے سود سے بچو تاکہ تم پر اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں اور تمہیں بخش دیں۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡٓ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۝ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! چند در چند بڑھا کر سود مت لو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم کامیاب ہوؤ ——— تمہیں جنت نصیب ہو ——— اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ——— جہنم درحقیقت کفار ومشرکین کے لئے تیار کی گئی ہے، مگر سخت گنہگار مسلمانوں کو بھی سزا پانے کے لئے جہنم میں جانا پڑسکتا ہے ——— اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو، تاکہ تم پر مہربانی کی جائے ——— جہنم سے بچالیا جائے، اور سیدھے جنت میں پہنچا دیا جائے!

جو مسلمان نیک کام کرتے ہیں اور گناہ ہوجائے تو توبہ کرتے ہیں ان کو بخش دیا جائے گا

دوسری مثال: ﴿ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ﴾ کی ہے، یہ پرہیز گار مسلمان ہیں، جنت انہیں کے لئے تیار کی گئی ہے، جس میں بے پناہ وسعت (گنجائش) ہے، آسمانوں اور زمین کو پھیلائیں تو جتنی ان کی وسعت ہے اتنی جنت کی چوڑائی ہے، پس اس کی لمبائی کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ لمبائی: چوڑائی سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ بھی تشبیہ ہے، انسان کے ذہن میں آسمانوں اور زمین کی وسعت سے زیادہ کسی وسعت کا تصور نہیں، سورۂ ہود (آیات ۱۰۷و۱۰۸) میں جنت وجہنم میں خلود (ہمیشہ رہنے) کو ﴿ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ﴾ کی تشبیہ سے سمجھایا ہے، اسی طرح یہاں بھی اس تشبیہ سے جنت کی وسعت کو سمجھایا ہے، ورنہ اس کی وسعت کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا۔

یہ وسیع جنت پرہیز گاروں کے لئے بنائی ہے، اور پرہیز گار وہ ہیں جو نیکی کے تین کام کرتے ہیں:

۱- خوش حالی ہو یا تنگ حالی وجوہِ خیر میں خرچ کرتے ہیں۔

۲- کسی بات پر غصہ آتا ہے تو اس کو پی جاتے ہیں، نکالتے نہیں۔

۳- لوگوں کی غلطیوں سے درگذر کرتے ہیں، سزا نہیں دیتے۔

ایسے ہی نیکوکاروں کو اللہ دوست رکھتے ہیں، اور خدا نخواستہ کوئی بے حیائی والا کام ان سے سرزد ہوجاتا ہے یا کوئی عام گناہ کر بیٹھتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور اپنے گناہوں کی اللہ سے معافی مانگتے ہیں، کیونکہ اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا کوئی نہیں۔ غرض وہ جانتے بوجھتے اپنے گناہ پر اصرار نہیں کرتے، انہیں حضرات کا بدلہ مغفرت اور باغات ہیں، جن میں نہریں رواں دواں ہیں، اس لئے وہ باغات سدا بہار ہیں، وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے، پس کیسا اچھا ہے نیک عمل کرنے والوں کا صلہ!

فائدہ (۱): نبی ﷺ نے: ﴿ ذَکَرُوا اللّٰہَ ﴾ سے صلاۃ التوبہ مستنبط فرمائی ہے، اللہ کو یاد کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ شکل نماز ہے، نماز کا مقصد اور اس کا سب سے بڑا فائدہ اللہ کا ذکر ہے، لہٰذا جب بندہ کسی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوجائے تو اسے چاہئے کہ اچھی طرح پاکی حاصل کرے، پھر کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ جتنی چاہے پڑھے، پھر عاجزی اور انکساری کے ساتھ گڑگڑا کر معافی مانگے، ان شاء اللہ اس کے گناہ پر قلم عفو پھیر دیا جائے گا۔

اور توبہ کی ماہیت تین چیزیں ہیں: گناہ پر پشیمان ہونا، اس گناہ کو چھوڑ دینا، اور آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا، جب یہ تینوں باتیں جمع ہونگی تو توبہ متحقق ہوگی، ورنہ صرف زبانی جمع خرچ ہوگا۔

فائدہ (۲): ﴿ ذَکَرُوا اللّٰہَ ﴾ میں اشارہ ہے کہ اللہ یاد ہوتے ہوئے گناہ نہیں ہوسکتا، جب آدمی اللہ کو بھولتا ہے

جبھی گناہ کرتا ہے، پھر نیک بندے کو گناہ سے فارغ ہوتے ہی اللہ یاد آتا ہے اور وہ معافی مانگتا ہے، اور برا بندہ گناہ پر اڑتا ہے، اس کو اللہ یاد نہیں آتا، اور وہ گناہ میں پیر پسارتا رہتا ہے۔

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٣﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣٤﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾﴾

ترجمہ: اور لپکو اپنے پروردگار کی مغفرت حاصل کرنے کے لئے، اور ایسا باغ حاصل کرنے کے لئے جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی ہے، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

پرہیزگار وہ لوگ ہیں جو خوش حالی اور تنگ حالی میں خرچ کرتے ہیں، اور غصہ دبانے والے ہیں، اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند کرتے ہیں، اور وہ لوگ ہیں کہ جب وہ کوئی ایسا کام کر گذرتے ہیں جو بے شرمی کا ہے یا وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں —— یعنی کوئی بھی گناہ کا کام کرتے ہیں —— تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، پس وہ اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں —— اور اللہ کے سوا گناہوں کو بخشنے والا کون ہے؟ —— کوئی نہیں! —— اور وہ جانتے بوجھتے اپنے کئے ہوئے گناہ پر اڑتے نہیں، انہیں لوگوں کا بدلہ ان کے رب کی مغفرت ہے اور ایسے باغات ہیں جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور کیسا شاندار بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا!

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٣٧﴾ ھٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٨﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُھَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٠﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤١﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۪ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع

قَدْ خَلَتْ	تحقیق ہوچکے ہیں	مُّؤْمِنِيْنَ	ایماندار	الظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں کو
مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے	اِنْ يَّمْسَسْكُمْ	اگر پہنچا تمہیں	وَلِيُمَحِّصَ (۳)	اورتاکہ پاک صاف کریں
سُنَنٌ (۱)	واقعات	قَرْحٌ	زخم	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
فَسِيْرُوْا	پس چلو پھرو	فَقَدْ مَسَّ	توبالیقین پہنچ چکا ہے	الَّذِيْنَ	ان کو جو
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	الْقَوْمَ	لوگوں کو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
فَانْظُرُوْا	پس دیکھو	قَرْحٌ	زخم	وَيَمْحَقَ	اورمٹائیں وہ
كَيْفَ كَانَ	کیسا تھا	مِّثْلُهٗ	اس کے مانند	الْكٰفِرِيْنَ	اسلام قبول نہ کرنے
عَاقِبَةُ	انجام	وَتِلْكَ الْاَيَّامُ	اور یہ دن		والوں کو
الْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں کا	نُدَاوِلُهَا	ادلتے بدلتے رہتے	اَمْ حَسِبْتُمْ	کیا خیال ہے تمہارا
هٰذَا بَيَانٌ	یہ وضاحت ہے		ہیں ہم ان کو	اَنْ تَدْخُلُوا	کہ داخل ہوجاؤگے تم
لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	بَيْنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان	الْجَنَّةَ	جنت میں
وَهُدًى	اورراہ نمائی	وَلِيَعْلَمَ	اورتاکہ جانیں	وَلَمَّا يَعْلَمِ	اوراب تک نہیں جانا
وَّمَوْعِظَةٌ	اورنصیحت ہے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
لِّلْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کے لئے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ان کو جوایمان لائے	الَّذِيْنَ	ان کو جو
وَلَا تَهِنُوْا (۲)	اورنہ سست پڑو	وَيَتَّخِذَ	اوربنائیں وہ	جٰهَدُوْا	لڑے
وَلَا تَحْزَنُوْا	اورنہ غم کھاؤ	مِنْكُمْ	تم میں سے	مِنْكُمْ	تم میں سے
وَاَنْتُمُ	اورتم ہی	شُهَدَآءَ	شہداء	وَيَعْلَمَ (۴)	اور(نہیں) جانا
الْاَعْلَوْنَ	غالب رہوگے	وَاللّٰهُ	اوراللہ تعالیٰ	الصّٰبِرِيْنَ	ثابت قدم رہنے والوں کو
اِنْ كُنْتُمْ	اگرہوئے تم	لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	وَلَقَدْ كُنْتُمْ	اورالبتہ تحقیق تھے تم

(۱) سنن: سُنَّة کی جمع: راہ، طریقہ، مراد واقعات ہیں (۲) وَهَنَ يَهِنُ وَهْنًا: کمزور پڑنا، سست ہونا (۳) مَحَّصَ الشيئَ: خالص بنانا، آلودگی دور کرنا (۴) يعلم پہلے يَعْلَمْ پر معطوف ہے اور اس سے پہلے أن ناصبہ مقدر ہے، جیسے لا تأكل السمك وتشرب اللبن۔

تَمَنَّوْنَ	آرزو کرتے	اَنْ تَلْقَوْهُ	اس سے کہ ملاقات کرو	رَاَيْتُمُوْهُ	دیکھ لیا تم نے اس کو
الْمَوْتَ	موت کی		تم اس سے	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم
مِنْ قَبْلِ	پہلے	فَقَدْ	پس واقعہ یہ ہے	تَنْظُرُوْنَ	دیکھ رہے ہو

غزوۂ احد کا بیان

گذشتہ سلسلۂ بیان پورا ہوا۔اب غزوۂ احد میں ہزیمت کی حکمتوں کا بیان شروع ہوتا ہے،شروع میں دو تمہیدیں ہیں: تمہیدِ بعید اور تمہیدِ قریب، پھر غزوۂ احد میں ہزیمت کی چھ حکمتیں بیان کی ہیں۔

انبیاء کی تکذیب کرنے والے ہمیشہ ہلاک ہوئے ہیں

شروع کی دو آیتوں میں تمہیدِ بعید ہے، ان میں سے پہلی آیت میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے کہ ماضی میں ایسے واقعات پیش آچکے ہیں جن میں انبیاء کی تکذیب کرنے والے تباہ ہوئے ہیں، تم سرزمین عرب میں چل پھر کر ان ظالموں کا انجام دیکھو، عاد وثمود کے واقعات سے اور قومِ لوط اور اصحابِ مدین کی تباہی سے عبرت حاصل کرو، کیا آج نبی ﷺ کی تکذیب کا انجام اس سے مختلف ہوگا؟ یہ لوگوں (مشرکوں) کے لئے وضاحت ہے، ان کے لئے کھول کر بات بیان کر دی ہے، پھر دوسری آیت کے نصف آخر میں مسلمانوں کے تعلق سے فرمایا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے قرآن کا یہ بیان ہی راہ نما اور نصیحت ہے، ان کو زمین میں چلنے پھرنے کی ضرورت نہیں، ان کے لئے قرآن کا یہ بیان کافی ہے۔

﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: بالیقین تم سے پہلے واقعات پیش آچکے ہیں، پس تم سرزمین عرب میں چل پھر کر دیکھو انبیاء کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ یہ لوگوں (مشرکوں) کے لئے وضاحت ہے، اور اللہ سے ڈرنے والوں (مسلمانوں) کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔

۱- آخری فتح مسلمانوں کی ہوگی اگر وہ ایمان میں مضبوط رہیں

۲- احد میں مسلمانوں کو زخم پہنچا ہے تو ویسا ہی زخم فریق مقابل کو بھی پہنچ چکا ہے

پھر دو آیتیں بطور تمہیدِ قریب ہیں، جنگ احد میں عارضی ہزیمت پیش آئی تھی، مسلمان مجاہدین زخموں سے چور تھے، ان کے بہادروں کی لاشیں مثلہ کی ہوئی ان کی آنکھوں کے سامنے پڑی تھیں، بدبختوں نے نبی ﷺ کو بھی زخمی کر دیا تھا، اور

بہ ظاہر ہزیمت کا منظر سامنے تھا، اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، اور مسلمانوں سے دو باتیں کہیں:

پہلی بات: بختیوں سے مت گھبراؤ، دشمن کے سامنے نامردی کا مظاہرہ مت کرو، اور یاد رکھو! آج بھی تم ہی سربلند ہو، حق کی حمایت میں تکلیفیں اٹھا رہے ہو، جانیں دے رہے ہو، اور آخری فتح بھی تمہاری ہی ہوگی، انجام کار تم ہی غالب رہوگے بشرطیکہ ایمان کے راستہ پر مستقیم رہو، اور اللہ کے وعدوں پر اعتماد کرتے ہوئے اطاعت رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے قدم نہ ہٹاؤ، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا، اور پژمردہ جسموں میں حیاتِ نو پھونک دی، نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو بہ ظاہر غالب آچکے تھے، زخم خوردہ مجاہدین کے جوابی حملہ کی تاب نہ لاسکے اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔

دوسری بات: مسلمانوں کو جنگِ احد میں جو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا، اس سے وہ شکستہ خاطر ہوگئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان ٹوٹے دلوں کو جوڑا، مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر اس لڑائی میں تم کو زخم پہنچا ہے اور تکلیف اٹھانی پڑی ہے تو ایسا ہی حادثہ فریق مقابل کے ساتھ پیش آچکا ہے، احد میں تمہارے ستر آدمی شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے تو ایک سال پہلے بدر میں ان کے ستر آدمی جہنم رسید ہوئے، اور بہت سے زخمی ہوئے اور ستر کو تم نے گرفتار کیا، اور اُس جنگ میں اور اِس جنگ میں تمہارا کوئی آدمی گرفتار نہیں ہوا، تمہیں قید کی ذلت سے محفوظ رکھا، پس اگر تم اپنے نقصان کا ان کے نقصان سے موازنہ کروگے تو غم کا مداوا ہوجائے گا۔

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ﴾

ترجمہ: (۱) اور تم (احد میں ہزیمت سے) ہمت مت ہارو، اور کچھ غم نہ کھاؤ، اور (آئندہ) تم ہی غالب رہوگے اگر تم کھرے مؤمن ثابت ہوئے (۲) اگر تم کو زخم پہنچا ہے تو قوم (مشرکین) کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے۔

غزوۂ احد میں ہزیمت کی چھ حکمتیں

اس کے بعد غزوۂ احد میں عارضی ہزیمت کی چھ حکمتیں بیان کی ہیں:

پہلی حکمت: سنتِ الٰہی یہ ہے کہ جب حق و باطل کی کشمکش ہوتی ہے تو کامیابی اور ناکامی کو اللہ تعالیٰ ادلتے بدلتے رہتے ہیں، کبھی مسلمان کامیاب ہوتے ہیں کبھی مخالفین، تاکہ پردہ پڑا رہے، غیب پر ایمان لانا ضروری ہے، اگر ہر جنگ میں مسلمانوں کا ہاتھ اونچا رہے تو بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ حق یہی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پردہ ڈالے رہتے ہیں، کبھی مسلمان غالب آتے ہیں کبھی کافر، ہرقل نے بھی یہی بات کہی تھی کہ انبیاء کا بھی امتحان ہوتا ہے، مگر اچھا انجام انہی

کے لئے ہے۔

دوسری حکمت: اللہ تعالیٰ مؤمنین اور منافقین کے درمیان امتیاز کرنا چاہتے ہیں، دیکھو عین موقع پر منافقین مسلمانوں سے الگ ہوگئے، انھوں نے دیکھا کہ سامنے تین ہزار کی نفری ہے، پھر وہ اپنی جانوں کو جوکھوں میں کیوں ڈالیں؟ مگر مؤمنین ثابت قدم رہے، کیونکہ چت بھی ان کی تھی اور پٹ بھی ان کی!

تیسری حکمت: اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تم میں سے بعضوں کو مقام شہادت پر فائز کریں، اس لئے عارضی ہزیمت ہوئی اور مؤمنین نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

عارضی ہزیمت کی یہ آخری دو حکمتیں اس وجہ سے نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ظالم لوگ پسند ہیں اس لئے ان کو کامیاب کیا، وہ تو اللہ کے نزدیک مبغوض ہیں، چنانچہ ان کو ایمان وشہادت کے مقام سے دور پھینک دیا، اصل حکمت: مؤمنین کو آستین کے سانپوں سے بچانا اور مؤمنین کو ایمان کا صلہ دینا ہے۔

چوتھی حکمت: عارضی ہزیمت کی ایک حکمت مؤمن اور کافر کو پرکھنا بھی ہے، مسلمانوں کو گناہوں سے پاک صاف کرنا اور کافروں کو آہستہ آہستہ مٹا دینا ہے، وہ اپنے عارضی غلبہ اور وقتی کامیابی پر مسرور ومغرور ہوکر کفر وطغیانی میں پیر پساریں گے اور خدا کے قہر وغضب کے اور زیادہ مستحق بنیں گے اور رفتہ رفتہ صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے، اس واسطے یہ عارضی ہزیمت مسلمانوں کو ہوئی، ورنہ اللہ تعالیٰ کافروں سے راضی نہیں۔

پانچویں حکمت: جنت کے جن اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر اللہ تعالیٰ تم کو پہنچانا چاہتے ہیں کیا تم سمجھتے ہو کہ بس یونہی آرام سے وہاں پہنچ جاؤ گے؟ اور اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان نہیں کریں گے؟ اور یہ نہیں دیکھیں گے کہ تم میں سے کتنے اللہ کی راہ میں لڑنے والے اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہیں؟ ایسا خیال دل میں مت لانا، مقامات عالیہ پر وہی لوگ فائز ہوتے ہیں جو خدا کی راہ میں ہر طرح کی سختیاں جھیلتے ہیں اور قربانیاں پیش کرتے ہیں۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ❁ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں!

چھٹی حکمت: احد میں عارضی ہزیمت صحابہ کی آرزو کا نتیجہ تھی، جو صحابہ بدر کی جنگ میں شرکت سے محروم رہ گئے تھے وہ شہدائے بدر کے فضائل سن کر تمنا کیا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ پھر کوئی موقع لائیں تو ہم بھی راہِ خدا میں مارے جائیں اور شہادت کے مراتب حاصل کریں، انہی حضرات نے مشورہ دیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہئے، ان کو بتایا کہ جس چیز کی تم پہلے تمنا کیا کرتے تھے وہ تمنا آنکھوں کے سامنے آگئی تو اب افسوس کیسا؟ اور مقام شہادت عام طور پر کامیابی کی صورت میں ہاتھ نہیں آتا، ہزیمت کی صورت میں ملتا ہے۔

نوٹ: آیات کی تفسیر فوائد شیخ الہند سے ترتیب والفاظ بدل کر لی گئی ہے۔

﴿ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ﴾

ترجمہ: (۱) اور ہم یہ دن لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں (۲) تاکہ اللہ تعالیٰ جان لیں ان لوگوں کو جو مؤمنین ہیں (۳) اور تم میں سے بعضوں کو مقام شہادت پر فائز کریں ـــــ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں (شرک کرنے والوں) سے محبت نہیں رکھتے ـــــ (۴) اور (یہ دن بدلتے رہتے ہیں) تاکہ ایمان والوں سے میل کچیل صاف کریں! اور کافروں کو مٹادیں (۵) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں پہنچ جاؤ گے، اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے لڑنے والوں کو تم میں سے اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو (۶) اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ تم مرنے کی تمنا کیا کرتے تھے، موت کے سامنے آنے سے پہلے (یا اس واقعہ سے پہلے) سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو اپنی آنکھوں سے!

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَھُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَھُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىھُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

وَمَا مُحَمَّدٌ	اور نہیں ہیں محمدؐ	اِلَّا رَسُوْلٌ	مگر ایک رسول	قَدْ خَلَتْ	تحقیق ہو چکے ہیں

مِنْ قَبْلِهٖ	ان سے پہلے	كِتٰبًا	لکھا ہوا	فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں
الرُّسُلُ (۱)	رسول	مُّؤَجَّلًا	وقت مقرر کیا ہوا	اللّٰهِ	اللہ کے
اَفَاۡئِنْ	کیا پس اگر	وَمَنْ يُّرِدْ	اور جو چاہتا ہے	وَمَا ضَعُفُوْا	اور نہیں سست پڑے وہ
مَّاتَ	مر گئے وہ	ثَوَابَ الدُّنْيَا	دنیا کا بدلہ	وَمَا اسْتَكَانُوْا (۴)	اور نہ دبے وہ
اَوْ قُتِلَ	یا مار دیئے گئے وہ	نُؤْتِهٖ	دیتے ہیں ہم اس کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
انْقَلَبْتُمْ	(تو) پلٹ جاؤ گے تم	مِنْهَا	اس میں سے کچھ	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں
عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ	اپنی ایڑیوں پر	وَمَنْ يُّرِدْ	اور جو چاہتا ہے	الصّٰبِرِيْنَ	جمنے والوں کو
وَمَنْ يَّنْقَلِبْ	اور جو پلٹ جائے گا	ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ	آخرت کا بدلہ	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھی
عَلٰى عَقِبَيْهِ	اپنی ایڑیوں پر	نُؤْتِهٖ	دیں گے ہم اس کو	قَوْلَهُمْ	ان کی بات
فَلَنْ	پس ہرگز نہیں	مِنْهَا	اس میں سے	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ
يَّضُرَّ اللّٰهَ	نقصان پہنچائے گا وہ اللہ کو	وَسَنَجْزِي	اور اب بدلہ دیں گے ہم	قَالُوْا	کہا انھوں نے
شَيْئًا	ذرا بھی	الشّٰكِرِيْنَ	حق ماننے والوں کو	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!
وَسَيَجْزِي	اور ابھی بدلہ دیں گے	وَكَاَيِّنْ	اور بہت سے	اغْفِرْ لَنَا	بخش دے ہمارے لئے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مِّنْ نَّبِيٍّ	انبیاء	ذُنُوْبَنَا	ہمارے گناہ
الشّٰكِرِيْنَ	حق ماننے والوں کو	قٰتَلَ مَعَهٗ	لڑے اس کے ساتھ	وَاِسْرَافَنَا	اور ہماری زیادتی
وَمَا كَانَ	اور نہیں ہے	رِبِّيُّوْنَ (۲)	اللہ والے	فِيْٓ اَمْرِنَا	ہمارے کام میں
لِنَفْسٍ	کسی شخص کے لئے	كَثِيْرٌ	بہت	وَثَبِّتْ	اور جمادے
اَنْ تَمُوْتَ	کہ مرے وہ	فَمَا وَهَنُوْا (۳)	پس نہیں کمزور پڑے وہ	اَقْدَامَنَا	ہمارے پیر
اِلَّا بِاِذْنِ	مگر حکم سے	لِمَآ	اس کی وجہ سے جو	وَانْصُرْنَا	اور مدد فرما ہماری
اللّٰهِ	اللہ کے	اَصَابَهُمْ	پہنچی ان کو	عَلَى الْقَوْمِ	لوگوں پر

(۱) الرسل: میں الف لام جنسی ہیں استغراقی نہیں، اثباتِ مدعیٰ میں استغراق کو کوئی دخل نہیں، جیسے سورۃ المائدہ (آیت ۷۵) میں بھی الف لام جنسی ہیں (فوائد) (۲) ربیون: غالباً سریانی زبان کا لفظ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ "جماعتوں" کیا ہے اور اس کا واحد رِبِّیٌّ بتایا ہے، مفسرین عام طور پر اس کا ترجمہ: خدا کے طالب، خدا پرست، اللہ والے کرتے ہیں (۳) وَهَنَ يَهِنُ وَهْنًا فلانٌ: کام میں کمزور ہونا (۴) استکان: عاجز و ذلیل ہونا، دشمن کے سامنے دبنا، بے بس اور کم ہمت ہونا۔

الْكٰفِرِيْنَ	نہ ماننے والے	ثَوَابَ الدُّنْيَا	دنیا کا بدلہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَاٰتٰىهُمُ	پس دیا ان کو	وَحُسْنَ	اور خوب	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں
اللّٰهُ	اللہ نے	ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ	آخرت کا بدلہ	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو

جہاد کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لئے ہے، رسول کی ذات کے لئے نہیں

اب غزوۂ احد کے متعلقات (لگتی باتوں) کا تذکرہ ہے، غزوۂ احد میں جنگ کا پانسا اس وقت پلٹا تھا جب لشکر کے عقب میں پہاڑی پر جو پچاس تیر اندازوں کا پہرہ بٹھایا تھا، ان میں سے چالیس نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی، جب درہ خالی ہوگیا تو خالد بن ولید نے سواروں کے رسالہ کے ساتھ عقب سے حملہ کردیا، اور سامنے جو کفار بھاگے جارہے تھے وہ بھی پلٹ گئے، اور گھسان کا رن پڑا، اپنے پرائے کی تمیز نہ رہی، اور کتنے ہی مجاہدین شہید ہوگئے، اس وقت ابن قَمِیْئَۃ نے ایک بھاری پتھر پھینکا جس سے نبی ﷺ کا دندانِ مبارک شہید ہوگیا، اور خَود ٹوٹ کر ماتھے میں لوہے کا ٹکڑا گھس گیا، آپ ﷺ زمین پر گر پڑے اور شیطان نے آواز لگائی: محمدؐ مارے گئے! پھر کیا تھا مسلمانوں کے ہوش اڑ گئے، ان کے پاؤں اکھڑ گئے، اور بعض تو ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ گئے کہ اب لڑنا فضول ہے، اور بعض ضعفاء دشمن سے مصالحت کی سوچنے لگے، اسی کا ایک آیت میں تذکرہ ہے، فرماتے ہیں: محمد ﷺ صرف اللہ کے رسول ہیں، یہ حصر اضافی ہے، الوہیت کے تعلق سے حصر کیا ہے، یعنی حضرت محمد ﷺ خدا نہیں، خدا کے رسول اور بندے ہیں، اور بندوں کو جو احوال پیش آتے ہیں وہ آپؐ کو بھی پیش آسکتے ہیں، اور آپؐ سے پہلے بھی رسول ہوچکے ہیں، ان کو بھی موت آئی ہے، جو ہر متنفس کو آنی ہے، پس اگر آپ کا انتقال ہوجائے — اس تقدیم میں اشارہ ہے کہ آپؐ کی طبعی موت ہوگی — یا آپؐ شہید کئے جائیں جیسی کسی نے افواہ اُڑائی تھی، تو کیا تم الٹے پاؤں کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ — استفہام انکاری ہے یعنی تمہیں اللہ کا دین نہیں چھوڑنا چاہئے، اللہ سدا زندہ ہیں، پس ان کا دین بھی ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔ سنو! اگر رسول کی تشریف بری کے بعد کوئی اللہ کا دین چھوڑ کر الٹے پاؤں کفر کی طرف پلٹ جائے گا تو اللہ کا کیا بگڑے گا؟ — اس میں اشارہ ہے کہ آپؐ کی وفات کے بعد کچھ لوگ مرتد ہونگے، مگر اس سے اسلام کا کچھ نقصان نہیں ہوگا — اور جو لوگ دین پر جمے رہیں گے اور نعمتِ اسلام کی قدر کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ دارین میں خوب نوازیں گے، سین: قریب کے لئے ہے یعنی کچھ ہی وقت کے بعد دنیا میں بھی ان کو ان کے جہاد کا بدلہ ملے گا، اور سین: آخرت کے بدلہ کو بھی شامل ہے۔

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴾

ترجمہ: محمد (ﷺ) صرف رسول ہیں ــــ یعنی خدا نہیں کہ ان کو موت نہ آئے ــــ ان سے پہلے رسول ہو چکے ہیں ــــ ان کو بھی موت آئی ہے اور شہید بھی ہوئے ہیں ــــ پس اگر ان کا (محمد ﷺ کا) انتقال ہو جائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر (کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے؟ اور جو اپنی ایڑیوں پر (کفر کی طرف) لوٹ جائے گا تو وہ ہر گز اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا، اور اللہ تعالیٰ ابھی شکر گزار بندوں کو صلہ عطا فرمائیں گے!

موت کا وقت مقرر ہے، میدان میں بھی آسکتی ہے اور دوسری جگہ بھی!

غزوۂ احد میں مسلمانوں کا بھاری جانی نقصان ہوا تھا، ستر صحابہ شہید ہو گئے تھے، اسلام کا ابھی ابتدائی دور تھا، اس لئے یہ معمولی نقصان نہیں تھا، اس صورتِ حال سے سب شکستہ خاطر تھے، ایک آیت میں ان کو تسلی دیتے ہیں کہ موت کا وقت مقرر ہے، جہاں جس طرح موت لکھی ہے آئے گی، خواہ میدانِ جنگ میں آئے خواہ دوسری جگہ، پس اگر مقدر کی بات پیش آئی تو اس میں دل گیر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ ہوائی جہاز گرتا ہے، ٹرینیں ٹکراتی ہیں، ایکسیڈنٹ ہوتا ہے اور جانیں جاتی ہیں، ان کی اسی طرح ایک ساتھ موتیں لکھی ہوئی تھیں، اور قسمت کا لکھا ٹل نہیں سکتا، اور واقعہ رونما ہونے کے بعد تقدیر پر توکل کرنا شریعت کی تعلیم ہے۔

پھر آخر میں ان لوگوں پر تعریض (چوٹ) ہے جنھوں نے مالِ غنیمت کی لالچ میں حکم عدولی کی تھی، فرماتے ہیں: جو دنیا کا بدلہ (غنیمت) چاہتا ہے اس کو دنیا میں اللہ جتنا چاہتے ہیں دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کے لئے محرومی ہے، اور جو فرماں برداری پر ثابت قدم رہے، محاذ نہیں چھوڑا اور جام شہادت نوش فرمایا ان کو آخرت میں صلہ ملے گا، یہی بندے حق شناس ہیں، ان کو ان کا بھرپور بدلہ ملے گا۔

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اللہ کے حکم کے بغیر کوئی شخص مرتا نہیں، مقررہ مدت لکھی ہوئی ہے، اور جو دنیا کا بدلہ چاہتا ہے: ہم اس کو دنیا میں سے کچھ دیتے ہیں، اور جو آخرت کا بدلہ چاہتا ہے: ہم اس کو آخرت میں سے عطا کریں گے، اور ہم جلد شکر گزاروں کو صلہ عطا فرمائیں گے۔

کم ہمتوں کی عبرت کے لئے ماضی کی ایک مثال

جنگِ احد میں کچھ مسلمانوں نے کمزوری دکھلائی، بعض نے تو یہ تک کہا کہ کسی کو بیچ میں ڈال کر ابوسفیان سے امن

حاصل کرلو، ان مسلمانوں کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ تم سے پہلے بہت سے اللہ والوں نے نبیوں کے ساتھ ہو کر کفار سے جنگ لڑی ہے، جس میں بہت تکلیفیں اور سختیاں جھیلی ہیں، مگر ان کے عزائم میں کمزوری نہیں آئی، نہ انھوں نے ہمت ہاری، نہ ڈھیلے پڑے، نہ دشمن سے دبے، بلکہ دعا کرتے رہے: ''الٰہی! ہمارا گناہ معاف فرما، ہماری تقصیرات سے درگذر فرما، ہمارے دلوں کو مضبوط فرما، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما'' ایسے ہی ثابت قدم رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں۔

فائدہ: بسا اوقات مصیبت کے آنے میں لوگوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کا دخل ہوتا ہے، کون دعوی کرسکتا ہے کہ اس سے کبھی کوئی کوتاہی نہیں ہوئی؟ اس لئے کوئی مصیبت آئے تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرے، گناہ کی معافی مانگے اور کوتاہی نہ کرنے کا عزم کرے، ان شاء اللہ اللہ کی مدد آئے گی اور مصیبت دور ہوگی۔

﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَا اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٦﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤٨﴾ ﴾

ترجمہ: بہت سے نبیوں کے ساتھ ہو کر اللہ والوں نے (دشمنوں سے) لڑائی لڑی ہے، پس وہ کمزور نہیں پڑے، ان مصائب کی وجہ سے جو ان کو اللہ کے راستہ میں پہنچے، اور نہ وہ سست پڑے اور نہ دبے، اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں اور ان لوگوں کی دعا بس یہی تھی کہ الٰہی! ہمارے لئے ہمارے گناہ معاف فرما، اور (جنگ میں) ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرما، اور ہمارے قدموں کو جمادے، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما! پس اللہ نے ان کو دنیا کا بدلہ (کامیابی) دیا، اور آخرت کا بدلہ تو واہ واہ! اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥١﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	اِنْ تُطِيْعُوا	اگر کہا مانو گے

الَّذِیۡنَ	ان لوگوں کا جنھوں نے	النّٰصِرِیۡنَ	مددگار ہیں	مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ	ان مورتیوں کو کہ نہیں
كَفَرُوۡا	اسلام قبول نہیں کیا	سَنُلۡقِیۡ	ابھی ڈالیں گے ہم		اتاری اللہ نے
یَرُدُّوۡكُمۡ	پھیر دیں گے وہ تم کو	فِیۡ قُلُوۡبِ	دلوں میں	بِهٖ	ان کے شریک ہونے کی
عَلٰۤی اَعۡقَابِكُمۡ	تمہاری ایڑیوں پر	الَّذِیۡنَ	ان لوگوں کے جنھوں نے	سُلۡطٰنًا	کوئی دلیل
فَتَنۡقَلِبُوۡا	پس پلٹ جاؤ گے تم	كَفَرُوۡا	اسلام قبول نہیں کیا	وَمَاۡوٰٮهُمُ	اور ان کا ٹھکانا
خٰسِرِیۡنَ	گھاٹا پائے ہوئے	الرُّعۡبَ	دھاک (ہیبت)	النَّارُ	دوزخ ہے
بَلِ اللّٰهُ	بلکہ اللہ تعالیٰ	بِمَاۤ اَشۡرَكُوۡا	ان کے شریک کرنے	وَبِئۡسَ	اور برا ہے
مَوۡلٰٮكُمۡ	تمہارے کارساز ہیں		کی وجہ سے	مَثۡوَى	ٹھکانا
وَهُوَ خَیۡرُ	اور وہ بہترین	بِاللّٰهِ	اللہ کے ساتھ	الظّٰلِمِیۡنَ	ناانصافوں (مشرکوں) کا

مشرکین نے مسلمانوں کو کفر کی طرف لوٹنے کی دعوت دی

جنگ نمٹ گئی، میدان میں ۲۷ کفار ڈھیر ہوئے پڑے تھے، اور ۷۰ صحابہ نے جام شہادت نوش فرمایا تھا، باقی مسلمان بشمول نبی ﷺ زخمی تھے، آپ ایک اونچی چٹان پر چڑھ گئے، صحابہ بھی آپ کے پاس جمع ہوگئے، کفار بھی سامنے کی پہاڑی پر چڑھ گئے۔ابوسفیان (کمانڈر) نے پوچھا: أفیکم محمدٌ؟ کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ آپ نے فرمایا: جواب مت دو، پھر اس نے پوچھا: أفیکم أبو بکر؟ کیا تم میں ابوبکر ہیں؟ آپ نے فرمایا: جواب مت دو، پھر اس نے پوچھا: أفیکم عمر؟ کیا تم میں عمر ہیں؟ آپ نے فرمایا: جواب مت دو، ابوسفیان نے اعلان کیا: تینوں مارے گئے! یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہوسکی، اور فرمایا: تینوں زمین سے تیری ناک رگڑنے کے لئے موجود ہیں!

اس کے بعد ابوسفیان نے نعرہ لگایا: أُعْلُ هُبَلْ: ہبل بت کی جے! نبی ﷺ نے فرمایا: اس کا جواب دو، لوگوں نے کہا: کیا جواب دیں، فرمایا: کہو: الله أعلى و أجل: اللہ برتر و بالا ہیں، ابوسفیان نے دوسرا نعرہ لگایا: لنا العُزّٰی ولا عُزّٰی لکم: ہمارے لئے عزیٰ بت ہے، تمہارے پاس یہ بت نہیں! آپ نے فرمایا: اس کا جواب دو، لوگوں نے پوچھا: کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: کہو: الله مولانا ولا مولیٰ لکم: ہمارا کارساز اللہ ہے، تمہارا کوئی کارساز نہیں!

ان نعروں میں مسلمانوں کو دعوت دی تھی کہ ہبل کی طرف لوٹ آؤ عزت پاؤ گے، تمہارے نئے مذہب نے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، پہلی دو آیتوں میں اس کا تذکرہ ہے۔

اور موقع تھا کہ مسلمانوں پر جھاڑو پھیر کر جائیں، مگر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر

بھاگے، تیسری آیت میں اس کا تذکرہ ہے۔ اور دھاک کی وجہ ان کے شرک کو قرار دیا ہے، کیونکہ پائے چوبیں (لکڑی کے پاؤں) سے چل نہیں سکتے اور اللہ کی قدرت کامل ہے، پھر آخر میں ان کا اخروی انجام بیان کیا ہے۔

آیاتِ پاک: اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں پر پھیر دیں گے، پس تم گھاٹا پائے ہوئے پلٹو گے! بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کارساز ہیں، اور وہ بہترین مددگار ہیں!

ہم ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالتے ہیں، ان کے شریک ٹھہرانے کی وجہ سے اس چیز کو (جس کے شریک ہونے کی) کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری —— مشرکین اللہ کو مانتے ہیں، پس اگر اللہ کے کاموں میں کوئی ساجھی ہوتا تو اللہ ضرور اس سے اپنی کتابوں میں باخبر کرتے، جبکہ ایسی کوئی اطلاع نہیں دی، بلکہ شدومد سے شرک کی تردید فرمائی ہے —— اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے!

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	فَشِلْتُمْ (۳)	بزدلی دکھائی تم نے	تُحِبُّوْنَ	پسند کرتے ہو تم
صَدَقَكُمُ	سچا کیا تم سے	وَتَنَازَعْتُمْ	اور جھگڑا کیا تم نے	مِنْكُمْ مَّنْ	تم میں سے کچھ
اللّٰهُ	اللہ نے	فِي الْاَمْرِ (۴)	حکم میں	يُّرِيْدُ	چاہتے ہیں
وَعْدَهٗٓ (۱)	اپنا وعدہ	وَعَصَيْتُمْ	اور نافرمانی کی تم نے	الدُّنْيَا	دنیا
اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ (۲)	جب تم ان کو قتل کر رہے تھے	مِّنْۢ بَعْدِ	بعد	وَمِنْكُمْ مَّنْ	اور تم میں سے کچھ
بِاِذْنِهٖ	اللہ کے حکم سے	مَآ اَرٰىكُمْ (۵)	تمہیں دکھانے	يُّرِيْدُ	چاہتے ہیں
حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	مَّا (۶)	اس کو جو	الْاٰخِرَةَ	آخرت

(۱) وعده: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ [المؤمن ۵۱] (۲) حَسَّ (ن) حَسًّا فلانًا: سر قلم کرنا، مار ڈالنا (۳) فَشِل (س) فَشَلاً: ڈھیلا، سست پڑنا، بزدلی دکھانا (۴) الأمر: میں ال عہدی ہے، أی أمرُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۵) ما أراكم: ما مصدریہ (۶) ما تحبون: ما: موصولہ اور موصول صلہ مل کر أراكم کا مفعول ثانی۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ	پھر پھیر دیا تم کو	وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
عَنْهُمْ	ان سے	عَفَا	درگذر کیا اس نے	ذُوْ فَضْلٍ	مہربانی والے ہیں
لِيَبْتَلِيَكُمْ (۱)	تا کہ جانچیں وہ تم کو	عَنْكُمْ	تم سے	عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین پر

ربط: آیت کریمہ میں پانچ باتیں ہیں، پہلی بات: ماسبق سے مربوط ہے، باقی چار باتیں: پہلی بات کے متعلقات ہیں، اور یہ قرآنِ کریم کا اسلوب ہے، جب وہ کوئی مضمون اٹھاتا ہے تو اس کو متعلقات تک بڑھاتا ہے۔

جنگ کے شروع میں اللہ نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈالا

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا: ابھی ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے، وہ سر پر پاؤں رکھ کر دُم دبا کر بھاگیں گے، پس ان کا خوف مت کھاؤ، اور ان کی بات مت مانو، اب اس کی نظیر پیش کرتے ہیں، احد میں کفار چار گنا تھے، مسلمان سات سو تھے اور وہ تین ہزار تھے، جب جنگ شروع ہوئی تو پہلے انفرادی مقابلہ ہوا، کافروں کے سات علم بردار یکے بعد دیگرے ڈھیر ہو گئے، پھر عام جنگ شروع ہوئی، حضرات حمزہ، علی اور ابودجانہ رضی اللہ عنہم اس طرح دشمن پر ٹوٹے کہ صفیں کی صفیں صاف کر دیں، دشمن کے قدم اکھڑ گئے، وہ گھاٹیوں کی طرف بھاگے، ان کی عورتیں پائینچے چڑھا کر اِدھر اُدھر بھاگتی نظر آنے لگیں، اس طرح اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا، سورۃ المؤمن (آیت ۵۱) میں ہے: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾: ہم ضرور ہمارے رسولوں کی اور مؤمنین کی مدد کرتے ہیں، چنانچہ مدد آئی اور سب نے آنکھوں سے دیکھ لی، اسی طرح اب جنگ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کفار کے دلوں میں رعب ڈالیں گے۔

﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم ان کو بہ اذنِ الٰہی تہہ تیغ کر رہے تھے!

جنگ میں رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی سے پانسا پلٹا

اب ایک سوال کا جواب ہے:

سوال: جب جنگ کی ابتدا میں اللہ نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈالا، اور وہ پسپا ہو گئے، پھر جنگ کا پانسا کیسے پلٹا؟

جواب: تیر اندازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا تھا: انھوں نے اس کی خلاف ورزی کی، وہ آپس میں جھگڑنے لگے، کوئی کہتا تھا: ہمیں یہیں رہنا چاہئے، اکثر نے کہا: اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں، چل کر غنیمت حاصل کرنی چاہئے،

(۱) ابتلاء: آزمانا، آزمائش میں ڈال کر جان لینا۔

اس طرح اکثر تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی، جب مورچہ خالی ہوگیا تو خالد بن الولید نے اس سے فائدہ اٹھایا عقب سے دفعۃً حملہ کر دیا اور لڑائی کا نقشہ بدل گیا، پس ہزیمت کا سبب عصیان (نافرمانی) بنا، اللہ نے کچھ ظلم نہیں کیا۔

﴿ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ ﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ تم نے نامردی دکھائی، اور رسول کے حکم میں جھگڑا کیا، اور تم نے حکم عدولی (نافرمانی) کی اس کے بعد کہ اللہ نے تمھیں تمہاری خوشی کی چیز (فتح) دکھادی ــــ پس جنگ کا پانسا پلٹ گیا، لہٰذا قصور تمہارا تھا۔

حکم عدولی کا سبب مال کی ازحد محبت

پھر سوال ہے کہ تیر اندازوں نے حکم عدولی کیوں کی؟ جب ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی حال میں مورچہ نہ چھوڑیں، خواہ جنگ میں کامیابی ہو یا ناکامی، وہ پہاڑی پر اس وقت تک جمے رہے جب تک ان کو واپس نہ بلایا جائے، ایسی تاکید کے باوجود انھوں نے جگہ کیوں چھوڑ دی؟

جواب: ایسا مال کی ازحد محبت میں ہوا، مال کی محبت جب حدود سے بڑھ جاتی ہے تو تباہ کر کے چھوڑتی ہے، جنگ میں جو غنیمت حاصل ہوتی ہے وہ حسب قاعدہ فوجیوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ خواہ کوئی فوجی اس کے جمع کرنے میں شریک ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، پھر مورچہ چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ مگر حرص نے پیچھا نہیں چھوڑا، اور جنگ میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

فائدہ: مال کی محبت فطری ہے، اور بری نہیں، مال مایۂ زندگانی ہے، مگر مال کی حرص بری ہے، مگر دونوں کے ڈانڈے ملے ہوئے ہیں، آدمی حد قائم نہیں کر سکتا، جیسے خودداری صفتِ حمیدہ ہے اور گھمنڈ (تکبر) بری صفت ہے، مگر دونوں کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ہم نہیں سمجھتے تھے کہ انسان میں ایسی حد سے بڑھی ہوئی مال کی محبت بھی ہوتی ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہمیں پتہ چلا (انتہی) پس حقوق واجبہ میں مال کی محبت کی وجہ سے کوتاہی ہو تو سمجھنا چاہئے کہ وہ ازحد بڑھی ہوئی ہے، حقوقِ واجبہ میں حکم کی تعمیل بھی ہے، اس میں کوتاہی ہوئی اس کی وجہ سے عارضی ہزیمت ہوئی۔

﴿ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ﴾

ترجمہ: کوئی تم میں سے دنیا چاہتا ہے ــــ یہ ان لوگوں پر تعریض ہے جنھوں نے مورچہ چھوڑ دیا تھا ــــ اور کوئی تم میں سے آخرت چاہتا ہے ــــ یہ ان حضرات کی ستائش ہے جو پہاڑی پر جمے رہے تھے اور انھوں نے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔

جنگِ احد میں عارضی ناکامی میں حکمت

پھر ایک سوال ہے کہ عالم اسباب میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا اگرچہ ظاہری سبب ہوتا ہے، مگر حقیقت میں وہ اللہ کا فیصلہ ہوتا ہے، جنگِ احد میں جو عارضی ہزیمت ہوئی اس میں اللہ کی کیا حکمت تھی؟

جواب: سنتِ الٰہی یہ ہے کہ جب حق و باطل کی کشمکش ہوتی ہے تو کامیابی اور ناکامی کو اللہ تعالیٰ ادلتے بدلتے رہتے ہیں کبھی مسلمان کامیاب ہوتے ہیں کبھی مخالفین، تاکہ پردہ پڑا رہے، غیب پر ایمان لانا ضروری ہے، اگر ہر جنگ میں مسلمانوں کا ہاتھ اونچا رہے تو بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ حق یہی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پردہ ڈالے رہتے ہیں، کبھی مسلمان غالب آتے ہیں کبھی کافر، ہرقل نے بھی یہی بات کہی تھی کہ انبیاء کا بھی امتحان ہوتا ہے، مگر اچھا انجام انہی کے لئے ہوتا ہے۔

﴿ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ﴾

ترجمہ: پھر (ابتدائی کامیابی کے بعد) تم کو ان سے پھیر دیا، تاکہ وہ تم کو آزمائیں —— کہ تم غیب پر ایمان رکھتے ہو یا شکستہ خاطر ہو کر الٹے پاؤں پھر جاتے ہو؟

جن لوگوں نے مورچہ چھوڑا تھا: اللہ نے ان کو معاف کر دیا

آخر میں معافی کا اعلان ہے، جن لوگوں نے مورچہ چھوڑا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو بالکل معاف کر دیا، اب کسی کو جائز نہیں کہ ان پر اس حرکت کی وجہ سے طعن و تشنیع کرے (فوائد) اور جو لوگ میدان سے ہٹ گئے تھے ان کی معافی کا اعلان (آیت ۱۵۵) میں آئے گا۔

﴿ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے تم کو —— مورچہ چھوڑنے والوں کو —— معاف کیا، اور اللہ تعالیٰ مؤمنین پر مہربانی فرمانے والے ہیں۔

> اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اِذْ	(یاد کرو) جب	تُصْعِدُوْنَ(۱)	چڑھے جارہے تھے تم	وَلَا تَلْوٗنَ(۲)	اور نہیں مڑ رہے تھے تم

(۱) أَصْعَدَ (رباعی) فی الْعَدْوِ: تیز دوڑنا، اس کے مفہوم میں چڑھنا اور پہنچنا بھی ہے، صَعِدَ الجبلَ: پہاڑ پر چڑھا ﴿ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ ﴾: اللہ تک پہنچتی ہیں ستھری باتیں۔ (۲) لاتلوٗن: فعل مضارع منفی، صیغہ جمع مذکر حاضر، مصدر لَيٌّ، جب اس کے صلہ میں علی آتا ہے تو اس کے معنی دوسرے کی طرف مڑنے اور انتظار کرنے کے ہوتے ہیں، جیسے فلانٌ لَايَلْوِی علی أحد: فلاں کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا۔

عَلٰٓى اَحَدٍ	کسی کی طرف	غَمًّاۢ بِغَمٍّ (۲)	غم کے عوض غم	وَلَا مَآ	اور نہ اس پر جو
وَّ الرَّسُوْلُ	اور رسولؐ	لِّكَيْلَا	تا کہ نہ	اَصَابَكُمْ	تمہیں پہنچا
يَدْعُوْكُمْ	پکار رہے تھے تم کو	تَحْزَنُوْا	غم گیں ہو تم	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فِیْٓ اُخْرٰىكُمْ	تمہارے پیچھے سے	عَلٰى مَا	اس پر جو	خَبِيْرٌۢ	خوب واقف ہیں
فَاَثَابَكُمْ (۱)	پس پہنچایا تم کو	فَاتَكُمْ	تمہارے ہاتھ سے نکل گیا	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو

غزوۂ احد میں جو بھگدڑ مچی اس میں حکمت یہ تھی کہ جنگ کا پانسا پلٹے اور مسلمان رضا بہ قضاء رہیں

غزوۂ احد میں جنگ شروع ہوتے ہی مسلمانوں نے پالا مار لیا، پس تیر اندازوں نے کہا: تمہارے بھائی جیت گئے، غنیمت حاصل کرو! تمہارے بھائی جیت گئے اب کس بات کا انتظار ہے؟ کمانڈر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم بھول گئے رسول اللہ ﷺ نے تمہیں کیا حکم دیا تھا؟ پھر بھی چالیس تیر انداز مورچہ چھوڑ کر غنیمت سمیٹنے کے لئے چلے آئے، اس طرح مسلمانوں کی پشت ننگی ہوگئی۔

مگر مسلمانوں کو طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، اپنے آدمیوں کے مارے جانے کا غم لاحق ہوا، کسی نے افواہ اڑادی کہ نبی ﷺ شہید کردیئے گئے، اس کا رنج وملال ہوا، اور جیتی ہوئی جنگ ہار سے بدل گئی، اس کا بھی افسوس ہوا، یہ طرح طرح کے غم اکٹھا ہوگئے، ان میں حکمت یہ تھی کہ مؤمن کو ہمیشہ رضا بہ قضاء رہنا چاہئے، اس کی یہ عملی مشق کرائی گئی کہ کوئی زد پہنچے تو غم نہ کھائے، کوئی چیز ہاتھ سے نکل جائے تو افسوس نہ کرے، اور کوئی حادثہ یا بلا پہنچے تو غمگین نہ ہو، یہ خیال کرے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، یہ حکمت تھی احد میں جو معاملہ پیش آیا اس کی۔

آیتِ کریمہ: وہ وقت یاد کرو جب تم چڑھے جارہے تھے، اور مڑ کر کسی کو نہیں دیکھ رہے تھے، اور اللہ کے رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے پکار رہے تھے، پس تم کو غم بالائے غم سے دوچار کیا، تاکہ تم غمگین نہ ہو اس بات پر جو ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس بات پر جو تمہیں پیش آئے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ

(۱) أثابه: بدلہ دینا، جیسے: ﴿فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ پس اللہ نے ان کو ان کے قول کے عوض ایسے باغات دیئے جن میں نہریں جاری ہیں [المائدة ۸۵] (۲) غما بغم: غم بالائے غم: محاورہ ہے، یعنی طرح طرح کی پریشانیوں سے تمہیں سابقہ پڑا۔

وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٥٤﴾

ثُمَّ اَنْزَلَ	پھر اتارا	بِاللّٰهِ	اللہ کے بارے میں	فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ	اپنے دلوں میں
عَلَيْكُمْ	تم پر	غَيْرَ الْحَقِّ	غلط خیال	مَّا لَا يُبْدُوْنَ	جونہیں ظاہر کرتے وہ
مِّنْۢ بَعْدِ	بعد	ظَنَّ (۳)	(جیسا) خیال	لَكَ	آپ کے سامنے
الْغَمِّ	گھٹن کے	الْجَاهِلِيَّةِ	جاہلیت کا	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ (دل میں)
اَمَنَةً	اطمینان	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ	لَوْ كَانَ لَنَا	اگر ہوتا ہمارے لئے
نُّعَاسًا (۱)	اونگھ	هَلْ لَّنَا	کیا ہمارے لئے ہے	مِنَ الْاَمْرِ	معاملہ میں
يَّغْشٰى	چھارہی تھی	مِنَ الْاَمْرِ	معاملہ (جنگ) سے	شَيْءٌ	کچھ بھی
طَآئِفَةً	ایک جماعت پر	مِنْ شَيْءٍ	کچھ بھی؟	مَّا قُتِلْنَا (۴)	(تو) نہ مارے جاتے ہم
مِّنْكُمْ	تمہاری	قُلْ	کہو	هٰهُنَا	یہاں
وَطَآئِفَةٌ (۲)	اور دوسری جماعت	اِنَّ الْاَمْرَ	بے شک معاملہ	قُلْ	کہو
قَدْ اَهَمَّتْهُمْ	فکر پڑی تھی ان کو	كُلَّهٗ	سارا	لَّوْ كُنْتُمْ	اگر ہوتے تم
اَنْفُسُهُمْ	اپنی جانوں کی	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	فِيْ بُيُوْتِكُمْ	تمہارے گھروں میں
يَظُنُّوْنَ	خیال کرتے ہیں	يُخْفُوْنَ	چھپاتے ہیں وہ	لَبَرَزَ	ضرور ظاہر ہوتا وہ

(۱) نعاسًا: أمنةً سے بدل الکل ہے، اور أمنةً: أنزل کا مفعول بہ ہے، اور جملہ یغشی: نعاسا کی صفت ہے (۲) نکرہ کی نکرہ سے تکرار ہوتی ہے تو ثانی غیر اول ہوتا ہے (۳) ظن سے پہلے کاف جارہ محذوف ہے۔ (۴) ہم: یعنی ہمارے برادر۔

الَّذِيْنَ كُتِبَ	جو لکھا گیا	وَلِيَبْتَلِيَ	اور تاکہ آزمائش میں	وَلِيُمَحِّصَ (۱)	اور تاکہ صاف کریں وہ
عَلَيْهِمُ	ان پر		ڈال کر جان لیں	مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ	جو تمہارے دلوں میں ہے
الْقَتْلُ	مارا جانا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ	ان کی لیٹنے کی جگہ کی	مَا فِيْ	جو تمہارے	عَلِيْمٌ	خوب جانتے ہیں
	طرف	صُدُوْرِكُمْ	سینوں میں	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	سینوں والی باتوں کو

اونگھ چین بن کر اتری اور بے چینی دور ہوئی

جنگِ احد میں جن کو شہید ہونا تھا ہو گئے اور جن کو ہٹنا تھا ہٹ گئے، اور جو میدان میں باقی رہے ان میں سے مخلص مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے ایک دم غنودگی طاری کر دی، لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کئی مرتبہ تلوار زمین پر گری، یہ حسی اثر تھا اس باطنی سکون کا جو اس ہنگامہ رُستخیز میں مؤمنین کے دلوں پر وارد ہوا، اس سے خوف وہراس کافور ہو گیا، یہ کیفیت ٹھیک اس وقت پیش آئی جب لشکر اسلام میں نظم وضبط قائم نہیں رہا تھا، بیسیوں لاشیں خاک وخون میں تڑپ رہی تھیں، سپاہی زخموں سے چور تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی افواہ سے رہے سہے ہوش گم ہو گئے تھے، پس یہ نیند بیدار ہونے کا پیام تھی، غنودگی طاری کر کے ان کی ساری تھکن دور کر دی اور ان کو متنبہ فرمادیا کہ خوف وہراس اور تشویش واضطراب کا وقت جاچکا، مامون ومطمئن ہو کر اپنا فرض انجام دو، چنانچہ فوراً صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو کر لڑائی کا محاذ قائم کر لیا، تھوڑی دیر کے بعد مطلع صاف تھا، دشمن سامنے سے بھاگتا نظر آیا۔

﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ﴾

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اُس بے چینی کے بعد طمانینت یعنی اونگھ اتاری، جو تم میں سے ایک جماعت پر چھارہی تھی۔

مخلص مسلمانوں کے بالمقابل نخالص مسلمانوں کا حال

بزدل اور ڈرپوک منافقین جن کو نہ اسلام کی فکر تھی نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محض اپنی جان بچانے کی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ کہیں ابوسفیان کی فوج نے دوبارہ حملہ کر دیا تو ہمارا کیا حشر ہوگا؟ اس خوف وفکر میں اونگھ یا نیند کہاں آتی؟ جب دماغوں میں خیالات پکار ہے تھے کہ اللہ کے وعدے کہاں گئے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا قصہ نمٹ گیا، اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اپنے گھر واپس جانے والے نہیں، سب یہیں کام آجائیں گے، وہ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ جو ہونا تھا ہو گیا، ہمارا اس میں کیا اختیار ہے؟ ان کو جواب دیا: بیشک تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں، سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں، جس کو چاہے

(۱) مَحَّصَ الشیئَ: خالص بنانا، آلودگی دور کرنا۔

بنائے یا بگاڑے، غالب کرے یا مغلوب، آفت بھیجے یا راحت، کامیاب کرے یا ناکام، سب اس کے قبضہ میں ہے، مگر تمہارے دلوں میں چور ہے، تم آپس میں کہتے ہو: شروع میں ہماری رائے نہیں مانی گئی، چند جوشیلے ناتجربہ کاروں کے کہنے پر مدینہ سے باہر لڑنے نکل آئے، آخر منہ کی کھائی، اگر ہمارے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو اس قدر نقصان نہ اٹھانا پڑتا، ہماری برادری کے بہت آدمی مارے گئے وہ کیوں مارے جاتے؟ آپؐ اس کا جواب دیں: اب حسرت وافسوس سے کچھ حاصل نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی موت کی جگہ، سبب اور وقت لکھ دیا ہے، جو کبھی ٹل نہیں سکتا، اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور فرض کرو تمہاری ہی رائے سنی جاتی تو بھی جن کی قسمت میں احد کے قریب جس جگہ مارا جانا لکھا جاچکا تھا وہ کسی نہ کسی سبب سے ادھر کو نکلتے اور وہیں مارے جاتے، اس کے بجائے اللہ کا یہ انعام ہوا کہ جہاں مارا جانا مقدر تھا مارے گئے اور اللہ کے راستہ میں خوشی سے بہادروں کی طرح شہید ہوئے، پھر اس پر پچھتانے اور افسوس کرنے کا کیا موقع ہے؟

﴿وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ﴾

ترجمہ: اور ایک دوسری جماعت وہ تھی جن کو اپنی ہی پڑی تھی، وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خلاف واقعہ گمان کررہے تھے، جو محض حماقت والے گمان تھے، وہ کہہ رہے تھے: کیا ہمارا معاملہ میں کچھ اختیار ہے؟ آپؐ جواب دیں: سب اختیار اللہ کا ہے، وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی بات پوشیدہ رکھتے ہیں جس کو وہ آپؐ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں: اگر ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے! آپؐ کہہ دیں: اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن لوگوں کے لئے مارا جانا مقدر تھا وہ ان مقامات کی طرف نکلتے، جہاں وہ مارے گئے۔

بھٹی میل کو جلا دیتی ہے اور خالص سونا نکھر جاتا ہے

اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہیں، ان سے کسی کی کوئی حالت پوشیدہ نہیں، اور احد میں جو صورت پیش آئی اس سے مقصود یہ تھا کہ تم کو ایک آزمائش میں ڈالا جائے تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ باہر نکل آئے، امتحان کی بھٹی میں کھرا کھوٹا الگ ہوجائے، مخلصین کامیابی کا صلہ پائیں، اور ان کے دل آئندہ کے لئے وساوس اور کمزوریوں سے پاک ہوجائیں اور منافقین کا اندرونی نفاق کھل جائے اور سب لوگ صاف طور پر ان کے خبث کو سمجھنے لگیں۔

﴿وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۵۴﴾

ترجمہ: اور (اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لئے کیا یعنی جنگ کا پانسا اس لئے پلٹا) تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی بات کی آزمائش کریں اور تاکہ تمہارے دلوں میں جو بات ہے اس کو صاف کردیں، اور اللہ تعالیٰ سب باطن کی باتوں کو خوب جانتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	عَفَا	(کہ) درگذر کیا
تَوَلَّوْا	پیٹھ پھیری	اسْتَزَلَّهُمُ	پھسلا دیا ان کو	اللّٰهُ	اللہ نے
مِنْكُمْ	تم میں سے	الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	عَنْهُمْ	ان سے
يَوْمَ	جس دن	بِبَعْضِ	ایک حرکت کی وجہ سے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
الْتَقَى	بھڑیں	مَا كَسَبُوْا	جو انھوں نے کی	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
الْجَمْعٰنِ	دو فوجیں	وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	حَلِيْمٌ	بڑے تحمل والے ہیں

جنگ احد میں پیٹھ پھیرنے والوں کو اللہ نے معاف کیا

تیراندازوں نے مورچہ چھوڑ دیا لشکر کی پشت ننگی ہوگئی، کافروں کے سواروں نے عقب سے حملہ کردیا، اور آگے جو بھاگے جارہے تھے وہ بھی پلٹ گئے، اور اسلامی فوج نرغہ میں آگئی، اس لئے بھگدڑ مچ گئی، مگر نبی ﷺ میدان میں ڈٹے رہے، چند جاں باز صحابہ بھی ساتھ تھے، پہلے آپؐ نے پھر حضرت کعبؓ نے آواز دی تب جو لوگ بھاگ رہے تھے وہ پلٹ گئے، اور دوبارہ جنگ شروع ہوئی، پس صورتِ حال بدلی اور مسلمانوں نے ہاری ہوئی بازی پھر جیت لی۔

اس عارضی ہزیمت کا سبب تیراندازوں کی غلطی تھی، ان کی معافی کا حکم پہلے آگیا ہے، اب اس آیت میں میدان چھوڑنے والوں کی معافی کا اعلان ہے، فوج نے یہ حرکت جان بوجھ کر نہیں کی تھی، شیطان نے ان سے یہ غلطی کرائی تھی، اور اللہ بڑے بخشنے والے بڑے بردبار ہیں، اس لئے سب کو بخش دیا، اب کسی کو ان پر انگلی اٹھانے کا حق نہیں۔

مصر کے ایک شخص نے حضرت عثمانؓ پر جب اعتراض کیا کہ وہ جنگ احد میں بھاگ گئے تھے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ نے ان کو معاف کردیا، یہ اسی آیت کی طرف اشارہ تھا (بخاری حدیث ۴۰۶۶)

آیتِ کریمہ: جن لوگوں نے تم میں سے پشت پھیری، جس دن دو جماعتیں باہم مقابل ہوئیں ــــــ یعنی مدینہ

والے اور مکہ والے ـــــ اس کا سبب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ شیطان نے ان سے غلطی کرادی، ان کے بعض اعمال کی وجہ سے ـــــ یعنی نبی ﷺ کے حکم کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے ـــــ اور یقین رکھو اللہ نے ان کو معاف کردیا، بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے بردبار ہیں۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَىِٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	اَوْ كَانُوْا	یا تھے وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	غُزًّى (۳)	غازی (مجاہد)	يُحْيٖ	جلاتے ہیں
لَا تَكُوْنُوْا	نہ ہو تم	لَوْ كَانُوْا	اگر ہوتے وہ	وَيُمِيْتُ	اور مارتے ہیں
كَالَّذِيْنَ	ان لوگوں کی طرح	عِنْدَنَا	ہمارے پاس	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
	جنھوں نے	مَا مَاتُوْا	(تو) نہ مرتے وہ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے
كَفَرُوْا	اسلام کو قبول نہیں کیا	وَمَا قُتِلُوْا	اور نہ مارے جاتے	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں
وَقَالُوْا	اور انھوں نے کہا	لِيَجْعَلَ (۴)	تاکہ بنائیں	وَلَىِٕنْ	بخدا! اگر
لِاِخْوَانِهِمْ (۱)	اپنے برادروں کے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُتِلْتُمْ	مارے گئے تم
	بارے میں	ذٰلِكَ	اس (وسوسہ) کو	فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں
اِذَا ضَرَبُوْا (۲)	جب انھوں نے سفر کیا	حَسْرَةً	حسرت (پچھتاوا)	اللّٰهِ	اللہ کے
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں	اَوْ مُتُّمْ	یا مرگئے تم

(۱) لإخوانهم: میں لام اجلیہ ہے، اور ہم نسب اور ہم مشرب بھائی مراد ہیں (۲) ضرب فی الأرض: زمین میں پیر مارا: یعنی لمبا سفر کیا (۳) غزی: غازی کی جمع: مجاہد (۴) لیجعل: میں لام عاقبت ہے، یعنی نتیجہ یہ ہوگا، یہ کانٹا (وسوسہ) ان کے دلوں میں چبھتا رہے گا۔

لَمَغۡفِرَةٌ	یقیناً بخشش	مِّمَّا	اس سے جو	اَوۡ قُتِلۡتُمۡ	یا مارے گئے
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	یَجۡمَعُوۡنَ	جمع کرتے ہیں وہ	لَاِلَی اللّٰهِ	ضرور اللہ کی طرف
وَرَحۡمَةٌ (۱)	اور مہربانی (اس کی)	وَلَئِنۡ	اور بخدا! اگر	تُحۡشَرُوۡنَ	اکٹھا کئے جاؤ گے
خَیۡرٌ	بہتر ہے	مُّتُّمۡ	مرے تم	۞	۞

مسلمان کافروں کی وسوسہ اندازی سے متاثر نہ ہوں، مارتے جلاتے اللہ تعالیٰ ہیں

احد کی جنگ سنہ ۳ ہجری میں ہوئی ہے، یہ مدنی زندگی کا ابتدائی دور تھا، اس وقت مدینہ میں نفاق بھی تھا اور کفر وشرک بھی، جنگ کے ختم پر منافقوں کا تبصرہ (آیت ۱۵۴) میں آ گیا، انھوں نے کہنا شروع کیا: ہمارا مشورہ نہیں مانا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے، اگر ہماری بات مان لیتے تو یہاں میدانِ احد میں نہ مارے جاتے ـــــ اس کا جواب دیا تھا کہ جس کے لئے جہاں موت مقدر ہوتی ہے وہیں آتی ہیں، آدمی وہاں ضرور پہنچ جاتا ہے، مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرتے تو بھی جن کی موت میدانِ احد میں مقدر تھی وہ ضرور وہاں پہنچ کر مارے جاتے۔

اب ایک آیت میں جنگ کے نتیجہ پر کافروں کی وسوسہ اندازی کا جواب ہے، وہ اپنے نسبی اور مسلکی بھائیوں کے بارے میں جو جہاد میں شریک ہوئے اور شہید ہوئے: کہنے لگے: اگر وہ ہمارے پاس رہتے، جنگ میں شرکت نہ کرتے تو نہ مرتے نہ مارے جاتے! خواہ مخواہ خود ہی کنویں میں گرے!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان کا یہ خیال ہمیشہ کانٹا بن کر ان کے دلوں میں چبھتا رہے گا، کیا وہ نہیں جانتے کہ جلاتے مارتے اللہ تعالیٰ ہی ہیں، جس کو جہاں چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں مارتے ہیں، وہ شہداء تمہارے پاس رہتے اور غزوہ میں شرکت نہ کرتے تو بھی موت سے نہیں بچ سکتے تھے، اور اللہ تعالیٰ تمہاری وسوسہ اندازی کو خوب دیکھ رہے ہیں، مسلمان ان کی باتوں سے قطعاً متاثر نہ ہوں، جس کی جہاں اور جس طرح موت مقدر تھی آئی، مسلمان اللہ کے فیصلہ پر راضی رہیں۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَقَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ اِذَا ضَرَبُوۡا فِی الۡاَرۡضِ اَوۡ كَانُوۡا غُزًّی لَّوۡ كَانُوۡا عِنۡدَنَا مَا مَاتُوۡا وَمَا قُتِلُوۡا ۚ لِیَجۡعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسۡرَةً فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۱۵۶﴾ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنھوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، اور اپنے (شہید ہونے

(۱) رحمۃ کے بعد من اللہ مقدر ہے۔

والے) برادروں کے تعلق سے کہا، جب انھوں نے زمین میں سفر کیا، یا وہ جہاد کے لئے نکلے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو وہ نہ مرتے اور نہ مارے جاتے ـــــ یعنی تم شہداء کے بارے میں اس طرح کا خیال دل میں مت لاؤ ـــــ (یہ خیال ان کے ذہنوں میں اس لئے آیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے دلوں میں پچھتاوا بنائیں ـــــ یعنی وہ ہمیشہ اس حسرت وافسوس میں مبتلا رہیں گے ـــــ اور اللہ تعالیٰ جلاتے اور مارتے ہیں ـــــ اس نے جس کے لئے جہاں موت مقدر کی تھی اس سے اس کو ہم کنار کیا ـــــ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں جو تم کر رہے ہو! ـــــ یعنی مسلمانوں کے دلوں میں تمہاری وسوسہ اندازی سے خوب واقف ہیں، تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

مجاہد کی موت اور دوسری موت برابر نہیں

جو شخص جہاد کے لئے نکلتا ہے وہ خواہ شہید ہو یا طبعی موت مرے اس کا شہادت کا ثواب پیٹنٹ (رجسٹری شدہ) ہوجاتا ہے، سورۃ النساء (آیت ۹۹) میں ضابطہ ہے کہ جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے، پھر اس کو راستہ میں موت آجائے تو اس کا ثواب اللہ کے یہاں مقرر ہوجاتا ہے، اس ضابطہ سے اگر مجاہد کو طبعی موت بھی آئے تو اس کا شہادت کا ثواب مقرر ہوجاتا ہے، جو دنیا کے مال ومنال سے بہتر ہوتا ہے، اور جو شخص ویسے ہی مرجاتا ہے یا مارا جاتا ہے اس کو بھی اللہ کے پاس پہنچنا ہے، وہ اپنے عمل کا ثواب پائے گا، مگر شہادت کے ثواب سے محروم رہے گا۔

اب موازنہ کرو: کفار اپنے برادروں کے بارے میں کہتے ہیں: اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے نہ مارے جاتے! کیوں نہ مرتے؟ ایک دن ضرور مرتے! اور شہادت کے ثواب سے محروم رہتے، اور اب جو وہ جہاد کے لئے نکلے اور جامِ شہادت نوش فرمایا تو ان کا کیا نقصان ہوا؟ دنیا کا عیش چھٹا اور آخرت میں مالا مال ہوگئے، جانا تو سب کو بہر حال اللہ کے پاس ہی ہے، دنیا تو ہاتھ سے چھٹنے والی ہی ہے ﴿ وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ﴾: اور آخرت تیرے لئے دنیا سے بہتر ہے!

﴿ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ۝ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! اگر تم راہِ خدا میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ کی بخشش اور مہربانی ـــــ یعنی شہادت کا ثواب ـــــ بہتر ہے اس سے جس کو لوگ جمع کرتے ہیں ـــــ یعنی دنیا کے مال ومنال سے۔

اور بخدا! اگر تم (ویسے ہی) مر گئے یا مارے گئے تو ضرور اللہ کے پاس جمع کئے جاؤ گے!

فائدہ: مجاہد عام طور پر مارا جاتا ہے، اس لئے ﴿ قُتِلْتُمْ ﴾ پہلے آیا ہے، اور کبھی طبعی موت مرتا ہے اس لئے ﴿ مُتُّمْ ﴾ بعد میں آیا ہے، اور غیر مجاہد عام طور پر اپنی موت مرتا ہے، اس لئے دوسری آیت میں ﴿ مُّتُّمْ ﴾ پہلے آیا ہے، اور کبھی مارا

بھی جاتا ہے اس لئے ﴿قُتِلْتُمْ﴾ بعد میں آیا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

فَبِمَا رَحْمَةٍ (1)	پس بڑی مہربانی کی وجہ سے	لَهُمْ	ان کا	فَلَا غَالِبَ	تو نہیں کوئی دبانے والا
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	وَشَاوِرْهُمْ	اور مشورہ کریں آپ ان سے	لَكُمْ	تم کو
لِنْتَ	نرم (دل) ہوئے آپ	فِي الْاَمْرِ (2)	(جنگی) معاملہ میں	وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ	اور اگر اللہ تعالیٰ تمہاری
لَهُمْ	ان لوگوں کے لئے	فَاِذَا	پھر جب		مدد سے ہاتھ کھینچ لیں
وَلَوْ كُنْتَ	اور اگر ہوتے آپ	عَزَمْتَ	پختہ ارادہ کریں آپ	فَمَنْ ذَا الَّذِيْ	تو کون ہے یہ جو
فَظًّا	تند خو	فَتَوَكَّلْ	تو بھروسہ کریں	يَنْصُرُكُمْ	مدد کرے تمہاری
غَلِيْظَ الْقَلْبِ	سنگ دل	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	مِّنْۢ بَعْدِهٖ	اللہ کے بعد
لَانْفَضُّوْا	ضرور متفرق ہو جاتے وہ	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَعَلَى اللّٰهِ	اور اللہ ہی پر
مِنْ حَوْلِكَ	آپ کے پاس سے	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں	فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ بھروسہ
فَاعْفُ عَنْهُمْ	پس معاف کریں آپ	الْمُتَوَكِّلِيْنَ	بھروسہ کرنے والوں کو		کریں
	ان کو	اِنْ يَّنْصُرْكُمُ	اگر مدد کریں تمہاری	الْمُؤْمِنُوْنَ	ایماندار
وَاسْتَغْفِرْ	اور گناہ بخشوائیں آپ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	❁	❁

غزوۂ احد میں نبی ﷺ نے اپنی نرم خوئی سے خطا کاروں کو معاف کیا

غزوۂ احد میں اول تیر اندازوں نے حکم عدولی کی، جس کی وجہ سے مجاہدین نرغہ میں آگئے اور بھگدڑ مچ گئی، میدانِ

(۱) فبما: باءسببیہ، ما: زائدہ برائے تاکید أی برحمۃ عظیمۃ (۲) الأمر: میں الف لام عہدی ہے۔

کارزار میں صرف نبی ﷺ اور چند جاں باز صحابہ رہ گئے، اور دشمن اتنے قریب آگئے کہ ایک شیطان نے ایک بھاری پتھر اٹھا کر نبی ﷺ کو مارا، جو سیدھا منہ پر لگا، جس سے ایک دانت کا کنارہ ٹوٹ گیا، اور خود ٹوٹ کر ماتھے میں گڑ گیا، چہرۂ انور لہولہان ہوگیا، یہ فوج کی دوسری غلطی تھی، مگر ان خطا کاروں کو نبی ﷺ نے کوئی سزا نہیں دی، سب کو معاف کر دیا۔

اور یہ بات مثبت پہلو سے اس طرح ہوئی کہ نبی ﷺ اللہ کی عظیم مہربانی سے نرم دل تھے، آپؐ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بدلہ نہیں لیا، اللہ کے رسول کو اور دین کے داعی کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

اور منفی پہلو سے یہ بات اس طرح ہوئی کہ اگر آپؐ تند خو سنگ دل ہوتے تو لوگ بکھر جاتے، ہیبت سے کوئی قریب نہ آتا، اس لئے حکم دیا کہ آپؐ خطا کاروں کو معاف کر دیں، اور ان کے لئے بخشش کی دعا کریں، تاکہ ان کے دل بڑھیں، اور جس طرح جنگِ احد کے لئے آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا تھا، آئندہ بھی جنگی معاملات میں ان سے مشورہ کیا کریں، تاکہ ان کا حوصلہ بڑھے۔

پھر مشورہ کے بعد جب آپؐ کوئی بات طے کرلیں، جیسے غزوۂ احد میں آپؐ نے ہتھیار باندھ کر باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا ارادہ کرلیا تو اب آپؐ اللہ کے بھروسہ پر اقدام کریں، مشورہ پر تکیہ نہ کریں، اللہ کو وہی بندے پسند ہیں جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، کیونکہ مشورہ من جملۂ اسباب ہے، اور مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہیں، اگر وہ مسلمانوں کی مدد کریں تو کوئی ان کو دبا نہیں سکتا، اور اگر ان کی مدد نہ پہنچے تو وہ رسوا ہو کر رہ جائیں گے، پس مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ ابھی (آیت ۱۵۲) میں حکم عدولی کرنے والے تیر اندازوں کی معافی کا اعلان کر چکے ہیں، اور (آیت ۱۵۵) میں میدان چھوڑنے والوں کو بھی معاف کر چکے ہیں، مگر جہاں تک نبی ﷺ کے حقوق کا تعلق ہے اس کو آپؐ ہی معاف کریں گے، اس لئے پہلی آیت میں حکم دیا کہ آپؐ بھی معاف کر دیں، بندوں کے حقوق بندے ہی معاف کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ تو اپنے حقوق چھوڑتے ہیں۔

آیاتِ پاک: پس اللہ کی بڑی مہربانی کی وجہ سے آپؐ ان لوگوں کے لئے نرم ہوگئے، اور اگر آپؐ تند خو سنگ دل ہوتے تو وہ آپؐ کے پاس سے منتشر ہوجاتے، پس آپؐ ان کو معاف کر دیں، اور اللہ سے ان کا گناہ بخشوائیں، اور (حسب سابق) جنگی معاملہ میں ان سے مشورہ کریں ــــ پھر جب آپؐ (مشورہ کے بعد) پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں ــــ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریں تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا، اور اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لیں تو کون ہے یہ جو اللہ کے بعد تمہاری مدد کرے؟ اور اللہ ہی پر چاہئے کہ مسلمان اعتماد کریں۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ ھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا	كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص	وَمَاْوٰىهُ	اور اس کا ٹھکانا
لِنَبِيٍّ	کسی نبی کے لئے	مَّا كَسَبَتْ	جو اس نے کمایا	جَهَنَّمُ	دوزخ ہے
اَنْ يَّغُلَّ (۱)	کہ غنیمت میں خیانت	وَهُمْ	اور وہ	وَبِئْسَ	اور بری ہے وہ
	کرے	لَا يُظْلَمُوْنَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے	الْمَصِيْرُ	لوٹنے کی جگہ
وَمَنْ	اور جو	اَفَمَنِ	کیا پس جس نے	هُمْ	لوگوں کے
يَّغْلُلْ	غنیمت میں خیانت کریگا	اتَّبَعَ	پیروی کی	دَرَجٰتٌ	مختلف درجات ہیں
يَاْتِ	آئے گا وہ	رِضْوَانَ اللّٰهِ	اللہ کی خوشنودی کی	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک
بِمَا غَلَّ	اس کے ساتھ جو خیانت	كَمَنْ	مانند اس کے ہے جو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
	کی ہے اس نے	بَاۗءَ (۲)	لوٹا	بَصِيْرٌ	خوب دیکھ رہے ہیں
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	بِسَخَطٍ	غصہ کے ساتھ	بِمَا	جو کچھ
ثُمَّ تُوَفّٰى	پھر پورا دیا جائے گا	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کے	يَعْمَلُوْنَ	وہ کرتے ہیں

نبی ﷺ کی کمالِ امانت داری کا بیان

گذشتہ آیتوں میں بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ بفضلہ تعالیٰ خوش اخلاق، نرم خُو ہیں، تندمزاج اور سنگ دل نہیں، ورنہ لوگ آپؐ کے گرد کہاں جمع رہتے! —— اب ان آیتوں میں آپؐ کی کمالِ امانت داری کا بیان ہے، آپؐ دیگر انبیاء کی طرح اعلیٰ درجہ کے امین ہیں، آپؐ مالِ غنیمت میں خیانت کر ہی نہیں سکتے، اور صحابہ آپؐ کے ماتحت تھے، وہ آپؐ کی نظر بچا کر کیسے کچھ چھپا لیتے؟

اور آپؐ کا یہ وصف یہاں اس مناسبت سے بیان کیا ہے کہ تیر انداز مورچہ چھوڑ کر غنیمت جمع کرنے کے لئے کیوں

(۱) يَغُلَّ: مضارع معروف، واحد مذکر غائب، مصدر غُلٌّ، باب نصر: مالِ غنیمت میں خیانت کرنا (۲) بَاءَ بِهِ: لوٹنا۔

دوڑے؟ کیا وہ غنیمت سے محروم رہتے؟ کیا نبی ﷺ غنیمت میں خیانت کرتے؟ خود رکھ لیتے اور ان کو نہ دیتے؟ اس کا تو امکان ہی نہیں تھا، پھر مال کی حرص کے علاوہ کونسا جذبہ تھا جس کی وجہ سے حکم عدولی کی؟!

آگے مضمون کے متعلقات ہیں، مالِ غنیمت میں خیانت کرنا زکات نہ نکالنے کی طرح سنگین گناہ ہے، جو شخص زکات نہیں نکالے گا یا مالِ غنیمت میں خیانت کرے گا وہ اندوختہ یا چرایا ہوا مال اٹھا کر میدانِ قیامت میں آئے گا، اونٹ ہونگے تو بلبلا رہے ہونگے، گھوڑے ہونگے تو ہنہنا رہے ہونگے، گائیں بھینسیں ہونگی تو رینک رہی ہونگی، بکریاں ہونگی تو ممیا رہی ہونگی اور کپڑے ہونگے تو لہرا رہے ہونگے، تا کہ اہل محشر کے سامنے خوب رسوائی ہو، جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔

پھر قیامت کے دن ہر شخص کو اس کی کمائی پوری دی جائے گی، کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی، نہ نیکی کا ثواب کم کیا جائے گا نہ گناہ کی سزا بڑھائی جائے گی، دونوں ہی حق تلفیاں ہیں، اور اللہ کی بارگاہ ظلم سے پاک ہے۔

ایک مثال سے وضاحت: دو شخص ہیں: ایک: اللہ کی خوشنودی کی راہ چل رہا ہے، احکام شرعیہ پر پوری طرح عمل کر رہا ہے۔ دوسرا: دنیا سے اللہ کی ناراضگی لے کر آخرت کی طرف لوٹا، ایمان نہیں لایا یا احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کی، تو کیا آخرت میں یہ دونوں بندے یکساں ہونگے؟ نہیں! پہلے کا ٹھکانا جنت ہے، اور وہ کیا خوب رہنے کی جگہ ہے! اور دوسرے کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ کیسی بری لوٹنے کی جگہ ہے!

اس طرح آخرت میں لوگوں کے درجات متفاوت ہونگے، کوئی جنتی ہوگا کوئی جہنمی، پھر جنت میں درجات اور جہنم میں درکات بھی اعمال کے اعتبار سے متفاوت ہونگے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو خوب دیکھ رہے ہیں!

آیاتِ پاک: اور کوئی بھی نبی ایسا نہیں جو مالِ غنیمت میں خیانت کرے، اور جو بھی مالِ غنیمت میں خیانت کرے گا: وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو لے کر آئے گا، پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے ـــــ کیا جو شخص اللہ کی خوشنودی کے راستہ پر چلا: اس کے برابر ہے جو اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹا؟ اور اس (ثانی) کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے! ـــــ لوگ اللہ کے نزدیک مختلف درجات میں ہونگے، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھ رہے ہیں جو لوگ کر رہے ہیں!

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

لَقَدْ	بخدا تحقیق	رَسُوْلًا	عظیم رسول	الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب
مَنَّ	احسان فرمایا	مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	انہیں میں سے	وَالْحِكْمَةَ	اور دانشمندی کی باتیں
اللّٰهُ	اللہ نے	يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ	پڑھتا ہے وہ ان پر	وَاِنْ كَانُوْا	اگرچہ تھے وہ
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والوں پر	اٰيٰتِهٖ	اس کی آیتیں	مِنْ قَبْلُ	پہلے سے
اِذْ بَعَثَ	جب بھیجا اس نے	وَيُزَكِّيْهِمْ	اور پاک صاف کرتا ہے ان کو	لَفِيْ ضَلٰلٍ	یقیناً گمراہی میں
فِيْهِمْ	ان میں	وَيُعَلِّمُهُمُ	اور سکھلاتا ہے وہ ان کو	مُّبِيْنٍ	صریح (کھلی)

نبی ﷺ کی بعثت مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے

یہ آیت نبی ﷺ کے اوصاف کے بیان کا تتمہ ہے، آگے سابق مضمون کی طرف عود (لوٹنا) ہے، نبی ﷺ کی بعثت مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے، لوگوں کو چاہئے کہ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کریں، کبھی بھولے سے بھی ایسی حرکت نہ کریں جس سے آپ کا دل رنجیدہ ہو، یہ مورچہ چھوڑنے والے تیراندازوں کو اور میدان چھوڑنے والے فوجیوں کو نصیحت کی۔

اس طرح کی آیت اسی جلد میں سورۃ البقرۃ میں (آیت ۱۲۹ اور آیت ۱۵۱) گذر چکی ہیں۔ اور آٹھویں جلد میں سورۃ الجمعہ میں بھی ہے، اس لئے یہاں مختصر وضاحت کی جاتی ہے:

۱-﴿ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾: مسلمانوں پر بڑا احسان کیا: یعنی نبی ﷺ کی بعثت پوری انسانیت کے لئے نعمتِ عظمیٰ ہے، مگر سب لوگ نفع کہاں اٹھاتے ہیں، مؤمنین ہی نفع اٹھاتے ہیں، اس لئے ان کی تخصیص کی ہے۔

۲-﴿ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ان ہی میں سے یعنی انسانوں میں سے، فرشتوں اور جنات میں سے نہیں، انسانوں کے لئے انسان کا رسول ہونا ہی موزوں ہے، ہم جنس اور ہم قوم رسول سے استفادہ آسان ہوتا ہے، اگر وہ کوئی معجزہ دکھائے تو سمجھ میں آئے گا، فرشتہ یا جن کوئی محیر العقول کارنامہ انجام دے تو لوگ اس کو اس کی خصوصیت قرار دیں گے۔

۳-﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾: وہ ان کو قرآن پڑھ کر سنائے۔ عربوں کو قرآن تلقین کے ذریعہ یاد کرایا جاتا ہے، پس ناظرہ اور تجوید پڑھانا اس کا مصداق ہے، رہے ظاہری معنی تو مخاطبین اہل لسان تھے، وہ خود ہی مطلب سمجھ لیں گے، اور اس پر عمل کریں گے، ان کو قرآن کا ترجمہ نہیں پڑھانا ہوگا، البتہ عجمیوں کو پڑھانا پڑے گا، پس وہ ﴿ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ میں آئے گا۔

۴-﴿ يُزَكِّيْهِمْ ﴾: وہ ان کو پاک صاف کرتے ہیں: یعنی نفسانی آلائشوں سے، اخلاق رذیلہ سے اور شرک وکفر کے

جذبات سے پاک صاف کرتے ہیں، دلوں کو مانجھ کران میں جلا پیدا کرتے ہیں، اور یہ بات احکامِ قرآن پر عمل کرنے سے اور صحبت وتوجہ وتصرف سے بہ اذن الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

۵- ﴿ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ﴾: وہ لوگوں کو اللہ کی کتاب سکھلاتے ہیں: عجمیوں کو ترجمہ پڑھانا، مضامین سمجھانا، اور اہل لسان کے لئے خاص ضرورت کے مواقع میں پیش آنے والے اشکالات کو حل کرنا اس میں شامل ہے۔

۶- ﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾: اور دانشمندی کی باتیں سکھلانا، گہرے مضامین بیان کرنا بھی نبی کی ذمہ داری ہے، مثلاً: قرآنِ کریم میں رضاعت (دودھ پینے) کے تعلق سے دو رشتوں کی حرمت کا ذکر ہے: رضاعی ماں اور رضاعی بہن کا، نبی ﷺ نے فرمایا: **يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب**: دودھ پینے سے بھی وہ ساتوں رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ یعنی قرآن میں دو کا تذکرہ بطور مثال ہے، پس تمام احادیثِ شریفہ حکمت کا مصداق ہیں۔

۷- ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾: اگرچہ عرب بعثتِ نبوی سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے: یعنی شرک میں مبتلا تھے، اس سے زیادہ واضح کوئی گمراہی نہیں، خالق اور مخلوق کے ڈانڈے ملا دینا اور بندوں کو الوہیت میں شریک کرنا: اس سے زیادہ کھلی گمراہی کیا ہوسکتی ہے؟!

آیتِ پاک: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنین پر بڑا احسان فرمایا: جب ان میں انہی میں سے عظیم رسول بھیجا، جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں، اور ان کو پاک صاف کرتے ہیں، اور ان کو اللہ کی کتاب سکھلاتے ہیں اور دانشمندی کی باتیں بتلاتے ہیں، اگرچہ وہ بعثتِ نبوی سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

اَوَلَمَّآ	اور کیا جب (۱)	قُلْتُمْ	کہا تم نے	اَنْفُسِكُمْ	تمہارے آئی ہے
اَصَابَتْكُمْ	پہنچی تمہیں	اَنّٰى هٰذَا	یہ کہاں سے آئی؟	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مُّصِيْبَةٌ	کچھ تکلیف	قُلْ	کہو	عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
قَدْ اَصَبْتُمْ (۲)	تحقیق پہنچا چکے ہو تم	هُوَ	وہ	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے
مِّثْلَيْهَا	اس سے ڈبل	مِنْ عِنْدِ	پاس سے		والے ہیں

(۱) ہمزہ: استفہام انکاری کا ﴿ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ﴾ پر داخل ہے (۲) جملہ قد أصبتم: مصيبة کی صفت ہے۔

اگر احد میں مسلمانوں کو کچھ تکلیف پہنچی تو تعجب کی کیا بات ہے؟

پہلے سے احد کا واقعہ چل رہا ہے، درمیان میں خطا کاروں کی معافی کا ذکر آیا تو نبی ﷺ کے اخلاق، صفات اور حقوق کا بیان آ گیا، اب پھر احد کے قصہ کی طرف لوٹتے ہیں، جنگ احد میں مسلمانوں کو تکلیف پہنچی، ستر صحابہ شہید ہوئے اور نقصان اٹھانا پڑا پس لوگ تعجب سے کہنے لگے: یہ آفت کہاں سے آئی؟ ہم تو مسلمان مجاہد تھے، اللہ کے راستہ میں اس کے دشمنوں سے لڑ رہے تھے، اللہ کے رسول ہم میں موجود تھے، جن سے نصرت کا اللہ نے وعدہ کیا ہے: پھر یہ مصیبت ہم پر کیوں نازل ہوئی؟

جواب: یہ بات زبان سے نکالنے سے پہلے ذرا سوچو: جس قدر تکلیف تم کو پہنچی ہے اس سے دوگنی تکلیف تم ان کو پہنچا چکے ہو، احد میں تمہارے ستر شہید ہوئے تو بدر میں ان کے ستر مارے جا چکے ہیں، اور ستر ہی تم قید کر کے لے آئے تھے، جن پر تم کو پورا قابو حاصل تھا، چاہتے تو قتل کر دیتے، اب انصاف سے کہو: تمہیں اپنی تکلیف کا شکوہ کرنے کا کیا حق ہے؟ اور تم بددل کیوں ہو رہے ہو!

پھر مزید غور کرو: نقصان کا سبب تم خود ہی بنے ہو:

۱- تم نے جوش میں آ کر نبی ﷺ اور تجربہ کاروں کی بات نہ مانی، اور مدینہ سے نکل کر محاذ جنگ قائم کرنے پر اصرار کیا۔

۲- پھر آخری درجہ کی تاکید کے باوجود تیر اندازوں نے اہم مورچہ چھوڑ دیا۔

۳- دشمن کی نظروں کے سامنے لشکر میں سے تین سو آدمی ٹوٹ کر لوٹ گئے۔

۴- ایک سال پہلے جب تم کو بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختیار دیا گیا تھا کہ یا تو ان کو قتل کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو، مگر ایسا کرو گے تو آئندہ سال اتنے ہی آدمی تمہارے شہید ہونگے، تاہم تم نے یہ دوسری صورت اختیار کی۔

۵- پھر تم شہادت کی آرزو کے ساتھ میدان میں اترے تھے، پس اگر وہ آرزو پوری ہوئی تو تعجب کا کیا موقع ہے؟

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، وہ جو چاہیں فیصلہ کرتے ہیں، چاہیں تو کلی غلبہ دیں چاہیں تو جزئی، احد میں کلی غلبہ دینا مصلحت نہیں تھی، اس لئے لوگوں کے کسب و اختیار سے ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ جزئی غلبہ عطا فرمایا، بہرحال جو کچھ ہوا اللہ کی مشیت سے ہوا، جیسا کہ اگلی آیت میں آ رہا ہے۔

آیتِ کریمہ: اور جب تم کو کچھ تکلیف پہنچی، جس کا دوگنا تم ان کو پہنچا چکے ہو: پس کیا تم کہتے ہو: یہ آفت کہاں سے آئی؟ کہو: وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں!

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

وَمَآ	اور جو (تکلیف)	لَهُمْ	ان سے	اَقْرَبُ	زیادہ نزدیک ہیں
اَصَابَكُمْ	پہنچی تم کو	تَعَالَوْا	آؤ	مِنْهُمْ	ان سے
يَوْمَ	جس دن	قَاتِلُوْا	لڑو	لِلْاِيْمَانِ	ایمان سے
الْتَقَى	مقابل ہوئیں	فِيْ سَبِيْلِ	راہ میں	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ
الْجَمْعٰنِ	دو فوجیں	اللّٰهِ	اللہ کی	بِاَفْوَاهِهِمْ	اپنے مونہوں سے
فَبِاِذْنِ	پس (وہ) اجازت سے ہے	اَوِ ادْفَعُوْا	یا (دشمن کو) ہٹاؤ	مَّا لَيْسَ	جو نہیں ہے
اللّٰهِ	اللہ کی	قَالُوْا	کہا انھوں نے	فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں
وَلِيَعْلَمَ	اور تاکہ جانیں وہ	لَوْ نَعْلَمُ	اگر جانتے ہم	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
الْمُؤْمِنِيْنَ	ایمانداروں کو	قِتَالًا	لڑائی	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں
وَلِيَعْلَمَ	اور تاکہ جانیں وہ	لَّاتَّبَعْنٰكُمْ	ضرور پیروی کرتے تمہاری	بِمَا يَكْتُمُوْنَ	جس کو چھپاتے ہیں وہ
الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے	هُمْ	وہ لوگ	الَّذِيْنَ (۳)	جنھوں نے
نَافَقُوْا (۱)	دوغلی پالیسی اختیار کی	لِلْكُفْرِ (۲)	کفر سے	قَالُوْا	کہا
وَقِيْلَ	اور کہا گیا	يَوْمَئِذٍ	آج	لِاِخْوَانِهِمْ	اپنے بھائیوں سے

(۱) نَافَقَ: دوغلی پالیسی اختیار کی: دل میں کفر اور زبان پر کلمۂ اسلام! (۲) للکفر اور للإیمان: دونوں ہم معنی حروفِ جار اقرب سے متعلق ہیں، اسم تفضیل میں ایسا جائز ہے (جمل) (۳) الذین قالوا: الذین نافقوا سے بدل ہے۔

وَقَعَدُوۡا	اور بیٹھ رہے وہ	قُلۡ	کہو	الۡمَوۡتَ	موت کو
لَوۡ اَطَاعُوۡنَا	اور کہنا مانتے وہ ہمارا	فَادۡرَءُوۡا	پس ہٹاؤ	اِنۡ كُنۡتُمۡ	اگر ہوتم
مَا قُتِلُوۡا	نہ مارے جاتے	عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ	اپنی ذاتوں سے	صٰدِقِيۡنَ	سچے

مصلحت نہیں تھی کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو کلّی غلبہ حاصل ہو

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو کلّی غلبہ حاصل ہوا تھا، اب اس دوسری جنگ میں بھی غلبۂ کلّی حاصل ہوتا تو پردہ اٹھ جاتا، ہر کوئی سمجھ جاتا کہ اسلام ہی برحق مذہب ہے، اسی کو اختیار کرنا چاہئے، حالانکہ غیب: درغیب رہنا چاہئے، ایمان بالغیب مطلوب ہے، اس لئے مصلحتِ خداوندی کا تقاضا ہوا کہ احد میں مسلمانوں کو جزوی کامیابی حاصل ہو، اس لئے مسلمانوں کو جانی نقصان پہنچا۔

﴿وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ﴾

ترجمہ: اور جو (نقصان) تم کو پہنچا جس دن دونوں فوجیں بھڑیں، وہ بہ حکم الٰہی تھا۔

احد میں جو صورت پیش آئی اس میں مصلحت یہ تھی کہ کھرے کھوٹے کا امتیاز ہوجائے

جنگ بدر کے لئے تو سب مخلص مسلمان نکلے تھے، اس وقت تک مسلمانوں کی صفوں میں نفاق نہیں تھا، مگر جب بدر میں مسلمانوں کو کلّی غلبہ حاصل ہوا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے اپنے لوگوں (مشرکوں) سے کہا: إن هذا الأمر قد توجّہ! اسلام تو بڑھ چلا، اب اس کا لبادہ اوڑھو! اس کی پناہ لو! اس طرح نفاق شروع ہوا، وہ درپردہ کافر تھے، مگر کلمہ نماز کرنے لگے، اس لئے مصلحتِ خداوندی کا تقاضا ہوا کہ جنگ سے پہلے بھی اور بعد میں بھی یہ چہرے کھل کر سامنے آجائیں، تاکہ ان آستین کے سانپوں سے بچا جاسکے، چنانچہ عبداللہ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدان سے لوٹ گیا، اس طرح ان کا بھانڈا پھوٹا، ان کے دیکھا دیکھی فوج کا دایاں بایاں بازو بھی پھسلنے لگا، مگر اللہ کی کارسازی سے وہ پھسلتے پھسلتے بچ گئے، اور جنگ کے بعد منافقوں اور یہود نے طرح طرح کی باتیں شروع کیں، اس طرح کھرے کھوٹوں میں امتیاز ہوگیا۔

﴿وَلِيَعۡلَمَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ وَلِيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ نَافَقُوۡا ۖۚ﴾

ترجمہ: اور تاکہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو جان لیں، اور ان لوگوں کو بھی جان لیں جنھوں نے دوغلی پالیسی اختیار کی!

منافقین کو جنگ میں شرکت کی دعوت دی مگر قبول نہیں کی، پھر باتیں چھانٹیں!

نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد فوراً مدینہ میں آباد تین قوموں (مسلمان، مشرکین اور یہود) کے درمیان ایک معاہدہ کیا

تھا، اس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ اگر باہر سے دشمن حملہ آور ہو تو تینوں قومیں مل کر مدافعت کریں گی، اس معاہدہ کی رو سے مشرکین اور یہود کی بھی ذمہ داری تھی کہ جنگ میں حصہ لیتے، اس لئے کہ مکہ والے چڑھ آئے تھے، چنانچہ عبداللہ اور اس کے تین سو ساتھیوں سے کہا گیا کہ آؤ، اگر تم واقعی مسلمان ہو تو راہ خدا میں لڑو، ورنہ دشمن کو مدینہ سے ہٹاؤ! انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور میدان سے چل دیئے۔

جنگ کے بعد انھوں نے ذومعنی جواب دیا، کہا: "اگر ہم لڑنا جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے" اس کے دو مطلب نکلتے ہیں:

ایک: ہم نے مشورہ دیا تھا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے، مگر ہمارا مشورہ نہیں مانا گیا، پس ہم ناتجربہ کار ٹھہرے، ہم میں جنگی معاملات کی سوجھ بوجھ نہیں تھی، پھر ہم اپنی جانیں کیوں گنواتے! ہماری بات مانی جاتی اور مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جاتا تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔

دوسرا: ہم تو اس کو جنگ نہیں سمجھے تھے، کھیل (کرکٹ میچ) سمجھے تھے، سمجھتے تھے کہ مجاہدین کھیل کر واپس آجائیں گے، اگر ہم اس کو واقعی جنگ سمجھتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آج وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب ہوگئے، یعنی پہلے وہ کلمہ پڑھتے تھے، نماز روزہ کرتے تھے، اس لئے وہ ایمان سے بظاہر قریب تھے، اور اب جوان کی حرکت اور باتیں سامنے آئیں تو وہ کفر سے زیادہ قریب ہوگئے، ان کے دلوں کا حال طشت ازبام ہوگیا!

﴿ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۚ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ ۚ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ ﴾

ترجمہ: جب ان (منافقین) سے کہا گیا: آؤ، اللہ کے راستہ میں لڑو یا دفاع کرو، انھوں نے جواب دیا: اگر ہم لڑنا جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے! وہ آج بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب ہوگئے!

منافقین کی بات دل کی بات نہیں!

منافقین کا مذکورہ جواب محض سخن سازی ہے، ان کے دل میں جو بات ہے وہ اللہ کو معلوم ہے، وہ جنگ میں اس لئے شریک نہیں ہوئے کہ اچھا ہے مسلمان مغلوب وذلیل ہوں، اور ان کی راڑ کٹے، اور وہ خوشیاں منائیں۔

﴿ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جوان کے دلوں میں نہیں، اور وہ جو بات چھپا رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہیں!

موت تو آنی ہے، اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا

غزوۂ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے، جن میں بھاری اکثریت انصار کی تھی، ان کے ۶۵ آدمی شہید ہوئے تھے، ۴۱ خزرج کے اور ۲۴ اوس کے، اور ایک یہودی قتل ہوا تھا، اور مہاجرین کے شہداء صرف چار تھے، اس لئے منافقوں نے اپنے برادروں (انصار) کے بارے میں کہنا شروع کیا: ''اگر وہ ہماری بات مانتے اور گھر میں رہتے تو مارے نہ جاتے!''

قرآن کہتا ہے: اگر تمہاری طرح نامرد بن کر گھر میں بیٹھے رہتے تو کیا موت سے بچ جاتے؟ جب تمہاری موت آئے تو اس کو گھر میں داخل ہونے سے روکنا، موت کو گھر میں آنے سے کوئی روک نہیں سکتا، اس سے بہتر راہ خدا میں عزت کی موت مرنا ہے، گھر میں مرنے والا مٹی میں جائے گا اور شہادت کی موت مرنے والا زندۂ جاوید ہوجائے گا اور جنت میں گھومے گا، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۚ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾

ترجمہ: (منافق) وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے (شہید ہونے والے) بھائیوں کے بارے میں کہا، اور خود بھی گھروں میں بیٹھے رہے کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے! —— کہو: اپنی ذاتوں سے موت کو ہٹاؤ اگر تم سچے ہو —— کہ گھر میں رہنے سے موت نہیں آتی!

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ ړ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾

وَلَا تَحْسَبَنَّ	اور نہ خیال کر تو	الَّذِيْنَ (۱)	ان لوگوں کو جو	قُتِلُوْا	مارے گئے

(۱) الذین قُتلوا: مفعول اول، اور أموا تا: مفعول ثانی ہے، اور عند ربھم: یرزقون کا ظرف ہے۔

فِيْ سَبِيْلِ	راہ میں	بِهِمْ	ان کے ساتھ	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کی
اللهِ	اللہ کی	مِّنْ خَلْفِهِمْ	ان کے پیچھے سے	اَلَّذِيْنَ (۳)	جنھوں نے
اَمْوَاتًا	مردے	اَلَّا خَوْفٌ (۲)	کہ نہیں کوئی ڈر	اسْتَجَابُوْا	قبول کی (مانی)
بَلْ اَحْيَاءٌ	بلکہ (وہ) زندہ ہیں	عَلَيْهِمْ	ان پر	لِلّٰهِ	اللہ کی بات
عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	وَ الرَّسُوْلِ	اور اس کے رسول کی بات
يُرْزَقُوْنَ	روزی دیے جاتے ہیں	يَحْزَنُوْنَ	غم گین ہونگے	مِنْۢ بَعْدِ	بعد
فَرِحِيْنَ (۱)	خوش ہو رہے ہیں	يَسْتَبْشِرُوْنَ	خوشی منا رہے ہیں وہ	مَآ اَصَابَهُمُ (۴)	ان کو پہنچنے
بِمَآ اٰتٰهُمُ	اس پر جو دیا ان کو	بِنِعْمَةٍ	نعمتوں پر	الْقَرْحُ	زخم کے
اللهُ	اللہ نے	مِّنَ اللهِ	اللہ کی	لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کیلئے جنھوں نے
مِنْ فَضْلِهٖ	اپنی مہربانی سے	وَ فَضْلٍ	اور مہربانی پر (ان کی)	اَحْسَنُوْا	اچھے کام کیے
وَيَسْتَبْشِرُوْنَ	اور خوش ہو رہے ہیں	وَّ اَنَّ اللهَ	اور اس پر کہ اللہ	مِنْهُمْ	ان میں سے
بِالَّذِيْنَ	ان لوگوں کی وجہ سے جو	لَا يُضِيْعُ	ضائع نہیں کرتے	وَ اتَّقَوْا	اور ڈرے وہ
لَمْ يَلْحَقُوْا	نہیں ملے	اَجْرَ	مزدوری	اَجْرٌ عَظِيْمٌ	بڑا ثواب ہے

شہداء حیات ہیں، وہ کھلائے پلائے جاتے ہیں

گھر میں بیٹھے رہنے سے موت تو رک نہیں سکتی، ہاں آدمی اس موت سے محروم رہتا ہے جس کو موت کے بجائے 'حیاتِ جاودانی' کہنا چاہئے، شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اوروں کو نہیں ملتی، ان کو حق تعالیٰ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے، وہ بڑے عالی درجات ومقامات پر فائز ہوتے ہیں، ان کو جنت کا رزق آسانی سے پہنچتا ہے، جس طرح ہم اعلیٰ درجہ کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اڑے چلے جاتے ہیں: شہداء کی ارواح ہرے رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی ہیں، اور جنت کے پھل چرتی چگتی ہیں، اور پوٹوں میں بیٹھ کر یعنی اگلی سیٹ پر بیٹھ کر جہاز خود چلاتی ہیں، اس وقت شہداء بے حد مسرور ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دولت شہادت عنایت فرمائی، پس ہزار زندگیاں اس موت پر قربان!

---

(۱) فرحین: الذین قُتلوا: مفعولِ اول کا حال ہے (۲) الّا: اصل میں أنْ لَا تھا، ادغام ہوا ہے۔ (۳) الذین: المؤمنین کی صفت ہے (۴) ما: مصدریہ ہے أی بعد إصابة القرح۔

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۚ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور جولوگ راہِ خدا میں مارے گئے ان کو مردے مت سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں، ان کے پروردگار کے پاس کھلائے پلائے جاتے ہیں!

ملحوظہ: شہداء کی حیات برزخی اور اس سے استدلال کر کے انبیاء کی حیات پر گفتگو اسی جلد میں سورۃ البقرہ (آیت ۱۵۴) میں گذر چکی ہے۔

شہداء کو دو خوشیاں

شہداء کے لئے دو خوشیاں ہیں:

اول: اللہ نے جو کچھ ان کو اپنے فضل سے عنایت فرمایا ہے اس پر وہ نازاں وفرحاں ہیں، بعض روایات میں ہے کہ شہدائے احد یا شہدائے بیر معونہ نے بارگاہِ خداوندی میں تمنا کی تھی کہ کاش ہمارے عیش کی خبر ہمارے بھائیوں کو ہو جائے تاکہ وہ جہاد سے جان نہ چرائیں، اللہ نے فرمایا: میں ان کو خبر دیتا ہوں، اور یہ آیت نازل کی، پھر ان کو اطلاع دی کہ میں نے خبر پہنچادی، پس وہ اور زیادہ خوش ہوئے۔

دوم: ان کو ان مسلمان بھائیوں کا تصور کر کے بھی خاص خوشی حاصل ہوتی ہے، جن کو وہ اپنے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ اگر وہ بھی ہماری طرح اللہ کی راہ میں مارے گئے تو وہ بھی پُر لطف اور بے خوف زندگی کے مزے لوٹیں گے، نہ ان کو اپنے آگے کا ڈر ہوگا نہ پیچھے کا غم، مامون ومطمئن سیدھے خدا کی رحمت میں داخل ہو جائیں گے۔

﴿ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾

ترجمہ: (۱) اللہ نے جو ان کو اپنا فضل عطا فرمایا ہے: وہ اس پر شاداں وفرحاں ہیں (۲) اور وہ خوشیاں مناتے ہیں ان لوگوں کی وجہ سے جو (ابھی) ان کے پاس نہیں پہنچے کہ ان پر بھی نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگیں ہونگے۔

زخم خوردہ صحابہ لشکر کفار کے تعاقب میں نکلے

(غزوہ حمراء الاسد)

ختم جنگ کے بعد نبی ﷺ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر مشرکین نے سوچا کہ جنگ میں اپنا پلہ بھاری ہوتے ہوئے بھی ہم نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو انہیں یقیناً ندامت ہوگی اور وہ پلٹ کر مدینہ پر حملہ کریں گے، اس لئے آپؐ نے فیصلہ کیا کہ

مکی لشکر کا تعاقب کیا جائے۔

چنانچہ معرکۂ احد کے دوسرے دن یعنی یکشنبہ ۸ شوال ۳ ہجری کو علی الصباح اعلان فرمایا کہ دشمن کے تعاقب کے لئے چلنا ہے اور ہمارے ساتھ وہی چلے جو معرکہ احد میں شریک تھا، عبداللہ بن ابی نے ساتھ چلنے کی اجازت چاہی مگر آپ ؐ نے اجازت نہیں دی، مسلمان سب زخموں سے چور، غم سے نڈھال اور خوف سے دوچار تھے، مگر سب بلا تردد تیار ہوگئے۔

پروگرام کے مطابق نبی ﷺ مسلمانوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور مدینہ سے آٹھ میل پر حمراء الاسد میں خیمہ زن ہوئے، وہاں معبد بن ابی معبد خزاعی ملا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہوا، یا ابھی وہ حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوا تھا، معاہد تھا، اس نے کہا: آپ ؐ کو اور آپ ؐ کے ساتھیوں کو جو زک پہنچی ہے اس سلسلہ میں آپ ؐ مجھ سے کوئی خدمت لینا چاہیں تو لیں، نبی ﷺ نے فرمایا: ابوسفیان کے پاس جاؤ اور اس کی حوصلہ شکنی کرو۔

اُدھر نبی ﷺ کو جو اندیشہ لاحق ہوا تھا وہ واقعہ بنا، ابوسفیان مدینہ سے چھتیس میل دور مقام روحاء پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کہ لوگ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تم لوگوں نے کچھ نہیں کیا، مسلمانوں کی شوکت وقوت توڑ کر انہیں یونہی چھوڑ دیا، ابھی ان میں اتنے سر باقی ہیں کہ وہ پھر تمہارے لئے دردِ سر بن سکتے ہیں، پس واپس چلو اور انہیں جڑ سے اکھاڑ دو، مگر صفوان بن امیہ نے اس کی مخالفت کی اور کہا: ایسا مت کرو، مجھے خطرہ ہے کہ جو مسلمان غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ بھی اب تمہارے خلاف جمع ہوجائیں گے، لہٰذا واپس چلو، فتح تمہاری ہے، مدینہ پر پھر چڑھائی کروگے تو گردش میں آجاؤ گے، مگر بھاری اکثریت نے اس کی رائے قبول نہیں کی اور فیصلہ کیا کہ مدینہ واپس چلیں۔

ابھی کفار یہ سوچ ہی رہے تھے کہ معبد خزاعی وہاں پہنچ گیا، ابوسفیان نے پوچھا: پیچھے کی کیا خبر ہے؟ معبد نے کہا: محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو لے کر تمہارے تعاقب میں نکل چکے ہیں، ان کے ساتھ اتنی بڑی جمعیت ہے کہ میں نے ایسی جمعیت کبھی نہیں دیکھی، سب لوگ غصہ میں بھرے ہوئے ہیں، احد میں جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی ساتھ ہوگئے ہیں، ابوسفیان نے پوچھا: بھائی تو کیا کہہ رہا ہے؟ معبد نے کہا: تم کوچ کرنے سے پہلے لوگوں کی پیشانیاں دیکھ لوگے اور لشکر کا ہراول دستہ ٹیلہ کے پیچھے سے نمودار ہوجائے گا، یہ باتیں سن کر مکی لشکر کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ان پر رعب طاری ہوگیا اور انہیں اسی میں عافیت نظر آئی کہ مکہ کی جانب سفر جاری رکھیں، البتہ ابوسفیان نے قبیلہ عبدالقیس کے ایک وفد سے کہا: جو وہاں سے گذر رہا تھا کہ میرا ایک پیغام محمد (ﷺ) کو پہنچادینا، ان کو یہ خبر پہنچادیں کہ ہم نے ان کی اور ان کے رفقاء کی جڑ کاٹنے کے لئے پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جب یہ قافلہ حمراء الاسد پہنچا تو اس نے ابوسفیان کا پیغام سنایا، مسلمانوں نے اس کی باتیں سن کر کہا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾: اللہ ہمارے لئے کافی ہیں اور وہ بہترین کارساز

ہیں، اس طرح ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوگیا، نبی ﷺ حمراء الاسد میں تین دن قیام کر کے مدینہ واپس آ گئے۔

﴿ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر خوش ہو رہے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے، جنھوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانی، ان کو زخم پہنچنے کے بعد —— اور حمراء الاسد تک کفار کا پیچھا کیا —— ان لوگوں کے لئے جنھوں نے ان میں سے اچھے کام کئے اور اللہ سے ڈرے بڑا ثواب ہے! —— یہ سبھی صحابہ کی مدح سرائی اور ان کی شان کو بلند کرنا ہے، کیونکہ وہ سب کے سب ایسے ہی تھے (فوائد)

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

اَلَّذِيْنَ (۱)	(وہ) جو	وَّ قَالُوْا	اور کہا انھوں نے	لَّمْ يَمْسَسْهُمْ	نہیں چھویا ان کو
قَالَ لَهُمُ	کہا ان سے	حَسْبُنَا	ہمارے لئے کافی ہیں	سُوْٓءٌ	کسی برائی نے
النَّاسُ	لوگوں نے:	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَّ اتَّبَعُوْا	اور پیروی کی انھوں نے
اِنَّ النَّاسَ	بے شک لوگوں نے	وَ نِعْمَ	اور کیا خوب ہیں	رِضْوَانَ	خوشنودی کی
قَدْ جَمَعُوْا	بالیقین جمع کیا ہے	الْوَكِيْلُ	کارساز!	اللّٰهِ	اللہ کی
لَكُمْ	تمہارے لئے (بڑا لشکر)	فَانْقَلَبُوْا	پس لوٹے وہ	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَاخْشَوْهُمْ	پس ڈرو تم ان سے	بِنِعْمَةٍ	نعمت کے ساتھ	ذُوْ فَضْلٍ	مہربانی والے ہیں
فَزَادَهُمْ	پس بڑھایا (اس نے) انکا	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی	عَظِيْمٍ	بڑی
اِيْمَانًا	ایمان	وَ فَضْلٍ	اور فضل کے ساتھ	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ

(۱) الذین: پہلے الذین سے بدل اور المؤمنین کی صفت ہے۔

ذٰلِكُمُ	وہ	اَوْلِيَآءَهٗ	اپنے دوستوں سے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہوتم
الشَّيْطٰنُ	شیطان	فَلَا تَخَافُوْهُمْ	پس مت ڈروتم ان سے	مُّؤْمِنِيْنَ	ایماندار
يُخَوِّفُ (۱)	ڈراتا ہے (تم کو)	وَخَافُوْنِ	اور ڈرو مجھ سے	۞	۞

صحابہ زخم مندمل ہوتے ہی کفار کے مقابلہ کے لئے نکلے (غزوۂ بدر صغریٰ)

جنگِ احد کے خاتمہ پر ابوسفیان (کمانڈر) نے اعلان کیا تھا کہ اگلے سال پھر بدر میں لڑائی ہوگی، نبی ﷺ نے اس کو قبول کرلیا، اگلا سال آیا تو آپؐ نے حکم دیا: جہاد کے لئے نکلو، اگر کوئی نہیں جائے گا تو اللہ کا رسول تنہا ہوجائے گا، یہ اس لئے فرمایا تھا کہ سال گذشتہ کی کسک ابھی باقی تھی۔

اُدھر ابوسفیان بھی فوج لے کر مکہ سے نکلا، تھوڑی دور چل کر ہمت ٹوٹ گئی، قحط سالی کا عذر کر کے چاہا کہ مکہ لوٹ جائے، مگر چاہا کہ الزام مسلمانوں پر رہے، ایک شخص مدینہ جارہا تھا اس کو کچھ دیا، اور کہا: وہاں پہنچ کر ایسی خبریں اڑانا کہ مسلمان خوف کھائیں اور جنگ کو نہ نکلیں۔

وہ شخص مدینہ پہنچ کر کہنے لگا: مکہ والوں نے بڑی بھاری جمعیت اکٹھا کی ہے، تم ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کرسکو گے، بہتر یہ ہے کہ بیٹھ رہو! مسلمانوں کا جوش ایمان بڑھ گیا، انھوں نے کہا: اللہ ہمارے لئے کافی ہے!

خیر، مسلمان حسب وعدہ بدر پہنچے، وہاں بڑا بازار لگتا تھا، تین روز تک خوب خرید وفروخت کی، اور خوب نفع کمایا، اور بسلامت واپس آئے، اس غزوہ کو بدر صغریٰ کہتے ہیں، اور غزوۂ حمراء الاسد اور غزوۂ بدر صغریٰ میں ربط کی طرف عنوانوں میں اشارہ کیا ہے۔

ملحوظہ: اکثر مفسرین نے ان آیات کو غزوۂ حمراء الاسد ہی سے متعلق کیا ہے۔

آیاتِ پاک: (وہ مؤمنین) جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے (کفار نے) تمہارے لئے بڑا لشکر اکٹھا کیا ہے، پس تم ان سے ڈرو ـــــ اور مقابلہ کے لئے مت نکلو ـــــ پس اِس خبر نے اُن کا ایمان بڑھا دیا، اور انھوں نے کہا: "اللہ ہمارے لئے کافی ہیں، اور وہ خوب مددگار ہیں!" پس وہ پلٹے اللہ کی نعمت اور مہربانی کے ساتھ ـــــ تجارتی نفع بھی مراد ہے، اور فتح وظفر بھی ـــــ کسی برائی نے ان کو نہیں چھویا ـــــ نہ لگی ہلدی نہ لگی پھٹکری اور رنگ آیا چوکھا! ـــــ اور انھوں نے اللہ کی خوشنودی کی پیروی کی ـــــ یعنی جہاد کے لئے نکلے ـــــ اور اللہ بڑے فضل والے ہیں ـــــ مجاہدین کو سرخ رو بھی کیا اور مالا مال بھی!

(۱) یخوف کا مفعول اول کم محذوف ہے، جیسے ﴿لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا﴾ میں پہلا مفعول کم محذوف ہے [الکہف ۲]

وہ شیطان ہی ہے جو تم کو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے ـــــ یعنی جو اُدھر سے آکر مرعوب کُن خبریں پھیلاتا ہے وہ شیطان ہے، یا شیطان کے اغواء سے ایسا کررہا ہے، وہ اپنے چیلے چانٹوں اور اپنے بھائی بندوں سے تمہیں مرعوب کررہا ہے ـــــ پس تم ان سے مت ڈرو، اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو!

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۗ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

وَلَا يَحْزُنْكَ	اور نہ غمگین کریں آپ کو	حَظًّا	کوئی حصہ	وَ لَهُمْ	اور ان کے لئے
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	سزا ہے دردناک
يُسَارِعُوْنَ	لپکتے ہیں	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	وَلَا يَحْسَبَنَّ	اور نہ خیال کریں
فِي الْكُفْرِ	کفر کی طرف	عَذَابٌ	سزا ہے	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے
اِنَّهُمْ	بے شک وہ	عَظِيْمٌ	بڑی	كَفَرُوْٓا	اسلام قبول نہیں کیا
لَنْ	ہرگز نہیں	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	اَنَّمَا (۱)	کہ جو
يَّضُرُّوا	نقصان پہنچائیں گے	اشْتَرَوُا	بدلتے ہیں	نُمْلِيْ	مہلت دے رہے ہیں ہم
اللّٰهَ	اللہ کو	الْكُفْرَ	کفر کو	لَهُمْ	ان کو
شَيْـًٔا	ذرا بھی	بِالْاِيْمَانِ	ایمان سے	خَيْرٌ	بہتر ہے
يُرِيْدُ اللّٰهُ	چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ	لَنْ	ہرگز نہیں	لِّاَنْفُسِهِمْ	ان کے لئے
اَلَّا يَجْعَلَ	کہ نہ بنائیں	يَّضُرُّوا	نقصان پہنچائیں گے	اِنَّمَا	سوا اس کے نہیں کہ
لَهُمْ	ان کے لئے	اللّٰهَ شَيْـًٔا	اللہ کو ذرا بھی	نُمْلِيْ	ہم مہلت دے رہے ہیں

(۱) أنما: أن: الگ ہے، ما: موصولہ صلہ کے ساتھ اس کا اسم ہے اور خیر: خبر ہے، قرآنی رسم الخط میں دونوں کو ملا کر لکھا گیا ہے۔

لَهُمْ	ان کو	اِثْمًا	گناہ میں	عَذَابٌ	سزا ہے
لِيَزْدَادُوْا	تاکہ بڑھ جائیں وہ	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	مُّهِيْنٌ	رسوا کن

کافروں کی کاروائیوں سے اسلام کی ترقی رک نہیں سکتی

اب غزوۂ احد کے متعلقات کا بیان ہے، پہلی دو آیتوں میں نبی ﷺ کی تسلی فرمائی ہے اور تیسری آیت میں کافروں کے ایک خلجان کا جواب ہے۔ مکہ مکرمہ کے تیرہ سال بہت کٹھن گزرے ہیں، چند سو آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا، پھر ہجرت کے بعد صورتِ حال بدلی، اسلام کی اشاعت عام ہوئی، مگر اہل مکہ مدینہ پر چڑھ چڑھ آتے تھے، وہ اسلام کو بیخ و بُن سے اکھاڑ دینا چاہتے تھے، احد کی جنگ میں صورتِ حال نازک ہوگئی تھی، یہ صورتِ حال نبی ﷺ کے لئے تشویشناک ہوسکتی تھی، اس لئے دو آیتوں میں نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ فکر نہ کریں اسلام کا مستقبل روشن ہے، لوگ اگرچہ کفر کی طرف لپک رہے ہیں، مگر اس سے اللہ کے دین کا ذرا نقصان نہیں ہوگا، جلدی وہ دن آئے گا کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونگے۔

اور جو لوگ کفر میں پیر پسار رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دے رہے ہیں: یہ بات اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو، اور وہ بڑے عذاب سے دوچار ہوں۔

اور سنو! جو لوگ اسلام قبول نہیں کر رہے، اس کے عوض کفر کو خرید رہے ہیں، وہ اسلام کی ترقی کو روک نہیں سکتے، اسلام کا پھیلنا مقدر ہے، وہ تو پھیل کر رہے گا اور مخالفین منہ کی کھائیں گے، ان کو آخرت میں دردناک عذاب سے سابقہ پڑے گا۔

﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ، اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا، يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ، وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا، وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾﴾

ترجمہ: اور آپ کو غمگین نہ کریں وہ لوگ جو کفر کی طرف لپک رہے ہیں، بے شک وہ اللہ تعالیٰ (کے دین) کو ذرا نقصان نہیں پہنچا سکتے، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو، اور ان کے لئے بڑی سزا ہے!

بے شک جن لوگوں نے کفر کو ایمان کے بدل خریدا، وہ اللہ تعالیٰ (کے دین) کو ذرا نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کے لئے دردناک سزا ہے!

کافروں کی خوش حالی اور مہلت ان کے حق میں کچھ اچھی نہیں

ممکن تھا کافروں کو اپنی لمبی عمریں، خوش حالی اور دولت و ثروت کی وجہ سے یہ خیال گذرے کہ اگر ہم اللہ کے مبغوض

(ناپسندیدہ) بندے ہوتے تو ہمیں مہلت کیوں دی جاتی؟ اور ہم ایسی اچھی حالت میں کیوں ہوتے؟ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ مہلت دینا ان کے حق میں کچھ بھلی بات نہیں، ان کو یہ مہلت اس لئے دی جارہی ہے کہ وہ خوب گناہ سمیٹیں! اور کفر پر مریں، ان کے لئے ذلیل وخوار کرنے والا عذاب تیار ہے۔

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٧٨﴾ ﴾

ترجمہ: اور ہرگز خیال نہ کریں وہ لوگ جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا کہ ہم جو ان کو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کے حق میں بہتر ہے، ہم ان کو صرف اس لئے مہلت دے رہے ہیں کہ وہ گناہوں میں بڑھ جائیں، اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے!

مَّا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَآ أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَآءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٩﴾

مَا كَانَ	نہیں تھے	مِنَ الطَّيِّبِ	ستھرے سے	مَن يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
اللّٰهُ	اللہ	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھے	فَاٰمِنُوْا	پس ایمان لاؤ
لِيَذَرَ	کہ چھوڑتے	اللّٰهُ	اللہ	بِاللّٰهِ	اللہ پر
الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں کو	لِيُطْلِعَكُمْ	کہ واقف کریں تم کو	وَ رُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں پر
عَلٰى مَا	اس حالت پر جو	عَلَى الْغَيْبِ	پوشیدہ بات پر	وَاِنْ تُؤْمِنُوْا	اور اگر ایمان لائے تم
اَنْتُمْ عَلَيْهِ	تم اس پر ہو	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	لیکن اللہ تعالیٰ	وَ تَتَّقُوْا	اور پرہیزگار رہے
حَتّٰى يَمِيْزَ	یہاں تک کہ جدا کریں وہ	يَجْتَبِيْ	چنتے ہیں	فَلَكُمْ اَجْرٌ	تو تمہارے لئے ثواب ہے
الْخَبِيْثَ	گندے کو	مِنْ رُّسُلِهٖ	اپنے رسولوں میں سے	عَظِيْمٌ	بڑا

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ مسلمانوں کو بھی آزمائش سے گذارا جائے تاکہ کھرا کھوٹا جدا ہوجائے

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ خوش حالی اور مہلت کفار کے حق میں بہتر نہیں، اب اس کی برعکس صورت بیان فرماتے

ہیں کہ اگر مسلمانوں کو مصائب اور ناخوش گوار واقعات پیش آئیں، جیسے جنگِ احد میں پیش آئے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کے ناپسندیدہ بندے ہیں، یہ حالات تو خاص مصلحت سے پیش آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ مسلمانوں کو بھی آزمائش سے گذارا جائے تاکہ مخلص مسلمان اور منافق جدا ہوجائیں، مسلمان اس وقت رلے ملے ہیں، مخلص اور منافق میں امتیاز نہیں، منافق بھی کلمہ پڑھ کر دھوکہ کے لئے مسلمانوں میں شامل رہتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ایسے واقعات اور حوادث پیش آئیں جو کھرے کو کھوٹے سے اور پاک کو ناپاک سے کھلے طور پر جدا کردیں۔

اس کے بعد آیت میں ایک سوال کا جواب ہے:

سوال: اللہ تعالیٰ کے لئے آسان تھا کہ تمام مسلمانوں کو بدوں امتحان میں ڈالے منافقوں کے ناموں اور کاموں سے مطلع کردیتے، پھر ایسا کیوں نہیں کیا؟ سب کو آزمائش کی بھٹی میں کیوں ڈالا؟

جواب: اللہ کی حکمت و مصلحت نہیں تھی کہ سب لوگوں کو اس قسم کے غیوب سے آگاہ کیا جائے، اس لئے کسوٹی پر ڈالا تاکہ کھرا کھوٹا علاحدہ ہوجائے۔

ہاں وہ اپنے رسولوں کا انتخاب کرکے جس قدر غیوب کی اطلاع دینا مناسب ہوتا ہے: دیتے ہیں، مگر عام لوگوں کو بلا واسطہ اس کی اطلاع نہیں دیتے، چنانچہ نبی ﷺ کو اللہ نے منافقین کے نام بتادیئے تھے، اور آپؐ نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو بتائے تھے، اور ان کو دوسروں کو بتانے سے منع کیا تھا۔ اور آخر میں فرمایا ہے کہ اللہ کا جو خاص معاملہ رسولوں سے ہے، اور پاک وناپاک کو جدا کرنے کی نسبت سے جو اللہ تعالیٰ کی عادت ہے: اس میں زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں، مسلمان کا کام یہ ہے کہ اللہ ورسول کی باتوں پر کامل یقین رکھے، اور تقوی و پرہیزگاری پر قائم رہے: یہ کرلیا تو سب کچھ کمالیا (ماخوذ از فوائد)

آیتِ پاک: اللہ تعالیٰ ایسے تو ہیں نہیں کہ مسلمانوں کو اس حالت پر رہنے دیں جس حالت پر تم ہو، یہاں تک کہ گندے کو ستھرے سے جدا کریں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے تو ہیں نہیں کہ تمہیں پوشیدہ باتوں سے واقف کریں، البتہ اللہ تعالیٰ چنتے ہیں اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتے ہیں —— اور اس کو غیوب کی اطلاع دیتے ہیں —— لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو! اور اگر تم ایمان لائے اور پرہیزگار رہے تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے!

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ

وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

وَلَا يَحْسَبَنَّ	اور نہ گمان کریں	لَهُمْ	ان کے لئے	وَ لِلّٰهِ	اور اللہ ہی کے لئے
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	بَلْ هُوَ	بلکہ وہ	مِيْرَاثُ[3]	متروکہ (چھوڑا ہوا) ہے
يَبْخَلُوْنَ	بخیلی کرتے ہیں	شَرٌّ لَّهُمْ	بدتر ہے ان کے لئے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
بِمَا	اس مال میں جو	سَيُطَوَّقُوْنَ	اب مالا پہنائے جائیں گے وہ	وَ الْاَرْضِ	اور زمین کا
اٰتٰهُمُ	دیا ان کو	مَا[2]	اس مال کی جو	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ	اللہ نے	بَخِلُوْا	بخیلی کی انھوں نے	بِمَا	ان کاموں سے جو
مِنْ فَضْلِهٖ	اپنی مہربانی سے	بِهٖ	اس میں	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو
هُوَ خَيْرًا[1]	(کہ) وہ بہتر ہے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	خَبِيْرٌ	پورے باخبر ہیں

جس مال کے حقوقِ واجبہ ادا نہیں کئے گئے اس مال کی قیامت کے دن مالا پہنائی جائے گی!

سورت عیسائیوں کے تذکرہ سے شروع ہوئی ہے، پھر غزوۂ احد کی تفصیلات آئیں، اب کچھ یہود کا تذکرہ کرتے ہیں، ان کا معاملہ بہت مضرت رساں اور تکلیف دہ تھا، منافقین بھی اکثر انہی میں سے تھے، اور گذشتہ آیت میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے جدا کر کے رہیں گے، یہ جدائی جانی و مالی جہاد کے وقت ظاہر ہوتی ہے، جہاد کے لئے مال خرچ کرتے وقت بھی کھرا کھوٹا اور کچا پکا صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔

اس لئے اب ایک آیت میں یہ بات بیان کی ہے کہ یہود و منافقین جہاد کے لئے خرچ کرنے سے بھاگتے ہیں، مال خرچ کرنے سے بھی ان کو موت آتی ہے، لیکن جس طرح جہاد سے پیچھے رہ کر چند روز کی مہلت پالینا بہتر نہیں اسی طرح مال میں بخیلی کرنا اور راہِ خدا میں خرچ نہ کرنا بھی بہتر نہیں، دنیا میں کوئی مصیبت نہ بھی آئے تو قیامت کے دن جمع کیا ہوا مال عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگا، وہ ان کے گلے کا ہار بن کر رہے گا۔

اور زکات وغیرہ حقوقِ واجبہ ادا نہ کرنے میں بھی یہی سزا ملے گی، نبی ﷺ نے فرمایا:

"جس کو اللہ نے مال دیا پھر اس نے مال کی زکات ادا نہیں کی تو اس کا مال قیامت کے دن ایک گنجے سانپ کا پیکر

(۱) هو خيراً: خيراً مفعول ثانی ہے، اور هو ضمیر فصل ہے (۲) ما: ای بما، طوّق: بغیر صلہ کے بھی مستعمل ہے (۳) ميراث: اسم ہے: میت کا ترکہ، جمع مواريث۔

(شکل) اختیار کرے گا، جس کی آنکھوں پر دوسیاہ نقطے ہونگے، وہ قیامت کے دن اس کے گلے کا طوق بن جائے گا، پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا، اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں! میں تیرا خزانہ ہوں! پھر نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی"
(بخاری شریف حدیث ۱۴۰۳)

تشریح: مال گلے میں کس طرح طوق بنا کر ڈالا جائے گا؟ حدیث میں اس کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دولت زہریلے سانپ کی شکل میں نمودار ہوگی، اور انتہائی زہریلے ہونے کی وجہ سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہونگے، اس کی آنکھوں پر دوسیاہ نقطے ہونگے، وہ سانپ اس کے گلے کا ہار بن جائے گا پھر اس کی دونوں باچھوں کو کاٹے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں! میں تیری دولت ہوں! تو اپنی دولت پر سانپ بنا بیٹھا رہا، خرچ کرنے کی جگہوں میں بھی خرچ نہیں کیا، اللہ کا حق بھی ادا نہیں کیا، پس اب چکھ اس کا مزہ! اور عذاب کا یہ سلسلہ حساب وکتاب پورا ہونے تک جاری رہے گا، ظاہر ہے اتنی سخت سزا غیر فرض پر نہیں دی جاسکتی، معلوم ہوا کہ زکوۃ ادا کرنا فرض ہے۔

پھر آخر آیت میں فرمایا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے تو سب مال اسی کا ہو رہے گا، جس کا حقیقت میں پہلے سے تھا، انسان اس کو اپنے اختیار سے دے تو ثواب پائے گا، اور وہ بخل یا سخاوت جو کچھ کرے گا اور جس نیت سے کرے گا؟ اللہ کو سب خبر ہے، اسی کے موافق بدلہ دے گا۔

آیتِ پاک: اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخیلی کرتے ہیں اس مال میں جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے کہ وہ بخیلی ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ وہ بخیلی ان کے حق میں بری ہے، عنقریب وہ مال جس میں وہ بخیلی کیا کرتے تھے قیامت کے دن ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کا متروکہ مال ہے، اور اللہ کو ان اعمال کی خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو!

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	قَوْلَ	بات	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
سَمِعَ	سن لی	الَّذِيْنَ	ان کی جنھوں نے	فَقِيْرٌ	فقیر ہیں
اللّٰهُ	اللہ نے	قَالُوْٓا	کہا	وَّ نَحْنُ	اور ہم

اَغْنِيَاۤءُ	مالدار ہیں	ذُوْقُوْا	چکھو	اَيْدِيْكُمْ	تمہارے ہاتھوں نے
سَنَكْتُبُ	اب لکھتے ہیں ہم	عَذَابَ	عذاب	وَ اَنَّ (۲)	اوراس وجہ سے ہے کہ
مَا قَالُوْا	جو کہا انھوں نے	الْحَرِيْقِ	آگ کا	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
وَقَتْلَهُمُ (۱)	اوران کے خون کرنے کو	ذٰلِكَ	یہ بات	لَيْسَ بِظَلَّامٍ (۳)	قطعاحلقی کرنے
الْاَنْۢبِيَاۗءَ	انبیاء کا	بِمَا	ان کاموں کی وجہ سے		والے نہیں
بِغَيْرِ حَقٍّ	ناحق		ہے جو	لِّلْعَبِيْدِ	بندوں کی
وَّنَقُوْلُ	اور کہیں گے ہم	قَدَّمَتْ	آگے بھیجے ہیں	❁	❁

یہود کی شانِ خداوندی میں گستاخی اوراس کی سزا

اب ایک آیت میں اللہ کی عظمت کا بیان ہے، پس یہ توحید کا مضمون ہے، یہود انتہائی بخل کی وجہ سے جہاد کے لئے پیسہ خرچ کرنا نہیں جانتے تھے، بلکہ جب وہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم سنتے تو اس کا مذاق اڑاتے، جب آیتِ کریمہ: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ نازل ہوئی تو یہود کہنے لگے: لو، اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے، معلوم ہوا: وہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے تمہاری بات سن لی ہے اور ہم نے اس کو تمہارے نامۂ اعمال میں لکھ لیا ہے، اس پر جو کاروائی ہوگی اس کے منتظر رہو۔

اور یہی ایک گندی بات تمہارے نامۂ اعمال میں درج نہیں، بلکہ تمہاری قوم کی ایک دوسری ناپاک حرکت: معصوم انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی تمہارے نامۂ اعمال میں درج ہے، کیونکہ تم اپنے آباء کی اس ناپاک حرکت کو بہ نظرِ استحسان دیکھتے ہو، جب تمہاری یہ مسل پیش ہوگی تو فیصلہ ہوگا کہ اپنی خباثتوں کا مزہ چکھو اور دوزخ میں داخل ہوجاؤ، یہ تمہارے آگے بھیجے ہوئے اعمال کی سزا ہے، اور یہ سزا اس وجہ سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی قطعاً حق تلفی نہیں کرتے، تم دوزخ کے مستحق ہو، اگر تم کو دوزخ میں نہ ڈالا جائے تو یہ تمہاری حق تلفی ہے، اور اللہ کی بارگاہ ظلم (حق تلفی) سے پاک ہے۔

فائدہ: انفاق کا حکم اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ اس میں بندوں کا فائدہ ہے، اور اس کو قرض اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کا عوض دنیا میں بہ شکلِ غنیمت ملتا ہے اور آخرت میں اَضعافًا مضاعفةً ملے گا۔

آیاتِ پاک: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں!

---

(۱) قتلَهم کا عطف ماقالوا پر ہے (۲) أن: کا عطف ما پر ہے، أی بأن۔ (۳) ظلام: مبالغہ ہے، پس نفی کی جانب میں مبالغہ ہوگا۔

ہم ان کی یہ بات اور ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا لکھ رہے ہیں، اور ہم کہیں گے: آگ کا عذاب چکھو! یہ سزا تمہارے آگے بھیجے ہوئے اعمال کا نتیجہ ہے، اور اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ قطعاً بندوں کی حق تلفی نہیں کرتے!

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝

اَلَّذِيْنَ (۱)	انہی نے	قُلْ	کہو	فَاِنْ كَذَّبُوْكَ	اب اگر جھٹلایا انھوں
قَالُوْٓا	کہا	قَدْ جَآءَكُمْ	تحقیق آئے تمہارے پاس		نے آپ کو
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ نے	رُسُلٌ	رسول	فَقَدْ كُذِّبَ	تو یقیناً جھٹلائے گئے
عَهِدَ اِلَيْنَآ	ہم سے قول وقرار کیا ہے	مِّنْ قَبْلِيْ	مجھ سے پہلے	رُسُلٌ	رسول
اَلَّا نُؤْمِنَ	کہ ہم ایمان نہ لائیں	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح معجزات کے ساتھ	مِّنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے
لِرَسُوْلٍ	کسی بھی رسول پر	وَ بِالَّذِيْ	اور اس کے ساتھ جو	جَآءُوْ	آئے وہ
حَتّٰى يَاْتِيَنَا	یہاں تک کہ لائے وہ	قُلْتُمْ	تم نے کہا	بِالْبَيِّنٰتِ	معجزات کے ساتھ
	ہمارے پاس	فَلِمَ	پس کیوں	وَالزُّبُرِ	اور صحیفوں کے ساتھ
بِقُرْبَانٍ	ایسی بھینٹ (نذرونیاز)	قَتَلْتُمُوْهُمْ	قتل کیا تم نے ان کو	وَالْكِتٰبِ	اور کتابوں کے ساتھ
تَاْكُلُهُ	جس کو کھا جائے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	الْمُنِيْرِ	روشن کرنے والی
النَّارُ	آگ	صٰدِقِيْنَ	سچے	❁	❁

یہود کو نبی ﷺ پر ایمان تو لانا نہیں تھا اس لئے پَکھ نکالی!

توحید کے بعد اب رسالت کو لیتے ہیں، انہی لوگوں نے جنھوں نے اللہ پاک کو فقیر قرار دیا تھا: یہ بھی کہا کہ اللہ پاک

(۱) الذین: پہلے الذین کی صفت یا بدل ہے، یعنی انہی یہود نے یہ بات بھی کہی، موصوف صفت اور بدل مبدل ایک ہوتے ہیں، اور معطوف معطوف علیہ میں کچھ فرق ہوتا ہے۔

نے ہم سے قول وقرار لیا ہے کہ ہم اسی رسول پر ایمان لائیں جو سوختنی قربانی پیش کرے، اور آپ ﷺ یہ قربانی پیش نہیں کرتے، بلکہ غنیمت ان کا ترلقمہ ہے، اس لئے ہم ان پر ایمان نہیں لاتے۔

اللہ نے ان کی یہ بات بھی سن لی ہے، یہ انھوں نے گپ اڑائی ہے، ایسی بھینٹ پیش کرنا رسالت کے لئے کبھی شرط نہیں رہا، سوختنی قربانی معجزہ، کرامت اور کرشمہ کے قبیل سے ہے، اور معجزات رسول کے اختیار میں نہیں ہوتے، اللہ کے اختیار میں ہوتے ہیں، جب اللہ چاہتے ہیں نبی/ ولی کرشمہ دکھاتا ہے۔

ماضی میں سب سے پہلے ایسی ایک نیاز کا تذکرہ سورۃ المائدہ (آیت ۲۷) میں ہے، ہابیل کی نیاز قبول ہوئی، آگ نے اس کو کھالیا، اور قابیل کی نیاز ردّ ہوگئی، اس لئے کہ وہ نا قابل تھا۔ پھر الیاس علیہ السلام (ایلیاہ نبی) کا واقعہ سلاطین باب ۱۸ و ۱۹ میں آیا ہے، ان کی قربانی کو بھی آگ نے جلایا تھا، اور مالِ غنیمت کو آگ کا جلانا تو معروف ہے، گذشتہ امتوں کے لئے غنیمت حلال نہیں تھی، بنی اسرائیل جہاد کرکے مالِ غنیمت لاکر بیت المقدس میں ایک خاص جگہ رکھ دیتے تھے، سفید آگ آتی اور اس کو خاکستر کردیتی، اور یہ جہاد کی مقبولیت کی علامت ہوتی۔

گذشتہ امتوں کا جہاد چونکہ وقتی اور محدود تھا، اس لئے غنیمت ان کے لئے حلال نہیں کی گئی، تاکہ اخلاص باقی رہے، اور اس امت کا جہاد دائمی ہے، اسلام عالم گیر مذہب ہے، اور اس کے دشمن بہت ہیں، اس لئے مجاہدین کے پاس کمانے کا وقت نہیں، چنانچہ اس امت کے لئے مالِ غنیمت حلال کیا، اور سوختنی قربانی کا سلسلہ موقوف ہوا۔ یہود نے یہی پَکھ نکالی کہ ہم آپؐ پر ایمان اس لئے نہیں لاتے کہ آپؐ سوختنی قربانی پیش نہیں کرتے غنیمت کو کھاتے ہیں، اور اللہ نے ہم سے قول وقرار لیا ہے کہ ہم ایسے رسول کو نہ مانیں جو سوختنی قربانی پیش نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں: زمانۂ ماضی میں اللہ کے رسول معجزات کے ساتھ اور سوختنی قربانی کے ساتھ آئے، حضرات زکریا اور یحییٰ علیہما السلام بیت المقدس کے ذمہ دار تھے، ان کے زمانہ میں مالِ غنیمت کو آگ جلاتی تھی، پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا؟! اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ ہمیں اسی رسول پر ایمان لانے کا حکم ہے جو سوختنی قربانی پیش کرے!

پھر تیسری آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کہ تکذیب رسل کا سلسلہ قدیم ہے، آج یہ کوئی نئی بات نہیں، پہلے جو انبیاء معجزات اور چھوٹی بڑی کتابوں کے ساتھ مبعوث ہوئے: ان کی بھی لوگوں نے تکذیب کی ہے، آج یہود یہ حرکت کررہے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں، آپؐ دل گیر نہ ہوں۔

آیاتِ کریمہ: انہی لوگوں نے کہا: بے شک اللہ نے ہم سے قول وقرار لیا ہے کہ ہم کسی بھی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں: جب تک وہ ایسی نیاز نہ پیش کرے جس کو آگ کھاجائے، آپ کہیں: مجھ سے پہلے تمہارے پاس رسول کھلی

نشانیاں اور وہ چیز لے کر آئے جس کا تم مطالبہ کرتے ہو، پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو؟ اب اگر وہ آپؐ کی تکذیب کرتے ہیں تو بالیقین آپؐ سے پہلے بھی ان رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو کھلی نشانیاں، صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے ہیں!

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

كُلُّ نَفْسٍ	ہر جان	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	فَقَدْ	تو یقیناً
ذَآئِقَةُ	چکھنے والی ہے	فَمَنْ	پس جو شخص	فَازَ	کامیاب ہو گیا
الْمَوْتِ	موت کو	زُحْزِحَ	دور ہٹایا گیا	وَمَا الْحَيٰوةُ	اور نہیں ہے زندگی
وَاِنَّمَا	اور اس کے سوا نہیں کہ	عَنِ النَّارِ	دوزخ سے	الدُّنْيَآ	دنیا کی
تُوَفَّوْنَ	پورا پورا دیئے جاؤ گے تم	وَاُدْخِلَ	اور داخل کیا گیا	اِلَّا مَتَاعُ	مگر برتنے کا سامان
اُجُوْرَكُمْ	تمہارا بدلہ	الْجَنَّةَ	جنت میں	الْغُرُوْرِ	دھوکہ دینے والا

دوزخ سے بچ جانا اور جنت میں پہنچ جانا اصل کامیابی ہے

اب ایک آیت میں آخرت کا مضمون ہے، ہر شخص کو دنیا چھوڑنی ہے، موت کا مزہ سب کو چکھنا ہے، پھر قیامت کے دن ہر اچھے برے کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ چکایا جائے گا، آخرت میں جو دوزخ سے بچ جائے گا اور جنت میں پہنچ جائے گا اس کے وارے نیارے! اور جو جنت سے محروم رہے گا اور جہنم رسید ہوگا اس کی لٹیا ڈوبی! اور جو لوگ دنیا کی عارضی بہار پر مفتون ہیں وہ دھوکہ خوردہ ہیں، دنیا کا مال ومنال تو چند روز برتنے کا سامان ہے، پھر ہاتھ سے نکل جانے والا ہے، فرزانہ وہ ہے جو دنیا کی حقیقت کو سمجھے، اور اصل کامیابی کو سوچے اور آخرت کی تیاری میں لگا رہے، اور جاہل صوفیاء کا قول: ''ہمیں نہ جنت کی طلب نہ دوزخ کا ڈر!'' زٹل بازی ہے۔

آیتِ پاک: ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تمہیں قیامت کے دن تمہارا پورا پورا بدلہ چکایا جائے گا، پس جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ بالیقین کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی محض دھوکہ دینے والی چند روز برتنے کا سامان ہے!

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِیْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

لَتُبْلَوُنَّ	ضرور آزمائے جاؤگے تم	الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	وَاِنْ تَصْبِرُوْا	اور اگر صبر کرو تم
فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ	تمہارے مالوں میں	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے	وَتَتَّقُوْا	اور احتیاط رکھو تم
وَاَنْفُسِكُمْ	اور تمہاری جانوں میں	وَمِنَ الَّذِیْنَ	اور ان سے جنھوں نے	فَاِنَّ	تو بے شک
وَلَتَسْمَعُنَّ	اور ضرور سنوگے تم	اَشْرَكُوْٓا	شریک ٹھہرایا	ذٰلِكَ	وہ
مِنَ الَّذِیْنَ	ان لوگوں سے جو	اَذًى	تکلیف (بدگوئی)	مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ	پختہ کاموں سے ہے
اُوْتُوا	دیئے گئے	كَثِیْرًا	بہت		

دل آزاری کی باتیں سن کر صبر وتحمل سے کام لینا اولوالعزمی کا کام ہے

مسلمانوں کی بھی جان ومال میں آزمائش ہوگی، قتل کیا جانا، زخمی ہونا، قید وبند کی تکلیف برداشت کرنا، بیمار پڑنا، اموال کا تلف ہونا، اقارب سے بچھڑنا: اس طرح کی سختیاں پیش آئیں گی، نیز اہل کتاب اور مشرکین کی زبانوں سے بہت جگر خراش اور دل آزار باتیں سننی پڑیں گی، کبھی وہ پیغمبر اسلام پر کیچڑ اچھالیں گے، کبھی غیر واقعی فیچر شائع کریں گے، جن کو سن کر اور دیکھ کر دل چھلنی ہوجائے گا، کبھی تعلیماتِ اسلام پر اعتراض کریں گے اور طرح طرح سے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کریں گے: ان سب باتوں کا علاج صبر وتحمل سے کام لینا، تقوی شعار رہنا اور کافروں کی چالوں سے واقف رہنا ہے، یہ ہمت اور اولوالعزمی کا کام ہے، اس کو برداشت کرنے کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے، ایسے حالات میں اوچھاپن کبھی شماتتِ اعداد کا سبب بن جاتا ہے۔

فائدہ: صبر کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تدبیر نہ کرے، یا مواقع انتقام میں انتقام نہ لے، یا مواقع قتال میں قتال نہ کرے، بلکہ حوادث سے دل تنگ نہ ہو، کیونکہ اس میں تمہارے لئے منافع ومصالح ہیں، اور تقوی یہ کہ خلافِ شرع امور سے بچے، گو تدبیر بھی کرے (بیان القرآن)

آیتِ کریمہ: تم ضرور آزمائے جاؤگے تمہارے مالوں میں اور تمہاری جانوں میں، اور تم ضرور سنوگے دل آزاری کی بہت سی باتیں ان لوگوں سے جو تم سے پہلے آسمانی کتابیں دیئے گئے ہیں —— یعنی یہود ونصاری سے —— اور مشرکین سے، اور اگر صبر کرو تم اور پرہیز (احتیاط) رکھو تم تو وہ ہمت کے کاموں سے ہے!

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	لَتُبَيِّنُنَّهٗ	ضرور بیان کروگے تم	وَرَآءَ	پیچھے
اَخَذَ	لیا		اس کو	ظُهُوْرِهِمْ	اپنی پیٹھوں کے
اللّٰهُ	اللہ نے	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	وَاشْتَرَوْا	اور مول لی انھوں نے
مِيْثَاقَ	عہد و پیان	وَلَا	اور نہیں	بِهٖ	اس کے بدل
الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو	تَكْتُمُوْنَهٗ	چھپاؤ گے تم اس کو	ثَمَنًا قَلِيْلًا	تھوڑی قیمت
اُوْتُوا	دیئے گئے	فَنَبَذُوْهُ	پس پھینک دیا انھوں	فَبِئْسَ	پس برا ہے
الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب		نے اس کو	مَا يَشْتَرُوْنَ	جو خریدا انھوں نے

علمائے اہل کتاب دنیا کی محبت میں پھنس کر احکام و بشارت چھپاتے تھے

اہل کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ جو احکام و بشارات اللہ کی کتاب میں ہیں ان کو صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کریں گے۔ مگر انھوں نے اس کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی، اور دنیا کے تھوڑے سے نفع کی خاطر سب عہد و پیان کو پس پشت ڈال دیا، تورات کے احکام کو چھپاتے تھے، اور رشوت لے کر غلط فتوے دیتے تھے، اور نبی ﷺ کے تعلق سے جو بشارات تھیں ان کو بہت زیادہ چھپاتے تھے، اور وہ ایسا متاع دنیا کی محبت میں کرتے تھے، پس اُف ہے ایسی محبت پر! —— اس میں مسلمان اہل علم کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ دنیا کی محبت میں پھنس کر ایسا نہ کریں، اللّٰھم احفظنا منه!

آیتِ کریمہ: اور (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد و پیان لیا کہ وہ اپنی کتاب کو عام لوگوں کے سامنے ظاہر کریں، اور اس کو چھپائیں نہیں، پس ان لوگوں نے اس حکم کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال دیا، اور اس کے عوض میں حقیر معاوضہ لے لیا، پس بری ہے وہ چیز جس کو وہ لے رہے ہیں!

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

لَا تَحْسَبَنَّ	ہرگز گمان مت کرو تم	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	يَفْرَحُوْنَ	خوش ہوتے ہیں

بِمَآ	اس کام سے جو	بِمَا	اس کام پر جو	بِمَفَازَةٍ [۲]	نجات کی جگہ میں
اَتَوْا [۱]	کیا انھوں نے	لَمْ يَفْعَلُوْا	نہیں کیا انھوں نے	مِّنَ الْعَذَابِ	عذاب سے
وَّيُحِبُّوْنَ	اور پسند کرتے ہیں وہ	فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ	ہر گز گمان نہ کریں	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے
اَنْ يُّحْمَدُوْا	کہ تعریف کئے جائیں		آپ ان کو	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک عذاب ہے

یہود اپنے غلط کئے ہوئے کام پر خوش ہوتے تھے اور صحیح نہ کئے ہوئے کام پر تعریف کے خواہاں ہوتے تھے

غلط کئے ہوئے پر خوش ہونا اور صحیح نہ کئے ہوئے پر تعریف کا خواہاں ہونا: یہود و منافقین کا شیوہ تھا۔ جب علمائے یہود سے مسلمان وہ بشارات پوچھتے جو نبی ﷺ کے بارے میں ان کی کتابوں میں ہیں تو وہ تحریف کر کے کچھ کا کچھ بتاتے، اور صحیح بات چھپانے پر خوش ہوتے اور غلط بات بتانے پر مسلمانوں سے تعریف کے خواہاں ہوتے کہ ہم نے فرمائش کی تعمیل کردی۔

اسی طرح جب کوئی جہاد کا موقع آتا تو منافقین گھروں میں بیٹھ رہتے اور بغلیں بجاتے کہ کیسے بچ گئے! پھر جب نبی ﷺ جہاد سے لوٹتے تو جھوٹے بہانے بناتے، اور چاہتے کہ نبی ﷺ ان کی ستائش کریں اور کہیں کہ تم نے ٹھیک کیا، تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔

یہ یہود و منافقین آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے، ان کو دردناک سزا دی جائے گی، دنیا میں اگر انھوں نے اپنا الو سیدھا کرلیا تو کیا ہوتا ہے؟ دنیا چند روز کی ہے، اصل آخرت ہے، وہاں عذاب سے کیسے بچیں گے؟

فائدہ: کئے پر خوش ہونا اور نہ کئے پر تعریف کا خواہاں ہونا انسان کی بڑی کمزوری ہے، مگر آیت میں اس کا ذکر نہیں، آیت میں صحیح بات نہ بتانا اور خوش ہونا اور غلط بات بتا کر تعریف کا خواہاں ہونا، جو یہود و منافقین کا شیوہ تھا، اس کی برائی ہے اور اس پر وعید سنائی ہے۔

آیتِ کریمہ: آپ ہرگز گمان نہ کریں ان لوگوں کو جو اپنے (غلط) کئے ہوئے پر خوش ہوتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے اس کام پر جو انھوں نے نہیں کیا، پس آپ ان کو ہرگز عذاب سے بچا ہوا خیال نہ کریں، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے!

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ

(۱) بما أتوا: بما فعلوا (جلالین) إتیان سے: آنا اور بہ: مقدر ہے تو ترجمہ لانا ہوگا۔ (۲) مفازۃ: ظرف مکان۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہے	لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں ہیں	هٰذَا	اس کو
مُلْكُ	حکومت	لِّاُولِي الْاَلْبَابِ	خالص عقل والوں کیلئے	بَاطِلًا	بے مقصد (عبث)
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	الَّذِيْنَ	جو لوگ	سُبْحٰنَكَ	پاک ہے آپ کی ذات
وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	يَذْكُرُوْنَ	یاد کرتے ہیں	فَقِنَا	پس بچا ہمیں
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کو	عَذَابَ النَّارِ	دوزخ کی آگ سے
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	قِيٰمًا	کھڑے	رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!
قَدِيْرٌ	قادر ہیں	وَّقُعُوْدًا	بیٹھے	اِنَّكَ	بے شک آپ
اِنَّ	بے شک	وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ	اور اپنی کروٹوں پر	مَنْ تُدْخِلِ	جس کو داخل کریں
فِيْ خَلْقِ	بنانے میں	وَيَتَفَكَّرُوْنَ	اور سوچتے ہیں	النَّارَ	دوزخ میں
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	فِيْ خَلْقِ	بنانے میں	فَقَدْ	تو بالیقین
وَالْاَرْضِ	اور زمین کے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	اَخْزَيْتَهٗ	رسوا کیا آپ نے اس کو
وَاخْتِلَافِ	اور آنے جانے میں	وَالْاَرْضِ	اور زمین کے	وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ	اور نہیں ہے ناانصافوں
الَّيْلِ	شب	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!		کے لئے
وَالنَّهَارِ	و روز کے	مَا خَلَقْتَ	نہیں پیدا کیا آپ نے	مِنْ اَنْصَارٍ	کوئی بھی مددگار

رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!	مَا وَعَدْتَّنَا	جس کا وعدہ فرمایا ہے
اِنَّنَا	بیشک ہم نے	فَاغْفِرْ لَنَا	پس بخشیے ہمارے لئے		آپ نے ہم سے
سَمِعْنَا	سنا ہم نے	ذُنُوْبَنَا	ہمارے گناہ	عَلٰى رُسُلِكَ	اپنے رسولوں کی معرفت
مُنَادِيًا	ایک پکارنے والے کو	وَكَفِّرْ عَنَّا	اور مٹایئے ہم سے	وَلَا تُخْزِنَا	اور نہ رسوا کیجئے ہمیں
يُّنَادِيْ	پکارتا ہے	سَيِّاٰتِنَا	ہماری برائیاں	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
لِلْاِيْمَانِ	ایمان کے لئے	وَتَوَفَّنَا	اور موت دیجئے ہمیں	اِنَّكَ	بے شک آپ
اَنْ اٰمِنُوْا	کہ ایمان لاؤ	مَعَ الْاَبْرَارِ	نیک لوگوں کے ساتھ	لَا تُخْلِفُ	نہیں خلاف کریں گے
بِرَبِّكُمْ	اپنے پروردگار پر	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!	الْمِيْعَادَ	وعدہ کے
فَاٰمَنَّا	پس ایمان لائے ہم	وَاٰتِنَا	اور عطا فرمایئے ہمیں		

حکومت اللہ قادر مطلق کی ہے

یہود و منافقین جو غلط بیانی کر کے خوش ہوتے تھے اور صحیح بات چھپا کر تعریف کے خواہاں ہوتے تھے: وہ اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے، اس لئے کہ کائنات پر حکومت اللہ کی ہے، مجرم بھاگ کر کہاں جائے گا؟ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اس کو سزا دے سکتے ہیں، اس طرح توحید، رسالت، آخرت، ذکر و فکر اور دعا کے مضامین پیدا ہو گئے۔

﴿ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

توحید کے دلائل اور اللہ کی عبادت کرنے والوں کی دعائیں

اگر عقلمند آدمی آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرے، اور رات دن کے الٹ پھیر کو سوچے تو وہ یقین کر سکتا ہے کہ یہ عظیم کارخانہ اور مضبوط نظام کسی قادر مطلق فرمان روا کے وجود کی دلیل ہے اور وہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، یہ عقلمند بندے کسی حال میں اللہ سے غافل نہیں ہوتے، کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور برابر کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں، اور وہ اس حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بے مقصد پیدا نہیں کی، کیونکہ حکیم کوئی فضول کام نہیں کرتا۔

یہ دنیا اللہ نے اکیلی پیدا نہیں کی، اس کا جوڑا آخرت ہے، یہ دنیا آخرت کے مقصد سے پیدا کی گئی ہے، اور وہ مقصد

ہے تکلیف اور جزاوسزا، اللہ نے اس دنیامیں احکام دیئے ہیں، جو تعمیل کرے گا اس کو آخرت میں جزائے خیر ملے گی، اور جو نافرمانی کرے گا اور من مانی زندگی گذارے گا اس کو آخرت میں سزا ملے گی۔

جب عقلمند بندوں نے دنیا کا یہ مقصد پالیا تو وہ تین دعائیں کرتے ہیں:

۱- اے ہمارے پروردگار! آپ جس کو دوزخ میں داخل کریں وہ رسوا ہوگا، اور کافروں کو سزا سے کوئی بچا نہیں سکے گا، اور جن کو جنت عنایت فرمائیں وہ سرخ رو ہوگا اور فرشتے ان کے کام بنائیں گے۔

۲- اے ہمارے پروردگار! ایک منادی نے ایمان کی دعوت دی، ہم نے قبول کی اور ایمان لائے، پس ہمارے گناہ بخش دیں، ہماری برائیاں مٹادیں اور موت کے بعد ہمارا نیک بندوں کے ساتھ حشر فرمائیں!

۳- اے ہمارے پروردگار! آپ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ جس جنت کا وعدہ کیا ہے وہ وعدہ پورا فرمائیں، اور قیامت کے دن کی رسوائی سے بچائیں! آپ وعدہ خلافی ہرگز نہیں کرتے!

یہ تو آیات کی مسلسل تقریر تھی، اب چار باتوں کی تفصیل عرض ہے:

۱- کائنات میں عقلمندوں کے لئے توحید کی نشانیاں ہیں: عقل مند آدمی جب آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتا ہے تو اس کے عجیب وغریب احوال سامنے آتے ہیں، اسی طرح دن رات کے مضبوط و مستحکم نظام میں غور کرتا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ کوئی قادرِ مطلق ہے جو اس پورے نظام پر کنٹرول کررہا ہے، ورنہ یہ محکم نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔

۲- اللہ نے آسمانوں اور زمین کا کارخانہ عبث نہیں بنایا: مؤمن بندے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، ہر وقت ان کے دل میں اللہ کی یاد بسی رہتی ہے اور زبان پر ان کا ذکر جاری رہتا ہے، اور جب وہ آسمان وزمین میں غور کرتے ہیں تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلتا ہے: یہ عظیم الشان کارخانہ اللہ تعالیٰ نے بیکار نہیں بنایا، ضرور اس کا کوئی مقصد ہے، یہاں سے ان کا ذہن آخرت کی طرف منتقل ہوتا ہے جو موجودہ زندگی کا آخری نتیجہ ہے، پس وہ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے ہیں، اور اس کے لئے جتن بھی کرتے ہیں۔

فائدہ: آسمان وزمین اور دیگر مصنوعاتِ الٰہیہ میں غور وفکر کرنا وہی محمود ہوسکتا ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو، باقی جو مادہ پرست ان مصنوعات کے تاروں میں الجھ کر رہ جائیں اور صانع کی صحیح معرفت تک نہ پہنچ سکیں، خواہ دنیا انہیں محقق اور سائنس داں کہا کرے، مگر قرآن کی زبان میں وہ اولوالالباب نہیں ہوسکتے، بلکہ پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہیں (فوائد عثمانی)

۳- دوزخ رسوائی کا گھر ہے، اس سے بچنے کا سامان کریں: دوزخ رسوائی کا گھر ہے اور جو جس قدر دوزخ میں

رہے گا، اسی قدر اس کے لئے رسوائی ہوگی، پس دائمی رسوائی صرف کفار کے لئے ہوگی، اور عصاتِ مؤمنین جب دوزخ سے نجات پائیں گے تو ان کی رسوائی ڈھل جائے گی ـــــ اور جس کے لئے اللہ کا فیصلہ دوزخ میں ڈالنے کا ہوگا اس کو کوئی حمایت کر کے بچا نہیں سکتا، ہاں بہ اذنِ الٰہی سفارش کر کے شفعاء بخشوائیں گے۔

۴- ایمان و عمل صالح ہی آخرت کی رسوائی سے بچائیں گے: ایمان کی دعوت نبی ﷺ نے دی، مؤمن بندوں نے قبول کی اور آپؐ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کیا، یہی چیز رسوائی سے بچائے گی اور جنت میں باعزت پہنچائے گی۔

﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ ﴾

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کے بنانے میں، اور رات دن کے آنے جانے میں خالص عقل والوں کے لئے بالیقین (توحید کی) نشانیاں ہیں ـــــ ﴿وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ کے دو مطلب ہیں: ایک: ایک کے بعد دوسرے کا آنا۔ دوم: شب و روز کا گھٹنا بڑھنا۔

﴿ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾

ترجمہ: (عقلمند بندے وہ ہیں) جو اللہ کو (ہر حال میں) یاد کرتے ہیں: کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔

مسئلہ: فرض اور واجب نمازوں میں قیام و رکوع و سجود فرض ہیں، اور اگر کھڑے ہونے کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھے، رکوع و سجود کی بھی استطاعت نہ ہو تو اشارے سے پڑھے۔ اور بیٹھنے کی بھی استطاعت نہ ہو تو کروٹ پر یا چت لیٹ کر پڑھے اور رکوع و سجود اشارے سے کرے، یہ مسئلہ اسی آیت سے مستنبط ہے۔

﴿ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین کے بنانے میں غور کرتے ہیں۔

تفسیر: پہلا غور کرنا توحید اور وجود باری تک پہنچنے کے لئے تھا، اور یہ غور کرنا مقصد کائنات کو پانے کے لئے ہے۔

﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ ﴾

ترجمہ: (جب مقصد کائنات سمجھ لیتے ہیں تو کہتے ہیں:) اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ کائنات بے مقصد پیدا نہیں کی ـــــ بلکہ آخرت کے مقصد سے پیدا کی ہے ـــــ آپ کی ذات پاک ہے! ـــــ آپ کوئی کام بے مقصد نہیں کرتے، یہ خامی اور عیب ہے، اور آپ ہر عیب سے پاک ہیں ـــــ پس آپ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیں ـــــ اور جنت میں داخل کریں ـــــ اے ہمارے پروردگار! آپ جس کو دوزخ میں داخل کریں گے تو آپ نے اس کو

یقیناً رسوا کیا ـــــ اور جس کو جنت میں داخل کریں گے تو آپ نے اس کو یقیناً باعزت کیا ـــــ اور ظالموں (مشرکوں) کے لئے کوئی بھی مددگار نہیں ـــــ اور مؤمنوں کے کارساز فرشتے اور سفارش کرنے والے ہیں، اور سب سے بڑی سفارش پروردگارِ عالم کی ہوگی۔

﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴾

(دوسری دعا:) اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے (رسول یا قرآن) کو سنا جو پکار رہا ہے کہ "اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ" پس ہم ایمان لائے! اے ہمارے پروردگار! پس ہمارے گناہ بخش دے، اور ہماری برائیاں مٹا دے، اور ہمیں نیک بندوں کے ساتھ موت دے! ـــــ پہلا ایمانِ عقلی تھا یہ ایمانِ سمعی ہے۔

﴿ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴾

(تیسری دعا:) اے ہمارے پروردگار! اور آپ نے ہم سے اپنے رسولوں کی معرفت جو وعدہ فرمایا ہے: وہ ہمیں عطا فرما! اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ فرما! بے شک آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے! ـــــ اس لئے امید ہے کہ ہماری یہ دعا قبول ہوگی۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ

فَاسْتَجَابَ	پس قبول کی (دعا)	عَامِلٍ	کسی کام کرنے والے کا	مِّنْۢ بَعْضٍ	بعض سے ہے
لَهُمْ رَبُّهُمْ	ان کیلئے ان کے رب نے	مِّنْكُمْ	تم میں سے	فَالَّذِيْنَ	پس جنھوں نے
اَنِّىْ	کہ میں	مِّنْ ذَكَرٍ	مرد سے	هَاجَرُوْا	ہجرت کی
لَآ اُضِيْعُ	نہیں ضائع کرتا	اَوْ اُنْثٰى	یا عورت سے	وَاُخْرِجُوْا	اور نکالے گئے وہ
عَمَلَ	کام	بَعْضُكُمْ	تمہارا بعض	مِنْ دِيَارِهِمْ	ان کے گھروں سے

وَ اُوْذُوْا	اور ستائے گئے وہ	سَيِّاٰتِهِمْ	ان کی برائیاں	الْاَنْهٰرُ	نہریں
فِيْ سَبِيْلِيْ	میرے راستہ میں	وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ	اور ضرور داخل کروں گا	ثَوَابًا[1]	بدلہ کے طور پر
وَ قٰتَلُوْا	اور لڑے وہ		میں ان کو	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس سے
وَ قُتِلُوْا	اور مارے گئے وہ	جَنّٰتٍ	باغات میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
لَاُكَفِّرَنَّ	ضرور مٹاؤں گا میں	تَجْرِيْ	بہتی ہیں	عِنْدَهٗ	ان کے پاس
عَنْهُمْ	ان سے	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں	حُسْنُ الثَّوَابِ	اچھا بدلہ ہے

اللہ نے نیک بندوں کی دعائیں قبول کیں، اور مہاجر شہداء کا تذکرہ خاص طور پر کیا

اللہ تعالیٰ نے نیک مؤمنین کی مذکورہ دعائیں قبول فرمائیں، اللہ تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں کرتے، خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں ایک نوع کی دو صنفیں ہیں، تفصیل سورۃ النساء کی پہلی آیت میں آئے گی، پس جو بھی اچھا کام کرے گا، اس کا پھل پائے گا۔

پھر مہاجر شہداء کا خاص طور پر تذکرہ کیا، یہ وہ بندے ہیں جن کو کفر و شرک چھوڑنے کی وجہ سے وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، وہ دارالاسلام کی طرف نکل گئے، وہاں بھی ان کے لئے زمین تنگ کردی، بڑھ بڑھ کر حملے کئے تو مجبوراً ان سے لڑنا پڑا، اور شہید ہوئے: ان بندوں کے گناہ اللہ تعالیٰ ضرور معاف کریں گے، اور ان کو سدابہار باغات میں داخل کریں گے، یہ ان کے عمل کا بدلہ ہے، اور اللہ کے یہاں ان کے لئے اور بھی اچھا بدلہ ہے، وہ جمالِ خداوندی کے دیدار سے شاد کام ہونگے۔

آیتِ کریمہ: پس ان کے پروردگار نے ان کے فائدے کے لئے ان کی دعائیں قبول کیں، اس لئے کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، خواہ مرد ہو یا عورت، تمہارا ایک: دوسرے سے ہے!

پھر جن لوگوں نے ہجرت کی، اور وہ ان کے گھروں سے نکالے گئے، اور میری راہ میں (دین کی وجہ سے) ستائے گئے، اور وہ لڑے اور مارے گئے: میں ضرور ان کے گناہوں کو معاف کروں گا، اور میں ضرور ان کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن میں نہریں رواں ہیں، یہ بطور بدلہ ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ کے پاس (اور بھی) بہترین بدلہ ہے!

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۗ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ

(۱) ثوابًا: لأدخلنهم اور لأكفرن کا مفعول مطلق برائے تاکید ہے، یہ ان کے ہم معنی ہے، أی لَأُثِيْبَنَّهُمْ ثوابًا (جمل)

جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

ع ۲۰ ۱۱ ۱۱

لَا يَغُرَّنَّكَ [1]	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	رَبَّهُمْ	اپنے پروردگار سے	وَاِنَّ	اور بے شک
تَقَلُّبُ	چلنا پھرنا	لَهُمْ جَنّٰتٌ	ان کیلئے باغات ہیں	مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	کچھ اہل کتاب
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	کافروں کا	تَجْرِيْ	بہتی ہیں		
فِي الْبِلَادِ	شہروں میں	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں	لَمَنْ يُّؤْمِنُ	یقیناً ایمان رکھتے ہیں
مَتَاعٌ	فائدہ اٹھانا ہے	الْاَنْهٰرُ	نہریں	بِاللّٰهِ	اللہ پر
قَلِيْلٌ	تھوڑا	خٰلِدِيْنَ	سدا رہنے والے	وَمَاۤ اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا
ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ	پھر ان کا ٹھکانا	فِيْهَا	ان میں	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف
جَهَنَّمُ	دوزخ ہے	نُزُلًا [2]	مہمانی	وَمَاۤ اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا
وَبِئْسَ	اور برا ہے (وہ)	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
الْمِهَادُ	بچھونا	وَمَا عِنْدَ	اور جو پاس ہے	خٰشِعِيْنَ [3]	عاجزی کرنے والے
لٰكِنِ	لیکن	اللّٰهِ	اللہ کے	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے
الَّذِيْنَ	جو لوگ	خَيْرٌ	بہتر ہے	لَا يَشْتَرُوْنَ	نہیں خریدتے وہ
اتَّقَوْا	ڈرتے رہے	لِّلْاَبْرَارِ	نیک لوگوں کے لئے	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کے عوض

(۱) لایغرنك: فعل نہی بانون تاکید ثقیلہ غَرَّ فلاناً: دھوکہ دینا، باطل کی طرف مائل کرنا۔ (۲) نزلا: جنات کا حال ہے أی الجنات ضیافة لهم۔ (۳) خشعین: یؤمن کے فاعل کا حال ہے، فاعل من کی رعایت سے ہو ہے۔

ثَمَنًا قَلِيلًا	تھوڑی پونجی	سَرِيعُ الْحِسَابِ	جلدی حساب کرنے والے ہیں	وَصَابِرُوْا	اور مقابلہ میں صبر کرو
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ	انہی لوگوں کے لئے			وَرَابِطُوْا	اور سرحد کا پہرہ دو
اَجْرُهُمْ	ان کی مزدوری ہے	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور اللہ سے ڈرو
عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس	اٰمَنُوا	ایمان لائے	لَعَلَّكُمْ	تاکہ
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	اصْبِرُوْا	صبر کرو	تُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہوؤ

کافروں کی چار دن کی چاندنی سے کوئی دھوکہ نہ کھائے: یہ عارضی بہار ہے!

جن کافروں نے نبی ﷺ اور صحابہ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا، اور مہاجرین بے خانماں ہوگئے: وہ دنیا میں دندناتے پھر رہے ہیں، فرماتے ہیں: کوئی ان کی خوش حالی سے دھوکہ نہ کھائے کہ وہ خوش عیش ہیں، یہ تو چار دن کی چاندنی ہے، عارضی بہار ہے، جیسے کسی کو پھانسی سے پہلے قورمہ کھلایا جائے تو وہ کیا خوش عیش ہے! خوش عیش وہ ہے جو چند دن تکلیف اٹھا کر اندوختہ جمع کرے، پھر ہمیشہ کے لئے راحت سے ہمکنار ہوجائے۔

اور جنت کو 'مہمانی' اس لئے کہا ہے کہ مہمان کو اپنے کھانے پینے کی کچھ فکر نہیں کرنی پڑتی، بیٹھے بٹھائے عزت و آرام سے ہر چیز مل جاتی ہے —— اور نیک بندوں کے لئے اللہ کے پاس جنت سے بڑھ کر نعمت ہے، اور وہ اللہ کی دائمی خوشی اور جمالِ خداوندی کا دیدار ہے، یہی ﴿ زِيَادَةٌ ﴾: بہت کچھ زائد ہے، جس کا تذکرہ سورۃ یونس (آیت ۲۶) میں ہے۔

﴿ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکہ میں نہ ڈالے، یہ تو چند دن کے لئے فائدہ اٹھانا ہے، پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ برا بچھونا ہے! ہاں جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں —— یعنی منہیات سے بچتے ہیں اور مامورات کو بجالاتے ہیں —— ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن میں نہریں رواں ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کی طرف سے 'مہمانی' ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک بندوں کے لئے بہتر ہے!

اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے لئے بھی جنت کے دروازے کھلے ہیں!

عام مؤمنین کے تذکرہ کے بعد اہل کتاب مؤمنین کا خصوصی تذکرہ کرتے ہیں، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان

کے رفقاء رضی اللہ عنہم، اوراس تذکرہ کاایک مقصد یہ ہے کہ جنت صرف شرک سے نکل آنے والے مؤمنین کے لئے نہیں، اہل کتاب (یہود ونصاری) بھی اللہ پر ٹھیک طرح ایمان لائیں، قرآنِ کریم کو مانیں اوراپنی کتابوں کو بھی مانیں، اس لئے کہ قرآن خود تورات وانجیل کی تصدیق کرتا ہے، اور وہ اللہ کے سامنے عاجزی اوراخلاص سے گریں، اکڑفوں چھوڑیں اور دنیاپرست احبار ورہبان کی طرح دنیا کے چند ٹکوں کی خاطر حق کو نہ چھپائیں نہ بدلیں، بشارات کو ظاہر کریں اوراحکام میں تبدیلی نہ کریں توایسے پاکباز حق پرست اہل کتاب کو حدیث کی رو سے دوہرا ثواب ملے گا، اور حساب کا دن دورنہیں، جلد آیا چاہتا ہے، اس دن ان مسلمانوں کو بھی بھرپور صلہ ملے گا۔

﴿ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴾

ترجمہ: اوراہل کتاب میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو یقیناً ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اوراس کتاب پر جوتمہاری طرف اتاری گئی ہے، اوراس کتاب پر جوان کی طرف اتاری گئی ہے، جو اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں، اور معمولی قیمت میں اللہ کی باتوں (بشارات واحکام) کا سودانہیں کرتے: انہی لوگوں کے لئے ان کی مزدوری ہے ان کے پروردگار کے پاس، بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والے ہیں!

دنیاوآخرت میں کامیابی کے چارگُر

۱- سختیوں میں باہمت رہنا۔ ۲- مقابلہ میں ثابت قدمی دکھانا۔

۳- حفاظت کی پوری تیاری رکھنا۔ ۴- شریعت پر مکمل عمل کرنا۔

یہ سورت کی آخری آیت ہے، اور گویا پوری سورت کا خلاصہ ہے، دارین میں کامیابی کے چارگُر ہیں:

۱- سختیوں میں باہمت رہنا، دشمن کے سامنے سینہ سپر ہوجانا، کوئی جانی یا مالی آفت آئے تو جزع فزع نہ کرنا، اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا، صبر کے اصل معنی ہیں: روکنا، اس کی تین قسمیں ہیں: طاعات پر نفس کو روکنا یعنی پابندی سے عبادت ادا کرنا، مصائب میں نفس کو جزع فزع سے روکنا اور نفس کو گناہوں سے بچانا۔

۲- دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھانا، جس طرح دشمن میدان میں ڈٹا ہوا ہے خود بھی پتھر کی چٹان بن جانا۔

۳- حفاظت کی پوری تیاری رکھنا، اسی سے حدود اسلام کی حفاظت ہوگی، جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ

ہو وہاں آہنی دیوار بن جانا۔ رَبطٌ کے معنی ہیں: باندھنا اور مُرَابطة (باب مفاعلہ) کے معنی ہیں: سرحد پر مقابلہ میں گھوڑے باندھنا۔

۴- اللہ سے ڈرنا یعنی منہیات سے بچنا، اور یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے: طاعات پر عمل کرنا یعنی شریعت کی مکمل پابندی کرنا۔

حدیث میں ہے: نبی ﷺ جب تہجد کے لئے اٹھتے تھے تو ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ سے آخر سورت تک تلاوت فرماتے تھے، پھر وضوء کر کے نماز شروع کرتے تھے

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! (کوئی مصیبت پہنچے تو) صبر کرو ــــ یعنی باہمت رہو ــــ اور (دشمن کے) مقابلہ میں مضبوط رہو، اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم کامیاب ہوؤ!

آج بروز منگل ۵/شعبان ۱۴۳۸ھ مطابق ۲/مئی ۲۰۱۷ء کو سورۃ آلِ عمران کی تفسیر بفضلہ تعالیٰ پوری ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النساء

نمبر شمار ۴ نزول کا نمبر ۹۲ نزول کی نوعیت مدنی آیات ۱۷۶ رکوع ۲۴

آخر و اول ہم آہنگ: گذشتہ سورت: ﴿ اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ پر پوری ہوئی تھی، اور یہ سورت: ﴿ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ ﴾ سے شروع ہو رہی ہے، پس آخر و اول ہم آہنگ (موافق) ہیں، اللہ اور رب ایک ہیں، اللہ تو خالق و مالکِ کائنات کا اسم علم (ذاتی نام) ہے اور ربّ صفاتی نام ہے، ربّ: وہ ہستی ہے جو تین کام کرے: اول: کسی چیز کو عدم سے وجود میں لائے، نیست کو ہست کرے، دوم: نئی مخلوق کے بقاء کا سامان کرے، تاکہ وہ وجود میں آ کر فنا نہ ہو جائے، سوم: نو زائیدہ مخلوق کو بہ تدریج بڑھا کر منتہائے کمال (آخری پوئنٹ) تک پہنچائے، ظاہر ہے یہ تین کام اللہ کے سوا کون کرتا ہے؟ پس اللہ اور ربّ ایک ہیں۔

سورت کا نام: جاننا چاہئے کہ مرد و زن: نوع انسان کی دو صنفیں ہیں، اور دونوں کے احکام ایک ہیں، حدیث میں ہے: إن النساءَ شَقَائِقُ الرجال: عورتیں مردوں کا حصہ ہیں، اور خربوزہ کی ایک پھانک میٹھی ہو تو دوسری بھی میٹھی ہوگی، اور ایک پھیکی ہو تو دوسری بھی ویسی ہی ہوگی، البتہ صنفی احکام مختلف ہیں، مگر وہ دو فیصد ہیں، اٹھانوے فیصد احکام مشترک ہیں، اس لئے قرآن و حدیث میں مردوں کو مخاطب کر کے احکام دیئے گئے ہیں، کیونکہ اسلام میں مردوں کو عورتوں پر بالادستی حاصل ہے، پس دونوں کے لئے احکام ایک ہیں، نماز، زکات، روزہ اور حج وغیرہ مردوں پر بھی فرض ہیں اور عورتوں پر بھی، البتہ حیض وغیرہ کے احکام صنفی احکام ہیں، وہ عورتوں کے لئے علاحدہ ہیں۔

پس جب اسلام میں مردوں کو عورتوں پر بالادستی حاصل ہے تو بیانِ احکام میں مردوں سے خطاب کیا جائے گا، اور افضل کو مخاطب بنایا جائے گا تو مفضول بھی مخاطب ہوگا، جیسے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو یہ حکم جنات کے لئے بھی تھا، سورۃ الکہف (آیت ۵۰) میں ہے: ﴿ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ﴾: ابلیس جنات میں سے تھا، پس وہ اپنے پروردگار کے حکم سے آؤٹ ہو گیا! پس عورتوں کے لئے کوئی شکایت کا موقع نہیں تھا، مگر وہ صنفِ نازک ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قرآن میں کہیں بھی عورتوں کی ہجرت وغیرہ اعمالِ صالحہ

کا بالتخصیص ذکر نہیں آیا! اس پر سورۃ آلِ عمران کی آیت (۱۰۵) میں: ﴿ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ﴾ نازل ہوا، تا کہ ان کی اشک شوئی ہو جائے، اور بعض نیک خواتین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! امہات المؤمنین کے تعلق سے سورۃ الاحزاب میں دس آیتیں نازل ہوئیں، مگر عام عورتوں کا کچھ حال بیان نہ ہوا! چنانچہ متصلاً (آیت ۳۵) نازل ہوئی، اور اس میں دس مرتبہ مردوں کے دوش بدوش عورتوں کا بھی تذکرہ کیا، یہ ان کی دلداری کے لئے تھا۔ اب ممکن ہے نیک بندیاں سوال کریں کہ آلِ عمران کے نام سے سورت آئی، اور آگے مریم کے نام سے بھی سورت آ رہی ہے، مگر عام عورتوں کے نام سے کوئی سورت نہیں! اس لئے متصلاً ہی سورت النساء رکھ دی، تا کہ ان کی بات بھی رہ جائے! اس سورت کے شروع میں عورتوں کے احکام ہیں، پھر آگے عام احکام ہیں۔

عورتوں کی تخلیق کا مسئلہ

اس سورت کی پہلی آیت میں عورتوں کی تخلیق کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے، جاننا چاہئے کہ دو مسئلے الگ الگ ہیں، ان میں غت ربود نہیں کرنا چاہئے۔ ایک مسئلہ ہے: عام عورتیں کس طرح پیدا ہوتی ہیں؟ دوسرا مسئلہ ہے: پہلی خاتون دادی حواء رضی اللہ عنہا کس طرح پیدا کی گئیں؟

پہلا مسئلہ: عام خیال یہ ہے کہ ہر عورت شوہر کی پسلی سے پیدا ہوتی ہے، مگر یہ خیال بداہۃً باطل ہے ہر بچہ مرد کے جُرثومہ اور عورت کے بیضہ کے ملنے سے پیدا ہوتا ہے، لڑکا بھی اور لڑکی بھی، اور قرآن وحدیث میں اس مسئلہ کے تعلق سے کچھ نہیں، بائبل میں بھی یہ مسئلہ نہیں، البتہ بخاری شریف کی ایک حدیث (نمبر ۳۳۳۱) کو اس مسئلہ سے جوڑا گیا ہے، مگر اس حدیث کا نہ تو اس مسئلہ سے تعلق ہے نہ آئندہ مسئلہ سے، وہ حدیث درج ذیل ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ"

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی میری وصیت قبول کرو، اس لئے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور پسلیوں میں سب سے ٹیڑھی اوپر کی پسلی ہے، پس اگر آپ پسلی کو سیدھا کرنا چاہیں گے تو اس کو توڑ بیٹھیں گے اور اگر اس کو ٹیڑھا رہنے دیں گے تو وہ برابر ٹیڑھی رہے گی، پس عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔

تشریح: اس حدیث میں نسوانی فطرت میں جو کجی ہے اس کی تمثیل ہے، پسلی کی مثال سے اس کو سمجھایا ہے، پسلی میں کجی فطری ہوتی ہے وہ کسی طرح ختم نہیں ہو سکتی، کوئی اس کو سیدھا کرنا چاہے تو ٹوٹ جائے گی، یہی حال صنف نساء کا ہے، اس کی فطرت میں کجی ہے، جو کبھی نکل نہیں سکتی، اس لئے اس بات کو پیش نظر رکھ کر بیوی سے معاملہ کرنا چاہئے، یعنی حسن

سلوک کرنا چاہئے، بیوی کی کوتاہیوں سے درگذر کرنا چاہئے اس کی نامناسب باتوں کو نظر انداز کرنا چاہئے، جبھی نباہ ہوگا، اور اگر کوئی چاہے گا کہ بیوی کو سیدھا کردے تو یہ ناممکن ہے، اس کو سیدھا نہیں کر سکے گا، بلکہ اس کو توڑ بیٹھے گا، اور بیوی کو توڑنا یہ ہے کہ طلاق کی نوبت آجائے گی، پس اس سے بہتر نرمی کا معاملہ کرنا ہے۔

فائدہ: اس حدیث کو دادی حواء رضی اللہ عنہا کے ساتھ جوڑا گیا ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلیوں میں سے کسی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، مگر بخاری کے حاشیہ میں اس قول کو قیل سے ذکر کیا ہے، یعنی یہ ضعیف قول ہے، صحیح بات وہ ہے جو اوپر بیان کی، اور حاشیہ ہی میں قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے: إِنَّهُنَّ خُلِقْنَ خَلْقًا فِيْهِنَّ إِعْوِجَاجٌ: فَكَأَنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ أَصْلٍ مُعْوَجٍّ، كَالضِّلَعِ مَثَلاً، فَلاَ يَتَهَيَّأُ انْتِفَاعٌ بِهِنَّ إِلاَّ بِالصَّبْرِ عَلٰى إِعْوِجَاجِهِنَّ: عورتوں کی بناوٹ ایسی ہے کہ ان میں کجی ہے پس گویا عورتیں ٹیڑھی اصل سے پیدا کی گئی ہیں، مثلاً پسلی سے، پس ان سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں، مگر ان کی کجی پر صبر کرنے کے ذریعہ، حدیث کا صحیح مطلب یہی ہے اور جو عام بات چلی ہوئی ہے وہ ضعیف ہے، اسرائیلیات سے وہ بات تفسیروں میں درآئی ہے۔ اس حدیث کا دونوں مسائل سے کچھ تعلق نہیں، یہ تو مضمون فہمی کی ایک تمثیل ہے۔

دوسرا مسئلہ: پہلی خاتون دادی حواء رضی اللہ عنہا کی تخلیق کس طرح ہوئی؟ اس مسئلہ کے تعلق سے بھی احادیث میں کچھ نہیں اور قرآنِ کریم کی تعبیر ذو معنی ہے، اس لئے قطعی طور پر کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ البتہ یہ بات قطعی ہے کہ انسان دیگر حیوانات کی طرح مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، کوئی بلا واسطہ اور کوئی بالواسطہ، حضرت آدم علیہ السلام بلا واسطہ مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، ان کی تخلیق کے سلسلہ میں قرآنِ کریم میں یہ تعبیریں آئی ہیں: (۱) ﴿مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ﴾: چپکتی مٹی سے (۲) ﴿مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾: سڑے ہوئے گارے سے (۳) ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾: ٹھیکری کی طرح بجتی مٹی سے، ان مختلف تعبیرات کو ملا کر بھی کوئی واضح صورت سمجھ میں نہیں آتی۔

اور دادی کے تعلق سے عام خیال یہ ہے کہ یہ ارشاد ہے: ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ تمام انسانوں کو ایک نفس سے پیدا کیا، اور اس نفس سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔

اس آیت میں نفس کا کیا ترجمہ ہے؟ نفس متعدد معانی کے لئے آتا ہے، روح، جسم، جی وغیرہ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے، اور عارف شیرازی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ 'جوہر' کیا ہے، فرماتے ہیں:

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند ❁ کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

پس اس کا ترجمہ 'ماہیت' بھی کیا جاسکتا ہے اور ترجمہ نہ کریں تو نفسِ ناطقہ مراد لے سکتے ہیں، یہ انسان کی کلی طبعی ہے،

اس کا وجود عالم اجساد میں اس کے افراد کے ضمن میں ہوتا ہے، مستقل وجود نہیں ہوتا، مگر عالم مثال میں اس کا مستقل وجود ہے، اسی کو شاید صوفیاء 'انسانِ اکبر' کہتے ہیں۔

اسی طرح زوج کے بھی دو ترجمے ہیں: بیوی اور جوڑا۔ جوڑا: وہ دو چیزیں جو مل کر کسی مقصد کی تکمیل کرتی ہیں، جیسے آسمان وزمین جوڑا ہیں، آسمان برستا ہے اور زمین اُگاتی ہے، اس طرح حیوانات کی معیشت کا اللہ تعالیٰ انتظام کرتے ہیں، اسی طرح شب وروز جوڑا ہیں، کرتا پاجامہ جوڑا ہیں، دو جوتے جوڑا ہیں اور نر و مادہ بھی جوڑا ہیں، دونوں سے نسل پھیلتی ہے۔

اب سورۃ النساء کی پہلی آیت کے دو مطلب نکلیں گے:

۱- تمام انسانوں کو ایک نفس سے یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا، اور اسی نفس سے یعنی آدم علیہ السلام سے ان کی بیوی (دادی حوا) کو پیدا کیا، یہی مطلب عام طور پر لیا جاتا ہے۔

۲- تمام انسانوں کو نفسِ ناطقہ سے پیدا کیا، پھر اس کی دو صنفیں بنائیں اور اس جوڑے سے بے شمار مرد وزن پیدا کئے، اب آیت کا آدم وحوا علیہما السلام سے کچھ تعلق نہ ہوگا، تمام انسانوں سے آیت کا تعلق ہوگا۔

اور روح المعانی میں سورۃ النساء کی پہلی آیت کے حاشیہ میں خود مفسر کا منہیہ ہے، حضرت ابو جعفر محمد باقر رحمہ اللہ جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی طرف منسوب کر کے یہ قول لکھا ہے: انها خلقت من فضل طينته: دادی حوا اس مٹی سے پیدا کی گئیں جو آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لئے تیار کی ہوئی مٹی سے بچی تھی، اس باقی ماندہ سے دادی کا پتلا بنایا گیا، پھر اس میں روح پھونکی گئی۔

البتہ بائبل کی کتاب پیدائش میں ہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں اکیلے پریشان رہتے تھے، ایک مرتبہ وہ سوئے ہوئے تھے، اللہ پاک کبوتر کی شکل میں آئے (پناہ بخدا!) اور ان کی بائیں پسلی سے ایک جزء کاٹ کر لے گئے، اور دادی کو بنا کر بھیج دیا، ان سے دادا کو سکون حاصل ہوا۔ یہی بات روایات کے راستے تفسیروں میں در آئی، اور آیات کی عام تفسیر یہی کی جانے لگی۔

جاننا چاہئے کہ فی الحال مخلوقات تین طرح پیدا ہو رہی ہیں:

اول: کیڑوں کی طرح ڈائریکٹ بے شمار مخلوق مٹی سے پیدا ہو رہی ہے، پھر ان میں توالد وتناسل نہیں ہوتا، وہ اپنی مدت پوری کر کے ختم ہو جاتے ہیں، برسات میں بے شمار کیڑے اسی طرح پیدا ہوتے ہیں۔

دوم: کچھ مخلوقات ڈائریکٹ مٹی سے بھی پیدا ہوتی ہے، پھر ان میں توالد وتناسل بھی ہوتا ہے، جیسے مچھلی اور مینڈک، کسی تالاب میں عرصہ تک پانی رہے تو اس میں مٹی سے مچھلیاں پیدا ہونگی، پھر وہ انڈے دیں گی اور نسل چلے گی، یہی حال

مینڈکوں کا ہے۔

سوم: بڑے حیوانات کی پہلے عالم مثال میں نوعیں پیدا کی ہیں، پھر ان کے پہلے دو فرد (نر مادہ) ڈائریکٹ مٹی سے پیدا کئے ہیں، پھر ان میں توالد و تناسل ہوتا ہے، اب ان کا کوئی فرد مٹی سے پیدا نہیں ہوتا، اب یہ مسئلہ حل ہوگیا کہ مرغی پہلے ہے یا انڈا؟ جواب: مرغی پہلے ہے، پہلا مرغا اور پہلی مرغی راست مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، پھر جب نر مادہ ملے تو مرغی نے انڈا دیا۔

اور ڈاروِن کا خیال مہمل ہے کہ انسان: بندر سے ترقی کر کے بنا ہے، سوال یہ ہے کہ حیوانات کی دیگر انواع کس طرح بنی ہیں؟ بلکہ خود بندر کس طرح بنے ہیں؟ اگر ان کے پہلے دو فرد (نر مادہ) مٹی سے بنے ہیں تو یہی بات انسان کے تعلق سے مان لینے میں کیا پریشانی ہے؟

اور محرف بائبل کی یہ بات بھی مہمل ہے کہ دادی جنت میں پیدا کی گئیں، سورۃ البقرۃ میں صراحت ہے کہ دادی بھی زمین میں پیدا کی گئی ہیں، ارشاد پاک ہے: ﴿ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ﴾: آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرانے کے بعد حکم ملا کہ آدم تم خود اور تمہاری بیوی جنت میں جا بسو، پھر جنت سونے کی جگہ نہیں، نیند تھکن کی وجہ سے آتی ہے اور جنت میں تھکن نہیں، اس لئے تورات کی بات بھی مہمل ہے، اور اس کی روشنی میں آیت کی تفسیر کرنا بھی ٹھیک نہیں۔

آیاتھا ۱۷۶ (۴) سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ (۹۲) رکوعاتھا ۲۴
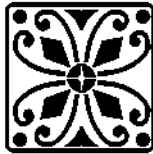
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝۱

بِسْمِ اللّٰهِ	اللہ کے نام سے	وَّاحِدَةٍ	ایک	تَسَآءَلُوْنَ (۳)	باہم سوال کرتے ہو تم
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	وَّخَلَقَ مِنْهَا	اور اس سے پیدا کیا	بِهٖ	اس کے ذریعہ
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	زَوْجَهَا (۲)	اس کا جوڑا (مرد وزن)	وَالْاَرْحَامَ (۴)	اور قرابت داری سے
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!	وَبَثَّ مِنْهُمَا	اور دونوں سے پھیلائے		(ڈرو)
اتَّقُوْا رَبَّكُمُ	اپنے ربّ سے ڈرو	رِجَالًا كَثِيْرًا	مرد بہت	اِنَّ	بے شک
الَّذِيْ	جس نے	وَّنِسَآءً	اور عورتیں (بہت)	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
خَلَقَكُمْ	تم کو پیدا کیا	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور تم ڈرو اللہ سے	كَانَ عَلَيْكُمْ	تم پر ہیں
مِّنْ نَّفْسٍ (۱)	نفس سے	الَّذِيْ	جو	رَقِيْبًا	نگران (نگہبان)

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رشتہ داری کا تعلق ختم مت کرو، اور رشتہ داری کا تعلق تمام انسانوں سے ہے

سورت کی پہلی آیت میں ایک حکم اور اس کی تمہید ہے، حکم یہ ہے کہ رشتہ داری کا تعلق مت توڑو، ناتے کا خیال رکھو، اور تمہید یہ ہے کہ ناتا (رشتہ داری) کا تعلق تمام انسانوں سے ہے، تمام انسان ایک ماہیت کے افراد ہیں، اور مرد وزن نوع انسانی کی دو صنفیں ہیں، اور ماہیتِ کلیہ سے پہلا جوڑا آدم وحواء علیہما السلام کا بنایا ہے، پھر ان سے نسل چلی اور ساری دنیا آباد ہوگئی، پس سب انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، سب ایک کنبہ ہیں، اور بعد میں لوگوں میں جو تقسیم ہوئی ہے وہ

(۱) نفس سے نفسِ ناطقہ (ماہیت) مراد ہے، یہی انسان کی کلی طبیعی ہے (۲) زوج سے مراد بیوی نہیں، بلکہ مرد وزن کا جوڑا ہے (۳) تساء لون میں ایک تاء محذوف ہے (۴) الأرحام کا عطف اللہ پر ہے۔

باہمی تعارف کے لئے ہے، اس کا ناتے سے کوئی تعلق نہیں، سب مرد وزن، مسلم اور غیر مسلم ایک خاندان ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ربِّ حقیقی ہیں اور والدین ربِّ مجازی۔ ربّ: وہ ہوتا ہے جو نیست سے ہست کرے، پھر اس کی بقاء کا سامان کرے، پھر آہستہ آہستہ اس کو ترقی دے کر منتہائے کمال (آخری حد) تک لے جائے، بایں معنی اللہ تعالیٰ تو رب حقیقی ہیں، اور ماں باپ بھی اولاد کے وجود کا ظاہری سبب ہیں، پھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں باپ اس کی پوری دیکھ بھال کرتے ہیں، اس کی ہر ضرورت پوری کرتے ہیں اور بیس سال تک اس کو کھلاتے پلاتے ہیں، پھر جب وہ جوان رعنا ہو جاتا ہے تو شادی کر کے اڑا دیتے ہیں۔

پس رب حقیقی اور رب مجازی میں مناسبت ہے، اور لوگ اللہ کے واسطے سے ایک دوسرے سے مانگتے ہیں، کہتے ہیں: اللہ کے لئے میری مدد کرو، اسی طرح لوگ رشتہ داری کے واسطے سے بھی سوال کرتے ہیں، کہتے ہیں: بھیا میری مدد کرو، چچا میرا خیال رکھو، اور رشتہ داری کے واسطہ سے اسی وقت سوال کیا جاسکتا ہے جبکہ تعلقات استوار ہوں، ورنہ بھائی نہ بھائی ہے، نہ چچا چچا!

اس لئے جہاں اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا رشتہ داری سے ڈرنے کا بھی حکم دیا، البتہ دونوں ڈر مختلف ہیں اللہ سے ڈرنا تو اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنا ہے۔ اور رشتہ داری سے ڈرنا: قطع رحمی سے بچنا ہے، اور آخر آیت میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نگرانی کر رہے ہیں، ان سے تمہارا کوئی حال پوشیدہ نہیں، تم رشتہ داری کا پاس ولحاظ رکھتے ہو یا نہیں؟ اس کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔

اور حدیثوں میں قطع رحمی پر سخت وعید آئی ہے:

حدیثِ قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں ہی اللہ (معبود) ہوں، میں ہی رحمان (نہایت مہربان) ہوں، میں نے رَحِمْ (ناتے) کو پیدا کیا ہے، اور میں نے اس کو اپنے نام میں سے حصہ دیا ہے، پس جو اس کو جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا، اور جو اس کو کاٹے گا میں اس کو (اپنے سے) کاٹوں گا!

اور دوسری حدیث میں ہے: جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کو پیدا کر کے فارغ ہوئے تو ناتا کھڑا ہوا، اور اس نے رحمان کی کمر میں کولی بھری، اللہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں نے قطع رحمی سے پناہ لینے کے لئے آپ کی کولی بھری ہے، اللہ نے فرمایا: کیا تو اس پر راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے میں اس کو جوڑوں، اور جو تجھے کاٹے میں اس کو کاٹوں؟ ناتے نے کہا: میں اس پر راضی ہوں؟ اللہ نے فرمایا: جا تجھ سے اس کا وعدہ ہے۔

فائدہ: معدنِ وجود اور منشأ وجود کے اتحاد کے باعث تو تمام بنی آدم میں رعایتِ حقوق اور حسنِ سلوک ضروری ہے، اس کے بعد اگر کسی موقع میں کسی خصوصیت کی وجہ سے اتحاد میں زیادتی ہو جائے، جیسے اقارب میں، یا کسی موقع میں

شدتِ احتیاج پائی جائے، جیسے یتامی اور مساکین وغیرہ میں، تو وہاں رعایتِ حقوق میں بھی ترقی ہوجائے گی (فوائد)

آیتِ کریمہ: اے لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک نفس (ایک ماہیت) سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کا جوڑ ابنایا، اور دونوں سے، بہت مرد اور عورتیں پھیلائیں، اور اس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعہ تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابت داری سے (بھی) ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہیں!

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲

وَاٰتُوا	اور دو تم	الْخَبِيْثَ	برے مال کو	اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ (۱)	اپنے اموال کے ساتھ (ملاکر)
الْيَتٰمٰٓى	یتیموں کو	بِالطَّيِّبِ	اچھے مال سے	اِنَّهٗ كَانَ	بیشک وہ (کھانا) ہے
اَمْوَالَهُمْ	ان کے اموال	وَلَا تَاْكُلُوْٓا	اور مت کھاؤ	حُوْبًا (۲)	وبال (گناہ)
وَلَا تَتَبَدَّلُوا	اور مت بدلو	اَمْوَالَهُمْ	ان کے اموال	كَبِيْرًا	بڑا

یتیموں کے تعلق سے تین احکام

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ ناتا مت توڑو: یہ ایک امر کلی تھا، اب اس کی تفصیلات شروع کرتے ہیں۔ یتامی عام طور پر قرابت دار اور کمزور ہوتے ہیں، اس لئے ان کے تعلق سے اولیاء کو تین حکم دیتے ہیں:

۱۔جب یتیم بالغ ہوجائے تو اس کا مال اس کے حوالے کیا جائے، ولی کسی غرض سے اس میں لیت ولعل نہ کرے، البتہ اگر وہ ناسمجھ ہو تو اس کا حکم آگے آرہا ہے۔

۲۔زمانۂ تولیت میں یتیم کی کسی اچھی چیز کو اپنی بری چیز سے نہ بدلے، اس کے کھیت کے اچھے گیہوں رکھ لئے اور اپنے کھیت کے گھٹیا گیہوں اس کے حساب میں لگادیئے: ایسا نہ کرے۔

۳۔یتیم کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھائے، ولی کے لئے جائز ہے کہ یتیم کا کھانا اپنے کھانے کے ساتھ پکائے، مگر اس کا آٹا اس کی خوراک سے زائد لینا، اور شرکت کے بہانے اس کا مال اڑانا جائز نہیں، اس پر آگے سخت وعید آرہی ہے، یہ بڑا بھاری گناہ ہے، اس سے بچے!

آیتِ کریمہ: (۱) اور تم یتیموں کو ان کے اموال دو (۲) اور اپنے برے مال کو ان کے اچھے مال سے مت بدلو (۳) اور

(۱) إلى أموالكم: أی مضمومة إلى أموالكم (۲) الحُوب: اسم ہے، حاب (ن) حَوبا: گنہگار ہونا۔

ان کے اموال مت کھاؤ اپنے اموال کے ساتھ ملا کر، بے شک وہ بڑا گناہ ہے!

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــًٔا مَّرِيْۗـــًٔا ۝۴

وَاِنْ خِفْتُمْ	اور اگر ڈرو تم	اَلَّا تَعْدِلُوْا (۳)	کہ نہیں انصاف کروگے تم	صَدُقٰتِهِنَّ (۴)	ان کے مہر
اَلَّا تُقْسِطُوْا	کہ نہیں انصاف کروگے تم	فَوَاحِدَةً	تو (نکاح کرو) ایک سے	نِحْلَةً (۵)	بطیب خاطر
فِي الْيَتٰمٰى	یتیم لڑکیوں میں	اَوْ مَا مَلَكَتْ	یا (اکتفا کرو) اس پر	فَاِنْ طِبْنَ	پھر اگر خوش ہو جائیں
فَانْكِحُوْا (۱)	تو نکاح کرو		جس کے مالک ہیں	لَكُمْ	تمہارے لئے
مَا طَابَ لَكُمْ	جو پسند آئیں تمہیں	اَيْمَانُكُمْ	تمہارے دائیں ہاتھ	عَنْ شَيْءٍ	کسی چیز سے
مِّنَ النِّسَآءِ	عورتوں سے	ذٰلِكَ	وہ بات	مِّنْهُ (۶)	اس (مہر) میں سے
مَثْنٰى (۲)	دو دو	اَدْنٰٓى (۳)	قریب ہے	نَفْسًا (۷)	ان کے دل
وَثُلٰثَ	اور تین تین	اَلَّا تَعُوْلُوْا	کہ نہ نا انصافی کرو تم	فَكُلُوْهُ	پس کھاؤ اس کو
وَرُبٰعَ	اور چار چار	وَاٰتُوا	اور دو تم	هَنِيْۗـــًٔا (۸)	خوش گوار (رچتا)
فَاِنْ خِفْتُمْ	پس اگر ڈرو تم	النِّسَآءَ	عورتوں کو	مَّرِيْۗـــًٔا (۸)	خوش ذائقہ (پچتا)

یتیم لڑکی کے ساتھ نا انصافی کا ڈر ہو تو اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے

ان دو آیتوں میں یتامی کے تعلق سے بنیادی مسئلہ تو مذکورہ مسئلہ ہے، پھر اس کے ذیل میں لگتے چند مسائل ہیں:

(۱) فانکحوا: فاء جزائیہ اور جملہ أنکحوا: إن خفتم کی جزاء کے قائم مقام ہے، أی: فلا تنکحوهن وانکحوا ماطاب لکم (۲) مثنی وثلث وربع: النساء کے حال ہیں (۳) عَالَ (ن) عَوْلاً: ایک طرف کو جھک جانا، عورتوں میں برابری نہ کرنا (۴) صَدُقَات: صَدُقَة کی جمع: مہر (۵) نِحْلَة: مصدر باب فتح اور اسم: خوش دلی (۶) منه: شيء کی صفت ہے أی کائنا منه اور مِن تبعیضیہ یا بیانیہ ہے (۷) نفسًا: طبن کے فاعل سے محول تمیز ہے (۸) هنیئا اور مریئا: دونوں صفت مشبہ ہم معنی ہیں، عربی میں تابع معنی دار ہوتا ہے اور متبوع کی تاکید کرتا ہے۔ رچتا پچتا بھی ہم معنی ہیں وہ چیز جو آسانی سے گلے سے اتر جائے اور بدن کے موافق آئے۔

کبھی یتیم لڑکی کا سرپرست لڑکی کے مال میں رغبت رکھتا ہے، اس لئے وہ خود اس سے نکاح کرتا ہے، مگر مہر میں انصاف نہیں کرتا، کم مہر دیتا ہے، چنانچہ قرآنِ کریم نے فرمایا: ایسا مت کرو، اگر تمہیں یتیم لڑکیوں کے حق میں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں کرو گے، مناسب مہر نہیں دو گے یا ان کے حقوق ادا نہیں کرو گے تو ان سے نکاح مت کرو، دوسری عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں۔

تعدد ازدواج مردوں کی واقعی ضرورت ہے

۱- عورت عوارض سے دوچار ہوتی ہے، حیض، حمل، زچگی، نفاس اور رضاعت سے اس کو دوچار ہونا پڑتا ہے، اس زمانہ میں عورت قابل استفادہ نہیں رہتی یا جنسی اختلاط باعث کلفت ہوتا ہے۔

۲- پچاس سال کے بعد عورت مایوس ہو جاتی ہے، اور جنسی التفات میں کمی آجاتی ہے، اور مرد بہت دنوں تک کارآمد رہتا ہے اور بے رغبتی کے ساتھ اختلاط باعث مسرت نہیں ہوتا، اس لئے بھی نیا نکاح مرد کی ضرورت بن جاتا ہے۔

۳- بعض خطوں میں لڑکیوں کی شرح پیدائش لڑکوں سے زیادہ ہوتی ہے، پس ایک سے زیادہ نکاح ایک معاشرتی ضرورت ہے۔

۴- مردوں پر عورتوں کی بہ نسبت حوادث زیادہ آتے ہیں، ایسی صورت میں عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے، جس کا حل تعددِ ازدواج ہے۔

۵- عورت بیک وقت ایک ہی مرد کے لئے بچہ جنتی ہے، جبکہ مرد بیک وقت کئی عورتوں سے اولاد حاصل کرسکتا ہے، پس افزائش نسل کی ضرورت بھی تعددِ ازدواج کے جواز کی مقتضی ہے۔

۶- اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت عفت وعصمت اور پاکدامنی وپرہیزگاری کی ہے، اور مرد کبھی قوی الشہوت ہوتا ہے، ایک بیوی سے اس کی ضرورت کی تکمیل نہیں ہوتی، ایسی صورت میں وہ یا تو گناہ میں مبتلا ہوگا یا خون کے گھونٹ پی کر رہ جائے!

مگر کبھی فخر ومباہات اور حرص وآز درمیان میں آجاتے ہیں، اور آدمی حد سے زیادہ نکاح کرلیتا ہے، پھر سب بیویوں کے حقوق ادا نہیں کرتا، بعض کو ادھر لٹکا ہوا چھوڑ دیتا ہے، جو ظلم وزیادتی ہے، چنانچہ اسلام نے انصاف کی شرط کے ساتھ چار بیویوں تک نکاح کی اجازت دی، اور اس پر امت کا اجماع ہے، پس کسی گمراہ فرقہ کا اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا۔

چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں

شریعت نے نکاح کے لئے چار کا عدد مقرر کیا ہے، اس سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، کیونکہ اس سے

زیادہ بیویوں کے ساتھ ازدواجی معاملات میں حسن سلوک ممکن نہیں، اور چار ہی عورتوں سے نکاح کا جواز سورۃ النساء کی آیت ۳ میں مذکور ہے، فرمایا: ﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ﴾: پس تم ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں: دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے، اور آیت میں اگرچہ کلمہ حصر نہیں مگر موقع کی دلالت حصر پر ہے، اگر کسی چیز کی اجازت دی جائے، اور اجازت دینے والا کسی حد پر رک جائے تو اتنے ہی کی اجازت ہوتی ہے، جیسے کہا: دو، تین اور چار لے لو: تو کم لے سکتا ہے زیادہ نہیں — اور تین حدیثوں میں حصر کی صراحت ہے، حضرت غیلانؓ کے نکاح میں دس عورتیں تھیں، ان کو حکم دیا گیا کہ چار رکھ کر باقی سے علاحدگی اختیار کریں، حضرت حارثؓ کے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں، ان کو بھی حکم دیا کہ چار رکھ کر باقی سے علاحدگی اختیار کریں، اور حضرت نوفلؓ کے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں ان کو بھی ایک بیوی کو علاحدہ کرنے کا حکم دیا، پس آیت اور احادیث سے ثابت ہوا کہ چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور اس پر اجماع ہے۔ اور گمراہ فرقوں کا اختلاف اجماع کو متاثر نہیں کرتا (تفصیل کے لئے دیکھیں رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۹۷)

اور شیعوں اور غیر مقلدوں کے نزدیک چار میں حصر نہیں، اور خوارج کے نزدیک اٹھارہ عورتوں تک جمع کر سکتے ہیں، ان کے نزدیک ﴿ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ﴾ میں واو جمع کے لئے ہے، اور اعداد معدول ہیں، ان کا ترجمہ دو دو، تین تین اور چار چار ہے، پس مجموعہ اٹھارہ ہوا، اور فریق اول اعداد کو معدول نہیں لیتا، وہ دو، تین اور چار ترجمہ کرتا ہے، اور واو جمع کے لئے ہے، پس مجموعہ نو ہوا، اور غیر مقلدوں کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ نبی ﷺ کے نکاح میں نو بیویاں تھیں، پس کوئی حصر نہیں، جتنی عورتوں کو چاہے جمع کرے (عرف الجادی)

اور اہل السنہ والجماعہ کے نزدیک واو تنویع کے لئے بمعنی أو ہے، حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے سورۃ النساء کی آیت تین اور سورۃ الفاطر کی پہلی آیت کی یہی تفسیر کی ہے، پس دو سے یا تین سے یا چار ہی سے نکاح کر سکتے ہیں، اور فرشتوں میں کسی فرشتہ کے دو بازو، کسی کے تین بازو اور کسی کے چار بازو ہیں، اور کسی کے اس سے بھی زیادہ ہیں، یہ بات آیت میں مصرح ہے، واو جمع کے لئے نہیں ہے کہ ہر فرشتہ کے نو یا اٹھارہ بازو ہیں۔

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ﴾

ترجمہ: اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف نہیں کرو گے تو (ان سے نکاح مت کرو، اور ان کے علاوہ) جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو: دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے۔

ایک سے زیادہ نکاح کا جواز انصاف کی شرط کے ساتھ ہے

اگر یہ ڈر ہو کہ ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے کی صورت میں انصاف اور برابری کا معاملہ نہیں کر سکے گا تو

ایک ہی پر قناعت کرے یا باندی پر بس کرے (اب باندیاں نہیں رہیں) صرف ایک کو نکاح میں رکھنے میں اس بات کی توقع ہے کہ بے انصافی سے محفوظ رہے گا (اور ایک نکاح میں بھی نا انصافی کا اندیشہ ہو تو پھر مجرد رہے اور مسلسل روزے رکھے اور سحری برائے نام کرے، مگر دو ماہ سے زیادہ مسلسل روزے نہ رکھے، درمیان میں وقفہ کرے)

﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۞ ﴾

ترجمہ: پس اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ (تعدد ازدواج کی صورت میں) انصاف نہیں کرسکو گے تو ایک پر اکتفا کرو، یا ان باندیوں پر (اکتفا کرو) جو تمہاری ملکیت میں ہیں، اس میں زیادہ امید ہے کہ ایک طرف کو نہ جھک جاؤ۔

شوہر مہر خوش دلی سے ادا کرے، اور عورت مہر معاف کرسکتی ہے

یتیم لڑکی کے ساتھ نا انصافی کا اندیشہ ہو تو اس سے نکاح نہ کرے، اور نا انصافی سب سے پہلے مہر میں ہوتی ہے: یا تو مہر برائے نام رکھا جاتا ہے، یا بوجھ سمجھ کر ادا کیا جاتا ہے، یا جبراً معاف کرالیا جاتا ہے، اس لئے اب مہر کے تعلق سے دو حکم دیتے ہیں:

ایک: شوہر مہر خوش دلی سے ادا کرے، اس کو بوجھ نہ سمجھے، وہ مہر کا عوض استعمال کرتا ہے، وہ کوئی جرمانہ نہیں جو دے کر جان بچالی جائے۔

دوسرا: اگر بیوی بطیب خاطر مہر کا کچھ حصہ (یا سارا مہر) معاف کردے تو وہ شوہر کے لئے تر لقمہ ہے، وہ اس معافی کو قبول کرسکتا ہے، اور منه میں اشارہ ہے کہ کچھ مہر چھوڑ دے اور کچھ کی معافی قبول کرے۔

﴿ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـئًا مَّرِيْٓـئًا ۞ ﴾

ترجمہ: اور عورتوں کو خوش دلی کے ساتھ ان کا مہر دو، پس اگر وہ خوش دلی سے اپنے مہر میں سے کچھ حصہ تمہارے لئے چھوڑ دیں تو وہ تمہارے لئے تر لقمہ ہے اس کو رچتا پچتا کھاؤ!

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۞ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۞

وَلَا تُؤْتُوا	اور مت دو	الْيَتٰمٰى	یتیموں کو	وَمَنْ كَانَ	اور جو ہو
السُّفَهَآءَ (۱)	ناسمجھوں کو	حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	غَنِيًّا	مالدار
اَمْوَالَكُمُ (۲)	اپنے اموال	بَلَغُوا	پہنچ جائیں وہ	فَلْيَسْتَعْفِفْ	پس چاہئے کہ بچے وہ
الَّتِیْ	جن کو	النِّكَاحَ	نکاح کو	وَمَنْ كَانَ	اور جو ہو
جَعَلَ اللّٰهُ	اللہ نے بنایا ہے	فَاِنْ اٰنَسْتُمْ	پس اگر محسوس کرو	فَقِيْرًا	حاجت مند
لَكُمْ	تمہارے لئے	مِّنْهُمْ	ان سے	فَلْيَاْكُلْ	پس چاہئے کہ کھائے وہ
قِيٰمًا (۳)	سہارا	رُشْدًا	سمجھداری (تمیز)	بِالْمَعْرُوْفِ	عرف کے مطابق
وَّارْزُقُوْهُمْ	اور کھلاؤ ان کو	فَادْفَعُوْٓا	تو دیدو	فَاِذَا دَفَعْتُمْ	پھر جب حوالے کرو تم
فِيْهَا	اس میں	اِلَيْهِمْ	ان کو	اِلَيْهِمْ	ان کو
وَاكْسُوْهُمْ	اور پہناؤ ان کو	اَمْوَالَهُمْ	ان کے اموال	اَمْوَالَهُمْ	ان کے اموال
وَقُوْلُوْا	اور کہو	وَلَا تَاْكُلُوْهَآ	اور نہ کھاؤ ان کو	فَاَشْهِدُوْا	تو گواہ بنالو
لَهُمْ	ان سے	اِسْرَافًا (۵)	فضول خرچی کرتے ہوئے	عَلَيْهِمْ	ان پر
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا	بات بھلی	وَّبِدَارًا	اور سبقت کرتے ہوئے	وَكَفٰى بِاللّٰهِ	اور کافی ہیں اللہ تعالیٰ
وَابْتَلُوا (۴)	اور آزماؤ	اَنْ يَّكْبَرُوْا (۶)	ان کے بڑے ہونے سے	حَسِيْبًا	گواہ

مال مایۂ زندگانی ہے، ناسمجھ بچوں کو زیادہ خرچ نہ دیا جائے، ان کی عادت خراب ہوگی

بچے: عقل کے کچے ہوتے ہیں، خواہ اپنے ہوں یا زیر تربیت یتیم، ان کو جیب خرچ بہت زیادہ نہیں دینا چاہئے، اس سے ان کی عادت خراب ہوگی، وہ ابھی مال کی اہمیت سے ناواقف ہیں، وہ مال اناپ شناپ اڑائیں گے اور بڑے ہوکر 'اڑاؤ' بنیں گے، البتہ ان کی ضروریات میں: کھانے پینے میں اور پہننے اوڑھنے میں مال خرچ کیا جائے، اس میں تنگی نہ کی

(۱) السفهاء: عام ہے، اپنے بچے اور یتیم دونوں کو شامل ہے، اس لئے آگے ضمیر کُم آئی ہے (۲) أموال: جمع قلت: تین تا دس تک کے لئے ہے، اور مراد مال کی کافی مقدار ہے۔ (۳) القِیام: القِوام کی طرح اسم ہے: سہارا، مایۂ زندگانی، روزی جو بقائے حیات کے لئے ضروری ہو (۴) ابتلاء: آزمانا، آزمائش میں ڈال کر جان لینا۔ (۵) إسرافًا (باب افعال کا مصدر): فضول خرچ کرنا...... بِدارًا (باب مفاعلہ کا مصدر) سبقت کرنا، جلدی کرنا...... دونوں لاتأکلوا کی ضمیر فاعل أنتم سے حال ہیں۔ (۶) أن یکبروا: أن: مصدریہ، اس سے پہلے مِن جارہ محذوف ہے، اور جار مجرور بدارًا سے متعلق ہیں۔

جائے، اور وہ جیب خرچ زیادہ مانگیں تو ان کو نرمی سے سمجھایا جائے۔

مال مایۂ زندگانی ہے: قرآنِ کریم نے دوہی چیزوں کو قیاما للناس کہا ہے، ایک مال کو دوسرے کعبہ شریف کو، ارشاد فرمایا:﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ﴾: اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو جو کہ محترم گھر ہے، لوگوں کے قائم رہنے کا سبب بنایا ہے (مائدہ ۹۷) یعنی جب تک کعبہ شریف باقی ہے دنیا باقی ہے، اور جب کفار اس کو منہدم کردیں گے تو جلد قیامت آجائے گی۔

غرض اس تعبیر سے جس طرح کعبہ شریف کی اہمیت آشکارہ ہوتی ہے، مال کی اہمیت بھی آشکارہ ہوتی ہے، مال لوگوں کے لئے سہارا ہے مایۂ زندگانی ہے، اس لئے جائز راہوں سے مال کمانا چاہئے، خرچ کرنا چاہئے اور کچھ جمع بھی رکھنا چاہئے، بالکل خالی ہاتھ نہیں ہوجانا چاہئے، اندوختہ ہو تو آدمی باہمت رہتا ہے، ورنہ کمر ٹوٹ جاتی ہے۔

نرمی سے سمجھانے کی ایک مثال: گجرات میں (گڈھا گاؤں میں) ایک عربی مدرسہ ہے، اس میں بچوں کے اولیاء بچوں کا جیب خرچ مدرسہ کی بینک میں جمع کرتے ہیں، مدرسہ کی بینک نے ایک رمزی کرنسی چھاپی ہے، جو مدرسہ کی کینٹین میں چلتی ہے، بچے وہاں سے حسب ضرورت رقم نکال کر خرچ کرتے ہیں، ایک مالدار کے بچے نے ایک ماہ میں چودہ ہزار روپے نکالے، مہتمم کے علم میں یہ بات آئی، اس نے طالب علم کو بلایا، اور کہا: ''اگر مہتمم بھی ایک ماہ میں اتنی بڑی رقم چائے پانی میں خرچ کرے تو اس کو 'اڑاؤ' کہیں گے!'' تم نے یہ کیا کیا؟ اس نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ یہ ایک مثال ہے نرمی سے سمجھانے کی، اس طرح اپنے بچوں کو اور زیر تربیت یتیموں کو سمجھایا جائے۔

﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور تم ناسمجھوں کو اپنے وہ اموال مت دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سہارا بنایا ہے، اور ان کو اس مال میں سے کھلاتے (پلاتے) اور پہناتے (اوڑھاتے) رہو، اور ان سے بھلی بات کہو۔

تفسیر: السفهاء: ناسمجھ بچے: عام ہے، خواہ اپنے بچوں ہوں یا یتیم: خرچ کے لئے ان کو بہت زیادہ پیسہ نہ دیا جائے، اور کبھی انعام کے طور پر بڑی رقم دی جائے تو نظر رکھی جائے کہ صحیح مصرف میں خرچ کریں، اِدھر اُدھر نہ اڑادیں۔

اور أموال (جمع قلت) میں اشارہ ہے کہ جیب خرچ ان کو بہت زیادہ نہ دیا جائے، البتہ کھانے اور پہنانے میں خرچ کیا جائے، اس میں تنگی نہ کی جائے۔

خاص یتامی کے تعلق سے چار احکام

گذشتہ آیت میں ناسمجھ بچوں کے تعلق سے حکم تھا، اس میں زیر پرورش یتامی بھی شامل تھے، اب ایک آیت میں خاص

یتامیٰ کے تعلق سے چار احکام ہیں:

۱—یتیموں سے کاروبار کرا کران کو آزمایا جائے

بچوں کو آزمانے کی صورت یہ ہے کہ دیکھا جائے ان کو بڑے ہوکر کیا کام کرنا ہوگا؟ اگر کھیتی باڑی کرنی ہے تو ان سے اس سلسلہ کے کام کرائے جائیں، دکان داری کرنی ہے تو ان سے خرید و فروخت کرائی جائے، ملازمت کرنی ہے تو لکھنا پڑھنا سکھایا جائے، تا کہ بلوغ تک ان میں شعور پیدا ہو جائے، اور وہ اپنا کام آسانی سے کرلیں۔

مسئلہ: نابالغ کی خرید و فروخت ولی کی اجازت سے درست ہے۔

۲—جب یتیم کی شادی ہو جائے اور وہ سمجھ دار بھی ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کیا جائے

یتیم کو سِدھایا سکھایا اور وہ سنّ بلوغ کو پہنچ گیا تو اس کا نکاح کر دیا جائے، جوان لڑکے لڑکیوں کی شادی میں بہت تاخیر مناسب نہیں، اس سے معاشرہ بگڑتا ہے، ہاں کوئی عارض ہو، تعلیم باقی ہو، یا اٹھان کمزور ہو تو تاخیر کی جاسکتی ہے، اور یتیم ہوشمند بھی ہو گیا، اپنا کاروبار سنبھال سکتا ہے تو اس کے اموال اس کے حوالے کئے جائیں، تا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو، اور اس کے کاموں پر نظر رکھی جائے اور مشورے بھی دیئے جائیں، تا کہ وہ خسارے میں نہ پڑے۔

۳—یتیم کے باپ کا ورثہ کچھ یتیم کے لئے بچایا جائے

ایک خاص حکم یہ ہے کہ یتیم کے باپ نے جو میراث چھوڑی ہے وہ اس کے بڑے ہونے تک کھاپی کر ختم نہ کر دی جائے، اگر ایسا کیا جائے گا تو یتیم اپنا کاروبار کیسے شروع کرے گا؟ کاروبار شروع کرنے کے لئے پلّے کچھ ہونا ضروری ہے۔

اور بڑے ہونے تک کھاپی کر مال ختم کرنے کی دو صورتیں ہیں:

۱—یتیم پر خرچ میں اسراف کیا جائے، مثلاً: اس کی ضرورت سے زیادہ اس کا آٹا لیا جائے تو بچا ہوا سرپرست کھائے گا، پس یتیم پر کفایت شعاری سے خرچ کیا جائے، تا کہ کچھ اندوختہ رہے اور جب اس کو الگ کیا جائے تو اس کے کام آئے، وہ اس کو کاروبار کے ذریعہ بڑھائے، خالی ہاتھ الگ کریں گے تو وہ مشکل میں پڑے گا۔

۲—سرپرست اپنی خدمت کا معاوضہ از حد لے تو بھی ترکہ ختم ہو جائے گا، مثلاً: یتیم کا کھیت بویا، یا اس کی دکان سنبھالی اور معاوضہ بہت زیادہ لیا تو اس صورت میں بھی یتیم کے بڑا ہونے تک ترکہ ختم ہو جائے گا اور اس کو خالی ہاتھ علاحدہ کرنا پڑے گا۔

اس سلسلہ میں یہ مسئلہ جان لینا چاہئے کہ اگر یتیم کا سرپرست مالدار ہے تو خدمت کا معاوضہ لینا جائز نہیں (اور وقف کا متولی مالدار ہو تو بھی تنخواہ لے سکتا ہے) اور غریب ہو تو بھی عرف سے زیادہ تنخواہ (معاوضہ) لینا جائز نہیں، یہ مسئلہ ملحوظ رکھا

جائے تو یتیم کو بھرے ہاتھ علاحدہ کر سکے گا۔

۴-جب یتیم کا مال اس کو سونپے تو گواہ بنالے

مستحب یہ ہے کہ جب یتیم کا مال اس کے حوالے کرے تو جو کچھ اس کے سپرد کرے اس پر گواہ بنالے، اصل گواہ تو اللہ تعالیٰ ہیں، وہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور جان رہے ہیں، مگر انسانوں میں سے بھی گواہ بنالے تو بہتر ہے، کبھی کوئی نزاع ہو یا یتیم کو بدگمانی ہو تو گواہوں سے اس کی تسلی کی جا سکے گی۔

﴿ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَإِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَأْكُلُوْهَآ إِسْرَافًا وَّبِدَارًا أَنْ يَّكْبَرُوْا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ ﴾

ترجمہ: (۱) اور یتیموں کو آزماتے رہو ــــ سدھاتے رہو، جیسے بیل کو ہل میں چلنے کے لئے سدھاتے ہیں، اور یہ مستقل حکم ہے ــــ (۲) یہاں تک کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں ــــ اور ان کا نکاح کردو ــــ تو اگر تم ان میں ہوشمندی کے آثار دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالے کردو ــــ یعنی ان کو علاحدہ کردو، تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں ــــ (۳) اور تم ان کے اموال کھامت ڈالو: فضول خرچی کرتے ہوئے، اور ان کے بڑے ہونے سے سبقت کرتے ہوئے ــــ اگر ایسا کروگے تو ان کو خالی ہاتھ علاحدہ کرنا پڑے گا، اور ان کے باپ کا چھوڑا ہوا مال بچانے کی صورت یہ ہے کہ فضول خرچی مت کرو ــــ اور ــــ دوسری صورت یہ ہے کہ ــــ جو مالدار ہے اس کو چاہئے کہ بچے ــــ یعنی اس کے لئے حق الخدمت لینا جائز نہیں ــــ اور جو حاجت مند ہے وہ معروف طریقہ پر کھا سکتا ہے ــــ بقدر ضرورت لے سکتا ہے ــــ (۴) پھر جب تم ان کو ان کے اموال حوالہ کرو تو گواہ بنالو، اراللہ تعالیٰ کافی گواہ ہیں ــــ پھر بھی انسانوں میں سے گواہ بنالینا بہتر ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوٰلِدٰنِ وَالْأَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوٰلِدٰنِ وَالْأَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ

فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝

ع ۱۲

لِلرِّجَالِ	مردوں کے لئے	وَ اِذَا حَضَرَ	اور جب آموجود ہوں	فَلْيَتَّقُوا [1]	پس چاہئے کہ ڈریں وہ
نَصِيْبٌ	حصہ ہے	الْقِسْمَةَ	تقسیم ترکہ کے وقت	اللّٰهَ	اللہ سے
مِّمَّا	اس میں سے جو	اُولُوا الْقُرْبٰى	رشتہ دار	وَلْيَقُوْلُوْا	اور چاہئے کہ کہیں وہ
تَرَكَ	چھوڑا	وَ الْيَتٰمٰى	اور یتیم	قَوْلًا	بات
الْوَالِدٰنِ	ماں باپ نے	وَ الْمَسٰكِيْنُ	اور غریب	سَدِيْدًا	سیدھی
وَ الْاَقْرَبُوْنَ	اور رشتہ داروں نے	فَارْزُقُوْهُمْ	تو کھلاؤ ان کو	اِنَّ	بے شک
وَ لِلنِّسَآءِ	اور عورتوں کے لئے	مِّنْهُ	ان میں سے	الَّذِيْنَ	جو لوگ
نَصِيْبٌ	حصہ ہے	وَ قُوْلُوْا لَهُمْ	اور کہو ان سے	يَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہیں
مِّمَّا	اس میں سے جو	قَوْلًا مَّعْرُوْفًا	بات معقول	اَمْوَالَ	اموال
تَرَكَ	چھوڑا	وَلْيَخْشَ	اور چاہئے کہ ڈریں	الْيَتٰمٰى	یتیموں کے
الْوَالِدٰنِ	ماں باپ نے	الَّذِيْنَ	جو	ظُلْمًا	ناحق
وَ الْاَقْرَبُوْنَ	اور رشتہ داروں نے	لَوْ تَرَكُوْا	اگر چھوڑیں	اِنَّمَا	اس کے سوانہیں کہ
مِمَّا	اس میں سے جو	مِنْ خَلْفِهِمْ	اپنے پیچھے	يَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہیں وہ
قَلَّ مِنْهُ	تھوڑا ہو اس میں سے	ذُرِّيَّةً	اولاد	فِيْ بُطُوْنِهِمْ	اپنے پیٹوں میں
اَوْ كَثُرَ	یا زیادہ	ضِعٰفًا	کمزور	نَارًا	آگ
نَصِيْبًا	حصہ	خَافُوْا	ڈریں وہ	وَ سَيَصْلَوْنَ	اور عنقریب داخل ہونگے وہ
مَّفْرُوْضًا	مقرر کیا ہوا	عَلَيْهِمْ	ان پر	سَعِيْرًا	دوزخ میں

عورتوں اور نابالغ لڑکوں کا بھی میراث میں حصہ ہے

زمانہ جاہلیت میں بیٹیوں کو ــــ خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی ــــ میراث نہیں دیتے تھے، اسی طرح نابالغ بیٹوں کو بھی

(۱) فلیتقوا: فاء جزائیہ ہے، اس کے بعد لو کا جواب محذوف ہے، أی: فلیقولوا قولا معروفا ولیتقوا۔

میراث نہیں دیتے تھے، صرف بڑے مرد جو دشمنوں سے مقابلہ کرسکیں وارث سمجھے جاتے تھے، جس کی وجہ سے یتیم بچوں کو میراث سے کچھ نہیں ملتا تھا، پس یہ آیت نازل ہوئی اور اجمالی طور پر بتادیا کہ ماں باپ اور دیگر قرابت داروں کے مالِ متروکہ میں سے مردوں کو — خواہ بچے ہوں یا جوان — اسی طرح عورتوں کو — خواہ بالغ ہوں یا نابالغ — حصہ دیا جائے، اور یہ حصے مقرر ہیں جن کا بیان آگے آئے گا۔ اس سے رسم جاہلیت کا ابطال ہوگیا اور یتیموں وغیرہ کے حقوق کی حفاظت ہوگئی (از فوائد)

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝﴾

ترجمہ: مردوں کا حصہ ہے اس میں جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے، اور عورتوں کا حصہ ہے اس میں جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے، خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ، مقرر کیا ہوا حصہ!

تقسیم میراث کے وقت غیر وارث رشتہ دار یا یتیم غریب آجائیں تو ان کو بھی کچھ دیا جائے

کسی کی میراث تقسیم ہو رہی ہے، اس وقت ایسے رشتہ دار آئے جو وارث نہیں، یا یتیم بچے اور مسکین غریب آئے تو میراث میں سے ان کو بھی کچھ دینا چاہئے، جب ورثاء عاقل بالغ ہوں، پس باہمی رضامندی سے ان کو بھی کچھ دینا چاہئے، البتہ نابالغ کے حصہ میں سے نہیں دے سکتے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے، حالانکہ یہ منسوخ نہیں بلکہ تین آیتوں پر عمل کرنے میں لوگ سستی کرتے ہیں، ایک تقسیم میراث کی یہ آیت، دوسری استیذان کی آیت، لوگ بغیر اجازت گھر میں گھس آتے ہیں، تیسری: ﴿وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ﴾ یعنی انسانوں کی خاندانوں میں تقسیم محض تعارف کے لئے ہے، مگر لوگوں نے اس کو عزت وذلت کا مسئلہ بنالیا ہے۔

اور تقسیم میراث کے وقت آنے والوں کو کچھ دینا مستحب ہے، واجب نہیں، اس لئے لوگ عمل کرنے میں سستی کرتے ہیں، اور ﴿فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ترکہ میں سے ان آنے والوں کو بھی کچھ دو، اور ﴿وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ نہ دینا ہو تو ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو، یعنی ان کا دل مت توڑو، ان سے کہو کہ معاف کرو، ورثاء کچھ دینے پر راضی نہیں، اس لئے ہم مجبور ہیں۔

﴿وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝﴾

ترجمہ: اور جب تقسیم ترکہ کے وقت آموجود ہوں (دور کے) رشتہ دار اور یتیم اور غریب لوگ تو ان کو ترکہ میں سے کچھ دو، اور ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو ــــ ان کا دل مت توڑو!

سخت بات کہہ کر یتیم کا دل نہ توڑا جائے

ایک مثال فرض کرو: کوئی شخص ننھے مُنے بچے چھوڑ کر مرجائے، تو ان بچوں کے بارے میں اس کے کیا جذبات ہونگے؟ کوئی ان کے ساتھ سخت کلامی کرے تو اس کو کیسا لگے گا؟ دوسروں کے یتیم بچوں کے بارے میں بھی ہمارے یہی جذبات ہونے چاہئیں، ان کے لئے بھی ہمارے اندر وہی جذبۂ ترحم ہونا چاہئے۔ اور ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنا چاہئے، یہی سیدھی بات کرنا ہے۔

﴿ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑتے ہیں ــــ یہ ایک مفروضہ مثال ہے ــــ پس (وہ سخت بات کہہ کر یتیم کا دل نہ توڑیں، اور) اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کہیں!

ناحق یتیم کا مال کھانا پیٹ میں انگارے بھرنا ہے

یہ یتامی کے حقوق کے سلسلہ کی آخری آیت ہے، آگے یتیموں اور عورتوں کا ترکہ میں مقررہ حصوں کے بیان کیا ہے، جو لوگ یتیم کا مال بلا استحقاق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں، اس کھانے کا انجام دوزخ ہے۔ یہ ارشاد درحقیقت یتیم کے ولی اور میت کے وصی کے لئے ہے، وہی کھاتا ہے، دوسرا تو اس کی نظر بچا کر کھاتا ہے، پس درجہ بہ درجہ اوروں کے لئے بھی یہ وعید ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں انگارے بھرتے ہیں، اور وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہونگے!

آج ۱۶ رشعبان ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۳ رمئی ۲۰۱۷ء کو تفسیر یہاں تک پہنچی، اب دو ماہ کا طویل سفر درپیش ہے اور رمضان بھی آرہا ہے، اس لئے آگے تفسیر رمضان کے بعد لکھی جائے گی: ان شاء اللہ

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (١١)

يُوْصِيْكُمْ	حکم دیتے ہیں تمہیں	وَاِنْ كَانَتْ	اور اگر ہو (لڑکی)	لَهٗ	اس کے لئے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَاحِدَةً	ایک	وَلَدٌ	اولاد
فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ	تمہاری اولاد میں	فَلَهَا	تو اس کے لئے ہے	وَّوَرِثَهٗٓ	اور وارث ہوں اس کے
لِلذَّكَرِ	مذکر کے لئے ہے	النِّصْفُ	آدھا	اَبَوٰهُ	اس کے ماں باپ
مِثْلُ	مانند	وَلِاَبَوَيْهِ	اور میت کے والدین کیلئے	فَلِاُمِّهِ	تو اس کی ماں کیلئے ہے
حَظِّ	حصہ	لِكُلِّ وَاحِدٍ	ہر ایک کے لئے	الثُّلُثُ	تہائی
الْاُنْثَيَيْنِ	دو مؤنث کے	مِّنْهُمَا	دونوں میں سے ہے	فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ	پس اگر ہوں اس کے
فَاِنْ كُنَّ	پس اگر ہوں	السُّدُسُ	چھٹا حصہ	اِخْوَةٌ	بھائی (بہن)
نِسَاۗءً	عورتیں	مِمَّا تَرَكَ	اس میں سے جو چھوڑا اس نے	فَلِاُمِّهِ	تو اس کی ماں کے لئے
فَوْقَ	زیادہ	اِنْ كَانَ	اگر ہو	السُّدُسُ	چھٹا حصہ ہے
اثْنَتَيْنِ	دو سے	لَهٗ	میت کے لئے	مِنْۢ بَعْدِ	بعد
فَلَهُنَّ	تو ان کے لئے ہے	وَلَدٌ	اولاد	وَصِيَّةٍ	وصیت کے
ثُلُثَا	دو تہائی	فَاِنْ	پس اگر	يُّوْصِيْ بِهَآ (1)	جس کی وصیت کی ہو
مَا تَرَكَ	اس کا جو چھوڑا اس نے	لَّمْ يَكُنْ	نہ ہو		اس نے

(۱) جملہ یوصی بہا: وصیۃ کی صفت ہے، اور یہ صفتِ کاشفہ ہے، جیسے سورۃ الانعام (آیت ۳۸) میں طائر کی صفت یطیر بِجَنَاحَيْهِ آئی ہے، صفتِ کاشفہ تحسینِ کلام کے لئے لائی جاتی ہے، کسی چیز سے احتراز مقصود نہیں ہوتا

اَوْ دَیْنٍ	یا (بعد) قرضہ کے	اَیُّھُمْ	ان میں سے کون	مِّنَ اللّٰہِ	اللہ کی طرف سے
اٰبَآؤُكُمْ	تمہارے باپ	اَقْرَبُ لَكُمْ	قریب تر ہے تم سے	اِنَّ اللّٰہَ كَانَ	بے شک اللہ تعالیٰ ہیں
وَاَبْنَآؤُكُمْ	اور تمہارے بیٹے	نَفْعًا	نفع رسانی میں	عَلِيْمًا	خوب جاننے والے
لَا تَدْرُوْنَ	نہیں جانتے تم	فَرِيْضَةً	مقررہ حکم ہے	حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے

احکامِ میراث

ربط: شروع سورت سے — پہلی آیت کے بعد سے — یتامیٰ کے، خاص طور پر یتیم لڑکیوں کے حقوق بیان ہورہے ہیں۔ ان کے ذیل میں آیت سات میں فرمایا ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝﴾: مردوں کے لئے حصہ ہے والدین اور رشتہ داروں کے متروکات میں سے، اور عورتوں کے لئے حصہ ہے والدین اور رشتہ داروں کے متروکات میں سے، خواہ متروکہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ، اور وہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔ اس ارشادِ پاک میں یتامیٰ بھی شامل ہیں، پھر آیت دس ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝﴾: جو لوگ ناحق یتامیٰ کے مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں انگارے بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب جہنم رسید ہونگے، اس آیت میں یتیموں کی میراث ہڑپ کر جانا بھی شامل ہے، اس لئے اب دو آیتوں میں میراث کے احکام بیان فرماتے ہیں، تاکہ یتامیٰ کے حقوق کی حفاظت ہوجائے، اور زبردست ان کے اموال ظلماً نہ کھائیں۔

آیاتِ میراث کا شانِ نزول:

ترمذی شریف میں حدیث (نمبر ۲۰۹۲) ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی سعد کی دو بیٹیوں کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں آئیں، اور عرض کیا: یارسول اللہ! یہ سعد بن الربیع کی بیٹیاں ہیں، ان کے ابا آپؐ کے ساتھ جنگ احد میں شہید ہوگئے ہیں، اور ان کے چچا نے سارا مال لے لیا ہے، پس دونوں کے لئے کوئی مال نہیں بچا، اور ان دونوں کی شادی اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب ان کے پاس کچھ مال ہو، نبی ﷺ نے فرمایا: **يَقْضِي اللّٰهُ فِي ذٰلك**: اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں فیصلہ فرمائیں گے، چنانچہ میراث کی آیتیں نازل ہوئیں پس نبی ﷺ نے ان کے چچا کو بلایا، اور فرمایا: سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی دو، اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو، اور باقی آپ کا ہے عصبہ ہونے کی وجہ سے۔

فروضِ مقدّرہ: جن سہام کے ذریعہ ورثاء کے حصے متعین کئے گئے ہیں ان میں دو باتوں کا لحاظ کیا گیا ہے:

اول: وہ سہام واحد (ایک) کے ایسے واضح اجزاء ہیں جن کو حساب دان اور غیر حساب دان یکساں سمجھ سکتا ہے، عام لوگوں کو ایسی ہی باتیں بتلائی جاتی ہیں جن میں حساب کی گہرائی میں نہ اترنا پڑے۔

دوم: وہ سہام ایسے ہیں جن میں کمی زیادتی کی ترتیب اول وہلہ ہی میں ظاہر ہوجاتی ہے، شریعت نے جو سہام مقرر کئے ہیں ان کے دو زمرے بنتے ہیں: (۱) ثلثان ثلث اور سدس (۲) نصف، ربع اور ثمن۔

ان سہام میں دو خوبیاں ہیں:

اول: ان سہام کا اصلی مخرج شروع کے دو عدد ہیں، یعنی دو اور تین سے یہ سب سہام نکلتے ہیں، نصف کا مخرج تو دو ہے ہی، ربع اور ثمن کا بھی یہی مخرج ہے، اس طرح کہ دو کا دوگنا چار ہے، جو ربع کا مخرج ہے، اور دو کا چار گنا آٹھ ہے، جو ثمن کا مخرج ہے، پس چار اور آٹھ مخرج فرعی ہیں۔ اسی طرح ثلث اور ثلثان کا مخرج تو تین ہے ہی، سدس کا مخرج بھی یہی ہے، اس لئے کہ تین کا دوگنا چھ ہے جو سدس کا مخرج ہے۔

اور ہر کسر کا مخرج وہ عدد ہوتا ہے جس کی طرف وہ کسر منسوب ہوتی ہے، مثلاً ثُمن (آٹھواں) آٹھ کی طرف منسوب ہے، 'واں' لاحقہ ہے جو عدد کے بعد نسبت کو ظاہر کرنے کے لئے لایا جاتا ہے، پس ثمن کا مخرج آٹھ ہے، یعنی ثمن نکالنا ہوتو ایک چیز کے آٹھ حصے کریں، اور ان میں سے ایک حصہ لیں تو وہ آٹھواں ہوگا، چھ حصے کرنے سے یا چار حصے کرنے سے ثمن نہیں نکلے گا۔

دوم: دونوں زمروں میں تین تین مرتبے پائے جاتے ہیں، جن میں تضعیف وتنصیف کی نسبت ہے، اس لئے محسوس اور واضح طور پر کمی بیشی کا پتہ چل جاتا ہے، ثلثان کا نصف ثلث ہے، اور ثلث کا نصف سدس ہے، اور سدس کا دوگنا ثلث ہے، اور اس کا دوگنا ثلثان ہے، اسی طرح دوسرے زمرے کو سمجھ لیں۔

میراث میں مرد کی برتری کی وجہ:

مرد اور عورت جب ایک ہی درجہ میں ہوں تو ہمیشہ مرد کو عورت پر ترجیح دی جاتی ہے، یعنی مرد کو میراث زیادہ دی جاتی ہے، جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی اور بھائی بہن جمع ہوں تو مرد کو عورت کا دوگنا ملتا ہے، اسی اصول پر شوہر کا حصہ بھی بیوی سے دوگنا رکھا گیا ہے۔ البتہ باپ اور ماں اور اخیافی بھائی بہن اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔

اور مرد کی عورت پر برتری دو وجہ سے ہے:

ایک: مرد جنگ کرتے ہیں اور اہل وعیال اور اموال واعراض کی حفاظت کرتے ہیں۔

دوم: مردوں پر مصارف کا بار زیادہ ہے، اس لئے مالِ غنیمت کی طرح بے مشقت اور بے محنت ملنے والی چیز کے مرد ہی زیادہ حقدار ہیں، اور عورتیں نہ جنگ کرتی ہیں نہ ان پر مصارف کا بار ہے، نکاح سے پہلے ان کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے، نکاح کے بعد شوہر کے ذمے، بیوہ ہوجائے تو اولاد کے ذمے، اولاد نہ ہو تو حکومت کے ذمے، حکومت کفالت نہ کرے تو مسلمانوں کے صالح معاشرہ کے ذمہ، اس لئے ان کو میراث سے حصہ کم دیا گیا ہے (تفصیل سورۃ النساء کی آیت ۳۴ میں آئے گی)

سوال: باپ اور ماں میں: مرد کی ترجیح کا ضابطہ کیوں جاری نہیں کیا گیا؟ اگر میت کی مذکر اولاد ہو تو ماں اور باپ دونوں کو سدس ملتا ہے۔ یہ برابری کیوں ہے؟

جواب: باپ کی فضیلت ایک مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے۔ جب میت کی صرف مؤنث اولاد ہو تو ماں کو سدس ملتا ہے، اور باپ کو ذوالفرض ہونے کی حیثیت سے سدس بھی ملتا ہے اور عصبہ ہونے کی وجہ سے بچا ہوا ترکہ بھی ملتا ہے۔ اب اگر دوبارہ اس کی فضیلت ظاہر کی جائے گی اور اس کا حصہ بڑھایا جائے گا تو دیگر ورثاء کا نقصان ہوگا، اس لئے مذکورہ صورت میں دونوں کو سدس سدس ملتا ہے۔

سوال: اخیافی بھائی بہن میں بھی مرد کی برتری کا قاعدہ جاری نہیں ہوتا۔ وہ تہائی میں شریک ہوتے ہیں۔ بہن کو بھی بھائی کے برابر حصہ ملتا ہے، ایسا کیوں ہے؟

جواب: اخیافی میں مرد کی برتری دو وجہ سے ظاہر نہیں ہوتی۔ ایک: اخیافی بھائی میت کے لئے اور اس کی قابل حفاظت چیزوں کے لئے جنگ نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ کبھی دوسری قوم کا ہوتا ہے، اس لئے اس کو بہن پر ترجیح نہیں دی گئی۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ اخیافی کا رشتہ ماں کے رشتہ کی فرع ہے۔ پس گویا اخیافی بھائی بھی عورت ہے۔ اس لئے اس کا حصہ اخیافی بہن کے مساوی ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ ۴: ۶۳۹)

﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۚ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَھَا النِّصْفُ ۭ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے حق میں تاکیدی حکم دیتے ہیں کہ مذکر کے لئے دو مؤنث کے حصہ کے برابر ہے —— پھر اگر اولاد دو سے زیادہ عورتیں ہوں تو ان کے لئے ترکہ کا دو تہائی ہے —— اور اگر ایک ہو تو اس کے لئے آدھا ہے۔

تفسیر:

۱۔ لڑکے کو لڑکی سے دوگنا ملنے کی وجہ ابھی بیان کی ہے۔

۲۔ ایک بیٹی کو نصف اس لئے ملتا ہے کہ جب ایک بیٹا ہوتا ہے تو سارا مال سمیٹ لیتا ہے، پس تنصیف وتضعیف کے

قاعدہ سے ایک بیٹی کو اس کا آدھا ملے گا۔

۳-دو بیٹیاں دو سے زیادہ کے حکم میں ہیں، یعنی ان کو بھی دو تہائی ملے گا، یہ بات اجماع سے ثابت ہے، اور اجماع کی بنیاد حضرت سعد بن الربیع کا واقعہ ہے جو شانِ نزول کے بیان میں گذرا ہے، اس میں آپ ؐ نے فرمایا ہے کہ دو لڑکیوں کو دو تہائی دو، نیز یہ حکم قرآنِ کریم سے بھی مستنبط ہے، سورۃ النساء کی آخری آیت میں کلالہ کی میراث کا بیان ہے، اس میں صراحت ہے کہ دو بہنوں کو دو تہائی ملے گا، پس دو بیٹیوں کو بدرجۂ اولیٰ دو تہائی ملے گا، کیونکہ بیٹیاں، بہنوں کی بہ نسبت میت سے اقرب ہیں۔

سوال: دو یا زیادہ لڑکیوں کو دو تہائی دیا تو باقی ایک تہائی کس کے لئے ہے؟

جواب: باقی ایک تہائی عصبہ کے لئے ہے۔ اس لئے کہ بیٹیوں کے ساتھ بہنیں، یا بھائی یا چچا ہو سکتے ہیں۔ اور ان میں بھی سببِ وراثت پایا جاتا ہے۔ لڑکیاں اگر خدمت و ہمدردی اور مہر و محبت کی وجہ سے وراثت پاتی ہیں تو عصبہ میں بھی معاونت کی شکل موجود ہے۔ بہن میں بھی یہی جذبات کسی درجہ میں پائے جاتے ہیں، اور بھائی اور چچا تو قائم مقامی بھی کرتے ہیں۔ پس ایک تعاون دوسرے تعاون کو ساقط نہیں کرے گا۔ اس لئے ایک تہائی عصبہ کے لئے باقی رکھا گیا ہے۔

سوال: جب لڑکیوں کی طرح عصبہ میں بھی تعاون کی شکل موجود ہے تو ان کے لئے صرف ایک تہائی کیوں رکھا؟ ان کو برابر کا شریک کیوں نہیں بنایا؟

جواب: لڑکیوں سے میت کا ولادت کا تعلق ہے۔ وہ سلسلۂ نسب میں داخل ہیں۔ اور عصبہ اطراف کا رشتہ ہے۔ اس لئے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ لڑکیوں کو عصبہ سے زیادہ دیا جائے۔ اور زیادتی واضح طور پر دوگنا کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے لڑکیوں کو دو ثلث دیا گیا۔ اور عصبہ کے لئے ایک ثلث بچایا — ایسا ہی اس وقت کیا گیا ہے جب لڑکے لڑکیوں کے ساتھ ماں باپ ہوں۔ والدین کو سدس سدس دیا جاتا ہے۔ اور دو سدس مل کر ثلث ہوتے ہیں۔ اور باقی دو ثلث لڑکے لڑکیوں کو دیا جاتا ہے۔

﴿ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ﴾

ترجمہ: اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے اگر میت کی اولاد ہو —— اور اگر اس کی اولاد نہیں، اور والدین (ہی) اس کے وارث ہیں تو اس کی ماں کے لئے ایک تہائی ہے (اور باقی دو تہائی باپ کے لئے ہے) —— پھر اگر میت کے کئی بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔

والدین کی میراث

اس آیت میں والدین کی میراث کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

پہلی صورت ـــ میت نے والدین چھوڑے، اور ساتھ ہی اولاد بھی، خواہ ایک ہی لڑکا یا ایک ہی لڑکی ہو، تو باپ کو سدس اور ماں کو سدس ملے گا۔ اور باقی ترکہ دیگر ورثاء کو ملے گا۔ پھر مذکر اولاد کی صورت میں تو کچھ نہیں بچے گا۔ کیونکہ وہ عصبہ ہوگی۔ پس باپ صرف ذوالفرض ہوگا۔ اور مؤنث اولاد ہوگی تو کچھ بچ جائے گا۔ وہ باپ کو مل جائے گا۔ اور باپ اس صورت میں ذوالفرض اور عصبہ دونوں ہوگا۔

اور اس حالت کی وجہ یہ ہے کہ والدین کے مقابلہ میں اولاد میراث کی زیادہ حقدار ہوتی ہے۔ اور برتری کی صورت یہی ہے کہ اولاد کو والدین سے دوگنا دیا جائے۔ والدین کے دو سدس مل کر ایک ثلث ہوں گے۔ اور باقی دو ثلث اولاد کو ملیں گے۔

سوال: مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہے، پھر والدین میں سے ہر ایک کو سدس کیوں دیا گیا؟ یہ تو دونوں کو برابر کر دیا؟

جواب: باپ کی برتری ایک مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ باپ کو ذوالفرض ہونے کے ساتھ عصبہ بھی بنایا ہے۔ اس لئے کہ وہ اولاد کی قائم مقامی اور حمایت بھی کرتا ہے۔ پس اسی فضیلت کا دوبارہ اعتبار کرنا اور اس کے حصہ کو دوگنا کرنا درست نہیں۔

دوسری صورت ـــ مرنے والے کی نہ اولاد ہو، نہ دو بھائی بہن ہوں تو ماں کو کل ترکہ کا تہائی اور باپ کو عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی دو ثلث ملے گا۔ البتہ اگر شوہر یا بیوی ہو تو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ کا تہائی ماں کو، اور دو تہائی باپ کو ملے گا۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میت کی اولاد نہ ہو تو ترکہ کے سب سے زیادہ حقدار والدین ہیں، اس لئے وہ سارا ترکہ لیں گے۔ اور اس صورت میں باپ کو ماں پر ترجیح حاصل ہوگی۔ اور ترجیح کی صورت میراث کے اکثر مسائل میں دوگنا کرنا ہے۔ پس ماں کو ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی ملے گا ـــ اور شوہر یا بیوی کی موجودگی میں ماں کو ثلث باقی اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ ایک صورت میں ماں کا حصہ باپ سے بڑھ نہ جائے۔

اس کی وضاحت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں آئی ہے، آپؓ نے ثلث باقی کے مسئلہ میں فرمایا کہ اللہ مجھے ایسی الٹی سمجھ نہ دیں کہ میں ماں کو باپ پر ترجیح دوں (مسند دارمی ۲: ۳۴۵ کتاب الفرائض)

وضاحت: باپ کو اگر میت کی مذکر اولاد ہو تو سدس ملتا ہے۔ اور مؤنث اولاد ہو تو سدس بھی ملتا ہے اور عصبہ بھی ہوتا ہے۔ اور کسی طرح کی اولاد نہ ہو تو صرف عصبہ ہوتا ہے ـــ اور ماں کو اگر میت کی کسی طرح کی اولاد ہو یا کسی طرح کے دو بھائی بہن ہوں تو سدس ملتا ہے۔ ورنہ ثلث ملتا ہے۔ البتہ اگر میت نے شوہر یا بیوی اور والدین چھوڑے ہوں تو

ماں کو ثلث باقی ملتا ہے یعنی شوہر یا بیوی کا حصہ دینے کے بعد جو بچے گا: اس کا تہائی ماں کو اور باقی باپ کو ملے گا — اس آخری مسئلہ میں صحابہ میں اختلاف تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی شاذ رائے یہ تھی کہ ماں کو حسب ضابطہ کل ترکہ کا تہائی ملے گا۔ اور جمہور صحابہ کی رائے یہ تھی کہ اس خاص صورت میں ماں کو ثلث باقی ملے گا، تاکہ ماں کا حصہ ایک صورت میں باپ سے زیادہ نہ ہوجائے۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ شوہر کے ساتھ والدین ہوں تو شوہر کو نصف یعنی چھ میں سے تین ملیں گے اور ماں کو کل مال کا ثلث دیا جائے گا تو اس کو دو ملیں گے اور باپ کے لئے صرف ایک بچے گا۔ اور ثلث باقی دیا جائے گا تو ماں کو ایک ملے گا اور باقی دو باپ کو ملیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد اسی صورت کے بارے میں ہے کہ ماں کو اس صورت میں کل مال کا ثلث کیسے دیا جاسکتا ہے؟ یہ تو الٹی بات ہوگئی۔ برتری مرد کو حاصل ہے نہ کہ عورت کو۔

تیسری صورت — مرنے والے کی اولاد تو نہ ہو، البتہ کسی بھی طرح کے دو یا زیادہ بھائی بہن ہوں، تو ماں کو سدس ملے گا۔ اور بھائی بہن باپ کی وجہ سے محروم ہوں گے۔ مگر ان کی وجہ سے ماں کا حصہ کم ہوجائے گا۔ یعنی حجب نقصان واقع ہوگا۔ اور باقی ترکہ اگر دوسرے ورثاء ہوں گے تو وہ لیں گے۔ اور جو بچ جائے گا وہ باپ کو ملے گا۔ اور اگر دوسرے ورثاء نہ ہوں تو باقی سارا ترکہ باپ کو ملے گا۔ اور اس صورت میں باپ صرف عصبہ ہوگا۔

اور اس صورت میں ماں کا حصہ کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت — میت کی دو یا زیادہ صرف بہنیں ہیں تو وہ عصبہ نہیں ہونگی، بلکہ ذوالفرض ہونگی، اور عصبہ چچا ہوگا، جو بہنوں سے دور کا رشتہ ہے۔ پس ماں اور بہنوں کی میراث کی بنیاد ایک ہوگی یعنی ہمدردی اور مہر ومحبت اور چچا کی میراث کی بنیاد دوسری ہوگی یعنی نصرت وحمایت۔ اس لئے آدھا ترکہ ماں اور بہنوں کا ہوگا اور آدھا عصبہ کا۔ پھر ماں اور دو بہنیں آدھا ترکہ آپس میں تقسیم کریں گی تو ماں کے حصہ میں ایک آئے گا۔ وہی اس کا حصہ ہے۔ اور ترکہ کے باقی پانچ: بہنوں اور چچا میں تقسیم ہوں گے۔ بہنوں کو ثلثان یعنی چار ملیں گے، اور باقی ایک چچا کو ملے گا۔

دوسری صورت — اور اگر دو بھائی یا ایک بھائی اور ایک بہن ہو تو چونکہ یہ خود عصبہ ہیں، اس لئے ان میں وراثت کی دو جہتیں جمع ہونگی: ایک قرابت قریبہ یعنی ہمدردی اور محبت۔ دوسری: نصرت وحمایت۔ اور ماں میں وارثت کی ایک ہی جہت ہوگی یعنی محبت وہمدردی۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میت کے اور بھی ورثاء ہوتے ہیں۔ جیسے ایک بیٹی اور دو بیٹیاں اور شوہر، اس لئے ماں کو سدس ہی دیا جائے گا۔ تاکہ دوسرے ورثاء پر تنگی نہ ہو۔

وضاحت: اگر میت کی ماں، ایک بیٹی اور ایک بھائی اور ایک بہن ہوتو مسئلہ چھ سے بنے گا۔ اور سدس ماں کو بنصف بیٹی کو اور باقی دو بھائی، بہن کو ملیں گے۔ اور ماں، دو بیٹیاں اور ایک بھائی اور بہن ہوتو بھی مسئلہ چھ سے بنے گا۔ اور سدس ماں کو، اور ثلثان بیٹیوں کو اور باقی ایک بھائی بہن کو ملے گا۔ اور شوہر، ماں اور ایک بھائی اور ایک بہن ہوتو بھی مسئلہ چھ سے بنے گا۔ اور نصف شوہر کو، سدس ماں کو اور باقی دو بھائی بہن کو ملیں گے۔

﴿ مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ ﴾

ترجمہ: وصیت کے بعد جو میت نے کی ہو یا قرضہ کے بعد۔

تفسیر: آیتِ کریمہ میں وصیت کا ذکر پہلے ہے اور قرضہ کا بعد میں، جبکہ مسئلہ یہ ہے کہ پہلے تمام مال سے تجہیز و تکفین کی جائے گی، پھر جو بچے گا اس سے قرضہ ادا کیا جائے گا، پھر جو بچے کا اس کی تہائی سے وصیت نافذ کی جائے گی، پھر باقی ترکہ ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا، پس قرضہ کا نمبر دوسرا ہے اور وصیت کا تیسرا، مگر اس آیت میں اور اگلی آیت میں دو مرتبہ وصیت کا ذکر پہلے آیا ہے اور قرضہ کا بعد میں اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: کبھی کسی چیز کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے نفس الامر میں جو چیز مؤخر ہوتی ہے اس کو مقدم ذکر کرتے ہیں، جیسے سورۂ آل عمران کی آیت ۵۵ ہے: ﴿اِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسٰٓى اِنِّىۡ مُتَوَفِّيۡكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ ﴾: یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بیشک میں تم کو وفات دینے والا ہوں، اور (فی الحال) میں تم کو اپنی طرف اٹھائے لیتا ہوں (ترجمہ تھانوی رحمہ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نزول کے بعد ہوگی اور آسمان کی طرف اٹھایا جانا مقدم ہے، مگر آیت میں وفات کا تذکرہ پہلے ہے، اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے تاکہ کسی کو ان کے رفع سماوی سے دھوکا نہ ہو کہ وہ کوئی مافوق البشر ہستی ہیں، نہیں وہ بھی بشر ہیں ان کو بھی اپنے وقت پر موت آنی ہے، پھر رفع سماوی کا ذکر کیا تاکہ عیسائیوں کی طرح کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔

اب یہ مسئلہ سمجھنا چاہئے کہ جب کسی پر قرض ہوتا ہے تو مرنے کے بعد قرض خواہ تین دن انتظار نہیں کرتے، فوراً آجاتے ہیں کہ ہمارا قرضہ لاؤ، پس دَین کا مطالبہ کرنے والے بندے موجود ہیں اس کو تو جھک مار کر دینا ہوگا، اور وصیت وجوہ خیر میں ہوتی ہے، بندوں کی طرف سے اس کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ غریبوں کے لئے وصیت کی تو وہ کیا مطالبہ کریں گے؟ مدرسہ یا مسجد کے لئے وصیت کی تو مہتمم اور متولی آکر کیا مطالبہ کریں گے؟ ورثاء وصیت نافذ کریں تو وہ ممنون ہونگے، اس لئے وصیت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اس کو مقدم کیا کہ اس کو معمولی چیز مت سمجھو، وہ اللہ کے نزدیک دَین سے بھی مقدم ہے۔

﴿ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا ﴾

ترجمہ: تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے: تم نہیں جانتے ان میں سے کون تمہارے لئے زیادہ نفع رساں ہے!

ترکیب: آباؤکم و أبناؤکم: مبتدا، لاتدرون خبر ہے۔

تفسیر: آیت کے اس حصہ میں یہ بیان ہے کہ توریث کی بنیاد نفع رسانی نہیں، کیونکہ کون کس کے لئے کتنا نفع رساں ہے: اس کو اللہ ہی جانتے ہیں، کبھی کسی دوست سے نفع پہنچتا ہے، کبھی بیٹے سے، کبھی باپ سے اور کبھی بھائی سے زیادہ نفع پہنچتا ہے، اس لئے نفع رسانی توریث کی بنیاد نہیں ہوسکتی، بلکہ میراث کی تین بنیادیں ہیں: میت کی قائم مقامی کرنا، ہمدردی اور محبت اور نصرت وحمایت۔ اور ان کے بھی مظانِ کلیہ کا اعتبار کیا گیا ہے، فرد کی خصوصیات کا اعتبار نہیں کیا، اس لئے بیٹے سب برابر ہیں، ایک زیادہ خدمت گذار ہے دوسرا کم اس کا اعتبار نہیں کیا۔ تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ میں معاملات کے بیان میں باب پنجم میں ہے۔

﴿ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ﴾

ترجمہ: اللہ کی طرف سے مقرر کرنا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں۔

ترکیب: فریضةً: فعل محذوف کا مفعولِ مطلق ہے، أی فَرَضَ اللّٰہ ذلك فریضة: یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے حصے ہیں، کسی کو دخل در معقولات کرنے کا حق نہیں، اللہ خوب جاننے والے ہیں، انھوں نے جس کا جو حق تھا وہ دیا ہے اور وہ بڑی حکمت والے ہیں، انھوں نے حکمت کا لحاظ کر کے حصے مقرر کئے ہیں، ان کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں!

وَلَکُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُکُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ کَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْنَ بِهَآ اَوْ دَیْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکْتُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّکُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَیْنٍ ؕ وَ اِنْ کَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ کَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ کَانُوْۤا اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَکَآءُ فِی الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصٰی بِهَآ اَوْ دَیْنٍ ۙ غَیْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِیَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۲﴾

وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے	وَلَهُنَّ	اور ان کے لئے	وَاِنْ كَانَ	اور اگر ہو
نِصْفُ	آدھا ہے	الرُّبُعُ	چوتھائی ہے	رَجُلٌ	کوئی آدمی
مَا تَرَكَ (۱)	اس سے جو چھوڑا ہے	مِمَّا	اس میں سے جو	يُّوْرَثُ (۲)	جو وارث بنایا گیا
اَزْوَاجُكُمْ	تمہاری بیویوں نے	تَرَكْتُمْ	چھوڑا ہے تم نے	كَلٰلَةً	بے پدر و پسر
اِنْ لَّمْ يَكُنْ	اگر نہ ہو	اِنْ لَّمْ يَكُنْ	اگر نہ ہو	اَوِ امْرَاَةٌ (۳)	یا کوئی عورت
لَّهُنَّ	ان کے لئے	لَّكُمْ	تمہارے لئے	وَّلَهٗۤ اَخٌ	اور اس کا بھائی ہے
وَلَدٌ	اولاد	وَلَدٌ	اولاد	اَوْ اُخْتٌ	یا بہن ہے
فَاِنْ كَانَ	پس اگر ہو	فَاِنْ كَانَ	پس اگر ہو	فَلِكُلِّ وَاحِدٍ	تو ہر ایک کے لئے
لَهُنَّ	ان کے لئے	لَكُمْ	تمہارے لئے	مِّنْهُمَا	دونوں میں سے
وَلَدٌ	اولاد	وَلَدٌ	اولاد	السُّدُسُ	چھٹا ہے
فَلَكُمُ	تو تمہارے لئے	فَلَهُنَّ	تو ان کے لئے ہے	فَاِنْ كَانُوْۤا	پس اگر ہوں وہ
الرُّبُعُ	چوتھائی ہے	الثُّمُنُ	آٹھواں ہے	اَكْثَرَ	زیادہ
مِمَّا	اس سے جو	مِمَّا	اس میں سے جو	مِنْ ذٰلِكَ	اس سے
تَرَكْنَ	چھوڑا ہے انھوں نے	تَرَكْتُمْ	چھوڑا ہے تم نے	فَهُمْ	تو وہ
مِنْۢ بَعْدِ	بعد	مِّنْۢ بَعْدِ	بعد	شُرَكَآءُ	ساجھی ہیں
وَصِيَّةٍ	وصیت کے	وَصِيَّةٍ	وصیت کے	فِي الثُّلُثِ	تہائی میں
يُّوْصِيْنَ	کرگئیں وہ	تُوْصُوْنَ	کی ہو تم نے	مِنْۢ بَعْدِ	بعد
بِهَاۤ	اس کو	بِهَاۤ	وہ وصیت	وَصِيَّةٍ	وصیت کے
اَوْ دَيْنٍ	یا (بعد) قرض کے	اَوْ دَيْنٍ	یا (بعد) قرض کے	يُّوْصٰى	کی گئی ہو

(۱) ما ترك: مضاف الیہ ہے، اور اضافت بواسطہ مِنْ ہے (۲) یورث: جملہ فعلیہ رجل کی صفت ہے، اور کلالة: کان کی خبر ہے، کلالة: باب ضرب کا مصدر ہے كَلَّ يَكِلُّ كُلالاً و كَلالة کے لغوی معنی ہیں: کمزور ہونا اور اصطلاحی معنی ہیں: وہ شخص جو مرنے کے بعد اپنے پیچھے نہ باپ دادا چھوڑے نہ اولاد (بیٹے پوتے) بلکہ اس کا وارث قرابتی ہو، یعنی بھائی بہن وارث ہوں، کلالہ کی تعریف سورۃ النساء کی آخری آیت میں آئے گی۔

بِهَآ	وہ وصیت	وَصِيَّةً [۲]	تاکیدی حکم ہے	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے
اَوْ دَيْنٍ	یا (بعد) قرض کے	مِّنَ اللهِ	اللہ کی طرف سے	حَلِيْمٌ	بڑے بردبار ہیں
غَيْرَ مُضَآرٍّ [۱]	نہ نقصان پہنچانے والی	وَاللهُ	اور اللہ تعالیٰ	❁	❁

زوجین کی میراث

زوجین کی میراث کے سلسلہ میں تین باتیں جاننی چاہئیں:

پہلی بات — زوجین کی میراث کی بنیاد — شوہر کو میراث دو وجہ سے ملتی ہے: ایک: شوہر کا بیوی اور اس کے مال پر قبضہ ہوتا ہے۔ پس سارا مال اس کے قبضہ سے نکال لینا اس کو ناگوار ہوگا۔ دوم: شوہر بیوی کے پاس اپنا مال امانت رکھتا ہے، اور اپنے مال کے سلسلہ میں اس پر اعتماد کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا قوی حق ہے اس چیز میں جو عورت کے قبضہ میں ہے۔ اور یہ ایک ایسا خیال ہے جو شوہر کے دل سے آسانی سے نہیں نکل سکتا۔ اس لئے شریعت نے عورت کے ترکہ میں شوہر کا حق رکھ دیا تاکہ اس کے دل کو تسلی ہو، اور اس کا نزاع نرم پڑے — اور بیوی کو خدمت، غم خواری اور ہمدردی کے صلہ میں میراث ملتی ہے۔

دوسری بات — زوجین کی میراث میں تفاضل — ارشاد پاک ہے: ''مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے'' اس ارشاد کے بموجب شوہر کو عورت پر برتری حاصل ہے۔ اور یہ بات پہلے آچکی ہے کہ میراث کے اکثر مسائل میں جو زیادتی معتبر ہے وہ دوگنے کی زیادتی ہے۔ چنانچہ شوہر کو عورت سے دوگنا دیا گیا۔ جس حالت میں عورت کو ربع ملتا ہے، شوہر کو نصف ملتا ہے۔ اور جس حالت میں عورت کو ثمن ملتا ہے، شوہر کو ربع ملتا ہے۔

تیسری بات — زوجین کی میراث میں اولاد کا خیال — شوہر اور بیوی کو اتنی میراث نہیں دی گئی کہ اولاد کے لئے ترکہ بس برائے نام بچے۔ بلکہ اولاد کا خیال رکھ کر زوجین کا حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں زوجین کو زیادہ دیا گیا ہے، اور اولاد ہونے کی صورت میں کم۔

﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ ﴾

---

(۱) غیر مضار: وصیۃ کا حال ہے (۲) وصیۃ: مفعولِ مطلق ہے فعل محذوف کا۔

ترجمہ: اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں کے ترکہ کا آدھا ہے، اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو۔ اور اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو تمہارے لئے چوتھائی ہے اس مال میں سے جو وہ چھوڑ مریں۔ اس وصیت کے بعد جو وہ کر گئیں، یا ادائے قرض کے بعد — اور ان بیویوں کے لئے تمہارے ترکہ کا چوتھائی ہے، اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو۔ اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لئے تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ہے۔ اس وصیت کے بعد جو تم کر مرو یا ادائے قرض کے بعد۔

اخیافی بھائی بہن کی میراث

بھائی بہن دو طرح کے ہیں: سگے اور سوتیلے۔ سگے وہ ہیں جو ماں باپ دونوں میں شریک ہوں، ان کو حقیقی اور عینی بھی کہتے ہیں، اور سوتیلے دو طرح کے ہیں: ماں کی طرف سے سوتیلے، ان کو علاتی کہتے ہیں، اور باپ کی طرف سے سوتیلے، ان کو اخیافی کہتے ہیں۔

حقیقی اور علاتی بھائی عصبہ ہوتے ہیں، ذوی الفروض کے بعد جو ترکہ بچتا ہے: ان کو ملتا ہے، پھر حقیقی کی موجودگی میں علاتی محروم رہتے ہیں، اس لئے کہ حقیقی میت سے اقرب ہیں، ان کا رشتہ دوہرا ہے اور علاتی کا رشتہ اکہرا ہے اور علم میراث کا قاعدہ الأقرب فالأقرب ہے، ان کی میراث کا بیان سورۃ النساء کی آخری آیت میں آئے گا۔ یہاں اخیافی بھائی بہن کا ذکر ہے، اگرچہ ﴿ لَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ ﴾ میں کوئی قید نہیں، مگر حضرات ابن مسعود و اُبی رضی اللہ عنہما کی قراءت من أم بڑھا ہوا ہے، وہ اگرچہ شاذ قراءت ہے، مگر شاذ قراءت بمنزلہ خبر واحد ہوتی ہے، اس لئے اس سے استدلال درست ہے۔

اخیافی بھائی بہن اگر ایک ہو تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو تہائی ترکہ ملے گا، اور بھائی بہن ترکہ مساوی تقسیم کریں گے، بھائی کو بہن سے دوگنا نہیں ملے گا۔ اور دو یا زیادہ اخیافی بھائی بہن ماں کے لئے حجب نقصان کا سبب بنیں گے، اب ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو تو ماں کا حصہ کم نہ ہوگا، وہ تہائی ترکہ پائے گی۔

غیر مضار کا مطلب: مضار: اسم فاعل واحد مذکر ہے، اصل میں بابِ مفاعلہ سے مُضَارِرٌ تھا، ضَرّ مادہ ہے، اس کے معنی ہیں: نقصان پہنچانے والا۔ اور جمہور مفسرین کے نزدیک غیر مضار: وصیۃ سے حال ہے، اور اس کے معنی ہیں: تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر کے وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے، اور یہ قید پہلی دو جگہوں میں بھی ملحوظ ہے۔ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے دین سے حال بنایا ہے، پس غیر مضار کا مطلب ہوگا: کسی کے قرض کا غلط اقرار کر کے وارثوں کو ضرر نہ پہنچائے۔

سوال: احکام کی آیات میں تکرار نہیں ہوتا، کیونکہ ان کا مقصد مسائل کا بیان ہے، البتہ تذکیر کی آیات میں تکرار ہوتا

ہے، کیونکہ ان کا مقصد قاری پر رنگ چڑھانا ہوتا ہے، پھر ﴿مِنۡ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ﴾ چار مرتبہ کیوں لایا گیا ہے؟

جواب: جہاں نسخ یا تخصیص کا احتمال ہوتا ہے وہاں احکام کی آیات میں بھی تکرار ہوتی ہے، جیسے تیمم اور روزوں کے بیان میں تکرار ہے، کیونکہ وہاں نسخ کا احتمال تھا، اور یہاں تخصیص کا احتمال تھا، اس لئے یہ قید بار بار آئی ہے۔

﴿وَاِنۡ كَانَ رَجُلٌ يُّوۡرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امۡرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ‌ۚ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّ‌ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ؕ﴿۱۲﴾﴾

ترجمہ: اور اگر وہ مرد جس کی میراث ہے کلالہ (بے پدر و پسر) ہو یا ایسی کوئی عورت ہو، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، پس اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو وہ تہائی میں ساجھی ہونگے، وصیت کے بعد جو وہ کر مرا ہو یا قرضے کے بعد، درانحالیکہ وہ نقصان پہنچانے والا نہ ہو، یہ اللہ کی طرف سے تاکیدی حکم ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑے ہی بردبار ہیں —— ایک دم نہیں پکڑتے، وقت پر دیکھ لیں گے!

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ‌ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ؕ وَذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۱۴﴾ ع

تِلۡكَ (۱)	وہ	وَرَسُوۡلَهٗ	اور اس کے رسول کی	الۡاَنۡهٰرُ	نہریں
حُدُوۡدُ (۲)	سرحدیں ہیں	يُدۡخِلۡهُ	داخل کریں گے اس کو	خٰلِدِيۡنَ	ہمیشہ رہنے والے
اللّٰهِ	اللہ کی	جَنّٰتٍ	باغات میں	فِيۡهَا	ان میں
وَمَنۡ يُّطِعِ	اور جو اطاعت کرے	تَجۡرِىۡ	بہتی ہیں	وَذٰلِكَ	اور وہ
اللّٰهَ	اللہ کی	مِنۡ تَحۡتِهَا (۳)	ان میں	الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ	بڑی کامیابی ہے

(۱) تلك (اسم اشارہ بعید برائے واحد مؤنث) بمعنی هذه (اسم اشارہ قریب برائے واحد مؤنث) بکثرت آتا ہے، یہاں مشارٌ الیہ احکامِ میراث ہیں، وہی قریب بیان ہوئے ہیں (۲) حدود: حَدّ کی جمع: سرحد، ڈانڈا، سرکل، گاؤں کی زمین کا آخر، ہر چیز کی نہایت (۳) من تحتها: محاورہ ہے، اس کے لفظی معنی: ان کے نیچے: مراد نہیں، اس کا صحیح ترجمہ: ان میں ہے، دیکھیں سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۶۔

وَمَنْ يَّعْصِ	اور جو نافرمانی کرے	حُدُوْدَهٗ	اس کی حدود سے	فِيْهَا	اس میں
اللّٰهَ	اللہ کی	يُدْخِلْهُ	داخل کریں گے اس کو	وَلَهٗ	اور اس کے لئے
وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کی	نَارًا	بڑی آگ میں	عَذَابٌ	سزا ہے
وَيَتَعَدَّ (۱)	اور تجاوز کرے	خَالِدًا	ہمیشہ رہنے والا	مُّهِيْنٌ	ذلیل کرنے والی

احکامِ میراث پر عمل کرنے کی ترغیب اور ان کی خلاف ورزی پر ترہیب

ترغیب: رغبت دلانا، شوق دلانا۔ ترہیب: ڈرانا، خوف زدہ کرنا، مرعوب کرنا۔

دو آیتوں میں میراث کے احکام بیان کئے، اب دو آیتوں میں ان کے سلسلہ میں ترغیب و ترہیب ہے، پہلے تین باتیں جان لیں:

۱- قرآنِ کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ احکام کے بیان کے بعد: ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، اور ان کی مخالفت سے ڈراتا ہے، اسی کا نام تقوی ہے، تقوی ہی احکام پر عمل کراتا ہے، قانون کو تو لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں، ان سے بچنے کی راہ نکال لیتے ہیں، اور تقوی (اللہ کا ڈر) دل کے تقاضے سے احکام کا پابند بناتا ہے، اس لئے احکامِ میراث بیان کر کے ان پر عمل کا شوق دلاتے ہیں، اور ان کی مخالفت سے ڈراتے ہیں۔

۲- سرحدیں (دائرے) دو ہیں: ایک: دینداری کا دائرہ، دوسرا: دین کا دائرہ، پہلا چھوٹا دائرہ ہے، اور دوسرا بڑا، جو شخص پہلے دائرہ سے نکلجاتا ہے وہ فاسق کہلاتا ہے، مگر وہ مسلمان رہتا ہے، اور جو بڑے دائرے سے نکل جاتا ہے وہ اسلام ہی سے نکل جاتا ہے، اور وہ مرتد کہلاتا ہے۔

پس احکام میراث پر عمل نہ کرنے کی دو صورتیں ہیں: اول: اللہ کے حکم کو مانتا ہے، مگر مال کے لالچ میں وارث کا حق مارتا ہے تو وہ فاسق ہے، گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ دوم: اللہ کے حکم ہی کو نہیں مانتا، حلال جان کر دوسرے وارث کا حق مارتا ہے تو وہ اسلام کے دائرے سے نکل جاتا ہے، آیتِ کریمہ دونوں صورتوں کو شامل ہے، بلکہ زیادہ روئے سخن دوسری صورت کی طرف ہے۔

۳- میراث کے احکام زیادہ تر قرآنِ کریم میں مذکور ہیں، اور بعض احکام حدیثوں میں ہیں، جیسے حقیقی بھائی علاتی بھائی کو محروم کرتا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۳۰۵۷) اور بعض احکام اجماعِ امت سے ثابت ہیں، جیسے باپ کی عدم موجودگی میں دادا بمنزلۂ باپ ہوتا ہے، اس لئے دونوں آیتوں میں ﴿وَرَسُوْلَهٗ﴾ بھی آیا ہے۔

(۱) تعدّٰی تعدِّیًا: تجاوز کرنا، حد سے بڑھنا، دائرہ سے نکل جانا۔

ترغیب:—— یہ (احکامِ میراث) اللہ کی قائم کی ہوئیں حدیں ہیں، اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا: وہ اس کو باغات میں داخل کریں گے، جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور وہ بڑی کامیابی ہے۔

ترہیب:—— اور جو شخص نافرمانی کرے گا، اللہ کی اور اس کے رسول کی، اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا: وہ اس کو بڑی آگ میں داخل کریں گے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کے لئے رسوا کن سزا ہے!

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾

وَالّٰتِیْ[1]	اور جو (عورتیں)	فِی الْبُیُوْتِ	گھروں میں	فَاٰذُوْهُمَا	پس تکلیف پہنچاؤ ان کو
یَاْتِیْنَ	آئیں وہ	حَتّٰی	یہاں تک کہ	فَاِنْ	پھر اگر
الْفَاحِشَةَ	بدکاری کو	یَتَوَفّٰهُنَّ[2]	روح قبض کرے ان کی	تَابَا	توبہ کرلیں دونوں
مِنْ نِّسَآئِكُمْ	تمہاری عورتوں میں سے	الْمَوْتُ	موت	وَاَصْلَحَا	اور اصلاح کرلیں وہ
فَاسْتَشْهِدُوْا	پس گواہی لو تم	اَوْ یَجْعَلَ	یا بنائیں	فَاَعْرِضُوْا	تو روگردانی کرو تم
عَلَیْهِنَّ	ان پر	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	عَنْهُمَا	ان دونوں سے
اَرْبَعَةً	چار کی	لَهُنَّ	ان کے لئے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مِّنْكُمْ	تم میں سے	سَبِیْلًا	کوئی راہ	كَانَ تَوَّابًا	بڑے توبہ قبول کرنے
فَاِنْ	پس اگر	وَالَّذٰنِ	اور جو دو مرد		والے ہیں
شَهِدُوْا	گواہی دیں وہ	یَاْتِیٰنِهَا[3]	آئیں وہ فاحشہ کو	رَّحِیْمًا	بڑے مہربان ہیں
فَاَمْسِكُوْهُنَّ	تو روکو ان کو	مِنْكُمْ	تم میں سے	❁	❁

اہانت آمیز سزا کی دو مثالیں

﴿عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴾: جو احکامِ میراث کی خلاف ورزی کرے گا اس کو رسوا کن سزا ملے گی، یہ ارشاد عام ہے، دنیا

(۱) اللاتی: اللّتی کی جمع: اسم موصول جمع مؤنث (۲) توفّی اللّٰہ فلانا: روح قبض کرنا، وفات دینا (۳) ھا: کا مرجع الفاحشۃ ہے۔

کی سزا کو بھی شامل ہے، بلکہ روئے سخن دنیوی سزا کی طرف ہے، کیونکہ ﴿ يُدْخِلْهُ نَارًا ﴾ میں اخروی سزا کا ذکر آ گیا ہے، اس لئے اب دو آیتوں میں دنیوی سزا کی دو مثالیں بیان فرماتے ہیں:

پہلی مثال: کوئی عورت زنا کی مرتکب ہو تو ضابطہ کی کارروائی کی جائے، چار آزاد، عاقل، بالغ، دیندار مردوں کی گواہی لی جائے، اگر وہ گواہی دیں تو عورت کو تاحیات گھر میں نظر بند رکھا جائے، نہ وہ گھر سے نکلے نہ کوئی عورت اس سے ملے، یہ اس کے لئے دنیوی رسوا کن سزا ہے، اور آخرت کی سزا آگے ہے۔

پھر دو صورتیں ہیں:

۱- یا تو نظر بندی کی حالت میں مر جائے، اس حالت میں اگر سچی توبہ کر لی ہے تو آخرت میں سزا نہیں ملے گی، ورنہ آخرت میں بھی سزا ملے گی۔

۲- یا اللہ تعالیٰ اس کو گھر سے نکلنے کی کوئی راہ تجویز فرما دیں تو اس پر عمل کیا جائے، یہ راہ بعد میں نکالی، زنا کی سزا نازل فرمائی، اگر وہ عورت کنواری ہے تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں، اور شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے۔

دوسری مثال: دو مسلمان مرد فاحشہ (اغلام) کا ارتکاب کریں تو دونوں کو سخت تکلیف پہنچائی جائے، یہ دونوں کے لئے دنیا میں سخت رسوا کن سزا ہے۔

پھر اگر دونوں توبہ کر لیں، اور احوال درست کر لیں تو ان کو نظر انداز کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیں گے، وہ بڑے مہربان ہیں، اور حدیث میں ہے: التائب من الذنب کمن لاذنب له: گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے، لہٰذا اب ان کو مزید رسوا نہ کیا جائے۔

پہلی آیت: اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان پر اپنوں میں سے —— مسلمانوں میں سے —— چار آدمیوں کی گواہی لو، پس اگر وہ گواہی دیں تو ان کو اس وقت تک گھروں میں نظر بند رکھو جب تک ان کو موت نہ آ جائے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راہ تجویز نہ فرما دیں۔

سوال (۱): یہ تو زانیہ کی سزا ہوئی، زانی کو کیا سزا دی جائے گی؟

جواب: اس کو وہ سزا دی جائے گی جو اگلی آیت میں آ رہی ہے، اسی لئے دوسری مثال لائے ہیں، اس کی سخت مار پٹائی کی جائے، اور سر عام رسوا کیا جائے، مگر نظر بند نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ بات مرد کے موضوع کے خلاف ہے، اس کو زندگی گذارنے کے لئے کمانا پڑے گا، لوگوں سے ملنا ہوگا، اس لئے اس کو نظر بند نہیں رکھا جائے گا۔

سوال (۲): زانی آزاد رہے گا تو پھر فاحشہ وجود میں آئے گا، کسی دوسری عورت کے ساتھ منہ کالا کرے گا؟ اس لئے اس کو بھی نظر بند کر دینا چاہئے؟

جواب: اسلامی معاشرہ میں فاحشہ آسانی سے وجود میں نہیں آتا، جس معاشرہ میں ہر مرد وزن نمازی اور شادی شدہ ہوں وہاں زنا نہیں پایا جاسکتا، البتہ معاشقہ کے نتیجہ میں یہ برائی پائی جاسکتی ہے عشق آدمی کو اندھا کر دیتا ہے، پس ایک فریق کو نظر بند کرنا فاحشہ کے سدّ باب کے لئے کافی ہے۔

سوال (۳): جب زنا کی سزا آگئی تو آیت منسوخ ہوگئی، پھر یہ آیت قرآن میں کیوں باقی ہے؟

جواب: سب اسلامی حکومتوں میں زنا کی سزا کہاں جاری ہے؟ اور مسلمان تو بڑی تعداد میں غیر اسلامی ملکوں میں بھی بستے ہیں، وہاں اس آیت پر عمل ہوگا، اس لئے آیت باقی رکھی گئی ہے۔

سوال (۴): مسلمانوں کے جن ملکوں میں زنا کی سزا نافذ نہیں یا غیر اسلامی ملک میں اس آیت پر کس طرح عمل کیا جائے گا؟

جواب: پہلے قبائلی نظام تھا، ماضی قریب تک قوم پر پنچائتوں کا کنٹرول تھا، وہ اس آیت پر عمل کریں گے، مگر اب قبائلی نظام درہم برہم ہوگیا ہے، اور پنچائتوں نے بھی طرف داری شروع کردی تو ان کا کنٹرول بھی ختم ہوگیا، اور پچاس فیصد مرد وزن بے نمازی ہوگئے، اور جہیز اور تلک کی لعنت کی وجہ سے جوان لڑکے اور لڑکیاں کنواری بیٹھی ہیں، اس لئے إلی الله المشتکی!

دوسری آیت: اور تم میں سے جو دو مرد فاحشہ کا ارتکاب کریں تو ان کو تکلیف پہنچاؤ —— سخت پٹائی کرو، ان کے لئے قرآنِ کریم میں تو کوئی سزا نازل نہیں کی گئی، البتہ احادیث میں دونوں کو قتل کرنے کی سزا آئی ہے، مگر ان روایات میں اضطراب ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان کا اضطراب واختلاف واضح کیا ہے، اور فقہائے کرام میں بھی اس کی سزا میں اختلاف ہے، تفصیل کے لئے تحفۃ الالمعی شرح سنن ترمذی (۳۹۲:۴) دیکھیں۔

البتہ اتنی بات پر تمام فقہاء متفق ہیں کہ فاعل ومفعول دونوں کو سخت سزا دی جائے گی، البتہ اگر مفعول پر زبردستی کی گئی ہے تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی، جیسے زنا میں اگر عورت سے زبردستی زنا کیا ہے تو اس کو سزا نہیں دی جاتی۔

باقی آیت: پھر اگر دونوں توبہ کرلیں، اور دونوں اصلاح کرلیں تو دونوں سے روگردانی کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والے، بڑے رحم والے ہیں —— یعنی توبہ تاللہ سے دونوں کا آخرت کا معاملہ کلیر ہوجائے گا، اور یہ بات پہلی آیت میں بھی جائے گی، بدکار عورت بھی اگر سچی پکی توبہ کرے تو وہ بھی آخرت کے عذاب سے بچ جائے گی۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ

لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰىٓ اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۸

اِنَّمَا	سوائے اس کے نہیں کہ	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	اِنِّيْ	بے شک میں
التَّوْبَةُ	توبہ	عَلِيْمًا	سب کچھ جاننے والے	تُبْتُ	توبہ کرتا ہوں
عَلَى اللّٰهِ (۱)	اللہ پر	حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے	الْـٰٔنَ	اب!
لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے ہے جو	وَلَيْسَتِ	اور نہیں ہے	وَلَا الَّذِيْنَ (۵)	اور نہ ان کے لئے جو
يَعْمَلُوْنَ	کرتے ہیں	التَّوْبَةُ	توبہ	يَمُوْتُوْنَ	مرتے ہیں
السُّوْٓءَ (۲)	برا کام	لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جو	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
بِجَهَالَةٍ (۳)	نادانی (حماقت) سے	يَعْمَلُوْنَ	کرتے ہیں	كُفَّارٌ	اسلام کا انکار کرنے
ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ	پھر توبہ کرتے ہیں	السَّيِّاٰتِ	برائیاں		والے ہیں
مِنْ قَرِيْبٍ (۴)	جلد ہی	حَتّٰىٓ	یہاں تک کہ	اُولٰۗىِٕكَ	یہی لوگ
فَاُولٰۗىِٕكَ	تو وہی لوگ	اِذَا حَضَرَ	جب آموجود ہوتی ہے	اَعْتَدْنَا	تیار کیا ہے ہم نے
يَتُوْبُ	توجہ فرماتے ہیں	اَحَدَهُمُ	ان میں سے کسی کے پاس	لَهُمْ	ان کے لئے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	الْمَوْتُ	موت	عَذَابًا	عذاب
عَلَيْهِمْ	ان پر	قَالَ	(تو) کہا اس نے	اَلِيْمًا	دردناک

اللہ کی بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں، توبہ کا دروازہ کھلا ہے!

ربط: فرمایا تھا کہ فاحشہ عورت اور بدکاری کرنے والے مرد بھی توبہ کریں، اور خود کو سنوار لیں تو ان کا گناہ دھل جائے گا، اب اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ مایوسی کی بارگاہ نہیں، ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے:

(۱) علی: لزوم کے لئے آتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ جو چاہیں لازم کریں، بندے ان کے ذمہ کوئی چیز لازم نہیں کر سکتے (۲) السوء: مفرد ہے، اور اگلی آیت میں السیئات: جمع ہے، اس میں نکتہ ہے جو تفسیر میں بیان کیا جائے گا (۳) جہالت کے معنی: مسئلہ نہ جاننا نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی حماقت کے ہیں (۴) من قریب: یعنی نزع شروع ہونے سے پہلے، یہ آخرت کے اعتبار سے قریب زمانہ ہے (۵) الذین: محل جر میں ہے، پہلے الذین پر معطوف ہے۔

ایں درگہِ ما درگہِ نو میدی نیست ❁ صد بار گر توبہ شکستی باز آ
(اللہ کی بارگاہ: مایوسی کی بارگاہ نہیں ❁ سو بار بھی توبہ توڑی ہے، پھر بھی توبہ کر!)

مگر توبہ اس کی مقبول ہے جو حماقت سے گناہ کر بیٹھا ہو، کیونکہ مؤمن قصد وارادہ سے اور جان بوجھ کر گناہ کرے: یہ بات اس کی شان کے خلاف ہے، بھلا جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے: وہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کیسے کرے گا؟ اور بار بار برائی کیسے کرے گا؟ ہاں ایک آدھ بار گناہ ہو جائے: یہ ممکن ہے، اور وہ بھی حماقت سے، پھر جلد سے جلد اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے تو اللہ اس کو گلے سے لگا لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہیں، وہ دلوں کے احوال سے واقف ہیں اور ایسے بندوں کو بارگاہ سے بدر کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔

فائدہ(۱): اور جو شخص قصد وارادہ سے بار بار گناہ کرے، پھر موت سے پہلے توبہ کرلے تو اس کی توبہ بھی مقبول ہے، مگر یہاں اللہ پاک نے اس کا ذکر نہیں کیا، دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ اس کی توبہ بھی مقبول ہے، مگر یہاں اس کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ قرآنِ کریم غیر احسن (نامناسب بات) کا ذکر نہیں کرتا، تاکہ اس کو اعتباریت کا پروانہ نہ مل جائے، جیسے تیسری طلاق کا ذکر نہیں کیا، بلکہ فرمایا: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ پھر آگے تیسری طلاق کی سزا بیان کی کہ تیسری طلاق دے گا تو حلالہ کی ضرورت پڑے گی، جو شوہر کی غیرت کے خلاف ہوگی۔

فائدہ(۲): گناہ پر اقدام کی تین صورتیں ہیں:

اول: بندہ کبھی بھی کسی گناہ پر اقدام نہ کرے: یہ شان فرشتوں اور انبیاء کی ہے۔

دوم: گناہ کرے اور اس پر اڑے، اس کو ندامت نہ ہو: یہ کام شیطان کا ہے۔

سوم: کبھی حماقت سے گناہ ہو جائے تو عرقِ انفعال (ندامت) سے اس کو دھوڈالے، توبہ کرے: یہ بات عام انسانوں سے ممکن ہے: اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔

فائدہ(۳): سچی توبہ کے لئے تین شرطیں ہیں:

اول: گناہ پر ندامت اور شرمساری ہو، حدیث میں ہے: إنما التوبة الندم: ندامت ہی توبہ ہے۔

دوم: جو گناہ سرزد ہو گیا ہے اس سے باز آجائے، آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے، ورنہ بار بار گناہ کرتے رہنا اور توبہ توبہ پکارتے رہنا: توبہ کا مذاق اڑانا ہے!

سوم: مافات کی تلافی کرے، نمازیں فوت ہوئی ہیں تو قضا کرے، روزے چھوڑے ہیں ان کی قضا کرے، زکات نہیں دی تو گذشتہ کی زکات دے، کسی کا حق مارا ہے تو اس کو واپس کرے یا معاف کرائے۔

یہ تین باتیں جمع ہونگی تو سچی توبہ ہوگی، اسی کو قبول کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔

آیتِ کریمہ: توبہ (قبول کرنا) اللہ کے ذمہ انہی لوگوں کے لئے ہے جو حماقت سے برائی کر گذرتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں۔

دو شخصوں کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے

فرمایا تھا کہ جس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، اور وہ جلد ہی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ ضرور قبول فرماتے ہیں، مگر دو شخصوں کی توبہ قبول نہیں فرماتے: ایک: جو برابر گناہ کرتا رہا، اور موت تک توبہ نہیں کی تو اس کو جہنم میں جانا پڑسکتا ہے، مگر ایمان کی وجہ سے وہ کسی نہ کسی دن نجات پائے گا۔ دوسرا: وہ جو موت تک اسلام کا انکار کرتا رہا، ایمان نہیں لایا، تو اس کے لئے بھی دوزخ کا عذاب تیار ہے، اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہے گا، کیونکہ کافر مرا ہے، اور دونوں میں فرق دوسرے دلائل سے ثابت ہے، اس آیت میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا، پس معتزلہ اور خوارج کا اس سے استدلال کرنا کہ مرتکبِ کبیرہ جو توبہ کے بغیر مر گیا مخلّد فی النار ہوگا: صحیح نہیں، کیونکہ اس مسئلہ سے اس آیت میں تعرض نہیں کیا گیا۔

دوسری آیت کا ترجمہ: اور توبہ (مقبول) نہیں ان کی جو برائیاں کرتے رہتے ہیں —— اور توبہ نہیں کرتے —— تا آنکہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آکھڑی ہوئی —— اور دوسری دنیا منکشف ہوگئی —— تو کہتا ہے: میں اب توبہ کرتا ہوں! اور نہ ان لوگوں کی جو حالتِ کفر میں مرتے ہیں، ان لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝١٩ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَـيْـــًٔـا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝٢٠ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝٢١

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	لَا يَحِلُّ لَكُمْ	نہیں جائز تمہارے لئے

اَنْ تَرِثُوا	کہ وارث بنو تم	فَعَسٰی	تو ہوسکتا ہے	مِنْهُ شَيْئًا	اس میں سے کچھ
النِّسَآءَ	عورتوں کے	اَنْ تَكْرَهُوْا	کہ ناپسند کرو تم	اَتَاْخُذُوْنَهٗ	کیا لیتے ہو تم اس کو
كَرْهًا(1)	ناگواری کے باوجود	شَيْئًا	کسی چیز کو	بُهْتَانًا(5)	بہتان تراش کر
وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ(2)	اور نہ روکو ان کو	وَّيَجْعَلَ	اور گردانیں	وَّاِثْمًا	اور گناہ کے طور پر
لِتَذْهَبُوْا	تاکہ لے لو تم	اللّٰهُ فِيْهِ	اللہ تعالیٰ اس میں	مُّبِيْنًا	صریح
بِبَعْضِ	کچھ	خَيْرًا كَثِيْرًا	بہت خوبی	وَكَيْفَ	اور کیسے
مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ	اس کا جو دیا تم نے ان کو	وَاِنْ اَرَدْتُّمُ	اور اگر چاہو تم	تَاْخُذُوْنَهٗ	لیتے ہو تم اس کو
اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	اسْتِبْدَالَ	بدلنا	وَقَدْ اَفْضٰى(6)	جبکہ پہنچ چکا ہے
يَّاْتِيْنَ	ارتکاب کریں	زَوْجٍ	ایک بیوی کو	بَعْضُكُمْ	تمہارا ایک
بِفَاحِشَةٍ(3)	بے حیائی	مَّكَانَ زَوْجٍ	دوسری بیوی سے	اِلٰى بَعْضٍ	دوسرے تک
مُّبَيِّنَةٍ	صریح کا	وَّاٰتَيْتُمْ	اور دیا ہو تم نے	وَّاَخَذْنَ	اور لیا ہے انھوں نے
وَعَاشِرُوْهُنَّ	اور رہو سہو ان کے ساتھ	اِحْدٰىهُنَّ	ان کے ایک کو	مِنْكُمْ	تم سے
بِالْمَعْرُوْفِ	بھلے انداز سے	قِنْطَارًا(4)	مال کثیر	مِّيْثَاقًا	عہد (پیمان)
فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ	پس اگر ناپسند کرو تم ان کو	فَلَا تَاْخُذُوْا	تو نہ لو تم	غَلِيْظًا	گاڑھا (پکا)

میت کی بیوی ترکہ نہیں پس اس پر زبردستی قبضہ جائز نہیں

احکامِ میراث کے بعد ترغیب وترہیب کا بیان آیا تھا، پھر رسوا کن عذاب کی دو مثالیں بیان کی تھیں، پھر بات آگے بڑھائی تھی کہ موت تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے، البتہ جب جان کنی شروع ہوجائے تو توبہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے، اس طرح بات پھیلتی چلی گئی تھی، اب مضمون پیچھے کی طرف لوٹ رہا ہے۔

(۱) كَرْهًا: مصدر: بمعنی اسم فاعل، ناگوار بات: النساء سے حال، وہ ناگوار بات جس کو طبیعت کے تقاضے سے برداشت کیا جائے کُرْهٌ (کاف کے پیش کے ساتھ) ہے، اور جو خارجی دباؤ سے برداشت کی جائے وہ كَرْهٌ (کاف کے زبر کے ساتھ ہے) (۲) عَضَلَ (ن) المرأة: عورت کو ظلماً شادی سے روکنا۔ (۳) فاحشة مبينة: کھلی بے حیائی یعنی نشوز، نافرمانی، بدزبانی وغیرہ (۴) قنطار: ایک وزن جو مختلف ملکوں میں مختلف ہوتا تھا، مصر میں سو رطل سونا ہوتا تھا مراد مالِ کثیر ہے۔ (۵) بهتانا اور إثما مبينا ایک ہیں، الزام تراشی: کھلا گناہ ہے (۶) أفضى إليه: پہنچنا یعنی جماع یا خلوتِ صحیحہ۔

فرماتے ہیں: مرنے والے کی بیوی میت کا ترکہ نہیں، میت کے ورثاء اس کی بیوی پر زبردستی قبضہ نہیں کرسکتے، جاہلیت کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی شخص مرتا تو وارثوں میں کوئی اس کی بیوی پر چادر ڈال دیتا، اس طرح بیوی اس کی میراث ہوجاتی، پھر اگر اس سے نکاح جائز ہوتا، جیسے جیٹھ دیور سے نکاح جائز ہے تو وہ بغیر مہر کے اس سے نکاح کرلیتا، اور اگر نکاح جائز نہ ہوتا یا خود نکاح کرنا نہ چاہتا تو کسی اور سے نکاح کردیتا، اور مہر خود وصول کرلیتا، جبکہ میت کی بیوی اس کو پسند نہیں کرتی تھی، مگر وہ مجبور ہوتی تھی، اس ظلم کا ان آیتوں میں دروازہ بند کیا ہے کہ زبردستی ایسا کرنا جائز نہیں، ہاں اگر عورت جیٹھ دیور سے نکاح کرنے پر راضی ہو، اور وہ مہر دے کر نکاح کرے تو جائز ہے، اسی طرح کبھی عورت بے سہارا ہوتی ہے، اس کا میکہ نہیں ہوتا، پس اگر میت کے ورثاء عدت کے بعد کسی جگہ اس کے نکاح کا انتظام کریں تو عورت کی رضامندی سے مہر کے ساتھ اس کا نکاح کردینا بھی درست ہے۔

اس ظلم کے سدّ باب کے ساتھ ایک دوسرے ظلم کا بھی سد باب کیا ہے، الشیئ بالشیئ یُذکر: بات میں سے بات نکلتی ہے، اور وہ دوسرا ظلم خود شوہر کرتا تھا، اور اس کی دو صورتیں ہوتی تھیں:

پہلی صورت: بیوی ناپسند ہوتی، اس لئے چھوڑنا چاہتا، مگر دیا ہوا مال: مہر زیور وغیرہ واپس لینا چاہتا، اس لئے لٹکا کر رکھ دیتا، معروف طریقہ پر اس کے ساتھ نہ رہتا، تاکہ عورت مجبور ہوکر خلع کرے یا مال لوٹا کر طلاق حاصل کرے، یہ عورت پر ظلم تھا، اس لئے اس کی بھی ممانعت کی۔

البتہ اگر عورت کی طرف سے نشوز پایا جائے، عورت شوہر کی نافرمانی کرے تو خلع کیا جاسکتا ہے، اور دیا ہوا کچھ مال واپس لیا جاسکتا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ ناپسندیدگی کے باوجود اس عورت کو رکھے رہے، اور بھلے انداز سے اس کے ساتھ نباہ کرے، ہوسکتا ہے وہ خدمت گذار ثابت ہو، یا اس کی کوکھ سے نیک اولاد جنم لے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز ناپسند ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں خیر کثیر گردانتے ہیں۔

دوسری صورت: بیوی پسند ہے، مگر دوسری عورت دل میں کُھب گئی ہے، اس لئے بیوی بدلنا چاہتا ہے، مگر اس کو بڑا مال مہر زیور کی شکل میں دے چکا ہے، اس لئے مفت چھوڑنے کو بھی جی نہیں چاہتا، چاہتا ہے کہ دیئے ہوئے مال میں سے کچھ واپس لیلے، یہ بھی ممنوع ہے، کیونکہ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب عورت پر کوئی الزام لگائے اور اس کو بدنام کرے، تاکہ وہ خلع کرکے جان چھڑائے، یہ کھلا ہوا گناہ ہے۔ علاوہ ازیں: وہ مہر وغیرہ کا عوض (ناموس) استعمال کرچکا ہے، پھر اس کا عوض مہر وغیرہ واپس کیسے لے گا، یہ بات انسانیت ومروت کے خلاف ہے، اور بیوی شوہر سے شریکِ حیات رہنے کا پکا عہد بھی لے چکی ہے، پس اس کی بھی خلاف ورزی ہوگی، اس لئے اس کی بھی ممانعت کی گئی کہ اس سے دیا ہوا

مال کچھ بھی واپس مت لو۔

مسئلہ: شوہر نے بیوی کو جو مہر دیا ہے یا زیور ہبہ کیا ہے: اس کا بعض خلع میں واپس لینا جائز ہے، دیا ہوا پورا واپس لینا یا زیادہ کا مطالبہ کرنا مکروہ ہے —— اور لڑکے کے باپ نے جو رسم ورواج اور ولیمہ میں خرچ کیا ہے: اس کا مطالبہ جائز نہیں، یہ تو لڑکے کے باپ نے جو دعوتیں اڑائی ہیں وہ قرضہ چکایا ہے، نکاح کے مصارف سے اس کا کچھ تعلق نہیں، اسی طرح جہیز تلک کا بھی مصارفِ نکاح سے کچھ تعلق نہیں، یہ ناجائز رسمیں ہندوؤں سے جاہل مسلمانوں میں آئی ہیں۔

آیاتِ پاک: اے ایمان والو! تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو! —— یہ بات ماسیق لاجلہ الکلام ہے —— (ضمنی مسئلہ کی پہلی صورت) اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کو ظلماً نکاح سے روکو —— بایں طور کہ ان کو طلاق نہ دو، بس لٹکائے رکھو —— تاکہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو —— یعنی بیوی خلع کرنے پر مجبور ہو —— لیکن اگر وہ صریح بے حیائی (نافرمانی) کا ارتکاب کریں —— تو خلع کا بدل لینا جائز ہے، کیونکہ قصور ان کا ہے —— اور ان کے ساتھ بھلے انداز سے رہو سہو —— یعنی طلاق مت دو، ان کے ساتھ نباہ کرو —— پس اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت بھلائی گردانیں!

(ضمنی مسئلہ کی دوسری صورت) —— اور اگر تم ایک بیوی کو دوسری بیوی سے بدلنا چاہو، اور تم ان میں سے ایک کو مالِ کثیر (اربوں کھربوں) دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ (واپس) مت لو، کیا تم اس کو لوگے بہتان باندھ کر اور صریح گناہ کے طور پر —— عطف تفسیری ہے، بہتان تراشی ہی صریح گناہ ہے —— اور تم کیسے لوگے جبکہ تمہارا ایک دوسرے تک پہنچ چکا ہے —— صحبت یا خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہے —— اور وہ عورتیں تم سے مضبوط پیمان لے چکی ہیں —— یعنی تم نے ان کے ساتھ: ساتھ جینے مرنے کا عہد کیا ہے، پس اگر تم کسی وجہ سے اس کو چھوڑ رہے ہو تو کم از کم دیا ہوا مال تو واپس مت لو! یہ بات شریف انسان کو زیب نہیں دیتی!

اختلافی مسئلہ: نکاح مؤکد صرف صحبت سے ہوتا ہے یا خلوتِ صحیحہ سے بھی؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف صحبت سے ہوتا ہے، اسی صورت میں پورا مہر دینا ہوگا، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خلوتِ صحیحہ سے بھی نکاح مؤکد (پکا) ہوجاتا ہے، اس صورت میں بھی پورا مہر واجب ہوگا ﴿قَدْ اَفْضٰی﴾: تحقیق پہنچ چکا: کے دونوں مطلب ہوسکتے ہیں، کیونکہ خلوتِ صحیحہ ایسی تنہائی کو کہتے ہیں: جہاں صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہو، پس جس طرح چت لیٹنا خروج ریح کے قائم مقام ہے، خلوتِ صحیحہ بھی جو امر ظاہر ہے صحبت کے قائم مقام ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

ع ۳ / ۱۴

وَلَا تَنْكِحُوْا	اور نہ نکاح کرو	اِلَّا مَا	مگر جو	فَاحِشَةً	بے حیائی
مَا نَكَحَ [۱]	جن سے نکاح کیا ہے	قَدْ سَلَفَ	بالتحقیق پہلے ہو چکا	وَّمَقْتًا [۲]	اور نہایت قابل نفرت
اٰبَآؤُكُمْ	تمہارے باپ دادوں نے	اِنَّهٗ	بے شک وہ (نکاح)	وَسَآءَ	اور برا ہے وہ
مِّنَ النِّسَآءِ	عورتوں سے	كَانَ	ہے	سَبِيْلًا [۳]	راہ کے اعتبار سے

جو عورت باپ دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی ہے: اس سے نکاح حرام ہے

یہاں سے محرمات کا بیان شروع ہوتا ہے، محرمات: وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح حرام ہے، ایسی پندرہ عورتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

پہلی عورت: وہ ہے جو باپ دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی ہے، اس سے بیٹا، پوتا اور نواسا نکاح نہیں کر سکتا، اور پہلے اس کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ یہ ﴿ لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ﴾ کی مثال بھی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں ایک برا طریقہ یہ رائج تھا کہ مرنے والے کی بیوی کو میراث سمجھتے تھے، بیٹا اپنی سوتیلی ماں پر قبضہ کرتا تھا، اور اس سے نکاح کرتا تھا، جبکہ وہ محرماتِ ابدیہ میں سے ہے، اس لئے شدت کے ساتھ اس سے نکاح کی ممانعت کی ہے، اور اس مثال پر میراث کے احکام پورے ہو جائیں گے، پھر محرمات کا بیان شروع ہوگا، پس گویا یہ 'گریز' کی آیت ہے، گریز: قصیدہ کا وہ شعر کہلاتا ہے جو تمہید اور مقصد کے درمیان آتا ہے، یہاں دو مضامین کے درمیان کی کڑی مراد ہے۔

مسئلہ: باپ، دادا یا نانا کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے، اگرچہ انھوں نے اس سے صحبت نہ کی ہو، یہ حرمت نفسِ عقد سے ثابت ہو جاتی ہے، جیسے: بیٹے، پوتے اور نواسے کی بیوی سے بھی نکاح حرام ہے، اور یہ حرمت بھی نفسِ عقد سے ثابت ہوتی ہے، صحبت ضروری نہیں، اسی طرح ساس کی حرمت بھی نفس عقد سے ثابت ہوتی ہے، البتہ ربیبہ (بیوی کی دوسرے شوہر سے لڑکی) سے نکاح کی حرمت بیوی سے صحبت کرنے پر موقوف ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے۔

فائدہ (۱): باپ، دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی ہوں: سے مقصود صرف وہی عورتیں نہیں ہیں جن سے باقاعدہ نکاح

---

(۱) ما نكح: جملہ مفعول بہ، ما: موصولہ، من النساء بیان۔ (۲) مقت: باب نصر کا مصدر: گناہ کرنے والے سے شدید بغض رکھنا (۳) سبیلاً: تمیز ہے۔

ہوا ہو، بلکہ وہ تمام عورتیں مراد ہیں جن سے جائز یا ناجائز تعلق رہ چکا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں نکاح کے چار طریقے تھے:

(۱) ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا زیر ولایت کسی لڑکی کے نکاح کے لئے پیام دیا جاتا۔ پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا اس آدمی سے نکاح کر دیتا۔ یہی نکاح کا صحیح طریقہ تھا۔ اور اسی کو اسلام نے باقی رکھا ہے۔

(۲) جب کسی آدمی کی بیوی حیض سے پاک ہوتی، جبکہ رحم میں حمل قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے تو شوہر اپنی بیوی سے کہتا کہ فلاں شخص سے جنسی تعلق قائم کر۔ پھر حمل ظاہر ہونے تک شوہر اپنی بیوی سے الگ رہتا۔ جب حمل کے آثار ظاہر ہوجاتے: شوہر اپنی بیوی سے صحبت کرتا۔ اور ایسا اس لئے کیا جاتا تھا کہ لڑکا نجیب (بڑی شان والا) پیدا ہو۔ عرب کے بعض پست قبیلوں میں یہ طریقہ رائج تھا۔

(۳) چند آدمی (دس سے کم) ایک عورت کے پاس جاتے۔ اور اس کی رضامندی سے سب اس سے صحبت کرتے۔ پھر اگر عورت حاملہ ہوجاتی، اور بچہ جنتی تو وہ ان سب آدمیوں کو بلاتی، اور کسی کو نامزد کرتی کہ یہ تیرا بچہ ہے۔ اور وہ آدمی انکار نہیں کرسکتا تھا۔

(۴) پیشہ ور قحبہ سے بہت سے لوگ جنسی تعلق قائم کرتے۔ پھر اگر اس کو حمل رہ جاتا، اور وہ بچہ جنتی تو قیافہ شناس بلایا جاتا۔ اور وہ علامات دیکھ کر فیصلہ کرتا کہ یہ بچہ فلاں کا ہے۔ اور اس کو ماننا پڑتا ـــــ اسلام نے یہ تمام شرمناک طریقے ختم کر دیئے۔ اور صرف ایک پاکیزہ طریقہ باقی رکھا جو اب لوگوں میں رائج ہے (بخاری حدیث ۵۱۲۷)

اور یہ آیت چاروں نکاح کو عام ہے، جبکہ تین نکاح محض زنا تھے، پس زنا اور مقدماتِ زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوگی۔

فائدہ (۲): عقد صحیح کے بعد اور عقد فاسد و باطل کے بعد صحبت سے بالاجماع حرمت ثابت ہوتی ہے، اور زنا سے امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک حرمت ثابت ہوتی ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے دو قول ہیں، معتمد قول عدم حرمت کا ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک زنا سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

اور اسبابِ زنا: مسّ (چھونا) قُبلہ (چومنا) اور نظر (شرمگاہ کو دیکھنا) سے صرف امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حرمت ثابت ہوتی ہے، مگر ان کے لئے شرطیں ہیں، جب شرائط پائی جائیں گی حرمت ثابت ہوگی، اس کی تفصیل میرے رسالہ حرمتِ مصاہرت میں ہے، اور اس میں نقلی اور عقلی دلائل بھی ہیں۔

فائدہ (۳): ﴿إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾: مگر جو پہلے ہو چکا، یعنی زمانۂ جاہلیت میں، اس لئے کہ کفار دنیا میں فروعات

(احکام) کے مکلّف نہیں، اور مسلمان ہونے کے بعد تو سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، البتہ اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، نہ ابتداءً نہ بقاءً۔ ابتداءً کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرے تو اس کو سخت عبرتناک سزا دی جائے گی۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا: میرے ماموں جھنڈا لئے کہیں جارہے ہیں، میں نے پوچھا: آپ کہاں جارہے ہیں؟ انھوں نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا سر قلم کرنے کے لئے روانہ کیا ہے جس نے اپنی باپ کی منکوحہ (بیوی) سے نکاح کیا ہے (رواہ الترمذی وابوداؤد)

اور بقاءً کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر مسلم نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرلیا، پھر میاں بیوی مسلمان ہوگئے تو اب ان کو اس نکاح پر برقرار نہیں رکھا جائے گا، دونوں میں تفریق کردی جائے گی، مگر کوئی سزا نہیں دی جائے گی، جیسے جنوبی ہند (کیرلا) میں ماموں کے نکاح میں بھانجی ہوتی ہے، یہ فیملی بھی مسلمان ہوجائے تو دونوں میں تفریق کردی جائے گی، اسی طرح کسی غیر مسلم کے نکاح میں دو بہنیں ہوں اور وہ سب مسلمان ہوجائیں تو کسی بھی ایک کو الگ کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی جاہل مسلمان دو بہنوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کرے تو دوسری کا نکاح نہیں ہوا، اس کو علاحدہ کیا جائے گا۔

آیتِ کریمہ: اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے، مگر جو پہلے گذر گیا، بے شک وہ (نکاح) بڑی بے حیائی، اور نہایت قابل نفرت کام ہے، اور وہ بہت برا طریقہ ہے!

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ ۙ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

حُرِّمَتْ	حرام کی گئیں	وَأَخَوٰتُكُمْ	اور تمہاری بہنیں	الْأَخِ	بھائی کی
عَلَيْكُمْ	تم پر	وَعَمّٰتُكُمْ	اور تمہاری پھوپھیاں	وَبَنٰتُ	اور بیٹیاں
أُمَّهٰتُكُمْ	تمہاری مائیں	وَخٰلٰتُكُمْ	اور تمہاری خالائیں	الْأُخْتِ	بہن کی
وَبَنٰتُكُمْ	اور تمہاری بیٹیاں	وَبَنٰتُ	اور بیٹیاں	وَأُمَّهٰتُكُمُ	اور تمہاری مائیں

اَلّٰتِیۡۤ	جنھوں نے	الّٰتِیۡ	جو	اَبۡنَآئِکُمُ	تمہارے بیٹیوں کی
اَرۡضَعۡنَکُمۡ	دودھ پلایا تم کو	دَخَلۡتُمۡ	صحبت کی تم نے	الَّذِیۡنَ	جو
وَاَخَوٰتُکُمۡ	اور تمہاری بہنیں	بِهِنَّ	ان سے	مِنۡ اَصۡلَابِکُمۡ	تمہاری پیٹھوں سے ہیں
مِّنَ الرَّضَاعَةِ	دودھ پینے سے	فَاِنۡ	پس اگر	وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا (۱)	اور جمع کرنا
وَاُمَّهٰتُ	اور مائیں	لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا	نہیں ہو تم	بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ	دو بہنوں کے درمیان
نِسَآئِكُمۡ	تمہاری بیویوں کی	دَخَلۡتُمۡ	صحبت کی تم نے	اِلَّا مَا	مگر جو
وَرَبَآئِبُكُمُ	اور تمہاری پروردہ لڑکیاں	بِهِنَّ	ان کے ساتھ	قَدۡ سَلَفَ	تحقیق پہلے گذرا
الّٰتِیۡ	جو	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
فِیۡ حُجُوۡرِكُمۡ	تمہاری گود میں ہیں	عَلَيۡكُمۡ	تم پر	كَانَ غَفُوۡرًا	بڑے بخشنے والے ہیں
مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ	تمہاری بیویوں سے	وَحَلَآئِلُ	اور بیویاں	رَّحِيۡمًا	بڑے مہربان ہیں

تیرہ عورتوں کا تذکرہ جن سے نکاح حرام ہے

محرمات: وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے ایسی ایک عورت کا ذکر گذشتہ آیت میں آ گیا، یعنی باپ دادا یا نانا کی موطوءۃ (سوتیلی ماں دادی یا نانی) سے نکاح حرام ہے، اب اس آیت میں تیرہ محرمات کا ذکر ہے، اور ایک کا ذکر اگلی آیت میں آئے گا۔

(۲) —— ماں سے نکاح حرام ہے، اور ماں سے مراد: تمام مذکر و مؤنث اصول ہیں، یعنی باپ، دادا اور نانا او پر تک، اور ماں دادی، نانی او پر تک: اُمہات سے یہ سب اصول مراد ہیں، یعنی نکاح کرنے والی عورت ہو تو وہ باپ، دادا اور نانا سے نکاح نہیں کر سکتی، اور نکاح کرنے والا مرد ہو تو ماں، دادی اور نانی سے نکاح نہیں کر سکتا، اسی طرح آگے سمجھیں۔

(۳) —— بیٹیوں سے نکاح حرام ہے، اور بیٹی سے مراد تمام مذکر و مؤنث فروع ہیں، یعنی بیٹا، پوتا، نواسا نیچے تک، اور بیٹی، پوتی، نواسی نیچے تک حرام ہیں، بنات سے یہ سب مراد ہیں۔

(۴) —— بہنوں سے نکاح حرام ہے، خواہ سگی ہوں یا علاتی یا اخیافی، اسی طرح بھائیوں سے بھی نکاح حرام ہے، خواہ سگے بھائی ہوں یا علاتی یا اخیافی۔

(۵و۶) —— پھوپھیوں اور خالاؤں سے نکاح حرام ہے، پھوپھی: باپ کی بہن، خواہ سگی ہو یا علاتی یا اخیافی، اور

(۱) وأن تجمعوا: أن: مصدریہ ہے، اور ما قبل پر معطوف ہے۔

خالہ: ماں کی بہن، خواہ سگی ہو یا علاتی یا اخیافی، اور عمات وخالات سے مراد اصل بعید (دادادادی، نانانانی اوپر تک) کی تمام صُلبی (بلاواسطہ) مذکر ومؤنث اولاد ہے، یعنی چچا، ماموں، پھوپھی اور خالہ، چاہے وہ پردادا اور پردادی کی صُلبی اولاد ہو، سب حرام ہیں، اور بالواسطہ اولاد یعنی چچازاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد حلال ہیں۔

(۷و۸) ـــــ بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح حرام ہے، اور بنات الأخ اور بنات الأخت سے مراد اصل قریب (ماں باپ) کی تمام مذکر ومؤنث فروع ہیں، پس بھائی، بھتیجے نیچے تک، اور بھانجے بھانجیاں نیچے تک سب حرام ہیں۔

فائدہ: یہ سات رشتہ دار (ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی) محرماتِ نسبیہ کہلاتے ہیں، یعنی بہت نزدیک کی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے حرام ہیں، اور حرمت دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ ـــــ مفاسد کا سدّباب مقصود ہے ـــــ قریبی رشتہ داروں میں رفاقت اور ہر وقت کا ساتھ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے پردہ کا التزام ممکن نہیں۔ اور جانبین سے فطری اور واقعی حاجتیں ہیں، مصنوعی اور بناوٹی نہیں۔ پس اگر ایسے مردوں اور عورتوں میں لالچ منقطع نہیں کی جائے گی، اور رغبت ختم نہیں کی جائے گی تو مفاسد کا سیلاب امنڈ آئے گا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ایک شخص کی اجنبی عورت کے محاسن پر نظر پڑتی ہے تو وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی خاطر جان جوکھوں میں ڈال دیتا ہے۔ پس جن کے ساتھ تنہائی ہوتی ہے، اور وہ ایک دوسرے کی خوبیوں کو شب وروز دیکھتے ہیں، کیا وہاں مفاسد پیدا نہیں ہوں گے؟ اسی فساد کو روکنے کے لئے قرابتِ قریبہ میں نکاح حرام کیا گیا ہے، کیونکہ سلیم المزاج لوگوں کی رغبت حرام کی طرف نہیں ہوتی۔

دوسری وجہ ـــــ عورتوں کو ضررِ عظیم سے بچانا مقصود ہے ـــــ اگر محرمات میں رغبت کا دروازہ کھولا جائے گا، اور امید کا دروازہ بند نہیں کیا جائے گا۔ اور اس سلسلہ میں بے راہی اختیار کرنے والوں پر سخت نکیر نہیں کی جائے گی، تو دو طرح سے عورتوں کو ضررِ عظیم پہنچے گا:

ا ـــــ عورت جس مرد سے نکاح کرنا چاہے گی، اولیاء نہیں کرنے دیں گے۔ خود نکاح کرنا چاہیں گے۔ کیونکہ ان عورتوں کا معاملہ اولیاء کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ان کا نکاح کرانے کے ذمہ دار ہیں۔ پس عورت کے جذبات پامال ہوں گے۔ اور اس کو بھاری نقصان پہنچے گا۔

۲ ـــــ اگر شوہر عورت کے حقوق ادا نہیں کرتا، تو عورت کی طرف سے اولیاء حقوقِ زوجیت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کیونکہ عورت کمزور ہے۔ وہ اپنے حق کے لئے نہیں لڑ سکتی۔ پس اگر ولی خود شوہر بن جائے گا، اور عورت کی حق تلفی کرے گا، تو عورت کی طرف سے حقوقِ زوجیت کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اس طرح عورت کو ضررِ عظیم پہنچے گا۔

اوراس کی نظیر: یتیم لڑکیوں سے نکاح کی ممانعت ہے۔ بخاری شریف (حدیث ۴۵۷۳) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص کی ولایت میں ایک یتیم لڑکی تھی۔ اوراس کا ایک باغ تھا۔ جس میں یہ لڑکی بھی شریک تھی۔ اس شخص نے خود ہی اس لڑکی سے نکاح کرلیا۔ اوراس کا باغ کا حصہ ہتھیالیا۔ اس پر سورۃ النساء کی آیت تین نازل ہوئی کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے انصاف پر قائم نہیں رہ سکو گے تو تمہارے لئے دوسری عورتیں بہت ہیں۔ ان میں جو تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو یعنی یتیم لڑکیوں سے نکاح مت کرو۔ یہ ممانعت ان لڑکیوں کو ضرر سے بچانے کے لئے ہے۔

(۱۰۹) —— رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے بھی نکاح حرام ہے۔ رضاعی ماں: وہ عورت جس کا کسی بچہ نے اس وقت دودھ پیا ہو جب اس کی دودھ پینے کی عمر ہو یعنی ڈھائی سال کی عمر کے اندر دودھ پیا ہو، اور رضاعی بہن: وہ ہے جس نے اس کی رضاعی ماں کا دودھ پیا ہو، دونوں دودھ شریک بھائی بہن ہیں، اسی طرح رضاعی ماں کی نسبی اولاد سے بھی نکاح حرام ہے۔

فائدہ: دودھ پینے سے وہ ساتوں رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، یعنی دودھ پلانے والی ماں، اور اس کے تمام اصول وفروع۔ اوراس کا شوہر، اوراس کے تمام اصول وفروع۔ اور دونوں کی اصل قریب کی تمام فروع۔ اور دونوں کے اصولِ بعیدہ کی صلبی اولاد۔ اوراس آیت میں جو صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کا ذکر ہے: وہ بطور مثال ہے یہ بات حدیث نے واضح کی ہے۔ فرمایا: ''دودھ پینے سے وہ تمام رشتے حرام ہوتے ہیں، جو ولادت (ناتے) سے حرام ہوتے ہیں'' (رواہ البخاری، مشکوۃ حدیث ۳۱۶۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی پورے قریش میں قابل فخر ہے، اگر حضور کا منشاء اس طرف ہو تو بہت مناسب ہے اس پر ارشاد ہوا'' کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حمزہ میرے رضاعی (دودھ شریک) بھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے رضاعت کے وہ تمام رشتے حرام فرمادیئے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں''

امہات المؤمنین کے لئے پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا، اسی زمانہ کا یہ واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میرے پاس میرے رضاعی چچا آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے کہلوادیا کہ اس بارے میں جب تک حضور ﷺ سے نہ پوچھ لوں کیسے اجازت دے سکتی ہوں، پھر میں نے آپ کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ یقیناً تمہارے چچا ہیں، ان کو اندر آنے کی اجازت دینا چاہیئے'' اس پر میں نے التماس کیا: حضور میں نے تو دودھ عورت کا پیا ہے، اس مرد سے مجھے کیا تعلق ہے، اس پر دوبارہ ارشاد ہوا'' وہ یقیناً تمہارے چچا ہیں، وہ اندر آسکتے ہیں''

ایک اور واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہی منقول ہے، فرماتی ہیں کہ ایک روز حضور اقدس ﷺ میرے مکان میں تشریف رکھتے تھے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر کسی شخص کے اجازت طلب کرنے کی آواز آئی یعنی کوئی صاحب ان کے مکان پر اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے تھے میں نے اجنبی آواز سن کر حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ یہ کون صاحب ہیں جو اس طرح اندر آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غالباً یہ فلاں صاحب ہیں یہ حفصہ کے رضاعی چچا ہیں، اس پر میں نے عرض کیا اچھا، اگر فلاں صاحب زندہ ہوتے تو کیا وہ بھی رضاعی چچا ہونے کی وجہ سے اندر آنے کی اجازت پاتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ضرور پاتے، کیونکہ رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت (نسب) سے حرام ہوتے ہیں

(۱۱) ـــــ خوش دامن (ساس) سے نکاح حرام ہے، یہی حکم بیوی کی دادی نانی کا بھی ہے، اور یہ حرمت نفسِ عقد سے ثابت ہوتی ہے، اور یہی حکم اس عورت کی ماں، دادی اور نانی کا بھی ہے، جس کے ساتھ مغالطہ کی وجہ سے یا دانستہ جنسی تعلق قائم ہو گیا ہو یا دواعی صحبت پائے گئے ہوں۔

(۱۲) ـــــ ربیبہ (پروردہ لڑکی) سے بھی نکاح حرام ہے یعنی وہ لڑکی جو بیوی کے ساتھ آئی ہے، اور وہ دوسرے شوہر کی ہے، اور ربیبہ سے نکاح حرام ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کی ماں سے صحبت ہو چکی ہو، اگر یہ تعلق قائم ہونے سے پہلے ہی طلاق دیدی یا مر گئی تو اس ربیبہ سے نکاح ہو سکتا ہے، اور یہ بھی جان لیں کہ ربیبہ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ شوہر کی پرورش میں ہو، بلکہ صرف بیوی کی لڑکی ہونا ہی حرمت کے لئے کافی ہے۔

(۱۳) ـــــ بیٹے، پوتے اور نواسے کی بیوی سے بھی نکاح حرام ہے، یہی حکم اس عورت کا بھی ہے جس سے بیٹے، پوتے اور نواسے کا مغالطہ سے یا دانستہ جنسی تعلق قائم ہو گیا ہو یعنی زنا کیا ہو یا دواعی زنا پائے گئے ہوں، اسی طرح رضاعی بیٹے، پوتے اور نواسے کی بیوی سے بھی نکاح حرام ہے۔

(۱۴) ـــــ دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے، خواہ وہ سگی بہنیں ہوں یا علاتی یا اخیافی اور یہی حکم رضاعی بہنوں کا بھی ہے۔ پھر جس طرح ایک وقت میں دو بہنوں کو نکاح میں رکھنا حرام ہے اسی طرح ایک عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ یا اس کے باپ اور ماں کی پھوپھی یا ان دونوں کی خالہ یا اس کے دادا دادی کی پھوپھی یا خالہ کو جمع کرنا بھی حرام ہے، اور یہ بات متفق علیہ حدیث میں آئی ہے۔

فائدہ: ﴿إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ کا تعلق صرف دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے سے ہے یا دو تا چودہ تک جن عورتوں کا ذکر آیا ہے: ان سب سے ہے؟ یعنی زمانہ جاہلیت میں کسی نے ماں یا بہن بیٹی وغیرہ سے نکاح کیا تو اس سے بھی درگذر

کیا جائے گا؟ اس میں مفسرین کرام کی دو رائیں ہیں، کوئی اس کا تعلق صرف دو بہنوں سے کرتا ہے، اور کوئی سب کے ساتھ کرتا ہے، جلالین میں سب کے ساتھ کیا ہے، اور یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے، البتہ اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، نہ ابتداءً نہ بقاءً، اس لئے بات زیادہ اہم نہیں۔

ملحوظہ: پندرہویں عورت وہ ہے جو شوہر والی ہے یعنی کسی کے نکاح میں ہے، اس کا بیان اگلی آیت میں ہے، جو اگلی جلد میں آئے گی، چونکہ حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ نے پہلی جلد پارہ چار پر ختم کی ہے، اس لئے میں نے بھی یہ جلد اسی آیت پر پوری کی ہے، تاکہ تفسیر کے سیٹ میں توافق رہے، جو چاہے مولانا مرحوم کی جلد لے اور جو چاہے یہ جلد لے۔

آیتِ پاک: تم پر حرام کی گئیں: تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں، اور تمہاری بہنیں، اور تمہاری پھوپھیاں، اور تمہاری خالائیں، اور تمہاری بھتیجیاں، اور تمہاری بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہے، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو، پس اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر (ان سے نکاح کرنے میں) کچھ گناہ نہیں، اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری نسل سے ہیں، اور دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا، مگر جو پہلے ہو چکا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

﴿پہلی جلد پوری ہوئی، دوسری جلد ان شاء اللہ پانچویں پارہ سے شروع ہوگی﴾

﴿سنیچر گیارہ ذی قعدہ ۱۴۳۸ھ = ۵ر اگست ۲۰۱۷ء﴾